ایضاح المسلم
جلد اوّل
افادات:
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
صدر المدرسین وشیخ الحدیث دار العلوم دیوبند
ترتیب جمع، اضافات و تعلیقات:
مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دار العلوم دیوبند
ناشر
مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

افادات:

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

ترتیب و جمع، اضافات و تعلیقات:

مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند



ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

# ایضاح المسلم

جلد اوّل

افادات

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

ترتیب و جمع، اضافات و تعلیقات

مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

# تفصیلات



نام کتاب : إيضاح المسلم شرح صحيح المسلم جلد اول

افادات : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند 09412873888

مرتب : مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری زید مجدہٗ فاضل دار العلوم دیوبند
09837094794-09897413547
Emil:husaindbd@yahoo.in

سائز : ۲۰×۳۰/۸

صفحات : ۶۰۰

تاریخ طباعت : بار اول ذی الحجہ ۱۴۳۸ ہجری مطابق ستمبر ۲۰۱۷ عیسوی

کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند 09997658227

پریس : ایچ، ایس پرنٹرس، ۱۴۷ چاندی محل، دریا گنج دہلی (011)23244240
09811122549

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔ (یو، پی)

# فہرست مضامین



## کتاب الإیمان

❁ ❁ ❁

# عربی ابواب کی فہرست

## كتاب الإيمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ مرتب

**الحمد لله رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلوة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آله الطاهرین، وأصحابه وعلماء أمته أجمعین، أما بعد!**

سیدالکائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے. ترکتُ فیکم أمرَیْنِ، لن تَضِلُّوا ما تَمَسَّکْتُمْ بهما، کتاب اللّٰه وسنة رسوله: یعنی میں تمہیں دو چیزیں سونپ رہا ہوں، جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہوؤ گے: ایک: اللہ کی کتاب قرآن مجید، اور دوسری: نبی ﷺ کی سنت یعنی احادیث شریفہ (مشکوۃ حدیث ۱۸۶)

—— قرآن مجید اللہ پاک کا آخری پیغام ہے، جو پاک پروردگار نے بندوں کی طرف بھیجا ہے، اس کے الفاظ آسمانی اور الہامی ہیں، اس کی پیروی پوری انسانیت پر لازم ہے۔ اور اس کی پیروی میں دونوں جہاں کی کامیابی مضمر ہے، اور احادیثِ شریفہ: قرآنِ مجید کی تبیین وتشریح اور توضیح وتفسیر ہیں، ان کے بغیر نہ آیات مبارکہ کے شانِ نزول اور مطالب ومقاصد تک رسائی ممکن ہے، اور نہ اجمال کی تشریح، عموم کی تخصیص اور مبہم کی تفصیل ممکن ہے، اس لئے علماء وفضلاء نے روزِ اول ہی سے دونوں علوم کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی، قرآن مجید میں غور وفکر کیا تو ہزار ہا علوم قرآنی پیدا ہوئے اور لاکھوں کتابیں لکھی گئیں، جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور احادیث شریفہ کی طرف توجہ کی تو متونِ حدیث کے ہزاروں مجموعے: صحاح، مسانید، جوامع، سنن، معاجیم، مستدرک، مستخرج، افراد وغرائب، تجرید وتخریج، اور علل وزوائد وغیرہ وجود میں آئے، پھر احادیث کی تشریح، حل لغات، ان سے احکام کے استخراج واستنباط اور حکم واسرار پر مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں جو کتابیں قید تحریر میں آئیں وہ بھی یقیناً ہزاروں سے متجاوز ہیں۔ اور راویوں کے سوانح وتراجم اور جرح وتعدیل پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ مستزاد ہیں۔ غرض امت مسلمہ کے نابغہ روزگار علماء اور فضلاء نے ہر اس علم کی حفاظت وتدوین، جمع وترتیب اور ضبط واتقان کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی، جس کا کوئی بھی رشتہ قرآنِ کریم یا احادیثِ شریفہ سے ہے، اور پوری جان کاہی، قابلیت، خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ ان کی ایسی خدمت کی، اور تالیف وتصنیف کی دنیا میں ایسے حسین اضافے کئے کہ دنیا اس کی مثال ونظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

قرآن وسنت کے ان خادموں میں ایک وقیع نام محدث جلیل، متکلم اسلام، شارح حجۃ اللہ البالغہ، فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم ومدت فیوضہم (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند) کا بھی آتا ہے، جن کے افادات کی یہ پہلی جلد بنام ”ایضاح المسلم“ ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے۔ حضرت والا کو اللہ عز وجل نے ذکاوت طبع، ذہن رسا اور فطری سلامت روی کا جوہر عطا فرمایا ہے، اور علمی ریاضت سے قلبی فراست اور فرقانی قوت

بھی عطا فرمائی ہے، اسی وجہ سے آپ کی ذات میں علم کے ساتھ معرفت، تبحر کے ساتھ تفقہ اور دراست کے ساتھ علمی لطافتیں جمع ہیں، آپ قرآن وسنت کے غوّاص ہیں، آپ کو علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی کمال حاصل ہے، اسی لئے آپ کی زبان وقلم سے نقلی مسائل بھی عقلی اور استدلالی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ امام اکبر، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کے سب سے بڑے شارح ہیں۔ آپ نے ایشاء کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں بیس سال مسلسل حجۃ اللہ البالغہ کا کامیاب درس دیا ہے، اور رحمۃ اللہ الواسعہ کے نام سے اس کی مبسوط شرح بھی تحریر فرمائی ہے، اس لئے حکمتِ شرعیہ سے بھی آپ کو حظ وافر حاصل ہوا ہے، دین کا کوئی کیسا ہی مسئلہ ہو، دقیق ہو یا رقیق آپ اس کی ایسی دلنشیں حکمت بیان فرماتے ہیں کہ طبیعت عش عش کرنے لگتی ہے۔ حضرت موصوف آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے رازوں سے اس طرح پردہ اٹھاتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے علوم وفنون کا ایک بحر ذخار موجزن ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت والا کو مبدأ فیاض سے مشکل مضامین کو سہل انداز وآسان زبان میں بیان کرنے کی بے مثال قوت عطا کی گئی ہے، آپ مشکل سے مشکل مضامین کو تقریر وتحریر کے ذریعہ نہایت عمدہ طریقہ پر ذہن نشین کرا دیتے ہیں اور کتاب کا ایک ایک حرف حل فرماتے ہیں، کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیتے، اور غیر ضروری ابحاث سے تعرض نہیں کرتے، بالخصوص حدیث شریف کے درس میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب میں تقابل اور ترجیح قائم کرنے کے بجائے مدارک اجتہاد بیان کرتے ہیں، یعنی ایسا طریقہ اختیار فرماتے ہیں کہ ائمہ کے دلائل بھی سامنے آجاتے ہیں اور اختلاف کی بنیاد بھی بدست آجاتی ہے۔ اور ائمہ حق کا مقام واحترام بھی ملحوظ رہتا ہے، اور پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تمام راستے ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، اور چلنے والا جو بھی راہ اختیار کرے وہ بتوفیق خداوندی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا، یہی وجہ ہے کہ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں آپ کا درس بالخصوص حدیث شریف کا درس خصوصی شان کا حامل ہے، اور اس کی سب سے بڑی شہادت طلبۂ علوم نبوت کی حضرت والا کے ساتھ گرویدگی اور عقیدت ومحبت ہے۔

❁ ❁ ❁

حضرت الاستاذ مدظلہ کی تصنیفات بھی علمی نکات ولطائف سے پُر، اسرار وحکم سے لبریز اور گنجینۂ معرفت ہوتی ہیں، اب تک تیس سے زیادہ کتابیں حضرت اقدس مدظلہ کے قلم گہربار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں، اور خوب داد تحسین حاصل کر رہی ہیں، جن میں سے بعض تو کئی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں، صرف ہدایت القرآن، تحفۃ القاری، تحفۃ الالمعی اور رحمۃ اللہ الواسعہ ۳۳ ضخیم جلدوں پر اور تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، دیگر تصانیف ان کے علاوہ ہیں، بلاشبہ یہ ایک محیر العقول کارنامہ ہے جو حضرت والا کی خلوص وللّٰہیت کی دلیل، اللہ عزوجل اور ان کے حبیب ﷺ کے کلام سے عشق اور زندگی بھر کی علمی وعملی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ❁ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مذکورہ بالا چاروں کتابیں پیش نظر کتاب "ایضاح المسلم" کا مرجع وماخذ ہیں، اس لئے ان کا مختصر تعارف پیش ہے۔

❁ ❁ ❁

۱-ہدایت القرآن: قرآنِ مجید کی عام فہم اور آسان ترین تفسیر ہے جو حضرت موصوف نے عبارت النص پیش نظر رکھ کر تحریر فرمائی ہے، اس میں ہر قرآنی کلمہ کا الگ الگ ترجمہ ہے، حاشیہ میں حل لغات اور ضروری ترکیب بھی ہے، اور اس تفسیر کا خاص امتیاز سورتوں، آیتوں اور آیت کے اجزاء میں باہم ربط وارتباط کا بیان ہے۔ قرآن فہمی میں یہ تفسیر اکسیر ہے۔

۲-تحفۃ القاری: بخاری شریف کی متداول شرح ہے، جو بارہ جلدوں میں مطبوعہ ہے، اس میں ہر حدیث کا ترجمہ اور شرح ووضاحت کے علاوہ ترجمۃ الباب پر محققانہ کلام ہے، جو اپنی نظیر آپ ہے۔ بخاری شریف کے تراجم بہت ہی دقیق اور بخاری شریف کی روح ہیں، ان کے ضمن میں امام بخاری رحمہ اللہ اپنا فقہی مسلک بھی بیان فرماتے ہیں، کیونکہ آپ مجتہد ہیں، اور ابواب واحادیث کے درمیان گہرا تعلق ہوتا ہے، اس لئے بخاری شریف میں تراجم اور احادیث کے درمیان تطبیق ایک معرکۃ الآراء بات سمجھی جاتی ہے، حضرت موصوف نے اس پہلو کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے، ہر ترجمہ کا مقصد، امام بخاری کا مسلک، اور ابواب واحادیث کا باہمی ربط خاص طور پر واضح فرمایا ہے اور اس پر محققانہ کلام کیا ہے۔

۳-تحفۃ الالمعی: ترمذی شریف کی مقبول ترین اور متداول شرح ہے جو آٹھ جلدوں میں مطبوعہ ہے، اور حضرت والا کی زندگی بھر کی علمی وعملی کاوشوں اور وسیع تر مطالعہ کا ثمرہ ہے، اس شرح میں ترمذی شریف کا حرف حرف حل کیا گیا ہے، نہ بہت زیادہ طویل ہے نہ حد درجہ مختصر، احادیث پر محدثانہ کلام، فقہی مسائل میں دقتِ نظر اور وسعتِ نظر کے ساتھ منصفانہ گفتگو، اعتدال وتوازن کے ساتھ ائمۂ مجتہدین کے اقوال ومذاہب کی تنقیح وتشریح، گمراہ فرقوں کا تعاقب اور بلیغ انداز میں اس کا رد، احکام تشریعیہ اور ان کے اسرار وحکم پر محققانہ وحکیمانہ کلام اور جابجا کلیات وضابطے اس شرح کا امتیاز ہیں، جو حدیث فہمی اور بصیرت کے لئے انتہائی مفید ہیں، اور مدارک اجتہاد کی نشاندہی نے اس شرح کو دیگر عربی واردو شروحات میں ممتاز اور اسم بامسمی بنادیا ہے۔

۴-رحمۃ اللہ الواسعہ: یہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کی مایہ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں احکامِ شرع کے اسرار وحکم اور رموز ومصالح پر محققانہ اور بلیغ زبان میں مفصل ومدلل کلام فرمایا ہے، مگر شاہ صاحب کا البیلا انداز نگارش، عبارت میں غایت درجہ ایجاز، مخصوص اصطلاحات، فکری بلند پردازی اور مضامین کی جدت کی وجہ سے اس کتاب کی افادیت نہ صرف محدود بلکہ مفقود سی ہوکر رہ گئی تھی، حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کو شاہ صاحب کے علوم سے خصوصی مناسبت ہے اور افہام وتفہیم کا خصوصی ملکہ بھی حاصل ہے۔ موصوف نے رحمۃ اللہ الواسعہ کے نام سے پانچ ضخیم جلدوں میں اس کی مفصل شرح تحریر فرمائی ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح وترجمانی کر کے فکر ولی اللّٰہی کے حامل تمام افراد کی طرف سے علمی قرضہ ادا کیا ہے، نیز حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ بھی لکھا ہے، جو دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔

❁ ❁ ❁

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نصف صدی سے زائد عرصہ سے قرآن وحدیث کی خدمت میں مصروف ہیں، اور چالیس سال سے دارالعلوم دیوبند جیسے عالمی سطح کے عظیم ومشہور ادارے میں حدیث شریف کی تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں اور بخاری شریف کا ـــــ جس کو قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے ـــــ کامیاب درس دے رہے ہیں اور تیس سال مسلسل ترمذی شریف کا بھی کامیاب درس دے چکے ہیں،

جس کی سب سے بڑی شہادت دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کی حضرت والا کے تعلق سے گرویدگی ہے، حضرت والا کا جو جوہر ترمذی شریف اور بخاری شریف کے درس کی صورت میں کھل کر دنیا کے سامنے آتا رہا، وہ اور زیادہ مضبوط اور واضح شکل میں تحریری طور پر بھی سامنے آگیا ہے، اور تحفۃ الالمعی اور تحفۃ القاری کے ناموں سے چھپ کر خوب دادِ تحسین حاصل کر رہا ہے۔ بہ ظاہر تو یہ دو شرحیں ہیں، لیکن درحقیقت ان میں مختلف ابواب کے تحت شرعی امور و معاملات پر گفتگو کے ضمن میں ایسے دقیق اور معنی خیز نکات شامل ہو گئے ہیں جن کے لئے درجنوں کتابوں کی ورق گردانی بھی کافی نہیں، بالخصوص مقدمہ تو بڑا ہی قیمتی اور نایاب معلومات وتحقیقات پر مشتمل ہے، اور ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے حدیث شریف کی حیثیت وحجیت، اس کی تدوین وترتیب کے تاریخی مراحل، حجازی اور عراقی مکاتب فکر کی تاریخ اور جمع قرآن وجمع حدیث کی تاریخ بہترین اسلوب اور عام فہم انداز میں بیان فرمائی ہے، اور دیگر بہت سے اہم، معرکۃ الآراء، پیچیدہ اور مختلف فیہ مسائل پر نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے، خاص طور پر تقلید کی ضرورت واہمیت پر حضرت موصوف نے اعلی اور استدلالی انداز میں روشنی ڈالی ہے، اور اجماع وقیاس کی واقعی حیثیت اور وحی اور صاحبِ وحی کے مقام پر جس علمی انداز میں بحث کی ہے وہ بصیرت پیدا کرنے والی باتیں ہیں، اور علماء کے لئے عام طور پر اور طلبہ کے لئے خاص طور پر قیمتی سوغات ہیں۔

❁ ❁ ❁

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کے تلامذہ واحباب کا برابر اصرار تھا کہ بخاری شریف کی طرح مسلم شریف کی بھی تشریح وترجمانی حضرت والا کی زبانی ہوجانی چاہئے، تاکہ صحیحین سے استفادہ بھی آسان ہوجائے اور مستند ترجمانی بھی ہوجائے، حضرت والا کی بھی یہ دیرینہ خواہش تھی مگر بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے حضرت والا کے لئے اس طرف توجہ کرنا مشکل تھا، اور احباب کا اصرار برابر بڑھ رہا تھا، حضرت الاستاذ نے احقر کو اس اہم کام کا حکم دیا اور تحفۃ القاری وتحفۃ الالمعی کے طرز پر کام کرنے کے لئے فرمایا مجھ حقیر و تہی دامن کے لئے یہ کام مشکل بلکہ ناممکن تھا، مگر چونکہ حضرت الاستاذ کی نگرانی وسرپرستی میں کام کرنا تھا، احقر تحفۃ القاری وتحفۃ الالمعی کی ترتیب وتہذیب میں حضرت الاستاذ کے ساتھ شریک رہا ہے، ان دونوں شرحوں کی ابتدائی جلدیں درسی تقریر ہیں، اور ان کی ترتیب کی سعادت بفضلہٖ تعالی احقر کو حاصل ہوئی ہے، اور حضرت والد ماجد کی زیر نگرانی کام کرنے سے تصنیف وتالیف کا نہج اور اس پُر خار وادی کی راہ سے کچھ شناسائی ہوگئی ہے اس لئے کمر ہمت کسی اور حضرت والد ماجد کے حکم وایماء پر اور ان کی دعاؤں کے سہارے احقر نے مسلم شریف کی تشریح وترجمانی کا ارادہ کرلیا۔ آج احقر کے جسم کا رواں رواں منعم حقیقی، رب کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس ناکارہ کو ناکارگی اور تساہلی کے باوجود مسلم شریف کی شرح کی یہ پہلی جلد بنام "ایضاح المسلم" ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت عطا فرمائی، اس عظیم نعمت پر رب کریم کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے:

إنّ المَقَادِيرَ إذا سَاعَدَتْ ❁ أَلْحَقَتِ العَاجِزَ بِالْقَادِرِ

(جب قسمت یاوری کرے تو معمولی آدمی بھی بڑا کارنامہ انجام دیدیتا ہے)

❁ ❁ ❁

پیش نظر کتاب "ایضاح المسلم" اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ پہلے معالم طریق یعنی عناوین قائم کئے گئے ہیں، پھر باب کا

خلاصہ اور مقصدِ باب لکھا گیا ہے، پھر احادیث شریفہ اعراب کے ساتھ لکھی گئی ہیں، پھر درسی ترجمہ ہے، اس کے بعد حل لغات، مشکل جگہوں کی ترکیب اور حدیث شریف کی ضروری تشریح ہے ــــ مسلم شریف کے ہندوستانی نسخہ میں عبارت قدیم طرز پر چھپی ہوئی ہے، کچھ پتا نہیں چلتا کہ بات کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے، میں نے متن بیروت والے نسخہ کا (مطبوعہ دار ابن حزم کا) رکھا ہے اور اس کی ترقیم کی پیروی کی ہے، البتہ بیروت والے نسخہ میں بعض ابواب زائد ہیں ان کو حذف کیا ہے اور ان کا نمبر بھی حذف کیا ہے، نیز عبارتوں کو جدا جدا کیا ہے، اس سے بھی ان شاء اللہ کتاب فہمی میں مدد ملے گی۔

❁ ❁ ❁

مسلم شریف کا ایک امتیاز تعددِ طرق ہے، حضرت رحمہ اللہ نے ایک موضوع سے متعلق تمام احادیث کو صحیح طرق کے ساتھ مرتب شکل میں جمع فرمایا ہے جس کی وجہ سے مسلم شریف سے استفادہ آسان ہوگیا ہے، اساتذہ مسلم شریف پڑھاتے ہوئے عام طور پر سند کے ابحاث سے خاموش گذر جاتے ہیں، ان مباحث سے اس طرح گذر جاتے ہیں کہ گویا وہ کوئی چیز نہیں، حالانکہ یہی مضامین مسلم شریف کی خصوصیات ہیں، اس شرح میں آپ کو اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو ملے گی، امام مسلم رحمہ اللہ نے کتنی سندیں پیش کی ہیں؟ اور ان سند ومتون میں کیا فرق ہے؟ اس شرح میں یہ باتیں خاص طور پر حل کی گئی ہیں۔

❁ ❁ ❁

اس شرح کی ترتیب میں تحفۃ القاری، تحفۃ الالمعی، رحمۃ اللہ الواسعہ اور ہدایت القرآن سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے، بلکہ درحقیقت یہ شرح انہی چار کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، مسلم شریف کی جو احادیث بخاری شریف یا ترمذی شریف میں آئی ہیں ان کی شرح ووضاحت اور ترجمہ تحفۃ القاری یا تحفۃ الالمعی سے لیا گیا ہے اور اس کو مسلم شریف کی حدیث کے مطابق کیا گیا ہے، اور ناگزیر جگہوں میں حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے، اور احادیث شریفہ کے ضمن میں بطور استشہاد جو آیاتِ کریمہ آئی ہیں ان کی تفسیر ہدایت القرآن سے اور رموز وحکمت کی باتیں اور افادۂ مزید رحمۃ اللہ الواسعہ سے ماخوذ ہیں، اور میں نے ہدایت القرآن اور رحمۃ اللہ الواسعہ سے لی گئی باتوں کا تو حوالہ دینے کا اہتمام کیا ہے مگر تحفۃ القاری اور تحفۃ الالمعی کے حوالوں کا اہتمام نہیں کیا، جو باتیں تحفۃ القاری اور تحفۃ الالمعی سے معروف جگہوں سے لی ہیں ان کا حوالہ نہیں لکھا، البتہ حذف واضافہ کے ساتھ یا غیر متعلقہ جگہوں سے جو باتیں لی گئی ہیں وہ باحوالہ لکھی ہیں ــــ اور اس شرح کی ترتیب کے وقت میں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی معروف شرح فتح الملہم اور علامہ نووی رحمہ اللہ کی شرح سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور من وعن بات نقل کرنے کے بجائے خلاصہ لکھا ہے اور ہر بات باحوالہ لکھی ہے تاکہ مراجعت کے وقت سہولت ہو، اور ڈابھیل کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوری نور اللہ مرقدہ کی مسلم شریف کی شرح "نفع المسلم" سے بھی چند جگہوں میں استفادہ کیا ہے، مگر صرف استفادہ کیا ہے نقل نہیں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں کو جن کے کاموں سے اس شرح کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے بہترین صلہ عطا فرمائیں اور مجھ حقیر وبے علم کی یہ محنت محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں۔

❁ ❁ ❁

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے مقدمۂ مسلم کی شرح خود تصنیف فرمائی ہے جو فیض المنعم کے نام سے مطبوعہ اور متداول

ہے،اس لئے اس کی الگ شرح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، پہلے فیض المنعم کوایضاح المسلم کے ساتھ ملاکر شائع کرنے کاارادہ تھا مگراس سے کتاب کا حجم بڑھ جاتااس لئے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔حضرت والد ماجد کا فرمانا تھا کہ مسلم شریف میں زیادہ زور مقدمہ کے بعد کتاب الایمان پر دیا جاتا ہے، بلکہ بعض مدارس میں تو صرف مقدمہ اور کتاب الایمان پڑھاتے ہیں،اس لئے جلداول میں کتاب الایمان کی مکمل شرح آجانی چاہئے۔فیض المنعم کوشامل کرنے کی صورت میں کتاب کا حجم بڑھ جاتا،اس لئے اس کواس جلد کے ساتھ شائع نہیں کیا گیا،وہ حسب سابق علاحدہ شائع ہوتی رہے گی۔

❁ ❁ ❁

حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کے درس وامالی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کتاب کا ایک ایک حرف حل فرماتے ہیں،کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑتے،اور غیر ضروری ابحاث سے تعرض نہیں کرتے،اور صرف مسائل ہی بیان نہیں کرتے،کتاب بھی حل فرماتے ہیں،اور فن بھی سمجھاتے ہیں،چنانچہ موصوف کا ہر درس،ہر تقریر اور ہر تحریر علمی نکات سے پُر،سہل ممتنع،مرتب،واضح اور جامع ہوتی ہے،اس شرح کو بھی قارئین ان خوبیوں سے مزین پائیں گے اوراس کی سلاست بیان،حسن ترتیب،واضح تعبیرات اور بلیغ اشارات سے محظوظ ہونگے۔

اوراس شرح کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اس شرح کا ایک ایک لفظ بامعانِ نظر پڑھاہےاور حذف واضافہ کر کےاس کوقابلِ اشاعت بنایا ہے،ورنہ بندہ ناچیز کواپنی کم علمی،بے مائگی،بے بضاعتی اورنا تجربہ کاری کا پورااحساس ہے،یہ عظیم علمی کارنامہ اس ناکارہ کی بساط سے یقیناً بالاتر تھا،صرف حضرت الاستاذ کی عنایت نے اس کو قابلِ اشاعت بنایاہے۔

**شرح کا نام اوروجہ تسمیہ:** حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اس شرح کا نام "ایضاح المسلم" رکھا ہے،إیضاح (افعال)مصدر ہے،أَوْضَحَ الْأَمْرَ کے معنی ہیں: ظاہر کرنا،واضح کرنا۔یہ شرح مسلم شریف حل کرنے میں مددگار ثابت ہوگی اوراس کی مدد سے مسلم شریف کے دقیق مضامین اوراحادیث کو سمجھنا آسان ہوگا،اللہ تعالیٰ اس حقیر محنت کواپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں اوراس شرح کے ذریعہ امت کوفیض یاب فرمائیں اور طلبہ کوبیش ازبیش فائدہ پہنچائیں(آمین)

**وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه أنيب، وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين.**

کتبہ

حسین احمد عفااللہ عنہ پالن پوری

ابن

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ=مطابق ۱۷/ستمبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کتاب الإیمان

## ایمان کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'ایمان' کے بیان سے شروع کی ہے، اس لئے کہ دین نام ہے دو چیزوں کا: عقائد کا اور اعمال کا۔ عقائد: ایمان کہلاتے ہیں اور اعمال: اسلام کہلاتے ہیں، اور چونکہ اعمال کا مدار عقائد پر ہے، اس لئے وہ اصل الاصول ہیں، نیز محققین کے نزدیک مکلّف پر سب سے پہلا واجب ایمان ہے، اور انبیاء نے سب سے پہلے ایمان ہی کی دعوت دی ہے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح ایمان کے بیان سے شروع فرمائی ہے۔

ملحوظہ: مقدمۂ مسلم: صحیح مسلم کا من وجہ جزء ہے اور من وجہ جزء نہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح ایمان کے بیان سے شروع کی ہے، تفصیل فیض المنعم (ص:۱۵) میں ہے۔

### ایمان کے معنی:

ایمان کے لغوی معنی ہیں: تصدیق کرنا، یعنی کسی کے اعتماد واعتبار پر اس کی بات کو سچ ماننا، اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے جو ایسی حقیقتیں ہم کو بتلائی ہیں جو ہمارے حواس اور آلاتِ ادراک کی حدود سے ماوراء ہیں، اور انھوں نے جو علم وہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچائی ہے ان سب باتوں کو سچ ماننا اور ان انبیاء کی تصدیق کرنا، اور ان کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنا، یہی ایمانِ شرعی ہے۔

ایمانِ شرعی کا تعلق درحقیقت ایسے امورِ غیب سے ہے جن کو ہم آلات احساس وادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کرسکتے، اس لئے قرآنِ کریم میں ایمان کے ساتھ ﴿ بِالْغَيْبِ ﴾ کی قید آئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، ان کی صفات، اور ان کے احکام، رسولوں کی رسالت، ان پر وحی کی آمد، اور مبدأ ومعاد کے تعلق سے: ان حضرات نے جو اطلاعات دی ہیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر دل سے قبول کرنے کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اسی قسم کی بتلائی ہوئی باتوں میں سے کسی ایک بات کو بھی نہ ماننا، یا اس کو حق نہ سمجھنا اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرے سے خارج کرکے کفر کی سرحد میں داخل کردیتی ہے۔ غرض مؤمن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام باتوں کی جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے اللہ کی طرف سے بتلائی ہیں: تصدیق کرے اور ان کو حق مان کر قبول کرے۔

### امورِ ایمان:

امورِ ایمان کو عقائد اسلام بھی کہا جاتا ہے، یہ عقائد اگر پھیلائے جائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں انچاس عقیدے بیان کئے ہیں، لیکن اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ چھ عقیدے ہیں جن کا ذکر حدیثِ جبرئیل میں ہے۔ اور جن کو ایمانِ مفصل میں لیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر) اور بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا، اور اگر مزید سمیٹا جائے تو صرف دو بنیادی عقیدے رہ جاتے ہیں۔ جو کلمہ طیبہ میں لئے گئے ہیں، یعنی توحید اور رسالت محمدی کا اقرار، پھر مزید سمیٹا جائے تو بنیادی عقیدہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ ہے، مگر یہ وہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ ہے جس میں رسالتِ محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہوں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: ایک انچ کا ربڑ لیں، اور اس کو دونوں کناروں سے پکڑ کر کھینچیں تو ایک بالشت لمبا ہوجائے گا، پھر چھوڑ دیں تو ایک انچ رہ جائے گا، اسی طرح تمام عقائد سمٹ کر لا إلٰہ إلا اللّٰہ رہ جاتے ہیں۔ اور وہی پھیل کر پچاس عقیدے بن جاتے ہیں۔

### ایمانیات کی تفصیل:

۱- اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے موجود، وحدہ لاشریک لہ، خالق کائنات، اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، اور ہر عیب ونقص سے ان کو پاک اور ہر صفتِ کمال سے ان کو متصف مانا جائے۔

۲- اور فرشتوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ان کو ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو تسلیم کیا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ اور محترم مخلوق ہیں، ہر شر اور نافرمانی سے پاک ہیں، ان کا کام اللہ تعالیٰ کی بندگی اور ان کی جو ڈیوٹیاں ہیں ان کو بخوبی انجام دینا ہے، اور وہی اللہ تعالیٰ کے پیغامات رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔

۳- اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے رسولوں کے ذریعہ ہدایت نامے بھیجے ہیں، ان میں سب سے آخری پیغام قرآن مجید ہے جو پہلی سب کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے یعنی گذشتہ کتابوں کی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ قرآنِ کریم میں لیا گیا ہے، پس یہ آخری کتاب سب سے مستغنی کرنے والی کتاب ہے۔

۴- اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اور مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ہدایت کا پیغام و دستور دے کر بھیجا ہے، اور انھوں نے پوری امانت ودیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں تک پہنچایا ہے اور لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کی ہیں، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے، اس لئے ان رسولوں کی تصدیق کرنا، اور بحیثیت پیغمبران کا پورا پورا احترام کرنا ایمان کی شرائط میں سے ہے، نیز اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ اس سلسلۂ نبوت

کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم کردیا گیا ہے، آپؐ خاتم الانبیاء اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اب قیامت تک انسانوں کی نجات وفلاح آپؐ ہی کی ہدایت کی پیروی میں منحصر ہے۔

۵- اوراس دنیا کے آخری دن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن فنا کردی جائے گی، اوراس آخری دن میں اللہ تعالیٰ جزاء وسزا کے فیصلے کریں گے اوراس کے مطابق لوگ جنت اور جہنم میں جائیں گے، قیامت کا یہ عقیدہ سارے نظام دین کی بنیاد ہے، اگر کوئی اس کا قائل نہ ہوتو پھر کسی دین ومذہب اور تعلیمات وہدایت کو ماننے کی اوراس پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور بعث بعد الموت کا عقیدہ یوم آخر کے عقیدے میں شامل ہے۔

اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی موت سے صرف جسم مرتا ہے، روح نہیں مرتی، وہ عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، پھر جب اس دنیا کا آخری دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ تمام اجسام کو زمین سے دوبارہ بنائیں گے، پھر ان کی طرف ان کی روحیں لوٹائیں گے، پس نئی زندگی شروع ہوجائے گی، پھر حساب وکتاب ہوگا، جزاء وسزا کے فیصلے ہونگے، اور لوگ جنت وجہنم میں پہنچ کردم لیں گے اور وہاں تاابد نعمتوں میں یا عذاب میں رہیں گے۔

۶- اور بھلی بری تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس عالَم کے لئے ایک پلاننگ کی ہے، اور یہ بات طے کردی ہے کہ کیا کیا چیزیں، کونسے عقیدے اور کونسے اعمال انسان کے لئے مفید ہیں اور کونسے مضر، مثلاً: گھی مفید ہے اور زہر مضر ہے، اسی طرح ایمان مفید ہے اور کفر وشرک مضر ہیں، نماز روزہ مفید ہیں اور زنا اور چوری مضر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی پلاننگ ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، لوگ مادی چیزوں کی حد تک اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو مانتے بھی ہیں اوراس پر عمل پیرا بھی ہیں، تجربہ سے جن چیزوں کا مفید ہونا ثابت ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں اور مضر چیزوں سے بچتے ہیں، اسی طرح معنویات (ایمان وعمل) کے سلسلہ میں بھی پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات دی ہیں ان کو ماننا اور ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا ضروری ہے، اور یہ سب باتیں ازل سے طے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ کارخانہ بس یونہی چل رہا ہے، ازل سے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو کچھ معلوم نہیں، ایسا ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی انتہائی عاجزی اور بے چارگی لازم آئے گی (تقدیر الٰہی کی مزید تفصیل تحفۃ الالمعی ۵:۲۷۹ میں ہے)

## فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

انسان چونکہ اللہ کے بندے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کے بعد ان کی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے، جسمانی ضرورتیں: جیسے بارش برسانا، زمین سے غلہ اگانا، گرمی سردی کا توازن قائم کرنا وغیرہ، اور روحانی ضرورتیں: ایمان وعمل صالح کی راہنمائی کرنا ہے تاکہ بندے بہشت میں پہنچیں اور جہنم سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ضرورتوں کا انتظام تو بلا واسطہ کیا ہے اور روحانی ضرورتوں کا انتظام نبوت کا سلسلہ قائم کرکے کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

اس دنیا میں انسانوں سے براہِ راست خطاب نہیں کرتے، یہ بات انسان کی سکت سے باہر ہے، اس لئے وہ اپنے پیغامات فرشتوں کے واسطہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس بھیجتے ہیں، اس لئے فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ یہ سوال پیدا نہ ہو کہ انبیاء کے پاس یہ ہدایتیں کس ذریعہ سے آئیں؟

### گذشتہ نبیوں پر اور گذشتہ کتابوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

اور گذشتہ نبیوں پر اور گذشتہ کتابوں پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ یہ حضرات ایک ہی ہستی کے نمائندے ہیں اور ان کی کتابیں ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، سب کا دین متحد ہے اور وہ اسلام ہے: ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾: البتہ شریعتیں (آئین) مختلف ہیں، کیونکہ زمانوں کے تقاضے مختلف ہیں، مگر سب شریعتیں اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہیں، پس خاتم النّبیین ﷺ پر نازل کیا ہوا دین بھی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور آئین بھی اسی سرچشمہ سے آیا ہے، پس آخری دین اور شریعت کو ماننے کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ گذشتہ دین اور شریعتوں کو اور گذشتہ پیغمبروں کو بھی تسلیم کیا جائے۔

### اسلام کے معنی:

اسلام کے لغوی معنی ہیں: سرافگندگی، یعنی خود کو کسی کے سپرد کر دینا۔ اور بالکل اسی کے تابع اور فرمانبردار ہو جانا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کو اپنا دستورِ زندگی بنانا۔ اور اللہ کے احکام کا مطیع ہونا۔ سورۃ الحج میں ہے: ﴿ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ﴾: اللہ ہی تمہارے ایک معبود ہیں پس تم اسی کے مطیع ہو جاؤ۔ اور سورۃ النساء میں ہے: ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ﴾: اور اس سے بہتر کون ہے جس نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا؟ اور سورۂ آلِ عمران میں ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾: جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آخرت میں بڑے گھاٹے میں رہے گا۔

غرض اسلام کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ خود کو کلی طور پر اللہ کے حوالہ کر دے، اور ہر پہلو سے ان کا مطیع وفرمانبردار بن جائے، پھر انبیاء کی شریعتوں میں کچھ مخصوص بنیادی اعمال کا بھی حکم دیا گیا ہے جو دین کے پیکر محسوس ہوتے ہیں، اور اس باطنی حقیقت کی نشوونما اور اس کی تازگی کا مدار انہی مخصوص ارکان پر ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کو دستورِ حیات بنائیں، جن ارکان پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں یہ ارکان پانچ ہیں: (۱) توحیدِ خداوندی اور رسالتِ محمدی کی گواہی دینا۔ یعنی منکروں کو اسلام کے یہ دو بنیادی عقیدے پہنچانا۔ (۲) نماز (۳) زکوۃ (۴) روزہ (۵) اور بیت اللہ شریف کا حج۔ ان

پانچ چیزوں کوارکانِ اسلام قرار دیا گیا ہے، آگے حدیث آرہی ہے کہ اسلام کی بنیاد انہی پانچ چیزوں پر ہے۔
مگر نصوص میں ایمان واسلام ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہوئے ہیں، عقائد پر اسلام کا اطلاق کیا گیا ہے اور اعمال پر ایمان کا، اس لئے طلبہ کو احادیث پڑھتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

### ترکیب وبساطت کی بحث:

ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ مرکب ہے یا بسیط؟ اقوال وافعال ایمان کی ماہیت میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور بنیادی اقوال دو ہیں، اس لئے ایمان کی تعریفیں بھی دو ہیں۔

### ایمان کی پہلی تعریف:

ماتریدیہ اور جمہور محققین صرف تصدیق قلبی کو ایمان قرار دیتے ہیں، اور سرخسی، بزدوی اور بعض دیگر احناف تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے مجموعہ کو ایمان کہتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ نے الفقہ الاکبر میں لکھا ہے: **الإيمان هو الإقرار والتصديق**: لیکن امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کی صراحت نہیں کی کہ اقرار: شرط ہے یا شطر؟ یعنی اقرار: ایمان کا حقیقی جزء ہے یا اضافی؟ محققین کا خیال ہے کہ اضافی جزء ہے، دنیا میں کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے اقرار ضروری ہے ورنہ ایمان بسیط ہے، اس کا کوئی جزء نہیں، پس ماتریدیہ کی تعریف میں اور سرخسی اور بزدوی کی تعریف میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ مؤمن ہونے کے لئے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان تمام چیزوں کو دل سے مان لینے کا نام ایمان ہے، حدیث جبرئیل میں ہے کہ ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو، اس دنیا کے آخری دن کو اور بھلی بری تقدیر کو مانیں، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایمان صرف تصدیقِ قلبی کا نام ہے، کیونکہ حدیث میں ایمان کا صلہ ب ہے اور اس صورت میں ایمان کے معنی تصدیق یعنی یقین کرنے کے ہوتے ہیں، اور اس حدیث میں مذکور چھ چیزیں جن کے ماننے کو ایمان قرار دیا گیا ہے **مُؤمَن به** اور **مُصَدَّق به** کہلاتی ہیں۔ اس کی دوسری مختصر تعبیر **الإيمان بماجاء به الرسول** بھی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام تعلیمات کو دل سے مان لینے کا نام ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی دل سے نہیں مانا تو وہ مؤمن نہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد مُؤمَن بہ میں سے کسی ایک چیز کا بھی دل سے انکار کردے تو وہ بھی مؤمن نہیں رہے گا، کافر ہو جائے گا۔

### بساطتِ ایمان کی دلیلیں:

ایمان کے بسیط ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ متعدد آیتوں میں دل کو ایمان کا محل قرار دیا ہے، مثلاً: ﴿ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ﴾: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت فرمایا (المجادلہ ۲۲) اور یہ بات ظاہر ہے کہ دل میں صرف تصدیق پائی جاتی ہے، پس وہی ایمان ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض آیتوں میں ایمان کی دل کی طرف نسبت کی گئی ہے یعنی ایمان کو دل کا فعل بتلایا ہے، مثلاً:
﴿قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾: وہ اپنے مونہوں سے کہتے ہیں: ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دلوں نے یقین نہیں کیا (المائدہ ۴۱) اس قسم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے اور دل کا فعل تصدیق ہے، پس وہی ایمان ہے۔

## ایمان کی دوسری تعریف:

جمہور محدثین، اشاعرہ، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، یعنی تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور عملِ بدنی کا۔ ان حضرات نے بھی اپنے موقف کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، پھر جب ان حضرات نے اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ اور تمام مؤمنین کا ایمان یکساں ہے یا متفاوت؟ کیونکہ اعمال متفاوت ہیں، پہلی جماعت کے نزدیک چونکہ ایمان کا جزء نہیں، اس لئے انھوں نے کمی بیشی کا انکار کیا، اور کہا کہ ایک مؤمن کا ایمان اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ایمان برابر ہے، اور تمام مؤمنین ایمان میں یکساں ہیں، کیونکہ اعمال: ایمان کا جزء نہیں اور نفس تصدیق میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

اور اسی قول کی بنا پر احناف پر الزام لگا کہ یہ حضرات عمل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، جیسے مرجہ کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ تو آخرت میں مفید ہونگے مگر اعمالِ سیۂ سے انسان کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، مؤمنین کی تمام برائیاں معاف کردی جائیں گی، بلکہ بعض حضرات نے تو کھل کر امام اعظم رحمہ اللہ اور احناف کو مرجہ کہہ دیا، حالانکہ امام اعظم رحمہ اللہ نے خود الفقہ الاکبر میں صراحت کی ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہماری نیکیاں تو مقبول ہیں اور ہماری برائیاں معاف ہیں، جیسے مرجہ کہتے ہیں[1] اور دوسری جگہ فرمایا ہے: آسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان مُؤمَن بہ کے اعتبار سے بڑھتا گھٹتا نہیں، البتہ تصدیق ویقین کے اعتبار سے بڑھتا گھٹتا ہے، یعنی تصدیق ویقین میں شدت وضعف کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے، ورنہ تمام مؤمنین ایمان وتوحید میں یکساں ہیں، صرف اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے[2]۔

## اختلاف کا راز کھلا!

پھر جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے یا نہیں؟ تو معتزلہ اور خوارج نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ ایمان سے خارج ہے، کیونکہ ایمان تین اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا کوئی بھی جز فوت ہوجائے تو مرکب باقی نہیں رہتا، پس جب عملِ صالح نہ رہا کہ اس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ ایمان سے خارج ہوگیا اور احناف نے مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن

(۱) الفقہ الأکبر کی عبارت: ولانقولُ إنّ حسناتِنا مقبولۃٌ، وسَیِّئاتِنا مَغفُورَۃٌ کقولِ المُرجِئۃِ۔
(۲) الفقہ الأکبر کی عبارت: إیمانُ أھلِ السَّماءِ والأرضِ لایَزِیدُ ولایَنقُصُ ای مِن جھۃِ المُؤمنِ بہ نَفسہ، والمُؤمنونَ مُستوُوْنَ فی الإیمان والتَّوحید مُتفَاضِلُوْنَ فی الأعمالِ۔

قرار دیا، اسی طرح اشاعرہ اور تمام محدثین نے بھی مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن قرار دیا، ایمان سے خارج نہیں کیا۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن کیسے ہوسکتا ہے؟ ایمان تو مرکب ہے؟ یعنی اعمال ایمان کا جزء ہیں پس عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہوجانا چاہئے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اعمال ایمان کا اصلی جز نہیں، بلکہ تکمیلی اور تزئینی جز ہیں، اس لئے ان کے نہ رہنے سے ایمان فوت نہ ہوگا۔

غرض: اس جگہ محدثین نے معتزلہ اور خوارج کا ساتھ چھوڑ دیا، وہ احناف کے ساتھ ہوگئے، پس واضح ہوگیا کہ محدثین نے اعمال کو جس ایمان کا جزء قرار دیا ہے وہ 'ایمانِ کامل' ہے، اور احناف نے جو اعمال کو ایمان کا جزء قرار نہیں دیا وہ نفسِ ایمان کا جزء قرار نہیں دیا۔ اس طرح جب حقیقتِ حال کھلی تو معلوم ہوا کہ اہل حق کے درمیان اختلاف حقیقی نہیں، صرف لفظی ہے [۱]۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ولِذا ذَهَبَ الإمامُ الرازيُّ و كثيرٌ مِن المتكلمين إلى أنّ هذا الخلافَ لفظيٌّ: اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، البتہ معتزلہ اور خوارج کے ساتھ جو اختلاف ہے وہ حقیقی ہے [۲]۔

## تزاید ایمان والی نصوص کا مطلب:

اب رہا یہ سوال کہ قرآنِ پاک کی بعض آیات سے اور احادیثِ شریفہ سے ایمان میں کمی زیادتی ثابت ہوتی ہے، مثلاً

(۱) لفظی نزاع: کئی طرح کا ہوتا ہے، مثلاً دو مختلف باتوں کا محکوم علیہ (وہ چیز جس پر حکم لگایا جائے) علاحدہ علاحدہ ہو، جیسے زید کے دو لڑکے ہوں ایک عالم اور دوسرا جاہل، پس اگر کوئی کہے کہ زید کا لڑکا بڑا عالم ہے اور دوسرا کہے کہ جاہل ہے اور دونوں کے پیش نظر الگ الگ لڑکے ہوں تو یہ لفظی نزاع کہلائے گا، کیونکہ جب حقیقت حال کھلے گی کہ زید کے دو لڑکے ہیں ایک عالم اور ایک جاہل تو جھگڑا ختم ہوجائے گا۔

یا مثلاً: ایک لفظ کے دو معنی ہوں، کسی کے پیش نظر ان میں سے ایک معنی ہوں اور دوسرے کے پیش نظر دوسرے معنی اور وہ آپس میں بحث کریں تو یہ محض لفظی نزاع ہے، جب حقیقت حال سامنے آئے گی کہ اس لفظ کے دو معنی ہیں تو جھگڑا ختم ہوجائے گا۔

یا ایک چیز کی دو قسمیں ہوں، کچھ حضرات کے پیش نظر ایک قسم ہو اور دوسرے لوگوں کے پیش نظر دوسری قسم اور آپس میں اختلاف کریں تو یہ بھی لفظی نزاع ہے (تسہیل ادلہ کاملہ ص: ۱۰۸)

(۲) جاننا چاہئے کہ مرجئہ، کرامیہ اور جہمیہ کے نزدیک بھی ایمان بسیط ہے، مگر ان کے درمیان بھی اختلاف ہے:

۱- مرجئہ کے نزدیک ایمان کی حقیقت و ماہیت صرف تصدیق قلبی ہے، اقرار لسانی اور اعمال نہ ایمان کے لئے رکن ہیں نہ شرط، نہ اجزائے مقوّمہ نہ اجزائے مکمّلہ، بلکہ اعمال ایمان سے بے تعلق ہیں، بدعملی سے ایمان کی رونق میں کچھ فرق نہیں آتا، نہ اس کا آخرت میں کوئی نقصان ہوگا۔

۲- اور جہمیہ کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف معرفتِ قلبی ہے، تصدیق و یقین بھی ضروری نہیں۔

۳- اور کرامیہ کے نزدیک صرف اقرارِ لسانی ایمان کی حقیقت ہے، بشرطیکہ دل میں انکار نہ ہو۔

سورۃ التوبہ (آیت ۱۲۴) ہے: ﴿وَاِذَا مَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا﴾ الآیۃ: یعنی جب بھی کوئی (نئی) سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین (غریب مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہوئے) کہتے ہیں: (بتاؤ) اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھادیا؟ سو (سنو) جو لوگ ایمان دار ہیں، اس سورت نے ان کے اعمال میں اضافہ کیا ہے اور وہ خوش ہورہے ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بات صراحتاً موجود ہے کہ ایمان میں زیادتی احکام واخبار کے بڑھنے کی وجہ سے ہوئی ہے، یعنی جب بھی اللہ کا نیا کلام نازل ہوتا ہے تو مؤمنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی ایمانی کیفیت یعنی خوشی بڑھ جاتی ہے اور مؤمَن بہ میں یہ اضافہ نزولِ وحی کے زمانہ تک ہوتا تھا، اب وحی مکمل ہوچکی، اس لئے مؤمَن بہ میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔

اس کی مزید تشریح یہ ہے کہ اسلام کے دورِ اول میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا بس اتنے پر ایمان لانا ضروری تھا، اسی طرح جو احکام نازل ہوچکے تھے ان پر ایمان لانا مکمل ایمان تھا، پھر جب نئی وحی آتی اور نئے احکام اترتے تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا۔ اس طرح ان حضرات کا ایمان بڑھتا رہتا تھا، مگر وہ زیادتی نفسِ ایمان میں نہیں ہوتی تھی بلکہ مؤمَن بہ میں ہوتی تھی، یعنی ان چیزوں میں ہوتی تھی جن پر ایمان لانا ضروری تھا۔ مؤمَن بہ کی اسی زیادتی کو ایمان کی زیادتی قرار دیا گیا ہے —— پھر جب نبوت کا زمانہ ختم ہوگیا اور وحی مکمل ہوگئی تو اب مؤمن بہ محدود ومتعین ہوگیا، اور اب سب لوگوں کے لئے انہی باتوں پر ایمان لانا ضروری ہوگیا، اب ان میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے نہ کمی، لہٰذا مؤمَن بہ کے اعتبار سے ایمان میں کمی زیادتی کا سوال ختم ہوگیا۔

ہاں تصدیق کے مکملات یعنی اعمال کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی جاری ہے، اسی طرح تصدیق کی کیفیت یعنی شدت وضعف کے اعتبار سے بھی کمی بیشی ہوتی ہے، مگر کمیت یعنی مقدار کے اعتبار سے ایمان میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی، کیونکہ ایمان خواہ کتنا ہی قوی ہو مؤمَن بہ میں کوئی جزء نہیں بڑھتا۔

### ایمان کی حقیقت میں اختلاف کی وجہ:

شیخ الہند حضرت اقدس مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہٗ نے ایک بہت ہی قیمتی بات فرمائی ہے کہ ایمان کی حقیقت وماہیت میں جو اختلاف ہوا ہے وہ اختلاف: نظر (دلائل) کا اختلاف نہیں ہے، نہ ثمرہ (نتیجہ) کا اختلاف ہے، بلکہ وہ مقتضیاتِ مقام کا اختلاف ہے، محدثین کا مقابلہ مرجئہ سے تھا، اور مرجئہ اعمال کی حیثیت گھٹاتے ہیں، وہ ایمان کے ساتھ اعمالِ سیئہ کو مضر نہیں مانتے، اس لئے محدثین کے لئے ضروری تھا کہ وہ اعمال کو مثبت ومنفی ہر پہلو سے ایمان کا جزء بنائیں چنانچہ انھوں نے ایسا کیا، اور حنفیہ کا مقابلہ معتزلہ سے تھا اور معتزلہ اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء مانتے تھے اور اسی وجہ سے مرتکبِ کبیرہ کو اسلام سے خارج کرتے تھے، پس حنفیہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اعمال کو ایمان کا جزء نہ بنائیں، تاکہ مرتکبِ کبیرہ

ایمان سے نکل نہ جائے۔

فوائد:

۱- احناف کے نزدیک چونکہ اعمال: ایمان کا جزء نہیں، اس لئے انھوں نے کہا: إيماني کايمانِ جبرئيل: میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کے مانند ہے، اور المؤمنون مُستَوُوْن في الإيمان: تمام مؤمنین ایمان میں مساوی ہیں! اور یہ کہنا اس لئے صحیح ہے کہ اعمال: ایمان کا جزء نہیں، اور نفس تصدیق میں کمی بیشی ممکن نہیں، اس لئے کہ تصدیق: مقولۂ کیف سے ہے، نہ کہ مقولۂ کم سے، یعنی تصدیق ایک قلبی کیفیت کا نام ہے، اور کیفیت میں شدت وضعف تو ممکن ہے، مگر کمی زیادتی ممکن نہیں، کمی زیادتی کمیات کا خاصہ ہے، کیفیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

فائدہ: کمی زیادتی دو طرح سے ہوتی ہے: حقیقی اور مجازی، دو چیزوں کا عدد ومقدار میں متفاوت ہونا حقیقی کمی زیادتی ہے، اور کیفیت یعنی شدت وضعف میں متفاوت ہونا مجازی کمی زیادتی ہے۔

اور حقیقی معنی کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، کیونکہ مؤمَن به (جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے) محدود ومتعین ہیں، ان میں کمی بیشی کا امکان نہیں، البتہ کیفیت یعنی شدت وضعف کے اعتبار سے کمی بیشی ہونا ایسی بدیہی بات ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

کیفیت میں تفاوت دو اعتباروں سے ہوتا ہے:

اول: مؤمَن به کی تصدیق کے اعتبار سے: کیونکہ یقین، یقین سب برابر نہیں، ایک ماؤشما کا یقین ہے اور ایک اولیاءِ کرام، انبیاءِ عظام اور فرشتوں کا یقین ہے، ان سب یقینوں کو مساوی اور یکساں کوئی نہیں کہہ سکتا۔

دوم: اعمال کے اعتبار سے: اس اعتبار سے بھی مؤمنین کے درجات میں کمی بیشی ایک مسلّمہ حقیقت ہے، انبیاء کرام کا عمل اور ایک امتی کا عمل یکساں نہیں ہوسکتا، پھر امتیوں کے اعمال میں بھی حد درجہ تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا اعمال کے اعتبار سے بھی مساوات کا دعوی نہیں کیا جاسکتا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی بات سے غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

امام اعظم رحمہ اللہ کی اس بات سے کہ تمام مؤمنین کا ایمان یکساں ہے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی، جس کی وجہ سے امام صاحبؒ نے اس کی وضاحت ضروری سمجھی، شرح الفقہ الاکبر میں ہے:

امام اعظم رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا کہ انھوں نے فرمایا: میرا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کے مشابہ ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کے مانند ہے، کیونکہ مثلیت (مانند ہونا) کے معنی ہیں: تمام صفات میں برابری اور مشابہت کے لئے یہ ضروری نہیں، بلکہ بعض اوصاف میں برابری کی بنا پر بھی مشابہ کہا جاسکتا

ہے، بھلا ایسا کوئی شخص ہے جو ہر اعتبار سے افرادامت، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے ایمان کو برابر کہتا ہو[1]۔

مگر امام صاحبؒ کی اس وضاحت کے بعد بھی بعض لوگ ان کی بات کو نہیں سمجھے، اور وہ برابر امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کے غلط معنی بیان کر کے حضرت کو بدنام کرتے رہے، اس لئے امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: میں إیمانی کإیمان جبرئیل کہنا پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کی جگہ آمنتُ بما آمن به جبرئیل کہنا پسند کرتا ہوں —— امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد درحقیقت لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے ہے، ورنہ دونوں قولوں کا مطلب ایک ہے۔

غرض: إیمانی کإیمان جبرئیل کہنا: حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک جائز نہیں، اور یہ اختلاف ایمان کے مرکب وبسیط ہونے پر مبنی ہے، جو حضرات ایمان کو مرکب مانتے ہیں یعنی اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مذکورہ جملہ جائز نہیں۔ کیونکہ اعمال کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، اور ایمان کو بسیط قرار دینے والوں کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ مؤمن به سب کے حق میں یکساں ہیں۔

## ۲-أنا مؤمن إن شاء الله کہنے کا حکم:

دوسرا مسئلہ یہ اختلافی ہے کہ أنا مؤمن إن شاء الله: کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تین صورتیں ہیں: اگر زمانۂ حال میں تردد کی بنا پر إن شاء الله بڑھائے تو جائز نہیں، اور زمانۂ آئندہ پر نظر کر کے إن شاء الله بڑھائے تو ابن تیمیہؒ کے علاوہ سب کے نزدیک جائز ہے، صرف ابن تیمیہؒ عدم جواز کے قائل ہیں، اور اگر بطور تبرک بڑھائے تو بالاتفاق جائز ہے۔

سوال: جب ایمان مقولۂ کیف سے ہے اور اس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو پھر مساوات کیسے ہوگی؟ مساوات تو انہی چیزوں میں ہوتی ہے جن میں کمی بیشی کا امکان ہوتا ہے، لہٰذا احناف کا یہ کہنا کہ تمام مؤمنین ایمان میں مساوی ہیں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

جواب: ایمان میں اگرچہ بالذات مساوات نہیں ہوسکتی مگر محل ایمان یعنی مؤمَن به کے اعتبار سے برابری ہوسکتی ہے، اور احناف نے مؤمَن به کے اعتبار سے ہی مساوات کو ثابت کیا ہے۔

## ۳-کبھی شرعی معنی لغوی معنی سے علاحدہ ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہوتے ہیں:

شریعتِ مطہرہ کی جتنی اصطلاحات ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ: وہ الفاظ پہلے سے عربی زبان میں مستعمل ہوتے ہیں اور ان کے لغوی معنی ہوتے ہیں، پھر شریعت ان کو اپنی اصطلاح بناتی ہے۔ اور جب شریعت کسی لفظ کو اپنی اصطلاح بناتی ہے تو اس کے لغوی معنی برقرار رکھ کر اس کو نئے معنی میں استعمال کرتی ہے، اور وہ نئے معنی: معنی مرادی کہلاتے ہیں، جیسے لفظ صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: دعا اور اصطلاحِ شریعت میں صلوٰۃ نام ہے: افعالِ مخصوصہ اور اذکارِ مخصوصہ کے مجموعہ کا، یہ صلوٰۃ

(۱) رُوِی عن أبي حنيفة أنّه قال: إيماني كإيمان جبرئيل عليه السلام، ولا أقول: مِثلَ إيمان جبرئيلَ، لِأنَّ الْمِثْلِيَّةَ تَقْتَضِيْ الْمُسَاوَاةَ في كلِّ الصِّفاتِ، وَالتَّشْبِيْهُ لا يَقْتَضِيْهِ، بل يَكْفِيْ لِإطْلاقِهِ الْمُسَاوَاةُ فِي بَعْضِهِ، فَلاَ أَحَدَ يُسَوِّيْ بَيْنَ إيمانِ آحَادِ النَّاسِ، وإيمانِ الْمَلائِكَةِ وَالْأنْبِياءِ عليهم السلام مِن كُلِّ وَجْهٍ (بحوالہ ایضاح الادلہ ص:۱۷۷)

کے مرادی معنی ہیں۔ اور زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: صفائی، ستھرائی۔ اور اصطلاحِ شریعت میں زکوٰۃ نام ہے: مال کے مخصوص حصہ کا جو سال میں ایک مرتبہ غرباء کے لئے نکالا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ کے مرادی معنی ہیں۔

اور کبھی لفظ کے جو لغوی معنی ہوتے ہیں وہی قرآن وحدیث میں برقرار رہتے ہیں، جیسے: تحریمها التکبیر: کَبَّرَ تکبیراً (باب تفعیل) کے معنی ہیں: اللہ کی عظمت وبڑائی بیان کرنا۔ حدیث میں بھی یہی معنی ہیں، چنانچہ احناف (طرفین) کے نزدیک ہر ذکر مشعر تعظیم سے نماز شروع کرنا جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خاص لفظ اللہ اکبر سے نماز میں داخل ہونا ضروری ہے، کسی اور لفظ سے نماز شروع نہیں ہوسکتی، صرف امام شافعی رحمہ اللہ الأکبر کی گنجائش رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: خبر پر الف لام داخل کرنے سے معنی میں زیادتی ہوتی ہے اس لئے وہ اللہ اکبر کے حکم میں ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نزولِ قرآن کے وقت تکبیر کے لغوی معنی تھے، سورۃ المدثر میں ہے: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ الآیات: ترجمہ: اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ، اور بتوں کو لات مار، کیونکہ جب بتوں سے کنارہ کشی کی جائے گی تبھی اللہ کی عظمت وبڑائی ظاہر ہوگی۔

غرض: نزولِ قرآن کے وقت تکبیر کے یہی معنی تھے۔ اور ائمہ ثلاثہ جو معنی لیتے ہیں: اللہ اکبر کہنا: وہ عرفی معنی ہیں، جو بعد میں پیدا ہوئے ہیں، ان کو نصوص میں مراد نہیں لیا جائے گا، جیسے فقہاء کی اصطلاحات: فرض وواجب وغیرہ نصوص میں مراد نہیں لی جاتیں، کیونکہ وہ بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔

پس لفظ کے مرادی معنی کے لئے قوی دلیل چاہئے، جیسے قرآن وحدیث میں لفظ صلوٰۃ آیا ہے وہاں صرف لغوی معنی مراد نہیں، بلکہ شرعی معنی یعنی افعالِ مخصوصہ اور اذکار مخصوصہ مراد ہیں، کیونکہ بے شمار احادیث میں صلوٰۃ کے یہی معنی آئے ہیں، لیکن اگر معنی مرادی کی کوئی دلیل نہیں تو پھر لغوی معنی ہی مراد لیں گے۔

### ایمان کے علاحدہ کوئی شرعی معنی نہیں:

اب یہ قاعدہ یہاں جاری کریں، ایمان باب افعال کا مصدر ہے، اس کا مجرد أَمِنَ يَأْمَنُ أَمْنًا (از سمع) ہے، اور اس کے معنی ہیں: مطمئن ہونا، اور بابِ افعال کا ہمزہ یا تو صیرورت کے لئے ہے یا تعدیہ کے لئے، اول صورت میں معنی ہونگے: امن والا ہونا، یعنی کسی کو سچا جان کر اور اس کی بات کو مان کر مطمئن ہوجانا۔ اور ثانی صورت میں معنی ہونگے: جَعْلُ الْغَيْرِ آمِنًا: کسی کو امن والا بنانا، یعنی کسی کی تصدیق کر کے اس کو تکذیب سے مأمون و بے خوف کردینا۔

اور قرآن وحدیث میں یہ لفظ بابِ افعال سے استعمال ہوا ہے، اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ شریعت نے ایمان کے کوئی نئے معنی تجویز کئے ہیں، اور ابن ماجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الإیمانُ مَعْرِفَةٌ بالقَلْبِ، وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بالأرکان (حدیث نمبر ۶۵) یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے، بلکہ علامہ ابن جوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، اس کے ایک راوی عبد السلام بن صالح ابو الصلت کے

ضعف پر تقریباً محدثین کا اتفاق ہے، اس کے علاوہ دوسری کوئی دلیل نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ شریعت نے ایمان کے نئے معنی تجویز کیے ہیں، اور جب اس کی کوئی دلیل نہیں تو ایمان کے لغوی معنی ہی قرآن وحدیث میں مراد لئے جائیں گے، اور وہ معنی ہیں: تصدیق کرنا، اور تصدیق قلب کا فعل ہے، پس ثابت ہوا کہ ایمان بسیط ہے، البتہ دنیا میں کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے اقرار ضروری ہے، اور اعمال: ایمان کے تکمیلی اور تزئینی اجزاء ہیں، یعنی ایمانِ کامل کے اجزاء ہیں، نفسِ ایمان کے اجزاء نہیں۔

خلاصۂ کلام: ایمان کی حقیقت میں جو اختلاف ہوا ہے اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جو شیخ الہند قدس سرہٗ نے فرمائی ہے، جو میں نے ابھی عرض کی کہ یہ اختلاف نہ نظر (دلائل) کا اختلاف ہے اور نہ ثمرہ (نتیجہ) کا، بلکہ وہ مقتضیات مقام کا اختلاف ہے، محدثین کا مقابلہ مرجئہ سے تھا۔ اور مرجئہ اعمال کی حیثیت گھٹاتے ہیں وہ ایمان کے ساتھ اعمال سیئہ کو مضر نہیں مانتے، اس لئے محدثین نے اعمال کو مثبت ومنفی ہر پہلو سے ایمان کا جزء بنایا۔ اور حنفیہ کا مقابلہ معتزلہ سے تھا، معتزلہ اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء مانتے ہیں، پس حنفیہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اعمال کو ایمان کا جزء نہ بنائیں، تاکہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نکل نہ جائے۔

اور جو بات میں نے کہی ہے وہ بھی نہایت قیمتی ہے، وہ بات حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہٗ نے فرمائی ہے کہ کبھی شریعت کسی لفظ کو لے کر اپنی علاحدہ اصطلاح بناتی ہے اور لفظ کو نئے معنی میں استعمال کرتی ہے، جیسے صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ کے شریعت نے الگ معنی تجویز کئے ہیں، اور کبھی لفظ کو اس کے لغوی معنی میں باقی رکھ کر استعمال کرتی ہے، پس جہاں مضبوط اور قوی دلیل ہو کہ شریعت نے لفظ کو نئے معنی میں استعمال کیا ہے تو وہاں وہی نئے معنی مراد لیں گے۔ اور جہاں ایسی کوئی دلیل نہ ہو وہاں لغوی معنی مراد ہونگے، اور لفظ ایمان کے شریعت نے کوئی نئے معنی تجویز کئے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں، سوائے ابن ماجہ کی روایت کے جو حد درجہ ضعیف یا موضوع ہے، لہٰذا قرآن وحدیث میں جہاں بھی لفظ ایمان آیا ہے وہ لغوی معنی ہی میں مستعمل ہے، اور ایمان کے لغوی معنی ہیں: تصدیق کرنا، کسی کو سچا مان کر اس کی بات پر بھروسہ کرنا، اور یہ قلب کا فعل ہے، پس ایمان کا بسیط ہونا ثابت ہوا۔

۴- ایمان کی ترکیب پر محدثین کے دلائل صریح نہیں:

آخری بات: محدثین کرام ایمان کے مرکب ہونے پر جو دلائل پیش کرتے ہیں جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے شروع میں اٹھارہ نصوص پیش کی ہیں اور ان کے ذریعہ محدثین کے موقف کو ثابت کیا ہے وہ صریح دلائل نہیں، ان میں تاویل کی گنجائش ہے، یہی حال دیگر دلائل کا ہے، تفصیل تحفۃ القاری میں اوائل کتاب الایمان میں ہے اور مسلم شریف میں بھی کتاب الایمان میں جگہ جگہ آپ اس کو ملاحظہ کریں گے۔

ملحوظہ: نصوص میں ایمان واسلام کا استعمال بطور ترادف بھی ہوا ہے، بطور مغایرت بھی اور بطور تداخل بھی، تفصیل حدیث جبرئیل کی شرح کے ضمن میں آئے گی —— نیز ایمان کے کل چار معانی ہیں، اور اس کی تفصیل آگے (باب ۶۸ حدیث نمبر ۲۳۷ کی شرح کے ضمن میں) میں آئے گی۔

## باب بَيانِ الايمان والإسلامِ والإحسانِ وأشْرَاطِ السَّاعَةِ ووُجُوْبِ الإِيْمانِ بِالْقَدْرِ

## ایمان، اسلام، احسان اور علاماتِ قیامت کا بیان، اور تقدیر پر ایمان کے ضروری ہونے کا بیان

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ تمام کتبِ حدیث کے برخلاف امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابواب نہیں لکھے، مگر کتاب کے مطالعہ سے علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کے ذہن میں کتاب لکھتے وقت ابواب تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلمؒ نے ایسا کیوں کیا؟ تراجم کو معہودِ ذہنی کیوں رکھا؟ کتاب میں کیوں نہیں لکھا؟ اس سوال کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے، علّام الغیوب حقیقتِ حال بہتر جانتے ہیں۔ علماء نے درجۂ احتمال میں مختلف وجوہ بیان کی ہیں، مثلاً:

۱- کتاب کا حجم بڑھ جانے کے اندیشہ سے ایسا کیا ہوگا ـــــ مگر یہ تاویل بعید ہے۔

۲- یا تجرید کے خیال سے ایسا کیا ہوگا، یعنی کتاب میں صرف مرفوع حدیثیں ہوں اور کچھ نہ ہو، اس خیال سے ایسا کیا ہوگا، یہ بات ایک درجہ میں معقول ہے۔

۳- اور ایک سبب جمعِ طرق بھی ہوسکتا ہے، یعنی امام مسلمؒ حدیث کی تمام سندیں اور متن کے الفاظ کا اختلاف ایک جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور تراجم ابواب اس مقصد میں الجھن پیدا کر سکتے ہیں، بعض مرتبہ متن میں ایسا اختلاف ہوتا ہے جس کو ایک باب کے تحت نہیں لایا جاسکتا اس کے لئے متقابل ابواب قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو جمع طرق کے مقصد کو فوت کر دیتے ہیں، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب میں تراجم نہیں رکھے۔

فائدہ: مسلم شریف میں جو ابواب حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں وہ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھے ہیں، ان تراجم کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی رائے یہ ہے کہ یہ تراجم کتاب کا حق ادا نہیں کرتے! اور مسلم شریف اس جہت سے خدمت کی محتاج ہے (مقدمہ فتح الملہم ص:۱۰۰) ـــــ حضرت علامہ کی یہ رائے صحیح ہے، امام نووی رحمہ اللہ کے ابواب ان کی شافعیت سے متاثر ہیں (فیض المنعم ص:۱۶)

حدیث جبرئیل کا خلاصہ: حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث جبرئیل پیش کر کے ایمان کو سمجھایا ہے، ساتھ ہی اسلام، احسان اور قیامت کی چھوٹی علامتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور حدیث کی تمہید میں تقدیر پر ایمان کی ضرورت کا بیان ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کی موجودگی میں غیر معروف صورت میں آکر نبی ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور علاماتِ قیامت کے بارے میں سوالات کئے، تاکہ آنحضور ﷺ کا جواب صحابہ محفوظ کرلیں،

سوال وجواب ۲۳ برس کی تعلیم وتبلیغ کا خلاصہ تھے، اس لئے اس حدیث کو علماء نے ام السنہ بھی کہا ہے، جس طرح سورۂ فاتحہ کو قرآنِ کریم کے تمام اہم مطالب اور مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کی وجہ سے ام الکتاب کہا جاتا ہے، اسی طرح اس حدیث کو پورے دین کا خلاصہ اور عطر ہونے کی وجہ سے ام السنہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دین کا حاصل تین باتیں ہیں:
(۱) بندہ خود کو اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالے، اسی کا نام اسلام ہے (۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو پیغمبروں نے بتلائی ہیں، اور جن کو ماننے کی دعوت دی ہے، اسی کا نام ایمان ہے (۳) اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ ذاتِ وحدہ لاشریک لہ کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبۂ حضور وشہود کی ایسی کیفیت حاصل ہوجائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اطاعت وبندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال وجلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم کو دیکھ رہے ہیں، اس کیفیت وحال کا نام احسان ہے، اس طرح ان سوال وجواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آگیا (ماخوذاز: معارف الحدیث ۱: ۲۷ مع حذف واضافہ)
اور جس طرح سورۂ فاتحہ ام القرآن ہونے کی وجہ سے ابتدائے قرآن میں ہے، اس کی اتباع میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ابتداء ام الاحادیث سے کی ہے۔
ملحوظہ: حدیث جبرئیل طویل حدیث ہے، اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے چند ٹکڑوں میں ترجمہ وتشریح کی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ الإِمَامُ أَبُوْ الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: بِعَوْنِ اللّٰهِ نَبْتَدِئُ، وَإِيَّاهُ نَسْتَكْفِيْ، وَمَا تَوْفِيْقُنَا إِلَّا بِاللّٰهِ جَلَّ جَلَالُه، قَالَ:

# كتاب الإيمان

## [بَابُ بَيَانِ الإِيمانِ وَالإِسلامِ والإِحْسَانِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَوُجُوْبِ الإِيمانِ بِالْقَدْرِ]

[۱-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ نَا وَكِيْعٌ، عَنْ كَهْمَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ، ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، وَهٰذَا حَدِيْثُهُ: قَالَ نَا أَبِيْ، قَالَ نَا كَهْمَسٌ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ، قَالَ: كَانَ أَوَّلَ مَنْ قَالَ فِي الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ. فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ أَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا: لَوْ لَقِيْنَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدْرِ. فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ، فَاكْتَنَفْتُهُ أَنَا وَصَاحِبِيْ، أَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَالآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ، فَظَنَنْتُ أَنَّ

صَاحِبِیْ سَیَکِلُ الْکَلَامَ إِلَیَّ. فَقُلْتُ: یَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنَّہُ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ وَیَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ - وَذَکَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ- وَأَنَّهُمْ یَزْعُمُوْنَ أَنْ لَا قَدَرَ، وَأَنَّ الْأَمْرَ أُنُفٌ.

ترجمہ: امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے تعاون سے شروع کرتے ہیں، اور ہم انہی سے بقدر کفایت مدد چاہتے ہیں۔ اور اللہ جل جلالہ کے سوا اور کوئی توفیق دینے والا نہیں۔
لغت: استکفاء: کسی سے بقدر کفایت کوئی چیز چاہنا یعنی ہم اللہ تعالیٰ سے اتنی مدد چاہتے ہیں کہ ہم کتاب لکھ سکیں۔

# ایمان کا بیان

## (ایمان، اسلام، احسان اور علاماتِ قیامت کا بیان، اور تقدیر پر ایمان کے ضروری ہونے کا بیان)

(امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:) مجھ سے حدیث بیان کی ابوخیثمہ زہیر بن حرب نے، وہ کہتے ہیں: ہم سے حدیث بیان کی وکیع نے (وہ روایت کرتے ہیں) کہمس سے، (وہ روایت کرتے ہیں) عبداللہ بُریدہ سے (وہ روایت کرتے ہیں) یحییٰ بن یعمر سے ——تحویل—— اور (امام مسلم نے فرمایا:) اور ہم سے حدیث بیان کی عبیداللہ بن معاذ عنبری نے —— اور حدیث کے الفاظ ان کے ہیں —— وہ کہتے ہیں: ہم سے بیان کیا میرے ابا (معاذ عنبری) نے، وہ کہتے ہیں: ہم سے بیان کیا کہمس نے (وہ روایت کرتے ہیں) ابن بُریدہ سے (وہ روایت کرتے ہیں) یحییٰ بن یعمر سے، یحییٰ کہتے ہیں: سب سے پہلا وہ شخص جس نے بصرہ میں تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو کی، یعنی تقدیر کا انکار کیا وہ معبد جہنی تھا۔ (یحییٰ کہتے ہیں) پس میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری (دونوں رواتِ حدیث میں سے ہیں اور ثقہ ہیں) حج یا عمرہ کے ارادہ سے نکلے، پس ہم نے سوچا: اگر ہماری صحابہ میں سے کسی سے ملاقات ہوئی تو ہم ان سے پوچھیں گے اس بات کے بارے میں جو وہ لوگ (منکرین تقدیر) تقدیر کے بارے میں کہتے ہیں، پس ہم توفیق دیئے گئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یعنی ہماری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، درانحالیکہ وہ مسجد میں داخل ہو رہے تھے، پس میں نے اور میرے ساتھی نے ان کو گھیر لیا، ہم میں سے ایک ان کی دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف، اور میں نے گمان کیا کہ میرا ساتھی مجھے گفتگو کا موقع دے گا، چنانچہ میں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! (ابن عمرؓ کی کنیت) بیشک ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن کریم پڑھتے ہیں، اور وہ علم کے نشانات تلاش کرتے ہیں یعنی حدیثیں جمع کرتے ہیں (یہ یَتَقَفَّرُوْنَ (بتقدیم القاف) کا ترجمہ ہے، تَقَفُّرَ الأَثَرَ: نشان تلاش کرنا، اور اس کو یتفقّرون (بتقدیم الفاء) بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ علم کو کھودتے ہیں، حقائق ودقائق بیان کرتے ہیں) —— اور یحییٰ نے ان کے (اور بھی) حالات بیان کئے، یعنی ان کی قرآن وحدیث کے ساتھ مشغولیت ومزاولت کو بیان کیا —— مگر وہ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کچھ نہیں! معاملہ اچھوتا ہے،

یعنی ازل سے اللہ تعالیٰ نے کوئی بات طے نہیں کی اور نہ وہ پیش آنے والے واقعات کو ازل سے جانتے ہیں (العیاذ باللہ!)

لغات: اکْتَنَفَ فلانًا: گھیرنا...... وَکَلَ إلیه الأمْرَ یَکِلُ وَکْلاً ووُکُولاً: کسی کو کوئی معاملہ سونپ کر بے فکر ہو جانا، کسی معاملہ میں کسی کو مختار بنا دینا...... تقفَّرَ العلمَ: (بتقدیم القاف علی الفاء) علم تلاش کرنا، تحصیل علم کی راہوں پر چلنا، علم تلاش کرنے سے مراد: حدیثیں جمع کرنا ہے...... تَفَقَّرَ العلمَ: (بتقدیم الفاء علی القاف) کھودنا، عربی میں کہتے ہیں: فَقَرْتُ البئرَ: میں نے کنواں کھودا، علم کھودتے ہیں یعنی حقائق ودقائق بیان کرتے ہیں...... اور بعض نسخوں میں یَتَّقِفُوْنَ ہے یعنی پیروی کرتے ہیں...... قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: بعضوں نے یَتَقَعَّرُون پڑھا ہے، تَقَعَّرَ: گہری باتیں نکالنا...... اور ابویعلی کی روایت میں یَتَفَقَّهُون ہے، یعنی فقہ حاصل کرتے ہیں (نووی)...... قَدَرَ (ن، ض) قَدْرًا وَقَدَرًا: (بفتح الدال وسکونها) اور قَدَّرَ تقدیرًا کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، حکم لگانا، قَدَّرَ اللّٰہُ علیه الأمرَ اور قَدَّرَ له الأمرَ: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، یا کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی، اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء (فیصلہ) کا، یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام تقدیر ہے...... الأُنُف: (بضمتین) جدید، تازہ، اچھوتا، جسے استعمال نہ کیا گیا ہو...... الرَّوض الأُنُف: اچھوتی کیاری جس میں کسی جانور نے منہ نہ مارا ہو، اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا، نہ رونما ہونے والے واقعات کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے (پناہ بخدا!)

## تشریح:

۱- ح: تحویل کا مخفف ہے، تحویل: باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: کوئی چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرنا، اس کو تین طرح پڑھنے کا رواج رہا ہے: (۱) پورا لفظ تحویلٌ پڑھا جائے (۲) تخفیف کے ساتھ بغیر مد کے ح پڑھا جائے (۳) مد کے ساتھ حاءْ پڑھا جائے، یہ تینوں طریقے رائج رہے ہیں، مگر اب صرف ایک طریقہ ہے، بغیر مد کے قصر کے ساتھ حا پڑھتے ہیں، اور یہ سند بدلنے کی علامت ہے، عام طور پر سند مصنف کتاب سے بدلتی ہے، اور جس راوی پر مختلف سندیں اکٹھی ہوتی ہیں اس کو مدار الاسناد یا مدار الحدیث کہتے ہیں، جیسے یہاں دونوں سندیں کہمس پر اکٹھی ہوئی ہیں پس وہ مدار الاسناد ہیں۔

۲- قوله: وهذا حديثه: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو اساتذہ سے روایت کی ہے: ابوخیثمہ زہیر بن حرب سے اور عبید اللہ بن معاذ عنبری سے۔ اور الفاظِ حدیث عبید اللہ کے ہیں، اور ابوخیثمہ کی حدیث اس کے ہم معنی ہے۔

### معبد جُہنی کا تعارف:

یہ جُہینہ کی طرف نسبت ہے جو قُضاعہ کا ایک قبیلہ ہے، اس قبیلہ کا بانی زید بن لیث تھا، قُضاعہ: اس کا جد امجد ہے، اسی

کے نام پر قبیلہ کا نام قضاعہ رکھا گیا۔ اس قبیلہ کے بہت سے لوگ کوفہ اور بصرہ منتقل ہو گئے تھے، بصرہ آنے والوں میں معبد جُہنی بھی تھا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا، اور بصرہ میں اسی نے سب سے پہلے تقدیر کے مسئلہ میں لب کشائی کی، پھر بصرہ سے مدینہ چلا آیا، اور یہاں اپنا باطل مذہب پھیلانا چاہتا تھا، حجاج نے سن ۶۰ ہجری میں اس کو قتل کیا۔ (فتح الملہم ۱:۳۲۲)

## فرقہ قدریہ کی ابتداء:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عراق میں سب سے پہلے بصرہ کے ایک شخص نے ــــ جس کا نام سیسوَیْہ یا سوسَن تھا، جو مجوسی النسل تھا اور بظاہر مسلمان ہوگیا تھا ــــ اس فتنہ کی داغ بیل ڈالی، پھر اس سے معبد جُہنی نے اور اس سے غیلان نے اس عقیدہ کو سیکھا۔ شدہ شدہ یہ فتنہ بصرہ سے شام وحجاز تک پھیل گیا، کہتے ہیں کہ اس فتنہ کی ابتداء حجاز میں اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن الزبیرؓ کے دورِ خلافت میں کعبہ شریف میں آگ لگ گئی، کسی کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ تقدیرِ الٰہی یونہی تھی، دوسرے نے اس پر رد کیا کہ اللہ تعالیٰ بھلا ایسا کیوں چاہیں گے، اتنی بات پر قضاء وقدر کی بحث چل پڑی۔

خلفاء راشدین کے عہد میں اس فرقہ کا نام ونشان نہیں تھا، صحابہ کے آخری دور میں اس کا ظہور ہوا، اور جو صحابہ اس وقت بقیدِ حیات تھے انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کیا، جن میں ابن عباس، ابن عمر اور واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں (فتح الملہم)

## قدریہ کا مسلک:

انسان کے افعال اختیاریہ مثلاً ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت وغیرہ کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں یا بندہ خود خالق ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف رائیں ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ الأمر أُنُف: معاملہ اچھوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا، نہ رونما ہونے والے واقعات کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے، بلکہ جب زید چلتا ہوا گرتا ہے تو لوگوں کو بھی پتا چلتا ہے کہ وہ گرا، اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرا، اور انسان اپنے اختیاری افعال کا خود خالق ہے، اس لئے وہ مکلف ہے اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، یہ فرقہ قدریہ کہلاتا ہے، معتزلہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: القدریة مجوس هذه الأمة (ابوداؤد) مجوس دو خدا مانتے ہیں ایک: خالقِ خیر ہے جو یزداں کہلاتا ہے اور دوسرا خالقِ شر ہے جو اہرمن کہلاتا ہے۔ قدریہ بھی دو خالق مانتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا اور بندوں کو اپنے افعال کا، معتزلہ بھی اسی کے قائل ہیں، پس وہ اس امت کے مجوس ہیں۔

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہے، اور جو طے ہے وہ ہو کر رہے گا، اور انسان بے بس ہے، اینٹ پتھر کی طرح ہے کہ جہاں چاہیں اٹھا کر رکھ دیں، اس لئے ایمان وکفر اور اعمال صالحہ وسیئہ یکساں ہیں، یہ فرقہ جبریہ

کہلاتا ہے، اور یہ بھی گمراہ فرقہ ہے، کیونکہ جب انسان کا کوئی اختیار نہیں رہا تو جزاء وسزا کیسی؟ حالانکہ انسان اپنے میں اور جانور میں بدیہی طور پر فرق کرتا ہے، جانوروں کو کوئی ان کے افعال کا ذمہ دار نہیں گردانتا، اور انسان کو ہر سمجھ دار اس کے اختیاری فعل کا ذمہ دار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مجبور محض نہیں۔

بلکہ معاملہ بین بین ہے، ہر بات تفصیلی طور پر طے ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور اسباب ومسببات کے دائرہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اچھوتا نہیں بلکہ طے شدہ امر ہے، اور تکلیف ومجازات کی بنیاد انسان کا کسب واکتساب ہے، یعنی اس کو جو جزوی اختیار دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے برے کام کرتا ہے اسی کی بنیاد پر مجازات ہوگی۔

وجہ تسمیہ: تقدیر کا یعنی اللہ کی ازلی پلاننگ کا انکار کرنے اور قدر وافعال کی بندوں کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے اس فرقہ کا نام قدریہ[1] ہے

قدریہ کا حکم: یہ فرقہ ضلالت وگمراہی اور جادۂ مستقیم سے ہٹنے کی وجہ سے جہنمی ہے، رہی یہ بات کہ یہ گمراہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا کسی وقت نکالے جائیں گے تو اس کا مدار اس پر ہے کہ اگر وہ چھوٹے دائرے (دینداری کے دائرے) سے نکلے ہیں تو کبھی نہ کبھی جنت میں آئیں گے، اور اگر وہ بڑے سرکل (دین کے دائرے) سے نکل چکے ہیں جیسے قادیانی تو ان کے جنت میں آنے کا کوئی امکان نہیں[2]۔

فائدہ: دین دو چیزوں کا مجموعہ ہے، اصول اور فروع کا، اور دونوں کے دو دو دائرے ہیں، مگر دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے، فروع کا چھوٹا دائرہ جس سے نکلنے والے کو فاسق کہتے ہیں وہ فرائض وواجبات پر عمل کا اور کبیرہ گناہوں سے احتراز کا دائرہ ہے، جو شخص فرائض وواجبات پر عمل پیرا ہے اور کبائر سے بچتا ہے وہ نیک مؤمن ہے اور جو فرائض یا واجبات کا تارک ہے یا کبائر کا مرتکب ہے وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہے اور فاسق ہے۔

پھر فروعات کے ضمن میں ان کے اصول بھی ہیں، جیسے ایک نماز پڑھنا ہے، یہ عملی چیز ہے، اور دوسرا نماز کو فرض ماننا

---

(۱) قدریہ کی ضلالت وگمراہی حدیث میں صراحتاً مذکور ہے اس لئے بعض قدریہ اپنے قدری ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو لوگ تقدیر کے قائل ہیں درحقیقت وہ قدریہ ہیں، مگر ان کی یہ بات بداہۃً غلط ہے، اس لئے کہ اہل حق بندوں کے معاملات اللہ کے حوالہ کرتے ہیں اور قدر وافعال کی اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں، جبکہ قدریہ اپنی طرف نسبت کرتے ہیں، اور جو اپنی طرف قدر وافعال کی نسبت کرے وہ قدریہ کہلانے کا زیادہ مستحق ہے، نہ کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرے (فتح الملہم)

(۲) جمہور نے قدریہ کے اس فرقہ کی تکفیر کی ہے جو اللہ کے علم ازلی کا انکار کرتا ہے، اس لئے کہ ان کا یہ انکار قرآن کی بعض آیات کا صریح انکار ہے، متعدد آیات میں یہ مضمون ہے کہ کوئی چیز اللہ کے دائرہ علم سے باہر نہیں، ہر چیز کو ان کا علم محیط ہے، اور جو کچھ ہوتا ہے انہی کے علم وارادہ کے مطابق ہوتا ہے، اور بعض قدریہ علم الٰہی کا تو اقرار کرتے ہیں مگر بندوں کے افعال مشیت الٰہی کے تابع ہیں اس کے منکر ہیں، یہ فرقہ بدعتی اور گمراہ ہے، کافر نہیں۔ واللہ اعلم

ہے، یہ اصولی بات ہے، اسی طرح زنانہ کرنا فرعی چیز ہے اور زنا کو حرام ماننا اصولی بات ہے، یہ بڑا دائرہ ہے، جو اس سے بھی باہر ہو جائے گا یعنی فرض کو فرض نہیں مانے گا اور قطعی حرام کو حرام نہیں مانے گا: اس کا حکم اصولی دائرہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اور اصول یعنی دین اسلام کی بنیادی باتوں کے بھی دو دائرے ہیں: چھوٹا دائرہ اور بڑا دائرہ، کیونکہ اصول دو طرح کے ہیں: بدیہی اور نظری، جو نظری اصول کا انکار کرے گا وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہو جائے گا، اور اس کا نام ضلال (گمراہی) ہے، کبھی اس پر کفر کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں مگر یہ کفرٌ دون کفرٍ ہے، حقیقی کفر نہیں، جس سے آدمی مسلمان باقی نہیں رہتا، اور بڑا دائرہ ضروریاتِ دین کا ہے، یعنی دین کی وہ باتیں جن کو عام مسلمان بھی جانتے ہیں جیسے توحید، رسالت، قیامت، ختم نبوت، ارکانِ اربعہ کی فرضیت اور قرآنِ کریم کا کتاب اللہ ہونا وغیرہ، یہ وہ موٹی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ دین اسلام سے ہیں، پس جو شخص ان کا انکار کرے گا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور وہ قطعاً مرتد ہو جائے گا۔

اور نظری اصول وہ ہیں جن پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے صحابہ کا معیارِ حق ہونا، اجماع کا حجت ہونا، خواہ وہ قطعی ہو یا ظنی اور تقلید وقیاس کا حجت ہونا نظری مسائل ہیں، اور استدلال کے محتاج ہیں، جو شخص ان نظری اصول کا انکار کرے، یا ضروریاتِ دین کا انکار قابل لحاظ تاویل کے ساتھ کرے یا انکار کا اقرار نہ کرے تو وہ اصول کے چھوٹے دائرہ سے تو باہر قرار دیا جائے گا مگر اس کو مرتد نہیں کہیں گے۔ اسی اصول سے غیر مقلدین، مودودیوں اور بریلویوں کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ بعض حضرات تو شیعوں کو بھی گمراہ کہتے ہیں، کافر نہیں کہتے، کیونکہ وہ ضروریاتِ دین کا اگرچہ انکار کرتے ہیں مگر اس انکار کا اقرار نہیں کرتے، اور التزام کفر: کفر ہے، لزوم کفر: کفر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ فسق کا استعمال فروعات میں ہوتا ہے اور لفظ ضلال کا استعمال اصول میں ہوتا ہے اور دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے، یعنی ضروریاتِ دین کا قابل لحاظ تاویل کے بغیر صاف انکار کرنا آدمی کو اسلام کے دائرہ سے باہر کر دیتا ہے۔

قَالَ: إِذَا لَقِيتَ أُولٰئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ، وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي، وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ، مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ. ثُمَّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب آپ کی ان لوگوں سے ملاقات ہو تو انہیں بتلانا کہ میں ان سے بری ہوں

اور وہ مجھ سے بری ہیں، یعنی ہمارا باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، اس ذات کی قسم جس کی عبداللہ بن عمرؓ قسم کھاتا ہے! اگر یہ بات ہو کہ ان میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ کو قبول نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے (پھر ابن عمرؓ نے حدیث سنائی) چنانچہ فرمایا: مجھ سے میرے ابا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: اس درمیان کہ ہم ایک دن نبی ﷺ کے پاس تھے اچانک ہمارے پاس ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید تھے، بال نہایت کالے تھے، اس پر سفر کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا تھا، اور اس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھا، اور اپنے گھٹنوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیا، یعنی بالکل قریب ہو کر بیٹھا، اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھا، یعنی دوزانو بیٹھا جیسا کہ طالب علم استاذ کے سامنے باادب بیٹھتا ہے (بعض حضرات نے فَخِذَیْه کی ضمیر کا مرجع نبی ﷺ کو قرار دیا ہے یعنی اپنی ہتھیلیاں نبی ﷺ کی رانوں پر رکھیں تا کہ دیکھنے والے اس کو بدو سمجھیں)

تشریح:

۱-سواد الشعر: ابن حبان کی روایت میں سواد اللحیة ہے، معلوم ہوا کہ بال سے ڈاڑھی کے بال مراد ہیں (فتح الملہم)......ولا یعرفه منا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی خیال نہیں تھا، بلکہ تمام حاضرین کا یہی حال تھا، چنانچہ عثمان بن غیاث کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: فنظر القوم بعضهم إلی بعض فقالوا: ما نعرف (فتح الباری)......فاسند رکبتیه: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس المراد الإلزاق الحقیقی: حقیقتاً گھٹنے نہیں ملائے تھے بلکہ بہت قریب بیٹھا تھا، راوی نے غایت قرب کو أسند رکبتیه سے تعبیر کر دیا ہے (کوکب ۱:۱۲۱)......علی فخذیه: بعض نے ضمیر کا مرجع رجل کو بتایا، یعنی نو وارد نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور دوزانو باادب بیٹھا، چنانچہ بعض روایت میں یہ الفاظ ہیں: حتی برک بین یدی النبی صلی اللہ علیه وسلم کما یجلس أحدنا فی الصلوة (فتح) اور بعض نے نبی ﷺ کی طرف ضمیر لوٹائی ہے، ان کی تائید سلیمان تیمی کی روایت سے ہوتی ہے، ثم وضع یده علی رکبتی النبی صلی اللہ علیه وسلم، اور تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اولاً اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے اور نماز میں بیٹھنے کی طرح دوزانو باادب بیٹھا، پھر بے تکلف ہو گیا اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ نبی ﷺ کی رانِ مبارک پر ہاتھ رکھ دیئے، اور بے تکلفی کا اظہار اس لئے کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی حقیقت حاضرین پر مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ بایں وجہ شروع سے آخر تک ان سے ایسے افعال صادر ہوتے رہے کہ ان کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکے۔

۲-حضرت جبرئیل علیہ السلام ایسے وقت میں آئے تھے کہ حضورِ پاک ﷺ کی مجلس چل رہی تھی، اور کپڑوں کی سفیدی اور بالوں کی سیاہی اور سفر کا کوئی اثر محسوس نہ ہونا: یہ ظاہر کرتا تھا کہ یہ مدینہ ہی کا کوئی باشندہ ہے اور کسی کا اس کو نہ پہچاننا: دلالت کرتا تھا کہ کوئی باہر کا آدمی ہے، غرض دو متضاد حالتیں ان میں جمع تھیں اس پر بھی لوگوں کو حیرت ہو رہی تھی۔

وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِيْ عَنِ الإِسْلاَمِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " الإِسْلاَمُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلاَةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ، إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً" قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ.

ترجمہ: اوراس نوواردنے کہا: اے محمد! (ﷺ) آپؐ مجھے اسلام کے بارے میں بتلائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ آپ گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں، اور رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں اگر وہاں تک پہنچنے کی آپ میں طاقت ہو" نوواردنے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پس ہمیں اس پر حیرت ہوئی، آپؐ سے پوچھ بھی رہا ہے اور تصدیق بھی کر رہا ہے۔

تشریح:

۱- بخاری شریف میں سوال کی ترتیب برعکس ہے، پہلے ایمان کا سوال ہے اور بعد میں اسلام کا، اور وہی صحیح ترتیب ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلے ایمان کے بارے میں سوال کیا تھا، پھر اسلام کے بارے میں اور یہاں روات کا تصرف ہے۔

۲- اسلام کے اصل معنی ہیں: اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا اور اس کی تابعداری وفرمانبرداری کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کو اپنا دستورِ زندگی بنالینا اور اللہ کے احکام کا مطیع ہو جانا —— اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے اظہار کے لئے شریعت میں بہت سے احکام ہیں، مگر پانچ چیزوں کو —— شہادتین، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کو —— اسلام کا پیکرِ محسوس قرار دیا ہے، اس لئے کہ تمام احکام میں یہی پانچ مقصود بالذات اور واجب بالذات ہیں، باقی دیگر احکام واجب بالغیر ہیں۔

۳- قولہ: تقیم الصلوٰۃ: أَقَامَه إقامةً وقامةً الصلوٰةَ کے معنی ہیں: نماز کامل ادا کرنا، قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: یہ أَقَامَ العُوْدَ سے ماخوذ ہے، تیر بنانے والا تیر کی لکڑی کو آگ پر گرم کر کے بالکل سیدھا کرتا ہے تاکہ تیر نشانہ پر لگے، اس محاورہ سے اقامتِ صلوٰۃ کی تعبیر لی گئی ہے ...... تُؤْدِی الزکوٰةَ: الزکاۃ کے معنی ہیں: زیادتی، بڑھوتری، برکت، پاکیزگی، ہر شیٔ کا عمدہ حصہ، صدقہ، مال کی مخصوص مقدار، زکوۃ کو زکوۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مال دار کے مال میں زیادتی، خیر وبرکت اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: زکوۃ: ذات اور معنی دونوں کے درمیان مشترک اسم ہے، ذات: نصاب کی وہ مقدار ہے جس کو زکوۃ دینے والا فقیر کو نکال کر دیتا ہے، اور معنی: زکوۃ دینے والے کا فعل ہے، اور علامہ ناصر بن عبدالسید فرماتے ہیں: زکوۃ کے معنی تزکیہ (گناہوں سے پاک وصاف ہونے) کے ہیں، مال کی محبت اور دولت

پرستی ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہر یلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے، پھر زکوٰۃ مال کی اس مقدار کا نام ہو گیا جو فقیروں کے لئے نکالی جاتی ہے (لغات القرآن)

**قوله: وتصوم رمضان:** رمِض (س) کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: جلانا، خاکستر کرنا، اس کی طرف شهرٌ کی اضافت کی گئی ہے اور اسے علم گردانا گیا ہے، علیت اور الف نون زائدتان کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس ماہ کے روزوں کی برکت سے انسانوں کے گناہ خاکستر اور نیست و نابود ہو جاتے ہیں، اس لئے اس کو رمضان کہتے ہیں، علاوہ ازیں: عربوں کے کلینڈر کے حساب سے یہ مہینہ ہمیشہ گرمی کی سخت تمازت کے زمانہ میں آتا تھا جبکہ بھوک و پیاس کی سوزش سے انسان و حیوان سب سوختہ ہوتے تھے، اس لئے رمضان نام رکھا —— صام (ن) صَوماً و صِيَامًا: کے معنی ہیں: رکنا، خاموش رہنا، اور شرعی معنی ہیں: روزہ کی نیت کے ساتھ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک اکل و شرب اور جماع سے رکنا۔

**قوله: وتحجّ البيت:** حَجَّ (ن) حَجًّا کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں: کعبہ شریف کی زیارت کا قصد کرنا اور إعْتَمَرَ المكانَ کے معنی بھی قصد کرنا اور زیارت کرنا ہیں، اور اسی سے عمرہ ہے، اور ان عبادتوں کے نام حج و عمرہ اس لئے ہیں کہ دونوں میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہے۔

**قوله: إن استطعت إليه سبيلا:** تمام ائمہ متفق ہیں کہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی شرط ہے، اور استطاعتِ مالی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک استطاعتِ مالی شرط نہیں، پس جو شخص پیدل مکہ مکرمہ تک پہنچ سکتا ہے اور راستہ میں کما کر کھا سکتا ہے اس پر حج فرض ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک استطاعتِ بدنی یعنی زاد و راحلہ بھی شرط ہیں، راحلہ: یعنی ایسی سواری جو اسے مکہ تک پہنچائے خواہ کوئی بھی سواری ہو، اور زاد: یعنی مکہ جا کر واپس آنے تک کا خرچہ اس کے پاس ہو، اور جن لوگوں کا خرچہ اس کے ذمہ ہے ان کا بھی خرچ دے کر جائے، جب یہ دونوں باتیں میسر ہونگی تب استطاعتِ مالی متحقق ہوگی اور حج فرض ہوگا، اس سلسلہ کی تفصیلات تحفۃ الالمعی (اوائل کتاب الحج) میں ملاحظہ کریں۔

۴- حضرت جبرئیل علیہ السلام پوچھ بھی رہے تھے اور تصدیق بھی کر رہے تھے، یہ متضاد باتیں تھیں، کیونکہ پوچھنا دلیل ہے کہ بے خبر ہے، اور تصدیق کرنا دلیل ہے کہ پہلے سے جانتا ہے، پھر پوچھ کیوں رہا ہے؟ اس پر بھی صحابہ کو حیرت ہوئی۔

قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الإِيْمَانِ، قَالَ: " أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ" قَالَ: صَدَقْتَ.

ترجمہ: اس نے کہا: آپؐ مجھے ایمان کے بارے میں بتلائیں، آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر، فرشتوں پر،

اللہ کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں، اس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا۔

تشریح:

۱-ایمان: أمن سے مأخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے، اور بابِ افعال کی ایک خاصیت تصییر ہے، یعنی مأخذ والا بنانا، پس ایمان کے معنی ہیں: مأمون کرنا، ایمان کو تصدیق کے معنی میں اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ بندہ نے جس کی تصدیق کردی گویا اسے اپنی تکذیب سے مأمون کردیا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: تمام ضروریاتِ دین کو مان لینا یعنی اللہ عزوجل، ان کی صفات، ان کے احکام، رسولوں کی رسالت، وحی کی آمد، اور مبدأ ومعاد وغیرہ کے تعلق سے جتنی باتیں اللہ کے پیغمبروں نے ہمیں بتائی ہیں اور جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کی حدود سے باہر ہیں ان سب باتوں کو سچ جان کر انبیاء کی تصدیق کرنے اور ان کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے (اس کی مزید تفصیل اوپر آچکی ہے)

۲- یہاں خاص یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں چھ ایمانیات کا تذکرہ ہے اور ایمان مفصل میں سات کا ذکر ہے، اس میں بعث بعد الموت کا تذکرہ بھی ہے، درحقیقت یہ الیوم الآخر: یعنی قیامت کے دن کو ماننے کا جزء ہے، اس لئے اگر سمیٹیں گے تو چھ عقیدے ہونگے اور پھیلائیں گے تو سات عقیدے ہونگے۔

۳- اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ایمان واسلام میں سے ہر ایک کی حقیقت وماہیت جدا جدا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے حدیث جبرئیل میں عقائد پر ایمان کا اطلاق کیا ہے اور اعمال پر اسلام کا، مگر نصوص میں دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوئے ہیں، یعنی عقائد پر اسلام کا اور اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایمان واسلام کا استعمال نصوص میں تین طرح ہوا ہے: (۱) بطور ترادف: جیسے: ﴿ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾: یعنی پوری بستی میں ایک ہی مسلم گھرانہ تھا، انہی کو مسلم بھی کہا اور انہی کو مؤمن بھی، معلوم ہوا کہ دونوں میں ترادف ہے۔

۲- بطور تغایر: جیسے ﴿ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ﴾: اس آیت میں ایمان کی نفی اور اسلام کا اثبات کیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں میں باہم مغایرت ہے ـــــ حدیث جبرئیل بھی مغایرت پر دلالت کرتی ہے۔

۳- بطور تداخل: جیسے وفد عبد القیس کی حدیث میں (جو آئندہ آرہی ہے) نبی ﷺ نے ایمان کی حقیقت وہی بیان کی جو حدیثِ جبرئیل میں اسلام کی حقیقت بیان کی ہے اور حدیث: الإيمان بضع وسبعون شعبة: میں اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں میں تداخل ہے (فتح الملہم ۱:۳۰۳)

۴-مؤمن ہونے کے لئے جس طرح تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور تقدیر الٰہی کا بھلا برا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے، پس بھلی بری تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ طے کردہ باتیں خواہ انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، سب پر ایمان لانا ضروری ہے، جیسے گھی کے بارے میں تجویز الٰہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں، اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں، یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں، اسی طرح بچہ کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مرجانا ناپسند ہے، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں، اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الٰہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا، اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الٰہی پر اعتراض نہیں ہوتا، مگر جب ایمان واعمالِ صالحہ اور کفر واعمال طالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں بگھارتا ہے۔

غرض: لوگ ''بھلی بری تقدیر'' کا مطلب: نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کارخانۂ خداوندی میں کچھ برا نہیں، بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے، اور اس بات کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور مفید چیزیں حاصل کرنے کی اور مضر چیزوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے، پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: تحفۃ الالمعی ۵: ۴۷۹-۴۸۷)

## تقدیر کا مسئلہ آسان ہے

تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے، یہ بنیادی عقائد میں شامل ہے، اور بنیادی عقیدہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہوسکتا، بنیادی عقیدہ ایسا ہونا ضروری ہے جس کو ہر عام وخاص سمجھ سکے، مگر چونکہ تقدیر کا مسئلہ شمولِ علم کے مسئلہ سے بچ ہے، اس لئے دونوں میں فرق نہ کرنے سے بات الجھ جاتی ہے، جیسے فاتحہ کا نماز سے کیا تعلق ہے؟ اور فاتحہ کا کس نمازی سے تعلق ہے؟ اگر دونوں میں فرق نہیں کیا جائے گا تو دلائل میں الجھاؤ پیدا ہوجائے گا۔ اسی طرح یہاں معاملہ ہے، تقدیر اور ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز کو محیط ہونا اور ہے، دونوں میں فرق کرلیا جائے تو تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے۔

## تقدیر کیا ہے؟

جب کوئی شخص بڑا محل بناتا ہے تو پہلے ذہن میں یا آرکیٹیکٹ سے نقشہ بناتا / بنواتا ہے، پھر اس خاکہ میں رنگ بھرتا ہے، اسی طرح بلاتشبیہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنی مخلوقات کے لئے مفید اور مضر چیزوں کا اندازہ ٹھہرایا ہے، مثلاً: حیوانات

برائے نام (نہ جیسا) اختیار رکھنے والی مخلوقات ہونگی، اور ان کے لئے مفید و مضر چیزیں ہونگی، درندوں کے لئے گوشت مفید ہوگا، گھاس مضر ہوگی، اور چرندوں کے لئے گھاس مفید ہوگی، گوشت مضر ہوگا، اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو دنیا میں ان کو ضرر پہنچے گا، مگر آخرت میں کوئی سزا نہیں ملے گی، اس لئے کہ ان میں اختیار معمولی ہے، جو مدار تکلیف نہیں بن سکتا۔ اور انسان (مکلف مخلوق) کے لئے پلاننگ یہ ہے کہ وہ غیر معمولی اختیار رکھنے والی مخلوق ہوگی، کامل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور یہ جزوی اختیار تکلیف شرعی کے لئے کافی ہوگا، اور ان کے لئے مادیات کا اندازہ مقرر کیا کہ گھی مفید ہے، اور زہر جان ستاں! اسی طرح معنویات (عقائد و اعمال) کے لئے بھی اندازہ مقرر کیا کہ توحید کا عقیدہ مفید ہے، اور شرک مضر اور نکاح مفید ہے اور زنا مضر، اول عقائد و اعمال جنت نشیں بنائیں گے اور ثانی جہنم رسید کریں گے، اس تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، پھر جس طرح انسان مادیات کی حد تک تقدیر الٰہی کا پابند ہے، مفید چیزوں کو اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے اسی طرح معنویات میں بھی تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، مفید عقائد و اعمال کو اختیار کرے تاکہ آخرت میں اس کا بھلا ہو، اور برے عقائد و اعمال سے بچے تاکہ آخرت میں بیڑا غرق نہ ہو، بس یہ ہے تقدیر! اس میں کیا پیچیدگی ہے!

### شمولِ علم کا مسئلہ:

شمول: عموم، اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشهادة ہیں، اور یہ غیب و شہادت ہمارے اعتبار سے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز غیب نہیں، اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہر چیز جانتے ہیں، واقعہ رونما ہونے کے بعد ان کو علم نہیں ہوتا جس طرح ہم کو ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ پیدا ہونے والی مخلوقات اور ان کے جملہ احوال کو ازل میں جانتے ہیں۔ اور علم: معلومات سے منتزع ہوتا ہے، معلومات: علم کے تابع نہیں ہوتے، تاج محل کا علم تاج محل دیکھ کر حاصل ہوتا ہے، لوگ جیسا تصور کریں ایسا تاج محل موجود نہیں ہو جاتا، مگر اللہ تعالیٰ کا علم: وجود معلومات کا محتاج نہیں، کیونکہ ان کا علم حضوری ہے، حصولی نہیں، اس لئے وہ ازل سے جانتے ہیں کہ فلاں غیر مکلف مخلوق وجود میں آکر اپنے معمولی اختیار سے یہ اور یہ کرے گی، اور انسان وجود میں آکر اپنے غیر معمولی اختیار سے یہ اور یہ کرے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا؟ مگر اس جاننے سے ضروری نہیں ہو جاتا کہ انسان وہ کام ضرور کرے، ایسا ہونا اس وقت ضروری ہوگا جب معلومات علم کے تابع ہوں، حالانکہ معلومات: علم کے تابع نہیں ہوتے، بلکہ علم خود معلومات سے منتزع ہوتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ ہم علم حاصل کرنے کے لئے معلومات کے وجود کے محتاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کے محتاج نہیں۔

بہ الفاظ دیگر: اللہ تعالیٰ صرف یہی نہیں جانتے کہ فلاں بندہ جنت میں جائے گا اور فلاں جہنم میں، بلکہ اللہ تعالیٰ پوری سیریز (سلسلہ) جانتے ہیں کہ فلاں بندہ اپنے جزوی اختیار سے فلاں عقیدے اور اعمال پر مرے گا اس لئے جنت میں جائے گا، اور فلاں بندہ اپنے جزوی اختیار سے اس کے خلاف عقائد و اعمال پر مرے گا اس لئے جہنم میں جائے گا، پس اللہ تعالیٰ کا علم صرف اجمالی نہیں، تفصیلی ہے، پس جو جنت میں جائے گا اپنے عقائد و اعمال کی وجہ سے جائے گا، اور جو جہنم میں

جائے گا وہ بھی اپنے عقائد واعمال کی وجہ سے جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کو اس کا ازل سے علم ہے۔

لطیفہ: ایک جاہل دیہاتی آنریری (اعزازی) مجسٹر (جج) بنادیا گیا، انگریزوں کے دور میں ایسا کیا جاتا تھا، وہ ہر اتوار کو فیصلہ کرتا، پیشکار درخواستیں سامنے رکھ دیتا، وہ ایک درخواست دائیں طرف رکھتے، اور کہتے: منجور (منظور) دوسری درخواست بائیں طرف رکھتے اور کہتے: نامنجور، اس طرح سب درخواستیں نمٹا دیتے، اللہ تعالیٰ کے جنت وجہنم کے فیصلے ایسے نہیں ہوتے۔

تقدیر کی دو جانبیں:

دو جانبیں، دو قسمیں نہیں، ایک جانب اللہ کی طرف ہے، وہ چونکہ شمولِ علم کے ساتھ ہے، اس لئے مُبرم (قطعی) ہے، اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، ورنہ اللہ کا علم غلط ہوجائے گا، یہ تقدیرِ الٰہی لوح محفوظ (عرش کی قوتِ خیالیہ) میں مرتسم بھی کی جاچکی ہے، دوسری: بندوں کی جانب ہے، یہ معلق ہے، کیونکہ یہ عدمِ علم کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ کو تو پورا سلسلہ (آخر تک) معلوم ہے، مگر بندوں کو معلوم نہیں کہ موجودہ حالت کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے، اس لئے ان کے اعتبار سے تقدیر بدلتی نظر آتی ہے، اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ صلہ رحمی سے عمر بڑھتی ہے، اور دعا: فیصلہ خداوندی کو ٹلاتی ہے، اور سورۃ الرعد (آیت ۳۹) میں ہے: ﴿يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾: اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں مٹاتے ہیں، اور جو چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں (ایسا بندوں کی جانب میں ہوتا ہے) اور اصل کتاب ان کے پاس ہے (یہ اللہ کی جانب ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی)

فائدہ: صحابہ کو جو ففیم العمل؟ کا اشکال پیش آیا تھا، وہ تقدیر کے مسئلہ میں پیش نہیں آیا تھا، شمولِ علم کے مسئلہ پر اشکال پیش آیا تھا کہ جب سب جنتی جہنمی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟ اللہ کے علم کے مطابق ہونا ضروری ہے، اور یہ اشکال تفصیلی تقدیر پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیش آیا تھا، نبی ﷺ نے ان کو تفصیلی تقدیر کے حوالے سے جواب دیا: اعملو فکلٌ میسر لما خلق له: عمل کرو، ہر شخص کے لئے وہ اعمال آسان کئے جاتے ہیں، جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ❁ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

(تحفۃ القاری ۱۱: ۳۶۸-۳۷۰)

ملحوظہ: اللہ پر، گذشتہ نبیوں پر اور گذشتہ کتابوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ اس کی وجہ اوپر آچکی ہے —— اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ یہی عقیدہ ایمان وعمل اور سارے نظام دین کی بنیاد ہے، اگر کوئی اس کا قائل نہ ہو تو پھر کسی دین ومذہب اور تعلیمات وہدایت کو ماننے کی اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۵- وتؤمن بالقدر: تؤمن (عامل) کو لوٹایا گیا ہے یا تو اس وجہ سے کہ فصل زیادہ ہوگیا ہے، عامل ومعمول میں جب

فصل زیادہ ہوجاتا ہے تو عامل کولوٹاتے ہیں، یا مسئلہ قدر کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے عامل کو لوٹایا ہے، کیونکہ تقدیر کا مسئلہ بہت اہم ہے، پچھلی امتیں اسی مسئلہ میں بحثیں کر کے گمراہ ہوئی ہیں اور اس امت میں بھی فکری گمراہی تقدیر کے مسئلہ ہی سے شروع ہوئی ہے۔

۶-قضاء وقدر میں فرق: قضاء وقدر درحقیقت ایک ہیں، مگر کبھی دونوں میں فرق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حکم ازلی قضاء ہے اور اس کا وقوع قدر ہے، پس قضاء قدر سے سابق ہے، مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔ قدر پلاننگ کا نام ہے اور قضا اس کے وقوع کا نام ہے، مثلاً جب کوئی مکان بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اجمالی نقشہ ذہن میں قائم کرلیتے ہیں یہ قدر ہے، پھر اس اجمالی نقشہ کے مطابق مکان تیار کرتے ہیں، یہ خارج میں موجود مکان بمنزلہ قضاء ہے، حدیث میں ہے کہ جب تقدیر کا ظہور ہو تو بندے کو اس پر راضی رہنا چاہئے، یہ اس کی نیک بختی کی علامت ہے (ترمذی حدیث ۲۱۵۱) یہ بات دونوں میں فرق کی طرف اور تقدیر کے سابق اور قضاء کے لاحق ہونے کی طرف مشیر ہے، مگر یہ کوئی اہم فرق نہیں، برائے نام فرق ہے اس لئے دونوں کو ایک کہنا بھی درست ہے (تحفۃ الألمعی ۵:۴۷۹)

قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الإِحْسَانِ، قَالَ: "أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ"

ترجمہ: اس نے پوچھا: آپؐ مجھے احسان کے بارے میں بتلائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: احسان (نکوکردن یعنی عمل کو عمدہ بنانے کا طریقہ) یہ ہے کہ آپ اللہ کی عبادت کریں، گویا آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں، پس اگر آپ اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہیں تو وہ یقیناً آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

تشریح:

۱-إحسان: بابِ افعال کا مصدر ہے اور اس کا مأخذ حُسن (خوبی) ہے، پس إحسان کے معنی ہیں: نکوکردن، یعنی اچھا بنانا، سائل نے تیسرا سوال یہ کیا ہے کہ اسلام کے ارکانِ خمسہ کو اور دیگر تمام اعمال کو عمدہ طریقہ پر ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ نبی ﷺ نے اس کے دو طریقے بتائے ہیں: ایک اعلیٰ دوسرا ادنیٰ:

پہلا طریقہ: اس دنیا میں حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں، البتہ 'گویا' کے درجہ میں ممکن ہے، یعنی استحضاری کیفیت اتنی بڑھائی جائے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، پس اس حالت میں جو عبادت کرے گا وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوگی، جیسے غلام اپنے آقا کے حکم کی تعمیل اس وقت کرے جب وہ آقا کے سامنے ہو، اور یقین ہو کہ وہ آقا کو دیکھ رہا ہے اس وقت غلام خوش اسلوبی سے وظائفِ خدمت انجام دیتا ہے، یہی حال بندوں کا ہے، جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میں اپنے مولیٰ کے سامنے ہوں اور وہ میرے ہر کام اور ہر حرکت وسکون کو دیکھ رہے ہیں اس وقت اس کی بندگی میں ایک خاص شانِ نیازمندی پیدا ہوگی، اور اس سے اعمال نہایت عمدہ کیفیت کے ساتھ وجود میں آئیں گے۔

دوسرا طریقہ: اور اگر یہ استحضاری حالت نصیب نہ ہو تو پھر اس عقیدہ کو تازہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہر حال اسے دیکھ رہے ہیں، سورۃ الانعام (آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾: اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی مگر وہ سب نگاہوں کو محیط ہیں، وہ بڑے باریک بیں باخبر ہیں، اس لئے کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، جب اس عقیدے کے ساتھ عبادت کرے گا تو بھی عبادت شاندار ہوگی، جیسے مکتب کا مدرس استنجے کے لئے گیا اور روزن سے بچوں کو دیکھ رہا ہے، مگر بچے اس کو نہیں دیکھ رہے، مگر بچوں کو یقین ہے کہ ان کی ہر حالت استاذ کی نگاہ میں ہے تو بھی بچے سکون کے ساتھ پڑھتے رہیں گے، دنگا فساد نہیں کریں گے، اسی طرح جب بندہ اس یقین کے ساتھ عبادت کرتا ہے کہ وہ اللہ کی نگاہ میں ہے تو بھی شاندار عبادت وجود میں آئے گی۔

۲- یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں، حدیث میں تعبد کا لفظ ہے جس کے معنی مطلق عبادت و بندگی کے ہیں، بلکہ ایک حدیث میں تَخشی بھی آیا ہے، یعنی تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو، اور ایک دوسری روایت میں تعمل بھی آیا ہے، ان روایتوں سے واضح ہوا کہ احسان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔

فائدہ(۱): فارسی کے دو لفظ ہیں: ایک: نیکو کردن، یہ نیک سے ہے یعنی اچھے اعمال کرنا۔ دوسرا: نکو کردن یعنی عمدہ بنانا، احسان کا ترجمہ (بغیری کے) نکو کردن ہے، ابوداؤد میں حدیث (نمبر ۲۸۱۴ کتاب الضحایا باب ۱۰) ہے: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإحسانَ علىٰ كُل شيءٍ، فإذا قتلتم فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَه، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں عمدہ کرنا فرض کیا ہے، پس جب تم دشمن کو قتل کرو تو بہتر طریقہ پر قتل کرو، یعنی لاش نہ بگاڑو، اور جب تم جانور کو ذبح کرو تو بہتر طریقہ پر ذبح کرو، اور چاہئے کہ تم میں سے ایک اپنی چھری کو تیز کرلے اور چاہئے کہ وہ اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے، یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ احسان یعنی عمدہ کرنے کا تعلق ہر چیز کے ساتھ ہے۔

فائدہ(۲): تصوف کے لئے قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ میں یہی احسان کی اصطلاح استعمال کی گی ہے، فرمایا: ﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾: ہاں جس نے خود کو خدا کے سپرد کردیا اور ساتھ ہی وہ نکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے، اور دوسری جگہ ہے: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾: اور اس سے دین میں اچھا کون جس نے خود کو خدا کے سپرد کردیا اور ساتھ ہی وہ نکوکار بھی ہے؟ یعنی اعمالِ اسلام کو بہترین طریقہ پر ادا کرتا ہے۔

اور احادیث میں احسان کے علاوہ تصوف کے لئے زہد کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے، پھر جب لوگ خوش حال ہوگئے اور شاندار کپڑے پہننے لگے مگر اللہ کے دیندار بندے صوف (اون) کے کپڑے ہی پہنتے رہے تو وہ صوفی اور ان کا طریقہ تصوف کہلایا، اور حاصل تینوں کا "تصحیح نیت" ہے، یعنی احسان کا مقصد، زہد کی غرض اور تصوف کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنی نیت

درست کرے، اور ہر عمل کو اللہ کے لئے خالص کرے، یہ اخلاص ہی تصوف کی جان ہے اور وہی احسان سے مراد ہے۔

فائدہ(۳): **کأنک تراہ**: یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر عبارت ہے: **أن تعبد اللہ عبادۃ کأنک تراہ**: پس یہ مفعول مطلق ہوگا، اور حال بھی ہوسکتا ہے أی **والحال کأنک تراہ**: اور مطلب یہ ہے کہ اپنے اندر استحضار اور مراقبۂ حضور وشہود کی حالت پیدا کرے، یہ مطلب نہیں کہ اس حالت کے پیدا ہونے کا انتظار کرے ——— **فإن لم تکن تراہ**: شرط ہے اور جزاء محذوف ہے اور **فإنہ یراک**: جزاء محذوف کی دلیل ہے، تقدیر عبارت ہے: **فإن لم تکن تراہ فأحسن العبادۃ فإنہ یراک**۔

قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: " أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ" قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ: " يَا عُمَرُ أَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟" قُلْتُ: أَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "فَإِنَّهُ جِبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ"

ترجمہ: اس نے پوچھا: آپؐ مجھے قیامت کے بارے میں بتلائیں (کہ کب قائم ہوگی؟) نبی ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جس سے یہ سوال کیا گیا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس نے کہا: آپؐ مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بتلائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ باندی اپنی مالکہ کو جنے، اور دوسری نشانی یہ ہے کہ آپ ننگے پیر، ننگے بدن، قلاّش، بکریوں کے چرانے والے کو دیکھیں کہ عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے بڑھے جارہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر سائل چلا گیا، پس میں ایک عرصہ تک ٹھہرا رہا، پھر نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمرؓ! کیا تمہیں معلوم ہے سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! آپؐ نے فرمایا: وہ جبرئیلؑ تھے، وہ تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ ایسے سوالات کریں جن کے جوابات میں پورے دین کا خلاصہ آجائے، اور صحابہ اس کو محفوظ کرلیں۔

لغات: **الساعۃ**: کے متعدد معانی ہیں: (۱) مطلق زمانہ (۲) ساعتِ عرفی یعنی ایک گھنٹہ (۳) ساعتِ شرعی یعنی قیامت۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں اور الف لام عہدی ہے...... **أمارات (بفتح الھمزۃ)** أمارۃ کی جمع ہے، یعنی علامت ...... **رَبَّة**: **رَبٌّ** کا مؤنث ہے: مالک، آقا، سردار...... **الحُفَاة**: **الحافی** کی جمع ہے، برہنہ یا ننگے پاؤں...... **العُراة**: **العاری** کی جمع ہے، برہنہ، ننگے بدن...... **العَالَة**: **العائل** کی جمع ہے: غریب، محتاج...... **رِعاء**: **الرَّاعی** کی جمع ہے، چرواہا...... **تَطَاوَل**: دراز ہونا، لمبا بننا، غرور وتکبر کرنا...... **البُنیان**: **البناء** کی جمع ہے، عمارت۔

تشریح:

۱-قیامت کا خاص وقت جس طرح سائل کو معلوم نہیں تھا نبی ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا، کیونکہ قیامت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوائی کوئی نہیں جانتا، جس کا ذکر سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ہے، ارشادِ پاک ہے: ”اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہی بارش برساتے ہیں، اور وہی جانتے ہیں جو کچھ بچہ دانی میں ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی ان سب باتوں کو جاننے والے باخبر ہیں“

شارحین کرام فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قیامت کے سوال کے جواب میں لا ادری (میں نہیں جانتا) فرمانے کے بجائے: یہ پیرایۂ بیان اس لئے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ کسی بھی سائل اور کسی بھی مسئول کو قیامت کا علم نہیں۔

۲-أمارات: أمارة کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: قیامت کی چھوٹی علامتیں، اس کے لئے دوسرا لفظ اشراط اور آثار ہیں، اور بڑی علامتوں کے لئے لفظ آیات ہے، چھوٹی نشانیاں پہلے پائی جاتی ہیں اور بڑی بعد میں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ظہورِ مہدی سے پہلے پائی جانے والی نشانیاں چھوٹی ہیں، اور ظہورِ مہدی کے بعد جو نشانیاں ظاہر ہونگی وہ بڑی ہیں۔

۳-نبی ﷺ نے قیامت کی دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

پہلی نشانی: باندی اپنی مالکہ کو جنے یعنی بیٹی ماں پر حکم چلائے ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب باندیاں تھیں اور مولیٰ اس سے صحبت کرتا تھا تو اس سے جو اولاد ہوتی تھی وہ آزاد ہوتی تھی، اور باندی ام ولد بن جاتی تھی، مگر باندی ہی رہتی تھی، اس لئے اولاد بڑی ہو کر ماں پر حکم چلاتی تھی، کیونکہ ماں گھر کی لونڈی تھی، اور صرف لڑکے ہی حکم نہیں چلاتے تھے لڑکیاں بھی حکم چلاتی تھیں، یہ قیامت کی نشانی ہے، پس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اولاد بدتمیز ہوجائے، ماں باپ کو نوکر سمجھنے لگے، آج کل اولاد کا عام طور پر یہی حال ہے، اگر اولاد نے کچھ پڑھ لکھ لیا تو ماں باپ کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی، وہ ان سے نوکر جیسا معاملہ کرتا ہے، یہ بات علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

دوسری نشانی: دولت کی ریل پیل ہوجائے، انتہائی درجہ کے غلاش لوگ بھی تعمیرات میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگیں، پس سمجھنا چاہئے کہ قیامت نزدیک آگئی!

۴-اس روایت میں ملیًّا آیا ہے یعنی عرصہ کے بعد خبر دی، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ تین دن کے بعد خبر دی (ترمذی حدیث ۲۶۰۸) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اس کے بعد آرہی ہے یہ ہے کہ سائل کے جانے کے بعد فوراً آپؐ نے اس کو واپس بلانے کا حکم دیا، صحابہ نے تلاش کیا، جب وہ نہ ملا تو آپؐ نے اسی وقت خبر دیدی کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔

تطبیق: ان روایتوں میں جمع وتطبیق یہ ہے کہ سائل کے جاتے ہی کسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے، جب سائل کو تلاش کیا گیا اور وہ نہ ملا تو آپؐ نے اہل مجلس کو اسی وقت خبر دیدی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تین

دن کے بعد جب ملاقات ہوئی تو خبر دی، یا اس کو واقعہ کے متعلقات کا اختلاف قرار دے کر اس سے صرف نظر کیا جائے۔

فائدہ(۱): بریلوی حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم عطا کیا گیا ہے، لیکن قیامت کے بارے میں سوال کا آپؐ نے جو جواب دیا ہے اس جواب سے ان کے عقیدہ پر ضرب پڑتی ہے، اس لئے انھوں نے جمہور کے برخلاف دوسری توجیہ کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ما المسئول عنها بأعلم مِن السائل میں قیامت کے علم کی نفی نہیں ہے ورنہ تو آپؐ لا أدری فرماتے، بلکہ اثبات ہے، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں ہم دونوں کا علم یکساں ہے، نہ میں بے خبر ہوں اور نہ آپ، پس مجمع میں پوچھ کر راز فاش مت کرو۔

اس توجیہ کا باطل ہونا بدیہی ہے۔ اس لئے کہ اگر آپؐ کو وقوعِ قیامت کا علم ہوتا تو پھر آپؐ نے فی خمسٍ لا یعلمهن إلا الله کیوں ارشاد فرمایا؟ اور سورۂ لقمان کی آیت جس میں یہ بات ہے کہ قیامت کا علم امور غیب میں سے ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں، کیوں تلاوت فرمائی؟ علاوہ ازیں بعض روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ نے بھی سائل کو نہیں پہچانا تھا پس یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ میں اور آپ قیامت کا علم رکھتے ہیں، یہ بات تو تب صحیح ہوتی جبکہ آپؐ ان کو پہچان لیتے؟ اس لئے یہ توجیہ باطل ہے۔

فائدہ(۲): أن تَلِد الأمة ربتها: کے اور بھی مطلب بیان کئے گئے ہیں: مثلاً: (۱) فتوحات کی کثرت ہوگی اور خوب باندیاں حاصل ہونگی، ان سے آقا صحبت کریں گے اور جو بچے پیدا ہونگے وہ ان باندیوں کے بہ منزلہ رب کے ہونگے، کیونکہ باپ کے مال میں اولاد قائم مقام بھی ہوتی ہے اور وارث بھی، یہ توجیہ علامہ خطابیؒ نے کی ہے اور امام نوویؒ نے اس کو اکثر علماء کا قول قرار دیا ہے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس توجیہ کو رد کیا ہے، کیونکہ فتوحات کی کثرت، باندیوں کا حصول اور ام ولد بنانے کا رواج عہد رسالت میں ہی ہو چکا تھا، جبکہ نبی ﷺ نے قرب قیامت کی نشانی بیان فرمائی ہے (فتح الباری ۱:۱۲۲)

(۲) اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ باندیوں سے بادشاہ پیدا ہونگے، یعنی لوگوں کا باندیوں کی طرف میلان زیادہ ہوجائے گا، چنانچہ بہت سے عباسی خلیفہ باندیوں کی اولاد ہیں، پس ماں بھی رعایا میں ہوگی اور بادشاہ اس کا بھی سید ہوگا جیسا کہ دیگر لوگوں کا سید و مالک ہے۔

(۳) قربِ قیامت میں امہات اولاد کی خرید و فروخت عام ہوجائے گی اور وہ بار بار فروخت ہونگی اور بعض ام ولد کو اسی کی اولاد لاعلمی میں خریدی گی اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرے گی جو باندیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس توجیہ کا مفاد یہ ہے کہ شرعی احکام سے جہالت کا غلبہ ہوگا۔

ان کے علاوہ اور بھی توجیہات کی گئی ہیں اور سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب والدین کی نافرمانی عام ہوجائے گی، اور بچے والدین کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو آقا باندیوں کے ساتھ کرتا ہے، اولاد کا یہ برتاؤ سیدوں جیسا ہے اس لئے مجازاً ان کو رب کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

[۲-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ، وَأَبُو كَامِلٍ الْفُضَيْلُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْجَحْدَرِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قَالُوا: ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، قَالَ: لَمَّا تَكَلَّمَ مَعْبَدٌ بِمَا تَكَلَّمَ بِهِ فِي شَأْنِ الْقَدَرِ أَنْكَرْنَا ذٰلِكَ، قَالَ: فَحَجَجْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَجَّةً. وَسَاقُوا الْحَدِيْثَ بِمَعْنَى حَدِيْثِ كَهْمَسٍ وَإِسْنَادِهِ، وَفِيْهِ بَعْضُ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانُ أَحْرُفٍ.

وضاحت: مذکورہ حدیث جبرئیل کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے ابن عمرؓ نے روایت کی ہے، اوران سے عبداللہ بن بُریدہ نے یحییٰ بن یعمر کے واسطہ سے روایت کی ہے، پھرابن بریدہ سے متعدد حضرات روایت کرتے ہیں، کہمس بن الحسن ابوالحسن تمیمی بصری نے بھی روایت کی ہے، ان کی روایت نمبرایک پر گذری۔ اسی طرح مطر بن طہمان ابو رجاء خراسانی نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے، جومطر الورّاق کے نام سے معروف ہیں، یہ دوسری روایت ان کی ہے، آپ بصرہ کے باشندے تھے اور مصاحف لکھا کرتے تھے، اس لئے ورّاق سے مشہور تھے، ان کی روایت بھی کہمس کی روایت کی طرح ہے، البتہ کچھ حروف (کلمات) کم وبیش ہیں۔

[۳-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ: نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ، قَالَ: نَا عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ، قَالَ: نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، وَحُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَا: لَقِيْنَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، فَذَكَرْنَا الْقَدَرَ وَمَا يَقُوْلُوْنَ فِيْهِ، وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ كَنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَفِيْهِ شَيْءٌ مِنْ زِيَادَةٍ، وَقَدْ نَقَصَ مِنْهُ شَيْئًا.

وضاحت: یہ حدیث عبداللہ بن بریدہ سے عثمان بن غیاث نے روایت کی ہے، البتہ انھوں نے ابن بریدہ کے دوشیخ ذکر کئے ہیں، یعنی ابن بریدہ نے یحییٰ اور حمید دونوں سے روایت کی ہے..... کنحو حدیثهم: مثل اور نحو میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ مِثل میں الفاظ میں بھی موافقت ہوتی ہے، اور نحو میں صرف معنی میں موافقت ہوتی ہے، الفاظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں...... حدیثهم: ضمیر جمع امام مسلمؒ کے اساتذہ: محمد بن عُبید، ابوکامل، احمد بن عبدۃ، ابوخیثمہ اور عبیداللہ بن معاذ عنبری کی طرف راجع ہے، یعنی امام مسلمؒ کے استاذ محمد بن حاتم کی یہ روایت دیگر اساتذہ (محمد بن عبید وغیرہ) کی روایت کے مانند ہے، البتہ کچھ حذف واضافہ ہے۔

[۴-] وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَ: ثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: نَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ يَحْيَى ابْنِ يَعْمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ.

وضاحت: امام مسلمؒ نے یہ حدیث حجاج بن الشاعر سے روایت کی ہے، اورانھوں نے دوواسطوں سے سلیمان بن

طرحان سے اورانھوں نے یحییٰ بن یعمر سے روایت کی ہے،یعنی یحییٰ سے ابن بُریدہ کے علاوہ سلیمان نے بھی روایت کی ہے،اوراسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابن بریدہ نے روایت کی ہے،اورامام مسلم کے دیگراساتذہ کی حدیثوں کے مانندروایت کی ہے۔

[۵-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ زُهَيْرٌ: ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَبِيْ حَيَّانَ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الإِيْمَانُ؟ قَالَ: "أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكِتَابِهِ، وَلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الآخِرِ" قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الإِسْلَامُ؟ قَالَ: "الإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الإِحْسَانُ؟ قَالَ:"أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ" قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ:" مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلٰكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا: إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ رَبَّهَا فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ رُؤُوْسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ" ثُمَّ تَلَا صلى الله عليه وسلم:﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

قَالَ: ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" رُدُّوْا عَلَيَّ الرَّجُلَ" فَأَخَذُوْا لِيَرُدُّوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" هٰذَا جِبْرِيْلُ، جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ"

وضاحت: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے،اس کوامام مسلم رحمہ اللہ نے دواساتذہ سے روایت کیا ہے: ابوبکربن ابی شیبہ سے اورزہیربن حرب سے،اوروہ دونوں اسماعیل بن عُلَیّہ سے روایت کرتے ہیں،عُلَیّہ:اسماعیل کی ماں کا نام ہے،اور باپ کانام ابراہیم ہے،زہیر نے باپ کانام ذکرکیاہے اورابوبکر نے ماں کا[1]......حدیث کا ترجمہ اورشرح اوپر آگئی ہیں،یہاں صرف ضروری اجزاء کی شرح کی جاتی ہے:

**قوله: بارزًا للناس:** یہ بروز سے ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں، **أی ظاهراً لهم غير محتجب عنهم ولا**

(۱) اسماعیل بن ابراہیم: ابن عُلَیّہ سے مشہور تھے، عُلَیّہ: آپ کی والدہ کا نام ہے، جب کوئی آپ کوابن علیہ کہتا تو آپ سخت ناراض ہوتے اورفرماتے: کیامیرے والدنہیں جوماں کی طرف نسبت کرتے ہو، جومجھے ابن علیہ کہہ کرپکارے گا قیامت کے دن میں اس کوپکڑوں گا، مگران کوابن علیہ کہنا جائز ہے، کیونکہ اسی سے یہ راوی مشہور ہوگیا تھا (تحفۃ الألمعی ۱:۲۳۲)

**ملتبس بغيره:** یعنی نبی ﷺ ممتاز جگہ پر نمایاں ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابو فروہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ غایت تواضع وانکساری کی وجہ سے مجلس میں سب کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے، اس کی وجہ سے نو وارد کو دشواری پیش آتی تھی، ان کو آپؐ کے بارے میں دریافت کرنا پڑتا تھا، چنانچہ صحابہ نے آپؐ کی اجازت سے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا تھا تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، نبی ﷺ اسی چبوترہ پر جلوہ افروز تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی۔

(فتح الباری ۱:۱۱۶)

**قوله: ما الإیمان:** یہاں ایمان کے بارے میں سوال پہلے ہے اور اسلام کے بارے میں بعد میں، اور یہی صحیح ترتیب ہے —— اور یہاں حدیث میں تمام ایمانیات مذکور نہیں، حدیث جبرئیل میں عام طور پر چھ ایمانیات کا ذکر آتا ہے، اور سب حدیثوں کو جمع کیا جائے تو سات باتیں ہوتی ہیں، انہی سات عقیدوں کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے۔

**قوله: وَلِقَائه**(۱): کا مفاد ہے: آخرت پر ایمان لانا، کیونکہ اللہ سے ملاقات آخرت میں ہوگی، اور لِقائه اور بالبعث الآخر میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، مرنے کے بعد زندہ تو ہر ایک کو ہونا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے صرف مؤمنین کی ملاقات ہوگی، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (المطففین آیت ۱۵) کفار قیامت کے دن اللہ پاک کے دیدار سے محروم رہیں گے، اور یہ محرومی ان کے لئے سزا ہوگی، اور یہ بات اسی وقت سزا بن سکتی ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے امیدوار ہوں، جیسے عاشق سے کہا جائے کہ تیرے محبوب کا جلوہ تجھے نہیں دکھایا جائے گا تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپے گا، اور جس کو کسی بندہ سے تعلق ہی نہ ہو اس سے کہا جائے کہ تجھے فلاں شخص نہیں دکھایا جائے گا تو وہ کہے گا: میرے پاپوش سے! مجھے دیکھ کر کیا کرنا ہے۔ غرض دیدار الٰہی سے محرومی اسی وقت سزا بن سکتی ہے جبکہ جہنمیوں کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی اور اس کے دیدار کی انتہائی آرزو ہو۔

**قوله: وتؤمن بالبعث الآخر: أي باليوم الآخر:** یعنی اس دنیا کے آخری دن میں دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھنا، قیامت کا دن اس دنیا کا آخری دن ہے، جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے (المعارج آیت ۴) اس میں لوگوں کا حساب وکتاب ہوگا، پھر آخرت میں منتقل ہوں گے، اس کو ماننا بھی ضروری ہے، خواہشات ومنکرات پر بندش لگانے میں اور ایمان

(۱) اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ عز وجل کا دیدار گو کہ اس دنیا میں ممکن ہے، مگر رؤیت باری تعالیٰ محال ہے، اور یہ محال عقلی نہیں، محال عادی ہے، اور آخرت میں رؤیتِ باری تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ واقع ہوگی، جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، چنانچہ متعدد نصوص اس کی طرف مشیر ہیں۔ جیسے سورۃ القیامہ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾: بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے، لقائه بھی رؤیت کے اثبات کے لئے قوی دلیل ہے، البتہ معتزلہ، خوارج اور بعض مرجئہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور دنیا وآخرت دونوں جگہ رؤیت باری تعالیٰ کو ناممکن قرار دیتے ہیں، تفصیل کتاب الایمان کے آخر میں آئے گی۔

وعمل کا جذبہ ابھارنے میں اس عقیدہ کا بڑا دخل ہے، جس بندہ کا دوبارہ زندہ ہونے پر اور حساب وکتاب پر یقین ہوتا ہے اس کے لئے مأمورات بجالانا اور منہیات سے بچنا آسان ہوتا ہے اور اس عقیدہ کے بغیر زندگی شتر بے مہار کی طرح ہوتی ہے۔ غرض: یہ ایک اہم عقیدہ ہے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے عامل (تؤمن) لوٹایا گیا ہے، یا عامل ومعمول کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

**قوله: أن تعبد الله:** حضرت عمرؓ کی حدیث میں أن تشهد إلخ ہے۔ روایت بالمعنی میں ایسا تصرف ہو جاتا ہے۔

**قوله: ولا تشرك به:** شرک: کسی مخلوق میں واجب تعالیٰ کی صفات کو ماننے کا نام ہے، بہ الفاظ دیگر: شرک غیر اللہ کی عبادت کرنے کا نام ہے، ان دونوں باتوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق میں مان لیں گے تو اب اس مخلوق کی بندگی لازم ہے، اور شرک پیدا اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ کسی مخلوق سے، نبی سے یا ولی سے کوئی حیرت انگیز (خارق عادت) کام صادر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ اس کام کو اس مخلوق کا ذاتی فعل تصور کرنے لگتے ہیں، یعنی یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بندے اس کام کے خالق ہیں، پھر لوگ ان بندوں کی عبادت کرنے لگتے ہیں —— حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شرک کے پیکر ہائے محسوس بیان فرمائے ہیں اور شرک کی نو صورتیں بیان فرمائی ہیں، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں ہے (دیکھئے رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۶۱۶–۶۲۹)

ملحوظہ: کفر کی چار قسمیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) کفرِ انکاری (۲) کفرِ جحودی (۳) کفرِ عنادی (۴) اور کفرِ نفاق۔ اور اس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ توحید کے چار مراتب ہیں: (۱) توحیدِ ذات (۲) توحیدِ خلق (۳) توحیدِ تدبیر (توحید ربوبیت) (۴) اور توحید الوہیت، تفصیل آگے باب ۱۰ میں شروع میں اور حدیث نمبر ۴۲ کی شرح میں آئے گی۔

**قوله: وتقيم الصلوٰة المكتوبة:** أقامه إقامة وقامة الصلوٰة کے معنی ہیں: نماز کامل طریقہ سے ادا کرنا۔ قاضی بیضاویؒ نے اقامتِ صلوٰۃ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ أَقَامَ الْعُود سے مأخوذ ہے، تیر بنانے والا تیر کی لکڑی کو آگ پر گرم کرکے بالکل سیدھا کرتا ہے، اس میں ذرا کجی نہیں رہنے دیتا تاکہ تیر صحیح نشانہ پر لگے، اس محاورہ سے اقامتِ صلوٰۃ کی تعبیر لی گئی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اقامتِ صلوٰۃ کی حقیقت سمجھانے کے لئے نماز کے تمام ارکان کو جمع کرکے اس کی ہیئت کذائی بنائی، اور نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا: صلّوا كما رأيتموني أُصَلّي: نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ نیز نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، آداب، مکروہات اور ممنوعات ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا، مسجدیں قائم کرنے کا حکم دیا، تاکہ نماز کا اہتمام ہو، امام وجماعت کا نظام بنایا، امام ومؤذن کے احکام بیان کئے، پانچوں نمازوں کے اوقات متعین کئے اور ان نمازوں کے اول وآخر کو بیان کیا، غرض یہ سب باتیں اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

سوال: المكتوبة اور المفروضة کی قید کیوں بڑھائی؟

جواب: یہ بیکار سوال ہے، کیونکہ حدیثیں روایت بالمعنی ہیں، اور جب کوئی حدیث روایت بالمعنی ہوکر مختلف سندوں سے آتی ہے تو تعبیرات کا اختلاف ہو ہی جاتا ہے، اس لئے حدیثوں میں ہر ہر لفظ کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہئے کہ اس لفظ کے بڑھانے میں کیا نکتہ ہے؟ ہاں قرآنِ کریم میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کا لفظ لفظ محفوظ ہے، اور قرآن علم ومعانی کا سمندر ہے، اور اس کے ہر ہر لفظ میں نکتے اور لطائف ہیں، جیسے یہاں حدیث میں حج کا ذکر نہیں آیا، اس لئے بعض حضرات نے کہہ دیا کہ حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ بعض روایت میں صراحت ہے کہ یہ سوال آخر عمر میں ہوئے ہیں، اور اسی حدیث کے دوسرے طریق میں حج کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا صرف ایک روایت میں حج کا ذکر نہ آنے کی وجہ سے یہ حکم لگانا درست نہیں، اس روایت میں تو متعدد اختلاف ہیں اور ایسا مقام کے اقتضاءات سے ہوتا ہے —— اگرچہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ نفل نماز اور نفلی صدقات سے احتراز کرنے کے لئے یہ قید ذکر کی گئی ہے۔

**قوله: عن أشراطها:** شَرَطٌ (بفتحتین) کی جمع: قیامت کی چھوٹی علامتیں اشراط کہلاتی ہیں اور بڑی علامتوں کے لئے لفظ آیات ہے، ظہورِ مہدی سے قبل ظاہر ہونے والی نشانیاں: چھوٹی نشانیاں ہیں اور ظہورِ مہدی کے بعد جو نشانیاں ظاہر ہونگی وہ بڑی نشانیاں ہیں۔

**قوله: وإذا كانت العُرَاةُ الْحُفَاةُ:** جب ننگے بدن، ننگے پاؤں یعنی بے حیثیت لوگ سردار بن جائیں گے، یعنی زمانہ میں انقلاب رونما ہو، حاکم محکوم اور محکوم حاکم بن جائیں اور نااہل برسر اقتدار آجائیں تو اس کو قربِ قیامت کی نشانی سمجھنا چاہئے...... **قوله: رَبَّها:** بعض روایت میں رَبَّتَهَا (مؤنث) ہے، بعض میں أماء أربابهن (جمع کے ساتھ) ہے، بعض میں بَعل (شوہر) ہے، اسی طرح بعض روایت میں ملوک الأرض ہے، اور یہاں رؤوس الناس ہے، یہ رُوات کا تصرف ہے، کیونکہ حدیثیں روایت بالمعنی ہیں، اور یہ ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں ہیں...... **العُراة: العاری** کی جمع: برہنہ، ننگا...... **الحفاة: الحافی** کی جمع: برہنہ پا...... **تَطاوَلَ:** ایک دوسرے سے دراز ہونا، لمبا ہونا، غرور وتکبر کرنا...... **رِعاء: الرَّاعی** کی جمع: چرواہا...... **البهم** (با مفتوح ہا مفتوح وساکن) بَهْمَة کی جمع: گائے، بھیڑ بکری کے بچے...... **البُنیان: البِناء** کی جمع: عمارت کی ساخت، یعنی گایوں اور بھیڑ بکریوں کے بچے چرانے والے یعنی معمولی کاروبار کرنے والے عمارتیں بنانے میں تفاخر کرنے لگیں تو اس کو قربِ قیامت کی نشانی سمجھنا چاہئے —— اور بخاری میں ہے: إِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الإبلِ الْبُهْمِ: **البُهم** (بضم الباء) کے معنی ہیں: سیاہ، اگر اس کو ابل کی صفت بنائیں تو مجرور پڑھیں گے اور ترجمہ ہوگا: کالے اونٹوں کے چرانے والے، یعنی معمولی کاروبار کرنے والے، سرخ اونٹ اعلیٰ درجہ کا مال سمجھے جاتے ہیں اور کالے اونٹ نکمے ہوتے ہیں، اور اگر رُعاۃ کی صفت بنائیں تو پھر البهم کو مرفوع پڑھیں گے اور ترجمہ ہوگا: اونٹ چرانے والے کالے یعنی حبشی۔

**قوله: فی خمس الخ:** یہاں مبتدا محذوف ہے، تقدیرِ عبارت ہے: علمُ وقت الساعة فی خمسٍ: علاماتِ قیامت بیان فرما کر نبی ﷺ نے سورۂ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی، جس میں ان پانچ باتوں کا ذکر ہے جن کا علم بجز

رب کائنات کے کسی کو نہیں، ان میں سے ایک قیامت کا علم بھی ہے، ارشاد پاک ہے: "بیشک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم، اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو شکم مادر میں ہے (یعنی لڑکی ہے یا لڑکا، خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک ہے یا بد وغیرہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ آئندہ کل کیا کمائے گا (یعنی خیر وشر میں سے کیا حاصل کرے گا) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے، بڑے باخبر ہیں"

تفسیر: پہلی تین باتوں میں اگرچہ یہ صراحت نہیں کی گئی کہ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، مگر کلام ایسے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے جس سے ان باتوں کا علم الٰہی کے ساتھ انحصار معلوم ہوتا ہے (۱)۔ اور باقی دو باتوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، انہی پانچ چیزوں کو سورۃ الانعام کی آیت (۵۹) میں مفاتح الغیب فرمایا گیا ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾: یعنی صرف اللہ ہی کے پاس ہے علم مفاتح غیب کا، ان کو بجز رب کائنات کے کوئی نہیں جانتا، حدیث میں اسی کو مفاتیح الغیب فرمایا گیا ہے، مفاتح اور مفاتیح: مفتاح کی جمع ہیں، کنجی، چابی، جس سے تالا کھولتے ہیں، مراد اس سے اصول الغیب ہیں جس سے معلومات غیب کھلتے ہیں۔

دوسری بات: علم غیب مطلقاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور یہی پوری امت کا عقیدہ ہے، اور اس آیت میں پانچ چیزوں کی تخصیص ان کی اہمیت کی بنا پر ہے، اس لئے کہ عام طور پر جن غیب کی چیزوں کو انسان معلوم کرنے کا شائق ہوتا ہے وہ یہی پانچ چیزیں ہیں، نیز علم غیب کا دعوی کرنے والے نجومی وغیرہ بھی انہی پانچ چیزوں کی خبریں لوگوں کو بتا کر اپنا عالم الغیب ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی شخص نے حضور اکرم ﷺ سے انہی پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان پانچ چیزوں کے علم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونا بیان کیا گیا (ماخوذ از معارف القرآن ۷:۵۲)

مسئلہ علم غیب: مذکورہ آیت میں مطلق علم کا اختصاص نہیں بلکہ علم غیب کا اختصاص مراد ہے، اور علم غیب وہ علم ہے جس میں دو باتیں ملحوظ ہوں: (۱) قطعی (کلی) علم جو ہر شئ کو محیط ہو، کوئی ذرہ بھی اس سے مخفی نہ ہو، (۲) اور جو بغیر کسی واسطہ کے خود بخود حاصل ہو، ایسا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ایسا علم ثابت کرنا کفر ہے، اور رہا وہ علم جس کا ادراک بذریعہ حواس خمسہ ہو، یا دلائل عقلیہ کی بنیاد پر ہو، یا حساب کی بناء پر ہو، یا دیگر عادی یا طبعی اسباب کی بنیاد پر ہو وہ علم غیب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو۔ لہٰذا جو چیزیں انبیاء کرام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام اور نجومیوں وغیرہ کو اپنے حسابات اور اسباب طبعیہ کے ذریعہ حاصل ہو جائیں تو وہ علم غیب نہیں، پس آیت کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ پانچ باتوں کا کلی علم جو تمام مخلوقات پر اور تمام حالات پر حاوی ہو وہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی بذریعہ وحی یا الہام نہیں بتایا،

(۱) عنده علم الساعة: خبر کو اسم پر مقدم کیا گیا ہے، اور قاعدہ ہے: التقديم ما حقه التاخير يفيد الحصر: پس یہ حصر صراحتاً ہے اور باقی میں حصر قرینہ مقام کی وجہ سے ہے۔

کسی ایک آدھ واقعہ میں کوئی جزئی علم بذریعہ کشف والہام یا دیگر اسباب عادیہ طبیعیہ کے حاصل ہو جانا اس کے منافی نہیں۔

فائدہ: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے ''تفسیر فوائد عثمانی'' میں تحریر فرمایا ہے کہ غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک: احکام غیبیہ ہیں جیسے احکام شرائع، جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی داخل ہے جس کو علم عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کونسے کام پسند ہیں اور کونسے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں۔

دوسری قسم: اَکوانِ غیبیہ، یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم، پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾: (الجن آیت ۲۶ و ۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے پسند فرمالیں۔

اور دوسری قسم یعنی اکوانِ غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے، وہ بالکل ذاتِ حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے، اسی طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادۃً انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے، اکوانِ غیب کا علم جزئی بھی انبیاء واولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرمادیتا ہے، جو من جانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے، اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم غیب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ غیب کی خبریں (انباء الغیب) کہا جاتا ہے (ماخوذ از معارف القرآن ۷:۵۴)

[۶-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ: نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: نَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَتِهِ: "إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ بَعْلَهَا" يَعْنِي: السَّرَارِيَّ.

وضاحت: حدیث جبرئیل جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کو حضرت ابوزرعہ نے اور ان سے ابوحیان تیمی نے روایت کیا ہے، پھر ابوحیان سے ابن علیّہ اور محمد بن بشر روایت کرتے ہیں، ابن علیّہ کی روایت اوپر گذری، اور یہ محمد بن بشر کی روایت ہے، اور دونوں کی روایت میں صرف ایک فرق ہے کہ ابن علیّہ کی روایت میں ربّھا ہے اور محمد بن بشر کی روایت میں بَعْلَها...... البَعْل: شوہر، مالک، سردار، باندی شوہر کو جنے گی یعنی قربِ قیامت میں زنا پھیل جائے گا......

السَّرَارِی: سُرِّيّة کی جمع: سُرِّيّہ اس باندی کو کہتے ہیں جو صحبت کے لئے مخصوص ہو، اغلب یہ ہے کہ اس کا اشتقاق سِرٌّ سے ہے، اور بعضوں کے نزدیک سُرور سے ہے (مصباح اللغات)

[۷-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: نَا جَرِيرٌ، عَنْ عُمَارَةَ، وَهُوَ: ابْنُ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "سَلُونِي" فَهَابُوهُ أَنْ يَسْأَلُوهُ. فَجَاءَ رَجُلٌ فَجَلَسَ

عِندَ رُكْبَتَيهِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الإِسْلَامُ؟ قَالَ: "لاَ تُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ" قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ:يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الإِيْمَانُ؟ قَالَ: " أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكِتَابِهِ، وَلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهِ" قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الإِحْسَانُ؟ قَالَ:"أَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَأَنَّکَ تَرَاهُ، فَإِنَّکَ إِنْ لاَ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاکَ" قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَتَى تَقُوْمُ السَّاعَةُ؟ قَالَ:" مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ! وَسَأُحَدِّثُکَ عَنْ أَشْرَاطِهَا، إِذَا رَأَيْتَ الْمَرْأَةَ تَلِدُ رَبَّهَا فَذَاکَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْکَ الْأَرْضِ فَذَاکَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا رَأَيْتَ رِعَاءَ الْبَهْمِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ فَذَاکَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، فِيْ خَمْسٍ مِنَ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ اللّٰهُ" ثُمَّ قَرَأَ:﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ إِلَى آخِرِ السُّوْرَةِ، قَالَ: ثُمَّ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" رُدُّوْهُ عَلَيَّ" فَالْتُمِسَ فَلَمْ يَجِدُوْهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" هٰذَا جِبْرِيْلُ عليه السلام أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوْا إِذْ لَمْ تَسْأَلُوْا"

وضاحت:

(۱) یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور اس کو ابو زرعہ سے عمارۃ بن القعقاع نے روایت کیا ہے، اور ان سے زُہیر بن حرب بواسطہ جریر روایت کرتے ہیں، ابو زرعہ سے ابو حیان تیمی بھی روایت کرتے ہیں اور عمارۃ بن القعقاع بھی، اور زہیر بن حرب نے دونوں سے روایت کیا ہے، ابو حیان سے بواسطہ ابن علیہ روایت کیا ہے، یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے (نمبر ۵) اور عمارۃ بن القعقاع سے بواسطہ جریر روایت کرتے ہیں۔

۲- اس حدیث میں شانِ وُرود مذکور ہے، نبی ﷺ نے سوال کرنے کی ترغیب دی، مگر کسی نے سوال نہیں کیا، سوال کرنے سے صحابہ گھبرائے، کیونکہ سورۃ المائدہ کی آیت (۱۰۱) میں لایعنی باتیں پوچھنے سے منع کیا گیا ہے، رہی کارآمد باتیں تو ان کو پوچھنے کا حکم ہے، ارشادِ پاک ہے:﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾: اور صحابہ کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ کونسا سوال یعنی ہے اور کونسا لایعنی، اس کا فیصلہ مشکل ہے، اس لئے ترغیب کے باوجود بربنائے خوف سب خاموش رہے، کسی نے سوال نہیں کیا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہوکر ایسے سوالات کئے جن کے جوابات میں پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ آ گیا، اور صحابہ اور ان کے واسطہ سے قیامت تک کے لوگ مستفید ہوئے۔

۳- عام طور پر حدیث جبرئیل میں چھ عقیدوں کا ذکر آتا ہے، مگر اس حدیث میں سات عقیدوں کا ذکر ہے، یہی سات عقیدے ایمان مفصل میں لئے گئے ہیں۔

۴- قوله: الصُّمّ البُكم: یہ کنایہ ہے حد درجہ جہالت سے، یعنی مہا جاہل اور گنوار سردار اور بادشاہ بن جائیں گے۔

## بَابُ بَيَانِ الصَّلَوَاتِ الَّتِيْ هِيَ أَحَدُ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ

## نماز کا بیان، جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے

اظہارِ بندگی کے لئے بنیادی اعمال چار ہیں: نماز، زکوۃ، روزہ اور حج، ان میں بھی سب سے اہم نماز ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے ما الإسلام؟ کے جواب میں شہادتین کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا ذکر کیا ہے، اس لئے حدیثِ جبرئیل کے باب کے بعد نماز کا باب لائے۔

اعمال میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے، نبی ﷺ نے اس کو دین کا ستون قرار دیا ہے، فرمایا: الصلوٰۃ عِمادُ الدین، فمن أَقَامَها أَقَامَ الدین ومَنْ تَرَكَها هَدَمَ الدین: نماز دین کا ستون ہے، جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھادیا۔ اور سورۃ الروم (آیت ۳۱) میں اللہ عزوجل کا پاک ارشاد ہے: ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾: فطرت کی پیروی کرو، یعنی دین پر قائم رہو، درانحالیکہ تم اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے ہو، یعنی صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے دین پر عمل کرو، دین پر عمل کرنے کی کوئی اور غرض نہیں ہونی چاہئے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب مت کرو، اور خاص طور پر نماز کا اہتمام کرو، یہ تخصیص بعد التعمیم ہے ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ﴾ میں نماز بھی داخل تھی مگر نماز کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اس کا خاص طور پر ذکر کیا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾: أی بترک الصلوٰۃ: نماز چھوڑ کر مشرک مت بن جاؤ، یعنی ترکِ صلوٰۃ میں شرک کا خطرہ ہے، یہ ارشاد نماز کی اہمیت پر خاص طور پر دلالت کرتا ہے۔

اور ترکِ صلوٰۃ میں شرک کا خطرہ اس لئے ہے کہ ترکِ صلوٰۃ کے ڈانڈے (سرحدیں) شرک کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ جو قرآنِ کریم کے پہلے مترجم ہیں، فرماتے ہیں: خواہش نفس کی وجہ سے نماز چھوڑنا شرک کی ایک نوعیت ہے، اللہ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو اور نفس کہتا ہے کہ مت پڑھو، پس تارک صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حکم ٹھکرادیتا ہے اور نفس کی اطاعت کرتا ہے، پس یہ شرک کی ایک نوعیت ہے۔

اور مشہور حدیث ہے: بين الإيمان والكفر تركُ الصلوٰۃ: ایمان و کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے، جیسے بڑے روڈ میں جانے کا راستہ الگ اور آنے کا راستہ الگ ہوتا ہے اور درمیان میں ڈیوائڈر (Divider) ہوتا ہے جو نہ جانے والے روڈ کا حصہ ہوتا ہے اور نہ آنے والے کا۔ دونوں کے درمیان ہوتا ہے، اسی طرح ترکِ صلوٰۃ نہ ایمان کا حصہ ہے اور نہ کفر کا، وہ درمیانی مقام ہے، اس کے ڈانڈے ایمان کے ساتھ بھی ملے ہوئے ہیں اور کفر کے ساتھ بھی، پس حدیث کا

مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ کفر وشرک کے قریب پہنچ گیا، اب مشرک ہوجانے میں کیا دیر باقی رہ گئی؟ ایک قدم اٹھایا کہ شرک سے جاملا، ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات واحادیث نماز کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

## [۲- بابُ بَيَانِ الصَّلَوَاتِ الَّتِيْ هِيَ أَحَدُ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ]

[۸-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ جَمِيْلِ بْنِ طَرِيْفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ - فِيْمَا قُرِئَ عَلَيْهِ - عَنْ أَبِيْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، ثَائِرُ الرَّأْسِ، نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ، حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: "لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ، وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ" فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ فَقَالَ: "لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ" وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الزَّكَاةَ، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: "لَا، إِلَّا أَنْ تَطَّوَّعَ" قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ"

ترجمہ: (سند کا ترجمہ اسی طرح کریں جس طرح پچھلے باب میں کیا گیا ہے) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں: نبی ﷺ کے پاس نجد کا ایک شخص آیا، جو پراگندہ سر تھا یعنی سفر کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوئے تھے (جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو کچھ گنگنا رہا تھا) ہم اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سن رہے تھے اور ہم سمجھ نہیں رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے (یعنی دوری کی وجہ سے محض اس کی آواز سنائی دے رہی تھی، مگر اس کی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی) یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آگیا، پس اچانک وہ (ارکانِ) اسلام کے بارے میں پوچھ رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اس نے پوچھا: کیا میرے ذمہ ان کے علاوہ بھی ہیں، آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل پڑھو۔ اور رمضان کے روزے فرض ہیں، اس نے پوچھا: کیا میرے ذمہ اس کے علاوہ بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل روزے رکھو (راوی کہتا ہے) اور نبی ﷺ نے زکوۃ کا بھی ذکر کیا، اس نے پوچھا: کیا میرے ذمہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفلی خیرات کرو۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں: پس وہ شخص واپس جانے کے لئے پھرا درانحالیکہ وہ کہہ رہا تھا: خدا کی قسم! میں ان باتوں میں نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ ان میں سے کچھ گھٹاؤں گا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب ہوگیا اگر اس نے سچ کہا۔

وضاحتیں:

۱- قوله: فيما قُرِئَ عليه: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں یہ حدیث پڑھی گئی اور قتیبہ

نے سنی، امام مالکؒ کے درس میں طالب علم حدیثیں پڑھتا تھا اور حضرت سنتے تھے، اسی کا نام قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث ہے، اور اس بارے میں کچھ تفصیل آئندہ باب میں آئے گی۔

۲-آئندہ باب میں حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ آرہا ہے، جو قبیلہ بنی سعد بن بکر کے آدمی تھے ـــــ اسی قبیلہ میں حضورِ اکرم ﷺ نے دودھ پیا ہے ـــــ وہ قوم کی طرف سے وافد بن کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے، اور ارکانِ اربعہ کے بارے میں دریافت کیا تھا، یہ دونوں ایک ہی واقعے ہیں یا الگ الگ؟ علماء کی دونوں رائیں ہیں، مگر بظاہر الگ الگ واقعات معلوم ہوتے ہیں، علامہ قرطبیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے (مقدمہ فتح الباری ص: ۲۵۰) واللہ اعلم

۳-**قولہ: ثائر الرأس**: ثائر کو رجل کی صفت بنا کر مرفوع اور حال بنا کر منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، معنی ہیں: پراگندہ سر، یعنی سفر کی وجہ سے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود تھے...... **نسمع** اور **لا نفقہ** کو مضارع مجہول صیغہ غائب کے ساتھ **یُسمَع** اور **لا یُفقَہ** بھی پڑھا گیا ہے...... **دَوِیٌّ**: کے معنی ہیں: آواز، ہوا کی سنسناہٹ، مکھی کی بھنبھناہٹ۔

سوال: حضورِ پاک ﷺ کی مجلس میں اس طرح گنگناہٹ کے ساتھ آنا تہذیب کے خلاف ہے، پھر انھوں نے یہ انداز کیوں اختیار کیا؟

جواب: یہ شخص بدو تھا، اور بدو تہذیب و تمدن سے واقف نہیں ہوتے، اور نہ وہ اس کے مکلّف ہوتے ہیں، اور دوسرا جواب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اپنے والد نور اللہ مرقدہ کے حوالہ سے یہ دیا ہے کہ جب کوئی کسی بارعب شخص کے پاس آتا ہے اور ہیبت زدہ ہوتا ہے تو راستہ بھر سبق بار بار دہراتا ہے تاکہ کوئی غلطی نہ ہو، نبی پاک ﷺ کے پاس جو اچانک آتا تھا اس پر قدرتی طور پر آپ کا رعب پڑتا تھا اور وہ خوف زدہ ہو جاتا تھا[1]۔ جب یہ شخص اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا تو ایک طرف رعب کا احساس، دوسری طرف اپنی ذمہ داری کا خیال اس لئے دور ہی سے الفاظ دہرانے لگا تاکہ سوال کرتے وقت چوک نہ ہو جائے (اوجز المسالک ۳: ۵۸۷)

۴-سائل نے اسلام کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا، بلکہ شرائع اسلام یعنی اعمال کے بارے میں پوچھا تھا، چنانچہ اسماعیل بن جعفر کی اسی روایت میں جو بخاری (حدیث ۱۸۹۱) میں ہے یہ الفاظ ہیں: **أَخبِرنِی مَاذَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوة؟** اس لئے نبی ﷺ نے اعمالِ اسلام بتلائے، حقیقتِ اسلام نہیں بتلائی۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کیا ہے، اس میں ہے: **مَن رَآهُ بَدیهَةً هَابَه وَمَن خالَطَه مَعرِفَةً أَحَبَّه**: جو آپؐ کو یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپؐ سے پہچان کر ملتا آپؐ سے محبت کرتا (شمائل ترمذی حدیث ۶)

**قولہ: خمس صلوات:** اس سے بعض حضرات نے وتر کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: جو حضرات وتر کے وجوب کے قائل ہیں ان کے برخلاف اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں (فتح الباری ۱:۱۰۷) مگر حافظ رحمہ اللہ کا یہ استدراک صحیح نہیں، اس لئے کہ وتر کے وجوب پر مستقل دلائل قائم ہیں، اور اگر صرف اس حدیث پر مدار رکھا جائے تو زکوۃ کے متعلق یہ الفاظ: **لا إلا أن تطوع** صدقۂ فطر کے وجوب کی نفی کرتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ صدقۂ فطر کی فرضیت کے قائل ہیں، ظاہر ہے انھوں نے دیگر دلائل کی بنیاد پر صدقۂ فطر کو واجب کہا ہے۔ احناف بھی دیگر دلائل کی وجہ سے وتر کو واجب کہتے ہیں، اور ملا علی قاریؒ مشکوۃ کی شرح مرقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو وجوبِ وتر سے قبل کی ہے یا وتر کا اس لئے ذکر نہیں کہ وتر عشاء کی نماز کے تابع ہے (مرقات ۱:۸۶) اور علامہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف بنیادی تعلیم کا ذکر ہے، اس کو وتر کے عدم وجوب کی دلیل بنانا صحیح نہیں۔

فائدہ: احناف نے پانچ وجہ سے وتر کے وجوب کی بات کہی ہے: (۱) انیس روایات میں وتر کی غایت درجہ تاکید آئی ہے (۲) آنحضرت ﷺ نے وتر کو مواظبتِ تامہ کے ساتھ ادا فرمایا ہے، زندگی میں ایک بار بھی ترک نہیں کیا، اگر وتر واجب نہ ہوتے تو بیانِ جواز کے لئے ایک ہی بار آپؐ وتر ترک فرماتے، تاکہ امت حقیقتِ حال سے واقف ہوتی (۳) تمام علماء متفق ہیں کہ وتر کا وقت مقرر ہے، عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک وتر کا وقت ہے (۴) اگر کوئی شخص وتر پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر بالاتفاق اس کی قضا ہے، اور یہ شان فرائض ہی کی ہے، نوافل کی اگرچہ وہ سنت مؤکدہ ہوں قضا نہیں (۵) ترکِ وتر کی کسی مجتہد نے اجازت نہیں دی، جو حضرات سنت کہتے ہیں وہ بھی ترک کے روادار نہیں، بلکہ وتر کے تارک کو مردود الشہادۃ قرار دیتے ہیں اور سزا کی بات کہتے ہیں، مذکورہ پانچوں باتوں میں اگر غور کیا جائے تو وتر کی فرائض سے مشابہت صاف نظر آئے گی۔ واللہ اعلم (تفصیل کے لئے دیکھیں: تحفۃ الالمعی ۲:۳۰۱-۳۰۴)

سوال: اس حدیث میں نہ حج کا ذکر ہے اور نہ منہیات کا، تو کیا حج فرائضِ اسلام میں سے نہیں؟ اور منہیات سے بچنا ضروری نہیں؟

**جواب:** یہاں حدیث مختصر ہے، اسماعیل بن جعفر کی روایت میں یہ اضافہ ہے: **فأخبره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرائع الإسلام:** یعنی آپؐ نے اس کو اسلام کے سارے ہی احکام بتلائے (بخاری حدیث ۱۸۹۱) ان الفاظ کے عموم میں مأمورات، منہیات، حج، وتر، صدقہ فطر اور نوافل وسنن وغیرہ تمام احکام آگئے۔

۶-**قولہ: لا ازید علی ھذا:** کے علماء نے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، سب سے اچھا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص قوم کا نمائندہ بن کر آیا تھا، اس لئے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے جو باتیں بتلائی ہیں بے کم وکاست وہ باتیں اپنی قوم کو پہنچاؤں گا، اس میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی، اور آپؐ نے اس کو جو بشارت سنائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جس انداز سے

گفتگو کی ہے اس سے حضور ﷺ ان کی قلبی حالت پر مطلع ہو گئے اور اسی بنیاد پر یہ خوشخبری سنائی، واللہ اعلم (تحفۃ القاری ۱:۲۷۹)

ملحوظہ: اسماعیل بن جعفر کی اسی روایت میں جو بخاری (حدیث ۱۸۹۱) میں ہے یہ الفاظ ہیں: لا أتطوع شيئًا ولا أنقص مما فرض الله عليّ شيئًا: یعنی میں صرف فرائض پر عمل کروں گا نہ فرائض میں کمی کروں گا اور نہ نفلی عبادت کروں گا، اس پر نبی ﷺ نے ان کو بشارت سنائی۔

سوال: ان الفاظ کا حاصل تو یہ ہے کہ نوافلِ اعمال کی کوئی امتیازی شان نہیں، اور ان کے ترک میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ فقہاء سنتِ مؤکدہ کے مسلسل تارک کو گنہ گار بتاتے ہیں؟

جواب: شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آخرت میں نجات ودخول اوّلی کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ ارکانِ اربعہ کی پابندی اور منہیات سے اجتناب ضروری ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک الفاظ اصل ہیں اور دوسرے روایت بالمعنی، پس واقعہ کے متعلقات کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر کرنا ضروری ہے، اور فقہاء نے جو بات کہی ہے اس کے مستقل دلائل ہیں۔

فائدہ: نوافلِ اعمال شروع کرنے کے بعد نفل ہی رہتے ہیں یا واجب ہو جاتے ہیں؟ یعنی شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اور اس کو پورا کرنا واجب ہے، توڑنا جائز نہیں، اور توڑنے کی صورت میں قضاء واجب ہوگی، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْآ اَعْمَالَكُمْ﴾: (سورہ محمد آیت ۳۲) یعنی اپنے اعمال کو باطل مت کرو، پس نفل عمل کو بھی پورا کرنا ضروری ہے، بلا عذر اس کو توڑنا جائز نہیں۔ اور احناف نے حدیثِ باب سے بھی استدلال کیا ہے، اس سوال کے جواب میں کہ کیا نماز پنجگانہ کے علاوہ بھی کچھ فرض ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: لا إن لا أن تَطَوَّعَ: احناف نے اس کو استثناء متصل قرار دیا ہے، کیونکہ وہی اصل ہے، اور نفی سے استثناء اثبات کے لئے ہوتا ہے، پہلے پانچ نمازوں کے علاوہ کے وجوب کی نفی کی، پھر إلا أن تطوع سے اس کا اثبات کیا، پس تقدیر عبارت ہوگی: إلا أن تَشْرَعَ فِي التَّطَوُّعِ فَيَلْزَمُكَ إِتْمَامُه: یعنی پنجگانہ نماز کے سوا تم پر کچھ لازم نہیں، ہاں اگر نفل شروع کرو گے تو پورا کرنا لازم ہوگا۔ چنانچہ نفلی حج وعمرہ میں سب کا اتفاق ہے کہ ان کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے، توڑنا جائز نہیں، اور توڑنے کی صورت میں قضا واجب ہے، احناف کے نزدیک یہی حکم تمام عبادات کا ہے۔

اور شوافع استثناء منقطع مانتے ہیں، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جس نے استثناء متصل مانا اس نے اصل کو اختیار کیا، اور استثناء منقطع کا قائل دلیل کا محتاج ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نسائی وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے کہ نبی ﷺ بعض مرتبہ روزہ کی نیت فرما لیتے تھے، پھر افطار کر لیتے تھے (نسائی کتاب الصوم) اور بخاری شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کو جمعہ کا روزہ توڑنے کا حکم دیا جبکہ وہ روزہ رکھ چکی تھیں (بخاری حدیث ۱۹۸۶) ان نصوص سے

معلوم ہوا کہ نفلی اعمال کی ان کو شروع کرنے کے بعد تکمیل لازم نہیں (فتح الباری ۱:۱۰۷) احناف کہتے ہیں کہ ان روایات میں عدمِ قضاء کی بات نہیں ہے، اور روزہ توڑنا بربناء عذر تھا، جب گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو نبی ﷺ روزہ کی نیت کر لیتے، مگر ایک دن ملیدہ سامنے آیا تو آپؐ نے روزہ توڑ دیا (ترمذی حدیث ۷۲۵) اور یہ بربناء عذر تھا، اس لئے کہ معلوم نہیں آپؐ کا کتنے دن کا فاقہ ہوگا، اور روزہ توڑنے کے لئے یہ بہت بڑا عذر ہے، اور حضرت جویریہؓ نے جمعہ کے دن روزہ رکھا تھا اور اس دن کی تخصیص اور تفصیل کا وہم تھا[1] اس لئے آپؐ نے روزہ توڑنے کا حکم دیا تھا، اور حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما نے نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا تو آپؐ نے ان کو قضا کا حکم دیا تھا (ترمذی حدیث ۷۲۶) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا تو آپؐ نے ان کو بھی قضاء کا حکم دیا تھا (دارقطنی) پس قضاء کرنے میں احتیاط ہے، اور احناف اسی کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم

[۹-] حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، جَمِيعًا، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا الحَدِيْثِ نَحْوَ حَدِيْثِ مَالِكٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَفْلَحَ وَأَبِيْهِ! إِنْ صَدَقَ" أَوْ: "دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَأَبِيْهِ! إِنْ صَدَقَ"

وضاحت: یہ اسماعیل بن جعفر کی روایت ہے، ابوسہیل سے وہ بھی روایت کرتے ہیں اور امام مالک بھی، پھر قتیبہ نے امام مالک اور اسماعیل دونوں سے روایت کی ہے اور یحییٰ صرف اسماعیل سے روایت کرتے ہیں —— دونوں روایتوں میں ایک فرق ہے، امام مالک کی روایت میں وأبيه (اس کے باپ کی قسم!) نہیں ہے اور اسماعیل یہ اضافہ کرتے ہیں۔

سوال: آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَاءِكُمْ (ترمذی حدیث ۱۵۲۲) پھر آپؐ نے باپ کی قسم کیوں کھائی؟

جواب: یہ قسم تکیہ کلام کے طور پر تھی، اور غیر اللہ کی جو قسم تکیہ کلام کے طور پر کھائی جائے وہ یمینِ لغو ہے، اس پر مؤاخذہ نہیں، مثلاً عربی میں تکیہ کلام کے طور پر یہ قسم کھاتے ہیں: لَعمرُک: تیری زندگی کی قسم، لَعَمری: میری زندگی کی قسم، اِی

(۱) بعض احادیث میں صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے (ترمذی حدیث ۷۴۳) اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں، مگر حنفیہ جواز کے قائل ہیں، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے: ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جمعہ کے دن روزہ نہ ہو (ترمذی حدیث ۷۴۲) پس حنفیہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا بھی جائز ہے، البتہ تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے، جیسے نماز میں ماثورہ سورتیں پڑھنا جائز ہے، لیکن تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے (تحفۃ القاری ۵:۸۴)

وا، یعنی اِی و اللہ، اِی: حرفِ ایجاب ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام رومان نے ایک واقعہ میں قسم کھائی تھی: و قُرَّۃِ عینی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ قسمیں بمنزلہ یمین لغو کے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں (۱)۔

فائدہ: غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں: اول: حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا، یہ شرک ہے۔ دوم: تکیہ کلام کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا۔ سوم: دلیل کو بصورتِ قسم ذکر کرنا، یعنی جس چیز کی قسم کھائی وہ حقیقت میں قسم نہیں، بلکہ دلیل ہے، قرآنِ کریم میں کائناتی چیزوں کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسی قبیل کی ہیں، یعنی وہ سب دلیلیں ہیں، جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں، مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں، پھر فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾: چاروں قسمیں اس مقسم بہ کی دلیل ہیں، یہ جائز ہیں، کیونکہ یہ حقیقت میں قسمیں نہیں، اسی طرح بطور تکیہ کلام غیر اللہ کی قسم کھانا بھی جائز ہے اور وہ بمنزلہ یمینِ لغو کے ہے۔

البتہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا گناہِ کبیرہ اور شرک ہے، اور غیر اللہ کی حقیقتاً قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد کر کے قسم کھائے: ایک: جس چیز کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت کا اللہ کی عظمت کی طرح اعتقاد ہو، دوسرے: اللہ کے نام کی بے حرمتی کی طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ اور وبال کا اعتقاد ہو، مثلاً کوئی پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی قسم کھاتا ہے تو ان دو باتوں کا اعتقاد ہوتا ہے، اس لئے وہ شرک ہے (تحفۃ الالمعی ۴: ۴۶۶)

## بَابُ السُّؤَالِ عَنْ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ

## ارکانِ اسلام کے بارے میں سوال

گذشتہ باب خاص نماز کی اہمیت کے سلسلہ میں تھا، اور یہ باب عام ہے، اس میں تمام ارکانِ اسلام کی اہمیت کا بیان ہے، اور حدیث باب میں حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو بخاری اور مسلم کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں بھی معمولی اختلاف کے ساتھ مروی ہے، ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ بنی سعد بن بکر کی طرف چند داعی تبلیغِ اسلام کے لئے بھیجے، ان کی محنت سے پورا قبیلہ مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو گیا، لیکن انھوں نے پہلے داعی کی باتوں کی تصدیق کرنے کا ارادہ کیا، چنانچہ حضرت ضمام کو نمائندہ بنا کر روانہ کیا، تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

(۱) یمین لغو (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: ایک: لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادہ کے بغیر: ہاں بخدا اور نہیں بخدا کہتے ہیں: یہ یمین لغو ہے۔ دوسری: گذشتہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا جبکہ واقعہ میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ زید آیا ہے اس پر اعتماد کر کے قسم کھائی کہ زید آ گیا، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آیا تو یہ یمین لغو ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، قرآن میں ہے: "اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتے (مائدہ آیت ۸۹) یعنی اس میں کفارہ واجب نہیں، اور آخرت میں گناہ نہیں —— اس کے علاوہ یمین کی تین قسمیں اور ہیں: یمینِ منعقدہ، یمینِ غموس اور یمینِ محال، ان کے احکام تحفۃ الالمعی (۴: ۴۵۵) میں ہیں۔

کر کے داعی کی باتوں کی تصدیق کرآئیں، جس وقت وہ پہنچے نبی ﷺ کی مجلس ہورہی تھی، انھوں نے کسی سے پوچھا: تم میں محمد کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ جو گورے رنگ کے حضرت ٹیک لگائے بیٹھے ہیں وہ محمدؐ ہیں، وہ مجلس کو چیر کر آگے بڑھا، اور نبی ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، اور بات یہاں سے شروع کی کہ میں آپؐ سے کچھ باتیں دریافت کروں گا، اور سخت لہجہ میں پوچھوں گا آپؐ مجھ پر ناراض نہ ہوں[1]۔ پھر اس نے ارکانِ اسلام کے بارے میں پوچھا اور دُعات کی تصدیق چاہی۔

یہ واقعہ اصح قول کے مطابق سن ۹ ہجری کا ہے، یہ وہ دور تھا جب صحابہ سہمے ہوئے تھے، وہ نبی ﷺ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے، کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۱ نازل ہو چکی تھی، جس میں حکم دیا تھا کہ لوگ نبی ﷺ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ پوچھیں جس کا جواب انہیں ناگوار ہو، اور پوچھنے والا تو جانتا نہیں کہ کس بات کا جواب اسے ناگوار ہوگا، اس لئے صحابہ نے چپ سادھ لی، لیکن وہ علم کے رسیا تھے، تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ بیان فرمائیں، مگر آپؐ اسی وقت بیان فرمائیں گے جب کوئی پوچھے گا، اس زمانہ میں پڑھنے کا یہی طریقہ تھا۔ اس لئے صحابہ چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشیں (جنگل کا رہنے والا) آئے (خانہ بدوش تہذیب سے نابلد اور آداب سے ناواقف ہوتے ہیں وہ بے دھڑک سوال کرتے ہیں) اور وہ عقلمند بھی ہوتا کہ کوئی کام کی بات پوچھے، کیونکہ بہترین سوال آدھا علم ہے[2]۔ پھر رسول اللہ ﷺ جو جواب دیں گے اس سے صحابہ مستفید ہوں گے، صحابہ کی یہ حالت ایک وقت تک رہی، پھر رفتہ رفتہ ختم ہوگئی (تحفۃ الالمعی ۲:۵۱۰)

قاضی عیاض وغیرہ کا خیال ہے کہ گذشتہ حدیث میں جو نجدی سائل کا واقعہ گذرا ہے اس سے مراد بھی ضمام بن ثعلبہؓ ہی ہیں، وہ فرماتے ہیں: امام مسلم رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ اگر کسی حدیث کے اندر ابہام ہو تو بعد والی حدیث کے ذریعہ تفسیر کرتے ہیں، چنانچہ حسب عادت امام مسلم رحمہ اللہ نے نجدی سائل کے واقعہ کے بعد حضرت ضمام کی روایت ذکر فرمائی ہے ـــــ مگر دوسری رائے یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں (تفصیل اوجز المسالک (۳:۵۸۵) میں ہے)

## [۳-بَابُ السُّؤَالِ عَنْ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ]

[۱۰-] حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ، قَالَ: نَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ أَبُو النَّضْرِ، قَالَ: نَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه

---

(۱) یہ بات بخاری (حدیث ۶۳) میں ہے۔

(۲) حُسْنُ السؤالِ نصفُ العلم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اس کا حدیث مرفوع ہونا ضعیف ہے (فتح الباری ۱۲:۱۳۸) اور روایت کے الفاظ السؤال نصفُ العلم نہیں، بلکہ حُسن کا لفظ بھی ہے، کیونکہ مطلق سوال کرنا آسان ہے، ہر شخص کر سکتا ہے، اس کے لئے مسئلہ کا آدھا علم ضروری نہیں، ہاں بہترین سوال وہی کر سکتا ہے جو مسئلہ کا فی الجملہ علم رکھتا ہو۔ (تحفۃ الالمعی ۲:۵۱۰، حاشیہ)

وسلم عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: الْعَاقِلُ، فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ. فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَتَانَا رَسُولُكَ، فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: "صَدَقَ" قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: "اللّٰهُ" قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ:" اللّٰهُ" قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ:" اللّٰهُ" قَالَ: فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ، وَخَلَقَ الْأَرْضَ، وَنَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ:" نَعَمْ" قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا. قَالَ:" صَدَقَ" قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا. قَالَ: " صَدَقَ" قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا، قَالَ:" صَدَقَ" قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ، آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ:" نَعَمْ" قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً. قَالَ:" صَدَقَ" قَالَ: ثُمَّ وَلَّى، قَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لاَ أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُنَّ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اس بات سے روک دیئے گئے تھے کہ ہم نبی ﷺ سے کچھ پوچھیں اور ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی عقلمند بدّو آتا، پس وہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتا اور ہم سنتے (اور فائدہ اٹھاتے) پس ایک بدو آیا اور اس نے کہا: اے محمد[1]! (ﷺ) ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اور اس نے ہمیں بتلایا کہ آپ کہتے ہیں: اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، آپ نے فرمایا: قاصد نے ٹھیک کہا، اس نے پوچھا: یہ بتایئے آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے، اس نے پوچھا: اچھا یہ بتایئے کہ زمین کو کس نے بنایا؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے، اس نے پوچھا: اور ان پہاڑوں کو کس نے جمایا؟ اور پہاڑوں میں جو منافع ہیں ان کو کس نے بنایا؟ آپ نے فرمایا: اللہ نے، پھر اس

(۱) صحابۂ کرام آنحضور ﷺ کو نام لے کر مخاطب نہیں کرتے تھے، بلکہ یارسول اللہ! کہتے تھے، حتی کہ ازواجِ مطہرات بھی یارسول اللہ کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ اور مشرکین و یہود کنیت سے یعنی ابو القاسم کہہ کر آپ کو خطاب کرتے تھے، اسی لئے آپ نے ابو القاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا، ایک مرتبہ آپ کسی ضرورت سے بازار میں جارہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ابو القاسم کہہ کر پکارا، آپ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ میری مراد فلاں ہے، اس کی کنیت بھی ابو القاسم تھی، اس وقت آپ نے فرمایا: سَمُّوا بِاسْمِيْ وَلاَ تكتنوا بِكنيتي (مشکوٰۃ حدیث ۴۷۵۰): میرا نام رکھو اور میری کنیت مت رکھو، تا کہ کوئی اشتباہ نہ ہو اور آپ کو ایذاء نہ پہنچے۔ اور قرآن مجید میں ہے: ﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ﴾: (النور آیت ۶۳) تم باہم ایک دوسرے کو جس طرح پکارتے ہو اس طرح رسول کو نہ پکارو، اور حضرت ضمامؓ نے نام اس لئے لیا تھا کہ وہ بدو تھے، جنگل کے باشندے بڑوں کو مخاطب کرنے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتے۔

نے کہا: اس ذات کی قسم (دے کر پوچھتا ہوں) جس نے آسمان کو پیدا کیا، اور زمین کو پیدا کیا، اور ان پہاڑوں کو جمایا، کیا واقعی اللہ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: آپؐ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، آپؐ نے فرمایا: قاصد نے ٹھیک کہا، اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا! کیا اللہ نے آپؐ کو ان کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: اور آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر ہمارے مالوں میں زکوۃ فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا: قاصد نے ٹھیک کہا، اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا! کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: اور آپ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر ہر سال رمضان کے روزے فرض ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: قاصد نے ٹھیک کہا، اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: اور آپؐ کا قاصد کہتا ہے کہ ہم پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: قاصد نے ٹھیک کہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر وہ واپس جانے کے لئے مڑا اور کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا ہے، نہ میں ان باتوں میں کچھ اضافہ کروں گا اور نہ ان میں کچھ کمی کروں گا (یعنی بے کم وکاست یہ باتیں قوم کو پہنچاؤں گا) پس نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو وہ جنت میں جائے گا۔

وضاحت:

سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۱ ہے: ”اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں“ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے بہت لمبی تقریر فرمائی، پھر لوگوں سے کہا: ”جس کو جو پوچھنا ہے پوچھے“ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ ان کے ابا کے بارے میں لوگوں میں چہ می گوئیاں ہو رہی تھیں، آپؐ نے فرمایا: تیرے ابا حذیفہ ہیں (بخاری حدیث ۵۴۰) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اس میں صحابہ کو تنبیہ کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے لایعنی اور فضول سوال مت کیا کرو۔ کیونکہ اگر بالفرض نفس الامر میں کوئی اور باپ ہوتا اور حضور ﷺ اس کا نام لیتے تو عبداللہ کے لئے یہ بات باعث شرم وعار ہوتی، اور سخت ناگوار گزرتی[1]۔

(۱) ترمذی شریف میں یہ شانِ نزول بھی آیا ہے کہ جب حج فرض ہوا تو اقرع بن حابسؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے، مگر انھوں نے بار بار سوال کیا، آپؐ کو ناگوار گذرا۔ آپؐ نے فرمایا: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ایسا ہی ہو جاتا“ پھر یہ تنبیہ فرمائی کہ جن چیزوں کے بارے میں تم کو حکم نہ دوں ان کے پیچھے مت پڑو، بنی اسرائیل کثرتِ سوال ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں (مشکوۃ حدیث ۲۵۰۵) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور بے ضرورت سوال سے روک دیا گیا (ترمذی حدیث ۳۰۷۹)

اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے چپ سادھ لی، کیونکہ کونسا سوال کارآمد ہے اور کونسا لاحاصل، اور کس جواب سے خوشی ہوگی اور کس سے ناگواری، اس کا فیصلہ مشکل ہے، مگر صحابہ علم کے رسیا تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ کوئی عقلمند بادیہ نشین آکر سوال کرتا اور صحابہ مستفید ہوتے، اسی زمانہ میں حضرت ضمام آئے ہیں، پھر رفتہ رفتہ وہ خوف ختم ہوگیا جو آیت کے نزول سے طاری ہوا تھا، اور صحابہ بذاتِ خود پوچھنے لگے۔

**قولہ: فَجَاء رجلٌ:** بخاری میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنا تعارف بھی کروایا تھا کہ ان کا تعلق قبیلہ بنی سعد بن بکر سے ہے اور ان کا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور وہ قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے ہیں (حدیث نمبر ٦٣)

**قولہ: لا أزيد:** علماء نے اس جملہ کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، اور سب سے اچھا مطلب یہ ہے کہ حضرت ضمامؓ اپنی قوم کے نمائندے تھے، پس ان کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے جو باتیں بتائی ہیں بے کم وکاست قوم کو پہنچاؤں گا، ان میں اپنی طرف سے نہ کوئی اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا، اور نبی ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت ان کی قلبی حالت پر مطلع ہونے کی وجہ سے سنائی ہے —— اور بعض حضرات نے جو مطلب بیان کیا ہے کہ بس اتنے ہی احکام پر عمل کروں گا، ان سے نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم، یہ مطلب صحیح نہیں (تحفۃ القاری ۱:۳۲۵)

**دوسری توجیہ:** اور شیخ الہند قدس سرہٗ نے الفیض الجاری[1] میں یہ توجیہ فرمائی ہے کہ بعض مرتبہ کسی ایک چیز کی نفی مقصود ہوا کرتی ہے، مگر تحسینِ کلام کے لئے یا تاکید ومبالغہ کے لئے اس کی ضد کی بھی نفی کرتے ہیں، جیسے خرید وفروخت کے وقت مشتری کہتا ہے: کیا قیمت میں کچھ کمی بیشی کی گنجائش ہے؟ یا وزّان (تولنے والے سے) کہتا ہے: ٹھیک ٹھیک تولنا، کم زیادہ نہ کردینا، ظاہر ہے پہلے جملہ میں مقصود قیمت کم کرانا ہے نہ کہ زیادہ کرانا۔ اور دوسرے جملہ میں کمی کی نفی کرنا مقصود ہے، زیادتی کی نہیں، اسی طرح حضرت ضمامؓ کے قول میں مقصود کلام لا أنقصُ ہے، اور لا أزيد: تحسینِ کلام کے لئے ہے یا تاکید ومبالغہ کے لئے ہے۔

**فائدہ:** حدیث پڑھانے کے دو طریقے ہیں: ایک: استاذ پڑھے اور شاگرد سنے۔ دوسرا: شاگرد پڑھے اور استاذ سنے، حدیث پڑھانے کا پہلا طریقہ اصل ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے وہی طریقہ چلا آرہا تھا، نبی ﷺ حدیث بیان فرماتے تھے اور صحابہ سنتے تھے، پھر صحابہ کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ رائج تھا، پھر تابعین کے زمانہ میں جب طلبہ زیادہ ہوگئے تو دوسرا طریقہ شروع ہوا، اب شاگرد حدیث پڑھتا تھا اور استاذ سنتا تھا، اس صورت میں شاگرد سند کے شروع میں

(۱) الفیض الجاری شرح صحیح البخاری حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی درسی تقریر ہے، جس کو کسی طالب علم نے عربی میں ضبط کیا ہے، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمہ اللہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے چالیس سال پہلے صاحب افادات حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے مقدمہ کے ساتھ اس کو شائع کیا تھا، یہ کتاب اب نایاب ہے ۱۲

ہمزۂ استفہام بڑھاتا تھا، کہتا تھا: أَحَدَّثَکَ فلانٌ؟ کیا فلاں استاذ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے؟ پھر جب طالب علم حدیث پڑھ کر فارغ ہوتا تو استاذ نعم کہتا، اس طریقہ کا نام عرض علی المحدث تھا، قراءت علی المحدث بھی یہی ہے، یعنی طالب علم کا استاذ کے سامنے حدیث پڑھنا اور پیش کرنا، جب یہ نیا طریقہ شروع ہوا تو بعض حضرات کو اشکال پیش آیا، مگر رفتہ رفتہ اختلاف ختم ہوگیا، اور بات متفق علیہ ہوگئی کہ دونوں طریقے جائز ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے اس دوسرے طریقہ کا جواز ثابت کیا ہے، حضرت ضمامؓ کو داعی کے ذریعہ جو باتیں پہنچی تھیں وہ ان کو سن کر اور یاد کر کے آئے تھے، انھوں نے وہ باتیں حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیں اور آپؐ نے ان کی تصدیق کی، معلوم ہوا کہ حدیث پڑھانے کا یہ دوسرا طریقہ بھی صحیح ہے، اگرچہ اصل طریقہ پہلا ہی ہے، امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں مستقل باب قائم کیا ہے اور متعدد دلائل جمع کئے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ القاری ۱:۳۱۹)

فائدہ (۲): جب حضرت ضمامؓ نے واپس جا کر قبیلہ والوں کو خبر دی تو پوری قوم حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی، کیونکہ وہ خبر مُحَف بالقرائن (قرائن سے گھری ہوئی) تھی، اور قرائن: مخبر کے صادق ہونے کے ظن غالب کے ساتھ لوگوں کا منتظر ہونا بھی تھا۔

یہاں سے یہ ضابطہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر خبر واحد محف بالقرائن ہو تو وہ شرعاً حجت ہے، چنانچہ اخبار آحاد کے مفید ظن ہونے کے باوجود ان سے بیشتر مسائل ثابت کئے گئے ہیں، کیونکہ خبر واحد کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا اس حدیث کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔

[۱۱-] حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِیُّ، قَالَ: نَا بَهْزٌ، قَالَ: نَا سُلَیْمَانُ بْنُ الْمُغِیْرَۃِ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ: قَالَ أَنَسٌ: کُنَّا نُهِیْنَا فِی الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ شَیْءٍ. وَسَاقَ الْحَدِیْثَ بِمِثْلِهٖ.

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سلیمان بن المغیرہ سے دو حضرات روایت کرتے ہیں: بہز بن اسد ابوالاسود بصری اور ہاشم بن القاسم ابوالنضر، ہاشم کی روایت اوپر گذری، یہ بہز بن اسد کی روایت ہے، دونوں کی روایتیں ایک جیسی ہیں۔

## بَابُ بیانِ الإیمان الَّذِیْ یَدخُل به الجنةَ، وأَنَّ مَنْ تَمَسَّکَ بِمَا أُمِرَ بِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ

### اس ایمان کا بیان جس کے ذریعہ جنت میں جائے گا اور جو مأمورات کو مضبوطی سے پکڑے گا جنت میں جائے گا

اس باب میں حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی حدیثیں لائے ہیں، اول دو

حدیثیں متفق علیہ ہیں اور حضرت جابرؓ کی حدیث تفردات مسلم میں سے ہے۔ ارکانِ ایمان کے ذکر کے بعد اب اس کے ثمرہ کا بیان ہے، ایمان وعمل کا ثمرہ جنت ہے، جو شخص ذات وحدہ لاشریک لہ پر کامل یقین کے ساتھ ارکانِ اسلام پر مضبوطی سے عمل کرے گا وہ اللہ عز وجل کی خوشنودی حاصل کرے گا اور جنت کی گونا گوں، لازوال اور ابدی نعمتوں سے ہم کنار ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دوسری قسم کے شروع میں بیان کیا ہے کہ آخرت میں نجاتِ اوّلی کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ اسلام کے ارکانِ اربعہ کی پابندی کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے، جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے ان اعمال پر عمل پیرا ہوگا وہ اگر دیگر طاعات نہ بھی بجالائے تب بھی اس کی نجات اوّلی ہوگی، وہ عذابِ جہنم سے بچ جائے گا، اور اگر بہ تقاضائے بشریت اعمال میں کوتاہی ہوئی، یا کبائر کا ارتکاب کیا تو اگر مغفرت خداوندی اس کے شامل حال ہوئی تو وہ بھی بغیر عذاب کے جنت میں جائے گا، اور اگر اس کا نصیب ایسا نہ ہوا تو وہ کوتاہیوں اور گناہوں کی پاداش میں جہنم میں جائے گا، اور سزایابی کے بعد جنت میں جائے گا، یعنی اس کو دخولِ ثانی نصیب ہوگا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۵۷)

## [۴-بَابُ بیانِ الإیمان الَّذِیْ یَدخُل به الجنةَ، وأَنَّ مَنْ من تَمَسَّکَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ]

[۱۲-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ، قَالَ: نَا أَبِیْ، قَالَ: نَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، قَالَ: نَا مُوْسَی بْنُ طَلْحَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبُوْ أَیُّوْبَ، أَنَّ أَعْرَابِیًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم وَهُوَ فِیْ سَفَرٍ، فَأَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهِ أَوْ: بِزِمَامِهَا، ثُمَّ قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْ: یَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِیْ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ، وَمَا یُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ. قَالَ: فَکَفَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم، ثُمَّ نَظَرَ فِیْ أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ: " لَقَدْ وُفِّقَ، أَوْ: لَقَدْ هُدِیَ" قَالَ: " کَیْفَ قُلْتَ"؟ قَالَ: فَأَعَادَ. فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیه وسلم: "تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُ بِهِ شَیْئًا، وَتُقِیْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِی الزَّکَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، دَعِ النَّاقَةَ"

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدو نبی ﷺ کے سامنے آیا، درانحالیکہ آپؐ سفر میں تھے، اس نے آپؐ کی اونٹنی کی لگام پکڑلی (خِطام اور زِمام میں راوی کو شک ہے، دونوں کے معنی ایک ہیں) پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (یا کہا: او محمد! یہاں بھی شک راوی ہے) آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جو مجھے جنت سے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے، ابوایوبؓ کہتے ہیں: پس نبی ﷺ ٹھہر گئے اور آپؐ نے صحابہ کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: البتہ تحقیق یہ شخص توفیق دیا گیا ہے یا فرمایا: راہنمائی کی گیا ہے (راوی کا شک ہے) یعنی اس نے کارآمد سوال کیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تیرا کیا سوال ہے (دوبارہ پوچھ تا کہ جس نے سنا نہ ہو وہ بھی سن لے) چنانچہ اس نے سوال دہرایا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور نماز کا اہتمام کر، زکوٰۃ ادا کر، اور ناتا جوڑ یعنی

صلہ رحمی کر (تیرا مقصد حاصل ہو جائے گا اب تو) اونٹنی کو چھوڑ دے۔

لغات: خِطام اور زِمام میں یہ فرق ہے کہ جو رسّی گلے میں باندھی جائے وہ خِطام ہے اور جو ناک میں باندھی جائے وہ زِمام ہے...... وُفِّق: باب تفعیل سے ماضی مجہول مذکر غائب ہے: وَفَّقَ اللّٰهُ فلانًا کے معنی ہیں: خدا کا کسی کے دل میں بھلائی الہام کرنا، مراد تک پہنچنے کے لئے وسائل عطا کرنا، ایسے اسباب پیدا کرنا کہ مقصود کا حاصل کرنا آسان ہو جائے، اور متکلمین کے نزدیک توفیق کے معنی ہیں: خلق قدرة الطاعة: اور اس کی ضد خذلان ہے، اس کے معنی ہیں: خلق قدرة المعصية (فتح الملہم)...... هُدِىَ: هَداه يَهديه هُدىً وهَدْيًا وهِدَايَةً: راہنمائی کرنا، یہ دو معنی میں مشترک ہے: اراءة الطریق (راستہ دکھانا) اور ایصال الی المطلوب (منزل پر پہنچا دینا)[1] ...... وَتَصِلُ الرَّحِمَ: الرَّحِمُ وَالرُّحْمُ وَالرُّحُمُ: بچہ دانی، رشتہ، قرابت (مذکر و مؤنث) جمع أرحام، ذوی الارحام: وہ رشتہ دار جو نہ عصبہ ہوں نہ ذوی الفروض، جیسے خالہ، ماموں، بھتیجی، چچازاد بہن وغیرہ۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے سائل کو جو جواب دیا ہے اس میں عبادت بدنیہ میں سے سب سے اہم عبادت نماز کو لیا ہے، اور عبادت مالیہ میں سے سب سے اہم عبادت زکوٰۃ کو لیا ہے، اور مراد اسلام کے سب ارکان ہیں اور دلیل آئندہ حدیث ہے، اس میں صوم رمضان کا بھی ذکر ہے۔

سوال: صلہ رحمی ارکانِ اسلام میں سے نہیں، پھر نبی ﷺ نے اس کو کیوں لیا؟

جواب: شاید سائل کے خصوصی احوال کی رعایت میں ایسا کیا ہوگا، سائل قطع رحمی کرتا ہوگا، وہ خاندان والوں کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے خاص طور پر اس کو بیان کیا۔

دوسری توجیہ: اور یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ صلہ رحمی سے حقوق العباد مراد ہیں اور حقوق اللہ دو قسم کے ہیں: بدنی اور مالی۔ نماز سے بدنی اور زکوٰۃ سے مالی حقوق مراد ہیں، نیز نماز سے مأمورات اور صوم سے منہیات مراد ہیں (صوم کی حقیقت چند چیزوں کا ترک ہے) غرض یہ حدیث حقوق اللہ، حقوق العباد، مأمورات اور منہیات سب کو شامل ہے۔

۲- صلہ رحمی کا مطلب ہے: حسن سلوک کرنا، یعنی اعزہ و اقارب کے ساتھ میل ملاپ، غم اور خوشی میں شرکت، حالات

---

(۱) ہدایت کے دو معنی ہیں: اراءة الطریق (راستہ دکھانا) اور ایصال الی المطلوب (مقصد تک پہنچانا) دونوں معنی میں فرق یہ ہے کہ اراءة الطریق میں مقصد تک پہنچنا ضروری نہیں، اور ایصال الی المطلوب میں مقصد تک پہنچنا ضروری ہے —— اور کہاں کونسے معنی ہونگے؟ اس کے لئے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، محل اور موقع کے اعتبار سے ترجمہ کیا جائے گا، البتہ عام طور پر جب متعدی بنفسہ ہو تو ایصال الی المطلوب کے معنی اور متعدی بالواسطہ ہو تو اراءة الطریق کے معنی ہوتے ہیں (مأخوذ: مفتاح التہذیب شرح اردو تہذیب، مصنفہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم)

کے مطابق رشتہ داروں کی امداد، یہ سب معاشرتی تقاضے صلہ رحمی کے ضمن میں آتے ہیں، صلہ رحمی کے فضائل اور اس کی ضد قطع رحمی کی شناعت میں متعدد احادیث مروی ہیں، ان کو تحفۃ الالمعی (۵:۲۵۱) میں پڑھیں۔

**قولہ: لاتشرک به شیئاً:** اس سے بت پرستی کی تردید مقصود ہے، مشرکین بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر بتوں کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں، اور شیئاً: نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، پس شرکِ جلی، خفی اور ریاء وسمعہ سب اس کے عموم میں داخل ہیں۔

[۱۳-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ، قَالَا: نَا بَهْزٌ، قَالَ: نَا شُعْبَةُ، قَالَ: نَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَأَبُوْهُ عُثْمَانُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوْسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ هٰذَا الْحَدِيْثِ.

وضاحت: یہ حدیث شعبہؒ نے کس سے روایت کی ہے؟ حفص بن عمر کا بیان ہے کہ صرف محمد بن عثمان سے روایت کی ہے، اور بہز بن اسد بصری کی روایت میں ہے کہ محمد بن عثمان اور ان کے ابا عثمان بن عبداللہ: دونوں سے روایت کی ہے، پھر وہ دونوں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں —— امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ محمد محفوظ نہ ہو، یعنی شعبہ محمد بن عثمان سے نہیں بلکہ ان کے بھائی عمرو بن عثمان سے روایت کرتے ہیں، پھر عمرو اور ان کے والد عثمان دونوں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: محدثین کا اتفاق ہے کہ محمد وہم ہے، صحیح عمرو ہے۔

ملحوظہ: حفص بن عمر کی روایت بخاری (حدیث ۱۳۹۶) میں ہے۔

[۱۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ الْأَحْوَصِ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِيْنِي مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ. قَالَ: "تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ" فَلَمَّا أَدْبَرَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنْ تَمَسَّكَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ" وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ: "إِنْ تَمَسَّكَ بِهِ"

وضاحت: یہ بھی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کو موسیٰ بن طلحہ سے ابواسحاق نے پھر ان سے ابوالاحوص نے روایت کیا ہے، اور ابوالاحوص سے ابوبکر اور یحییٰ روایت کرتے ہیں، ان کی روایتوں میں دو فرق ہیں: ایک: ابوبکر بصیغہ تحدیث روایت کرتے ہیں اور یحییٰ بصیغہ اخبار، دوم: ابوبکر کی روایت میں إن تمسّک به ہے اور یحییٰ کی روایت میں إن تمسّک بما أمر به ہے۔

فائدہ: امام مسلم رحمہ اللہ حدثنا اور اخبرنا کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں، اگر استاذ نے حدیث پڑھی ہے تو حدثنا کہتے ہیں اور تلمیذ نے پڑھی ہے تو اخبرنا کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں، مگر امام مسلمؒ اس سلسلہ میں محتاط ہیں۔

ملحوظہ: حدثنا، أخبرنا، أنبأنا اور سمعت کے استعمال میں کبھی اختلاف تھا، مگر بعد میں وہ اختلاف مضمحل (پاش پاش) ہوگیا، اب چاروں لفظوں کا ایک مطلب ہے کہ سند متصل ہے۔ اور ایک پانچواں لفظ عن ہے، پہلے اس میں بھی اختلاف تھا، لیکن بعد میں اس کو بھی مذکورہ چاروں لفظوں میں شامل کرلیا گیا، یہ بھی اتصال پر دلالت کرتا ہے، البتہ اگر راوی مدلّس ہو یعنی اس کے اندر استاذ کا نام چھپانے کا عیب ہو تو اس کے عنعنہ کو اتصال پر محمول نہیں کریں گے۔ تفصیل تحفۃ القاری (۱:۳۱۳) میں ہے۔

[۱۵-] وَحَدَّثَنِیْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِیْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، دُلَّنِیْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ:" تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّی الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ" قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ! لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا شَيْئًا أَبَدًا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلّٰى، قَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا"

وضاحت: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور اعرابی سے مراد بقول ابن حجر ابن المنتفق ہیں، جو قبیلہ قیس کے تھے، اور صَیرفی کا خیال ہے کہ ابن المنتفق ہی لقیط بن صَبِرہ ہیں، جو بنی المنتفق کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے (فتح الملہم)

اس روایت میں صوم رمضان کا اضافہ ہے اور صلہ رحمی کا تذکرہ نہیں، اس لئے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ گذشتہ واقعہ سے الگ واقعہ ہے، انھوں نے بھی بے کم وکاست بات پہنچانے کا وعدہ کیا تھا تو نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ جو کسی جنتی کو دیکھنے کا آرزومند ہو وہ اس کو دیکھ لے، اور آپؐ نے یہ بشارت شاید سائل کی قلبی حالت پر مطلع ہونے کی وجہ سے دی تھی۔ واللہ اعلم

فائدہ: یہ روایت مختلف طرح سے مروی ہے، بعض میں حج کا ذکر نہیں، بعض میں روزہ کا نہیں، بعض میں زکوٰۃ کا نہیں، بعض میں ایمان کا نہیں، بعض میں صلہ رحمی کا ذکر ہے تو بعض میں اداء خمس کا۔ قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف رواۃ کے حفظ واتقان کے تفاوت کی بناء پر ہے (فتح الملہم) یہی متعلقات کا اختلاف ہے۔

[۱۶-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوْبَةَ، وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلاَلَ، أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمان بن قوقل ؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بتائیں: اگر میں فرض نماز پڑھوں اور حرام کو حرام جانوں اور حلال کو حلال جانوں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح (۱): اس حدیث کو اعمش نے ابوسفیان سے بصیغہ عن روایت کیا ہے، جبکہ اعمش مدلّس ہیں اور مدلّس کا عنعنہ معتبر نہیں [1]۔ ہاں اگر دوسرے طریق سے سماع ثابت ہو جائے تو معتبر ہے؟ علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے فتح الملہم میں یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ صحیحین میں جہاں بھی عن سے روایت ہو تو سمجھ لیا جائے کہ دوسرے طریق سے سماع ثابت ہے۔

۲- علامہ ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ حرام چیزوں کی حرمت کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے اور ان سے بچنا بھی

(۱) تدلیس دو وجہ سے کی جاتی ہے: ایک: غرضِ فاسد سے، یعنی کسی محدث کا استاذ معمولی درجہ کا ہو اور استاذ کا استاذ عالی رتبہ ہو اور محدث کو اس معمولی استاذ سے روایت کرنے میں شرم محسوس ہو تو وہ اس کو حذف کر دیتا تھا، اس مقصد سے تدلیس حرام ہے۔ دوم: کبھی محدث اختصار کے لئے استاذ کو حذف کرتا تھا جیسا کہ بعض اکابر محدثین نے ایسا کیا ہے، اس کی گنجائش ہے، اور تدلیس کی بہت سی صورتیں ہیں، مگر مشہور قسمیں تین ہیں: تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ، اور تدلیس التسویہ۔

تدلیس الاسناد: یہ ہے کہ محدث کسی حدیث کو ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہے مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی، یا ملاقات تو ہوئی ہے مگر اس سے کوئی حدیث نہیں سنی، یا حدیث تو سنی ہے مگر یہ حدیث جو بیان کر رہا ہے وہ نہیں سنی، یہ حدیث اس شیخ کے کسی معمولی یا ضعیف شاگرد سے سنی ہے اور اس واسطہ کو حذف کر کے شیخ سے اس طرح روایت کرتا ہے کہ سماع کا وہم پیدا ہوتا ہے، جیسے بقیۃ بن الولید اور ولید بن مسلم کی تدلیس، تدلیس کی یہ قسم مذموم اور ناجائز ہے۔

تدلیس الشیوخ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام سے یا غیر معروف کنیت سے یا غیر معروف نسبت سے یا غیر معروف صفت سے کرے، تاکہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں، کیونکہ وہ ضعیف یا معمولی درجہ کا راوی ہے، تدلیس کی یہ صورت بھی نامناسب ہے، مگر ناجائز نہیں۔

تدلیس التسویہ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو تو حذف نہ کرے البتہ حدیث کو عمدہ بنانے کے لئے اوپر کے کسی ضعیف یا معمولی راوی کو حذف کرے، اور وہاں ایسا لفظ رکھ دے جس میں سماع کا احتمال ہو، تدلیس کی یہ صورت حرام ہے —— جاننا چاہئے کہ تدلیس کا لفظ جب مطلق بولتے ہیں تو وہ تدلیس مراد ہوتی ہے جو ناجائز ہے (تحفۃ الدرر: ص: ۲۶-۲۷)

ضروری ہے، اور حلال اشیاء کی حلت کا اعتقاد کافی ہے، اس کو کرنا ضروری نہیں۔

فائدہ: یہاں سے مشتبہات (وہ چیزیں جن کی حلت وحرمت میں شک ہے) کا حکم نکلا کہ ان سے بھی بچنا چاہئے، اس لئے کہ اگر مشتبہ چیز نفس الامر میں حرام ہے اور حلال سمجھ کر اس کو اختیار کر لیا تو برا ہوا، اور اگر وہ نفس الامر میں حلال تھی اور حرام سمجھ کر اس سے بچا تو کوئی بات نہیں، بس اتنی بات ہے کہ ایک حلال چیز کو استعمال نہیں کیا اور ہر حلال پر عمل کرنا ضروری نہیں، چنانچہ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے مؤمن کا یہی مزاج بنایا ہے۔ فرمایا کہ جو شخص مشتبہات سے بچا اس کا دین اور عزت محفوظ رہی، اور جو مشتبہات میں گھسا قریب ہے کہ وہ حرام میں گھسے، پھر نبی ﷺ نے ایک مثال سے یہ بات سمجھائی، تفصیل تحفۃ الالمعی (۴:۱۰۳) میں ہے۔

[۱۷-] وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، وَأَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ، يَا رَسُولَ اللهِ! بِمِثْلِهِ، وَزَادَ فِيهِ: وَلَمْ أَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا.

[۱۸-] وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ - وَهُوَ: ابْنُ عُبَيْدِ اللهِ- عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَلَمْ أَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا، أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ: وَاللهِ، لَا أَزِيدُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا.

وضاحت: ۱- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو ان سے ابوسفیان، ابوصالح اور ابوالزبیر نے روایت کیا ہے، پھر ان سے اعمش اور معقل بن عُبید نے، معقل نے ابوالزبیر سے روایت کیا اور اعمش نے ابوصالح اور ابوسفیان دونوں سے، گذشتہ حدیث اعمش کے تلمیذ ابومعاویہ کی تھی انھوں نے صرف ابوسفیان کا ذکر کیا تھا، اور شیبان نے ابوصالح اور ابوسفیان دونوں کا۔ اور شیبان کی سند نازل ہے کیونکہ ایک واسطہ زائد ہے۔

۲- سائل نے صراحتاً پوچھا ہے کہ اگر میں صرف نماز روزہ کروں، اور حلال وحرام کا اعتقاد رکھوں، دیگر امورِ خیر نہ کروں تو بھی جنت میں جاؤں گا؟ نبی ﷺ نے اثبات میں جواب دیا، پس اس نے قسم کھا کر مزید اعمال نہ کرنے کی بات کہی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آخرت کی کامیابی کے لئے اور حصولِ جنت کے لئے اتنے اعمال کافی ہیں، زکوۃ وحج، سنن وواجبات اور دیگر اعمالِ صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں؟

جواب: علامہ عثمانی قدس سرہٗ نے فتح الملہم میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ سائل نو مسلم تھا، اس کے لئے اس وقت اتنے اعمال بھی بہت تھے، مگر آپ کی حکیمانہ نظر دیکھ رہی تھی کہ یہی مختصر اعمال اس کے اندر جذبۂ محبت کو مہمیز کریں گے، اور پوری

شریعت کا خوگر بنادیں گے، اس لئے آپؐ نے جنت کی بشارت دی۔

## بَابُ بَيَانِ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهِ الْعِظَامِ

## ارکانِ اسلام اور اس کے بڑے ستونوں کا بیان

اسلام کے ارکانِ خمسہ: شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج خاص شان کے حامل ہیں، یہ وہ بنیادی ستون ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے، اگرچہ اسلام کے فرائض ان ارکانِ خمسہ کے علاوہ بھی ہیں، جیسے: جہاد، صلہ رحمی، حقوق زوجیت، حقوقِ اولاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ، مگر جو اہمیت وخصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے وہ اوروں کو حاصل نہیں، اس لئے اسلام کا رکن صرف انہی کو قرار دیا گیا ہے، اور وہ خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ یہ پانچ ارکان دینِ اسلام کے لئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں، نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب ومقصود ہیں، ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں، یہ مستقل اور دائمی فرائض ہیں، برخلاف جہاد اور صلہ رحمی وغیرہ کے کہ ان کی یہ حیثیت نہیں، وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

### [٥- بَابُ بَيَانِ أَرْكَانِ الإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهِ الْعِظَامِ]

[١٩-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ- يَعْنِيْ: سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الأَحْمَرَ- عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسَةٍ: عَلٰى أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ" فَقَالَ رَجُلٌ: الْحَجِّ وَصِيَامِ رَمَضَانَ؟ قَالَ: لَا. صِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ، هٰكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اسلام کی عمارت پانچ بنیادوں پر چنی گئی ہے: (۱) اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کو یگانہ جانا جائے، یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے (۲) اور نماز قائم کرنے پر (۳) اور زکوٰۃ ادا کرنے پر (۴) اور رمضان کے روزے رکھنے پر (۵) اور حج کرنے پر" پس ایک شخص نے کہا: حج کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے پر، ابن عمرؓ نے فرمایا: نہیں، رمضان کے روزے رکھنے پر اور حج کرنے پر، میں نے اسی طرح نبی ﷺ سے سنا ہے۔

تشریح:

۱- ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث مختلف طرح مروی ہے، بعض روایات میں صوم رمضان مقدم ہے اور بعض میں حج، چنانچہ بخاری (حدیث ۸) میں حنظلۃ بن ابی سفیان کی روایت میں حج کا ذکر مقدم ہے اور صوم رمضان کا مؤخر۔ سعد بن

عبیدہ کی روایت کے بعض طرق میں بھی یہی ترتیب ہے، اور محمد بن زید کی روایت میں بھی اس کے مثل ہے (دونوں روایتیں باب میں ہیں) اور سعد بن عبیدہ کی مذکورہ روایت میں صوم رمضان مقدم ہے اور حج مؤخر، بلکہ جب کسی شخص نے حج کی تقدیم اور صوم رمضان کی تاخیر کی بات کہی تو ابن عمرؓ نے اس کو رد کر دیا اور اس کی اصلاح فرمائی، اور حنظلۃ بن ابی سفیان کی وہ روایت جس کے ابن نُمیر راوی ہیں، اس میں بھی یہی ترتیب ہے (یہ روایت باب میں ہے) —— حافظ رحمہ اللہ نے مسلم کی روایت کو اصل اور بخاری کی روایت کو بالمعنی قرار دیا ہے (فتح الباری ۱: ۵۰) لیکن بعض حضرات دونوں روایتوں کو اصل قرار دیتے ہیں، یعنی ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے دونوں طرح سنا ہے، کبھی صوم کی تقدیم کے ساتھ، اور کبھی حج کی تقدیم کے ساتھ۔ اب رہی یہ بات کہ پھر ابن عمرؓ نے قاری کو کیوں ٹوکا؟ اور اس کی اصلاح کیوں فرمائی؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ درحقیقت ابن عمرؓ سائل کو بے جا سوال پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب میں نے نبی ﷺ سے دونوں طرح سنا ہے تو تجھ کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟ پس ھٰکذا سمعتُه کا ترجمہ ہوگا کہ میں نے اس طرح بھی سنا ہے، اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے جس وقت اعتراض کیا گیا دوسری روایت حضرت کے ذہن میں مستحضر نہ رہی ہو، مگر یہ توجیہات اس وقت بے معنی ہو جاتی ہیں جب ابن عمرؓ کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے جو بخاری (حدیث ۴۵۱۴) میں ہے، اس میں صوم رمضان زکوٰۃ پر بھی مقدم ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ روایت بالمعنی اور متعلقات کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر کی جائے۔

ملحوظہ: امام بخاری رحمہ اللہ حنظلہ کی روایت کی وجہ سے اپنی صحیح میں کتاب الحج پہلے لائے ہیں اور کتاب الصوم بعد میں، مگر تمام فقہاء و محدثین کتاب الصوم کو کتاب الحج سے پہلے لاتے ہیں۔

۲- اس حدیث میں نبی ﷺ نے اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند بنیادوں پر قائم ہو، پس کسی مسلمان کے لئے اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے میں غفلت برتے، کیونکہ یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، اور مختلف روایات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جس طرح وضو کی صحت کے لئے اعضاء مغسولہ کو کم از کم ایک بار بالاستیعاب دھونا اور کم از کم چوتھائی سر کا مسح کرنا ضروری ہے اسی طرح آخرت میں نجات اولی کے لئے اسلام کے ارکانِ خمسہ کی ادائیگی ضروری ہے، جو شخص گناہوں سے بچتے ہوئے ان اعمالِ اسلام پر عمل پیرا ہوگا وہ اگر دیگر طاعات نہ بھی کرے تو بھی اس کی نجات اولی ہوگی، وہ عذاب جہنم سے بچ جائے گا اور جنت کا حق دار ہوگا۔

۳- اور ارکانِ خمسہ کو اسلام کی رکنیت کے لئے اس وجہ سے خاص کیا گیا ہے کہ یہ پانچوں اعمال لوگوں کی مشہور عبادتیں ہیں، تمام امتوں نے ان کو اختیار کیا ہے، اور ان کا انتظام کیا ہے، یہود ہوں یا عیسائی، مجوسی ہوں یا عرب جو دین ابراہیمی پر کسی درجہ قائم تھے سب ان طاعات کو اپنائے ہوئے تھے، اگرچہ ان عبادتوں کی ادائیگی کے طریقوں میں ان میں اختلاف تھا، یہود کی نماز کا طریقہ اور تھا، اور عیسائیوں کا اور، مگر سب نماز ادا کرتے تھے، یہی حال زکوٰۃ وغیرہ کا تھا، سب ملتوں کے ماننے والے غریبوں پر خرچ کرتے تھے، پس یہ متفق علیہ امور ہیں، اس لئے ان کو رکنیت کے لئے خاص کیا گیا ہے، پھر ان

طاعات خمسہ میں جو خوبیاں ہیں وہ دیگر طاعتوں میں نہیں ہیں، اس لئے یہ طاعات رکنیت کے لئے خاص کی گئی ہیں۔

۴-توحید کا اقرار، رسالتِ محمدی کی تصدیق اور پوری شریعت کو تسلیم کرنا اور ان دونوں باتوں کی دعوت دوسروں تک پہنچانا دین کا بنیادی رکن ہے، کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ موافق ومخالف کے درمیان امتیاز کیا جاسکتا ہے، انہی کی بنیاد پر کسی کے مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے، اور ان میں کوتاہی پر باز پرس کی جاسکتی ہے۔

۵-اور نوعِ بشری کی نیک بختی کا مدار اور نجاتِ اخروی کا سرمایہ چار اخلاق ہیں: (۱) اخبات یعنی اللہ کے سامنے نیاز مند رہنا (۲) طہارت یعنی پاکی اختیار کرنا (۳) سماحت یعنی فیاضی سے کام لینا (۴) اور عدل وانصاف برتنا، اور نماز کے ذریعہ اخبات ونظافت بدست آتے ہیں، کیونکہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے، اور نماز بارگاہِ خداوندی میں اعلیٰ درجہ کی نیاز مندی ہے، اور زکوٰۃ ادا کرنے سے فیاضی اور عدل کی صفات بدست آتی ہیں، کیونکہ شرائط کا لحاظ کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی اعلیٰ درجہ کی فیاضی ہے، اور یہی انصاف کی بات بھی ہے کہ مالدار اللہ کی بخشی ہوئی دولت میں سے غریبوں کا حق ادا کرے، پھر انسانوں کے لئے کوئی ایسی عبادت بھی ضروری ہے جو اس کی خواہشات پر قہرمان ہو، تاکہ اس کے ذریعہ نفسانی خواہشات کو دبایا جاسکے، اور ایسی عبادت روزہ ہے، اس مقصد کے لئے اس سے بہتر کوئی عبادت نہیں، اس لئے روزہ کو چوتھا رکن قرار دیا۔

اور اللہ کی شریعتوں میں ایک بنیادی حکم یہ بھی رہا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کی جائے: اور اسلام کے اہم شعائر چار ہیں: قرآن مجید، کعبہ شریف، نبی اور نماز، حج کی عبادت کعبہ شریف کی تعظیم کے لئے مقرر کی گئی ہے، نیز اس کا ایک اہم مقصد جذبۂ محبت کو مہمیز کرنا بھی ہے، ہر مؤمن کے دل میں محبتِ الٰہی کی چنگاری موجود ہے اس کو روشن کرنا اور اس کو بھڑکا کر لاوا بنانا حج کی عبادت کا خاص مقصد ہے۔

## بدنی عبادتیں دو اور مالی عبادت ایک کیوں ہے؟

حدیثِ مذکور میں دو عبادتیں بدنی ہیں: نماز اور روزہ، اور ایک عبادت مالی ہے: زکوٰۃ، اور حج مال وبدن سے مرکب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے، اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حج بھی بدنی عبادت ہے، چنانچہ ان کے نزدیک حج کی فرضیت کے لئے زاد وراحلہ شرط نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جو بھی شخص پیدل مکہ پہنچ سکتا ہے اس پر حج فرض ہے۔

غرض: اللہ تعالیٰ نے بدنی عبادتیں دو اور مالی عبادت ایک کیوں رکھی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بدن میں روح رکھی ہے، اور روح کی دو صفتیں (حالتیں) ہیں: ایک ملکیت یعنی فرشتوں جیسی استعداد، اور دوسری بہیمیت یعنی جانوروں جیسی استعداد، بالفاظ دیگر: ایک لَمّۂ خیر ہے، دوسرا لَمّۂ شر (لَمّۃ: اثر) قرآن میں ہے: ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴾: قسم ہے نفس (روح) کی اور اس نفس کو درست بنانے کی، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کا نفس نہایت عمدہ بنایا ہے: ﴿ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾: پس اللہ نے اس نفس کو اس کی نیکوکاری اور اس کی بدکاری الہام فرمائی۔ یہی روح کی دو صفتیں (ملکیت

اور بہیمیت) ہیں، قرآن میں دوسری جگہ ہے: ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾: ہم نے انسانوں کو دونوں راہیں سجھادیں، نیکوکاری کی راہ بھی اور بدکاری کی راہ بھی، اب انسان کو اختیار ہے، نیکوکاری کی راہ پر چلے تو جنت میں جائے گا اور بدکاری کی راہ اپنائے گا تو جہنم رسید ہوگا۔

یہ جو اللہ نے انسان کو دوراہیں سجھائی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح میں اللہ نے نیکی اور بدی کی صلاحیتیں رکھی ہیں۔ اب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں ایسے اعمال اور ایسی عبادتیں ہوں جو ملکیت (نیکوکاری) کو بڑھاوا دیں اور بہیمیت (بدکاری) کو لگام دیں، چنانچہ نماز رکھی گئی نیکوکاری کو بڑھاوا دینے کے لئے، لمۂ خیر کی ترقی کے لئے، اور روزہ رکھا گیا نفسانی تقاضے دبانے کے لئے، آدمی میں تقوی اور پرہیزگاری پیدا کرنے کے لئے، لمۂ شر کو دبانے کے لئے اسی کو قرآن میں کہا گیا ہے: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾: یعنی روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ تم پرہیزگار بنو۔

غرض روزہ لمۂ شر یعنی بہیمیت پر کنٹرول کرنے کے لئے ہے، تاکہ آدمی میں تقوی اور پرہیزگاری پیدا ہو، اور نماز اس لئے ہے کہ آدمی میں نورانیت پیدا ہو، لمۂ خیر ابھرے، اللہ کا قرب حاصل ہو، اللہ کی یاد آئے، قرآن میں ہے: ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾: اللہ کی یاد نماز کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب سجدہ کرتا ہے تو اللہ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے یعنی اتنا قریب ہوجاتا ہے۔

بہرحال نماز کا مقصد یہ ہے اور روزہ کا مقصد وہ ہے، اور چونکہ ایسی کوئی عبادت نہیں تھی جس سے دونوں مقصد حاصل ہوں اس لئے بدنی عبادتیں دو اور مالی عبادت ایک رکھی، کیونکہ مال میں دو مقصد نہیں، مالی عبادت: زکوۃ ہے، اور صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات اسی لائن کی چیزیں ہیں۔

**قوله: علی أن يُوَحِّد الله:** اس میں عقیدۂ رسالت بھی شامل ہے، جیسے حدیث: مَن كان آخر كلامه لا إله إلا الله: میں وہ لا إله إلا الله مراد ہے جو محمد رسول الله کو شامل ہے، پہلے بتایا ہے کہ عقائد اسلام تقریباً پچاس ہیں، اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ سات عقیدے ہیں جن کا ذکر حدیثِ جبرئیل میں آیا ہے اور جو ایمانِ مفصل میں لئے گئے ہیں۔ اور مزید سمیٹا جائے تو صرف دو بنیادی عقیدے رہ جاتے ہیں، جو کلمہ طیبہ میں لئے گئے ہیں، یعنی توحید اور رسالتِ محمدی کا اقرار، پھر مزید سمیٹا جائے تو بنیادی عقیدہ لا إلٰهَ إلَّا الله ہے، جس میں رسالتِ محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہیں، جیسے ایک انچ کے ربڑ کو دونوں کناروں سے پکڑ کر کھینچیں تو ایک بالشت لمبا ہوجائے گا، پھر چھوڑ دیں تو ایک انچ رہ جائے گا، اسی طرح تمام عقائد سمٹ کر لا إلٰهَ إلَّا الله (توحید کے اقرار) میں آجاتے ہیں، اور یہی پھیل کر پچاس عقیدے بن جاتے ہیں۔

فائدہ: لوگوں نے پہلے رکن کو یعنی توحید ورسالت کی گواہی کو جو سب سے اہم رکن ہے رکنیت سے خارج کر کے ایمانیات میں داخل کردیا ہے۔ اس طرح لوگوں میں ارکانِ اربعہ مشہور ہوگئے، حالانکہ گواہی کورٹ میں مدعی علیہ کے سامنے دی جاتی ہے، جبکہ مدعی علیہ مدعی کے دعوی کا انکار کرے، اسی طرح توحید ورسالت کی گواہی ان لوگوں کے سامنے دینی ہے جو

ان دوعقیدوں کے منکر ہیں، پھر جس طرح کورٹ میں گواہوں کا کام صرف گواہی دینا ہے اس پر فیصلہ قاضی کرتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مسلمانوں کی ذمہ داری غیر مسلموں تک یہ دو باتیں پہنچانا ہے، پھر فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کریں گے ﴿ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾: اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے (الحج آیت ۶۹) پس فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ جو لوگ یہ دو عقیدے نہیں مانتے ان کے سامنے گواہی دیں۔

لیکن اگر گواہ کوتاہی کریں، وہ گواہی کا فریضہ انجام نہ دیں تو قاضی کس بنیاد پر فیصلہ کرے گا؟ بلکہ ممکن ہے کسی درجہ میں گواہ بھی ماخوذ ہو جائیں کہ تم نے اپنا فریضہ کیوں ادا نہ کیا؟ اگر تم دین کی دعوت دوسروں تک پہنچاتے تو ممکن تھا وہ بھی اللہ کے بندے بن جاتے، اور جنت میں پہنچ جاتے، اس لئے یہ امت کی کوتاہی تصور کی جائے گی، مگر اب امت کا عجیب حال ہو گیا ہے، انھوں نے اس دعوت کو ارکان کی فہرست سے نکال دیا ہے، اور ایمانیات میں داخل کر دیا ہے۔ فیا للعجب!

بلکہ امت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ مسلمان ہی کلمہ سے محروم ہو گئے ہیں، ہم ان تک بھی کلمہ نہیں پہنچا سکے، جو لوگ ان دو عقیدوں کا انکار کرتے ہیں ان تک ہم کلمہ کیا پہنچاتے؟ ہم اذان میں شہادتین ضرور پکارتے ہیں، مگر ان کو سمجھتا کون ہے؟ جب کہ اس امت کا فریضہ ہے کہ ہر وہ انسان جو یہ دو عقیدے نہیں مانتا اس کے سامنے ان دو عقیدوں کی گواہی دے۔

**ملحوظہ:** توحید و رسالت کی گواہی کس طرح دی جائے، اس کا طریقہ تحفۃ القاری (۱:۲۰۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

[۲۰-] حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ طَارِقٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ السُّلَمِيُّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: عَلٰى أَنْ يُعْبَدَ اللّٰهُ وَيُكْفَرَ بِمَا دُوْنَهُ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ"

[۲۱-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ- وَهُوَ: ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ"

[۲۲-] وحدثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ[1] بْنَ خَالِدٍ

(۱) عکرمۃ بن خالد نام کے دو راوی ہیں: ایک کے دادا کا نام سعید بن العاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی ہے، یہاں یہی مراد ہیں، اور یہ بالاتفاق ثقہ ہیں، اور اسی طبقہ اور زمانہ میں ایک اور عکرمۃ بن خالد ہے، اس کا دادا مسلمہ بن ہشام بن مغیرہ مخزومی ہے، وہ ضعیف ہے اور دونوں کے شیوخ علاحدہ علاحدہ ہیں (فتح الباری) اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے ان کے ناموں میں اشتباہ بہت ہوتا ہے۔

يُحَدِّثُ طَاوُسًا: أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَلاَ تَغْزُو؟ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ الإِسْلاَمَ بُنِيَ عَلٰى خَمْسَةٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ"

وضاحت: حدیثِ ابن عمرؓ کی چار سندیں ہیں: اول دو سندیں سعید بن عبیدہ کی ہیں، اور تیسری محمد بن زید کی اور دونوں کی احادیث یکساں ہیں، بس چند الفاظ کا فرق ہے اور چوتھی حنظلۃ بن ابی سفیان کی ہے، اس میں یہ مضمون زائد ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ تو ابن عمرؓ نے یہ حدیث سنائی کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

تشریح: یہ حدیث تفصیل سے بخاری (حدیث ۴۵۱۴) میں ہے، نافع کا بیان ہے کہ جب حجاج نے ۷۳ ہجری میں مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تو دو آدمی ابن عمرؓ کے پاس آئے اور ان کو الزام دیا کہ آپ الگ تھلگ کیوں ہیں؟ آپ ہر سال حج وعمرہ کرتے ہیں، اور راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے، حالانکہ جہاد کے فضائل سے آپ بخوبی واقف ہیں؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا: اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے الخ: اس نے کہا: سورۃ البقرہ (آیت ۱۹۳) میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾: اور ان سے لڑو تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہم نے یہ کام نبی ﷺ کے زمانہ میں کیا جبکہ مسلمان کم تھے، اور آدمی دین قبول کرنے کی وجہ سے یا اس پر عمل کرنے کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا تھا، وہ اس کو قتل کر دیتے تھے یا اس کو تکلیف پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور کوئی آزمائش باقی نہ رہی، یعنی ابن عمرؓ نے یہ جواب دیا کہ اس آیت میں فتنہ سے مراد کفر وشرک ہے، اور مشرکین سے جہاد کا حکم اس لئے ہے کہ ان کا ظلم موقوف ہو، وہ مسلمانوں کو نہ ستائیں، اور زمین میں حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا جاری رہے، یعنی مسلمان بہ اطمینان دین پر عمل کر سکیں، اس غرض سے ہم مشرکین کے ساتھ لڑے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا، اور دین اللہ کے لئے ہو گیا، اب تم چاہتے ہو کہ آپس میں لڑو تا کہ فتنہ بپا ہو، اور دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے! تفصیل تحفۃ القاری (۹:۱۰۴) میں ہے۔

قولہ: علی خمسٍ: معدود (مضاف الیہ) محذوف ہے، ای خمس خصال، خمس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اور یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ عدد کی تذکیر وتانیث میں معدود مفرد کا لحاظ ہوتا ہے، خصال کا مفرد خصلۃ ہے اس وجہ سے خمسٌ مذکر ہے...... شهادة: پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں، جملہ مستأنفہ قرار دیں تو مبتداء محذوف کی خبر بنا کر مرفوع پڑھیں گے اور خمسٍ سے بدل بنائیں تو مجرور پڑھیں گے اور أی حرف تفسیر پوشیدہ مانیں تو منصوب پڑھیں گے إقام اور إيتاء وغیرہ پر بھی تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں۔

## بَابُ الْأَمْرِ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ورسولِه صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم وَشَرَائِعِ الدِّيْنِ، وَالدُّعَاءِ إِلَيْهِ، وَالسُّؤَالِ عنه، وحِفْظِه، وَتَبْلِيْغِه مَنْ لَمْ يَبْلُغْه

## اللہ ورسول پر اور اسلامی اعمال پر ایمان لانے کا حکم اور اس کی طرف دعوت اور اس کی تحقیق اور اس کو یاد کرنا اور جن تک وہ باتیں پہنچی نہیں ان تک وہ باتیں پہنچانا

اس باب کا مقصد طلبہ کو یہ نصیحت کرنا ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ تمہاری جاگیر نہیں، بلکہ تمہارے پاس امانت ہے، پس ضروری ہے کہ وہ امت کی خبر لیں، ان کو اللہ ورسول پر ایمان لانے کی دعوت دیں، عمل کا جذبہ ان کے اندر پیدا کریں، خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلائیں، اور برابر علم حاصل کرتے رہیں اور جو کچھ پڑھیں اس کو اچھی طرح یاد رکھیں اور جو لوگ ناواقف ہیں ان کو وہ باتیں بتلائیں، نبی ﷺ نے وفد عبدالقیس کو چار باتوں کا حکم دیا تھا اور شراب کے چار برتنوں کی ممانعت کی تھی، پھر فرمایا تھا کہ میری ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلو، اور قبیلہ کے جو لوگ پیچھے ہیں ان کو پہنچاؤ، تحصیل علم کا یہی مقصد ہے، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ ﴾: چاہئے کہ ہر قبیلہ میں سے کچھ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لئے نکلیں، پھر علم حاصل کر کے قبیلہ کی طرف لوٹیں، اور ان کو عذابِ آخرت سے ڈرائیں، تاکہ وہ دین کی مخالفت سے باز آجائیں اور آخرت کی تیاری میں لگ جائیں، یہ علماء کا فرضِ منصبی ہے۔

[٦- بَابُ الْأَمْرِ بِالْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى ورسولِه صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم وَشَرَائِعِ الدِّيْنِ، وَالدُّعَاءِ إِلَيْهِ، وَالسُّؤَالِ عنه، وحِفْظِه، وَتَبْلِيْغِه مَنْ لَمْ يَبْلُغْه]

[۲۳-] حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ. ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ، وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، وَلاَ نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِيْ شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَعْمَلُ بِهِ، وَنَدْعُوْ إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، قَالَ: " آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الْإِيْمَانِ بِاللّٰهِ - ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ فَقَالَ:- شَهَادَةُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ: الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْمُقَيَّرِ" وَزَادَ خَلَفٌ فِيْ رِوَايَتِهِ: "شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" وَعَقَدَ وَاحِدَةً"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کی خدمت میں وفد عبدالقیس آیا، اور انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم (عبدالقیس) ربیعہ کی شاخ ہیں، اور ہمارے اور آپؐ کے درمیان قبائل مضر کے کفار حائل ہیں، ہم آپ تک محترم مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) ہی میں پہنچ سکتے ہیں (قبائل ربیعہ کی قبائل مضر کے ساتھ ہمیشہ جنگ رہتی تھی، اس لئے وہ مضر کی بستیوں سے گذر کر دیگر مہینوں میں مدینہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے) پس آپ ہمیں کسی ایسی بات کا حکم دیں جس پر ہم خود بھی عمل کریں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس پر بلائیں، نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، اور چار برتنوں سے روکتا ہوں: (۱) اللہ پر ایمان لانے کا، پھر نبی ﷺ نے ان کے لئے اللہ پر ایمان لانے کی وضاحت فرمائی، آپؐ نے فرمایا: وہ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (۲) اور نماز کا اہتمام کرنا (۳) اور زکوٰۃ ادا کرنا (۴) اور یہ کہ اس مال کا پانچواں حصہ ادا کریں جو غنیمت میں حاصل کریں (قبائل ربیعہ: قبائل مضر کے ساتھ ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے، اس لئے فرمایا: جو غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ مرکزی حکومت کو ادا کریں) اور میں تمہیں روکتا ہوں تونبی سے، اور روغنی گھڑے سے، اور لکڑی کھود کر بنائے ہوئے برتن سے اور تار کول پھیرے ہوئے گھڑے سے —— امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو اساتذہ سے روایت کی ہے، خلف بن ہشام سے اور یحیٰی بن یحیٰی سے، الفاظِ حدیث یحیٰی کے ہیں اور خلف کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ نے شهادة أن لا إلٰه إلا الله پر ایک انگلی بند کی (تاکہ ان کو دو نہ سمجھا جائے)

لغات اور ترکیب: هٰذا الحيَّ من ربيعة: یہ منصوب علی الاختصاص ہے، یعنی إنَّا سے ربیعہ کی شاخ عبدالقیس مراد ہے، من ربيعة: إنا کی خبر ہے، أي إنا هذا الحي حي من ربيعة...... الوفد: باحیثیت یا با اقتدار لوگوں کے پاس کسی مقصد سے جانے والی منتخب افراد کی جماعت، ڈیلی گیشن، جمع وُفُود...... فَسَّرَها کی ضمیر ایمان بالله کی طرف راجع ہے، اور مؤنث ضمیر بتاویل خصلة لائی گئی ہے...... الإیمان: مجرور ہے، کیونکہ أربع سے بدل ہے، اور شهادة: مرفوع ہے، کیونکہ مبتداهی محذوف ہے، اور إقام وغیرہ مرفوع اور مجرور دونوں ہوسکتے ہیں، اگر ان کا عطف شهادة پر کیا جائے تو مرفوع ہونگے اور اگر عطف الإیمان پر کیا جائے تو مجرور ہونگے۔ شهادة پر عطف کریں تو مطلب ہوگا کہ اللہ پر ایمان لانے میں: شہادتین، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور مالِ غنیمت کا خمس ادا کرنا: یہ سب باتیں ایمان باللہ میں شامل ہیں، اور اگر الإیمان پر عطف کیا جائے تو ایمان باللہ کی شرح صرف شہادتین میں منحصر ہوگی، باقی تین اعمال ایمان سے خارج ہونگے، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے جو چار باتیں بتانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا ان میں سے باقی تین باتیں یہ ہیں...... الدُّبَّاء: سوکھا کدو، جو برتن کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اردو میں اس کو تونبی کہتے ہیں، تونبا: ایک قسم کا تلخ کدو ہے، جس کا چھلکا بہت موٹا ہوتا ہے، اس کو فقیر سکھا کر کشکول بناتے ہیں...... حَنْتَم: حَنْتَمَة کی جمع ہے، اس کے

معنی ہیں: روغنی گھڑا...... النَّقِيْرُ بمعنی مَنْقُوْر، نَقَرَ يَنْقُرُ کے معنی ہیں: کریدنا، کھودنا، لوگ درخت کے تنے کرید کر برتن بناتے تھے، پھر اس میں نبیذ بناتے تھے...... المُقَيَّر: یہ قِيرسے ہے، سڑکوں پر جو تارکول ڈالتے ہیں وہ قیر ہے، اس کے لئے دوسرا لفظ المُزَفَّت ہے، تارکول پھیرا ہوا گھڑا۔

تشریح: ۱- نزار بن معد بن عدنان کے دولڑکے تھے (۱)۔ ربیعہ اور مضر، دونوں کے درمیان اختلافات تھے، بعد میں دونوں بڑے قبائل بن گئے، عبدالقیس ربیعہ کی ایک شاخ ہے جس کا وطن بحرین، قطیف اور ہجر مقامات تھے۔ اور آنحضور ﷺ کا نسب اطہر مضر سے ملتا ہے، اور پرانی عداوتیں اب تک نسلوں میں باقی تھیں، اس لئے جب یہ حاضر خدمت ہوئے تو آنحضور ﷺ نے ان کی دلجوئی کے طور پر فرمایا: ''تمہارا آنا مبارک! نہ غمگین ہونے کی ضرورت ہے، نہ پشیمان ہونے کی، پرانی باتیں بھولی بسری ہوگئیں''

۲- اور اس وفد کا سبب آمد یہ بنا کہ منقذ بن حیان جو بحرین کا بڑا تاجر تھا، بغرض تجارت مدینہ منورہ آیا، ایک مرتبہ وہ کہیں بیٹھا تھا کہ نبی ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا، آپ کو آتا دیکھ کر منقذ احتراماً کھڑا ہوگیا، آپؐ نے اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا اور اس کے اور اس کی قوم کے سرداروں کے حالات نام بنام بالتفصیل دریافت فرمائے، اس پر منقذ کو بڑی حیرت ہوئی کہ نہ آپؐ کبھی تشریف لے گئے اور نہ ملاقات ہوئی، پھر آپؐ کو تفصیلی حالات کیسے معلوم ہوئے؟ منقذ یہ معجزہ دیکھ کر حیران تھا، اس کو آپ کی صداقت کا یقین ہوگیا اور مشرف باسلام ہوگیا، آپؐ نے ان کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اقراء سکھائی، پھر جب وہ وطن واپس جانے لگے تو آپؐ نے قبیلہ کے سردار کے نام ایک خط دیا، مگر وطن پہنچ کر انھوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا، اور وہ خط بھی اپنے پاس چھپائے رکھا، مگر جب نماز کا وقت ہوتا تو گھر میں نماز پڑھ لیتے تھے، ان کی بیوی کو حیرت ہوئی ـــــ وہ قبیلہ کے سردار منذر بن عائذ کی لڑکی تھی، منذر کے چہرے پر زخم کا نشان تھا، اس لئے نبی ﷺ نے ان کو اشج پکارا، پس یہی ان کا لقب ہوگیا ـــــ منذر کی لڑکی نے اپنے شوہر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کل ماجرا اپنے ابا کے گوش گزار کردیا، اشج عصری نے داماد سے دریافت کیا کہ یہ کیا نئی بات ہے؟ تو انھوں نے پورا واقعہ سنایا اور حضورِ پاک

(۱) نزار بن مَعَدّ کے چار لڑکے بتائے جاتے ہیں: مضر، ربیعہ، انمار اور زید۔ اور یہاں دو کی بات بایں وجہ ہے کہ وہی زیر بحث ہیں ـــــ اور مضر کو مضر الحمراء اور ربیعہ کو ربیعۃ الفرس بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ میراث میں مضر کے حصہ میں سونا اور ربیعہ کے حصہ میں گھوڑے آئے تھے۔

ابوجعفر بن حبیب اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ یہ فرماتے تھے کہ عدنان، معد، ربیعہ، خزیمہ اور اسد: یہ سب ملت ابراہیمی پر تھے، ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرو، اور زبیر بن بکار مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مضر اور ربیعہ کو برامت کہو، وہ اسلام پر تھے، اور سعید بن المسیب کی ایک مرسل روایت بھی اسی کی مؤید ہے (فتح الباری ۷: ۱۲۵ بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ۱: ۱۹)

ﷺ کا والا نامہ سسر کو پیش کردیا۔ منذر (اشج عصری) وہ خط لے کر اپنی قوم عصر کے پاس گئے اور انہیں پڑھ کر سنایا، تو وہ سب مسلمان ہوگئے اور دربارِ رسالت مآب میں حاضری کا ارادہ کیا، جب یہ وفد مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے اس وفد کی آمد کی خوشخبری سنائی، اور فرمایا: ''تمہارے پاس عبدالقیس کے لوگ آرہے ہیں ان میں اشج عصری بھی ہیں، یہ لوگ اہل مشرق میں سب سے بہتر ہیں، نہ پھرنے والے ہیں نہ شک کرنے والے (نووی)

جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اور انھوں نے دور سے نبی ﷺ کو دیکھا تو فرطِ اشتیاق میں اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑے، اور دست مبارک کو چومنے لگے، اشج عبدالقیس جوان کے سردار تھے، انھوں نے متانت وسنجیدگی کا مظاہر کیا، سب سے پہلے لوگوں کے اونٹ باندھے، ان پر سے سامان اتار کر ٹھکانہ سے رکھا، اور نہا دھو کر نیا سفید لباس پہنا، پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا۔ اشج شکل وصورت میں معمولی تھے، آپؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آدمی کی پہچان اس کی شکل وصورت سے نہیں، بلکہ اس کی قدر وقیمت دو چھوٹے اعضاء: زبان ودل سے ہوتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور رسول پسند کرتے ہیں: دانائی اور بردباری، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا کسبی؟ آپؐ نے فرمایا: پیدائشی ہیں۔

یہ وفد دو مرتبہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا ہے، پہلی مرتبہ ۶ ہجری میں یا اس سے بھی قبل اس مرتبہ کل تیرہ یا چودہ آدمی تھے، فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ان کے اسماء بھی مذکور ہیں، پھر دوسری مرتبہ راجح قول کے مطابق ۸ ہجری میں آیا ہے، اس وقت چالیس آدمی شریکِ وفد تھے۔

۳- جب یہ وفد حاضر خدمت ہوا تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری مضر قبائل سے ہمیشہ جنگ رہتی ہے، ہم ہر وقت مدینہ منورہ نہیں آسکتے، صرف محترم مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) میں آسکتے ہیں، اس لئے آپؐ ہمیں جامع احکام بتائیں، ہم ان پر عمل کرکے جنت میں جائیں گے اور پیچھے والوں کو بھی بتائیں گے تاکہ وہ بھی ان پر عمل کریں اور جنت حاصل کریں۔

آنحضور ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور شراب کے چار برتنوں سے منع کیا، سب سے پہلے ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ ایک اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھیجو (اور حج کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ابھی تک فرض نہیں ہوا تھا)

سوال: یہ تو پانچ باتیں ہوگئیں، جبکہ نبی ﷺ نے چار باتوں کا وعدہ فرمایا تھا؟

جواب: قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: یہ پانچوں باتیں ایمان باللہ کی شرح ہیں، یعنی یہ ایک ہی بات ہوئی، باقی تین

باتیں یا تو راوی بھول گیا یا اس نے اختصاراً چھوڑ دیا۔

اور ابن بطالؒ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے جن چار باتوں کا وعدہ فرمایا تھا وہ شہادتین، اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ اور صوم رمضان ہیں، پھر آپؐ نے ایک مزید بات بتلائی، جیسے ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا کہ ہم جنگل میں اونٹ چرانے جاتے ہیں، اور چھاگل میں پینے کے لئے پانی لے جاتے ہیں، پس اگر ذرا سا پاد نکل جائے تو کیا وضوء کئے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ پانی تھوڑا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلاَ تَأْتُوا النِّسَاءَ فِيْ أَعْجَازِهِنَّ: جب تم میں سے کوئی گوز مارے تو چاہئے کہ وضوء کرے اور تم عورتوں سے پچھلی راہ میں صحبت مت کرو (ترمذی حدیث ۱۱۴۷)

یہ آخری بات ان صاحب نے نہیں پوچھی تھی، یہ بات نبی ﷺ نے از خود بتائی، کیونکہ الشیئُ بالشیئِ یُذکر: بات سے بات نکلتی ہے، نبی ﷺ نے سائل کو ایک مزید بات بتلائی، اسی طرح یہاں بھی آپؐ نے چار باتوں کا وعدہ فرمایا تھا، پھر خیال آیا کہ ان کی مضر قبائل سے جنگیں ہوتی رہتی ہیں، اس لئے آپؐ نے ان کو ایک مزید بات بتلائی کہ تمہیں جو مالِ غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ مرکزی حکومت کو بھیجو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ابن بطالؒ کی تائید فرمائی ہے، اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک چار باتیں یہ ہیں: اقامت صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صومِ رمضان اور ادائے خمس اور آپؐ نے جو شروع میں ایمان باللہ کی شہادتین سے تفسیر فرمائی ہے وہ تمہید ہے، چار باتوں میں شامل نہیں، اس لئے کہ وہ لوگ مسلمان تھے، ان کو ایمان لانے کا حکم دینا بے معنی تھا۔

مگر ابن بطال رحمہ اللہ کی بات راجح ہے، اس لئے کہ آپؐ نے ان کو ایمان باللہ کا حکم دیا ہے، پھر وہ تمہید کیسے ہو سکتی ہے؟ اور رہی یہ بات کہ جب وہ لوگ مسلمان تھے تو ان کو ایمان کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان باللہ کا حکم ان لوگوں کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا ہے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وفد عبدالقیس نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہمیں جامع بات بتائیں تا کہ ہم خود بھی اس پر عمل کریں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس بات کی دعوت دیں، جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ سب مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بعض ان میں سے کافر تھے، اس لئے آپؐ نے ان کو ملحوظ رکھ کر پہلا حکم ایمان باللہ کا دیا، پھر اس کی وضاحت فرمائی، یعنی اس وفد کو یہ حکم دیا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے پہلے ان سے شہادتین کا اقرار لیا جائے، جب وہ شہادتین کا اقرار کر لیں تو پھر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور ادائے خمس کا حکم دیا جائے، اور تم خود بھی اور وہ بھی اس پر عمل کریں۔

### شراب کے برتنوں کی تفصیل اور ان میں نبیذ بنانے کا حکم:

آنحضور ﷺ نے ان کو چار برتنوں کے استعمال سے منع کیا: (۱) ہرے رنگ کا گھڑا (۲) تونبی یعنی کدو کا برتن (۳) لکڑی کھود کر بنایا ہوا برتن (۴) تارکول پھیرا ہوا برتن۔ ان چار برتنوں میں نبیذ بنائی جاتی تھی، نبیذ: فعیل کا وزن ہے اور

مَنبوذٌ کے معنی میں ہے، اور نَبَذَ الشيئَ کے معنی ہیں: ڈالنا، پانی میں کوئی چیز ڈالی جائے، جب وہ گل جائے اور اس کی شیرنی پانی میں آجائے مگر ابھی نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو وہ نبیذ ہے اور بالاتفاق حلال ہے۔

اور آنحضور ﷺ نے مذکورہ چار برتنوں میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع فرمایا کہ اس میں جلدی نشہ پیدا ہوجاتا ہے، جب گھڑے پر تارکول پھیر دیا جاتا ہے یا اس کو رنگ دیا جاتا ہے تو اس کے مسامات بند ہوجاتے ہیں اور تونبی میں اور لکڑی کے برتن میں مسامات ہوتے ہی نہیں، اس لئے ان میں جلدی گرمی پیدا ہوجاتی ہے، اور پانی میں ڈالی ہوئی چیز جلدی سڑ جاتی ہے، اور اس میں نشہ پیدا ہوجاتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ نشہ ہوگیا ہے، اس لئے آپؐ نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بنائیں اور اس کا منہ باندھ دیں، اگر اس میں گیس پیدا ہوگی تو مشکیزہ پھولے گا اور پتہ چل جائے گا کہ نشہ ہوگیا۔

اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت پہلے تھی پھر ختم ہوگئی، ترمذی شریف میں روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو چند برتنوں سے منع کیا تھا، اب جان لو کہ کوئی برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام، البتہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۲۹۱، ترمذی حدیث ۱۸۶۴) اور دوسری رائے [1] یہ ہے کہ ممانعت ابھی باقی ہے، اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ ممانعت کی علت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک ممانعت کی علت یہ ہے کہ لوگوں کو شراب کے برتن دیکھ کر شراب یاد آئے گی، یعنی تذکّرِ خمر علت ہے، جیسے کوئی بیڑی چھوڑنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ ماچس جیب میں نہ رکھے، کیونکہ جب بھی ماچس بجے گی بیڑی یاد آئے گی، اسی طرح اگر شراب کے برتن گھر میں رہیں گے تو جب بھی ان پر نظر پڑے گی شراب یاد آئے گی، اس لئے حضور ﷺ نے شراب کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت فرمادی، پھر جب طبیعتیں شراب سے ہٹ گئیں تو ممانعت ختم کردی گئی، اور دیگر حضرات کے نزدیک علت احتمالِ تخمر ہے، یعنی ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے اس لئے منع کیا گیا کہ ان میں مسامات نہیں ہوتے، اس لئے ان میں نبیذ جلدی بگڑ جاتی ہے، پس ان برتنوں کے حکم میں دھات کے تمام برتن ہونگے، اگر احتیاط سے ان برتنوں میں نبیذ بنائی جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے لفظِ اربع اس لئے استعمال کیا ہے کہ یاد رکھنے میں آسانی ہو، اگر کسی موقع پر تین ہی باتیں یاد رہیں گی تو آدمی غور کرے گا کہ چوتھی بات کیا ہے؟ پھر ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہر بات پر انگلی بند کی یعنی لفظ کے ساتھ اشارہ کو بھی شامل کیا، تاکہ سمجھنے میں بھی مدد ملے، پھر مزید تاکید فرمائی کہ ان باتوں کو یاد رکھنا اور پیچھے والوں کو بتانا۔

---

(۱) احناف وشوافع جمہور کے ساتھ ہیں یعنی وہ اس کے قائل ہیں کہ ممانعت منسوخ ہوچکی ہے اور حنابلہ ومالکیہ کے نزدیک اب بھی ممانعت باقی ہے۔

[٢٤-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَبَيْنَ النَّاسِ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ، فَقَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ الْوَفْدُ؟ أَوْ: مَنِ الْقَوْمُ؟" قَالُوْا: رَبِيعَةُ. قَالَ: " مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، أَوْ: بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا النَّدَامَى" قَالَ: فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ، وَإِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، وَإِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ. قَالَ: فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، قَالَ: أَمَرَهُمْ بِالإِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ، وَقَالَ: "هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الإِيْمَانُ بِاللّٰهِ"؟ قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ:" شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسًا مِنَ الْمَغْنَمِ" وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ. قَالَ شُعْبَةُ: وَرُبَّمَا قَالَ: النَّقِيرِ، قَالَ شُعْبَةُ: وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ. وَقَالَ:" احْفَظُوْهُ وَأَخْبِرُوْا بِهِ مَنْ وَرَائَكُمْ" وَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ فِي رِوَايَتِهِ:" مَنْ وَرَاءَ كُمْ" وَلَيْسَ فِي رِوَايَتِهِ: الْمُقَيَّرِ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تین اساتذہ سے روایت کی ہے، ابوبکر، محمد بن المثنی اور محمد بن بشار سے، وہ تینوں محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں، جن کا لقب غُندر ہے، ابوبکر نے لقب ذکر کیا ہے اور بصیغہ عن روایت کیا ہے، اور باقی دو حضرات نے نام لیا ہے اور تحدیث کی صراحت کی ہے۔ پھر محمد بن جعفر (غندر) نے شعبہ سے اور انھوں نے ابو جمرہ سے روایت کی ہے، ابو جمرہ کا نام نصر بن عمران ضُبَعی [1] ہے، وہ حدیثیں پڑھنے کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب حضرت ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، حضرت ابن عباسؓ نے اندازہ لگایا کہ یہ ذہین طالب علم ہے اور فارسی اچھی جانتا ہے، اور بصرہ فارسی علاقہ تھا، اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا: میرے پاس رک جا، مجھے جو وظیفہ ملتا ہے اس میں سے تجھے بھی کچھ دیدوں گا، اس زمانہ میں باقاعدہ تنخواہیں نہیں ملتی تھیں، لیکن حکومت کی طرف سے گورنروں کو، علماء کو اور دیگر دینی کام کرنے والوں کو وظیفے ملتے تھے، چنانچہ ابو جمرہ یہ سوچ کر رک گئے کہ حضرت سے حدیثیں سننے کا خوب موقع ملے گا، حضرت ابن عباسؓ ان کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھایا کرتے تھے، ابو جمرہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس دو ماہ ٹھہرے ہیں [2]۔

(۱) ابن عباسؓ کے ایک اور شاگرد ہیں ان کی کنیت ابو حمزہ (بالحاء والزاء) ہے، ان کا نام عمران بن ابی عطاء ہے۔

(۲) ابو جمرہ کے اعزاز و اکرام کی وجہ بخاری شریف (حدیث ۱۵۶۷) میں یہ آئی ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے حج و عمرہ ←

اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک بڑھیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئی، اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ روغنی گھڑے کی نبیذ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جائز نہیں، بڑھیا کے جانے کے بعد ابو جمرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا: میں تو روغنی گھڑے کی نبیذ پیتا ہوں، اور یہ بھی کہا کہ اگر میں زیادہ پی لوں، اور لوگوں کے ساتھ دیر تک بیٹھنا پڑے تو پیٹ میں گیس ہو جاتی ہے (بخاری حدیث ۴۳۶۸) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: پس مت پی، یہ نہیں فرمایا کہ وہ نبیذ جائز نہیں، پھر حضرت ابن عباسؓ نے وفد عبدالقیس کی حدیث سنائی (یہ تفصیل فتح الباری میں ہے)

**ملحوظہ**: حضرت ابن عباسؓ نے بڑھیا کو روغنی گھڑے کی نبیذ سے اس لئے روکا تھا کہ ان کے نزدیک ممانعت کی علت احتمالِ تخمّر ہوگی، اور ابو جمرہ کے نزدیک علت تذکرِ خمر ہوگی جو عرصۂ دراز گذر جانے کے بعد باقی نہیں رہی، اس لئے وہ روغنی گھڑے کی نبیذ پیتے تھے۔

اور دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بڑھیا کو اختیارِ اولی کے طور پر منع کیا ہوگا، یعنی روغنی گھڑے میں نبیذ بنانا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں۔

اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ شاید ابن عباسؓ کو وہ حدیث نہیں پہنچی ہوگی جس میں آنحضور ﷺ نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی ہے، مگر یہ جواب بہتر نہیں، راجح دوسری توجیہ ہے۔

**قولہ: کنت أُترجِم**: میں ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کا کام کیا کرتا تھا، یعنی بصرہ میں فارسی بولی جاتی تھی اور ابن عباسؓ فارسی نہیں جانتے تھے، اس لئے بعض اوقات ترجمانی کی ضرورت پڑتی تھی، اسی غرض سے ابن عباسؓ نے ابو جمرہ کو اپنے پاس روکا تھا...... **قولہ: من الوفد**: کس قبیلہ کے لوگ ہو؟ یا فرمایا: کس قوم کے نمائندے ہو؟ (شک

← دونوں کا احرام باندھا، تو بعض لوگوں نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مصلحتاً حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے منع کیا تھا، تاکہ خانہ کعبہ عمرہ کرنے والوں سے پورے سال آباد رہے، مگر بعض لوگوں نے اس مصلحت کو نہیں سمجھا اور انھوں نے حج کے ساتھ عمرہ کرنے کو ناجائز سمجھا اس لئے ابو جمرہ کو منع کیا، انھوں نے ابن عباسؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دیدی، پھر انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: حجٌّ مبرورٌ وعمرةٌ متقبَّلَةٌ: جب ابن عباسؓ کو یہ خواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ نبی ﷺ کا طریقہ تھا، اس خواب سے ابو جمرہ کا صلاح وتقوی معلوم ہوا، ان کو خواب میں جو خوشخبری سنائی گئی، یہ ان کے نیک ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ ان کا خاص اکرام کرنے لگے، ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا کرتے تھے اور اپنے وظیفہ میں سے کچھ دینے کا وعدہ بھی فرمایا، شعبہؒ کہتے ہیں: میں نے ابو جمرہ سے اس اعزاز واکرام کی وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا: للرّؤیا التی رأیتُ: یعنی خواب کو اعزاز واکرام کی وجہ بتائی۔ غرض: ابو جمرہ نیک آدمی تھے، فارسی اچھی جانتے تھے، اور بصرہ فارسی علاقہ تھا، اور حضرت ابن عباسؓ وہاں کے گورنر تھے، اس لئے ابن عباسؓ نے ان کو اپنے پاس روک لیا تاکہ ترجمانی کے فرائض انجام دیں، اور وظیفہ میں سے کچھ دینے کا وعدہ بھی کیا۔

راوی ہے)...... الوفد: باحیثیت یا بااقتدار لوگوں کے پاس کسی مقصد سے جانے والی منتخب افراد کی جماعت، ڈیلی گیشن، جمع وفود...... مَرحبًا بِالقوم: آپ لوگوں کا آنا مبارک! یا فرمایا: نمائندوں کا آنا مبارک! مَرحبا: ای أَتیتم مکانًا رَحْبًا: تم کشادہ جگہ آئے...... غیر خزایا: نہ رسوائی ہے، نہ پشیمانی، خَزَایَا: خزیان کی جمع ہے، رسوا...... نَدَامَی: نَدمان[1] کی جمع ہے: پشیمان، اس جملہ کا مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی دلجوئی کے طور پر فرمایا: تمہارا آنا مبارک! نہ غمگین ہونے کی ضرورت ہے نہ پشیمان ہونے کی، پرانی باتیں بھولی بسری ہوگئیں...... شُقَّة بعیدة: شُقَّة کے معنی ہیں: مسافت، یعنی ہم دور علاقے سے آئے ہیں، وفد عبدالقیس بحرین سے آیا تھا...... شهر الحرام: اور ایک روایت میں أشهر الحرام ہے، شہر الحرام سے جنس شہر الحرام مراد ہے، اور وہ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، عرب اشہر حرم کی حرمت ملحوظ رکھتے تھے اور جنگ وجدال سے باز رہتے تھے...... شهادة: مرفوع ہے، کیونکہ هي مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور إقام وغیرہ مرفوع اور مجرور دونوں ہوسکتے ہیں، اگر ان کا عطف شهادة پر کیا جائے تو مرفوع ہونگے اور مطلب ہوگا کہ اللہ پر ایمان لانے میں شہادتین، اقامتِ صلوٰۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صوم رمضان اور مالِ غنیمت میں سے خمس ادا کرنا: یہ سب باتیں شامل ہیں...... اور اگر عطف الإيمان پر کیا جائے تو مجرور ہونگے، اور ایمان باللہ کی شرح صرف شہادتین ہونگی، باقی اعمال ایمان سے خارج ہونگے، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے جن چار باتوں کا وعدہ فرمایا تھا ان میں سے باقی باتیں یہ ہیں۔ اور ادائے خمس کا حکم افادۂ مزید ہوگا (تفصیل اوپر آچکی ہے) قَالَ شعبة: جن چار برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا وہ یہ ہیں: دُبَّاء: تونبی، سوکھا کدو، حَنتم: ہرے رنگ کا گھڑا، مُزَفَّت: تارکول پھیرا ہوا گھڑا، چوتھا برتن کیا تھا؟ شعبہ کہتے ہیں: ابوجمرہ نے کبھی نقیر کہا یعنی لکڑی کھود کر بنایا ہوا برتن اور کبھی مُقَيَّر کہا، یعنی تارکول پھیرا ہوا برتن، مگر صحیح پہلا لفظ ہے، اس صورت میں چار برتن ہونگے، کیونکہ مُقَيَّر اور مُزَفَّت ایک ہیں...... نَقَرَ يَنقُرُ نَقرًا: لکڑی تراش کر برتن

(۱) نَدَامی: کو ندمان کی جمع ماننے میں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ معنی درست نہیں ہوتے، کیونکہ ندمان کے معنی مصاحب وساتھی کے آتے ہیں جو یہاں مراد نہیں، اور نادم کی جمع مانیں تو معنی تو درست ہونگے، مگر ندامت سے نادم کی جمع نادمون آتی ہے، چنانچہ نسائی میں ہے: ليس خزايا ولا النادمين: پس نادم کی جمع ندامی ماننا بھی صحیح نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں تحسینِ کلام کے لئے پڑوس کی مناسبت سے خلاف قیاس جمع لائی جاتی ہے، جیسے کہتے ہیں: العشايا والغدايا: جبکہ غداۃ کی جمع غدوات آتی ہے، لیکن عشایا کی مناسبت سے خلاف قیاس جمع لے آئے، اسی طرح: لادريتَ ولاتَلَيتَ: حالانکہ تَلَوْتَ ہونا چاہئے تھا، غرض عربی میں تحسینِ کلام کے طور پر خلاف قیاس الفاظ استعمال کرتے ہیں، پس یہاں بھی پڑوس کی رعایت میں نادمين کی جگہ نَدَامی کہہ دیا۔

مگر علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ نادم اور ندمان دونوں شرمندگی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اس صورت میں ندامی قاعدہ کے مطابق ندمان کی جمع ہوگی (فتح الملہم)

بنانا، اور زِفت کے معنی ہیں: تارکول، یا تارکول کی طرح کا دوسرا مسالہ، زَفَتَ الشیئَ کے معنی ہیں: تارکول کی طرح کی کوئی چیز ملنا، اور القار اور القِیر کے معنی بھی تارکول یا تارکول جیسا کالا روغن ہے، جسے کشتی پر ملتے تھے، اور القَیّار کے معنی ہیں: تارکول فروش، اور قَیَّر السفینة کے معنی ہیں: کشتی کو تارکول ملنا، اس سے المُقَیَّر (اسم مفعول) ہے

[٢٥-] حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ. ح: وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ الْجَهْضَمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، قَالاَ جَمِيْعًا: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، نَحْوَ حَدِيْثِ شُعْبَةَ، وَقَالَ: "أَنْهَاكُمْ عَمَّا يُنْبَذُ فِي الدُّبَّاءِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ" وَزَادَ ابْنُ مُعَاذٍ فِيْ حَدِيْثِهِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِلْأَشَجِّ، أَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: "إِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاءَ ةُ.

وضاحت: یہ قُرّہ بن خالد کی روایت ہے، انھوں نے بھی شعبہ کی طرح ابو جمرہ سے روایت کی ہے اور دونوں کی روایت ہم معنی ہے ـــــ أشج عبد القیس: ان کا نام منذر بن عائذ ہے، ان کے چہرے میں زخم کا نشان تھا، اس لئے اشج کہلاتے تھے، اور قبیلۂ عصر سے تعلق تھا اس لئے اشج عصری بھی کہلاتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ ورسول پسند فرماتے ہیں'' جب وفد عبد القیس مدینہ منورہ پہنچا تو سب لوگ جذبۂ محبت میں سرشار، جانوروں کو یونہی چھوڑ کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوگئے، مگر اشج عصری نے سنجیدگی کو قائم رکھا، بالکل جلد بازی نہیں کی، سب کے جانور باندھ کر سامان اتار کر ٹھکانہ سے رکھا، پھر نہا دھو کر اور شاندار کپڑے پہن کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی ﷺ نے ان کو اپنے قریب بٹھایا، اور حاضرین سے فرمایا: ''تم لوگ اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے میرے ہاتھ پر بیعت کرو'' سب بیعت کرنے کے لئے راضی ہوگئے، مگر اشج عصری نے عرض کیا: یارسول اللہ! آدمی دین ومذہب کے معاملہ میں جتنا سخت ہوتا ہے کسی اور بات میں اتنا سخت نہیں ہوتا، معلوم نہیں وہ دعوت قبول کریں گے یا نہیں، اس لئے ہم صرف اپنی طرف سے بیعت کریں گے اور واپس جا کر اپنی قوم کو دین کی دعوت دیں گے، اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو ہمارے بھائی ہیں، ورنہ ہم ان سے قتال کریں گے۔ نبی ﷺ کو ان کی بات پسند آئی، آپؐ نے ان کی بات کی تائید کی اور فرمایا: ''تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ ورسول پسند کرتے ہیں''[1] انھوں عرض کیا: یارسول اللہ! یہ

(۱) یہاں سے پتہ چلا کہ کسی کے منہ پر تھوڑی تعریف کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ممدوح کے خود فریبی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ تعریف کے پل باندھنا جائز نہیں، کیونکہ مبالغہ آرائی میں جھوٹ شامل ہوجاتا ہے، اور ممدوح خود فریبی میں مبتلا ہوجاتا ہے، ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے دوسرے کی منہ پر تعریف کی تو آپؐ نے فرمایا: قَتَلْتَ أخیک: تو نے اپنے بھائی کو مار ڈالا، یعنی اس کو خود فریبی میں مبتلا کردیا، پس ایسی صورت میں خود ممدوح کو چاہئے کہ اپنی ناگواری کا اظہار کرے (تحفۃ الالمعی ۶: ۱۷۰)

خصلتیں میرے اندر فطری ہیں یا کسبی؟ آپؐ نے فرمایا: فطری، پس انھوں نے دربارِ خداوندی میں حمد وشکر کا نذرانہ پیش کیا —— الحِلم :(۱) عقل ودانائی (۲) غصہ کو ضبط کرنا، بردباری —— الأناة :(۱) سوچ کر کام کرنا، جلد بازی نہ کرنا (۲) معاملہ فہمی (۳) انجام پیش نظر رکھ کر قدم اٹھانا —— ان کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، نصب کی صورت میں خصلتین سے بدل ہونگے اور رفع کی صورت میں مبتدا محذوف کی خبر۔

[۲۶-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي عَرُوْبَةَ[1]، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْ لَقِيَ الْوَفْدَ الَّذِيْنَ قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ. قَالَ: سَعِيْدٌ: وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فِي حَدِيْثِهِ هٰذَا أَنَّ أُنَاسًا مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّا حَيٌّ مِنْ رَبِيْعَةَ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، وَلاَ نَقْدِرُ عَلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحُرُمِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْمُرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، إِذَا نَحْنُ أَخَذْنَا بِهِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَأَقِيْمُوْا الصَّلاَةَ، وَآتُوْا الزَّكَاةَ، وَصُوْمُوْا رَمَضَانَ، وَأَعْطُوْا الْخُمُسَ مِنَ الْغَنَائِمِ. وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيْرِ" قَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! مَا عِلْمُكَ بِالنَّقِيْرِ؟ قَالَ:" بَلٰى جِذْعٌ تَنْقُرُوْنَهُ، فَتَقْذِفُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، قَالَ: سَعِيْدٌ: أَوْ قَالَ: مِنَ التَّمْرِ- ثُمَّ تَصُبُّوْنَ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ، حَتّٰى إِذَا سَكَنَ غَلَيَانُهُ شَرِبْتُمُوْهُ، حَتّٰى إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ: إِنَّ أَحَدَهُمْ - لَيَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهِ بِالسَّيْفِ" قَالَ: وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذٰلِكَ. قَالَ: وَكُنْتُ أَخْبَأُهَا حَيَاءً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَقُلْتُ: فَفِيْمَ نَشْرَبُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:" فِي أَسْقِيَةِ الأَدَمِ، الَّتِي يُلاَثُ عَلٰى أَفْوَاهِهَا" قَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّ أَرْضَنَا كَثِيْرَةُ الْجِرْذَانِ، وَلاَ تَبْقَى بِهَا أَسْقِيَةُ الأَدَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ! وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ! وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ!" قَالَ: وَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ:" إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الْحِلْمُ وَالأَنَاةُ"

**وضاحت:** وذكر قتادةُ أبا نضرة: اس کا مطلب یہ ہے کہ قتادہؒ نے یہ حدیث ابونضرہؒ سے سنی ہے (ان کا نام

(۱) سعید بن ابی عروبہ کی کنیت ابونضر ہے، کہتے ہیں کہ انھوں نے عمر بھر کسی عورت کو نہیں چھوا، آخر عمر میں ان کو اختلاط ہوگیا تھا، یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ ۱۴۲ ہجری میں ابراہیم بن عبداللہ کی شکست کے بعد ان کو اختلاط ہوا ہے، اختلاط سے قبل کی روایات مقبول ہیں بعد کی نہیں، علامہ عثمانیؒ نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ صحیحین میں جو بھی روایت ہے وہ اختلاط سے قبل کی ہے، پس حجت ہے (فتح الملہم)

منذر بن مالک ہے) اور انھوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے (ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے) ـــــ پہلے سعید بن ابی عروبہ نے بالاجمال کہا کہ قتادہ نے اس شخص سے حدیث روایت کی ہے جس نے وفد عبدالقیس سے ملاقات کی تھی، پھر تفصیل کی کہ وہ شخص ابوسعید خدریؓ ہیں، ان سے ابونضرہ نے اور ان سے قتادہ نے روایت کی ہے ـــــ أعبدوا اللّٰہ: یہ رواۃ کا تصرف ہے ـــــ ما علمک بالنقیر؟ آپ جانتے ہیں کہ نقیر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، وہ جڑ ہے جس کو تم کھودتے ہو، یعنی درخت کی جڑ کھود کر برتن بناتے ہیں، پھر اس میں چھوٹی چھوٹی کھجوریں ڈالتے ہو (قُطیعاء: کھجور کی ایک قسم ہے جو چھوٹی ہوتی ہے جس کو شہریز بھی کہتے ہیں، یا حضورؐ نے التمر فرمایا، راوی کو شک ہے) پھر اس میں کچھ پانی ڈالتے ہو، یہاں تک کہ جب اس کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے یعنی نشہ پیدا ہو جاتا ہے تو تم اس کو پیتے ہو، یہاں تک کہ تم اپنے چچازاد بھائی کو تلوار سے مارتے ہو، یعنی اس کو پی کر ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہو، اور اپنے پرایے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ راوی کہتا ہے: اور مجمع میں ایک شخص تھا جس کو اس طرح زخم لگا تھا (اس کا نام جہم تھا) وہ آپؐ سے شرما کر زخم چھپا رہا تھا، اس نے عرض کیا: ہم کس برتن میں نبیذ پئیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: اس چمڑے کے مشکیزے میں جس کا منہ باندھ دیا گیا ہو، ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقہ میں چوہے بہت ہیں، وہ چمڑے کے مشکیزے کو چھوڑیں گے نہیں، اس کو کاٹ دیں گے، آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: اگرچہ ان کو چوہے کاٹ دیں! تو بھی چمڑے کے مشکیزے میں نبیذ بناؤ۔

لغات: یُلاث: واحد مذکر غائب مجہول، لاث یلوث لوثا علی الفم: منہ باندھنا...... العمامۃ علی رأسہ: سر پر پگڑی لپیٹنا...... أفواہ: الفوہ کی جمع: منہ...... قُطیعاء: ایک خاص قسم کی چھوٹی کھجور، جس کو شہریز کہتے ہیں...... الأسقیۃ: سقاء کی جمع: چمڑے کا مشکیزہ...... أدیم: دباغت دیا ہوا چمڑا...... جرذان (جیم کا کسرہ وضمہ) جُرَذ کی جمع: چوہا۔

[۲۷-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ حَدَّثَنِيْ غَيْرُ وَاحِدٍ لَقِيَ ذَاكَ الْوَفْدَ، وَذَكَرَ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ. غَيْرَ أَنَّ فِيْهِ: "وَتَذِيْفُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ، أَوِ التَّمْرِ، وَالْمَاءِ" وَلَمْ يَقُلْ: قَالَ سَعِيْدٌ أَوْ قَالَ: "مِنَ التَّمْرِ"

قولہ: حدثنی غیر واحد: متعدد حضرات اس حدیث کے راوی ہیں جن سے قتادہ نے روایت سنی ہے، اور ابونضرہ کے واسطہ سے ابوسعید خدریؓ سے بھی روایت کی ہے ـــــ یہ ابن عدی کی روایت ہے جو ابن علیہ کی روایت کے مثل ہے، بس اتنا فرق ہے کہ ابن علیہ کی روایت میں قُطیعاء اور تمر میں راوی کو شک تھا اور یہاں أو تنویع کا ہے یعنی شک راوی نہیں ہے ـــــ تَذیفون: ذَاف یذیف (ذال معجمہ) اور داف یدیف (دال مہملہ) اور ایک روایت میں باب افعال

سے أذاف يذيف: سب کے معنی ہیں: ملانا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ. ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو قَزَعَةَ، أَنَّ أَبَا نَضْرَةَ أَخْبَرَهُ، وَحَسَنًا أَخْبَرَهُمَا، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاءَ كَ! مَاذَا يَصْلُحُ لَنَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ؟ فَقَالَ: "لاتَشْرَبُوا فِي النَّقِيرِ" قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! جَعَلَنَا اللّٰهُ فِدَاءَ كَ! أَوَ تَدْرِي مَا النَّقِيرُ؟ قَالَ:" نَعَمْ، الْجِذْعُ يُنْقَرُ وَسَطُهُ، وَلاَ فِي الدُّبَّاءِ وَلاَ فِي الْحَنْتَمَةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالْمُوكَى"

وضاحت: قوله: أن أبا نضرة أخبره وحسناً أخبرهما: حسن سے مراد حسن بن مسلم بن یناق ہیں، اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ابونضرہ نے یہ حدیث ابوقزعہ اور حسن بن مسلم سے بیان کی، أخبرهما: پہلے جملہ کی تاکید ہے، جیسے إن زيدًا جاء نی وعَمْرًا جاء انی میں زید اور عمرو دونوں إنّ کا اسم ہیں، اور دونوں کے آنے کی خبر دی گئی ہے، اور جاء انی: تثنیہ تاکیداً لایا گیا ہے، اسی طرح ابونضرہ نے یہ حدیث ابوقزعہ اور حسن دونوں سے بیان کی ہے، اور أخبرهما میں تثنیہ کی ضمیر لاکر بطور تاکید وہ بات ذکر کی ہے —— فداک: اللہ آپ پر ہمیں قربان کریں، فداء کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پر جو مصیبت آنی ہے وہ آپ پر نہ آکر ہم پر آئے —— الجذع: درخت کا تنہ، جمع: أجذاع وجذوع —— ينقر: نَقَرَ يَنْقُرُ نقرًا الخَشَبَ: کھودنا، کریدنا —— المُوكَى: وہ مشکیزہ جس کا منہ باندھ دیا گیا ہو، وِكاءٌ: وہ رسّی جس سے مشکیزہ کا منہ باندھا جائے۔

## بَابُ الدُّعَاءِ إِلَى الشَّهَادَتَيْنِ وَشَرَائِعِ الإِسْلاَمِ

### شہادتین اور احکامِ اسلامی کی دعوت

گذشتہ باب میں یہ نصیحت کی تھی کہ دوسروں کو بھی اللہ و رسول پر ایمان لانے کی دعوت دو اور احکام شرعیہ پر لانے کی کوشش کرو، اب یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ احکام اسلامی بتدریج ان کے سامنے پیش کرو، سب احکام ایک ساتھ پیش مت کرو، اگر ایک ساتھ تمام احکام پیش کئے جائیں گے تو ممکن ہے ان کے ذہن پر بوجھ پڑے اور وہ گھبرا جائیں، اور پیچھے ہٹ جائیں، اس لئے الاہم فالاہم کا اصول ملحوظ رکھو، جو حکم سب سے زیادہ اہم ہو، پہلے وہ پیش کیا جائے، پھر جب لوگ اسے قبول کرلیں تو ان کو دیگر احکام بتدریج بتائے جائیں، اور بنیادی حکم توحید و رسالت ہے، پس لوگوں کو سب سے پہلے اس کی دعوت دو، جب وہ اس دعوت کو قبول کرلیں اور اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیں تو اب کرنے

والے کام ان کو بتاؤ، اوران میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو نبی ﷺ نے ان کو اس کی ہدایت دی تھی۔

## [۷- بَابُ الدُّعَاءِ إِلَى الشَّهَادَتَيْنِ وَشَرَائِعِ الإِسْلَامِ]

[۲۹-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، جَمِيْعًا عَنْ وَكِيْعٍ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِيْ مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: وَرُبَّمَا قَالَ وَكِيْعٌ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاذًا قَالَ: بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "إِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِيْ فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ"

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے نبی ﷺ نے (یمن کا گورنر بنا کر) بھیجا پس فرمایا: بیشک تم ایسے لوگوں کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں، پس ان کو اس گواہی کی طرف بلاؤ کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، پس اگر وہ یہ بات قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ یہ بات قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے، جو مالداروں سے لی جائے گی اور غریبوں پر خرچ کی جائے گی، پس اگر وہ یہ حکم قبول کرلیں تو ان کے بہتر مالوں سے بچو(كرائم أموالهم: درحقیقت مرکب توصیفی ہے أي أموالٌ كريمةٌ) اور مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، یعنی مظلوم کی آہ سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

### تشریح:

۱- یمن میں زیادہ تر عیسائی تھے، وہاں کے پادریوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا تھا، انھوں نے نبی ﷺ سے بحث ومباحثہ کیا تھا، اس موقع پر سورۂ آل عمران کی شروع کی ۹۰ آیتیں نازل ہوئی تھیں، اوران کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی، مگر انھوں نے باہمی مشورہ کرکے مباہلہ سے انکار کیا، اور اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کرلی، اس مصالحت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یمن کے دو مخلاف[1] (پرگنے) بنائے، ایک پرگنہ کا گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے کا

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ یمن کے پانچ حصے کئے تھے، اور حضرت معاذ، ابوموسیٰ اشعری، خالد بن سعید، مہاجر بن ابی امیہ ←

گورنر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا، مذکورہ حدیث اسی موقعہ کی ہے۔

جب آنحضور ﷺ نے ان کو گورنر بنا کر روانہ کیا تو مختلف ہدایتیں دی تھیں، ان میں سے ایک ہدایت یہ تھی کہ اہل یمن کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے تمام ادیان منسوخ ہوگئے، حتی کہ نبی ﷺ سے قریب ترین پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین بھی منسوخ ہوگیا۔ اب نجات صرف نبی ﷺ کے دین کو قبول کرنے میں ہے، دینِ عیسوی یا دینِ موسوی یا کسی اور نبی کی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہیں ہوگی۔

اور دوسری ہدایت یہ دی تھی کہ احکامِ اسلامیہ بتدریج ان کے سامنے پیش کئے جائیں، سب احکام ایک ساتھ پیش نہ کئے جائیں، اگر ایک ساتھ تمام احکام پیش کئے جائیں گے تو ممکن ہے ان کے ذہنوں پر بوجھ پڑے اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جائیں، اس لئے الأهم فالأهم کے قاعدہ سے جو حکم سب سے زیادہ اہم ہے وہ پہلے پیش کیا جائے، پھر جب لوگ اسے قبول کرلیں تو ان کو دیگر احکام بتدریج بتائے جائیں، اور بنیادی حکم توحید ورسالتِ محمدی ہے، یہود ونصاری توحید کے تو قائل ہیں مگر محمد ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں، پس ان کو توحید کے ساتھ رسالتِ محمدی ﷺ کی بھی دعوت دی جائے، جب وہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ تسلیم کرلیں تو وہ خود سمجھ جائیں گے کہ ہر فرستادہ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور لاتا ہے، وہ خالی ہاتھ نہیں آتا، اس لئے اب ان کو عملی احکام میں سے جو سب سے اہم حکم ہے یعنی نماز کی دعوت دی جائے۔

اور نماز کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو سے وہ آسان ہے اور دوسرے پہلو سے ذرا بھاری ہے۔ آسان پہلو یہ ہے کہ نماز میں کچھ خرچ نہیں ہوتا، اور بھاری پہلو یہ ہے کہ روزانہ پانچ بار نماز پڑھنا مشکل ہے، جب آسان پہلو سے دعوت دیں گے تو اس کی کوئی مصلحت بتانے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمارے ذمہ اللہ کی بندگی (عبادت) ہے، پھر جب وہ یہ حکم قبول کرلیں تو دوسرے اہم حکم زکوۃ کی دعوت دی جائے، اور زکوۃ کے بھی دو پہلو ہیں: ایک آسان اور دوسرا بھاری۔ اس اعتبار سے کہ زکوۃ میں مال نکالنا پڑتا ہے بھاری حکم ہے، آدمی چمڑی دے سکتا ہے مگر دمڑی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس اعتبار سے آسان ہے کہ وہ سال میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، دل پر جبر کرکے ایک مرتبہ زکوۃ نکال دی جائے تو سال بھر کے لئے چھٹی ہوجاتی ہے، نماز کی طرح زکوۃ بار بار فرض نہیں، پس اگر زکات کا جو بھاری پہلو ہے اس کے لحاظ سے دعوت دی جائے گی تو اس کی مصلحت بھی بتانی ہوگی۔

علاوہ ازیں زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ کا سردار ہر شخص کی آمدنی سے کچھ (مثلاً چوتھائی) لیا کرتا تھا تاکہ وہ اس آمدنی سے ٹھاٹھ کرے، اب اسلام بھی زکوۃ کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ زکوۃ نبی ﷺ کے ٹھاٹھ کے لئے لی

← اور زیاد بن لبید کو ان پر عامل بنایا تھا (فتح الملہم) مگر عام طور پر روایات میں حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجنے کی بات آئی ہے۔

جارہی ہے، اس لئے بھی مصلحت بتانی ضروری ہے کہ زکوۃ نبی ﷺ کے لئے نہیں لی جارہی، ان پر اوران کے خاندان پر حتیٰ کہ ان کے موالی پر بھی زکوۃ حرام ہے، بلکہ زکوۃ اس لئے لی جاتی ہے کہ تمہارے قبیلہ میں، تمہارے پڑوس میں جو غریب غرباء ہیں ان پر خرچ کی جائے اور غرباء کی مدد کرنا اور رفاہی کاموں میں خرچ کرنا سب کو پسند ہے، اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا جذبہ ہر انسان میں ودیعت فرمایا گیا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے یہ مصلحت بیان کی جائے گی تو غلط فہمی دور ہوگی اوران کے لئے زکوۃ نکالنا آسان ہوگا۔

۲- حدیث مذکور میں نماز اور زکوۃ کا تذکرہ بطور مثال ہے، بدنی عبادت میں سے اہم کولیا ہے اور مالی عبادت میں سے بھی اہم کولیا ہے اور مراد پورے دین اسلام کی دعوت ہے، محض شہادتین اور نماز وزکوۃ کی دعوت مراد نہیں۔

سند کا بیان:

قوله: وربما قال وكيع: امام مسلم رحمہ اللہ کے تین استاذ ہیں جن سے حضرت نے یہ حدیث روایت کی ہے: ابوبکر، ابوکریب اور اسحاق بن ابراہیم، تینوں نے وکیع سے روایت کی ہے، مگر ابوکریب اور اسحاق نے عن معاذ بن جبل کہا ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاذؓ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور ابوبکر کہتے ہیں کہ وکیع نے کبھی عن معاذ کہا اور کبھی أنَّ معاذًا، یعنی ابن عباسؓ نے کبھی حضرت معاذؓ سے روایت کی اور کبھی واقعہ کو طور پر بیان کیا، اکثر علماء کے نزدیک أنَّ: عن کی طرح ہے یعنی أنَّ کی بھی اتصالِ سند پر دلالت ہے جیسا کہ عن سند متصل کے لئے ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ أنَّ انقطاع پر محمول ہے، اس صورت میں روایت مرسل صحابی ہوگی، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ مرسل صحابی بالاجماع حجت اور بحکم متصل ہے (صرف ابواسحاق الاسفرائنی کا اختلاف ہے)

[۳۰-] حدثنا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: "إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا" بِمِثْلِ حَدِيثِ وَكِيعٍ.

[۳۱-] حدثنا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ- وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ - عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ: قَالَ:" إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا، فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ"

وضاحت: یہ حدیث زکریا بن اسحاق سے وکیعؒ کے علاوہ بشر بن السّریؒ اور ابو عاصم نے بھی روایت کی ہے، ان کا بیان بھی یہی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے ـــــ اسی طرح یحیٰ بن عبداللہ سے زکریا بن اسحاق کے علاوہ ابن علیہ بھی روایت کرتے ہیں، ان کی روایت میں بھی بیان واقعہ کی بات ہے ـــــ **قوله: فلیکن أول:** ترجمہ: ''پس چاہئے کہ ہو پہلی وہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلائیں اللہ عزوجل کی عبادت'' اور بعض روایات میں **علی أن یُوحّدوا اللّٰہ** ہے، اور اکثر روایات میں **فادعهم إلی شهادة أن لا إلٰه إلا اللّٰہ** ہے، یہ سب رواۃ کا تصرف ہے اور مفہوم ومصداق سب کا ایک ہے ـــــ **فإذا عرفوا اللّٰہ:** سے یہ استدلال کہ یہود ونصاریٰ کو خدا کی معرفت حاصل نہیں تھی، درست نہیں، کیونکہ اس سے مراد توحید ورسالت کا اقرار واطاعت ہے، چنانچہ پہلی روایت میں **فإن هم أطاعوک** ہے۔

**قوله: فإن هم أطاعوا لذلک:** اس سے حافظ رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار فروعات (نماز روزہ وغیرہ) کے مکلف نہیں، کیونکہ ان کو اولاً ایمان کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے پھر اعمال کی دعوت کا اور اعمال کے لئے ایمان کو شرط گروانا گیا ہے، معلوم ہوا کہ کفار ایمان لانے کے بعد ادائیگی اعمال کے مکلف ہونگے، قبولِ ایمان سے پہلے وہ اعمال کے مکلف نہیں۔ مگر یہ استدلال محلِ نظر ہے، اس لئے کہ دعوت میں ترتیب سے یہ لازم نہیں آتا کہ وجوب میں بھی ترتیب ہو، ورنہ تو نماز اور زکوۃ میں بھی ترتیب ہوگی، وہ بھی شرط وجزاء کے ساتھ مذکور ہیں تو کیا اس سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اسی پر ادائے زکوۃ لازم ہے، اور بے نمازی حکم زکوۃ کا مخاطب نہیں؟ ظاہر ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔ غرض وجوب میں ترتیب ملحوظ نہیں، ہاں نماز اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ ہر مکلّف پر فرض ہے اور بار بار فرض ہوتی ہے، جبکہ زکوۃ صرف اغنیاء پر اور وہ بھی سال میں ایک دفعہ، اس وجہ سے نماز کو زکوۃ پر مقدم کیا، اسی طرح اعمال میں ایمان اہم ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔

## کیا کفار فروعات کے مکلّف ہیں؟

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ کفار ایمان کے مخاطب ہیں، اس لئے کہ یہی بنیادی حکم ہے، اور انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہی ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾: آپؐ فرما دیجئے! میں تم سبھوں کی طرف اللہ کا قاصد ہوں۔ البتہ کفار فروعات (نماز، روزہ وغیرہ) کے مکلّف ہیں یا نہیں؟ تو جاننا چاہئے کہ اعمال تین طرح کے ہیں: عبادات، معاملات اور عقوبات، اس میں تو اتفاق ہے کہ ایمان کے ساتھ عقوبات اور معاملات کے بھی مکلّف ہیں گو کہ بعض مسائل میں وہ مستثنیٰ ہیں، جیسے حد شرب اور شراب وخنزیر کی باہم خرید وفروخت وغیرہ احکام۔

اور عبادات کے بارے میں علماء احناف کے بنیادی اقوال تین ہیں:

(۱) علماء سمرقند اور مشائخ ماوراء النہر کے نزدیک صرف اعتقاداً مخاطب ہیں، اداءً نہیں، پس بروز قیامت ان کو عدم اعتقاد کی وجہ سے عذاب ہوگا، عدم ادائیگی کی وجہ سے نہیں۔

(۲) اور عراقی علماء اعتقاد اور اداء دونوں اعتبار سے مخاطب مانتے ہیں، پس عدم اعتقاد اور عدم اداء دونوں جہت سے وہ معذب ہونگے[۱]۔

(۳) اور بعض احناف کہتے ہیں کہ کفار عبادات کے سرے سے مخاطب نہیں، نہ اعتقاداً نہ اداءً، پس قیامت کے دن ایمان نہ لانے کی وجہ سے تو ان کو عذاب ہوگا، عبادات پر عدم اعتقاد اور عدم ادائیگی کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے عراقیین کے قول کو ترجیح دی ہے، تفصیل فتح الملہم (۱:۳۶۷) میں ہے۔

**قوله: خمس صلوات:** وتر کے عدم وجوب پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس حدیث میں اسلام کے تمام ارکان واحکامات کا استقصاء نہیں کیا گیا، بلکہ ترتیب وار تین احکام کا ذکر اس غرض سے ہے کہ دعوت وتبلیغ میں تدریج وتسہیل ضروری ہے، تمام احکام کی یکبارگی دعوت اصولِ تبلیغ کے منافی ہے، نیز وتر مستقل فرض (واجب) نہیں، بلکہ وہ عشاء کے تابع ہے۔

**قوله: تؤخذ من أغنيائهم:** زکوٰۃ وصول کرنا امام کا حق ہے، اگر کوئی دینے سے انکار کرے تو امام المسلمین کو جبر کرنے کا حق ہے، علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عہدِ رسالت میں اور دورِ صدیقی وفاروقی میں ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ گورنمنٹ کے کارندے پہنچ کر وصول کرتے تھے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں جب مال کی فراوانی ہوئی تو حالات کے پیش نظر اربابِ اموال کو اجازت دی کہ وہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ از خود ادا کریں، سرکاری سطح پر صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی۔ تفصیل بدائع الصنائع (۳:۸۵) اوائل کتاب الزکاۃ میں ہے[۲]۔

**قوله: على فقرائهم: أي فُقراء المسلمين:** اس معنی کر اموالِ زکوٰۃ کو دیگر جگہوں میں منتقل کرنا جائز ہوگا، احناف اسی کے قائل ہیں، اگرچہ افضل یہی ہے کہ ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل نہ کی جائے، البتہ اگر دوسری جگہ کے فقراء کی ضرورت زیادہ ہو یا اپنے اعزہ واقارب مستحق ہوں تو منتقل کر سکتے ہیں، اور امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ عدم جواز

---

(۱) اگرچہ علماء عراق نے اعتقاد اور اداء دونوں جہت سے مخاطب مانا ہے مگر ان کے نزدیک بھی ایمان لانے کے بعد زمانۂ کفر کی نماز وغیرہ کی قضاء واجب نہیں۔

(۲) اموالِ ظاہرہ: تین قسم کے اموال ہیں: (۱) مویشی (۲) وہ پیداوار جہاں ساعی پہنچ جائے (۳) اور وہ مالِ تجارت جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے، ان کی زکوٰۃ گورنمنٹ لے گی، اور باقی اموال جیسے سونا، چاندی اور مقامی جگہ میں کی جانے والی تجارت وغیرہ اموالِ باطنہ ہیں، ان کی زکوٰۃ مالکین از خود نکالیں گے (شامی ۳:۲۴۴، مطبع زکریا)

کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے زکوٰۃ دوسری جگہ منتقل کردی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری ہوگا (مگر اب شوافع کا اس پر عمل نہیں)

## بَابُ الْأَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حتى يَقُوْلُوْا: لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحمدٌ رَسولُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوْا الصَّلوةَ، وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ، وَيُؤْمِنُوْا بِجَمِيْعِ مَاجَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَّ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ عَصَمَ نفسَه ومالَه إِلَّا بِحَقِّهَا، وو كُلِّلَتْ سَرِيرَتُه إِلى اللّٰهِ تَعالٰى، وَقِتَالُ مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ أَوْ غَيْرَها مِنْ حُقوقِ الإِسْلَامِ واهْتِمَامُ الإِمامِ بِشَعَائِرِ الإِسْلَامِ

## لوگوں سے قتال کا حکم جب تک وہ توحید و رسالت کا اقرار نہ کریں اور نمازوں کا اہتمام نہ کریں، اور زکوٰۃ ادا نہ کریں، اور جو دین نبی ﷺ کے ذریعہ آیا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور جو شخص یہ امور انجام دے اس کی جان و مال محفوظ ہیں، مگر حق شریعت کی وجہ سے، اور اس کا بھید (اخفاء کفر) اللہ کے حوالہ ہے، اور جو شخص زکوٰۃ وغیرہ حقوقِ اسلامی ادا کرنے سے انکار کرے اس سے لڑنا اور امام المسلمین کا شعائر اسلام کی حفاظت کرنا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر لوگ ایمان قبول نہ کریں بلکہ مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں تو ان سے قتال کیا جائے، لیکن قتل و قتال کی اجازت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ توحید و رسالتِ محمدی کا اقرار نہ کریں، جب وہ توحید و رسالت کا اقرار کرلیں اور نماز روزہ سمیت پوری شریعت کو تسلیم کرلیں تو اب ان سے قتال جائز نہیں۔ اب ان کی جان و مال محفوظ ہونگے، جس طرح مسلمانوں کے باہم جان و مال محفوظ ہیں، ان کی جان و مال بھی محفوظ ہونگے۔ نو مسلموں کی جان و مال اور آبرو پر دست درازی حرام اور ناقابل معافی جرم ہے، اور اگر کوئی توحید و رسالت کا اقرار کرے مگر دل میں کفر کو چھپائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، قیامت میں اس کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا، لیکن دنیا میں اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے گا، البتہ اگر کوئی توحید و رسالت کا اقرار تو کرے، مگر نماز، زکوٰۃ اور دیگر شعائر کا انکار کرے تو وہ بحکم مرتد ہے اور اس کے ساتھ قتال جائز ہے، اور یہ قتال اسلامی شعائر کی حفاظت کے لئے ہے، اور یہ امام وقت کی ذمہ داری ہے، اس کو شعائر اسلام کی حفاظت کے لئے قتال کرنا چاہئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

[٨- بَابُ الْأَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسِ حتى يَقُولُوا: لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحمدٌ رَسولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلوةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، وَيُؤْمِنُوا بِجَمِيعِ مَاجَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَّ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَصَمَ نفسَه ومالَه إِلَّا بِحَقِّهَا، ووُكِّلَتْ سَرِيرَتُه إِلى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَقِتَالُ مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ أَوْ غَيْرَها مِنْ حُقوقِ الإِسْلَامِ واهتِمَامُ الإِمامِ بِشَعَائِرِ الإِسْلَامِ]

[٣٢-] وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِيْ بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى؟" فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالاً كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلٰى رَسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فَوَ اللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ، فَعَرَفْتُ أَنَّـهُ الْحَقُّ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ نامزد کئے گئے، اور انکار کیا جس نے انکار کیا عربوں میں سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ لوگوں سے (مانعین زکوۃ سے) کیسے جنگ کریں گے جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا إلـه إلا اللّٰه کہیں، پس جس نے لا إلـه إلا اللّٰه کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کرلی، مگر اسلام کے حق کی وجہ سے، اور اس کا حساب اللہ پر ہے [1] یعنی ایمان لے آنے پر جنگ بند کرنے کا حکم ہے اور مانعین زکوۃ مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، ایمان کا انکار نہیں کرتے، پھر آپ ان کے ساتھ جنگ کیسے کریں گے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بخدا! میں ضرور لڑوں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرتا ہے، کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے (معلوم ہوا کہ نماز کی طرح زکوۃ بھی فرض ہے) بخدا! اگر وہ مجھے عقال (اونٹ کے پیر باندھنے

(۱) السّریرۃ: بھید، راز، وہ امر جس کو پوشیدہ رکھا جائے، نیت، کہا جاتا ہے: ھو طیّبُ السَّریرۃِ: وہ پاک دل صاف نیت والا ہے، جمع: سرائر۔

کی رسّی) بھی نہیں دیں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے اس کے نہ دینے پر (بھی) لڑوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا! نہیں تھی وہ بات مگر یہ کہ دیکھی میں نے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا سینہ جنگ کے لئے کھول دیا ہے، پس میں نے جان لیا کہ وہی بات برحق ہے۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد کچھ لوگ بالکل دین اسلام سے نکل گئے تھے، جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے ساتھی، اور کچھ لوگوں نے ایمان تو نہیں چھوڑا تھا، مگر انھوں نے پایۂ تخت کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، وہ کہتے تھے: ہم اپنی زکوۃ خود غریبوں کو بانٹیں گے، ابوبکر کو نہیں دیں گے، ان کی دلیل یہ تھی کہ سورۂ توبہ آیت ۱۰۳ میں ارشادِ پاک ہے: ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ﴾: یعنی صدقہ کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو حضور اکرم ﷺ کی دعائیں ملتی تھیں، جو صدقہ کرنے والوں کے لئے باعثِ سکون تھیں، اب آپؐ نہیں رہے، پس کون دعائیں دے گا؟ اس لئے ہم خود غریبوں کو زکوۃ دیں گے، پایۂ تخت کو زکوۃ نہیں بھیجیں گے (۱)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جیشِ اُسامہؓ کو روانہ کیا، یہ آخری سریہ تھا جسے حضور ﷺ نے روانہ کیا تھا، مگر ابھی کوچ نہیں کیا تھا کہ آنحضور ﷺ کا وصال ہوگیا، اور دوسرا کام یہ کیا کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور مسیلمہ کذاب مارا گیا۔

پھر آپؓ نے مانعین زکوۃ کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی، اور عرض کیا: آپ اس حدیث کی موجودگی میں مانعین زکوۃ سے جنگ کیسے کریں گے؟ ایمان لانے پر جنگ بند کرنا ضروری ہے، اور مانعین زکوۃ مسلمان ہیں، ایمان کا انکار نہیں کرتے، پھر ان سے جنگ کیسے کی جائے گی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بخدا! میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے، یعنی جس طرح نماز بدن کا حق ہے اور وہ لوگ اجتماعی طور پر نماز قائم کرتے ہیں، اسی طرح زکات مال کا حق ہے اور وہ بھی اجتماعی فریضہ ہے، پس جو لوگ اجتماعی طور پر زکات ادا کرنے کے لئے تیار نہیں میں ان سے ضرور جنگ کروں گا، ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ کام ضروری ہے، بخدا! اگر وہ مجھے عقال: اونٹ کا پیر باندھنے کی رسّی بھی نہیں دیں گے یعنی کوئی معمولی چیز بھی روکیں گے جسے وہ نبی ﷺ کو دیا کرتے تھے تو

(۱) ایک جماعت فرضیتِ زکوۃ ہی کی منکر ہوگئی تھی اور ان کا بھی استدلال مذکورہ آیت سے تھا کہ غیر نبی سے یہ طہارت وسکون حاصل نہیں ہوسکتا پس حکم زکوۃ منسوخ ہے۔

میں اس کو نہ دینے پر بھی جنگ کروں گا۔

۲-حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ مانعین زکوٰۃ سے بر بناء ارتداد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے مذکورہ حدیث سے معارضہ کیا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ وہ اس بنیاد پر جنگ نہیں کررہے، بلکہ ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ اقدام کررہے ہیں، جیسے کسی علاقہ کے مسلمان اذان نہ دینے پر اتفاق کرلیں تو ان سے جنگ کی جائے گی، اور یہ جنگ بر بناء ارتداد نہیں ہوگی بلکہ ملت کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہوگی، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ مل کر نمازیں پڑھتے ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کے زمانہ سے جو اجتماعی زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام چلا آرہا ہے اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو تسبیح کے دانے بکھر جائیں گے، اور ملت میں یکجہتی باقی نہیں رہے گی، جب یہ نکتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آگیا تو ان کو شرح صدر ہوگیا، پھر مانعین زکوٰۃ سے قتال کی نوبت نہیں آئی، جیش اسامہ جو مظفر و منصور لوٹا اور مسیلمہ مارا گیا تو لوگوں پر دھاک بیٹھ گئی اور وہ مدینہ کو زکوتیں بھیجنے کے لئے تیار ہوگئے۔

۳-حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اموالِ ظاہرہ (مویشی، پیداوار اور مالِ تجارت وغیرہ) اور اموالِ باطنہ (دراہم ودنانیر) کی زکوتیں حکومت وصول کرتی تھی، اور حکومت ہی تقسیم کرتی تھی، پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے اموالِ باطنہ میں اختیار دیدیا۔اب حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوتیں وصول کرتی تھی، پھر جب زمانہ آگے بڑھا تو اموالِ ظاہرہ کی زکوتوں کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا، اب لوگ سبھی اموال کی زکوتیں خود ہی ادا کرتے ہیں۔

۴-لا إلـه إلا الله : کہنے سے مراد پورا دین قبول کرنا ہے، محض کلمہ پڑھ لینا مراد نہیں، چنانچہ متفق علیہ روایت میں ہے:حتی یشهدوا أن لا إلـه إلا الله، ویؤمنوا بی وبما جئتُ به: یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں، اور اس دین پر ایمان لائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔اور بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:حتی یَشهدوا أن لا إلـه إلا الله وأن محمداً رسول الله ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکاة: یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں (بخاری حدیث ۲۵) اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:حتی یشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله، وأن یَستقبلوا قبلتَنا وَیأْکُلوا ذبیحتَنا، وأن یُصَلُّوا صلٰوتنا: یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں یعنی کسی اور ڈھنگ سے نماز نہ پڑھیں (ترمذی حدیث ۲۶۰۶) یہ سب الفاظ دلیل ہیں کہ لا إله إلا الله کہنے سے مراد پورے دین کو قبول کرنا

ہے اوراس پرعمل پیرا ہونا ہے، صرف لا إله إلا الله کہنا مرادنہیں، یہ کلمہ تو یہود ونصاری بھی کہتے ہیں، مگر وہ معتبر نہیں، کیونکہ ہر زمانہ کا لا إله إلا الله الگ ہے، موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لا إله إلا الله میں موسیٰ رسول اللہ شامل تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لا إله إلا الله میں عیسیٰ رسول اللہ شامل تھا، اسی طرح خاتم النبیین ﷺ کے لا إله إلا الله میں محمد رسول اللہ بھی شامل ہے، پھر جب رسول کی رسالت کا اقرار کرلیا تو رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے جو دین آیا ہے اس کا اقرار کرنا، اوراس پرعمل پیرا ہونا بھی لا إله إلا الله میں شامل ہو گیا۔

۵-اور إلا بحقها کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر لوگ کوئی ایسا جرم کریں جس کی سزا اللہ کے قانون میں جان یا مال لینا ہو تو حکم خداوندی کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی۔ ایمان لانے سے اور مسلمان کہلانے سے وہ قانونی گرفت سے بچ نہیں سکتا، اور ضمیر مؤنث كلمة الإسلام کی طرف لوٹتی ہے۔

۶-وحسابهم على الله: جو شخص کلمہ پڑھ کر اپنا مؤمن ہونا ظاہر کرے اس کو مؤمن سمجھ کر جنگ بند کردیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے، لیکن اگر حقیقت میں اس کی نیت میں کھوٹ ہے تو اس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ عالم الغیب ہیں، دلوں کے رازوں سے واقف ہیں، وہ اس کا پورا پورا حساب چکائیں گے۔

فائدہ(۱): یہ حدیث بہت اہم ہے، اس حدیث کی وجہ سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، وہ لوگ اس حدیث کا مدعیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دنیا میں ایک بھی کافر ہے جنگ برابر جاری رکھی جائے، حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے، حدیث کا یہ مطلب نہیں، اس لئے حدیث کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔

اس حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے، دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کردینی ضروری ہے، خواہ اس نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، جب وہ ایمان لے آیا تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے، اب اس سے لڑنا جائز نہیں، اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے فرد کے لئے بھی ہے، اگر کوئی فرد دورانِ جنگ صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ جہینہ کے ایک آدمی کو قتل کیا جس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا، حالانکہ جب وہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا، مگر حضرت اسامہؓ نے یہ خیال کیا کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے، صدق دل سے مسلمان نہیں ہوا، جب اس واقعہ کی آنحضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا: ''کیا کلمہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کردیا؟'' آپؐ نے یہ جملہ بار بار فرمایا، حضرت اسامہؓ تمنا کرنے لگے کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا (بخاری حدیث ۴۲۶۹) اور بخاری ہی میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کفار کو اسلام کی دعوت دی انھوں نے أسلَمْنا کے بجائے صَبَأنا کہا: حضرت خالدؓ نے ان کا مطلب نہیں سمجھا، اوران کو قتل کرنے کا حکم دیدیا، جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے دونوں ہاتھ

اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! خالد نے جو کیا میں اس سے بری ہوں، میں نے اس کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔
(بخاری حدیث ۴۳۳۹)

ان واقعات سے بخوبی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر دشمن جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کرنا ضروری ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، مذکورہ حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے۔

لیکن اگر یہ حدیث آدھی پڑھی جائے تو غلط فہمی ہوگی، جیسے ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾: پر رک جائیں اور ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾: نہ پڑھیں تو مطلب کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔ اسی طرح اس حدیث کو بھی آدھی پڑھ کر رک جائیں تو غلط فہمی ہوگی کہ نبی ﷺ کو جنگ کے ذریعہ دین پھیلانے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن اگر حدیث پوری پیش نظر رکھی جائے تو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی، بلکہ صحیح مطلب سمجھ میں آجائے گا کہ حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں بلکہ جنگ بندی کا حکم ہے۔

فائدہ (۲): ایمان لانے پر جنگ بند کرنا اس لئے ضروری ہے کہ جہاد کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کے راستہ پر ڈالا جائے، اور ان کو عذاب ابدی سے بچایا جائے، پس جو شخص اللہ کے دین کو قبول کرلے اور اللہ کی بندگی کا اقرار کر کے آئین وشریعت پر چلنا منظور کرلے، اس کے ساتھ جہاد کرنے کے کوئی معنی نہیں، اب جنگ موقوف کر دینا ضروری ہے۔

فائدہ (۳): جہاد کی نوبت اس وقت آتی ہے جب دعوتِ اسلام اور اللہ کی بندگی کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں، لوگ اللہ کے داعیوں کو دعوت کا موقع نہ دیں، یا مسلمانوں کو ستائیں اور دین پر عمل نہ کرنے دیں تو فتنہ فرو کرنے کے لئے تلوار اٹھانی پڑتی ہے، کیونکہ فتنہ پردازی جہاد میں قتل کرنے سے بدتر ہے ﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾: (البقرة آیت ۲۱۷) اور ضرر اشد کو ہٹانے کے لئے ضرر اخف کو اختیار کرنا بالکل معقول بات ہے۔

ملحوظہ: ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں ایک لفظ میں اختلاف ہے، شعیب بن ابی حمزہ کی حدیث میں جو بخاری (حدیث ۱۳۹۹) میں ہے لفظ عَناق [1] ہے (بھیڑ کا چار ماہ کا بچہ) اور یہاں عُقیل کی روایت میں عِقال ہے (اونٹ کا پیر باندھنے کی رسّی) اور دونوں سے مراد ہے: معمولی چیز۔

[۳۳-] وَحَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى: قَالَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ الآخَرَانِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُوْلُوْا:

(۱) العَناق: بکری کا بچہ سال پورا ہونے سے پہلے، جمع: اعنق وعنوق، عناق الأرض: بلی کی قسم کا ایک شکاری جانور (مصباح اللغات)

لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ"

[۳۴-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ - يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ - عَنِ الْعَلاَءِ. ح: وَحَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ، عَنِ الْعَلاَءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوْبَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِيْ وَبِمَا جِئْتُ بِهِ، فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ، عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ"

[۳۵-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، وَعَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالاَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ" بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ - يَعْنِيْ ابْنَ مَهْدِيٍّ - قَالاَ جَمِيْعًا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوْا لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ" ثُمَّ قَرَأَ:﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾

[۳۶-] حدثنا أَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوْا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوْهُ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ"

[۳۷-] وحدثنا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ - يَعْنِيَانِ الْفَزَارِيَّ - عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" مَنْ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ"

[۳۸-] وحدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ الْأَحْمَرُ. ح: وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، كِلاَهُمَا عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" مَنْ وَحَّدَ اللّٰهَ" ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهِ.

سندیں: اس حدیث کو چار صحابہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور طارق بن اشیم اشجعیؓ، پھر ابوہریرۃؓ سے عبید اللہ بن عبد اللہ، سعید بن المسیب، عبد الرحمٰن بن یعقوب اور ابو صالح روایت کرتے ہیں، پھر عبید اللہ اور ابن المسیب سے ابن شہاب نے روایت کی ہے اور عبد الرحمٰن سے ان کے صاحبزادے علاء نے اور ابو صالح سے ابو سفیان نے (جن کا نام طلحہ بن نافع ہے) —— اور ابو سفیان نے حضرت جابرؓ سے بھی روایت کی ہے اور براہِ راست بھی روایت کی ہے اور ابو الزبیر کے واسطہ سے بھی روایت کی ہے، اور ابن عمرؓ سے محمد بن زید نے اور طارق بن اشیم سے ان کے صاحبزادے ابو مالک نے (جن کا نام سعد بن طارق ہے) روایت کی ہے۔

**قولہ: وعن أبی صالح:** یہ تحویل ہے، اور علامتِ تحویل لکھی ہوئی نہیں ہے، تحویل کبھی مصنف کی طرف سے ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں گذر چکی ہیں، اور کبھی سند کے بیچ میں سے اوپر کی طرف ہوتی ہے، یہاں یہی صورت ہے، اعمش دو سندوں سے یہ روایت بیان کرتے ہیں (۱) عن أبی سفیان عن جابر (۲) عن أبی صالح عن أبی هریرة، تحویل کی اس دوسری صورت میں ح لکھنے کا معمول نہیں۔

**ملحوظہ:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حدیث کے بعد سورۃ الغاشیہ کی دو آیتیں (۲۱و۲۲) تلاوت کیں: ﴿ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴾: پس آپ نصیحت کریں، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے ہیں۔

**ربط:** آیات و روایت میں ربط یہ ہے کہ مسلمان توحید و رسالت اور دین و شریعت کی دعوت پر مأمور ہیں، لیکن ان کا کام صرف وعظ و نصیحت کرنا ہے، زور زبردستی کرکے مسلمان بنانا ان کا کام نہیں، لیکن جب کفار مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں اور اشاعتِ دین میں روڑے اٹکائیں، قتل و غارت گری پر آمادہ ہوں اور جنگ ناگزیر ہو جائے تو پھر ان سے لڑا جائے گا تا آنکہ وہ ایمان لے آئیں یا ماتحتی قبول کرلیں۔

**فائدہ:** آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد جو قبائل مرتد ہو گئے تھے اور مسیلمہ کذاب وغیرہ کے ساتھ ہو گئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کیا، کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ جاننا چاہئے کہ اگر مرتد کو اسلام میں شبہات ہوں تو اس کو ایسے عالم مہیا کئے جائیں گے جو اس کے شبہات دور کریں، وہ اس حد تک اس کو جواب دیں کہ وہ لاجواب ہو جائے، پھر اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فبہا، ورنہ حاکم اس کو قتل کردے۔

اور یہ قتل فتنہ کے سد باب کے لئے ہے، اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں، اگر مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے ہوتا تو مرتدہ کو بھی قتل کیا جاتا، حالانکہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کو اس کے گھر میں نظر بند کر دیا جاتا ہے، دیگر عورتوں کو اس سے ملنے سے روک دیا جاتا ہے، اور مرتد کو نظر بند نہیں کیا جا سکتا، یہ اس کے موضوع کے خلاف ہے، پس وہ آزاد

پھرے گا اور لوگوں کے ذہن خراب کرے گا، اور فتنہ پھیلائے گا، اور فتنہ قتل سے بھاری گناہ ہے ﴿وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾: اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

## بَابُ الدَّلِیْلِ عَلٰی صَحَّةِ إِسْلَامِ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ مَالَمْ یَشْرَعْ فِی النَّزْعِ وَهُوَ الْغَرْغَرَةُ، وَنَسْخِ جَوَازِ الاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِیْنَ، وَالدَّلِیْلُ عَلٰی أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَی الشِّرْكِ فَهُوَ فِیْ أَصْحَابِ الْجَحِیْمِ، وَلَا یُنْقِذُهُ مِنْ ذٰلِكَ شَیْءٌ مِنَ الْوَسَائِلِ

## اس بات کی دلیل کہ موت کے قریب ایمان لانا صحیح ہے، جب تک کہ نزع یعنی جان کنی شروع نہ ہو جائے اور مشرکین کے لئے مغفرت طلبی کا جواز منسوخ ہے، اور جس کی موت شرک پر ہوئی ہو وہ جہنمی ہے وسائل (ذرائع) اس کو جہنم سے نہیں بچا سکیں گے

بہت دور سے دعوتِ ایمان کے سلسلہ کے ابواب چل رہے ہیں، اب یہ بیان ہے کہ زندگی کے آخری لحات تک دعوت دینی چاہئے، نبی ﷺ نے ابو طالب کو وفات کے قریب ایمان کی دعوت دی تھی۔

جاننا چاہئے کہ زندگی کے آخری لحات میں نزع شروع ہونے سے پہلے اگر کوئی غیر مسلم کلمہ پڑھ لے یعنی ایمان لے آئے تو اس کا ایمان معتبر ہے، اور اگر نزع شروع ہونے کے بعد ایمان لایا تو اس کا ایمان معتبر نہیں، قرآنِ کریم میں ہے: جب فرعون ڈوبنے لگا تو بولا: میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا: کیا اب؟ جبکہ پہلے تو برابر نافرمانی کرتا رہا، اور تو فسادیوں میں سے تھا، یعنی ساری زندگی گمراہی پھیلاتا رہا، شرارتیں کرتا رہا، اب ایمان لاتا ہے؟ (یونس آیات ۹۰ و ۹۱) یعنی فرعون کی حالتِ نزع کے ایمان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

اور حدیث شریف میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ: (مشکوۃ حدیث ۲۳۴۳) جب تک گلے سے دم اٹکنے کی آواز نہ نکلنے لگے اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی، پس اس وقت کا ایمان بھی معتبر نہیں، اور ایسے بندے کے لئے مغفرت طلب کرنا بھی جائز نہیں، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اسے ہمیشہ وہیں رہنا ہے، مال و دولت، اعزہ اقارب، شرافت و بزرگی، حسب و نسب اور نصرت و حمایت کچھ کام نہ آئے گا، اور کوئی چیز اسے جہنم سے چھٹکارا نہ دلا سکے گی۔ اللّٰھم أعذنا من النار!

## [۹- بَابُ الدَّلِيلِ علىٰ صَحَّةِ إِسْلَامِ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ مَالَمْ يَشْرَعْ فِي النَّزْعِ وَهُوَ الْغَرْغَرَةُ، وَنَسْخِ جَوَازِ الاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِيْنَ، وَالدَّلِيْلُ عَلَىٰ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَىٰ الشِّرْكِ فَهُوَ فِيْ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ، وَلا يُنْقِذُهُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ مِنَ الْوَسَائِلِ]

[۳۹-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيْبِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ، جَاءَ هُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِيْ أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَا عَمِّ! قُلْ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَکَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ" فَقَالَ أَبُوْ جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ أُمَيَّةَ، يَا أَبَا طَالِبٍ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيْدُ لَهُ تِلْکَ الْمَقَالَةَ، حَتّٰى قَالَ أَبُوْ طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَىٰ أَنْ يَقُوْلَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَمَ وَاللّٰهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ أُنْهَ عَنْکَ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ﴾ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ أَبِيْ طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ﴿ إِنَّکَ لاَ تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾

ترجمہ: سعید بن المسیب کے والد مسیب بن حزن بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے، آپؐ نے ان کے پاس ابوجہل اور ابن ابی امیہ(۱) کو پایا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا! آپ لا إله إلا الله کہہ لیں، میں اس کلمہ کی اللہ کے پاس آپ کے حق میں گواہی دوں گا (کلمةً: لا إله إلا الله سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور مستقل جملہ قرار دیں تو مرفوع پڑھیں گے) پس ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا: ابوطالب! کیا آپ عبدالمطلب کے مذہب سے اعراض کریں گے؟ پس نبی ﷺ برابر ان کے سامنے اس کلمہ کو پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دوہراتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات یہ کہی کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہیں(۲) (ابوطالب نے توانا کہا ہوگا مگر بولنے کا ادب یہ ہے کہ بری بات حکایت کے طور پر بھی زبان سے نہ

(۱) یہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور جنگ حنین میں جامِ شہادت نوش کیا۔

(۲) ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ نبی ﷺ کے چار چچاؤں نے زمانۂ اسلام پایا، ان میں سے دو کے ←

نکالی جائے، اس لئے راوی نے متکلم کی ضمیر کو غائب کی ضمیر سے بدل دیا) اور لا إله إلا الله کہنے سے انکار کردیا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخدا! میں ضرور آپ کے لئے مغفرت چاہتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کردیا جائے، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری: ''نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں، اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ان پر یہ بات کھل جانے کے بعد کہ وہ لوگ دوزخی ہیں، یعنی کفر پر مرے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں آیت اتاری، پس رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں''

تشریح:

۱- مسیب بن الحزن قرشی مخزومی: مشہور تابعی اور فقیہ سعید بن المسیب کے والد ہیں، ابوطالب کی وفات کے وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ غالباً ابوجہل اور ابن ابی امیہ کے ساتھ اس واقعہ کے وقت موجود تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد یہ روایت بیان کی ہے، ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے۔

۲- اور نبی ﷺ نے وفات کے قریب ابوطالب پر ایمان پیش کیا، معلوم ہوا کہ اگر کافر موت کے قریب ایمان قبول کرے تو معتبر ہے۔

۳- شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد رمضان یا شوال سن ۱۰ نبوی میں ابوطالب کا انتقال ہوا، پھر تین یا پانچ دن کے بعد حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اس لئے یہ سال حزن وملال کا سال کہلاتا ہے۔

۴- بخاری شریف میں یہ روایت (حدیث ۳۸۸۳) ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپؐ اپنے چچا کے کیا کام آئے، وہ آپؐ کے حامی اور مددگار تھے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں، اگر میں سفارش نہ کرتا تو جہنم کی تہہ میں ہوتے'' —— علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابوطالب سر سے پیر تک نبی ﷺ کی نصرت وحمایت میں غرق تھے، صرف پیر اسلام کے بجائے عبدالمطلب کے دین پر تھے، اس لئے عذاب پیروں پر مسلط کیا جائے گا۔

۵- کچھ لوگ ابوطالب کا ایمان ثابت کرنے کے درپے ہیں، وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہلے، حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا تو وہ کلمہ پڑھ رہے تھے، یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے (ابن اسحاق نے اس حدیث کی تخریج کی ہے) یہ صحیحین کی روایت سے متعارض نہیں ہوسکتی۔

← نام غیر اسلامی تھے، وہ دولتِ اسلام سے محروم رہے: ایک ابوطالب جن کا نام عبد مناف تھا، دوسرا ابولہب جس کا نام عبد العزی تھا، اور حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے نام اسلامی تھے، وہ مشرف با اسلام ہوئے (فتح الملہم) ناموں کے اثرات آدمی کی ذات پر پڑتے ہیں، اسی لئے نبی ﷺ نے اچھا نام رکھنے کی تلقین فرمائی ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

۶- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی[1]۔ اور نبی ﷺ اور مسلمان بھی اپنے کافر رشتہ داروں کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، مذکورہ حدیث میں ہے: ''مجھے جب تک اللہ تعالیٰ منع نہیں کریں گے میں برابر آپ کے لئے (ابو طالب کے لئے) دعائے مغفرت کرتا رہوں گا'' پھر جب سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۳ نازل ہوئی تو صحابہ ان رشتہ داروں کے لئے جو کفر کی حالت میں مرے دعائے مغفرت کرنے سے رک گئے، اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جس شخص کے متعلق پتا چل جائے کہ وہ بالیقین دوزخی ہے خواہ وحی الٰہی کے ذریعہ یا اس طرح کہ علانیہ کفر و شرک پر اس کی موت آئے اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔

۷- مذکورہ روایت میں ہے کہ سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳ ابو طالب کے واقعہ میں نازل ہوئی، اور بعض روایت میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے بارے میں یہ آیت اتری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ ہجرت کے بعد قبرستان تشریف لے گئے، چند صحابہ ساتھ تھے، آپؐ ایک قبر پر دیر تک مناجات کرتے رہے اور روتے رہے، چنانچہ صحابہ بھی رونے لگے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ کی قبر پر بیٹھا تھا، اور میں نے ان کے حق میں دعاء کے لئے اللہ سے اجازت چاہی، تو اجازت نہیں ملی، اور یہ آیت مجھ پر اتری ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾: (أخرجه الحاكم وابن أبي حاتم من طريق أيوب) اس سے پتہ چلا کہ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے، جبکہ ابو طالب کا انتقال ہجرت سے قبل ہوا ہے، یہ تعارض ہے؟

جواب: اس کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں، اور سب سے بہتر بات وہ ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں فرمائی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نزلت في كذا: کا مفہوم بڑا وسیع تھا، کیونکہ صحابہ اور تابعین نزلت في كذا: سے صرف وہی واقعہ مراد نہیں لیتے تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا تھا اور آیت کے نزول کا سبب بنا تھا، بلکہ بسا اوقات صحابہ کرام اور تابعین عظام نزلت في كذا کہہ کر ایسا واقعہ اور معاملہ مراد لیتے تھے جس پر آیت صادق آتی ہو، چاہے وہ واقعہ اور معاملہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ

---

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعائے مغفرت کرنے کی بات سورۃ التوبہ آیت ۱۱۴ میں ہے، جب آپ ہجرت کر کے بیت المقدس روانہ ہوئے تو آخری بات جو انھوں نے اپنے باپ سے کہی وہ یہ تھی: ''میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا، بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے'' (مریم ۴۷) چنانچہ آپ نے اس کے لئے حسب وعدہ دعائے مغفرت کی، جس کا تذکرہ سورۃ ابراہیم (آیت ۴۱) اور سورۃ الشعراء (آیت ۸۶) میں ہے، مگر یہ دعا باپ کی حیات میں کی تھی، اور کافر کی حیات میں دعائے مغفرت کا مطلب اس کے لئے ہدایت طلبی کی دعا کرنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ایمان نصیب فرمائیں تاکہ آخرت میں اس کی مغفرت ہو، اور یہ اب بھی جائز ہے، پھر جب ان کے باپ کا انتقال حالتِ کفر میں ہو گیا تو آپ نے اس کے لئے دعاء موقوف کر دی۔

میں پیش آیا ہو یا آنحضرت ﷺ کے بعد پیش آیا ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر ص: ۲۷۶، مصنفہ: حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم) غرض صحابہ اور تابعین ہر اس واقعہ کو شانِ نزول قرار دیا کرتے تھے جس پر آیت صادق آتی ہو، چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے ہوئے دیکھا تو نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی، پس آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ نازل ہوئی۔ اور طبری نے ابن ابی نجیح کے طریق سے یہ روایت بیان کی ہے کہ مسلمان کہا کرتے تھے: ہم اپنے آباؤ اجداد کے لئے استغفار کیوں نہ کریں جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا؟ پس آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ نازل ہوئی (فتح الملہم) اور اس کو تکرار نزول سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت کئی موقعوں پر نازل ہوئی۔

۸-إنک لاتهدی من أحببت: جس سے داعی کو طبعی محبت ہو، یا اس کا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت مل جائے: ضروری نہیں کہ ایسا ہو جائے، داعی کا کام صرف راستہ بتانا ہے، آگے کا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے، کس میں ایمان کی استعداد ولیاقت ہے: یہ بات وہی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، کوئی بندہ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان کو ہدایت نہیں دے سکے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر کو ہدایت نہیں دے سکے، اور نبی ﷺ نے بھی آخر وقت تک کوشش کی، مگر چچا کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ بہر حال اس آیت کے ذریعہ آپؐ کی تسلی فرمائی کہ آپؐ اپنے خاص محسن کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں، جس قدر آپؐ کا فرض تھا وہ آپؐ نے ادا کر دیا آگے اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔

ملحوظہ: أَمَ واللهِ: اکثر روایات میں أما الف کے ساتھ ہے، اور حاشیہ میں بھی أما ہے، پس دونوں صحیح ہیں، ما زائدہ ہے تاکید کے لئے بڑھایا گیا ہے، جب اس کے بعد قسم مذکور ہو تو الف بسا اوقات حذف کر دیا جاتا ہے۔

[۴۰-] وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ - وَهُوَ: ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ - قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، كِلاَهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ. غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انْتَهَى عِنْدَ قَوْلِهِ: فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الآيَتَيْنِ. وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: وَيَعُودَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ. وَفِي حَدِيثِ مَعْمَرٍ مَكَانَ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ الْكَلِمَةَ: فَلَمْ يَزَالاَ بِهِ.

[۴۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ، عَنْ يَزِيدَ - وَهُوَ: ابْنُ كَيْسَانَ - عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِعَمِّهِ، عِنْدَ الْمَوْتِ:

"قُلْ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ للّٰهُ، أَشْهَدُ لَکَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَأَبٰی. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿إِنَّکَ لاَ تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ الآيَةَ.

[۴۲-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَی بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ كَيْسَانَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ حَازِمٍ الْأَشْجَعِیُّ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم لِعَمِّهٖ:" قُلْ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، أَشْهَدُ لَکَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قَالَ: لَوْلاَ أَنْ تُعَيِّرَنِیْ قُرَيْشٌ، يَقُوْلُوْنَ: إِنَّمَا حَمَلَهٗ عَلٰی ذٰلِکَ الْجَزَعُ، لَأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَکَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّکَ لاَ تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ﴾

سند:سعید بن المسیب سے ان کے ابا کی روایت ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں اور ان سے یونس (حدیث ۳۹) معمر اور صالح نے روایت کی ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس حدیث کے راوی ہیں ان سے ابو حازم نے روایت کی ہے۔

غير أن حديث صالح: یونس، معمر اور صالح کی حدیثوں میں چند فرق ہیں: (۱) صالح کی روایت میں دونوں آیتیں مذکور نہیں ہیں، (۲) صالح کی روایت میں یعودان: تثنیہ ہے اور مرجع ابو جہل اور ابن ابی امیہ ہیں، اور معمر و یونس کی روایت میں یُعید از افعال واحد غائب ہے (۳) الكلمة اور المقالة کا فرق، اور مفہوم دونوں کا ایک ہے (۴) لم یزالا اور لم یزل: تثنیہ اور واحد کا فرق۔

قوله: لولا أن تعيّرني قريشٌ: ترجمہ: اگر نہ ہوتی یہ بات کہ قریش مجھے طعنہ دیں گے، وہ کہیں گے: ابو طالب کو یہ بات کہنے پر گھبراہٹ نے آمادہ کیا تھا تو میں اس کلمہ کے ذریعہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی کرتا، یعنی اسلام قبول کر لیتا۔

تشریح: ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کا کامل یقین تھا، اور اعتراف بھی تھا مگر التزام اطاعت نہ تھا یعنی قبول نہیں کیا تھا، جب کہ ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے، اس لئے ابو طالب کافر ہوئے اور اس کا نام کفر عناد [1] ہے، معلوم ہوا کہ صرف معرفت کافی نہیں جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں، بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی لائی

(۱) تکذیب (عدمِ تصدیق) کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) زبان اور دل دونوں سے توحید اور رسالت دونوں کی یا کسی ایک کی تکذیب کرنا اس کا نام کفر انکار اور کفر جہل ہے (۲) دل سے آنحضور ﷺ کو صادق تسلیم کرنا مگر زبان سے اقرار و اعتراف نہ کرنا اس کا نام کفر جحود ہے جیسے اہل کتاب کو نبی ﷺ کی معرفت تھی ارشاد پاک ہے ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَآءَهُمْ﴾: مگر اعتراف نہیں تھا، (۳) دل سے سچا بھی جانے اور زبان سے اقرار و اعتراف بھی کرے، مگر انقیاد و اطاعت نہ کرے یعنی قبول نہ کرے جیسے ابو طالب اور ہرقل کا عمل، یہ کفر عناد ہے (۴) دل سے تکذیب کرے مگر کسی مصلحت سے زبان سے اقرار کرے جیسے منافقین کیا کرتے تھے، یہ کفر نفاق ہے (۵) زبان اور دل دونوں سے تصدیق کرے، مگر ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرے یا ایسی توضیح و تشریح کرے جو اجماع کے خلاف ہو، جیسے جنت و دوزخ، ملائکہ، حساب و کتاب، میزان عمل اور خاتم النبیین وغیرہ کا ایسا مطلب بیان کرنا جو نصوص متواترہ اور اجماع کے خلاف ہو، اس کو کفر تاویلی اور کفر زندقہ کہتے ہیں۔

ہوئی تمام تعلیمات کو دل سے ماننے کا نام ایمان ہے۔

## بَابُ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا

## اس بات کی دلیل کہ جو توحید پر مرا بالیقین جنت میں جائے گا

گذشتہ باب سے معلوم ہوا کہ آدمی کتنا ہی بڑا مجرم ہو، اگر مرنے کے قریب ایمان لے آئے تو وہ ایمان معتبر ہے اور اس کی تمام سیئات یک لخت کالعدم ہونگی، اور اس کا ابدی مستقر جنت ہوگا، یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے، مستقل ٹھکانہ جنت اور جہنم ہیں، اور اللہ عزوجل نے جنت وجہنم کی تقسیم کفر وایمان کی بنیاد پر کی ہے، اچھے برے اعمال پر نہیں، اس لئے کہ ایمان وکفر ابدی حقیقتیں ہیں، موت کے بعد بھی مستمر رہتی ہیں، اور اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، نماز پڑھ کر فارغ ہوا عمل پورا ہوگیا، زنا کر کے نمٹا عمل منقطع ہوگیا۔ غرض: جنت ایمان کا صلہ ہے اور جہنم کفر کا بدلہ، اس لئے ایمان کی جزاء جنت بھی ابدی ہے اور کفر کی سزا جہنم بھی ابدی ہے، اور مسلمان کے اعمالِ صالحہ آخرت میں اس کے ایمان کے تابع کردیئے جائیں گے، اور اس کی برائیاں ایمان کے تابع نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، بلکہ منافی ہیں اس لئے ان کی سزا دنیا میں، قبر میں، میدانِ حشر میں یا جہنم میں ملے گی، پھر ان کی نجات ہوگی، اور کافر کی برائیاں اس کے کفر کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ ہم جنس ہیں، پس ان برے اعمال کی سزا کافر کو تا ابد بھگتنی ہوگی، اور اس کے نیک اعمال کفر کے تابع نہیں کیے جاسکتے، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، اس لئے ان کا صلہ کافر کو دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث (نمبر ۲۸۰۸) میں ہے۔ آخرت میں ان کا کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ: توحیدِ ذات کا ہے: یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا، کسی اور کو اس صفت کے ساتھ متصف نہ ماننا۔

واجب: وہ ہستی ہے جس کا عدم (نہ ہونا) ممتنع ہو، یعنی اس کا وجود (ہونا) ضروری ہو، وجوب: وَجَبَ يَجِبُ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: ثابت ہونا، لازم ہونا۔ اور واجبٌ (اسم فاعل) بمعنی ثابت ہے، اور واجب الوجود کے معنی ہیں: ثابت الوجود اور لازم الوجود —— پھر واجب کی دو قسمیں ہیں: واجب لذاتہ اور واجب لغیرہ۔

۱- واجب لذاتہ: وہ ہستی ہے جس کا وجود ذاتی ہو، یعنی خانہ زاد ہو، وہ اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہ ہو، ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور کوئی ہستی واجب لذاتہ نہیں۔

۲- واجب لغیرہ: وہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجود ملا ہو، مگر وہ کبھی معدوم نہ ہو جیسے عقول عشرہ فلاسفہ کے خیال کے مطابق واجب لغیرہ ہیں، مگر اسلامی تعلیمات کی رو سے کوئی چیز واجب لغیرہ نہیں۔

دوسرا مرتبہ: توحید خلق کا ہے یعنی عرش، آسمان، زمین اور دیگر تمام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا، دنیا میں جو بھی

چیز موجود ہے وہ یا تو جوہر ہے یا عرض۔
جوہر: وہ ممکن ہے جو محل کے بغیر موجود ہو سکے، یعنی وہ کسی ایسے محل کا محتاج نہ ہو جو اس کو موجود کرے جیسے کپڑا، کتاب، قلم وغیرہ بے شمار چیزیں جواہر ہیں۔
عرض: وہ ممکن ہے جو کسی محل میں پایا جائے، یعنی وہ پائے جانے میں، باقی رہنے میں اور متمکن ہونے میں کسی ایسے محل کا محتاج ہو جو اس کو سہارا دے، جیسے مقدار، زمانہ، اعداد، کیفیات، الوان، احوال، صفات، ملکات اور افعال عباد وغیرہ۔
اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تمام اقوام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو مانتی ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کو توحید کا دوسرا مرتبہ قرار دیا ہے، اور اعراض کا خالق گمراہ اقوام غیر اللہ کو بھی مانتی ہے، مثلاً: شفا دینا، بیمار کرنا، فقر سے ہمکنار کرنا وغیرہ کا خالق مشرکین دیوی دیوتاؤں اور اولیاء کو بھی مانتے ہیں۔ اور معتزلہ تو افعالِ عباد کا خالق خود بندوں کو مانتے ہیں۔
تیسرا مرتبہ: توحیدِ تدبیر کا ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا نظم وانتظام صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی کائنات کے مدبر و منتظم ہیں، ان کے ساتھ کائنات کے نظم وانتظام میں کوئی شریک نہیں، وہی پروردگار پالنہار ہیں، اس مرتبہ کا دوسرا نام توحید ربوبیت ہے۔
چوتھا مرتبہ: توحید الوہیت کا ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں، بندگی اور عبادت انہی کا حق ہے، ان کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔
توحید کے یہ دونوں آخری مرتبے باہم مربوط اور لازم وملزوم ہیں، یعنی تدبیر اور عبادت کے درمیان فطری ارتباط اور عادی تلازم ہے، اس لئے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، جو مدبر و منتظم اور پروردگار پالنہار ہے وہی عبادت کا حق دار ہے اور عبادت اسی کا حق ہے جو کائنات کا نظم وانتظام اور پروردگاری (وجود وبقاء کا سامان) کرتا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۵۸۹)

## [۱۰- بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيْدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا]

[۴۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، كِلَاهُمَا عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: أَبُوْ بَكْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ حُمْرَانَ، عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّـهُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"
حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنِ الْوَلِيْدِ أَبِيْ بِشْرٍ، قَالَ سَمِعْتُ حُمْرَانَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ مِثْلَهُ سَوَاءً.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مرا درانحالیکہ وہ جانتا ہے کہ

اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا" ـــــ اس حدیث کو حضرت عثمانؓ سے ان کے آزاد کردہ غلام حُمران نے روایت کیا ہے، ان کے باپ کا نام ابان اور کنیت ابو یزید ہے، پھر ان سے ولید بن مسلم نے، یہ ولید بن مسلم بن شہاب عنبری بصری ہیں جن کی کنیت ابو بشر ہے (ایک ولید بن مسلم اموی ہیں وہ دوسرے ہیں) اور ان سے خالد حذاء نے، حذاء کے معنی: جوتا گھانٹھنے کے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک موچی کے ساتھ ان کی دوستی تھی اس لئے یہ لقب ملا، ان کے باپ کا نام مہران اور کنیت ابو منازل ہے، اور ان سے ابن علیہ اور بشر بن المفضل نے روایت کی ہے، پھر ابن علیہ کا بیان ہے کہ ولید بن مسلم نے حُمران سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور بشر بن المفضل کی حدیث میں سماعت کی صراحت ہے (علیہ: اسماعیل کی ماں کا نام ہے اور باپ کا نام ابراہیم تھا، ابو بکر نے ماں کا نام لیا ہے اور زُہیر نے باپ کا، یہ راوی ابن علیہ کہلانا پسند نہیں کرتا تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے)

ملحوظہ: یہ بہت طویل باب ہے، اس باب میں چھ صحابہ کی روایتیں ہیں، حضرات عثمان، ابو ہریرہ، عبادۃ بن الصامت، معاذ بن جبل، انس اور عتبان بن مالک رضی اللہ عنہم کی۔

تشریح:

۱- اس حدیث پر ایک مشہور اشکال ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب لا إلٰہ إلا اللہ کہتے ہی جنت میں پہنچ گیا تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ اعمال کی اپنی جگہ اہمیت ہے؟ وہب بن منبہ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں ان کے سامنے کسی نے یہ اعتراض کیا، آپ وعظ میں اعمال کی اہمیت بیان کر رہے تھے اور اعمال پر زور دے رہے تھے، کسی نے ان سے کہا: کیا لا إلٰہ إلا اللہ جنت کی کنجی نہیں؟ پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ جو آپ ان پر اتنا زور دے رہے ہیں؟ وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیشک لا إلٰہ إلا اللہ جنت کی چابی ہے مگر چابی میں دندانے ضروری ہیں، اگر چابی میں دندانے نہ ہوں، چابی سپاٹ ہو تو تالا نہیں کھلے گا، اعمال جنت کی چابی کے دندانے ہیں، جس کے پاس چابی بھی ہو یعنی وہ لا إلٰہ إلا اللہ کا قائل ہو اور اس کی چابی میں دندانے بھی ہوں یعنی اس کے پاس اعمال بھی ہوں تو اس کی چابی سے تالا کھلے گا، اور جس کے پاس اعمال نہیں صرف لا إلٰہ إلا اللہ ہے تو اس کے پاس سپاٹ چابی ہے اس سے تالا نہیں کھلے گا (یہ بات بخاری شریف اوائل کتاب الجنائز میں ہے)

دوسری توجیہ: اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں جانے کی دو صورتیں ہیں: دخولِ اولی: یعنی مرا اور جنت میں پہنچا، اور دخول ثانوی: یعنی گناہوں کی سزا بھگت کر یا معافی کے بعد جنت میں گیا، دخولِ اولی کے لئے ایمان کے ساتھ اعمال ضروری ہیں، مثبت پہلو سے بھی اور منفی پہلو سے بھی، یعنی جو مؤمن بندے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور اعمالِ سیۂ سے بچتے ہیں ان کو جنت میں دخولِ اولی نصیب ہوگا، اور جو گنہ گار بندے ہیں مگر مؤمن ہیں ان کو اپنے برے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، پھر ان کی نجات ہوگی۔ غرض اعمال ضروری ہیں ان کے بغیر دخولِ اولی کی گارنٹی نہیں، پس

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لا إلـٰہ إلا اللہ پر مرا وہ جنت میں جائے گا، مرتے ہی جنت میں جائے گا: یہ مراد نہیں۔

۲- پہلے بھی یہ بات بیان کی ہے کہ بنیادی عقیدہ لا إلـٰہ إلا اللہ ہے مگر اس میں محمد رسول اللہ شامل ہے، اور یہ دوسرا جزء تبدیل ہوتا رہتا ہے، ایک زمانہ میں لا إلـٰہ إلا اللہ کے ساتھ آدم صفیّ اللہ تھا، پھر نوح رسول اللہ، پھر ابراہیم خلیل اللہ، پھر موسیٰ کلیم اللہ پھر عیسیٰ روح اللہ لگنے لگا، اب محمد رسول اللہ لگتا ہے، اور یہ بات بھی آچکی ہے کہ عقائد اگر پھیلائے جائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں پچاس کے قریب عقیدے (انچاس عقیدے) بیان کئے ہیں اور اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ چھ عقیدے رہ جاتے ہیں جن کا ذکر حدیثِ جبرئیل میں ہے اور ان کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے اور اگر مزید سمیٹا جائے تو دو عقیدے رہ جاتے ہیں جو کلمہ طیبہ میں لئے گئے ہیں، یعنی توحید اور رسالتِ محمدی کا اقرار، پھر مزید سمیٹا جائے تو بنیادی عقیدہ لا إلـٰہ إلا اللہ رہ جاتا ہے جس میں رسالتِ محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہیں۔

۳- اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ نجات کا مدار کلمۂ توحید پر ہے، اور ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، اقرار واعمال اس کا جزء نہیں، اقرار صرف دنیا میں احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے، اور اعمالِ صالحہ اور کبائر سے بچنا ایمانِ کامل کے لئے شرط ہے جس کی وجہ سے بندہ نجاتِ اولی کا حق دار ہوتا ہے اور جنت کے بلند درجات پر فائز ہوتا ہے، رہا نفس ایمان کا حامل یعنی توحید کا قائل تو وہ اگر چہ کبائر میں ملوث ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس کی تمام کوتاہیاں معاف کردیں گے یا وہ سزا پانے کے بعد نجات پائے گا۔

۴- خوارج اور معتزلہ کے نزدیک ایمان کی حقیقت مرکب ہے، یعنی تصدیقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور اعمالِ بدنی کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، اور اقرار و اعمال ایمانِ حقیقی کا جزء ہیں، پس اعمالِ صالحہ کا تارک اور کبائر کا مرتکب ایمان سے خارج ہے، کیونکہ جزء کے نہ رہنے سے کل باقی نہیں رہتا، پھر خوارج اس کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ کافر تو نہیں کہتے مگر مؤمن بھی نہیں کہتے، بلکہ منزلة بين المنزلتين: یعنی بیچ میں رکھتے ہیں، اور اگر وہ توبہ کئے بغیر مرگیا تو دونوں اس کو دائمی جہنمی بتاتے ہیں ـــــ باب کی حدیث اور اس قسم کی نصوص ان کی تردید کرتی ہیں، اور محدثین واشاعرہ بھی اگر چہ ایمان کو مرکب کہتے ہیں اور اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں مگر حقیقی ایمان کا نہیں بلکہ ایمان کامل کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، یعنی تکمیلی اور تزئینی جزء قرار دیتے ہیں، پس اہل حق کے درمیان اختلاف محض لفظی ہے، اور وہ سب اس پر متفق ہیں کہ جو بھی توحید کا قائل ہے وہ جنت میں ضرور جائے گا اگر چہ اس کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھیجا جائے، مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور اس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں۔

اور مرجئہ بھی ایمان کو بسیط کہتے ہیں، ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت وماہیت صرف تصدیقِ قلبی ہے، اقرار اور اعمال نہ ایمان کے لئے رکن ہیں، نہ شرط، نہ اجزائے مقوّمہ، نہ اجزائے مکمّلہ، وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ طاعات تو مفید ہیں، مگر معاصی مضر نہیں، اور ایمان کے ساتھ جہنم میں کوئی جا ہی نہیں سکتا یہ ایمان کی توہین ہے، اس لئے مؤمن

بہر حال جنت میں جائے گا اور اس کی تمام برائیاں معاف کردی جائیں گی۔ اور باب کی حدیث سے اور ان حدیثوں سے جن میں صرف ایمان پر جنت کی بشارت سنائی گئی ہے وہ استدلال کرتے ہیں، مگر ان کا یہ نظریہ باطل ہے، اس لئے کہ یہ بات کہ ایمان کے ساتھ کسی کا جہنم میں جانا ایمان کی توہین ہے: نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو مردود ہے، اس لئے کہ متعدد احادیث میں یہ آیا ہے کہ بعض مؤمنین ان کے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں جائیں گے، مثلاً چغل خور، شرابی اور قاتل وغیرہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے، اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے، اسی طرح متعدد احادیث میں مروی ہے کہ عاصی مؤمنین کو ایک وقت کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ترمذی شریف میں متعدد صحابہ سے اس مضمون کی حدیث مروی ہے کہ: سَیُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ مِنْ أَهْلِ التَّوْحِیْدِ ویُدْخَلُوْنَ الجنةَ: عنقریب کچھ لوگ جو توحید کے قائل ہیں جہنم سے نکالے جائیں گے اور جنت میں داخل کئے جائیں گے (ترمذی، کتاب الایمان باب ۱۷) اور سورۃ الحجر کی آیت ۲ ﴿ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴾: کی تفسیر میں متعدد تابعین سے مروی ہے کہ جب توحید کے قائل دوزخ سے نکالے جائیں گے اور جنت میں داخل کئے جائیں گے تو کفار آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

غرض عاصی مؤمنین کا عارضی طور پر جہنم میں جانا اور سزا یابی کے بعد نکال لیا جانا صحیح احادیث سے ثابت ہے، پس باب کی حدیث میں یا تو دخولِ ثانوی مراد ہے یا حدیث ان مؤمنین کے ساتھ خاص ہے جو مثبت اور منفی ہر دو پہلو سے اعمال بجالاتے ہیں، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ تمام روایات میں جمع وتطبیق ہوجائے اور ان کے مابین کوئی تعارض باقی نہ رہے (۱)۔ واللہ اعلم

**قوله: وهو يعلم:** کسی روایت میں **من يشهد شهادة** ہے، کسی میں **غير شاك فيهما**، کسی میں **مستيقنا بها قلبه**

(۱) بعض عارفین کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مختلف احوال تھے، جب آپؐ کی نظر اللہ عزوجل کی رحمت وشفقت، فضل وکرم، رحمتِ واسعہ اور بے پایاں انعام واکرام پر ہوتی تو آپؐ مطلق دخولِ جنت کی بشارت سناتے، کبھی فرماتے: **مَنْ قال لا إله إلا الله صدقا من قلبه دخل الجنة وحَرَّمه النار**: جس نے صدقِ دل سے اللہ عزوجل کی وحدانیت کا اقرار واعتراف کرلیا اس کے لئے جنت پکی اور اس پر جہنم کی آگ حرام، اور کبھی فرماتے: **أدخله الله الجنة على ما كان من عمل**: وہ چاہے جو بھی عمر کرے اچھا یا برا جنت میں جائے گا ـــــــ اور کبھی آپؐ پر خدا کے غیض وغضب اور قہر وجلال کے احوال منکشف ہوتے تو آپؐ فرماتے: ''جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے مامون نہیں وہ جنت میں نہیں جائے گا'' کبھی فرماتے: ''جس کا پڑوسی بھوکا سوئے وہ مؤمن نہیں'' کبھی فرماتے: ''شرابی جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا'' غرض رحمتِ الٰہی کے غلبہ کے وقت نفسِ توحید پر جنت کی بشارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاصی پر عذاب نہیں ہوگا، اس طرح کی بشارتیں یا تو مخلص مسلمان کے لئے ہیں جو مثبت ومنفی: ہر دو پہلو سے اعمال بجالاتے ہیں یا پھر ان حدیثوں میں دخولِ ثانوی مراد ہے۔ واللہ اعلم

اور یہاں وھو یعلم أنه لا إله إلا الله ہے، سب کا حاصل یہ ہے کہ تصدیق جازم مطلوب ہے، محض تلفظ کافی نہیں۔

[۴۴-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِيْ النَّضْرِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ النَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ مَسِيْرٍ. قَالَ: فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ. قَالَ: حَتّٰى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِيَ مِنْ أَزْوَادِ الْقَوْمِ، فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَيْهَا. قَالَ: فَفَعَلَ. قَالَ: فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ، وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهٖ. قَالَ: وَقَالَ مُجَاهِدٌ: وَذُا النَّوَاةِ بِنَوَاهُ- قُلْتُ: وَمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوَاةِ؟ قَالَ: كَانُوْا يَمَصُّوْنَهُ وَيَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ. قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهَا حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ. قَالَ: فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ:" أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ، غَيْرَ شَاكٍّ فِيْهِمَا، إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کہتے ہیں: ایک سفر میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پس لوگوں کا توشہ ختم ہونے لگا، یہاں تک کہ ارادہ کیا ان کی بعض سواریوں کے ذبح کرنے کا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اچھا ہوتا کہ آپ لوگوں کے بچے کھچے توشہ کو جمع کرتے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے (برکت کی) دعا فرماتے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے ایسا کیا، چنانچہ گیہوں والا گیہوں لایا، کھجور والا کھجور لایا، طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ مجاہدؒ نے کہا: اور گٹھلی والا گٹھلی لایا، میں نے پوچھا: لوگ گٹھلیوں کا کیا کرتے تھے؟ مجاہدؒ نے کہا: اس کو چوستے تھے اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: حضور ﷺ نے اس (باقی ماندہ توشہ) میں دعا فرمائی (دعائے نبوی کا ظہور اس طرح ہوا کہ) لوگوں نے اپنے توشہ دان بھر لئے، اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ان دونوں کلموں کے ساتھ کوئی بندہ اللہ سے ملاقات نہیں کرے گا ـــــ درانحالیکہ اس کو ان دونوں کلموں میں کوئی شک نہ ہو ـــــ مگر وہ جنت میں جائے گا۔

لغات: فی مسیر: اس سے مراد غزوۂ تبوک ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث میں ہے ...... الحمائل (حا کے ساتھ) حَمُوْلَة کی جمع ہے: بار برداری کا اونٹ، بعض نے جمائل (جیم کے ساتھ) پڑھا ہے، جو جمالة (بکسر الجیم) کی جمع ہے۔ اور جمالة: جمل کی جمع ہے، یعنی جمائل: جمل کی جمع الجمع ہے، معنی ہیں: مذکر اونٹ، جمل کا مقابل ناقة ہے یعنی اونٹنی...... مَصَّ (ن، س) مَصًّا، تَمَصَّصَ اور امتَصَّ کے معنی ہیں: چوسنا، قَصَبُ الْمَصِّ: گنے کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ چوسا جاتا ہے، مَصَّ: زیادہ فصیح ہے، اس کے علاوہ مَصٌّ، مُصٌّ، مَصَّ مُصَّ: چار لغات اور بھی ہیں...... ملأ القوم أزودتهم: أزودة: زاد کی جمع ہے، معنی ہیں: توشہ، توشہ: توشہ دان میں بھرا جاتا ہے، توشہ میں

توشہ نہیں بھرا جاتا، اس لئے یا تو مضاف أوعیۃ محذوف ہے: أی ملأ القومُ أوعیۃ أزودتھم یا حال بول کر محل (ظرف بول کر مظروف) مراد لیا ہے۔

سند: اس سند پر امام دار قطنی نے اعتراض کیا ہے کہ عبید اللہ اشجعی کے علاوہ دیگر طرق سے یہ حدیث مرسل ہے، یعنی دوسرے رواۃ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے؟ علامہ ابن الصلاحؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر کوئی ثقہ راوی حدیث کو متصل روایت کرے تو دوسرے راوی کے مرسل روایت کرنے سے حدیث کی صحت میں فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمہ کے شروع میں بیان کیا ہے (فیض المنعم ص:۴۷) اور عبید اللہ اشجعی ثقہ ہیں پس ان کی زیادتی مقبول ہے (فتح الملہم)

تشریح: دعائے نبوی کی برکت سے جب توشہ میں غیر معمولی اضافہ ہوا تو نبی ﷺ نے توحید ورسالت کی گواہی دی[1] تا کہ وہاں موجود لوگ بھی ان دو باتوں کی گواہی دیں، چونکہ معجزہ دیکھ کر ان مغیبات پر اعتماد و یقین کرنا آسان ہو جاتا ہے جن کی انبیاء خبر دیتے ہیں، اس لئے اس کو دیکھ کر یا اس کے بارے میں پڑھ کر ان دو باتوں کا اعتراف واقرار کرنا چاہئے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے۔

[۴۵-] حدثنا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، جَمِيعًا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، قَالَ: أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ - شَكَّ الْأَعْمَشُ- قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوكَ، أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا، فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "افْعَلُوا" قَالَ: فَجَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ، وَلٰكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ، ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ، لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذٰلِكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ" قَالَ: فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبَسَطَهُ، ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ. قَالَ: فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِكَفِّ ذُرَةٍ. قَالَ: وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ. قَالَ: وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكِسْرَةٍ، حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطَعِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ. قَالَ: فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ: "خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ" قَالَ:

(۱) جاننا چاہئے کہ نبی پاک ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ہے اللہ کا بندہ ہونے کی یعنی امتی ہونے کی، اور دوسری حیثیت ہے اللہ کا رسول ہونے کی، پس جس طرح امت پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ رسالت کی گواہی بھی دیں، خود حضور ﷺ پر بھی اپنی رسالت کی گواہی دینا ضروری تھا۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب مؤذن اذان میں شہادتین پکارتا تو حضور ﷺ اس کے جواب میں وانا وانا کہتے، یعنی اللہ کی وحدانیت کے ساتھ اپنی رسالت کی گواہی میں بھی دیتا ہوں (مشکوۃ حدیث ۶۷۷)

فَأَخَذُوْا فِيْ أَوْعِيَتِهِمْ، حَتّٰى مَا تَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَؤُوْهُ. قَالَ: فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا، وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ، غَيْرَ شَاكٍّ، فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ"

ترجمہ: حدیث کے راوی اعمش کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ یا ابو سعید خدری (راوی کو شک ہے) میں سے کسی نے بیان کیا کہ جب غزوۂ تبوک پیش آیا تو لوگوں کو بھوکا رہنے کی نوبت آگئی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم پانی بردار اونٹنیوں کو ذبح کر دیں اور اس کو کھائیں اور چکنائی استعمال کریں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "ایسا کرلو" پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے اور انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ نے اجازت دیدی تو سواریاں کم ہو جائیں گی، بلکہ آپ ان کے بچے ہوئے توشہ کو منگوائیں، پھر اس میں برکت کی دعا فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت کردیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ راوی کہتا ہے: پس آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا اور اس کو بچھایا، پھر ان کا بچا ہوا توشہ منگوایا، راوی کہتا ہے: پس کوئی مٹھی بھر مکئی لایا، اور کوئی مٹھی بھر کھجور، اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا، یہاں تک کہ دستر خوان پر تھوڑا سا اکٹھا ہوا۔ راوی کہتا ہے: پس نبی ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا: اپنے برتنوں میں بھر لو، پس لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے، یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن نہیں بچا مگر لوگوں نے اس کو بھر لیا۔ راوی کہتا ہے: پھر لوگوں نے اس کو کھایا یہاں تک کہ خوب شکم سیر ہو گئے پھر بھی کچھ بچ گیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ نہیں ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ سے ان دو کلمات کے ساتھ کوئی بندہ درانحالیکہ وہ شک کرنے والا نہ ہو، پس وہ جنت سے روک دیا جائے یعنی ان دو کلموں کا قائل جنت سے محروم نہیں رہے گا۔

لغات: یومُ غزوۃ تبوک: یوم سے مطلق زمانہ مراد ہے، تحسینِ کلام کے لئے لایا گیا ہے۔۔۔۔۔ مَجاعة: سخت بھوک ۔۔۔۔۔ نواضح: پانی بردار اونٹنی، مذکر کو ناضِحٌ اور مؤنث کو ناضِحَةٌ کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اِدَّهن اِدِّهَانا کے معنی ہیں: بدن میں تیل لگانا، اور یہاں مراد ہے: چربی کو تیل کی جگہ استعمال کرنا۔۔۔۔۔ الظَّهْر: پیٹھ، مراد ہے: چوپایہ اس کو ظھر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی پیٹھ پر سواری کی جاتی ہے۔۔۔۔۔ لعل الله: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صیغہ شک استعمال کیا، اس لئے کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں معجزہ ظاہر فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ نِطَعٌ: میں چار لغات ہیں مگر مشہور نِطَعٌ (نون مکسور طا مفتوح) ہے: چمڑے کا فرش جو مجرم کو قتل کرنے کے لئے بچھایا جاتا تھا، چمڑے کا دستر خوان ۔۔۔۔۔ ذُرَة: بضم الذال وتخفيف الراء: چینا، ایک قسم کا اناج۔۔۔۔۔ الكِسْرَة: ٹوٹی ہوئی چیز کا ٹکڑا، جمع: كِسَر و كِسْرات و كِسَرات۔

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی؟ اس بارے میں امام اعمش سلیمان بن مہران کوئی کو شک ہے، اور اس قسم کے شک سے حدیث کی حجیت وصحت پر فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ خطیب بغدادی وغیرہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب کوئی راوی شک کے ساتھ ایک سے زائد سے روایت کرے اور

وہ سب ثقہ ہوں تو وہ روایت حجت ہوتی ہے، کیونکہ مقصود ثقہ سے روایت کرنا ہے، اور وہ مقصد حاصل ہے، اور یہ قاعدہ غیر صحابی کے بارے میں ہے، پس صحابی میں اس قسم کے شک سے بدرجہ اولیٰ کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ صحابہ سب عادل ہیں، غرض ابو ہریرہؓ کی حدیث ہو یا ابو سعید خدریؓ کی، اس سے متن حدیث متاثر نہیں ہوتا (فتح الملہم)

[۴۶-] حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رَشِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ- يَعْنِيْ: ابْنَ مُسْلِمٍ - عَنِ ابْنِ جَابِرٍ، قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَيْرُ بْنُ هَانِيءٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ جُنَادَةُ بْنُ أَبِيْ أُمَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَأَنَّ عِيْسَى عَبْدُ اللّٰهِ وابْنُ أَمَتِهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِنْهُ، وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ، وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ "

وَحَدَّثَنِيْ أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِيءٍ، فِي هٰذَا الإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: " أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ " وَلَمْ يَذْكُرْ: "مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ"

ترجمہ: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، وہ یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے، اور اس کی بندی کے بیٹے، اور ان کا فرمان ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا، یعنی پہنچایا، یعنی مرد کے توسط کے بغیر حکم دیا کہ مریم کے پیٹ میں بچہ پیدا ہو جائے، چنانچہ ہو گیا، اور جو اللہ کی طرف سے روح ہیں، یعنی پاکیزہ اور بابرکت روح ہیں، اور یہ کہ جنت برحق ہے، اور دوزخ برحق ہے، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے، جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازہ سے بھی وہ چاہیں گے۔

تشریح:

۱- سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ ہے: "اے اہل کتاب! (انجیل والو) تم اپنے دین میں غلو مت کرو، یعنی حد سے مت نکلو، اور اللہ تعالیٰ کی شان میں برحق بات ہی کہو (غلط بات مت کہو) مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح بس اللہ کے رسول ہیں، اور ان کا بول ہیں، جو اللہ نے مریم کو پہنچایا، اور وہ پیاری (بابرکت) جان ہیں، پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہوگا، معبود صرف ایک ہی معبود ہے، اس کی ذات صاحبِ اولاد ہونے سے پاک ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس کی ملک ہے، اور اللہ تعالیٰ کارسازی کے لئے کافی ہیں"

لغت: ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں: کلمة سے مراد کُن ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے

ہیں: ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے، اور محققین کہتے ہیں: ''ہوجا'' بھی نہیں کہنا پڑتا، اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی اس چیز کو وجود میں لانے کے لئے کافی ہے، اور ابوعبید نے کہا: روح منه کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ کیا، پس اس کو جان بنایا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی جان مخلوق ہے، ان کی روح اللہ تعالیٰ کا جزء نہیں، پس مت کہو کہ اللہ تین ہیں، عیسائی تثلیث کے قائل ہیں، تین ہستیوں کے مجموعہ کو خدا مانتے ہیں: ایک: اللہ (باپ) دوسرے: عیسیٰ (بیٹا) اور تیسرے: حضرت مریم یا حضرت جبرئیل یہ ان کا دین میں غلو ہے، معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کی کوئی اولاد نہیں، نہ کوئی خدائی میں شریک ہے، ساری کائنات ان کی ملک ہے، اور کائنات کی کارسازی کے لئے وہ تنہا کافی ہیں۔ ان کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔

۲- کلمة: یعنی بول اور حکم، یہاں کلمته میں بلا واسطہ اضافت ہے، اور سورۂ آلِ عمران آیت ۴۵ میں ﴿ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﴾ میں بواسطہ مِن اضافت ہے، اسی طرح ﴿ رُوحٌ مِّنْهُ ﴾ میں بھی اضافت بواسطہ مِن ہے۔ اور سورۃ الحجر آیت ۲۹ میں آدم علیہ السلام کے حق میں ہے: ﴿ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي ﴾: اور میں ان میں اپنی روح ڈالوں، یہ سب اضافتیں تشریف کے لئے ہیں، یعنی اللہ کا خاص حکم، اور اللہ کی پیاری روح، جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریف کے لئے ہے، پس یہ سمجھنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح اللہ کی روح کا جزء ہے، صحیح نہیں، جیسے آدم علیہ السلام کی روح کو اللہ تعالیٰ کی روح کا جزء کوئی نہیں مانتا، اسی طرح کائنات میں ہر کام اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا وجود خاص الخاص حکم سے ہوا ہے۔ کلمتهٗ کا بس اتنا ہی مطلب ہے، اس سے زیادہ کچھ سمجھنا گمراہی ہے (مزید تفصیل تحفۃ القاری (۷: ۵۳) میں پڑھیں)

۳- جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں صرف لا إله إلا الله ہے، کسی میں اس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے، اور یہاں شہادتین کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے اوصاف کے ساتھ اور جنت وجہنم پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے، ان سب روایتوں کا حاصل ایک ہے کہ نبی ﷺ جو دین وشریعت لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانا، غرض موقع محل کے اختلاف سے تعبیرات مختلف ہیں، مگر یہ سب کنایہ ہے جمیع ماجاء به النبی پر ایمان لانے سے۔

۴- سورۃ الحجر آیت ۴۴ میں جہنم کے سات دروازوں کا ذکر ہے، اور سورۃ الزمر آیت ۷۳ میں جنت کے دروازوں کا ذکر ہے مگر جنت کے دروازے کتنے ہیں یہ بات قرآنِ کریم میں مذکور نہیں، یہاں حدیث میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، یعنی جہنم سے ایک دروازہ زائد ہے، یہی حکمت خداوندی کا مقتضا ہے کہ جس طرح جہنم کے دروازے ہیں اور جہنمیوں کے الگ الگ حصے ہیں، اسی طرح جنت کے بھی دروازے ہوں اور جنتیوں کے بھی الگ الگ حصے ہوں، اور ایک دروازہ کی زیادتی اس لئے ہے کہ رحمت غضب پر غالب ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴: ۴۹)

سند: اس حدیث کو ابن ہانی سے امام اوزاعی اور ابن جابر: دونوں نے روایت کیا ہے، دونوں کی حدیثیں ایک دوسرے کے مثل ہیں، بس اتنا فرق ہے کہ امام اوزاعی کی حدیث میں جنت کے دروازوں کا ذکر نہیں، بلکہ یہ ہے: أدخله الله الجنة: اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے جو بھی اس نے (اچھا یا برا) عمل کیا ہو، یعنی وہ بالیقین جنت میں جائے گا،

پھر چاہے دخولِ اولی نصیب ہو یا دخولِ ثانوی۔

ملحوظہ: ابن جابر سے مراد: عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر دمشقی ہیں ـــــ اور امام اوزاعی: ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن یُحمِد (بضم الياء وكسر الميم) شامی دمشقی: مشہور فقیہ اور امام ہیں، اور اوزاع: قبیلۂ حِمیر یا قبیلہ ہمدان کا بطن ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق کا ایک گاؤں ہے اس کی طرف اوزاعی نسبت ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اختیار دیں گے کہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں جائے، جبکہ بخاری شریف میں بدء الخلق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کسی معین دروازہ سے داخل ہوگا، مثلاً نمازی باب الصلوۃ سے اور روزہ دار باب الرّیان سے جنت میں داخل ہونگے، غرض حدیث باب سے تعمیم اور حدیث ابو ہریرہ سے تخصیص معلوم ہوتی ہے؟ ان روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ اختیار تو جنتیوں کو ہوگا مگر ہر شخص کے لئے جو بہتر ہوگا اس کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کی راہنمائی کریں گے، پس وہ اپنے اختیار سے اس دروازہ سے داخل ہوگا، اور اگر شاء کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیں تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں رہتا۔

[۴۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ، عَنِ الصُّنَابِحِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ، فَبَكَيْتُ، فَقَالَ: مَهْلاً، لِمَ تَبْكِيْ؟ فَوَ اللهِ! لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ، وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ، وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ، ثُمَّ قَالَ: وَاللهِ! مَا مِنْ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَكُمْ فِيْهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ، إِلَّا حَدِيْثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمُوْهُ الْيَوْمَ، وَقَدْ أُحِيْطَ بِنَفْسِيْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ"

ترجمہ: ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن عُسیلہ صُنابحی جو کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں: میں حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا دراں حالیکہ آپ مرض موت میں تھے، پس میں رونے لگا، حضرت عبادہؓ نے فرمایا: رکو! صبر سے کام لو روتے کیوں ہو؟ بخدا! اگر مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں ضرور آپ کے لئے گواہی دوں گا، اور اگر میری سفارش قبول کی گئی تو میں ضرور آپ کے لئے سفارش کروں گا، اور اگر میرے بس میں ہوا تو میں ضرور آپ کو نفع پہنچاؤں گا، پھر حضرت عبادہ نے فرمایا: بخدا! جو بھی حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے جس میں تمہارے لئے نفع ہے وہ حدیث میں نے تم لوگوں سے بیان کردی ہے، ایک حدیث کے علاوہ، اور وہ ابھی میں تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں، جبکہ میری روح گھیر لی گئی ہے، یعنی موت کا وقت قریب آگیا ہے، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کردیں گے۔

وضاحت: صُنابحی نام کے تین راوی ہیں: (۱) عبداللہ بن عمرو صنابحی: یہ صحابی ہیں اور وضوء کی فضیلت میں ان کی روایت ہے (۲) عبدالرحمٰن بن عُسیلہ صنابحی: ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ اور یہ صحابی نہیں ہیں، نبی ﷺ کی زیارت کے ارادہ سے گھر سے چلے تھے، ابھی جُحفہ میں تھے جو مدینہ منورہ سے تین دن کے فاصلہ پر ہے کہ نبی ﷺ کی وفات ہوگئی، انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنی ہیں، نبی ﷺ سے کوئی حدیث نہیں سنی [1]۔ (۳) صنابح بن اَعسَر اَحمَسی: ان کے نام کے آخر میں ی نہیں ہے، اگر چہ ان کو بھی صنابحی کہہ دیا جاتا ہے، یہ صحابی ہیں، ان کی حدیث **إني مكاثر بكم الأمم فلا تقتلن بعدي** ہے۔

تشریح:

۱- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو ہر بات عوام کے سامنے بیان نہیں کرنی چاہئے، جو بات عام آدمی سمجھ سکتا ہے وہی بات بیان کرنی چاہئے، کیونکہ اگر ایسی باتیں بیان کریں گے جس کو لوگ نہیں سمجھ سکتے تو وہ یا تو گمراہ ہونگے یا تکذیب کریں گے، اور وہ بیان کرنے والے کی تکذیب نہیں کریں گے، بلکہ اللہ اور رسول کی بات میں شک کریں گے، اور اپنی عاقبت خراب کرلیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''لوگوں سے وہی بات بیان کرو جس کو وہ سمجھ سکیں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب کریں؟'' ظاہر ہے کوئی اس کو پسند نہیں کرسکتا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آدمی کوئی ایسی بات بیان کرتا ہے جہاں تک لوگوں کی عقلیں نہ پہنچ سکیں تو وہ بات بعض لوگوں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ غرض لوگوں سے ان کے علمی مستوی کو سامنے رکھ کر بات کرنی چاہئے، البتہ مخصوص حضرات سے ہر بات بیان کرسکتے ہیں۔

۲- **قوله: حَرّم الله عليه النار**: مؤمن پر جہنم کی آگ حرام ہے: اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ کیسے ہی گناہ کرے جہنم میں نہیں جائے گا جیسا کہ مرجئہ کہتے ہیں، یہ مطلب صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے نہیں جائے گا، یعنی کبائر کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، البتہ ہمیشہ وہاں رہنا نہیں ہوگا، گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا (حدیث کی اور بھی توجیہیں کی گئی ہیں جو فتح الملہم میں ہیں)

[۴۸-] حدثنا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بنُ مَالِكٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ: " يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ!" قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ

(۱) وہ حضرات جنھوں نے اسلام اور جاہلیت کا زمانہ پایا ہے، لیکن حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے، خواہ وہ حضور ﷺ کے عہد میں مسلمان ہوئے ہوں یا بعد میں مسلمان ہوئے ہوں وہ مخضرمین کہلاتے ہیں (تحفۃ الدرر ص:۶۹) پس عبدالرحمٰن بن عُسیلہ مخضرم ہیں اور ان کا شمار کبار تابعین میں ہے۔

قَالَ: "يَا مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ" قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: "يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ" قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: "هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ؟" قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا" ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: "يَا مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ" قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ. قَالَ: "هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟" قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ"

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کا ردیف تھا یعنی سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا (اور اتنا قریب تھا کہ) میرے اور آپؐ کے درمیان صرف کجاوے کی پچھلی لکڑی تھی، آپؐ نے پکارا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حاضر ہوں اور حاضری میری سعادت ہے! آپ تھوڑی دیر (خاموش) چلے، پھر پکارا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں، اور حاضری میری سعادت ہے! پھر آپؐ خاموش تھوڑی دیر چلے، پھر پکارا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں، اور حاضری میری سعادت ہے، آپ نے فرمایا: جانتے ہو بندوں پر اللہ عزوجل کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، پھر تھوڑی دیر (خاموش) چلے پھر پکارا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور حاضری میری سعادت ہے! آپؐ نے فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے جب وہ یہ کام کریں؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: (اگر بندے یہ کام کریں گے تو) اللہ ان کو عذاب نہ دیں۔

تشریح:

قولہ: مُؤخِرَۃ الرَّحْل: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث میں عُفیر نامی گدھے پر سوار ہونے کا ذکر ہے، جبکہ کجاوہ اونٹ پر ہوتا ہے؟ اس کا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ دونوں روایتوں میں دو الگ الگ واقعے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ گدھے پر سواری کا قصہ ہے اور مؤخرۃ الرحل سے مراد قدر مُؤخِرَۃ الرحل ہے۔

۲-لبیک: تثنیہ تاکید کے لئے ہے، اور نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے، تقدیر عبارت ہے: أُلِبُّ لک إلبابا بعد إلبابِ: جاننا چاہئے کہ مفعول مطلق کے فعل کو چھ جگہ حذف کرنا واجب ہے، ان میں سے ایک: وہ مفعول مطلق ہے جو تثنیہ ہو اور برائے تکرار و تکثیر آیا ہو، اس کا فعل بھی قیاساً وجوباً محذوف رہتا ہے، جیسے لَبَّیک: خدایا! میں آپ کے سامنے ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں بار بار مقیم و موجود ہوں، اس میں لَبّی: مصدر منصوب (مفعول مطلق) ہے، کیونکہ اس کو برائے تکثیر تثنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا گیا ہے —— اسی طرح سَعْدَیک ہے اس کی اصل أُسعِدُک إِسْعَادًا بعد إِسْعَادٍ ہے، یعنی میں بار بار آپ کی مدد کرتا ہوں (مفعول مطلق کا عامل کہاں کہاں حذف کرنا واجب ہے: یہ بحث کافیہ میں

ہے اور تفصیل صاحبِ افادات حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی کافیہ کی معروف شرح ہادیہ (ص:۷۷) میں ہے)

۳-جب کوئی بڑا آدمی آواز دے تو جواب میں لبیک وسعدیک کہے، یعنی میں بار بار (ہر وقت) حاضر ہوں اور آپ کی بارگاہ میں حاضری میرے لئے سعادت ہے، اور لبیک سیدی یالبیک یا سیدی یاصرف لبیک کہے تو یہ بھی مہذب جواب ہے (تحفۃ القاری ۱۱:۲۰۱)

۴-آنحضرت ﷺ نے بار باراس لئے پکارا تھا کہ وہ پوری طرح متوجہ ہوجائیں اور غور سے بات سنیں اور محفوظ کریں۔

۵-ولا يشركوا به شيئًا: عطف تاکید کے لئے ہے، اور مقصود بت پرستوں کی تردید ہے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ عبادت میں بتوں کو شریک مت کرو ــــ اور شیئا: نکرہ تحت النفی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی ہے، خواہ شرک ذات وصفات میں ہو یا عبادت میں، جلی ہو یا خفی حتی کہ ریاء وسُمعہ سب کی نفی ہوگئی۔

شرک غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری ❁ غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

۶-أن لايُعَذِّبهم: دائمی عذاب کی نفی ہے، یا مطلق عذاب کی، بشرطیکہ عبادت کے تقاضے پورے کرے۔

[۴۹-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْأَحْوَصِ سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى[1] حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ: عُفَيْرٌ. قَالَ: فَقَالَ: "يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ؟" قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا. وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ" قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: "لَاتُبَشِّرْهُمْ، فَيَتَّكِلُوْا"

[۵۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ- قَالَ ابْنُ مُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، وَالْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، أَنَّهُمَا سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ يُحَدِّثُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟" قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَنْ يُعْبَدَ اللّٰهُ وَلَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْءٌ" قَالَ: "أَتَدْرِيْ مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟" فَقَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: "أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ"

[۵۱-] وَحَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ

(۱) جزیرۃ العرب میں 'حمار' پر دو بڑے آدمی بیٹھ سکتے ہیں، وہ خچر جتنا بڑا ہوتا ہے، وہاں 'گدھے' نہیں ہوتے، 'حمار' ہوتے ہیں، گدھے ہمارے یہاں ہیں۔

ابْنِ هِلَالٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاذًا يَقُوْلُ: دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَجَبْتُهُ. فَقَالَ: "هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى النَّاسِ؟" نَحْوَ حَدِيْثِهِمْ.

سند: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان کی مذکورہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ عمرو بن میمون اور اسود بن ہلال نے بھی روایت کی ہے، یہ ان کی حدیثیں ہیں —— نحو حديثهم: یعنی امام مسلم رحمہ اللہ کے شیخ قاسم بن زکریا کی حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو دیگر اساتذہ: ہدّ اب، ابوبکر بن ابی شیبہ، محمد بن المثنی اور ابن بشار کی روایات کا ہے۔ هم: ضمیر کا مرجع مذکورہ اساتذہ ہیں۔

قوله: أفلا أُبشّر الناس؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سناؤں؟ تاکہ وہ خوش ہوجائیں؟ آپؐ نے فرمایا: بشارت مت سناؤ، ورنہ لوگ تکیہ کرکے بیٹھ جائیں گے، چنانچہ آج اسّی فیصد مسلمان توحید ورسالت کی گواہی پر تکیہ کرکے بیٹھ گئے ہیں، عمل سے قطعی غافل ہوگئے ہیں اور واعظین کا حال یہ ہے کہ جہاں وعید کی حدیث آئی فوراً تاویل کردی، مثلاً: مَن ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر: جو دانستہ نماز چھوڑ دے وہ یقیناً کافر ہوگیا، واعظین فوراً تاویل کریں گے کہ کفر حقیقی مراد نہیں، مجازی معنی میں ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے وہ ہے، پس وعید کا جو مقصد تھا وہ فوت ہوگیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے آپؐ نے یہی فرمایا ہے کہ اگر تم لوگوں کو یہ خوشخبری سناؤ گے تو وہ عمل سے غافل ہوجائیں گے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے یہ بات صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے جو خواص میں سے ہیں، اور آگے بیان کرنے سے منع کردیا ہے، کیونکہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہوجائیں گے، پس ہر بات ہر کسی سے بیان نہیں کرنی چاہئے، جیسے آج کل واعظین اپنے بیانوں میں انوکھی باتیں بیان کرنے کو پسند کرتے ہیں، پھر لوگ پریشان ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

[۵۲-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُوْنُسَ الْحَنَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ كَثِيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، مَعَنَا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فِيْ نَفَرٍ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا، فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا، وَخَشِيْنَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَا، وَفَزِعْنَا وَقُمْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَخَرَجْتُ أَبْتَغِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، حَتّٰى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ، لِبَنِي النَّجَّارِ، فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا، فَلَمْ أَجِدْ، فَإِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِيْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ – وَالرَّبِيْعُ: الْجَدْوَلُ – فَاحْتَفَزْتُ، فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَبُوْ هُرَيْرَةَ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "مَا شَأْنُكَ؟" قُلْتُ:

كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا، فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا، فَخَشِيْنَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا، فَفَزِعْنَا، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ، فَأَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ، فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي. فَقَالَ: "يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ- وَقَالَ:" اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ، فَمَنْ لَقِيْتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرُ. فَقَالَ: مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! فَقُلْتُ: هَاتَيْنِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، بَعَثَنِي بِهِمَا، مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً، فَخَرَرْتُ لِإِسْتِي. فَقَالَ: ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَرَجَعْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً، وَرَكِبَنِي عُمَرُ، فَإِذَا هُوَ عَلٰى أَثَرِي، فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَالَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟" قُلْتُ: لَقِيْتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ، فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِإِسْتِي، قَالَ: ارْجِعْ. فَقَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" يَا عُمَرُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ؟" قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ، مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ، بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: "نَعَمْ" قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا، فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" فَخَلِّهِمْ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ جماعت میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، پس حضور ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ کر تشریف لے گئے، اور واپس لوٹنے میں دیر کردی، پس ہم ڈرے کہ آپؐ ہمارے ورے کاٹے جائیں، یعنی کوئی آپ کو تنہا پا کر جانی یا کوئی اور نقصان نہ پہنچادے، پس ہم گھبرا کر اٹھے، اور گھبرانے والوں میں میں پہلا شخص تھا، پس میں نکلا تا کہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کروں، یہاں تک کہ میں بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ پر پہنچا پس میں باغ کے چاروں طرف گھوما تا کہ اندر جانے کا راستہ پاؤں، مگر مجھے راستہ نہیں ملا (ظاہر ہے باغ کے اندر جانے کا راستہ ہوگا، مگر حضرت ابو ہریرہؓ اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ ان کو راستہ نہ ملا) پس اچانک ایک نالہ تھا جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جارہا تھا ـــــ اور ربیع: نالہ (چھوٹی نہر) کو کہتے ہیں ـــــ پس میں سکڑا (اور اس میں سے گھس کر) نبی ﷺ کے پاس پہنچ گیا، آپؐ نے (دیکھا تو) فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی ہاں، یارسول اللہ! آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ ہمارے درمیان سے اچانک اٹھ کر چلے گئے، اور واپسی میں تاخیر ہوئی تو ہم ڈرے کہ آپؐ ہمارے ورے کاٹے جائیں، پس ہم گھبرا گئے، اور میں پہلا شخص ہوں جو گھبرا گیا، پس میں اس باغ کے پاس آیا، اور میں سمٹ کر جس طرح لومڑی اپنے بدن کو سمیٹتی ہے گھس آیا، اور لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، پس آپؐ نے مجھے اپنے چپل دیکر فرمایا: ابو ہریرہ! میرے یہ چپل لے کر جاؤ اور اس دیوار کے پیچھے آپ کی جس سے بھی ملاقات ہو جو گواہی دیتا ہو اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں درانحالیکہ اس

پراس کا دل یقین بھی کرتا ہو تو اس کو جنت کی خوشخبری دو، پس پہلا وہ شخص جس سے میری ملاقات ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے پوچھا: ابو ہریرہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے ہیں، حضور ﷺ نے مجھے ان کو دے کر بھیجا ہے کہ جس سے میں ملاقات کروں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں درانحالیکہ اس پر اس کا دل یقین کرتا ہو تو میں اس کو جنت کی خوشخبری دوں، پس حضرت عمرؓ نے میرے دونوں پستانوں کے درمیان یعنی سینہ پر ایک ہاتھ مارا، پس میں سرین کے بل گر پڑا، اور کہا: واپس چلو اے ابو ہریرہ! میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس لوٹ کر آیا، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور مجھ پر عمرؓ کا خوف سوار تھا، پس اچانک وہ میرے پیچھے تھے، یعنی ابھی میں پہنچا ہی تھا کہ حضرت عمرؓ بھی آ گئے، مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہ! تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میری عمرؓ سے ملاقات ہوئی، میں نے ان کو وہ بات بتائی جس کے ساتھ آپؐ نے مجھے بھیجا تھا، پس انھوں نے میرے سینہ پر مارا جس کی وجہ سے میں سرین کے بل گر پڑا، اور کہنے لگے: واپس چلو، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کس چیز نے ابھارا آپ کو اس پر جو آپ نے کیا؟ یعنی ابو ہریرہ کو کیوں مارا؟ اور ان کو واپس کیوں لائے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا آپؐ نے ابو ہریرہ کو اپنے چپلوں کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ جس سے ملاقات کریں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں درانحالیکہ اس پر اس کا دل یقین کرتا ہو تو وہ اس کو جنت کی خوشخبری سنائیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے عرض کیا: آپؐ ایسا نہ کریں، اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر لیں گے، آپؐ ان کو چھوڑ دیجئے تا کہ وہ عمل کریں، نبی ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے ان کو چھوڑ دو، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ آپؐ نے قبول فرمالیا۔

لغات: النَّفَر: تین سے دس تک مردوں کی جماعت، جمع: أنفار۔ یہاں مطلق جماعت مراد ہے۔۔۔۔۔من بين أظهرنا: أی من بيننا، لفظ اظہر زائد ہے، تاکید یا تحسینِ کلام کے لئے ہے۔۔۔۔۔ فابطأ علينا: أبطأ عليه بالأمر: (از افعال) دیر کرنا، مؤخر کرنا۔۔۔۔۔أن يقتطع: قَطَع (ف) قَطْعًا الشيئَ: کاٹنا، جدا کرنا۔۔۔۔۔ وَفَزِعْنا: فزع (س) فَزَعًا: دہشت زدہ ہونا: حضور ﷺ کے یوں اچانک غائب ہو جانے سے صحابہ گھبرا اٹھے، اس سے صحابۂ کرام کی شیفتگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اسلامی تاریخ کے علاوہ اس طرح کی گرویدگی کی شاید ہی کوئی دوسری مثال ملے۔۔۔۔۔ حائط: دیوار، باغ، جمع حِيطان، باغ کو حائط اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چار دیواری سے گھرا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ربيعٌ: جمع أربعاء، جیسے نبی کی جمع انبیاء آتی ہے۔۔۔۔۔ الجَدول: (جیم کا زبر اور زیر) نالہ۔۔۔۔۔ بئر خارجة: اس کو تین طرح پڑھا جا سکتا ہے: (۱) تنوین کے ساتھ یعنی موصوف صفت بنا کر (۲) اضافت کے ساتھ، اس صورت میں خارجہ: کنویں کے مالک کا نام ہوگا یعنی خارجہ نامی شخص کا کنواں (۳) بئرٌ کو تنوین اور خارجُهُ کو ضمیر مرفوع غائب کے ساتھ، پس مرجع حائط ہوگا اور معنی ہونگے: البئر فی موضع خارجٌ عن الحائط: یعنی وہ کنواں باغ سے باہر تھا۔۔۔۔۔ فَاحتفزت: احتفاز (از افتعال) سمٹنا، سکڑنا جیسا کہ بلی نالی میں گھسنے

سے پہلے سکڑتی ہے......قوله: ابو هريرة: اى اأنت ابو هريرة؟......اذهب بنعليّ: چپل حوالہ کرنا ایک سند تھی تا کہ لوگ جان لیں کہ ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے مل کر آ رہے ہیں اور اطمینان ہوجائے کہ حضور عافیت سے ہیں، اور جو خوشخبری وہ سنائیں اس کو باور کرنے میں تأمل نہ ہو، اگر چہ اس کے بغیر بھی لوگوں کو یقین آجاتا مگر نشانی دیکھ کر یقین مزید پختہ ہوگا ......فأجْهَشْتُ بكاءً: جهش (س) جَهْشا و جُهوشًا اور أجْهَشَ إليه کے معنی ہیں: روتے ہوئے یا روانسا ہو کر فریاد کرنا......هاتين نعلا رسول الله: هاتين: حالتِ نصبی میں ہے اس سے پہلے تعنی پوشیدہ ہے اور نعلا: حالتِ رفعی میں، اس سے پہلے هما مبتدا محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے. تعني هاتين هما نَعْلاَ رسول الله...... بعثني بهما: بعض رایات میں بها ہے، اور مرجع علامة ہے، اس لئے کہ چپل بطور علامت عطا فرمائے تھے۔

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ کے حکم سے بشارت سنائی تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا کیوں؟

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدم تبشیر میں مصلحت سمجھ رہے تھے، اور وہ پہلے اس بارے میں حضور اکرم ﷺ سے بات کرنا چاہتے تھے، شاید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عدم تبشیر کی مصلحت بیان کر کے توقف کرنے کے لئے اور واپس لوٹ چلنے کے لئے کہا ہوگا، مگر حضرت ابو ہریرہؓ کے انکار کرنے پر اور اپنی بات پر اصرار کرنے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے مارا ہوگا۔ جاننا چاہئے کہ اجتہادی مسائل میں جب تک نبی ﷺ نے پختہ ارادہ نہ کیا ہو، حضرات صحابہ کرام خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مداخلت کرتے تھے، اور قبولیت کی امید پر مشورہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بہت سے موقعوں پر نبی ﷺ نے حضرات صحابہ کرام کا مشورہ مان کر اپنی رائے تبدیل فرمائی ہے۔ اس موقعہ پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدم تبشیر کی مصلحت عرض کرنا چاہتے ہیں، اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ کو منع کیا، اور نبی ﷺ کو بھی ان کی بات پسند آئی، چنانچہ آپؐ نے ارادہ تبدیل فرمالیا۔

[۵۳-] حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ: "يَا مُعَاذُ" قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ! قَالَ: "يَا مُعَاذُ" قَالَ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ! قَالَ: "يَا مُعَاذُ" قَالَ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ! قَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، إِلاَّ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ" قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلاَ أُخْبِرُ بِهَا فَيَسْتَبْشِرُوا؟ قَالَ: "إِذًا يَتَّكِلُوا" فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ، تَأَثُّمًا.

لغت: الرَّحل: کجاوہ، منزل، قیام گاہ، یہاں مجازاً سواری مراد ہے، جمع ہے رحال و أرحُلٌ، اسی سے راحلة ہے،

سواری کے لائق اونٹ...... تأثُّم: گناہ سے بچنا...... رَدَفَه(ن) وَرَدِفَ له(س) رَدْفًا: پیچھے ہونا، پیچھے سوار ہونا، ردیف بننا، رَادَفَه کے بھی یہی معنی ہیں، رَدِفَ الأمرُ القومَ: پیش آنا۔

تشریح:

۱-حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے براہِ راست یہ حدیث نہیں سنی، ان کے کسی تلمیذ سے سنی ہے، حضرت معاذؓ کا انتقال بہت پہلے ہو گیا تھا۔

۲-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد یہ حدیث لا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدم تبشیر کی جو رائے تھی وہ صحیح تھی، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اسی مصلحت سے حضرت معاذؓ کو روک دیا تھا۔

۳-حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے یہ حدیث اس لئے بیان کی کہ علم چھپانے کے سلسلہ میں جو وعید ہے اس کا مصداق نہ بن جائیں، ارشاد ہے: ”جس سے ایسی کوئی دینی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے، پھر اس نے اس کو چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام دیا جائے گا، یعنی ایسا عالم جہنم میں جائے گا“ (ترمذی حدیث ۲۶۵۰) اس لئے مرتے وقت بیان کیا کہ کتمانِ علم کے مرتکب نہ ہوں۔

سوال: آنحضور ﷺ نے تو بیان کرنے سے منع کیا تھا، پس بیان کرنے میں تو گناہ ہوگا، عدم بیان میں نہیں؟

جواب: ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپؐ نے عام لوگوں سے بیان کرنے سے منع کیا تھا، تا کہ ان کے عزائم سست نہ پڑ جائیں، خواص سے بیان کرنے سے منع نہیں کیا تھا، ایسی باتیں سن کر ان کا شوق بڑھتا ہے اور زیادہ محنت کرنے لگتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی خواص سے بیان کیا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: مَن خَصَّ العلم قوماً دون قوم كراهية أن لا يَفْهَموا: یعنی مخاطبین کے فہم و ذکاوت کی رعایت ضروری ہے، جس درجہ کا مخاطب ہو اس درجہ کی بات اس سے کرنی چاہئے۔

[۵۴-] حدثنا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ - يَعْنِيْ ابْنَ الْمُغِيْرَةِ - قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ، عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ، فَلَقِيْتُ عِتْبَانَ، فَقُلْتُ: حَدِيْثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ. قَالَ: أَصَابَنِيْ فِيْ بَصَرِيْ بَعْضُ الشَّيْءِ، فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّيْ أُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِيْ تُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى. قَالَ: فَأَتَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَمَنْ شَاءَ اللهُ مِنْ أَصْحَابِهِ. فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ مَنْزِلِيْ، وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُوْنَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ أَسْنَدُوْا عُظْمَ ذٰلِكَ وَكُبْرَهُ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ، قَالُوْا: وَدُّوْا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ، وَوَدُّوْا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ، فَقَضَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الصَّلَاةَ، وَقَالَ: "أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّيْ

رَسُوْلُ اللّٰہِ؟" قَالُوْا: إِنَّہُ یَقُوْلُ ذٰلِکَ، وَمَا ھُوَ فِیْ قَلْبِہِ. قَالَ:" لاَ یَشْھَدُ أَحَدٌ أَنْ لاَ إِلٰہَ إِلاَّ اللّٰہُ وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَیَدْخُلَ النَّارَ، أَوْ: تَطْعَمَہُ" قَالَ أَنَسٌ: فَأَعْجَبَنِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثُ، فَقُلْتُ لِابْنِیْ: اکْتُبْہُ. فَکَتَبَہُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے محمود بن الربیع (صحابی صغیر) نے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا، پس حضرت عتبان بن مالک (بدری صحابی) سے میری ملاقات ہوئی، میں نے عرض کیا: آپ کی ایک حدیث مجھے (بالواسطہ) پہنچی ہے (میں وہ حدیث براہِ راست آپ سے سننا چاہتا ہوں) حضرت عتبانؓ نے فرمایا: میری آنکھ میں کچھ نقص پیدا ہوگیا یعنی بینائی کمزور ہوگئی، پس میں نے کسی کو یہ کہلا کر نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ میری تمنا ہے کہ آپؐ میرے گھر تشریف لائیں، اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں، راوی کہتے ہیں: پس نبی ﷺ تشریف لائے، اور جن صحابہ کو اللہ نے چاہا وہ بھی ہمراہ آگئے، پس آپ تشریف لائے، اور گھر کے اندر نماز شروع کی اور صحابہ باہم باتیں کررہے تھے (دورانِ گفتگو منافقین کا تذکرہ آگیا تو) انھوں نے ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا، وہ چاہتے تھے کہ آپؐ اس کے حق میں بددعا فرمادیں، پس وہ ہلاک ہوجائے، اور وہ چاہتے تھے کہ اس کو خوب نقصان پہنچے، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا وہ اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، صحابہ نے عرض کیا: وہ گواہی تو دیتا ہے مگر اس کے دل میں یہ بات نہیں، یعنی دل سے گواہی نہیں دیتا، آپؐ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور وہ دوزخ میں چلا جائے یا (فرمایا:) آتشِ دوزخ اس کو جلا کر بھسم کردے، حضرت انسؓ کہتے ہیں: مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی اور میں نے اپنے لڑکے سے کہا: اسے لکھ لے چنانچہ اس نے لکھ لی۔

لغت: عَظْمُ الشَّيْءِ وَعُظْمُہ: چیز کا بڑا حصہ، جمع: أعظام...... الکُبْر: چیز کا بڑا حصہ، شرف، رفعت۔

تشریح: حضرت عتبان رضی اللہ عنہ بدری انصاری صحابی ہیں، پھر انصار کے قبیلہ بنی سالم کے ہیں، وہ اپنے قبیلہ کے امام تھے، ان کی نگاہ کمزور ہوگئی تھی، انھوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا امام ہوں اور میں جہاں نماز پڑھاتا ہوں اس جگہ اور میرے گھر کے درمیان ایک نالہ ہے، بارش کے زمانہ میں اس میں پانی بھر جاتا ہے، اور میں مسجد تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر میں مسجد بناؤں، اور لوگوں کو وہاں نماز پڑھاؤں، آپؐ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں، میں اس جگہ کو مسجد بناؤں گا، آپؐ نے آنے کا وعدہ فرمایا، پھر ایک صبح نو دس بجے آپؐ حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، آپؐ نے جاتے ہی پوچھا: تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ حضرت عتبانؓ نے ایک جگہ بتائی تو آپؐ نے وہاں باجماعت دو رکعت ادا فرمائیں، اتنی دیر میں محلہ والوں کو آپؐ کی آمد کی خبر ہوگئی، چنانچہ وہ جمع ہوگئے، حضرت عتبانؓ نے کھچڑا بنا رکھا تھا وہ پیش کیا، دورانِ گفتگو

ابن الدخشم کا تذکرہ آیا کہ وہ نظر نہیں آرہا، کسی نے کہا: وہ منافق ہے، اللہ ورسول سے محبت نہیں رکھتا، آنحضور ﷺ نے فرمایا: کیا وہ لا إلہ إلا اللہ نہیں کہتا؟ کیا وہ اس کلمہ سے اللہ کی خوشنودی نہیں چاہتا؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں مگر یارسول اللہ! ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی دلچسپیاں منافقین کے ساتھ ہیں، وہ ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کے مشوروں میں شریک رہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دے پھر بھی وہ دوزخ میں چلا جائے اور آتشِ دوزخ اس کو بھسم کردے" اور بخاری شریف میں ہے: اللہ عزوجل نے جہنم کی آگ پر حرام کیا ہے ہر اس شخص کو جو لا إلہ إلا اللہ کہتا ہے، درانحالیکہ وہ اس کلمہ سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہو، یعنی جو سچے دل سے اس کلمہ کو پڑھتا ہے اور اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے —— یہ حدیث بخاری شریف میں بارہ مرتبہ آئی ہے، کہیں مختصر اور کہیں مفصل، مذکورہ بالا تفصیل بخاری کی روایات سے ماخوذ ہے۔

۲–توحید ورسالت کا اقرار کرنے والا جہنم میں نہیں جائے گا، اور اس پر جہنم کی آگ حرام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے جہنم حرام ہے، مگر اس عقیدہ کا حامل بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جاسکتا ہے مگر وہ وہاں ہمیشہ نہیں رہے گا، ایک نہ ایک دن اس کلمہ کی برکت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا، توحید ورسالت کا اقرار کرنے والا جہنم میں جائے گا ہی نہیں خواہ وہ کتنے ہی گناہ کرے، یہ حدیث کا مطلب نہیں، دیگر نصوص سے گنہ گار مسلمانوں کا جہنم میں جانا، پھر وہاں سے نکال لیا جانا ثابت ہے۔

فائدہ: حضرت عتبانؓ نے جو اپنے گھر میں مسجد منتقل کی تھی وہ مسجدِ شرعی تھی یا مصلّی؟ یعنی نماز پڑھنے کی عارضی جگہ؟ روایت میں اس کی کوئی صراحت نہیں، یورپ اور امریکہ وغیرہ میں مسجد بنانے کی اجازت آسانی سے نہیں ملتی، اس لئے لوگ مصلّی بنالیتے ہیں اور وہاں پانچ وقت کی جماعت کرتے ہیں، امام ومؤذن بھی متعین ہوتے ہیں، ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں، وہ مسجدِ شرعی نہیں، مسجدِ شرعی اور مصلّی میں فرق ہے، مسجدِ شرعی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتی اور مصلّی منتقل ہوسکتا ہے۔ حضرت عتبانؓ جہاں نماز پڑھائیں گے وہ مسجد شرعی ہوگی، روایت میں اس کی کوئی صراحت نہیں، ہوسکتا ہے کہ کسی کے گھیر میں نماز پڑھی جاتی ہو، وہاں تک جانے میں پریشانی ہو اس لئے آپ نے اپنے گھیر میں مسجد منتقل کرلی۔

[۵۵–] حَدَّثَنِي أَبُوْ بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّـهُ عَمِيَ، فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: تَعَالَ فَخُطَّ لِيْ مَسْجِدًا، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَجَاءَ قَوْمُهُ، رَجُلٌ مِنْهُمْ، يُقَالُ لَهُ: مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِمِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ.

وضاحت: یہ حماد کی روایت ہے، انھوں نے بھی سلیمان بن المغیرہ کی طرح ثابت سے اور انھوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، اور دونوں کی روایتیں یکساں ہیں، البتہ سلیمان کی روایت میں حضرت انسؓ نے بواسطہ محمود بن الربیع روایت کی ہے اور یہاں براہِ راست روایت ہے، اور یہ کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ ممکن ہے حضرت انسؓ نے براہِ راست بھی حضرت عتبان سے یہ حدیث سنی ہو، اور محمود کے واسطہ سے بھی سنی ہو، پس یہ مزید فی متصل الاسناد ہے۔

**قوله: أنّه عَمِيَ:** حضرت عتبانؓ نابینا تھے یا ان کی نگاہ کمزور تھی؟ یہاں یہ ہے کہ نابینا تھے، اور اوپر حدیث میں تھا: أصابني في بَصَري بعضُ الشّيء، اور بعض روایت میں ضَرِيرُ البَصَرِ بھی آیا ہے، یعنی ان کی نگاہ کمزور تھی، پس ایک حقیقت ہے اور دوسری مجاز، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے نگاہ کمزور ہو پھر نابینا ہو گئے ہوں۔

**قوله: فَخُطَّ لي مسجدًا:** یہ حدیث تبرک کی اصل ہے، اسی غرض سے نبی ﷺ سے نماز پڑھنے کی درخواست کی گئی تھی، تا کہ وہ جگہ متبرک ہو جائے، اور بھی روایات سے تبرک کا ثبوت ہے، مثلاً: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، دائیں طرف ام ہانی رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں، آپؐ نے بچا ہوا دودھ ان کو عنایت فرمایا، انھوں نے روزہ ہونے کے باوجود اس کو پی لیا، اور روزہ توڑ دیا، کیونکہ روزہ کی تو قضاء بھی کی جا سکے گی اور تبرک ہاتھ سے نکل جائے تو اگلی پی جائے گی اور وہ محروم رہ جائیں گی۔ غرض تبرک کا ثبوت ہے اور مسلمانوں میں اس کا رواج بھی ہے، حضرت عتبانؓ کا واقعہ اس کی اصل ہے

......**قوله: وَتَغَيَّبَ رجل منهم:** ایک شخص غائب تھا، اور ایک نسخہ میں ونُعِتَ رجلٌ منهم ہے: یعنی دورانِ گفتگو ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا جس کا نام مالک بن الدُّخَیْشم تھا، یہ بدری صحابی ہیں آنحضور ﷺ نے ان کے ایمان کی گواہی دی ہے (بخاری) ان کے باپ کے نام میں متعدد لغتیں ہیں: الدُّخشُن، الدُّخَيْشِن، الدُّخْشُم الدُّخَيْشِم الدُّخشِم، اور الدُّخْشُمُ وغیرہ لغتیں ہیں۔

**فائدہ:** حضرت محمود بن الربیعؓ صحابی صغیر ہیں، انھوں نے ایک غزوہ میں (جو حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں قسطنطنیہ پر ہوا تھا، اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، اور اسی غزوہ میں ابوایوبؓ نے وفات پائی ہے) یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص لا إله إلا الله کا قائل ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے'' حضرت ابوایوبؓ نے نکیر کی اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ یہ بات آنحضور ﷺ نے نہیں فرمائی، حضرت ابوایوبؓ کا خیال یہ تھا کہ نافرمان مسلمان جو فرائض کے تارک اور کبائر کے مرتکب ہوں صرف اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے سے جہنم پر کیسے حرام ہو جائیں گے؟ ضرور محمود نے ضبط کرنے میں غلطی کی ہے۔ حضرت محمودؓ پر یہ بات شاق گذری، کیونکہ حضرت ابوایوبؓ جلیل القدر صحابی ہیں، اس لئے انھوں نے عہد کیا کہ جہاد سے واپس لوٹ کر میں حضرت عتبان سے دوبارہ یہ حدیث سنوں گا۔ غرض حضرت محمودؓ جہاد سے واپس لوٹ کر حضرت عتبانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ حدیث سنانے کی درخواست کی۔ چنانچہ انھوں نے حدیث اسی طرح سنائی جس طرح پہلے سنائی تھی، یعنی حدیث صحیح

ہےاور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ توحیدورسالت کے قائل پر ابداً جہنم حرام ہے (بخاری حدیث ۱۱۸۶)

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم رَسُوْلاً فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَإِنِ ارْتَكَبَ الْمَعَاصِيَ الْكَبَائِرَ

## جوشخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو وہ مؤمن ہے، اگر چہ اس نے کبائر کا ارتکاب کیا ہو

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ نفس ایمان تو توحیدورسالتِ محمدی کے اقرار واعتراف سے حاصل ہو جاتا ہے، مگر حقیقی مؤمن (کامل مؤمن) وہی ہے جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو، یعنی اس کے دل ودماغ پر اللہ عزوجل کی الوہیت کا اس درجہ غلبہ ہو کہ کسی اور کے معبود ہونے کا اس کے حاشیۂ خیال میں وہم وگمان بھی نہ ہو، اور آنحضور ﷺ کو آخری رسول تسلیم کرے اور آپ کے لائے ہوئے دین وشریعت کی اتباع وپیروی میں اپنی نجات تصور کرے اور اس کی تگ ودو کا مرکز اور دوڑ دھوپ کا محور صرف دینِ اسلام ہو، وہی بندہ حقیقی مؤمن ہے، پھر اگر بہ تقاضائے بشریت اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ مؤمن ہی ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ کبائر کا مرتکب مؤمن باقی نہیں رہتا، اگر وہ توبہ کئے بغیر مر گیا تو دائماً جہنم میں رہے گا، ان کی یہ بات نصوص صحیحہ وصریحہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: اب تک کے تمام ابواب اور حدیثیں حدیث جبرئیل کی شرح تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے برسرِ مجلس حاضر ہو کر ایمان واسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کئے تھے۔ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث جبرئیل لکھ کر اولاً ارکانِ اسلام کی شرح ووضاحت کے لئے ابواب قائم کئے اور احادیث لا کر ان کی اہمیت وافادیت اجاگر فرمائی، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ جبرئیل میں پہلا سوال اسلام کے بارے میں ہے، پھر ایمان کی وضاحت وشرح کے لئے ابواب قائم کئے۔ یہاں سے آخری تکمیلی منزل احسان کا بیان ہے۔ اب تک ایمان کی ابتدائی حالت کا بیان تھا جس کا ثمرہ دخولِ جنت ہے، خواہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو، مگر توحیدورسالت کے اقرار واعتراف کے بعد گناہوں کا ارتکاب اس بات کی طرف مشیر ہے کہ کلمہ طیبہ کی حلاوت ولذت سے اس کا دل پوری طرح آشنا نہیں ہوا، جب بندہ کا ایمانی مزاج بن جاتا ہے اور اللہ، رسول اور دین وشریعت کی محبت اس میں رچ بس جاتی ہے تو اس کو اطاعت وبندگی میں وہ مزہ آتا ہے کہ گناہوں کا تصور بھی اس کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے، جیسے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے جب زنا کا صدور ہوا تو انھوں نے فوراً بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کیا، اور اپنے

آپ کو سنگسار کرایا، یہ مؤمن کامل کی پہچان ہے۔

رضاء کے معنی: رضاء بالشیئ کے معنی ہیں: کسی چیز کو پسند کرنا، اور اس پر قناعت کرنا اس طرح کہ غیر کی طلب نہ ہو، محبت سے یہ بات پیدا ہوتی ہے، پھر غلبۂ محبت میں کبھی تکلیف کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے اور کبھی احساس تو باقی رہتا ہے مگر پھر بھی راضی رہتا ہے، اس لئے کہ غلبۂ محبت میں محبوب کی مراد ہی مُحِبّ کی مراد بن جاتی ہے، جو شخص اس درجہ اللہ، رسول اور دین وشریعت کو پسند کرتا ہے وہ ایمان کی حلاوت ولذت اور شیرینی پاتا ہے۔

رب کے معنی: رب اس ہستی کو کہتے ہیں جس میں تین باتیں ہوں: (۱) جو کسی چیز کو وجود بخشے، نیست سے ہست کرے، ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، وہی ذرے ذرے کو وجود بخشتے ہیں، اور کوئی نہیں ہے جو کسی چیز کو موجود کر سکے (۲) مخلوق کے وجود پذیر ہونے کے بعد اس کی بقاء کا سامان کرے، اگر بقاء کا سامان نہیں کیا جائے گا تو چیز موجود ہوتے ہی ختم ہو جائے گی، منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں رہ سکے گی اور یہ کام بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، وہی ہر مخلوق کو پیدا کر کے اس کی بقاء کا سامان کرتے ہیں (۳) اور رب ہونے کے لئے تیسری چیز یہ ضروری ہے کہ ہر مخلوق کو تدریجی طور پر آہستہ آہستہ ترقی دے کر آخری منزل تک پہنچائے، چنانچہ آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا، کُن فیکونی طاقت سے پیدا نہیں کیا، کیونکہ ربوبیت کے لئے تدریج ضروری ہے، یہ معنی امام راغبؒ نے مفردات میں بیان کئے ہیں: هو إنشاء الشيئ حالاً فحالاً إلى حد التمام: اس عبارت کا یہی مفہوم ہے جو ابھی عرض کیا (مزید تفصیل کے لئے علمی خطبات حصہ دوم (۱۹:۲) کا مطالعہ کریں)

اسلام کے دین اور حضورؐ کے رسول ہونے کا مطلب: یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے جو انبیاء تشریف لائے ہیں اور اپنے ساتھ جو دین لائے ہیں: وہ ادیان اگرچہ برحق تھے، مگر جب حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اور اللہ عز وجل نے آپؐ کو نئے دین کے ساتھ بھیجا تو اب دین حق یہی ہے۔ اب اسی کی اتباع وپیروی میں نجات ہے، پہلے والے تمام ادیان منسوخ ہو گئے، اب ان کی اتباع میں نجات نہیں —— غرض اللہ عز وجل کے یہاں سے جتنے رسول اور جتنی کتابیں آئی ہیں، سب پر ایمان لانا ضروری ہے، مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد گذشتہ نبیوں اور وحیوں کے ساتھ حضور ﷺ پر اور آپؐ پر اتری ہوئی وحی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، پس حضور ﷺ سے پہلے کی جو امتیں ہیں جیسے یہود ونصاریٰ اب ان کی نجات پچھلے دینوں کو ماننے میں نہیں، وہ تمام ادیان اپنے اپنے زمانہ میں صحیح تھے، مگر اب ان کے ماننے میں نجات نہیں، نجات صرف اس دین کو ماننے میں ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ بھیجے گئے ہیں، کیونکہ اب دین حق یہی ہے۔

**قوله: وان ارتكب المعاصي**: اس سے معتزلہ اور خوارج کی تردید ہوتی ہے، ان کے نزدیک گناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہے، پھر خوارج اس کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ ایمان وکفر کے درمیان میں رکھتے ہیں، اور اگر مرتکب کبیرہ

توبہ کئے بغیر مرگیا تو دونوں اس کو دائما جہنمی قرار دیتے ہیں۔اس بارے میں کچھ تفصیل گذشتہ باب میں گذری ہے اور کتاب الایمان کے شروع میں بھی یہ مسئلہ تفصیل سے آیا ہے۔

## [۱۱– بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم رَسُوْلاً فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَإِنِ ارْتَكَبَ الْمَعَاصِيَ الْكَبَائِرَ]

[۵۶–] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيُّ، وَبِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ– وَهُوَ: ابْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "ذَاقَ طَعْمَ الإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً"

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھا جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔

تشریح: جس طرح لذیذ، ذائقہ دار مادی غذاؤں میں جو ٹیسٹ ہوتا ہے اس کو وہی شخص پاتا ہے جس کی قوتِ ذائقہ ٹھیک ہو، اسی طرح ایمان کی حلاوت بھی اس شخص کو محسوس ہوتی ہے جو پوری خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین (دستورِ حیات) اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نبی تسلیم کرلے، اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کی پیروی میں اپنی نجات تصور کرے۔اسی بندے کو ایمان کی لذت وحلاوت نصیب ہوتی ہے، اور اسی کا ایمان کامل ایمان ہے۔

قوله: ذاق طعم الإيمان: یہ حقیقت ہے یا مجاز؟ بعض علماء نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے، اس لئے کہ مزہ مادیات یعنی مطعومات ومشروبات کا ہوتا ہے اور ایمان از قبیل مادیات نہیں، پس یہ مجاز اور استعارہ ہے: ایمان کو شئ مطعوم سے تشبیہ دی ہے، پھر صرف مشبّہ (ایمان) کو ذکر کیا ہے اور مشبہ بہ (مأکولات ومشروبات) کے ایک لازم طعم وحلاوت کا ذکر کیا ہے، پس استعارہ بالکنایہ ہوا —— اور دوسری جماعت کے نزدیک مجاز واستعارہ نہیں بلکہ حقیقت پر محمول ہے، اور حلاوت حسّی مراد ہے، انھوں نے قلب کی لذت کو زبان کی لذت کے مشابہ قرار دیا ہے، کیونکہ لفظ ذوق حاسّہ ظاہرہ (زبان) کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ حاسّہ باطنہ کے ادراک پر بھی ذوق کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے ارشادِ پاک ہے: ﴿ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾: آگ کا مزہ چکھو، اسی طرح ذاق طعم الإیمان ہے، جب یقین ورضا کی کیفیت سے دل آشنا ہوجاتا ہے تو قلب اس لذت کو محسوس کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح مأکولات ومشروبات کی لذت کو منہ اور جماع کی لذت کو نفس محسوس کرتا ہے۔

## بَابُ بَيَانِ عَدَدِ شُعَبِ الإِيْمَانِ وَأَفْضَلِهَا وَأَدْنَاهَا، وَفَضِيْلَةِ الْحَيَاءِ، وَكَوْنِهِ مِنَ الإِيْمَانِ

## ایمان کی شاخوں کی تعداد اور اعلیٰ اور ادنی شاخوں کا بیان اور شرم وحیاء کی فضیلت اور اس کا جز ایمان ہونا

گذشتہ باب سے ایمانِ کامل کا بیان شروع ہوا ہے۔ اب سلسلہ بیان آگے بڑھاتے ہیں، نبی ﷺ نے ایمانِ کامل کو سرسبز وشاداب اور تناور درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو شاخوں، پتوں، اور رنگ برنگے پھولوں اور پھلوں سے مزین ہوتا ہے، یہی حال ایمانِ کامل کا ہے، وہ بمنزلہ شاداب تناور درخت کے ہے اور اعمال اس کی شاخیں اور پھل پھول ہیں، اور ظاہر ہے سب شاخیں اور پھل پھول ایک درجہ کے نہیں ہوتے، ان میں تفاوت ہوتا ہے، یہی حال اعمال کا ہے۔ ان میں بھی تفاوت ہے، ایمان کی اعلیٰ ترین شاخ یعنی بہترین عمل لا إله إلا الله کہنا ہے، یعنی اس کلمہ کا ورد کرنا ہے اور کمترین شاخ یعنی معمولی عمل راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور درمیان میں بہت سی شاخیں ہیں ان میں ایک اہم ترین شاخ حیاء (شرم ولحاظ) ہے، کیونکہ شرم وحیاء کا انسان کی سیرت سازی میں اور معاشرہ کو سنوارنے میں بہت زیادہ دخل ہے۔ یہی وصف انسان کو فواحش ومنکرات سے بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں پر آمادہ کرتا ہے۔

غرض: شرم وحیاء اور دیگر اعمال ایمان کے اجزاء ہیں اور یہ نفس ایمان کے نہیں، بلکہ ایمانِ کامل کے اجزاء ہیں، کیونکہ اگر درخت کے پتے جھڑ جائیں، پھل پھول گر جائیں، شاخیں ٹوٹ جائیں صرف تنا باقی رہ جائے تو بھی درخت باقی رہتا ہے، اگرچہ وہ ناقص ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص تمام مؤمن بہ کو مانتا ہے مگر اعمالِ صالحہ نہیں کرتا بلکہ اعمالِ طالحہ کرتا ہے تو اس کا نفس ایمان موجود ہوتا ہے، مگر وہ کامل نہیں ہوتا، اس لئے اس ایمان کی وجہ سے نہ تو جنت کا دخولِ اولی نصیب ہوتا ہے، نہ وہ درجات عالیہ کا حق دار بنتا ہے۔

### [۱۲ - بَابُ بَيَانِ عَدَدِ شُعَبِ الإِيْمَانِ وَأَفْضَلِهَا وَأَدْنَاهَا، وَفَضِيْلَةِ الْحَيَاءِ، وَكَوْنِهِ مِنَ الإِيْمَانِ]

[۵۷-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلاَلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَانِ"

[۵۸-] حدثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ - أَوْ: بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ - شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَانِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں —— اور دوسری روایت میں شک کے ساتھ ہے کہ ستّر سے یا ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں —— اور ایمان کی اعلیٰ ترین شاخ (بہترین عمل) لا إله إلا الله کہنا ہے یعنی اس کلمہ کا ذکر کرنا ہے، اور کمترین شاخ (معمولی عمل) راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا ہے، اور حیاء (شرم ولحاظ) ایمان کی اہم ترین شاخ ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ چھوٹے بڑے تمام اعمال ایمان کا جزء ہیں، پس ایمان کی تکمیل اعمال ہی سے ہوگی، اور اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی ہوگی، مگر ابھی بیان کیا کہ یہ ایمانِ کامل کا حال ہے، اعمال سے ایمان کو رونق ملتی ہے اور گناہوں سے ایمان کی شان گھٹتی ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ نفسِ ایمان میں کمی بیشی میں ہے اور یہ حدیث اس سے ساکت ہے۔

جاننا چاہئے کہ محدثین واشاعرہ اس حدیث سے اعمال کے ایمان کا جزء ہونے پر استدلال کرتے ہیں، مگر شروع میں ایمان کی تمہید میں ہم نے یہ بات عرض کی ہے کہ محدثین واشاعرہ اعمال کو ایمان کا اصلی جزء نہیں بلکہ تکمیلی اور تزئینی جزء قرار دیتے ہیں، اس لئے ان کے نہ رہنے سے ایمان فوت نہ ہوگا، البتہ معتزلہ اور خوارج حقیقی جزء قرار دیتے ہیں، پس ان کے نہ رہنے سے ایمان بھی نہ رہے گا اس لئے کہ جزء فوت ہونے سے کل فوت ہوجاتا ہے۔ نیز ہم نے یہ بات بھی عرض کی ہے کہ نصوص میں ایمان اور اسلام کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، پس اس حدیث میں ایمان سے اسلام مراد ہے۔

خلاصۂ کلام: ایمان کے دو معنی ہیں: حقیقی ایمان: جس پر نجات کا مدار ہے، اور کامل ایمان: جو نجاتِ اولیٰ کا ضامن ہے، اور جس کی وجہ سے جنت کے بلند درجات ملتے ہیں، اور اختلاف جو کچھ ہے وہ پہلے معنی میں ہے، دوسرے معنی میں کوئی اختلاف نہیں، سب اہل حق متفق ہیں کہ اعمال: ایمانِ کامل کا جزء ہیں، پس حیاء بھی دوسرے معنی کے اعتبار سے ایمان کا جزء ہے۔

۲- بِضعٌ: کا اطلاق تین سے نو تک [1] ہوتا ہے —— اور یہاں حدیث میں لفظ شُعْبَةٌ ہے جس کے معنی ہیں: شاخ، ٹہنی، اور جمع شُعَبٌ ہے اور ترمذی کی روایت میں (حدیث ۲۶۱۲) بَابٌ (دروازے) آیا ہے، اس صورت میں تشبیہ بڑے محل کے ساتھ ہوگی۔

۳- بعض روایتوں میں ہے کہ ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے ہیں، بعض میں ستّر سے کچھ زائد کا بیان ہے اور ایک روایت میں أربعة وستون بابا ہے: یعنی چونسٹھ دروازے، اور ایک روایت میں سبع وسبعون ہے یعنی ستتر کا عدد ہے،

(۱) بضعٌ: کے اطلاق کے بارے میں چند اقوال ہیں: (۱) تین سے نو تک (۲) پانچ تک (۳) سات تک (۴) دو سے دس تک (۵) بارہ سے بیس تک (مرقات ۱:۶۹) اور فراء کہتے ہیں کہ یہ لفظ دس سے نوے تک خاص ہے، پس بضع ومأة اور بضع وألف کہنا صحیح نہیں۔

اس اختلاف کے متعدد حل ہیں:

اول: بضع وسبعون والی روایت اصل ہے، کیونکہ باقی سب روایتیں خود بخود اس کے ضمن میں آجاتی ہیں، یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ پانچ چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں، اور دوسری حدیث میں ہے کہ دس چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں۔ ان میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد کا جزء ہوتا ہے۔

دوم: پہلے آنحضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ ساٹھ سے زیادہ شاخوں کی خبر دی گئی پھر اس میں اضافہ کیا گیا تو آپؐ نے بضع وسبعون فرمایا، یعنی جس طرح وحی آتی رہی: آپؐ اطلاع دیتے رہے۔

سوم: ستون اور سبعون برائے عدد نہیں بلکہ برائے تکثیر ہیں، یعنی ایمان کی بہت شاخیں ہیں، جیسے: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾: میں سبعین تکثیر کے لئے ہے، یا یہ کہا جائے کہ بڑا عدد لیا جائے گا، کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

۴- اخلاقِ حسنہ میں حیاء کا نہایت اہم مقام ہے، حیاء ہی وہ خوبی ہے جو آدمی کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے اور شریفانہ کاموں پر آمادہ کرتی ہے، اس وجہ سے ایمان اور حیا میں خاص مناسبت ہے اور دونوں میں گہرا تعلق ہے جس طرح کا تعلق درخت اور اس کی شاخوں میں ہوتا ہے —— اور حیاء: اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے ہر نامناسب اور ناپسندیدہ کام سے آدمی کو انقباض ہوتا ہے اور وہ اس کے ارتکاب سے بچتا ہے —— پھر حیاء صرف انسانوں کی صفت نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے، ابوداؤد (حدیث ۴۰۱۲) میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ، يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ: اللہ تعالیٰ بہت شرم کرنے والے، پردہ پوش ہیں، شرم اور پردہ پوشی کو پسند فرماتے ہیں۔ پس جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو ضروری ہے کہ مؤمن اس کو اپنے اندر پیدا کرے —— اور اللہ تعالیٰ کے حیادار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام شاندار اور پر حکمت ہوتے ہیں، کوئی کام نامناسب اور برا نہیں ہوتا، پس جس مؤمن میں یہ صفت ہوگی وہ بھی ہمیشہ اچھے کام کرے گا اور برے اور شرمناک کاموں سے بچے گا۔

اور حیا صرف ہم جنسوں سے نہیں کی جاتی بلکہ اصل حیا حق تعالیٰ سے کی جاتی ہے، ترمذی (أبواب البر والصلة) میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے، پھر آپؐ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ سر کی اور سر میں جو افکار وخیالات ہیں ان کی حفاظت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں ہے ان کی نگرانی کرو، اور موت کو اور موت کے بعد قبر میں جو احوال پیش آئیں گے ان کو یاد کر کے دنیا کی رنگینی سے اعراض کرو، جس نے یہ کام کیے اس نے اللہ عزوجل سے حیا کی جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ غرض: سر اور اس کے مشتملات: کان، ناک، آنکھ اور زبان اسی طرح پیٹ اور اس کے مشتملات: شرم گاہ وغیرہ سے صادر ہونے والے گناہوں سے بچنا، اور موت اور اس کے بعد کے احوال کو یاد کر کے دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے کا نام اللہ عزوجل سے حیاء کرنا ہے، جو ہر خیر کی جڑ ہے۔

فائدہ: حیاء کی دو قسمیں ہیں: طبعی اور کسبی، کسبی حیا خوفِ خدا اور عمل کی مداومت ومزاولت سے پیدا ہوتی ہے اور حیا

طبعی اس کے لئے معاون بنتی ہے، جیسے نمازی بندے کو نماز کے ترک سے انقباض ہوگا، عرصہ سے ڈاڑھی رکھے ہوئے کو ڈاڑھی کٹانے سے حیا مانع ہوگی، اس کو حیاءِ شرعی کہتے ہیں۔ غرض کسبی حیاء سے شرعی حیا مراد ہے، جس کو آدمی اپنے اختیار سے حاصل کرتا ہے اور آدمی کو اسی کا مکلف بنایا گیا ہے، طبیعت کی کمزوری سے کسی اچھے کام سے باز آجانے کا نام حیا نہیں بلکہ بزدلی ہے، اور اپنا حق مانگنے میں شرم کرنا محمود نہیں، اور طبعی حیا کافر میں بھی ہوتی ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

[۵۹-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرُو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَجُلاً يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ: "اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيْمَانِ"

حدثنا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ: مَرَّ بِرَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ يَعِظُ أَخَاهُ.

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے وہ اپنے بھائی کو شرم کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا (بخاری شریف (حدیث ۶۱۱۸) میں ہے: وهو يُعاتِبُ في الحياء، يقول: إنک لَتَسْتَحِيْ حتى كأنه يقول: قد أَضَرَّبک: وہ اپنے بھائی کو حیاء کے سلسلہ میں ملامت کر رہا تھا، وہ ان کو سمجھا رہا تھا کہ تم اس قدر حیاء کیوں کرتے ہو! شرم والے کے پھوٹے کرم! اتنی شرم کرے گا تو نقصان اٹھائے گا) نبی ﷺ نے اس کی بات سنی اور فرمایا: (اپنے بھائی کو اس کے حال پر چھوڑ دے) شرم تو ایمان کا جزء ہے —— پس اس کا حال مبارک ہے، کمالِ ایمان کی دلیل ہے، اگر اس کی وجہ سے کچھ دنیوی مفادات فوت ہو جائیں تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

وضاحت: ابن عیینہ اور معمر دونوں نے یہ حدیث امام زہریؒ سے روایت کی ہے، اور معمر کی حدیث میں صراحت ہے کہ یہ کسی انصاری صحابی کا واقعہ ہے، اس کی وضاحت کرنے کے لئے حضرت رحمہ اللہ دوسری سند لائے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ حیاء ہر حال میں مطلوب ہے، مگر شرعی امور میں حیاء محمود نہیں، شرعی امور تو ہر حال میں کرنے ہیں، جیسے ایک شخص کی خالہ کی لڑکی سے منگنی ہوئی ہے، وہ خالہ کے گھر گیا، رات میں اس کو غسل کی حاجت پیش آگئی، اب وہ نہاتا نہیں اور فجر کی نماز قضاء کرتا ہے، یہ حیاء محمود نہیں، البتہ دنیوی امور میں حیاء محمود ہے، کچھ لوگ اپنا حق مانگنے میں شرماتے ہیں، یا بعض طلبہ پوچھنے میں شرماتے ہیں یہ حیا محمود نہیں، غرض وہ شرم وحیا جو اہل مروت کے یہاں کمال شمار ہو قابل مدح ہے، اور وہ شرم جو دنیوی رسوم میں داخل ہو اور شریعت کے معاملات میں یک گونہ رکاوٹ بنے، یا حصولِ کمال کی راہ میں دیوار بنے وہ حیا قابل مذمت ہے۔

اور نبی پاک ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؐ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے، چنانچہ آپؐ کوئی ناگوار بات

دیکھتے تو فوراً رخِ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے (بخاری حدیث ٦١٠٢) غرض یہ نبی ﷺ کی بھی خاص صفت ہے، پس اسوۂ نبوی کے خواہاں اس صفت کو اپنائیں۔

[٦٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ – وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰی – قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا السَّوَّارِ يُحَدِّثُ: أَنَّهُ سَمِعَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ" فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: إِنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ: أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا وَمِنْهُ سَكِينَةً. فَقَالَ عِمْرَانُ: أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صُحُفِكَ!

ترجمہ: عمران بن حصینؓ نے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حیا نہیں لاتی مگر خیر کو، یعنی حیا مفید ہی مفید ہے، یہ حیا کا فائدہ بیان کیا، پس بُشیر عدوی بصری نے جو جلیل القدر تابعی ہیں، لقمہ دیا کہ حکمت (فلسفہ) کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض حیا وقار (متانت) ہے اور بعض سکینت! یعنی ہر حیا اچھی نہیں، اس کے بعض افراد اچھے ہیں، پس حضرت عمران کو غصہ آگیا، انھوں نے فرمایا: میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو میرے سامنے پنڈت کی پوتھی کی باتیں کرتا ہے۔

[٦١-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ إِسْحَاقَ – وَهُوَ: ابْنُ سُوَيْدٍ – أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ حَدَّثَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ مِنَّا، وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ، فَحَدَّثَنَا عِمْرَانُ يَوْمَئِذٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ" قَالَ: أَوْ قَالَ: "اَلْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ" فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ – أَوِ: الْحِكْمَةِ – أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةً وَوَقَارًا لِلّٰهِ، وَقَالَ مِنْهُ ضَعْفٌ. قَالَ: فَغَضِبَ عِمْرَانُ حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ. وَقَالَ: أَلَا أَرَى أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَتُعَارِضُ فِيهِ؟! قَالَ: فَأَعَادَ عِمْرَانُ الْحَدِيثَ. قَالَ: فَأَعَادَ بُشَيْرٌ، فَغَضِبَ عِمْرَانُ. قَالَ: فَمَا زِلْنَا نَقُولُ: إِنَّهُ مِنَّا يَا أَبَا نُجَيْدٍ، إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ.

حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ حُجَيْرَ ابْنَ الرَّبِيعِ الْعَدَوِيَّ يَقُولُ: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم. نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادِ ابْنِ زَيْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ حضرت عمرانؓ کے پاس تھے، اور ہم میں بُشیر

بن کعبؓ بھی تھے، ایک دن حضرت عمرانؓ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شرم وحیا تو سبھی بہتر ہوتی ہے (کلّہ کو خیرٌ پر مقدم کیا یا برعکس کیا، راوی کو شک ہے) تو بشیر بن کعب نے کہا: ہم نے بعض کتابوں میں یا اقوال حکمت میں دیکھا ہے کہ بعض حیاء متانت اور اللہ کے لئے وقار ہوتی ہے، اور بعض حیاء کمزوری ہے۔ راوی کہتا ہے: حضرت عمرانؓ کو یہ سن کر غصہ آ گیا، یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، انھوں نے کہا: کیا میں دیکھتا نہیں کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم اس کا معارضہ کر رہے ہو؟ ابو قتادہؓ کہتے ہیں: حضرت عمرانؓ نے حدیث دوبارہ دوہرائی تو بشیر نے پھر دوبارہ وہی بات کہی، حضرت عمران بھڑک گئے، راوی کہتے ہیں: پس ہم برابر کہتے رہے کہ اے ابو نُجید! (حضرت عمران کی کنیت) بشیر ہم میں سے ہیں، اس کی بات کا خیال نہ کریں!

تشریح: دونوں حدیثوں میں مذکور واقعہ ایک ہی ہے، حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ حیا خیر ہی خیر ہے تو بشیر بن کعب نے نہ صرف یہ کہ ان کو ٹوکا بلکہ حکماء کے اقوال کی روشنی میں حیاء کی قسمیں بتانی شروع کر دیں کہ ہر حیا اچھی نہیں ہوتی، بلکہ بعض حیا کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے، یہ بات حدیث شریف کی عظمت و ادب کے خلاف تو تھی ہی، بظاہر کلامِ رسول سے مقابلہ اور معارضہ کی صورت بھی تھی، حضرت عمرانؓ کو ان کی موشگافی ناقابل برداشت معلوم ہوئی، انھوں نے ناگواری کا اظہار کیا، مگر دوبارہ جب بُشیر نے یہی بات کہی، تو حضرت عمرانؓ بھڑک گئے اور ان کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا، چنانچہ مجلس میں موجود لوگوں کو دخل دینا پڑا، انھوں نے یہ کہہ کر حضرت عمرانؓ کو ٹھنڈا کیا کہ بشیر کی نیت معارضہ نہیں، وہ منافق وزندیق نہیں، وہ ہم میں سے ہے، ان کا مقصد کلام رسول سے معارضہ نہیں، اس لئے اس بات کا برا نہ مانیں۔

**قوله: الحياء خير كلُّه:** کسی بھی چیز کی خوبی یا خرابی اس کے محل کے اعتبار سے ہوتی ہے، ہر چیز بعض اعتبار سے اچھی ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے بری، شرم وحیاء کی بھی یہی صورت ہے، وہ صحیح محل میں بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے۔ اس لئے یہ صفت بہتر ہی بہتر ہے۔ طبرانی میں قرۃ بن ایاس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: **الحياء من الدين؟** یارسول اللہ! کیا حیاء دین داری کی بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: **بل هو الدين كلُّه:** بلکہ وہ تو سراپا دین ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے: **الحياء من الإيمان، والإيمان في الجنة:** (سنن الکبری للبیہقی ۱۰: ۱۹۴) شرم وحیاء ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا ثمرہ جنت ہے۔ غرض: شرم وحیاء خوبیوں اور کمالات کا مجموعہ ہے، اور بے حیائی کے نتائج نہایت مہلک ہیں، اس لئے کہتے ہیں: **إذا فاتك الحياء فافعل ما شئت:** بے حیاء باش وہرچہ خواہی کن!

## بَابُ جَامِعِ أَوْصَافِ الإِسْلَامِ

### اوصافِ اسلام (انقیاد) کی جامع حدیث

گذشتہ باب میں ایمانی شعبوں کا ذکر تھا، اب ان پر استقامت ومداومت کا بیان ہے، ایمان پر استقامت اور اعمال پر

مداومت نہایت اہم اور مشکل ترین امر ہے کہ توفیق خداوندی کے بغیر اس پر قائم رہنا نہایت مشکل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پر قرآنی آیات میں سب سے بھاری آیت: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ﴾ ہے، اس آیت میں استقامت کا حکم ہے جو توحید و طاعات کے جملہ اقسام کو شامل ہے، علماء کہتے ہیں کہ استقامت ایک مختصر لفظ ہے، مگر تمام احکام اسلامیہ کو جامع ہے، جس میں تمام احکام پر عمل اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے، تفسیر کشاف میں ہے کہ انسان کا ربنا اللہ کہنا جبھی صحیح ہو سکتا ہے جبکہ وہ دل سے یقین کرے کہ میں ہر حال اور ہر قدم اللہ تعالیٰ کے زیر تربیت ہوں، میں ایک سانس بھی اس کی رحمت کے بغیر نہیں لے سکتا، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان طریقِ عبادت پر ایسا مضبوط اور مستقیم رہے کہ اس کا قلب اور قالب دونوں اس کی عبودیت سے سر مو انحراف نہ کریں (معارف القرآن ۷:۶۵)

اور امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استقامت کے دائرہ میں عقائد و اعمال سب داخل ہیں، عقائد میں استقامت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے بارے میں عقائد ٹھیک ہوں، یہود و نصاریٰ اور فرق ضالہ کی طرح تشبیہ و تعطل اور تثلیث وغیرہ کا قائل نہ ہو، اور اعمال میں استقامت یہ ہے کہ ان کو اس طرح بجالائے جس طرح نبی ﷺ سے ثابت ہیں، ان میں ادنیٰ تبدیلی نہ کرے اور بقول امام غزالیؒ استقامت پل صراط پر سے گذرنے کے مترادف ہے (فتح الملہم)

## [۱۳- بَابُ جَامِعِ أَوْصَافِ الإِسْلَامِ]

[۶۲-] حدثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! قُلْ لِيْ فِي الإِسْلَامِ قَوْلًا، لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ - وَفِيْ حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ: غَيْرَكَ - قَالَ: "قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ"

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی جو قلیل الروایہ صحابی ہیں، پانچ روایتیں ان سے مروی ہیں، حضرت عمرؓ نے ان کو طائف کا گورنر بنایا تھا ان کی کنیت ابو عمرو یا ابو عمرۃ ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کی کوئی جامع بات بتلا دیجئے کہ آپؐ کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے، آپؐ نے فرمایا: کہو: میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مضبوطی سے جم جاؤ۔

تشریح: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے استقامت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ایمان و توحید پر قائم رہے، اس کو چھوڑے نہیں، تقریباً یہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، انھوں نے استقامت کی تفسیر اخلاصِ عمل سے فرمائی ہے۔ اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الإستقامة أن تستقيمَ على الأمر والنّهي ولا تروغ رَوغانَ الثّعالب (مظہری) استقامت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے تمام احکام: اوامر و نواہی پر جمے رہو اور اس سے ادھر ادھر راہ فرار

لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔غرض استقامت کی ظاہر مراد یہی ہے کہ ایمان پر بھی مضبوطی سے جمارہے اوراس کے اقتضاء کے مطابق اعمالِ صالحہ پر بھی (ماخوذ از معارف القرآن)

علماء نے اس حدیث کو جوامع الکلم میں شمار کیا ہے اس لئے کہ اللہ عزوجل کو رب مان کر ایمان وعبدیت کے تقاضوں پر چلنا سب سے اہم بات ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تو اسلام کی اساس ہے، اوراس پر استقامت یہ ہے کہ کسی کجی اور انحراف کے بغیر صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، اور ہمیشہ اس کی پیروی کرتا رہے، پس باقی کچھ نہیں بچا، سب کچھ اس جامع نصیحت میں آ گیا۔

اور نبی ﷺ نے یہ نصیحت سورۃ الاحقاف (آیت ۱۳) سے اخذ فرمائی ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾: جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، یعنی عقیدۂ توحید کو نبی ﷺ کی تعلیم کے مطابق قبول کرلیا، پھر وہ اس پر جم گئے، یعنی اس کو چھوڑا نہیں، بلکہ ایمان کی راہ پر گامزن رہے تو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔اس آیتِ پاک سے آپؐ نے مذکورہ نصیحت اخذ فرمائی ہے۔غرض ایمان کے تقاضوں پر استقامت کے بعد کسی اور سبق کی ضرورت نہیں رہتی، بس یہی نصیحت انسان کے لئے کافی ہے۔

## بَابُ بَيَانِ تَفَاضُلِ الإِسْلَامِ، وَأَيُّ أُمُوْرِهِ أَفْضَلُ

### امورِ اسلامی میں کمی بیشی، اور کونسے کام افضل ہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ باب میں یہ بات آچکی ہے کہ شعبہائے اسلام (امورِ اسلام) سب ایک درجہ کے نہیں، ان میں تفاوت ہے، بعض امور کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، جیسے اطعام طعام اور افشاء سلام کو بہت سے امور پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ یہ دونوں عمل باہمی اخوت ومحبت کا ذریعہ ہیں، نیز اطعام طعام بخل سے نفس انسانی کو پاک کرتا ہے اور افشاءِ سلام کبر وتکبر سے، اسی طرح یہ دونوں شخصی واجتماعی اصلاح کا ذریعہ ہیں اس لئے ان دونوں کو بہت سے امورِ اسلام پر فوقیت حاصل ہے —— اور ظاہر ہے کہ جب اسلامی امور میں فرق مراتب ہے تو اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ مؤمنوں میں بھی فرق ہو، اگرچہ بحیثیت انسان سب برابر ہیں، لیکن ایمانی اوصاف کے اعتبار سے ان میں باہمی فرق ہے، اسی لئے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾ فرمایا گیا ہے۔

## [۱۴ - بَابُ بَيَانِ تَفَاضُلِ الإِسْلَامِ، وَأَيُّ أُمُوْرِهِ أَفْضَلُ]

[۶۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ:" تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ"

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کونسا اسلام یعنی اسلامی عمل بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کرو خواہ پہچان ہو یا نہ ہو۔

تشریح:

۱-سائل کون تھا؟ معلوم نہیں! بعض نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا ہے اور بعض نے قاضی شریح کے والد ہانی بن مرثد کو (فتح الباری)

۲-أیُّ: کی اضافت اس چیز کی طرف ہوتی ہے جس میں تعدد ہو، پس خصال محذوف ہوگا، تقدیر عبارت ہے: أیُّ خصال الإسلام خیرٌ؟ یعنی سائل نے اسلام کے بارے میں نہیں اعمالِ اسلام کے بارے میں پوچھا۔ اور دوسرا قرینہ جواب ہے، جس طرح سوال سے جواب سمجھا جاتا ہے اسی طرح جواب سے بھی سوال کی نوعیت سمجھی جاتی ہے، نبی ﷺ نے سائل کو دو عمل بتلائے، معلوم ہوا کہ اعمال کے بارے میں پوچھا ہے۔

۳-احادیث شریفہ کا جائزہ لیا جائے تو اس قسم کے سوال متعدد صحابہ نے کئے ہیں، اور آنحضور ﷺ نے ان کے مختلف جواب دیئے ہیں، مثلاً: یہاں أی الإسلام خیرٌ؟ کا آپؐ نے جواب دیا: تُطعِم الطَّعام وتَقرأُ السلام، ایک حدیث میں ہے: سُئل عن أفضل الإیمان؟ آپؐ نے فرمایا: أن تُحِبَّ لِلّٰهِ وتُبغِضَ لِلّٰه، وَتُعمِلَ لِسانَک من ذکر الله: ایک مرتبہ آپؐ نے خود حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: أیُّ عُرَی الإیمان أَوْثَقُ؟ (ایمان کے کنڈوں میں سے کونسا کنڈا سب سے مضبوط ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: الله ورسوله أعلم! آپؐ نے فرمایا: الحُبُّ فی الله، وَالْبُغْضُ فی الله، وَالْمُوَالاتُ فی اللّٰهِ: کبھی سوال ہوا أیُّ الإسلام أفضل؟ تو آپ نے جواب دیا: مَن سَلِمَ المسلمون مِن لِسَانِه ويَدِه: پس جب سوال ایک ہے تو جواب مختلف کیوں ہیں؟

جواب: (۱) سوال تقریباً ایک ہیں، بالکل ایک نہیں، اور سوال اگر ذرا بھی مختلف ہو جائے تو جواب مختلف ہو جاتا ہے (۲) سائل کے احوال کی رعایت کر کے آپؐ نے جوابات مختلف دیئے ہیں، مثلاً ایک شخص ڈاڑھی منڈا ہے وہ پوچھتا ہے: سب سے اہم سنت کونسی ہے؟ تو جواب ہوگا: سب سے اہم سنت ڈاڑھی رکھنا ہے۔ دوسرے کی ڈاڑھی غیر مقلدوں جیسی ہے وہ یہی بات پوچھتا ہے تو جواب ہوگا: ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹ لینا سب سے اہم سنت ہے۔ سوال دونوں کا ایک تھا، مگر دونوں کے احوال کی رعایت کر کے جوابات مختلف دیئے جائیں گے، اسی طرح آنحضور ﷺ نے بھی سائل کے احوال کی رعایت کر کے جوابات مختلف دیئے ہیں (۳) زمان و مکان کے اختلاف کو ملحوظ رکھ کر مختلف جوابات دیئے ہیں

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جواب میں خیر، افضل اور احب کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے، جب افشاءِ سلام وغیرہ کی فضیلت ذکر فرمائی تو لفظ خیر استعمال کیا، اس لئے کہ سلام میں خیر ہی خیر ہے، اس میں شر وفتنہ کا احتمال نہیں، اور ایمان باللہ، جہاد فی سبیل اللہ اور حج مبرور کی فضیلت کے اظہار کے لئے لفظ افضل استعمال کیا ہے، جو فضلٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی زیادہ کے ہیں، ان تین کاموں کا ثواب زیادہ ہے کیونکہ ان میں مشقت زیادہ ہے، اس لئے ان کو افضلیت سے تعبیر کیا ہے، اور جب وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت کا تذکرہ کیا تو لفظ أحب سے تعبیر کیا، کیونکہ نماز میں بندہ انتہائی عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس لئے أحب سے تعبیر کیا۔ غرض اعمال کی بہ نسبت جوابات مختلف ہیں، مگر یہ بات کمزور ہے، اس لئے کہ ایک ہی روایت میں کسی سند سے افضل مروی ہے اور کسی سے خیر، اور کسی کو اصل اور دوسری کو روایت بالمعنی قرار دینے میں تکلف ہے۔

۴- تُطعم الطَّعام: مضارع بمعنی مصدر ہے، اور اس سے پہلے خصلةٌ محذوف ہے، أی خَصلة إطعام الطّعام: یعنی اطعام طعام اور افشاءِ اسلام کی عادت بہترین عمل ہے —— حدیث میں پیشہ ور فقیر مراد نہیں، ان میں بعض تو صاحبِ نصاب ہوتے ہیں، بلکہ حقیقی غریب مراد ہے، اس کو کھانا کھلانا بہترین عمل ہے، اور یہ مسئلہ شامی میں ہے کہ بھکاری کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، کیونکہ اس کا سلام بھی سوال ہے، اگر کچھ دینا ہے تو دیدو، ورنہ سلام کا جواب واجب نہیں۔

۵- تقرأ السلام: اردو محاورہ ہے: سلام کرنا اور سلام کہنا، اور عربی محاورہ ہے: سلام پڑھنا، کسی کو سلام کہلوانا ہو تو کہیں گے: اقرأ منّی السلام علیه: اور سلام پہنچانا ہو تو کہیں گے: فلانٌ یقرأ علیک السلام —— دنیا کی تمام متمدن قوموں میں ملاقات کے وقت جذبہ خیر اندیشی کے اظہار کا رواج ہے، اسلام سے پہلے عرب بھی اس مقصد سے مختلف کلمات استعمال کرتے تھے۔ جیسے: أَنعَمَ اللّٰهُ بک عینًا: اللہ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب کرے۔ اور أَنعِمْ صَبَاحًا: تمہاری صبح خوشگوار ہو، اسلام نے ان کے بجائے السلام علیکم کہنے کا حکم دیا، اس سے بہتر کلمہ خیر اندیشی کے اظہار کے لئے نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت (زندہ) رکھیں، اور ہر مکروہ (ناپسندیدہ) بات سے محفوظ رکھیں، اس طریقہ سلام کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت ہو کہ فضاء اس کے زمزمہ (نغمہ) سے معمور ہوجائے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو! مہربان اللہ کی عبادت کرو (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ، اور سلام کو خوب پھیلاؤ جنت میں پہنچ جاؤ گے“ —— اور علماء نے لکھا ہے کہ سلام کا جواب دینا اگرچہ واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے مگر یہ ایسی سنت ہے جس کا ثواب واجب سے زیادہ ہے —— اور حدیث میں ہے کہ سلام کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۶۶) اور دوسری حدیث میں ہے: سلام کرنے میں پہل کرنے والا اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۴۶)

۶- مَن عرفتَ ومَن لم تعرف: میں ملّی معرفت وعدم معرفت مراد نہیں، بلکہ شخصی معرفت وعدم معرفت مراد ہے، ملّی

معرفت تو ضروری ہے، غیر مسلم کو اسلامی سلام کرنا جائز نہیں، مسلم شریف میں ہی آگے یہ حدیث آرہی ہے: لا تبدؤوا اليهود ولا النصارى بالسلام: مگر اب مسلمانوں کا عجیب حال ہوگیا ہے، ملی معرفت بھی باقی نہیں رہی، راستہ میں ایک شخص ملتا ہے، سلام کریں یا نہ کریں سوچنا پڑتا ہے، کیونکہ مسلمان ہے: اس کی کوئی پہچان نہیں۔

[٦٤-] وَحَدَّثَنِيْ أَبُوْ الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ الْمِصْرِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَقُوْلُ: إِنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: فَقَالَ: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ فَقَالَ: " مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ"

[٦٥-] حدثنا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، جَمِيْعًا عَنْ أَبِيْ عَاصِمٍ، قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ"

[٦٦-] وَحَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ الْأُمَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: " مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ"

وَحَدَّثَنِيْهِ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْجَوْهَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ أَفْضَلُ؟ فَذَكَرَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: ـــــ یہ سائل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث نمبر ٦٦ میں اس کی صراحت ہے ـــــ بہترین مسلمان کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں''

تشریح: حدیث شریف میں صرف زبان اور ہاتھ کی ایذاء رسانی کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ عام طور پر انہی دو اعضاء سے تکلیف پہنچائی جاتی ہے، ورنہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے ـــــ اور المسلمون کی قید اتفاقی ہے، اور ابن حبان کی روایت میں المسلمون کے بجائے الناس ہے، یعنی ایک مسلمان کو تمام انسانوں کے لئے بے آزار ہونا چاہئے۔

اور اس حدیث میں جس ایذاء رسانی کو اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے وہ وہ ایذاء رسانی ہے جو بغیر کسی معقول وجہ کے ہو، مجرموں کو سزا دینا، ظالموں اور مفسدوں کی فساد انگیزی کا سد باب کرنا: مسلمانوں کا فرض منصبی ہے، اگر ایسا نہیں کیا

جائے گا تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے گی۔

قولہ:المسلم من سلم المسلمون: مبتدا خبر دونوں معرفہ ہیں پس حصر ہوگا، یعنی مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ کی ایذاء رسانی سے مسلمان محفوظ ہوں —— اس حدیث میں ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، ہر زبان میں بات کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے، جیسے:مَن تَرَکَ الصَّلٰوۃَ متعمّدًا فقد کفر: تارکِ صلوٰۃ ناقص الایمان ہے اس لئے اس کے ایمان کو کالعدم فرض کر کے کافر کہا گیا ہے۔

کفر دو ہیں: ایک بڑا کفر جو حقیقی کفر ہے، دوسرا چھوٹا کفر جس کو فسق وفجور کہتے ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ کی تعبیر کفرٌ دون کُفرٍ ہے، یعنی تارکِ صلوٰۃ حقیقی کافر نہیں، وہ فاسق ہے، مگر ناقص کو کالعدم فرض کر کے فقد کَفَرَ کہہ دیا۔ ایسا زجر وتوبیخ کے لئے کیا کرتے ہیں۔یہاں بھی حدیث میں ایسا ہی کیا گیا ہے، جو مسلمان دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہے، وہ مسلمان ہے مگر اس کے ایمان کو کالعدم فرض کر کے فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں، مسلمان وہی ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، بہ الفاظ دیگر: حصر کمال کے اعتبار سے ہے۔

حدیث نمبر ٦٦:ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا:أیُّ الإسلام أفضل؟اس میں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت ہے:أیُّ خصالِ الإسلام أفضل؟اور بعض حضرات کے نزدیک تقدیر عبارت ہے:أیُّ ذوی الإسلام أفضل؟اور یہ تقدیر بہتر ہے، اس لئے کہ جواب میں صاحبِ اسلام کا ذکر ہے، اور قرینہ أیُّ المسلمین أفضل؟ ہے اور أیُّ خصال الإسلام أفضل؟ کی تقدیر میں سوال وجواب میں مطابقت نہیں رہے گی، سوال میں صفت کا ذکر ہے اور جواب میں موصوف کا، اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جواب دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ساتھ ہی علت بھی ذکر کردی جائے۔یہاں جواب میں خصلت کے ساتھ صاحب خصلت کا بھی ذکر کردیا، یعنی سلامتی اسلام کے خصال میں سب سے اہم خصلت ہے اور اس کی وجہ سے صاحب خصلت بھی افضل ہو جاتا ہے (ماخوذ از ایضاح البخاری ۱:۲۰۶)

## بَابُ بَیَانِ خِصَالِ مَنِ اتَّصَفَ بِھِنَّ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْإِیْمَانِ

### ان خصلتوں کا بیان جو ان کے ساتھ متصف ہوا اس نے ایمان کی حلاوت پالی

تکمیل ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ ایمان وعمل اور دین وشریعت کی محبت اس درجہ غالب آجائے کہ طاعت وبندگی میں بھی مزہ آئے اور تحمل مشقت میں بھی مزہ آئے۔اور جب ایمان واحسان کی حقیقت سے دل آشنا ہو جاتا ہے تو یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اور قلب اس لذت کو محسوس کرتا ہے، جیسا کہ طعام کی لذت کو منہ اور جماع کی لذت کو نفس محسوس کرتا ہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوپہر کی جھلسا دینے والی دھوپ میں عرب کی سنگلاخ چٹانوں پر گھسیٹا جاتا تھا، اس حال میں بھی وہ اَحد اَحد پکارتے تھے، ایک صحابی کو نماز کے دوران دشمن کے تیر لگے، بدن چھلنی ہو گیا مگر سورۂ کہف کی قراءت کی

لذت نقضِ صلوٰۃ کے لئے مانع بنی رہی۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ ہم کو جو لذت نماز میں آتی ہے اور فقیری میں آتی ہے وہ اگر بادشاہوں کو معلوم ہو جائے تو اس لذت کو چھیننے کے لئے وہ ہم سے جنگ کریں گے۔ غرض جب مؤمن کا ایمان درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور ایمان کی محبت اس کی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کی نگاہوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ ورسول کی ذات ہو جاتی ہے، اور اللہ ورسول سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ماسواء کی طرف توجہ نہیں جاتی۔ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾: ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے، مؤمن ہر چیز میں اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، حتی کہ اگر وہ کسی سے محبت یا عداوت کرتا ہے تو اس میں بھی اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اور اللہ کا بھیجا ہوا دین: دین اسلام اس کو اتنا پیارا ہو جاتا ہے کہ اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لئے آگ میں گرنے کی تکلیف کے برابر ہوتا ہے، حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اس مقام کو پالیتا ہے تو وہ ایمانی حلاوت ولذت اور شیرینی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

## [١٥ - بَابُ بَيَانِ خِصَالٍ مَنِ اتَّصَفَ بِهِنَّ وَجَدَ حَلاَوَةَ الإِيْمَانِ]

[٦٧-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ عُمَرَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، جَمِيْعًا عَنِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلاَبَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلاَوَةَ الإِيْمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین باتیں جس شخص میں ہو وہ ایمان کا مزہ پاتا ہے: (۱) اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس میں تمام ماسواء سے زیادہ ہو (۲) اور یہ بات ہو کہ جس سے بھی محبت کرے اللہ کے لئے کرے (۳) اور یہ بات ہو کہ کفر کی طرف پلٹنے کو، اس کے بعد کہ اللہ نے اس کو کفر سے بچالیا ہے، ایسا ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

تشریح: قوله: ثلاث من كن فيه[1]: كُنَّ کی ضمیر ثلاث کی طرف اور فيه کی ضمیر مَن کی طرف راجع ہے —— اور أن يُحِبَّ المرأ: اللہ سے محبت کی فرع اور اثر ہے اور أن يكره أن يعود: دین سے محبت کی فرع اور اثر ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو محسوس ہوتی ہے جو اللہ ورسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ

(۱) ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان: ثلاث خصال: مبتدا، من كن: كان تامہ وجدن کے معنی میں جملہ شرطیہ خبر ہے، بهن: أي بسبب وجودهنّ واجتماعهن۔

ہر چیز سے زیادہ اس کو اللہ ورسول سے محبت ہو، اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ ہو کہ اگر وہ کسی اور سے بھی محبت کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے، اور دین اسلام اس کو اتنا پیارا ہو کہ اس کے چھوڑنے کا خیال اس کے لئے آگ میں گرنے کی تکلیف کے برابر ہو۔

**قوله: حلاوة الإيمان:** بعض اس کو مجاز واستعارہ کہتے ہیں اور بعض حقیقت پر محمول کرتے ہیں، تفصیل باب ۱۱ میں گذری ہے۔

**قوله: أحب إليه مما سواهما:** یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز ہے، اگر چہ بہتر اللہ ورسول کو اسم ظاہر کے ساتھ ذکر کرنا ہے، اس لئے کہ انسان کو جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبوب کا بار بار نام لیتا ہے۔ اور بار بار نام لینے میں اسے مزہ آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا أَنَّ ذِكْرَهُ ❁ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

(نعمان (ابوحنیفہؒ) کا ذکر بار بار کرو کیونکہ ان کا تذکرہ مشک کی طرح ہے، جتنا گھسو گے خوشبو پھوٹے گی)

مگر بعض علماء ایک ضمیر میں جمع کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے پاس دو شخص آئے، ان میں سے ایک نے شہادت دیتے ہوئے و من يعصهما کہا، یعنی اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا تو آپؐ نے ناگواری کا اظہار کیا اور بئس الخطيب أنت فرمایا (مشکل الآثار للطحاوی) معلوم ہوا کہ اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض صحیح احادیث سے تثنیہ کی ضمیر میں جمع کرنا ثابت ہے۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے: من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فإنه لا يَضُرُّ إلا نفسَهُ: معلوم ہوا کہ افراد اور تثنیہ کی ضمیر لانا جائز ہے، اور بئس الخطيب أنت والے واقعہ کے علماء نے متعدد جواب دیئے ہیں، مثلاً: (۱) امام طحاوی رحمہ اللہ مشکل الآثار میں فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس خطیب کو تنبیہ اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنے کی وجہ سے نہیں کی تھی بلکہ اس کے غلط انداز بیان پر تنبیہ کی تھی، خطیب نے اس طرح کہا تھا: من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما: ایک سانس میں کہا، پھر نئے سانس میں فقد غوى کہا، اس سے معنی ومفہوم میں خلل پیدا ہوا اس لئے نبی ﷺ نے بئس الخطيب أنت فرمایا، مگر علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اس جواب کو پسند نہیں کیا، اس لئے کہ ابن ابی الدنیا کی روایت کا سیاق اس کے خلاف ہے، اس میں ہے کہ نبی ﷺ نے خطیب سے فرمایا: قُل: ومن يعص الله ورسوله فقد غوى: معلوم ہوا کہ ناگواری کی وجہ جمع کرنا تھا (۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ محبت کے اندر جمع کرنا درست ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں جمع کیا گیا، اس لئے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کی محبت نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اور خطیب نے معصیت کے اندر جمع کیا تھا، جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں کی نافرمانی تو نقصان کا باعث ہے، کسی ایک کی نافرمانی نہیں۔ مگر یہ توجیہ بھی غور طلب ہے اس لئے کہ ابوداؤد شریف کی مذکورہ روایت میں نبی ﷺ نے معصیت میں دونوں کو جمع کیا ہے (۳) اور ایک

توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اگر مساوات کا وہم ہو تو جمع کرنا جائز نہیں، بصورت دیگر جمع کر سکتے ہیں (۴) اور بعض نے اس کو خلاف ادب پر محمول کیا ہے، یعنی جمع کرنا جائز تو ہے مگر اللہ و رسول کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو اسم ظاہر کی صورت میں ذکر کیا جائے، کسی ایک ضمیر میں جمع نہ کیا جائے، آپؐ نے خطیب کو یہ ادب سکھلایا اور خود آپؐ نے بیانِ جواز ظاہر کرنے کے لئے جمع فرمایا، ان کے علاوہ اور بھی کئی توجیہات ہیں، شائقین فتح الملہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

**قوله: وأن يُحب المرأ:** یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: اور کسی سے بغض وعداوت رکھے تو وہ بھی اللہ ہی کے لئے رکھے، ابوداؤد میں روایت ہے: من أحب لله، وأبغض لله، وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان (مشکوۃ حدیث ۳۰) غرض آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔

**قوله: أن يعود في الكفر بعد إذ أنقذه لله:** کفر سے نجات پانے کی دو صورتیں ہیں: اول: کافر تھا، اللہ نے اسلام کی دولت سے نوازا۔ دوم: مسلم گھرانہ میں پیدا کیا اور اسلام پر جمایا ——— دوسرے معنی پر یہ اشکال ہے کہ عاد یعود کے معنی ہیں: پہلی حالت کی طرف لوٹنا، جب اس کی پہلی حالت کفر کی تھی ہی نہیں تو اس اعتبار سے ناپسند کرنے کا کوئی مطلب بھی نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی پہلی صورت میں ہیں، اور دوسری صورت میں صیرورت کے معنی میں ہیں، یعنی کافر ہونے کو ناپسند کرے۔

**قوله: كما يكره أن يُقذف:** مجبور آدمی زبان سے کلمۂ کفر بول سکتا ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو، مگر اولیٰ یہ ہے کہ زبان سے بھی کلمۂ کفر نہ نکالے چاہے جان گنوانی پڑے، اور علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کفر پر مجبور کیا جائے، اور وہ کلمہ کفر بولنے سے احتراز کرے اور اس کو جان گنوانی پڑے تو اس کا مرتبہ اس پر بلند ہوگا جو اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر زبان سے بولے (نووی)

[۶۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، وابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ طَعْمَ الإِيْمَانِ: مَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ لِلّٰهِ، وَمَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ كَانَ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ"

حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "مِنْ أَنْ يَرْجِعَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا"

سند: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ان سے ابوقلابہ، قتادہ اور ثابت بُنانی نے روایت کیا ہے...... بنحو

حدیث ۱: امام مسلمؒ کے استاذ اسحاق بن منصور کی حدیث دیگر اساتذہ: اسحاق بن ابراہیم، محمد بن المثنی اور ابن بشار کی احادیث کے ہم معنی ہے، بس اتنا فرق ہے کہ اسحاق بن منصور کی حدیث میں ان یعود فی الکفر کے بجائے أن یرجع یھودیا أو نصرانیا ہے، اور مفہوم سب کا ایک ہے۔

## بَابُ وُجُوْبِ مُحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَكْثَرَ مِنَ الأَهْلِ وَالْوَلَدِ وَالْوَالِدِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، وَإِطْلَاقِ عَدَمِ الإِيْمَانِ عَلٰى مَنْ لَمْ يُحِبَّهُ هٰذِهِ الْمُحَبَّةَ

## نبی ﷺ سے محبت اہل وعیال، ماں باپ اور سارے جہاں سے زیادہ ضروری ہے اور جس کو یہ محبت حاصل نہیں وہ کامل مؤمن نہیں

ایمانی حلاوت ولذت اور شیرینی سے بہرہ ور ہونے کے لئے جس طرح اللہ عزوجل کی محبت کا دل ودماغ اور نفس وروح میں جاگزیں ہونا ضروری ہے، اسی طرح آنحضور ﷺ کی محبت کا غالب ہونا بھی ضروری ہے، اور یہ بات تکمیل ایمان کے لئے بھی ضروری ہے کہ آنحضور ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہو، ماں باپ سے، اولاد سے، مال ودولت سے، تمام لوگوں سے حتی کہ اپنی ذات سے بھی حضور ﷺ کی محبت بڑھی ہوئی ہو۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جب اپنا جائزہ لیتا ہوں تو آپؐ کی محبت کو ہر چیز سے بڑھا ہوا پاتا ہوں مگر اپنی ذات سے بڑھا ہوا نہیں پاتا، یعنی مجھے اپنی ذات سے زیادہ محبت ہے، آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ میری محبت تمہاری ذات سے بھی بڑھ نہ جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر ڈال کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں آپؐ کی محبت اپنی ذات سے بھی زیادہ پاتا ہوں آپؐ نے فرمایا: الآن یا عمر! اے عمر! اب ایمان کامل ہوا (بخاری حدیث ۶۶۳۲)

اور محبت کی دو قسمیں ہیں: عقلی اور طبعی، عقلی محبت معنویات اور غائب سے ہوتی ہے، اور طبعی محبت محسوسات اور حاضر سے ہوتی ہے، اور قوی محبت عقلی ہے، مگر انسان پر غلبہ طبعی محبت کا رہتا ہے، مؤمن کو اللہ ورسول اور دین سے جو محبت ہے وہ عقلی ہے، اور آل واولاد، ماں باپ اور مال ودولت سے جو محبت ہے وہ طبعی ہے، عام حالات میں طبعی محبت غالب نظر آتی ہے مگر جب کوئی موقعہ آتا ہے تو عقلی محبت غالب آجاتی ہے، کوئی شخص اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کرے تو کوئی مسلمان اس کو برداشت نہیں کرسکتا، وہ مرنے مارنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے اگرچہ وہ گستاخی کرنے والا اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، یہ دلیل ہے کہ محبت عقلی قوی ہے۔

ایک واقعہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جنگِ بدر میں کفار کے

ساتھ تھے، مسلمان ہونے کے بعد ایک مرتبہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا: ابا جان! بدر میں کئی مرتبہ آپ میری تلوار کے زد میں آگئے تھے مگر میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بیٹا! اگر تو میری تلوار کی زد میں ایک مرتبہ بھی آجاتا تو میں تجھے نہ چھوڑتا۔

فائدہ: نفسانی خواہشات پر بہ تقاضائے عقل سلیم اللہ ورسول اور دین وشریعت کی محبت کو ترجیح دینے کی مثال ایسی ہے جیسے مریض طبیعت کی خواہش نہ ہونے کے باوجود دوا کی طرف رغبت کرتا ہے، کیونکہ عقل کا تقاضہ ہے کہ دوا کی طرف میلان ہو، تا کہ شفایابی حاصل ہو، پس مریض اس سے لذت بھی حاصل کرے گا اور نفس کی خواہش کو بھی عقل کے تابع بنائے گا، اسی کو حلاوت ایمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

## [۱۶-بَابُ وُجُوْبِ مُحَبَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَكْثَرُ مِنَ الْأَهْلِ وَالْوَلَدِ وَالْوَالِدِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، وَإِطْلَاقِ عَدَمِ الْإِيْمَانِ عَلٰى مَنْ لَمْ يُحِبَّهٗ هٰذِهِ الْمُحَبَّةَ]

[۶۹-] وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ. ح: وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ- وَفِيْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْوَارِثِ: الرَّجُلُ- حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ"

[۷۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ"

ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: "کوئی بندہ ـــ یا فرمایا: کوئی شخص ـــ مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال، مال ودولت اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں"

تشریح:

۱-اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ اگر اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان کے احکام کی تعمیل وبجا آوری کی راہ میں آل واولاد، یا کنبہ قبیلہ آڑے آجائے، یا مال ودولت سے دستبردار ہونا پڑے تو قطعاً اس کی پرواہ نہ کرے، اگر خدانخواستہ اس نازک گھڑی میں اعزہ اقارب، کنبہ برادری یا مال ودولت کی محبت غالب آگئی تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ایثار وقربانی کا جو عہد تم نے اللہ ورسول کے ساتھ کیا تھا وہ غلط تھا۔

فائدہ: بعض حضرات نے محبت کی تین قسمیں کی ہیں: محبتِ طبعی، محبتِ عقلی اور محبتِ شرعی، علامہ کشمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں: محبت درحقیقت ایک ملکہ اور میلانِ قلب کا نام ہے، تعلق کے اختلاف سے اس کے مختلف نام ہوگئے ہیں، اگر قلب کا میلان ماں باپ اور آل واولاد کی طرف ہے تو یہ محبت طبعی ہے، اور اگر عقلی چیزوں کی طرف میلان ہے تو محبت عقلی ہے اور ایمان وشریعت کے امور سے تعلق ہے تو اس کا نام محبتِ ایمانی وشرعی ہے (فیض الباری ۱:۸۲) جیسے صلوٰۃ کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کا میلان، پھر نسبتوں کے بدلنے سے اس کے معنی بدلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: مہربانی کرنا، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف آخری درجہ کا میلان "نماز" ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آخری درجہ کا میلان دعاء ہے اور فرشتوں کے تعلق سے صلوٰۃ کے معنی استغفار کے ہیں، یہی حال محبت کا ہے، نسبتیں بدلنے سے اس کے معنی بدلتے ہیں۔

فائدہ: علماء نے اسبابِ محبت چار شمار کئے ہیں: جمال، کمال، احسان اور قرابت۔ جمال کا تعلق صورت وسیرت سے ہے، کمال کا تعلق علم واخلاق سے، احسان کا تعلق فطرت سے اور قرابت کا تعلق نسب ورشتہ سے، اور آنحضرت ﷺ میں یہ چاروں باتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں، پس آپ کی محبت کا فائق ہونا ضروری ہے۔

تفصیل: اس کی یہ ہے کہ حسن وجمال، صورت وسیرت، فصاحت وبلاغت اور خوش الحانی وخوش کلامی میں آپ ﷺ سے بڑھ کر نہ کبھی کوئی ہوا اور نہ ہوسکتا ہے، آپ کی مثال ممکن ہے نہ نظیر، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری ❁ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ یوسفؑ کی خوبصورتی، عیسیٰ کی پھونک، اور موسیٰ کا روشن ہاتھ رکھتے ہیں۔ جو خوبیاں سب رکھتے ہیں وہ آپ تنہا رکھتے ہیں)

اور آپ کو اولین وآخرین کا علم عطا کیا گیا تھا۔ اور مکارمِ اخلاق اور محاسنِ کمال کی بلندیاں آپ کے دم سے تھیں، بلکہ آپ کی بعثت کا یہی ایک بنیادی مقصد تھا، آپ کا ارشاد ہے کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق وکمال کے بلند درجات اور اعلیٰ مقام تک پہنچادوں (مشکوٰۃ حدیث ۵۷۷۰) ــــــ اور آپ سے بڑھ کر کائنات کا کوئی محسن نہیں ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾: بلکہ آسمان وزمین کے ذرہ ذرہ کا وجود آپ کا رہینِ منت ہے، اس لئے مؤمنین کو آپ ﷺ سے سب سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے ﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾: اس لئے کہ آپ روحانی مربی ہیں اور ماں باپ جسم کے مربی ہیں۔ اور روحانی رشتہ جسمانی رشتہ سے بڑھ کر ہوتا ہے، اس لئے مؤمنین کی آنحضور ﷺ سے قرابت سب سے زیادہ ہے۔

غرض محبت کے چاروں اسباب نبی ﷺ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں پس آپ کی محبت کا ہر چیز سے بڑھا ہوا ہونا ضروری ہے، حتی کہ محبتِ طبعی پر غالب ہونا بھی ضروری ہے۔

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مِنْ خِصَالِ الْإِيْمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الْخَيْرِ

## اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی خیر وبھلائی پسند کرنا جواپنے لئے پسند کرتا ہے ایمانی اخلاق میں سے ہے

ایمان کے اصل مقام (نکتۂ عروج) تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی خودغرض نہ ہو، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾: (سورۃ الحشر آیت ۹) جولوگ خودغرضی سے بچائے گئے وہی کامیاب ہونے والے ہیں، اور خودغرضی کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے لئے جو پسند کرے وہی دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے، پس یہ بھی تکمیل ایمان کی ایک نشانی ہے۔

[۱۷- بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مِنْ خِصَالِ الْإِيْمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الْخَيْرِ]

[۷۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ- أَوْ قَالَ: لِجَارِهِ - مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ"

[۷۲-] وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: قَالَ: " وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لاَ يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهِ - أَوْ قَالَ: لِأَخِيْهِ- مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے ـــــ یا فرمایا: اپنے پڑوسی کے لئے ـــــ وہ چیز پسند نہ کرے جواپنے لئے پسند کرتا ہے"

تشریح: یہ حدیث صحیح ابن حبان میں بھی ہے، وہاں الفاظ ہیں: لا يَبْلُغُ العَبْدُ حقيقةَ التَّقْوٰى حتى يُحِبَّ إلخ: کوئی شخص تقوی کی حقیقت پانہیں سکتا جب تک وہ پسند نہ کرے الی آخرہ۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایمان بمعنی تقوی ہے، کیونکہ جس طرح ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، ایک حدیث بھی دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے ـــــ اور اس حدیث میں بھی ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، خودغرض آدمی مؤمن ہے، مگر ناقص الایمان ہے، اس لئے لایؤمن کہا۔ بہ الفاظِ دیگر: کمالِ ایمان کی نفی مراد ہے، ایمان میں کمال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دوسرے مسلمانوں کے لئے

عبادتوں میں سے اور جائز کاموں میں سے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور یہ کچھ مشکل امر نہیں، دل میں خیر خواہی کا جذبہ ہو تو یہ بات، بہت آسان ہے۔

فائدہ: امام مسلم رحمہ اللہ کی ترتیب نازل ہے، حضرت نے پہلے اللہ کی محبت کے لئے پھر رسول اللہ ﷺ کی محبت کے لئے پھر اہلِ ایمان (مسلمان) کی محبت کے لئے ابواب قائم کئے ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ترتیب برعکس ہے، آپ نے اولاً حبِ مسلم کا، پھر حبِ رسول کا باب قائم کیا ہے، یعنی آپ کی ترتیب میں صعود (عروج) ہے ـــــ امام مسلم رحمہ اللہ کی ترتیب شاندار ہے، اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ترتیب سے بہ ظاہر یہ اخذ ہوتا ہے کہ پہلے عام مسلمانوں سے محبت ہوگی پھر رسول سے، پھر اللہ تعالیٰ سے، جبکہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ عز وجل سے محبت ہو، پھر رسول اللہ ﷺ سے پھر مسلمانوں سے، نیز اس ترتیب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حُبِ مسلم فرع ہے حُبّ رسول کی، جس کو نبی ﷺ سے جتنی زیادہ محبت ہوگی مسلمانوں سے اس کو اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی، فرمانِ نبی ہے: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ: اور حب رسول فرع ہے اللہ عز وجل کی محبت کی، جس کو اللہ سے محبت ہوگی اسی کو حضور پاک ﷺ سے محبت ہوگی، فرمانِ خدا ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ ـــــ اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ترتیب کا مدعیٰ یہ ہے کہ جب اسلام میں حب مسلم کی اتنی اہمیت ہے تو اندازہ لگاؤ کہ اللہ ورسول کی محبت کی کتنی اہمیت ہوگی!

قولہ: لأخیہ: ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں للناس ہے (حدیث نمبر ۲۲۹۸، ابواب الزہد، باب ۲) یعنی ایک مسلمان کو تمام انسانوں کا بہی خواہ ہونا چاہئے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

## بَابُ بَيَانِ تَحْرِيمِ إِيْذَاءِ الْجَارِ

## پڑوسی کو تکلیف دینا حرام ہے

یہ منفی پہلو سے علامتِ ایمان کا بیان ہے، پڑوسی کو ایذاء نہ پہنچانا بھی ایمان کی ایک علامت ہے، یعنی تکمیلِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ برتاؤ شریفانہ ہو، وہ اس کی طرف سے بے خوف رہیں، جبھی وہ کامل مؤمن ہے، ورنہ کیا خاک اس کا ایمان ہے! ـــــ ہم سایہ (پڑوسی) دکھ درد کا ساتھی اور ہنسی خوشی میں شریک ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے پڑوسی کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے، پھر پڑوسی خواہ کوئی ہو، رشتہ دار ہو یا اجنبی، دور کا ہو یا قریب کا، ہم مذہب ہو یا غیر مذہب کا: سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۳۶) میں ہے: "اور عبادت کرو اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بہترین سلوک کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ، اور ہم مجلس کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور غلام باندیوں

کے ساتھ" اور حدیث شریف میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جبرئیل علیہ السلام برابر مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنائیں گے" یعنی نبی ﷺ کو خیال ہونے لگا کہ شاید آگے چل کر وہ پڑوسی کے وارث ہونے کا حکم لائیں (یہ متفق علیہ حدیث ہے، مشکوۃ حدیث ۴۹۶۴)

اور حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک: وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں: پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ دوسرا: وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ تیسرا: وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے، یعنی صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے، کیونکہ وہ رشتہ دار ہے نہ مسلمان۔

(رواہ البزار وابونعیم، بحوالہ معارف الحدیث ۶:۹۹)

اور پڑوسی: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: وہ ہے جس کا گھر ساتھ لگا ہوا ہو، اور صاحبینؒ کے نزدیک: محلہ دار پڑوسی ہے، یعنی محلہ کی مسجد کے تمام نمازی پڑوسی ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: ہر جانب سے چالیس گھروں تک پڑوسی ہیں، اور صحیح امام اعظم رحمہ اللہ کا قول ہے (درمختار ۵:۴۸۳ کتاب الوصایا، باب الوصیة للأقارب وغیرھم)

## [۱۸- بَابُ بَيَانِ تَحْرِيمِ إِيْذَاءِ الْجَارِ]

[۷۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو" —— یہ دخولِ اولی کی نفی ہے، یعنی پڑوسی کو ستانا سنگین جرم ہے، اس کی سزا بھگتنے کے لئے پہلے جہنم میں جانا پڑے گا، پھر ایمان کی برکت سے سزا پوری ہونے کے بعد نکال لیا جائے گا۔

لغت: بوائق: بائقة کی جمع ہے: فتنہ، مصیبت، شرارت، ستانا —— اور سورۃ الشوری (آیت ۳۴) میں ہے: ﴿أَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا﴾: یا ان (جہازوں) کو ان کے اعمال (بد) کے سبب تباہ کردے، یہ اِیْبَاق (باب افعال) سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے —— اور سورۃ الکہف (آیت ۵۲) میں مُوبِقاً: (ظرف مکان) ہے: ہلاکت کی جگہ، مراد جہنم کا خاص درجہ ہے، فعل: وَبَقَ يَبِقُ وَبْقًا: ہلاک ہونا، بابہ ضرب وسمع۔

ملحوظہ: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے یا ابو شریح عدوی خزاعیؓ کی؟ ابن ابی ذئب کے تلامذہ میں اختلاف ہے: عاصم بن علی، شبابہ اور اسد بن موسیٰ: آخر میں حضرت ابو شریح کا ذکر کرتے ہیں اور چار تلامذہ: حُمید بن اسود، عثمان بن

عمر، ابوبکر بن عیاش اور شعیب بن اسحاق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں سندیں صحیح ہیں (تحفۃ القاری ۱۱: ۲۰۷، کتاب الادب باب ۲۹)

## بَابُ الْحَثِّ عَلٰی إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّيْفِ وَلُزُوْمِ الصَّمْتِ إِلَّا عَنِ الْخَيْرِ وَكَوْنِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مِنَ الْإِيْمَانِ

## پڑوسی اور مہمان کے اکرام کی ترغیب، اور بھلی بات کے علاوہ خاموش رہنے کی ترغیب اور ان باتوں کا ایمان کا جزء ہونا

اس باب میں تین احکام ہیں: ایک: ہمسایے (پڑوسی) کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ دوم: مہمان کی خاطر داری اور اعزاز واکرام کرنا۔ سوم: آدمی کو چاہئے کہ بھلی اور کارآمد بات ہی بولے، لغو اور نامناسب بات منہ سے نہ نکالنا، اور یہ تینوں باتیں ایمانی عمل ہیں، یعنی ایمان کے تقاضے سے یہ کام وجود پذیر ہوتے ہیں۔

۱- پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک: گذشتہ حدیث میں پڑوسی کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت تھی، اب فرماتے ہیں کہ صرف اتنی بات کافی نہیں کہ اس کو ایذاء نہ دی جائے، بلکہ اس سے حسن سلوک اور عزت واکرام کا معاملہ بھی کرے، اس لئے کہ ماں باپ، اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ پڑوسیوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے، ان کے ساتھ اچھے تعلقات ہوں تو زندگی چین وسکون سے گذرتی ہے، نیز پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک مکارم اخلاق کی نشانی ہے، اس لئے کہ جس کے مزاج میں تکبر وخود پسندی ہوتی ہے، جو کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا وہ اہل حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتا، ہمسایوں کے ساتھ بھی اس کا معاملہ ٹھیک نہیں ہوتا، پس انسان کو خاکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہئے، متواضع اور ملنسار آدمی سے سب محبت کرتے ہیں، ہمسایوں کا برتاؤ بھی اس کے ساتھ اچھا ہوتا ہے۔

۲- مہمان کا اعزاز واکرام: مہمان کی خاطر داری اور اعزاز واکرام اسلامی طریقہ، پیغمبر کی سنت اور صالحین کی خصلت ہے، سورۃ الذاریات آیت ۲۴ ہے: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾: کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے، اور حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور اکرام سے مراد اس کا انعام ہے، یعنی یک شبانہ روز ضیافت کا اہتمام کرے، اور مہمانی تین دن تک ہوتی ہے اس کے بعد جو کچھ برتاؤ ہے وہ خیرات ہے، یعنی ایک رات دن تک تو اہتمام کرے، پھر ماحضر پیش کرے، پھر بھی مہمان نہ ٹلے تو خندہ پیشانی سے کھلائے، کیونکہ آدمی خیرات کرتا ہی ہے، یہ سمجھے کہ یہ بھی ایک خیرات ہے۔ غرض مہمان کی خاطر مدارات ضروری ہے، یہ اس کا اسلامی حق ہے، پس اس میں اگر وقت خرچ ہو یا معمولات

میں فرق آئے تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔

۴۔بھلی بات بولے یا خاموش رہے: آنحضور ﷺ نے ایک زریں نصیحت یہ فرمائی ہے کہ آدمی جب بھی بولے اچھی بات منہ سے نکالے، یا خاموش رہے، بے ہودہ اور تکلیف دہ بات بولنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے، اس لئے کہ زبان کی بے احتیاطی بڑی خطرناک ہے، آدمی جو کچھ بولتا ہے ریکارڈ کرلیا جاتا ہے، سورۂ قٓ کی (آیت ۱۸) ہے: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾: آدمی جو کچھ زبان سے نکالتا ہے اس کے پاس تاک میں لگا ہوا ایک فرشتہ تیار ہے، یعنی فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے، اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جو باتیں ہم زبان سے نکالتے ہیں کیا اس پر بھی گرفت ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: بھلے مانس! زبان جو کچھ کھیتی کاٹتی ہے زیادہ تر لوگ اسی کی وجہ سے دوزخ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے۔ اور ترمذی میں ہی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آدمی جو کچھ بولتا ہے وہ اس کے لئے وبال ہے سوائے تین باتوں کے: اچھی بات کا حکم دینا، بری بات سے روکنا اور اللہ کا ذکر کرنا —— اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا: آپ کو یہ مرتبہ عالی کیسے ملا؟ انھوں نے فرمایا: تین باتوں سے: (۱) راست گوئی سے (۲) ادائے امانت سے (۳) اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی سے، غرض: بے ہودہ گوئی بری چیز ہے، اس پر بھی پکڑ ہوتی ہے، پس سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی ضروری بات ہی کرے، یا خاموش رہے، ہر وقت بک بک نہ کرے، معلوم نہیں زبان سے کیا کچھ نکل جائے اور اس کی وجہ سے جہنم میں پہنچ جائے۔

## [١٩ – بَابُ الْحَثِّ عَلٰى إِكْرَامِ الْجَارِ وَالضَّيْفِ وَلُزُوْمِ الصَّمْتِ إِلَّا عَنِ الْخَيْرِ وَكَوْنِ ذٰلِكَ كُلِّهِ مِنَ الإِيْمَانِ]

[۷۴-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ"

[۷۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيْ حَصِيْنٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِيْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ"

[٧٦-] وحدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي حَصِينٍ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: "فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ"

[٧٧-] وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو: أَنَّهُ سَمِعَ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ يُخْبِرُ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے چاہئے کہ وہ کوئی بھلی بات بولے یا خاموش رہے، اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے ــــ اور ابوصالح کے تلمیذ ابوحصین کی روایت میں ہے: وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور دوسرے شاگرد اعمش کی روایت میں ہے: چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ اور ابوشریح عدویؓ کی روایت کے الفاظ بھی یہی ہیں ــــ اور جوشخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

تشریح:

۱- مہمان نوازی معاشرہ کی ایک بنیادی ضرورت ہے، آدمی ہمیشہ گھر پر نہیں رہتا، اِدھر اُدھر بھی جاتا ہے، اور توشہ ساتھ نہیں لے جاتا، پس اگر لوگ اس کی میزبانی نہیں کریں گے تو وہ بھوکا مرے گا، شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسوں سے بھی کھا سکتا ہے، مگر دیہاتوں میں کوئی شکل نہیں ہوتی، اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ ایسے بے سہارا لوگوں کا تعاون کرے اور ان کی میزبانی کرے (۱)۔

پھر جمہور علماء کے نزدیک مہمانی کرنا سنت ہے اور بعض حضرات کی رائے میں ضیافت واجب ہے۔ ابوداؤد (حدیث ۳۷۵۰ کتاب الاطعمہ) میں روایت ہے: لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ على كُلِّ مُسْلِمٍ: یک شبانہ روز مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، نیز باب کی حدیث میں امر غائب ہے وہ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے علماء نے حدیثوں کو مختلف طرح سے جمع کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے روایات کو ناسخ ومنسوخ قرار دیا ہے، یعنی وجوب پر دلالت کرنے والی روایات ابتدائے اسلام کی ہیں، بعد میں یہ وجوب ختم کردیا گیا تھا۔ الکوکب الدری (حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی ترمذی کی تقریر)

(۱) ایک حدیث ہے: الضِّيافَةُ على أهل الوَبَر وليس على أهل الْمَدَرِ: دیہاتیوں پر ضیافت واجب ہے شہریوں پر نہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

میں بھی یہی توجیہ کی گئی ہے، مگر بہتر تطبیق یہ ہے کہ وجوب پر دلالت کرنے والی روایات بھی استحباب پر محمول ہیں، اس لئے کہ حق کی دو قسمیں ہیں: ایک: شریعت کا حق، اور دوسرا: مروت وانسانیت کا حق۔ اگر یہ دوسرا حق مراد لیا جائے تو اس روایت سے بھی ضیافت کا استحباب ثابت ہوگا، یہی لفظ غسلِ جمعہ کے باب میں آیا ہے: حَقٌّ علی كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةٍ: وہاں بھی علماء نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور امر غائب خود ڈھیلا ڈھالا امر ہے وہ بھی استحباب پر محمول ہے، تاکہ روایات میں تطبیق وجمع ہو جائے۔

۲- حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کی روایت یہاں مختصر ہے، وہ بخاری شریف (حدیث ۶۱۳۵) میں اس طرح ہے: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثلاثَةُ أَيَّامٍ فما بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِىَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ: جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور اکرام سے مراد اس کا انعام ہے، صحابہ نے پوچھا: مہمان کا انعام کیا ہے؟ (ان کا مقصد انعام کی مدت معلوم کرنا تھا، یعنی مہمان کے لئے کتنے دن تک ضیافت کا اہتمام کیا جائے؟) آپؐ نے فرمایا: یک شبانہ روز ضیافت میں تکلف کرنا اس کا انعام ہے اور مہمانی تین دن ہے، اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ خیرات ہے، یعنی ایک رات دن تک تو میزبانی کا اہتمام کرنا چاہئے، پھر ماحضر پیش کیا جائے اور پھر بھی مہمان نہ جائے تو خندہ پیشانی سے کھلایا جائے، کیونکہ آدمی خیرات کرتا ہی ہے، اس کو بھی ایک خیرات سمجھے، اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس پڑا رہے، یہاں تک کہ اس کو تنگ کردے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے (منہ سے نکلی ہوئی بات اثر رکھتی ہے، پس اگر بھلے طریقہ پر مہمان سے کوئی بات کہے جس سے وہ رخصت ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، ورنہ رخصت کرنے کے لئے بھونڈا طریقہ اختیار نہ کرے۔

ایک واقعہ: ایک بدو کے یہاں مہمان آیا، وہ جانے کا نام نہیں لیتا تھا، میاں بیوی نے طے کیا کہ آج رات، ہم آپس میں باتیں کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مہمان کب تک رکے گا؟ چنانچہ جب رات میں بیٹھے تو کسی بات پر شوہر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی روزی ہمارے یہاں آئندہ کل بھی رکھی ہے: بات یوں ہے، مہمان سن رہا تھا مگر کچھ نہ بولا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ آئندہ کل رکنے والا ہے، پھر بیوی نے کہا: میرے سرتاج! قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے مہمان کی ہمارے یہاں آئندہ پرسوں کی بھی روزی رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کہہ رہے ہیں، بلکہ بات اس طرح ہے، مہمان یہ سن کر بولا: قسم ہے اس ذات کی جس نے میری روزی آپ حضرات کے یہاں ایک مہینہ تک رکھی ہے، بات اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ دونوں کہہ رہے ہیں، بلکہ بات اس طرح ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ آفت مہینہ تک ٹلنے والی نہیں۔

فائدہ: بخاری شریف میں ایک حدیث ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم کسی بستی پر سے گذریں اور بستی والے نہ دعوت کریں، نہ رسد دیں تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: زور جبر سے لے لو، اور پیسے دیدو (بخاری حدیث ۲۴۶۱) اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر میزبان کنّی کاٹے اور دعوت نہ کرے تو زبردستی حق ضیافت وصول کر سکتے ہیں، کیونکہ شہروں میں تو انتظام ہوتا ہے، آدمی پیسے سے بھی کھا سکتا ہے مگر دیہات میں کوئی شکل نہیں ہوتی۔ پس کیا مہمان بھوکا مرے گا؟ یہ استدلال غور طلب ہے، کیونکہ یہ حدیث خاص صورت کے بارے میں ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بڑے لشکر اپنی رسد ساتھ لے کر چلتے تھے، مگر چھوٹے سریّوں کے لئے یہ بات ممکن نہیں تھی، اس لئے وہ جس بستی میں ٹھہرتے، بستی والے ایک وقت کی دعوت کرتے تھے، مگر دعوت کرنا لازم نہیں تھا، البتہ ایک وقت کی رسد قیمتاً دینا واجب تھا، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو مذہبی دشمنی میں بعض قبائل نہ دعوت کرتے تھے نہ رسد بیچتے تھے، اس سلسلہ میں یہ روایت ہے، اگرچہ مسئلہ یہی ہے کہ مجبوری میں زور زبردستی ضیافت لے سکتا ہے، کیونکہ گاؤں والے ظالم ہیں، اور مہمان مظلوم، اور مظلوم ظالم سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔

## بَابُ بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الإِيْمَانِ، وَأَنَّ الإِيْمَانَ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ، وَأَنَّ الأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاجِبَانِ

### منکرات سے روکنا ایمان کا جزء ہے، اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، اور اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا فرض ہے، پھر دعوت کی دو قسمیں ہیں: غیروں کو دعوت دینا اور اپنوں کو دعوت دینا، یعنی غیروں کو دین کی طرف بلانا اور اپنوں کو دین پر جمانا، یہ دونوں ہی دعوتیں ضروری ہیں۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۱۰ میں ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ ﴾: ترجمہ: تم لوگ اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اس آیت میں دونوں دعوتوں کا ذکر ہے ﴿ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ میں غیروں کو دعوت دینے کا ذکر ہے، قرآنِ کریم الناس سے غیروں کا ذکر کرتا ہے اور تامرون سے آخر تک اپنوں کو دعوت دینے کا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر جمانے کا ذکر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کی دعوت سے اگر امت تغافل برتے تو اس پر عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی، مگر دوسری دعوت میں غفلت برتنے پر احادیث شریفہ میں عذاب کی خبر دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ اگر دین کا صحیح

نمونہ بن جائے تو دوسروں کو دعوت خود بخود پہنچے گی، اور اگر اپنوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور وہ نام کے مسلمان رہ جائیں تو وہ دوسروں کی دین بیزاری کا سبب بن جائیں گے، ان کو اگر دعوت دی بھی جائے گی تو وہ اثر انداز نہیں ہوگی، اس لئے پہلے محنت اسلامی معاشرہ پر ہونی چاہئے۔

البتہ اس سلسلہ میں قرآنِ پاک کی ایک آیت سے غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ اس کو سمجھ لینا ضروری ہے، سورۃ المائدۃ آیت ۱۰۵ ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾: ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اس آیت کے ظاہر سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اس کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بات قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطابِ عام میں فرمایا: لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، تم یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، سنو! میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کردیں (ترمذی حدیث ۲۱۶۵)

پس اس حدیث کی روشنی میں آیتِ کریمہ یا تو پہلی دعوت کے ساتھ خاص ہے، یعنی اگر کفار رسومِ شرکیہ میں اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہوں اور نصیحت و فہمائش سے بھی باز نہ آئیں تو تم ان کے غم میں نہ پڑو، ان کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان وتقوی کی زندگی اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں (فوائد شبیریہ)

اور اگر یہ آیت مسلمانوں کو بھی عام ہے تو ﴿ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾: میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی فکر اولاً ہر شخص پر ضروری ہے، پھر امکان بھر کوشش کرنے کے بعد اگر لوگ نہ سنیں تو وہ ذمہ دار نہیں، ابوداؤد (حدیث ۴۳۴۱) میں ہے: حضرت ابو ثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ سے علیکم أنفسکم کا مطلب پوچھا گیا، آپؓ نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب نبی ﷺ سے پوچھا ہے: آپؐ نے فرمایا: بل ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ، وَتَنَاهَوْا عن المُنكر، حتى إذا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا، وَهَوًى مُتَّبَعًا، وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ، فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ، وَدَعْ عَنْكَ الْعَوَامَّ: ترجمہ: بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جارہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جارہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جارہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو اپنے آپ کو لازم پکڑو، اور عوام کا خیال چھوڑو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد علیکم أنفسکم کا نمبر ہے۔

### دعوت کے دو دائرے ہیں:

ایک: غیروں کو دین کی طرف بلانا، دوسرا: مسلمانوں کے احوال کو سنوارنا، اور ان کو بھلی باتوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا، کیونکہ امت اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسرے خود ہی اس سے متاثر ہونگے، اور اگر امت کا حال بگڑ جائے تو ان کو دیکھ کر دوسرے بھی دین سے بدک جائیں گے، اس لئے اصل محنت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہونی چاہئے، اسی وجہ سے اس سے غفلت برتنے پر احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، مگر امت ایک عرصہ سے اس طرف سے غافل ہے، چنانچہ رفتہ رفتہ امت کا جو حال ہو گیا ہے وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔ آج بلا مبالغہ اسّی فیصد مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں، جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود! والی بات صادق آتی ہے، اور کسی کو فکر نہیں: نہ باپ اولاد سے کچھ کہتا ہے، نہ شوہر بیوی سے، نہ بھائی بھائی سے، سب اپنی دنیا میں مگن ہیں، پھر عذاب نہیں آئے گا تو کیا رحمت کے جھونکیں چلیں گے!

### امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہیں:

اور یہ ایمانی تقاضہ سے واجب ہیں یعنی یہ دینی خیر خواہی ہے اور جن لوگوں نے ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اسی طرح ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ سے استدلال کیا ہے، اس کا جواب آچکا کہ آیت کا حکم اصلاحِ حال کی کوشش کے بعد ہے، اور یہ دوسرے کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی سزا ہے۔

### امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں:

اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، ورنہ تمام قادرین گنہ گار ہونگے، جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے غلام کو معروف میں کوتاہ اور منکر میں دلیر پائے تو اس کی اصلاح فرض ہے، اور عام مسلمانوں میں کوتاہی دیکھے اور اس کا خیال ہو کہ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا تو بھی کہنا ضروری ہے ﴿فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی نصیحت کرنے سے مؤمنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

### امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکام کے ساتھ خاص نہیں:

اور علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے، بلکہ صدرِ اول میں تو عام مسلمان حکام پر بھی نکیر کرتے تھے، البتہ یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا مسائل سے واقف ہو، پھر اگر مسئلہ واجبات ظاہرہ کا اور محرمات مشہورہ کا ہو، جیسے نماز، روزہ اور زنا اور شراب نوشی وغیرہ جن کو سب مسلمان جانتے ہیں، پس ان سے روکنے کی ذمہ داری بھی سب کی ہے، اور اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہو تو جو اہل علم مسئلہ میں بصیرت رکھتے ہیں انہی کا یہ مقام ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب:

اور اس فریضہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حکمت کا لحاظ کر کے بات کہی جائے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی، اور اس کو سنوار دیا۔ اور جس نے اس کو علانیہ نصیحت کی اس نے اس کو رسوا کیا، اور اس کو عیب دار کر دیا، ہاں اگر کوئی منکر عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو تو کسی کا نام لئے بغیر عام لوگوں کے سامنے بھی نکیر کر سکتے ہیں۔

قولہ: إن الإیمان یزید وینقص: ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟ یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ یہ قدیم اختلافی مسئلہ ہے جو ہم نے تفصیل سے کتاب الایمان کی تمہید میں بیان کیا ہے —— خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایمان کے دو معنی ہیں، یا یہ کہئے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ایک نفسِ ایمان دوسری ایمانِ کامل، جیسے انسان دو طرح کے ہیں: ایک محض انسان، دوسرا کامل انسان، محض انسان وہ ہے جس پر حیوانِ ناطق صادق آئے، اگر چہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر نہ ہوں اور وہ نہایت بدصورت اور اول نمبر کا احمق ہو پھر بھی انسان ہے۔ اور کامل انسان: وہ ہے جس کی بناوٹ پوری ہو، فہم وفراست میں یگانہ ہو، حسن وجمال میں یوسفِ زمانہ ہو، طاقت وقوت میں رستمِ دوراں ہو، اور نظافت وطہارت میں فرشتہ ہو: یہ کامل انسان ہے۔

اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ ایمان بھی دو طرح کا ہے: ایک: نفس ایمان جس پر نجات اخروی کا مدار ہے، دوسرا کامل ایمان جو نجاتِ اولی کا ضامن ہے —— جمہور محققین اور ماترید یہ نے نفس ایمان کی تعریف کی ہے اور محدثین واشاعرہ نے کامل ایمان کی، پس ایمان کی تعریف بھی مختلف ہوگئی اور تزاید ایمان کے مسئلہ پر بھی اس کا اثر پڑا، چونکہ محدثین واشاعرہ نے ایمان کو مرکب قرار دیا پس وہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل ہوئے، اور محققین وماترید یہ نے ایمان کو بسیط کہا، پس انھوں نے ایمان کے گھٹنے بڑھنے کی نفی کی۔

محدثین کرام ایمان کی ترکیب پر جتنے دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے کوئی دلیل صریح نہیں، اور ان کا استدلال اس طرح ہے کہ نصوص سے ثابت ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کمی بیشی بر بناء اعمال ہوتی ہے، پس اعمال کا جزء ایمان ہونا اور ایمان کا مرکب ہونا ثابت ہوا —— اور فقہاء کے دلائل صریح ہیں کہ نصوص میں جگہ جگہ قلب کو ایمان کا محل قرار دیا ہے، اور قلب میں صرف تصدیق ہوتی ہے، پس ایمان کا بسیط ہونا ثابت ہوا۔

محدثین نے جن نصوص سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے وہ نصوص دو قسم کی ہیں: ایک نص میں مؤمن بہ میں اضافہ کی وجہ سے کمی زیادتی کا ذکر ہے، اور یہ بات نزولِ قرآن کے زمانہ میں تھی، جب شریعت مکمل ہوگئی تو مؤمن بہ بھی محدود ومتعین ہوگیا، اور اس میں کمی زیادتی کا امکان باقی نہیں رہا، اور دوسری قسم کی نصوص میں کیفیت یعنی شدت وضعف

کے اعتبار سے کمی بیشی کا ذکر ہے۔ مگر اس کا تعلق نفس ایمان سے نہیں، بلکہ ایمانِ کامل سے ہے۔ اور ایمانِ کامل میں کمی بیشی کا کوئی منکر نہیں، تفصیل گذر چکی ہے۔

**قوله: أن الأمر بالمعروف ...... واجبان:** اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو، اور ظن غالب ہو کہ امر و نہی کا فائدہ ہوگا تو امورِ واجبہ میں امر و نہی واجب ہے، اور امورِ مستحبہ میں مستحب، اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امورِ واجبہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، البتہ اگر آدمی ہمت کر کے اصلاحِ حال کی کوشش کرے تو بڑے ثواب کا حقدار ہوگا۔

## [۲۰- بَابُ بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مِنَ الإِيْمَانِ، وَأَنَّ الإِيْمَانَ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ، وَأَنَّ الأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاجِبَانِ]

[۷۸-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كِلاهُمَا، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ- وَهٰذَا حديثُ أَبِيْ بَكْرٍ- قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيْدِ قَبْلَ الصَّلاةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلاةُ قَبْلَ الخُطْبَةِ. فَقَالَ: قَدْ تُرِکَ مَا هُنَالِکَ. فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ"

[۷۹-] وحدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ رَجَاءٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، وَعَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، فِيْ قِصَّةِ مَرْوَانَ، وَحَدِيْثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، بِمِثْلِ حَدِيْثِ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ.

ترجمہ: طارق بن شہاب کہتے ہیں: وہ پہلا شخص جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیا مروان ہے: یعنی مروان نے سب سے پہلے عیدین میں نماز سے قبل خطبہ دیا، پس ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: نماز خطبہ سے پہلے ہے، یعنی آپ کا یہ عمل سنت (دینی راہ) کے خلاف ہے، مروان نے جواب دیا: تحقیق چھوڑ دیا گیا وہ طریقہ جو وہاں تھا، یعنی پہلے والا طریقہ اب مفید نہیں رہا، پہلے لوگ نماز کے بعد خطبہ سننے کے لئے بیٹھتے تھے، مگر اب لوگ چل دیتے ہیں، اور نصیحت ضروری ہے، اس لئے میں پہلے خطبہ دیتا ہوں یہی وقت کا تقاضہ ہے ـــــ مگر اس کی یہ بات صحیح نہیں تھی، لوگ

اس لئے چل دیتے تھے کہ بنوامیہ اپنے خطبوں میں بنو ہاشم کی برائی بیان کرتے تھے، جس کو لوگ سننا نہیں چاہتے تھے، پس قصور خود ان کا تھا۔

اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے وہ فریضہ انجام دیدیا جو اس پر تھا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جو کسی ناجائز امر کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدلے، اور جس کے بس میں یہ بات نہ ہو تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنی زبان سے بدلے، اور جس کے بس میں یہ بھی نہ ہو تو وہ اپنے دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ بات ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

سند: اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے تین شیوخ سے روایت کیا ہے: ابوبکر بن ابی شیبہ، محمد بن المثنی اور ابوکریب سے، ابوبکر اور محمد بن المثنی نے قیس بن مسلم کے واسطہ سے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے، اور ابوکریب نے اعمش سے روایت کیا ہے، پھر وہ اسماعیل اور ان کے ابا کے واسطہ سے بھی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور قیس بن مسلم سے بواسطہ طارق بن شہاب بھی حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح:

۱- جمعہ اور عیدین کے خطبے چونکہ ثانوی درجہ میں مطلوب ہیں، اصل نماز مقصود ہے، اس لئے ان کو نماز کے بعد رکھا گیا ہے، پھر جمعہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا، جس کی وجہ سے خطبہ مقدم کیا گیا اور عیدین کے خطبے اپنی اصل پر ہیں [1]۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد مروان نے عیدین کے خطبوں میں بھی تبدیلی کی، اور ان کو بھی پہلے دینا شروع کیا، اور سب سے پہلے یہ کام کس نے کیا؟ اس سلسلہ میں مختلف نام لئے گئے ہیں، حضرت عمر کا، حضرت عثمان کا، حضرت معاویہ کا، حضرت عبداللہ بن الزبیر

(۱) جمعہ اور عیدین میں لوگ عیدگاہ اور جامع مسجد میں دوگانہ ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں، تقریر سننے کے لئے نہیں جاتے، پس پہلے دوگانہ ادا کرنا چاہئے، پھر خطیب کو جو تقریر کرنی ہو کرے۔ غرض عیدین میں معاملہ اصل وضع (حالت) پر ہے، اور ابتدائے اسلام میں جمعہ میں بھی خطبہ نماز کے بعد تھا، لیکن ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی ﷺ جمعہ پڑھا کر خطبہ دے رہے تھے کہ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا، اس نے نقارہ بجایا اور اعلان کیا، تو سارا مجمع منتشر ہو گیا، بعض لوگ خریداری کرنے چلے گئے اور بعض لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے گئے، صرف بارہ آدمی رہ گئے، چنانچہ سورۃ الجمعہ کی (آیت ۱۱) نازل ہوئی اور آئندہ اس قسم کا واقعہ پیش نہ آئے اس لئے خطبہ مقدم کر دیا گیا (بخاری حدیث ۹۳۶) علاوہ ازیں عیدین کی نوبت سال میں دو ہی مرتبہ آتی ہے اور اس میں خوب ذوق وشوق ہوتا ہے، لوگ پہلے سے تیاری کر کے آتے ہیں، اس لئے عیدین میں اصل کے مطابق عمل کیا جاتا ہے اور جمعہ ہفتہ واری اجتماع ہے اس میں اگرچہ ذوق وشوق ہوتا ہے مگر عیدین جیسا نہیں ہوتا، بلکہ بعض لوگ سستی کرتے ہیں اور دیر سے آتے ہیں، پس اگر خطبہ بعد میں ہوگا تو ان کی پوری نماز یا کوئی رکعت چھوٹ جائے گی اس لئے خطبہ مقدم کیا گیا، تا کہ دیر سے آنے والے بھی نماز سے محروم نہ رہیں۔

رضی اللہ عنہم کا، مگر یہ سب نام صحیح نہیں [1]۔ سب سے پہلے یہ کام مروان نے کیا، پھر جب بنو عباس کا دور آیا تو صورتِ حال صحیح ہوگئی اور آج تک وہی معمول بہ ہے۔

۲- اور اسی روایت میں جو آگے آرہی ہے (کتاب صلوۃ العیدین) یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان پر نکیر کی، وہ دونوں عیدگاہ ساتھ ساتھ گئے تھے، مروان سیدھا منبر [2] کی طرف بڑھا، حضرت ابوسعیدؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا، مگر وہ نہیں مانا، کچھ دیر یونہی کھینچا تانی ہوتی رہی، آخر مروان نے کہا: قد تُرِکَ مَا تَعْلَمُ: آپ جو جانتے ہیں وہ زمانہ گیا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے جواب دیا: کلاّ: والذی نفسی بیدہ! لا تأتون بِخَیْرٍ مِمَّا أَعْلَمُ: ہرگز نہیں، قسم اس ہستی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نہیں لاؤ گے کوئی کام بہتر ان کاموں سے جو میں جانتا ہوں، یہ بات تین مرتبہ کہہ کر حضرت ابوسعید خدریؓ صف میں جا بیٹھے، پھر اس شخص نے جس کا اس روایت میں ذکر ہے کھڑے ہوکر نکیر کی، اس لئے اس کے عمل کا درجہ بڑھ گیا، اس لئے حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: اس بندے نے جو اس پر حق تھا چکا دیا۔

۳- کسی منکر کو ہاتھ سے بدلنا یہ ہے کہ منکر میں مشغول لوگوں کو کسی بھی طرح اس سے روک دے، مثلاً: آلاتِ لہو ولعب توڑ دے، ان کی سرزنش اور پٹائی کرے، مگر یہ کام حاکم کا ہے، قوتِ نافذہ کے بغیر یہ کام کرنے سے فتنہ ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ زبان سے تبدیلی کرنے کا ہے، یعنی برائی میں مشغول لوگوں کو سمجھایا جائے، ان پر اعتراض کیا جائے، یہ کام عام احوال میں ہر شخص کرسکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بے ہمت ہو اور اس کی ہمت نہ کرسکے تو آخری درجہ دل سے منکر کو برا سمجھنے کا ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مداہنت فی الدین ہے جو پورے معاشرہ کو لے ڈوبتی ہے۔

۴- اور اس آخری درجہ کو جو ایمان کا ضعیف ترین درجہ قرار دیا ہے یہ مسبب سے سبب پر استدلال ہے، اس استدلال کا نام استدلالِ اِنّی ہے، جیسے دھویں سے آگ پر استدلال، کیونکہ ایمان ایک قلبی حالت ہے اور امر مخفی ہے، پس اس کی قوت وضعف کا اندازہ مؤمن کے اعمال سے لگایا جائے گا، جو قوی الایمان ہوگا وہ برملا نکیر کرے گا، اور جو کم ہمت ہوگا وہ ہچکچائے گا، یہ اس کے ایمان کے ضعف کی دلیل ہے، مگر یہ خیال رہے کہ ایمان اس کا بھی ناقص نہیں، البتہ وہ کمزور ہے، چنانچہ اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، اور وہ منکر کو صرف دل سے برا سمجھ کر رہ گیا، لیکن بہر حال یہ بھی ایک ایمانی درجہ ہے، جیسے قوی اور

(۱) بخاری شریف میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا عیدین میں نماز کے بعد خطبہ دینا مروی ہے، پس ان حضرات کی طرف نسبت غلط ہے یا بر تقدیر صحت یوں کہا جائے گا کہ کبھی وقتی مصلحت سے ان حضرات نے پہلے خطبہ دیا ہوگا، البتہ مروان کا یہ عمل مسلسل تھا، اس لئے اس کی طرف اولیت کا انتساب ہے۔

(۲) تحفۃ الالمعی میں بعض جگہ ممبر (میم کے ساتھ) ہے وہ کتابت کی غلطی ہے، صحیح منبر (نون کے ساتھ) ہے، اور ممبر کے معنی ہیں: رکن، شریک، حصہ دار، ساجھی۔

ضعیف دونوں کامل انسان ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بعد ایمان ہی ناقص ہے، یہ مداہنت کرنے والے اور موافقت کرنے والے لوگ ہیں۔

استدلال: اس حدیث میں کم ہمت کو ایمان میں کمزورترین قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ مؤمنین کے ایمان میں تفاوت ہے، پس ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے ـــــ مگر یہ تقریب تام نہیں، اس لئے کہ یہ تفاوت شدت وضعف کے اعتبار سے ہے، جس کا تعلق نفس ایمان سے نہیں، بلکہ ایمانِ کامل سے ہے، اور ایمان کامل میں کمی بیشی کا کوئی منکر نہیں۔

[۸۰-] حَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ- وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ - قَالُوْا: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تعالىٰ فِيْ أُمَّةٍ قَبْلِيْ، إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ، يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ، يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ"

قَالَ أَبُوْ رَافِعٍ: فَحَدَّثْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَأَنْكَرَهُ عَلَيَّ، فَقَدِمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَنَزَلَ بِقَنَاةٍ، فَاسْتَتْبَعَنِيْ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَعُوْدُهُ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ، فَلَمَّاجَلَسْنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَحَدَّثَنِيْهِ، كَمَا حَدَّثْتُهُ ابْنَ عُمَرَ.

قَالَ صَالِحٌ: وَقَدْ تُحُدِّثَ بِنَحْوِ ذٰلِكَ عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا ہو، مگر اس کی امت میں سے اس کے لئے خاص مددگار، اور ایسے ساتھی ہوتے تھے جو اس کے طریقہ کو پکڑتے تھے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے ناہنجار جانشین ہوتے تھے (جن کے قول وفعل میں تضاد ہوتا تھا) وہ جو بات کہتے تھے اس کو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جس کا وہ حکم نہیں دیئے گئے، یعنی آئندہ یہ امت بھی انہی احوال سے دوچار ہوگی، پس جس نے ان کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کیا وہ مؤمن ہے، اور جس نے ان کا زبان سے مقابلہ کیا وہ بھی مؤمن ہے، اور جس نے ان کا دل سے مقابلہ کیا یعنی ان کے طریقہ کو برا جانا وہ بھی مؤمن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں!

تعارف وتصدیق: اس حدیث کے راوی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام)

ہیں ان کا نام راجح قول کے مطابق اسلم ہے، اہل یمن میں سے ہیں، آزاد کرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر چاہو اپنے خاندان والوں کے پاس جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو، میرے ساتھ رہو گے تو میرے گھر والوں میں تمہارا شمار ہوگا۔ حضرت ابورافعؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا، وہ سفر وحضر میں ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہتے تھے ـــــ جب ابورافعؓ نے یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بیان کی تو انھوں نے قبول نہیں کیا، پھر ابن مسعودؓ مدینہ تشریف لائے اور وادی قناۃ میں ٹھہرے (ابورافعؓ کہتے ہیں) حضرت ابن عمرؓ ان کی عیادت کے لئے مجھے ساتھ لے کر گئے، میں ان کے ساتھ گیا، جب ہم بیٹھ گئے تو میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، انھوں نے یہ حدیث ٹھیک اسی طرح بیان کی جس طرح میں نے ابن عمرؓ سے بیان کی تھی ـــــ صالح (راوی) کہتے ہیں: یہ حدیث ابورافعؓ سے (ابن مسعود کے واسطہ کے بغیر بھی) اسی طرح بیان کی گئی ہے، پس ابورافع رضی اللہ عنہ نے براہِ راست نبی ﷺ سے بھی یہ حدیث سنی ہوگی جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں مختصراً نقل کیا ہے۔

**انکار کی وجہ:** ابن عمرؓ نے ابورافعؓ کی حدیث کو رد کیوں کیا؟ اس کی وجہ صاحب الحل المفہم نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث میں ناہنجار مسلمانوں سے قتال کی بات ہے، کیونکہ قادرین کو ان سے ہاتھ سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ فتنہ کا باعث ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

**قولہ: وقد تُحدِّث بنحو ذلک:** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حارث بن فضیل سے صالح بن کیسان نے روایت کی ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے حارث کی وجہ سے اس حدیث پر نقد کیا ہے اور اس کو غیر محفوظ بتایا ہے، مگر حضرت کا یہ رد عام طور پر قبول نہیں کیا گیا، اس لئے کہ حارث بن فضیل سے بہت سے ثقہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ اور یحیٰ بن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور کتاب الضعفاء میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا، علاوہ ازیں: وہ اس حدیث کی روایت میں تنہا نہیں، ان کے کئی متابع ہیں۔ دار قطنی رحمہ اللہ نے کتاب العلل میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث دیگر طرق سے بھی روایت کی گئی ہے، جیسے ابوواقد لیثی نے بھی حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے (فتح الملہم)

**نقد کی وجہ:** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اور مروی ہے: إصبروا حتی تلقونی: نبی ﷺ نے فرمایا: فتنہ سے باز رہو، صبر سے کام لو، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آکر ملو، اس حدیث سے یہ حدیث معارض ہے، اس لئے کہ اس میں امام المسلمین اور ناہنجار مسلمانوں سے ہاتھ سے جہاد کرنے کا یعنی قتال کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ فتنہ کا باعث ہے، جبکہ نبی ﷺ نے فتنہ سے باز رہنے کی اور صبر کی تلقین فرمائی ہے، اس لئے باب میں مذکور روایت کو قبول کرنے میں تکلف ہے، اسی وجہ سے ابن عمرؓ نے نکیر کی تھی۔

**جواب:** درحقیقت دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ ہاتھ سے جہاد کرنے سے مراد ناہنجاروں پر اس طرح نکیر کرنا ہے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، قتل وقتال اور امام المسلمین کے خلاف خروج کی بات حدیث

میں نہیں، جیسے باپ: ناہنجار اولاد کی سرزنش کرے، ان کو عمل منکر پر مارے پیٹے، اور ان کے آلات لہو ولعب توڑ دے تو یہ بھی ہاتھ سے جہاد کرنا ہے، اور حدیث کی یہی مراد ہے۔ امام المسلمین کے خلاف بغاوت اور قتل وقتال جو فتنہ کا باعث بنے: حدیث کی مراد نہیں۔ واللہ اعلم

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: "ضرور میری امت پر وہ احوال آئیں گے جو بنی اسرائیل پر گذر چکے ہیں، چپل کے چپل کے ساتھ برابر ہونے کی طرح" (ترمذی حدیث ۲۶۴۲) یعنی یہ امت گذشتہ امتوں کے نقشِ قدم پر چلے گی، عملی اور اعتقادی دونوں قسم کی خرابیوں میں، پس دیگر امتوں کی طرح آئندہ اس امت میں بھی ایسے ناہنجار پیدا ہونگے، جن کے قول وفعل میں تضاد ہوگا، جو ان سے کسی بھی درجہ میں مقابلہ کرے گا، خواہ ہاتھ سے، خواہ زبان سے خواہ دل سے: تو یہ اس کے مؤمن ہونے کی دلیل ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مداہنت فی الدین ہے جو پورے معاشرہ کی ہلاکت کا باعث ہے۔

۲- بعض نبی ایسے گذرے ہیں جن کا کوئی امتی نہیں ہوا، پس تمام نبیوں کے لئے امتی وحواری کی بات باعتبار اکثریت کے ہے۔

۳- خُلوف: خَلْف (لام پر جزم) کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: ناخلف، ناہنجار، اور لام کے فتح کے ساتھ خَلَف کے معنی ہیں: سچا جانشین، اس کی جمع أخلاف ہے، جیسے سَلَف کی جمع أسلاف ہے —— اور حواری: خاص مددگار اور رازدار کو کہتے ہیں۔

وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ الْفُضَيْلِ الْخَطْمِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَا كَانَ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَكَانَ لَهُ حَوَارِيُّونَ يَهْتَدُونَ بِهَدْيِهِ وَيَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِهِ" مِثْلَ حَدِيثِ صَالِحٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ قُدُومَ ابْنِ مَسْعُودٍ وَاجْتِمَاعَ ابْنِ عُمَرَ مَعَهُ.

وضاحت: اس حدیث کو حارث بن الفضیل سے عبدالعزیز نے روایت کیا ہے، اوپر صالح بن کیسان کی روایت تھی، اور دونوں روایتوں میں بس اتنا فرق ہے کہ یہاں حضرت ابن مسعودؓ کے تشریف لانے کا اور ابن عمرؓ کا ان سے ملاقات کرنے کا ذکر نہیں —— یَسْتَنُّون: سَنَّ (ن) سَنًّا الطریقة: طریقہ اختیار کرنا، پیروی کرنا اور اِسْتَنَّ (از افتعال) کے بھی یہی معنی ہیں، کہتے ہیں: اسْتَنَّ بسیرةِ فلان: اس نے فلاں کی سیرت اپنائی —— یَهْتَدُوْن: اِهْتَدَی إهتداءً: ہدایت

پانا، راہ راست پانا، کہا جاتا ہے: إهْتَدى إلى الطريق: اس نے راستہ پالیا ——— بهديه: أى بطريقته وسنته۔

## بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الإِيْمَانِ فِيْهِ، وَرُجْحَانِ أَهْلِ الْيَمَنِ فِيْهِ

## ایمان میں مسلمانوں کا متفاوت ہونا، اور یمن والوں کا ایمان میں بڑھا ہوا ہونا

اس باب میں دو دعوے ہیں:

پہلا دعوی: مسلمانوں میں بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے، اور یہ بدیہی بات ہے، اس لئے کہ ایمانِ کامل کے اعتبار سے لوگوں کا ایمان کم وبیش ہوتا ہے، پس مؤمنین میں بھی تفاوت ہوگا، وہ مسلماں جو شریعت کا پابند ہے اس کو اس مسلمان پر فوقیت حاصل ہوگی جو اعمال میں کوتاہ ہے۔

دوسرا دعوی: انسان پر ماحول کا اثر پڑتا ہے، جس قسم کے جانوروں کے ساتھ وہ زیادہ وقت گذارتا ہے ان جانوروں کا بھی اس کی ذات پر اثر پڑتا ہے، اسی لئے نبی ﷺ نے یمن والوں کی تعریف فرمائی کہ ان کے دل نرم ہیں اور ان کے ایمان میں اخلاص ہے، اہل یمن بکریاں پالتے تھے، جو مسکین جانور ہے، اس لئے ان کی طبیعتیں متواضع اور پرسکون تھیں۔ غرض جب جانوروں کا اثر انسان کی طبیعت پر پڑتا ہے تو صالحین کی صحبت سے کیا خوشگوار اثر نہیں پڑے گا؟ اور بدوں کی وجہ سے فضا مکدر نہ ہوگی؟ یہ بات ہر کوئی بخوبی سمجھ سکتا ہے، اس لئے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہیں، تا کہ معاشرہ منکرات سے پاک صاف اور شفاف ہو، اور احکام شریعت کی پاسداری آسان ہو۔

**[ ۲۱- بَابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الإِيْمَانِ فِيْهِ، وَرُجْحَانِ أَهْلِ الْيَمَنِ فِيْهِ]**

[۸۱-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيْسَ، كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ. ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ- وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا يَرْوِيْ عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: أَشَارَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ، فَقَالَ: " أَلاَ! إِنَّ الإِيْمَانَ هٰهُنَا! وَإِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوْبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ عِنْدَ أُصُوْلِ أَذْنَابِ الإِبِلِ! حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ فِيْ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ!"

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا: سنو! بیشک ایمان یہاں ہے یعنی ان کے ایمان میں اخلاص ہے، اور بیشک قساوت اور سخت دلی اونٹوں کی دموں کی جڑوں کے پاس چلانے والوں میں ہے (قسوۃ اور غلظ القلوب کے ایک معنی ہیں) جہاں سے شیطان کے دو سینگ نکلتے ہیں (یعنی سورج طلوع ہوتا ہے، یعنی مدینہ سے مشرق کی جانب) قبائل ربیعہ اور مضر میں (یہ دونوں قبیلے مدینہ سے مشرق کی

جانب میں رہتے تھے، ان میں سخت دلی تھی، کیونکہ وہ اونٹ پالتے تھے، اور ان کی دموں کے ساتھ چلتے تھے، اور چلا کر پورے ریوڑ پر کنٹرول کرتے تھے)

شانِ ورود: یہ حدیث بخاری شریف میں (حدیث نمبر ۳۱۹۰) قدرے تفصیل سے آئی ہے، ایک سفر میں (غزوۂ تبوک میں) بنوتمیم کا وفد حاضر ہوا، وہ مال کی امید لے کر آئے تھے، نبی ﷺ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں تھا، آپؐ نے فرمایا: اَبْشِرُوْا: خوش خبری سن لو، یعنی مادی نعمت نہیں ہے، روحانی نعمت قبول کرو، جو علوم ومعارف بیان کروں اسے سنو، انھوں نے جواب دیا: خوشخبریاں بہت سنائیں کچھ دیجئے بھی! آپؐ کو ناراضگی ہوئی، چہرہ مبارک کا رنگ فق ہوگیا، فوراً ہی یمن کے لوگ آئے، آپؐ نے ان سے فرمایا: یمن والو! خوش خبری قبول کرو، بنوتمیم تو اسے قبول نہیں کرتے، انھوں نے عرض کیا: ہم قبول کرتے ہیں، ہم مال کے لئے نہیں آئے، علوم ومعارف حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، ہم ابتدائے آفرینش کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں، نبی ﷺ کو ان کی بات پسند آئی اور یہ خوشخبری سنائی کہ ایمان اور فقہ وحکمت درحقیقت انہی لوگوں کا حصہ ہے، اسی کو آپؐ نے رقت قلب سے تعبیر کیا۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ایمان تو یمن والوں کا ہے، یعنی ان کے ایمان میں اخلاص ہے، وہ برضاء ورغبت ایمان لائے ہیں، ان کے قلوب نرم ہیں اور وہ نفاق سے دور ہیں (یہ اہل یمن کے لئے بڑی فضیلت ہے) برخلاف قبائل ربیعہ اور مضر کے، ان میں اُجڈ پن اور سخت دلی ہے، اس لئے کہ وہ اونٹ پالتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، اور آدمی کی جس چیز کے ساتھ مزاولت ہوتی ہے اس کے اثرات اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ اونٹ سخت مزاج اور کینہ توز جانور ہے، پس قبائل ربیعہ ومضر کا بھی یہی مزاج ہے، اور یمنی نرم مزاج اس لئے ہیں کہ وہ بکریاں پالتے ہیں، بکری مسکین جانور ہے اس لئے بکریاں پالنے والوں میں اطمینان ووقار اور تواضع وسکون ہوتا ہے۔

استدلال: نبی ﷺ نے اہل ایمن کو باعتبار ایمان کے ربیعہ اور مضر پر فوقیت دی، اور فوقیت وتفاوت کی وجہ ان جانوروں کو بتایا جن کے ساتھ ان قبائل کی مزاولت تھی، پس دونوں دعوے ثابت ہوگئے کہ بعض مؤمنین کو بعض مؤمنین پر فوقیت حاصل ہے، اور گردوپیش کا اثر پڑتا ہے، حتی کہ جانوروں کا بھی اثر انسان کی ذات پر پڑتا ہے۔

۲- قسوت اور غلظت: دونوں کا تقریباً ایک ہی مفہوم ہے، اور علامہ قرطبیؒ نے فرق کیا ہے: قسوت یہ ہے کہ قلب میں نرمی اور اثر پذیری کی صلاحیت باقی نہ رہے، اور غلظت سے مراد دین کا عدم فہم ہے —— فی الفَدَّادین: فَدَّ یَفِدُّ فَدًّا وَفَدِیْدًا کے معنی ہیں: سخت آواز ہونا، الفدَّاد: سخت گفتار، کرخت آواز والا، یعنی جن کے پاس اونٹوں اور گھوڑوں کا بڑا ریوڑ ہوتا ہے ان میں یہ برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: شیبانی نے فَدَادِیْن (بتخفیف الدال) روایت کیا ہے جو فَدَّاد (بتشدید الدال) کی جمع ہے:

اس کے معنی ہیں: کھیتی کا بیل اور اس سے پہلے مضاف (اصحاب) محذوف ہے، یعنی ہل جوتنے والے، پس حدیث کا مطلب ہوگا: اکھڑ پن اور سخت دلی ہل جوتنے والوں میں ہے، مگر ابوعبیدہ نے اس تفسیر کو بایں وجہ رد کیا ہے کہ عرب کھیتی باڑی نہیں کرتے تھے، زراعت شام اور روم میں ہوتی تھی، اور وہ نبی ﷺ کے بعد فتح ہوئے ہیں (فتح الملہم)

قولہ: عند أصول أذناب الإبل: اونٹ پالنے والے اونٹوں کی دموں کے ساتھ چلتے ہیں اور سارے ریوڑ پر چلا کر کنٹرول کرتے ہیں، اس لئے ان میں چلانے کی عادت پڑ جاتی ہے —— اور اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت دنیوی مشاغل کے ساتھ چپکے رہتے ہیں، اور اہل خیر کی صحبت اختیار نہیں کرتے ان میں قبولِ حق اور فہم دین کی صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے۔

قولہ: حیث یطلع إلخ: یہ مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یمامہ کا رہنے والا تھا، اور یمامہ مدینہ سے مشرق میں ہے، اور قبائل ربیعہ ومضر بھی مدینہ سے مشرق کی جانب آباد تھے۔

[۸۲-] حدثنا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، الإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ"

[۸۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ. ح: وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الأَزْرَقُ، كِلاهُمَا عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: یمن والے آئے ہیں، وہ دلوں کے اعتبار سے نہایت پتلے ہیں، ایمان یمن والوں کا ہے، اور دین میں سمجھ بوجھ یمن والوں کی ہے اور دانشمندی یمن والوں کی ہے۔

سند: اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے محمد بن سیرین نے پھر ان سے ایوب سختیانی اور ابن عون نے روایت کیا ہے، دونوں کی حدیثیں ایک دوسرے کے مثل ہیں۔

لغات: هم أرقُّ أفئدة: اور اگلی روایت میں وألْيَنُ قلوباً بھی ہے، اہل یمن دلوں کے پتلے اور قلوب کے نرم ہیں، پتلا اور نرم کا مفہوم ایک ہے، اسی طرح فؤاد اور قلب کا مفہوم بھی ایک ہے، بعض فرق کرتے ہیں کہ قلب کی جھلی فؤاد ہے، وہ پتلی ہوگی تو چیز اندر جلدی سرایت کرے گی —— الإیمان یمان: یمان اصل میں یَمَنِیٌّ تھا، ی حذف کر کے اس کے بدل الف لایا گیا —— الفقہ یمان: یہاں فقہ سے مراد دین کی سمجھ ہے، فقہ کے اصطلاحی معنی مراد نہیں —— الحکمۃ: غیر نبی کا درست بات پانا، الإصابة في غير نبوة (بخاریؒ) اور بعض کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد وہ بات ہے جس سے

نصیحت حاصل ہو، شرافت و بزرگی پیدا ہو، اور جو منہیات وقبائح کے لئے مانع بنے وہ حکمت ہے۔

تشریح: نبی ﷺ نے اہل یمن کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ وہ فہم وفراست اور حکمت دانائی میں کامل اور نصیحت پذیری کے لائق اور مناسب ہیں، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ دوسروں میں یہ خصوصیت وفضیلت نہیں، اس لئے کہ تعریف میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس تعریف کے زیادہ حقدار تو انصار ومہاجرین تھے، اس لئے وہ مذکورہ حدیث میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد غزوۂ تبوک کے موقعہ پر فرمایا تھا اور وہاں سے جانب یمن مکہ اور مدینہ ہیں، پس الإیمان یمان: سے مکہ اور مدینہ کے لوگ یعنی مہاجرین وانصار مراد ہیں، بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ تہامہ میں ہیں اور تہامہ یمن میں پس اہل مکہ ومدینہ الإیمان یمان کا مصداق ہوئے، بعض کچھ اور تاویل کرتے ہیں، یہ سب تکلفات بے بنیاد ہیں، اس لئے کہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب اہل یمن حاضر خدمت ہوئے تھے، پس مراد حدیث متعین ہے اور تاویلیں باطل۔

بہ الفاظ دیگر: اہل یمن کی یہ فضیلت کہ وہ حکمت ودانائی اور دینی فہم وفراست میں فائق ہیں: یہ ان کی جزوی فضیلت ہے، اور جزوی فضیلت کلی فضیلت کے معارض نہیں ہوتی، اور نہ تعریف میں مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت کہ وہ شرم وحیاء میں بڑھے ہوئے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ درست فیصلہ کرنے میں فائق ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بڑے قاری ہیں، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ امین ہیں: اس سے نہ یہ لازم آتا ہے کہ کسی اور میں یہ خوبیاں نہیں، اور نہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح اہل یمن کی مذکورہ فضیلت سے ان کا مہاجرین وانصار سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اور نہ غیر سے اس خوبی کی نفی ہوتی ہے کہ تاویلات بعیدہ کا سہارا لینا پڑے۔ واللہ اعلم

[۸۴-] وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ - وَهُوَ: ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ- قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَضْعَفُ قُلُوْبًا وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً، الْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ"

[۸۵-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْإِبِلِ الْفَدَّادِيْنَ، أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِيْنَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ"

وضاحت: یہ بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ان سے اعرج نے روایت کی ہے اور ان سے صالح اور

ابوالزناد نے —— قوله: رأس الكفر: کفر کا سر مشرق کی جانب ہے، یعنی ہمیشہ ادھر ہی سے کفر سر ابھارے گا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اشارہ ایران کی جانب ہے، جو کٹر کافر تھے، انھوں نے نامۂ مبارک پھاڑ ڈالا تھا، مگر راجح یہ ہے کہ یہ مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے[1]۔ مسیلمہ کذاب اُدھر ہی کا تھا، اور دجال کا خروج بھی ادھر ہی سے ہوگا۔

قوله: الفخر والخيلاء: فخر وغرور گھوڑوں اور اونٹ والوں میں ہے، الفَخر اور الخُيَلاء کے ایک معنی ہیں: گھمنڈ اور تکبر، یہ ان جانوروں کے اثرات ہیں، جن جانوروں کا ساتھ ہوتا ہے ان کا اثر پڑتا ہے —— الفدّادين کے معنی ہیں: چلانے والے —— أهل الوَبَر: وَبَر کے معنی ہیں: اونٹ کے بال۔ جو گھوڑے پالتے ہیں ان میں ایک برائی ہوتی ہے فخر وغرور، اور جو اونٹ پالتے ہیں ان میں دو برائیاں ہوتی ہیں: ایک: فخر وغرور دوسری: چلانا، کیونکہ اونٹ پالنے والے اونٹوں کی دموں کے ساتھ چلتے ہیں اور سارے ریوڑ پر چلا کر کنٹرول کرتے ہیں، اس لئے ان میں چلانے کی عادت پڑ جاتی ہے —— والسَّكينة: اور سکون وطمانیت بکریاں پالنے والوں میں ہے، یہ اچھی صفت ہے، بکری مسکین جانور ہے، ان کے پالنے والوں میں سکینت پیدا ہوتی ہے۔

[۸۶-] حدثنا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَقُتَيْبَةُ، وابْنُ حُجْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الإِيْمَانُ يَمَانٍ، وَالْكُفْرُ قِبَلَ الْمَشْرِقِ، وَالسَّكِيْنَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ، وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِيْنَ، أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْوَبَرِ"

[۸۷-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "الفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِيْنَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِيْنَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ"

[۸۸-] وحدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَزَادَ: "الإِيْمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ"

(۱) جنگِ جمل، جنگ صفین اور حروری اور عباسی لونڈوں کے فتنوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے، یہ سب واقعات بھی اسی جانب (مدینہ سے جانب مشرق) پیش آئے ہیں، اس صورت میں کفر مجازی معنی میں ہوگا، اور دجال کا خروج بھی مشرق (عراق) کی طرف سے ہوگا، پس اس فتنہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے —— جاننا چاہئے کہ مدینہ منورہ سے جو علاقے اونچائی کی طرف ہیں وہ سب نجد کہلاتے ہیں، ربیعہ اور مضر کے قبائل بھی مدینہ منورہ سے جانب مشرق اونچائی پر آباد تھے، ان کے پاس اونٹوں کی کثرت تھی، یہ کثرت تکبر کا باعث بنی۔

[۸۹-] وحدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ الْيَمَانِ، عَنْ شُعَيْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَضْعَفُ قُلُوْبًا، الإِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ، وَالسَّكِيْنَةُ فِيْ أَهْلِ الْغَنَمِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلاَءُ فِي الْفَدَّادِيْنَ أَهْلِ الْوَبَرِ، قِبَلَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ"

[۹۰-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَلْيَنُ قُلُوْبًا وَأَرَقُّ أَفْئِدَةً، الإِيْمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ، رَأْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ"

وحدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ:" رَأْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ"

[۹۱-] وحدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، ح: وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - يَعْنِيْ ابْنَ جَعْفَرٍ - قَالاَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ. مِثْلَ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ، وَزَادَ: "وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلاَءُ فِي أَصْحَابِ الإِبِلِ، وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ أَصْحَابِ الشَّاءِ"

[۹۲-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "غِلَظُ الْقُلُوْبِ، وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ، وَالإِيْمَانُ فِيْ أَهْلِ الْحِجَازِ"

وضاحت: یہ سب حدیثیں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہیں، پہلی حدیث علاء نے اپنے والد سے، دوسری اور تیسری ابن شہاب نے ابوسلمہ سے، چوتھی ابن شہاب نے سعید بن المسیب سے اور پانچویں چھٹی اور ساتویں اعمش نے ابوصالح سے روایت کی ہیں۔

اور آخری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ ذرا مختلف ہے ــــــ قوله: والإيمان في أهل الحجاز: جو لوگ الإيمان يمان سے اہل مکہ ومدینہ (زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً) یعنی مہاجرین وانصار کو مراد لیتے ہیں: یہ ان کے لئے حجت ہے، کیونکہ مکہ ومدینہ حجاز میں ہیں، مگر صحیح بات یہی ہے کہ یمن سے خاص یمن مراد ہے، اور حجاز کی طرف ایمان کی نسبت کرنے سے غیر سے نفی نہیں ہوتی (فتح الملہم)

خلاصہ: ان حدیثوں کا مقصد یمن والوں کی خوبیاں بیان کرنا ہے، اور بالمقابل ربیعہ اور مضر کی سخت دلی کا بھی تذکرہ ہے، کیونکہ تُعْرَفُ الأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا ضد کے پہچاننے سے بھی چیز پہچانی جاتی ہے۔

## بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَنَّ مُحَبَّةَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْإِيْمَانِ، وَأَنَّ إِفْشَاءَ السَّلَامِ سَبَبٌ لِحُصُوْلِهَا

### (۱)جنت میں صرف مؤمن جائیں گے(۲)اور مؤمن کی محبت ایمان کا تقاضہ ہے (۳)اور سلام کورواج دینا دینی محبت کا سبب ہے

دخولِ جنت کے لئے لازمی شرط ایمان ہے، اور ایمانِ کامل دخولِ اولی کا ضامن ہے، اور اس کے لئے مسلمانوں کے درمیان رشتۂ الفت ومحبت ضروری ہے، کیونکہ یہ وصف اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور اس کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ سلام کو پھیلانا ہے، پس اس کورواج دینا چاہئے، جب لوگ خلوص سے ایک دوسرے کوسلام کریں گے اوران کوخوش آمدید کہیں گے جس طرح فرشتے جنتیوں کوخوش آمدید کہیں گے توباہم الفت ومحبت پیدا ہوگی، اوروہ جنت میں لے جائے گی۔

[۲۲- بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَنَّ مُحَبَّةَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْإِيْمَانِ، وَأَنَّ إِفْشَاءَ السَّلَامِ سَبَبٌ لِحُصُوْلِهَا]

[۹۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ"

[۹۴-] وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا" بِمِثْلِ حَدِيْثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٍ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ، اور تم (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک باہم محبت نہ کرو، اور کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم میں باہم محبت پیدا ہو؟ آپس میں سلام کورواج دو"

سند: اس حدیث کو اعمش سے جریر نے بھی روایت کیا ہے، ان کی روایت ابو معاویہ اور وکیع کی رایت جیسی ہے، صرف قسم کا مضمون زائد ہے۔

تشریح: سلام تحیۃ الاسلام ہے، یہ دنیا میں بھی خیر اندیشی ظاہر کرنے کے لئے بہترین کلام ہے اور جنت میں فرشتے بھی انہی الفاظ سے جنتیوں کو خوش آمدید کہیں گے، سورۃ الزمر (آیت ۷۳) میں ارشادِ پاک ہے: ''جب متقی لوگ جنت میں پہنچیں گے تو محافظ فرشتے ان سے کہیں گے: السلام علیکم۔ تم پر سلامتی ہو، تم مزے میں رہو، اور جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ''

اور سلام ایک بہترین دعا بھی ہے، اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھیں اور ہر مکروہ (ناپسندیدہ) بات سے بچائیں، اور سلام باہمی اخوت ومحبت کا ذریعہ بھی ہے پس اس کو خوب پھیلانا چاہئے، لوگ ایک جگہ غفلت برتتے ہیں، جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو سلام نہیں کرتے، حالانکہ اس کا حکم بطور خاص اللہ عزوجل نے دیا ہے، سورۃ النور (آیت ۶۱) میں ہے: ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾: جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوؤ تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، جو دعا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، اور برکت والی عمدہ چیز ہے، غرض سلام بہترین دعا اور باہمی اخوت ومحبت کا سبب ہے اور اس دعا کے ہمارے گھر والے غیروں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں، پس غفلت نہیں برتنی چاہئے۔

فائدہ: السلام علیکم پر دس نیکیاں، ورحمۃ اللہ پر بیس نیکیاں اور وبرکاتہ کے اضافہ پر تیس نیکیاں ملتی ہیں، اور وبرکاتہ پر اضافہ مشروع ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ عام طور پر وبرکاتہ تک ہی اضافہ کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی اور اضافہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۶:۴۶۹) میں ہے۔

## بَابُ بَيَانِ أَنَّ الدِّيْنَ النَّصِيْحَةُ

## دین خیر خواہی ہی ہے

یہ مکملاتِ ایمان کے سلسلہ کا آخری باب ہے، اور یہ ایک جزء ہے، کمالِ ایمان کا دوسرا جزء منہیات سے پرہیز کرنا ہے، اس کا بیان آئندہ باب سے شروع ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین خیر خواہی ہی کا نام ہے، اور حدیث جبرئیل میں ایمان واسلام اور احسان کے مجموعہ کو دین کہا گیا ہے، اور یہاں خیر خواہی کو دین کہا ہے، اس سے حضرت رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ درحقیقت نصیحت وخیر خواہی ایمان واسلام اور احسان ہے اور انہی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام دین ہے، غرض مثبت پہلو سے حدیث جبرئیل کی شرح مکمل ہوئی، آئندہ منفی پہلو سے شرح ہوگی۔

ملحوظہ: باب کی حدیث نہایت اہم ہے، اس کو اسلامی تعلیمات کا چوتھائی قرار دیا گیا ہے، بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو اس کو سارا ہی دین قرار دیا ہے، پس طلبہ حدیث غور سے پڑھیں، یاد کریں اور اس پر عمل کریں۔

## [٢٣- بَابُ بَيَانِ أَنَّ الدِّيْنَ النَّصِيْحَةُ]

[٩٥-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قُلْتُ لِسُهَيْلٍ: إِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيكَ، قَالَ: وَرَجَوْتُ أَنْ يُسْقِطَ عَنِّيْ رَجُلاً. قَالَ: فَقَالَ: سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِيْ سَمِعَهُ مِنْهُ أَبِيْ. كَانَ صَدِيْقًا لَهُ بِالشَّامِ، ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ:" لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ"

[٩٦-] وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

وَحَدَّثَنِيْ أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ - يَعْنِيْ: ابْنَ زُرَيْعٍ- قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ - وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ- قَالَ حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ، سَمِعَهُ وَهُوَ يُحَدِّثُ أَبَا صَالِحٍ، عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ نے خطابِ عام میں تین مرتبہ فرمایا: دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! دین خیر خواہی ہے! الدین النَّصیحة: زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے، اس میں مبالغہ ہے کہ خیر خواہی دین کا قوام ہے، یعنی دین کے وجود اور بقاء کا مدار خیر خواہی پر ہے، اور جب نبی ﷺ کوئی اہم بات مجمع میں فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے، جب آپؐ نے بار بار یہ بات فرمائی تو صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی، اللہ کی کتاب یعنی قرآن کی، اللہ کے رسول کی، حکومت کے سربراہوں کی اور عام مسلمانوں کی۔

سند: عن القعقاع عن أبیک: قعقاع نے سہیل کے والد ابو صالح سے روایت کی ہے —— قوله: ورجوت أن یُسقط عنی رجلا: یعنی درمیان سے قعقاع کا واسطہ ختم ہو جائے، عمرو کی جگہ سہیل راوی آجائیں اور ایک واسطہ ختم ہو جائے، تاکہ سند عالی ہو جائے —— قوله: الذی سمعه منه أبی: سہیل کہتے ہیں: میں نے براہ براست اس شخص سے یہ حدیث سنی ہے جس سے میرے والد نے سنی ہے، جو شام میں ان کے دوست تھے، وہ شخص عطاء بن یزید لیثی ہیں —— ثم حدثنا سفیان: یعنی دو واسطے ختم ہو گئے: قعقاع اور سہیل کے والد ابو صالح کے، پس سند اور بھی عالی ہو گئی، چنانچہ اگلی سند میں روح بن القاسم نے اسی طرح روایت کیا ہے، یعنی سہیل نے براہِ راست عطاء سے روایت کیا ہے، قعقاع اور ابو صالح کا واسطہ نہیں (ہندوستانی نسخہ میں سہل ہے، درست سہیل ہے) —— عن تمیم الداری: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں صرف یہی ایک روایت ہے، اور بخاری شریف میں کوئی روایت نہیں۔

تشریح: بعض الفاظ کی نسبتیں بدلنے سے معانی بدلتے ہیں، جیسے صلوٰۃ کے معنی ہیں: انتہائی درجہ کا میلان، پھر نسبتوں کے بدلنے سے اس کی صورتیں بدلتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے تعلق سے اس کے معنی ہیں: مہربانی کرنا، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف آخری درجہ کا میلان نماز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آخری درجہ کا میلان دعا ہے، اور فرشتوں کے تعلق سے صلوٰۃ کے معنی استغفار کے ہیں، اسی طرح خیر خواہی کی شکلیں نسبت کے بدلنے سے مختلف ہوتی ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی: اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لانا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کرنا، ان کی صفات کو ٹھیک ٹھیک ماننا، ان میں الحاد و کجروی اختیار نہ کرنا، ان کے رب ہونے کو ماننا، اور صرف انہی کی بندگی کرنا، بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا۔

۲- اللہ کے رسول کی خیر خواہی: ان پر ایمان لانا، ان کی تعظیم کرنا، ان سے بے حد محبت کرنا مگر ان کی شان میں غلو نہ کرنا اور ان کے دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کی محنت کرنا۔

۳- اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کی خیر خواہی: اس کو پڑھنا، اس کو سمجھنا، اس کے معانی میں غور کرنا، اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس کی دعوت کو عام کرنا۔

۴- امراء کی خیر خواہی: ان کے احکام کو سننا اور ان کی تعمیل کرنا اور ان کا بہی خواہ رہنا اور شدید مجبوری کے بغیر ان سے بغاوت نہ کرنا ہے۔

۵- عام مسلمانوں کی خیر خواہی: ان کے فائدے کو سوچنا، ان کو بھلائی پہنچانے کی نیت رکھنا، لوگوں کو دین سکھانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہے۔

اور یہ صورتیں ہم نے بطور مثال بیان کی ہیں، ان کے علاوہ خیر خواہی کی اور صورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

[۹۷-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ ابْنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

[۹۸-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زِيَادِ ابْنِ عِلَاقَةَ، سَمِعَ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

[۹۹-] حدثنا سُرَيْجُ بْنُ يُوْنُسَ، وَيَعْقُوْبُ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ سَيَّارٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَلَقَّنَنِيْ: "فِيْمَا اسْتَطَعْتَ" وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. قَالَ يَعْقُوْبُ فِيْ رِوَايَتِهٖ: قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارٌ.

ترجمہ: یہ حدیث حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ کا قبیلہ بجیلہ سے تعلق تھا، وکان سیدا مطاعا ملیحا طوالا: آپؓ سردار، متبوع، خوبصورت اور دراز قامت تھے، آپ کب مسلمان ہوئے؟ اس میں اختلاف ہے[1]، راجح قول ۹ ہجری کا ہے، ذوالخلصہ کا مندر نبی ﷺ نے آپ کے ذریعہ منہدم کرایا تھا، بڑے حسین وجمیل تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو "اس امت کا یوسف" کہتے تھے ـــــ وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے تین باتوں پر بیعت کی: (۱) نماز کا اہتمام کرنا (۲) زکوۃ ادا کرنا (۳) اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔

سند: اس حدیث کو حضرت جریرؓ سے حضرات قیس، زیاد بن علاقہ اور شعبی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے، حضرت شعبیؒ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت جریرؓ نے سمع وطاعت پر بھی بیعت کی، جب انھوں نے یہ بیعت کی تو نبی ﷺ نے لقمہ دیا: فیما استَطعتَ: یعنی مقدور بھر، یعنی بقدر ہمت سمع وطاعت پر بیعت کرتا ہوں۔

قولہ: حدثنا سیار: یعنی سُریج کی روایت میں ہُشیم نے سیّار سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور ہُشیم مُدلّس ہیں، مگر یعقوب دورقی کی حدیث میں تحدیث کی صراحت ہے پس یہ عنعنہ معتبر ہے۔

تشریح: طبرانی میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے، انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام کو حکم دیا کہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید لاؤ، وہ بازار گیا، اور ایک گھوڑے کا سودا کر کے اس کے مالک کو ساتھ لے کر آیا، تا کہ حضرت جریرؓ اس کو رقم ادا کریں، حضرت جریرؓ نے گھوڑا دیکھ کر گھوڑے والے سے کہا: تیرا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ قیمت کا ہے، کیا تو اس کو چار سو درہم میں بیچتا ہے؟ اس نے خوش ہو کر کہا: جیسی آپ کی مرضی! یعنی اگر آپ چار سو درہم دیں تو مجھے کونسے برے لگیں گے، آپ نے پھر گھوڑا اچھی طرح دیکھا اور فرمایا: تیرا گھوڑا چار سو درہم سے بھی زیادہ قیمت کا ہے، کیا تو اس کو پانچ سو درہم میں بیچتا ہے؟ اس طرح وہ قیمت بڑھاتے ہوئے آٹھ سو تک لے گئے، پھر آٹھ سو میں اس کو خرید لیا، کسی نے حضرت سے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ تو تین سو میں بیچنے کے لئے تیار تھا؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے اس

(۱) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ آپؓ نبی ﷺ کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ حجۃ الوداع میں آپؓ نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، یہ بات صحیحین کی روایت میں ہے (بخاری حدیث ۱۲۱، مسلم حدیث ۱۱۸) اور ایک قول رمضان ۱۰ ہجری میں اسلام قبول کرنے کا ہے، علامہ بغوی اور ابن حبان نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور حافظ رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے (فتح الباری ۱: ۱۷۵) مگر بعض حضرات ۱۰ ہجری سے قبل مسلمان ہونے کی بات کہتے ہیں، اس لئے کہ شریک نے بواسطہ شیبانی اور شعبی روایت کیا ہے کہ حضرت جریرؓ نے فرمایا: قال لنا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن أخاکم النجاشی قد مات (اخرجہ الطبرانی) معلوم ہوا کہ نجاشی رحمہ اللہ کے انتقال سے قبل ہی حضرت جریر مسلمان ہو چکے تھے، اور نجاشی کا انتقال ۱۰ ہجری سے پہلے ہوا ہے (اصابہ فی تمیز الصحابہ ۱: ۲۳۲) اس لئے اصح ۹ ہجری میں اسلام قبول کرنا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

پر بیعت کی ہے کہ ہر مسلمان کے لئے بھلائی چاہوں گا، اس شخص کا گھوڑا میرے نزدیک تین سو سے زیادہ قیمت کا تھا، اگر میں تین سو میں خرید تا تو یہ خیر خواہی کے منافی ہوتا، اس لئے اس کے گھوڑے کی جو واقعی قیمت تھی وہ میں نے اس کو دی، اللہ اکبر! خیر خواہی کا کیا جذبہ تھا، یہ آخری درجہ کی خیر خواہی ہے۔

ملحوظہ: بیعت کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور بیعتِ سلوک کی حقیقت اور بیعتِ سلوک کے تعلق سے مختلف نظریے اور بیعتِ سلوک کی دفعات وغیرہ باتوں کے لئے تحفۃ القاری (۲۲۱:۱) ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ: سورۃ التوبہ (آیت ۹۱) میں ارشادِ پاک ہے: ''جو لوگ واقعی معذور ہیں، یا بیمار ہیں، یا تنگ دست ہیں، اور وہ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اللہ ورسول کے ساتھ خیر خواہی کریں، یعنی منافقین کی طرح اسلام کی جڑیں نہ کھودیں، جہاد میں شرکت کرنے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں، بلکہ مقدور بھر ان کی اعانت ونصرت کریں، تو حق تعالیٰ کی بخشش ومہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگذر فرمائیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذر کی بناء پر جہاد جیسا اہم فریضہ بھی ساقط ہو سکتا ہے۔ مگر خیر خواہی کا مطالبہ ہر وقت ہے، کسی وقت بھی وہ قابل سقوط نہیں، پس ہر ایک پر ہر وقت اس کی طاقت کے بقدر خیر خواہی کرنا لازم ہے۔

## بَابُ بَيَانِ نُقْصَانِ الإِيْمَانِ بِالْمَعَاصِيْ، وَنَفْيِهِ عَنِ الْمُتَلَبِّسِ بِالْمَعْصِيَةِ عَلٰى إِرَادَةِ نَفْيِ كَمَالِهِ

## (۱) گناہوں کی وجہ سے ایمان گھٹتا ہے (۲) اور گناہ میں ملوث ہونے والا مؤمن نہیں، اور یہ کمالِ ایمان کی نفی ہے

یہاں سے منفی پہلو سے ابواب شروع ہو رہے ہیں، جب اعمالِ صالحہ ایمانِ کامل کا جزء ہیں تو ان کی اضداد یعنی اعمالِ سیئہ ایمان کے منافی ہونگے، مثلاً چوری اور زنا وغیرہ برے اعمال ایمان کے منافی ہونگے، اسی لئے نبی ﷺ نے ان کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی ہے، مگر یہ ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، حقیقی اخراج مراد نہیں۔ امام نوویؒ نے باب میں یہی بات فرمائی ہے کہ یہ کمالِ ایمان کی نفی ہے۔ نفسِ ایمان کی نفی نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح اعمالِ صالحہ سے ایمان کی رونق بڑھتی ہے، اعمالِ طالحہ (برے اعمال) سے اس کی شان گھٹتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ گنہ گار مؤمن باقی نہیں رہتا، جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں۔ وہ مرتکبِ کبیرہ کو ایمان سے خارج کر دیتے ہیں، پھر معتزلہ کفر وایمان کے درمیان لٹکا دیتے ہیں، یعنی مرتکبِ کبیرہ کو ایمان وکفر کے بیچ میں رکھتے ہیں، اور خوارج واسطہ کے قائل نہیں، وہ مرتکبِ کبیرہ کو سیدھا کافر قرار دیتے ہیں، اور اگر مرتکبِ کبیرہ توبہ کئے بغیر

مرجائے تو انجام کے اعتبار سے دونوں کافر کی طرح اس کو دائمی جہنمی قرار دیتے ہیں، مگر تمام اہلِ حق اس پر متفق ہیں کہ زنا، چوری اور شراب پینے وغیرہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ شراب پیتے وقت اور چوری کرتے وقت بندہ مؤمن نہیں رہتا: اس کا مطلب یہ ہے کہ بوقت گناہ ایمان کا نور اس سے نکل جاتا ہے یعنی مؤمن ایمان کی حالت میں یہ کام نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایمان نہیں نکلتا، ایمان کا نور نکل جاتا ہے، یعنی ایمان تو رہتا ہے مگر وہ ناقص ہوتا ہے، اور اس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس پر سائبان کی طرح ہوجاتا ہے، یعنی چلا نہیں جاتا، پھر جب بندہ گناہ سے فارغ ہوجاتا ہے تو ایمان واپس آجاتا ہے، کمالِ ایمان کی نفی کا یہی مطلب ہے۔

## [۲۴- بَابُ بَيَانِ نُقْصَانِ الإِيْمَانِ بِالْمَعَاصِيْ، وَنَفْيِهِ عَنِ الْمُتَلَبِّسِ بِالْمَعْصِيَةِ عَلٰى إِرَادَةِ نَفْيِ كَمَالِهِ]

[۱۰۰-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيْبِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلَانِ: قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لاَ يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَيَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ"

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هٰؤُلاَءِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، ثُمَّ يَقُوْلُ: وَكَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ:" وَلاَ يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيْهَا أَبْصَارَهُمْ، حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا، وَهُوَ مُؤْمِنٌ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زانی زنا نہیں کرتا جبکہ وہ زنا کرتا ہے درانحالیکہ وہ مؤمن ہو، اور چور چوری نہیں کرتا جبکہ وہ چوری کرتا ہے درانحالیکہ وہ مؤمن ہو، اور شرابی شراب نہیں پیتا جبکہ وہ شراب پیتا ہے درانحالیکہ وہ مؤمن ہو —— اور ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان باتوں کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے: اور نہیں لوٹتا لوٹنے والا کوئی لوٹ کہ شریف لوگ (حیرت سے) اس کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھیں —— جب وہ لوٹتا ہے، درانحالیکہ وہ مؤمن ہو۔

تشریح: اس حدیث سے اور اسی طرح کی دیگر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے، اور وہ مؤمن باقی نہیں رہتا، مگر اس کے بالمقابل احادیث کثیرہ اور آیات قرآنیہ دلالت کرتی ہیں کہ ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا، اور وہ بھی جنت میں جائے گا، مثلاً: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے لا إلٰه إلا الله کہا اور اسی پر مرا تو وہ جنت میں جائے گا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے

(متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۲۶) اسی طرح متعدد صحابہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے سچے دل سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی وہ جنت میں جائے گا اور اس پر جہنم کی آگ حرام ہے (یہ حدیث پیچھے گذری ہے) اسی طرح متعدد طرق سے نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے زنا اور چوری کے بارے میں فرمایا: مَنْ أَصَابَ مِنْ ذلک شیئًا فأُقِيمَ عليه الحدُّ فهو كَفَّارَةُ ذَنْبِه: جو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے، پس اس پر حد جاری کی جائے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گی، ومن أَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شیئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ علیه فهو إلى الله تعالىٰ، إن شاء عَذَّبَهُ يَوْمَ القيامة وإن شَاءَ غَفَرَ لَهُ: اور جس نے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی، یعنی گناہ ظاہر نہیں ہوا اور سزا نہیں ملی تو وہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو قیامت کے دن اس کو سزا دیں گے اور اگر چاہیں گے تو اس کو بخش دیں گے (یہ متفق علیہ روایت ہے، مشکوۃ حدیث ۱۸)

ان کے علاوہ بھی متعدد نصوص ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے اور اس کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، مگر سزا پوری ہونے کے بعد اس کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا۔

اور احادیث و نصوص میں جمع و تطبیق کے لئے مذکورہ حدیث کی متعدد تاویلیں کی گی ہیں: جیسے:

(۱) نفی کمال کی ہے صحت و وجود کی نہیں، یعنی زانی اور شرابی وغیرہ مؤمن تو ہیں مگر کامل مؤمن نہیں۔

(۲) ناقص کو کالعدم فرض کرکے ایمان کی نفی کی گئی ہے، زجر و توبیخ کے موقعہ پر ایسا کیا جاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں پہلے گذری ہیں۔

(۳) حضرت ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا: آدمی ایمان سے اسلام کی طرف نکلتا ہے یعنی ایمان سے تو نکل جاتا ہے مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا (ترمذی حدیث ۲۶۲۵)

(۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ زنا کرتے وقت اگرچہ ایمان نکل جاتا ہے مگر وہ چلا نہیں جاتا، بلکہ اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے، یعنی بندہ سے ایمان کا تعلق قائم رہتا ہے، اور گناہ سے فارغ ہونے کے بعد ایمان حسب سابق لوٹ آتا ہے (رواہ الترمذی وابوداود، مشکوۃ حدیث ۶۰)

(۵) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایمان کا نور نکلتا ہے، یعنی ایمان تو رہتا ہے مگر وہ ناقص اور بے نور ہو جاتا ہے، جیسے آدمی جب آنکھ بند کرتا ہے تو روشنی تو رہتی ہے مگر عارض کی وجہ سے دکھنا بند ہو جاتا ہے، پھر جب آنکھ کھول لیتا ہے تو دیکھنے لگتا ہے، اسی طرح گناہ ایمان کے نور کے لئے عارض ہے، جب بندہ گناہ کرتا ہے تو نور نہیں رہتا، پھر جب فارغ ہو جاتا ہے تو نور واپس آجاتا ہے۔

(۶) تحلیل کے ساتھ یہ بات مقید ہے، یعنی حلال سمجھ کر یہ گناہ کرے تو مؤمن نہیں رہتا۔

ان کے علاوہ اور بھی توجیہات کی گئی ہیں، ان کو فتح الملہم میں ملاحظہ کریں۔

[۱۰۱-] وَحدَّثَنِیْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ أَبِیْ، عَنْ جَدِّیْ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِیْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ يَزْنِیْ الزَّانِیْ" وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِهِ. يذْكُرُ مَعَ ذِكْرِ النُّهْبَةِ. وَلَمْ يَذْكُرْ: ذَاتَ شَرَفٍ.

وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِیْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ أَبِیْ بَكْرٍ هٰذَا. إِلَّا النُّهْبَةَ.

[۱۰۲-] وَحدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِیُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِیُّ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِیْ سَلَمَةَ وَأَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم، بِمِثْلِ حَدِيْثِ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ أَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، وَذَكَرَ: النُّهْبَةَ، وَلَمْ يَقُلْ: ذَاتَ شَرَفٍ.

[۱۰۳-] وَحدَّثَنِیْ حَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحُلْوَانِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ ابْنُ الْمُطَّلِبِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ، وَحُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم.

وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ يَعْنِیْ: الدَّرَاوَرْدِیَّ – عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم.

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلى الله عليه وسلم، كُلُّ هٰؤُلَاءِ بِمِثْلِ حَدِيْثِ الزُّهْرِیِّ، غَيْرَ أَنَّ الْعَلَاءَ وَصَفْوَانَ ابْنَ سُلَيْمٍ لَيْسَ فِیْ حَدِيْثِهِمَا: "يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيْهَا أَبْصَارَهُمْ" وَفِیْ حَدِيْثِ هَمَّامٍ: "يَرْفَعُ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُوْنَ أَعْيُنَهُمْ فِيْهَا وَهُوَ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا مُؤْمِنٌ" وَزَادَ: "وَلاَ يَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ"

[۱۰۴-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِیْ عَدِیٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِیَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ يَزْنِیْ الزَّانِیْ حِيْنَ يَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَسْرِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَالتَّوْبَةُ مَعْرُوْضَةٌ بَعْدُ"

[۱۰۵-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، رَفَعَهُ، قَالَ: "لاَ يَزْنِیْ الزَّانِیْ" ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ شُعْبَةَ.

حدیث ابی ہریرہؓ کی متعدد سندیں:

(۱) یونس نے ابن شہاب سے روایت کی اور انھوں نے ابوسلمہ اور سعید بن المسیب کے واسطہ سے ابوہریرہؓ سے روایت کی، اس میں زنا، چوری اور شربِ خمر کا ذکر ہے۔

(۲) ابن شہاب نے عبدالملک سے اور انھوں نے اپنے ابا ابوبکر کے واسطہ سے ابوہریرہؓ سے روایت کی، اس میں لوٹ مچانے والا مضمون زائد ہے، مگر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے مدرج کا احتمال ہے (یہ دونوں سندیں اوپر گذریں)

(۳) عقیل نے ابن شہاب سے اور انھوں نے ابوبکر کے واسطہ سے ابوہریرہؓ سے روایت کی (اس میں زہری نے براہ راست ابوبکر سے روایت کی ہے، ان کے صاحبزادے عبدالملک کا واسطہ نہیں، اس میں انتہاب والے مضمون کے مرفوع ہونے کی صراحت ہے، پس مدرج کا احتمال ختم ہوگیا)

(۴) امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے اور انھوں نے ابن المسیب، ابوسلمہ اور ابوبکر کے واسطہ سے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، اس میں بھی انتہاب کے مرفوعاً ہونے کا ذکر ہے۔

(۵) ابن شہاب کے علاوہ عطاء بن یسار، حمید بن عبدالرحمٰن، علاء کے والد عبدالرحمٰن اور ہمام بن منبہ نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، ان حضرات کی حدیثوں میں بھی انتہاب والی بات مرفوعاً مذکور ہے، اور ہمام کی روایت میں پانچویں چیز غلول کا یعنی مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کا بھی ذکر ہے۔

(۶) ذکوان نے بھی ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، اس میں زنا، چوری اور شربِ خمر کے علاوہ یہ بھی ہے: وَالتَّوْبَةُ مَعْرُوضَةٌ بَعْدُ: اس کے بعد توبہ پیش کی ہوئی ہے، یعنی ان گناہوں کے بعد توبہ کا موقع ہے۔

**قولہ: ولا یَغُلُّ إلخ:** مالِ غنیمت میں خیانت کرنا بھی حرام ہے، جس کی وجہ سے نورِ ایمانی اور ایمانِ کامل سے محروم ہونا پڑتا ہے، جب تک مالِ غنیمت تقسیم نہ ہو ہر فوجی کا اس میں حق ہے، اور اس میں چوری کا احتمال زیادہ رہتا ہے اس لئے خاص طور پر اس کو ذکر کیا ــــ اور شہوت اور دنیا کی حرص انسان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور شراب کی محبت تو عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس لئے زنا، چوری اور شراب کو بھی خاص طور پر ذکر کیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زنا سے تمام شہوات پر، چوری سے حرص علی الحرام پر اور خمر سے ہر اس چیز پر تنبیہ مقصود ہے جو اللہ عزوجل سے دوری پیدا کرے۔

**قولہ: ولا ینتھب نھبة:** مالک کی اجازت کے بغیر کوئی مال سامان لوٹنا جائز نہیں، یہ ظلم ہے، البتہ اگر مالک کی طرف سے صراحتاً، دلالۃً یا عرفاً اجازت ہو تو پھر لوٹ سکتے ہیں، جیسے یورپ اور امریکہ میں جب لوگ گھر کا فرنیچر بدلتے ہیں تو پرانا فرنیچر نکال کر گھر سے باہر رکھ دیتے ہیں، یہ دلالۃً اجازت ہوتی ہے کہ جو چاہے لے جائے، اور لوٹنے اور لٹانے میں فرق ہے۔ شادی میں چھوہارے لٹائے جاتے ہیں وہ ظلم نہیں، کیونکہ پھینکنا صراحتاً لوٹنے کی اجازت ہے۔

# بَابُ بَيَانِ خِصَالِ الْمُنَافِقِ

## منافق کی عادتیں

منافقت: کے معنی ہیں: دل میں کفر چھپانا اور بظاہر ایمان کا دعوی کرنا، پس منافق وہ شخص ہے جو بناوٹی ایمان ظاہر کرتا ہے، دل میں یقین نہیں ہوتا، صرف لوگوں کے ڈر سے یا کسی مصلحت سے مؤمن ہونے کا دعوی کرتا ہے۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگ تین طرح کے تھے: ایک: خالص مؤمن، دوسرے: خالص کافر، تیسرے: منافق۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کے احوال بتلا دیئے تھے، اس لئے اس وقت یہ تین فرقے تھے، مگر اب دو ہی فرقے ہیں: مؤمن اور کافر، یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے (مشکوۃ حدیث ۶۲) اور حضرت حذیفہؓ وہ صحابی ہیں جو منافقوں کے ناموں کے سلسلہ میں حضور ﷺ کے رازدار تھے۔

اگرچہ آج بھی کبھی نفاق اعتقادی کا پتہ چل جاتا ہے، جیسے کسی کے بارے میں معتبر شہادت سے معلوم ہو کہ وہ مسلمانوں کے سامنے تو اسلام کا دعوی کرتا ہے مگر کافروں میں جا کر ان کی رسموں میں شرکت کرتا ہے، مندروں میں جا کر بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتا ہے، وہ یقیناً منافق ہے۔

اعتقادی نفاق انسان کی بدترین حالت ہے۔ ان منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾: منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہونگے۔

علاوہ ازیں: بعض بری عادتیں اور بری خصلتیں ایسی ہیں جن کو منافقوں سے خاص مناسبت ہے، وہ دراصل انہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، کسی صاحب ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اس باب میں منافقین کے انہی اخلاق وعادات کا بیان ہے، اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت پائی جائے تو اسے منافقانہ عادت کہا جائے گا، اور اگر کسی میں بدبختی سے منافقوں والی ساری عادتیں پائی جائیں تو وہ پورا منافق کہلائے گا مگر ہوگا وہ مسلمان، اور ایک مسلمان کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق کی گندگی سے بچے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منافقانہ سیرت وکردار کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

## [۲۵- بَابُ بَيَانِ خِصَالِ الْمُنَافِقِ]

[۱۰۶-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ. ح: وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: "أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ، حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ: "وَإِنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار باتیں جس شخص میں ہوں وہ خالص (پکا) منافق ہے۔ اور اگر کسی میں ان میں سے ایک بات ہو تو اس میں نفاق کی ایک بات ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) اور جب عہد و پیمان باندھے تو بے وفائی کرے (۳) اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے —— سفیان کی حدیث میں خَلَّۃ کی جگہ خَصلۃ ہے، دونوں کے معنی ہیں عادت، بات، الخَلَّةُ: عادت، سوراخ، جمع خَلَلٌ و خِلالٌ...... الخصلة: عادت (اچھی ہو یا بری، غالب استعمال اچھی عادت کے لئے ہے) جمع: خِصَالٌ۔

تشریح:

۱- علماء کے نزدیک ان حدیثوں کا مصداق نفاقِ عملی ہے، کیونکہ نفاقِ اعتقادی نبی ﷺ کے زمانہ میں تھا، یعنی دورِ نبوت میں اس کا پتا چل جاتا تھا، اب عام طور پر اس کا پتا نہیں چلتا، پس اس روایت میں جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ عملی منافق کی ہیں۔

۲- جو شخص گاہ بہ گاہ جھوٹ بولتا ہے یا وعدہ خلافی کرتا ہے وہ حدیث کا مصداق نہیں، بلکہ وہ شخص مصداق ہے جو ان باتوں کا عادی ہے، نیز ان میں سے ہر ہر بات نفاق کی علامت ہے مگر کامل علامت ان کا مجموعہ ہے۔

استدلال: اس حدیث سے منفی پہلو سے استدلال کیا ہے، اور وہ اس طرح کہ کذب و فجور اور عہد شکنی وغیرہ ایمان کے منافی اعمال ہیں، پس ان کی اضداد ایمان کا جزء ہونگی (مگر ایمان کامل کا جزء ہونگی)

[۱۰۷-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى، قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُهَيْلٍ نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ"

[۱۰۸-] حدثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْعَلاَءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "مِنْ عَلاَمَاتِ الْمُنَافِقِ ثَلاَثَةٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ"

[۱۰۹-] حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ أَبُوْ زُكَيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْعَلَاءَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَقَالَ: " آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ"

[۱۱۰-] وَحَدَّثَنِي أَبُوْ نَصْرٍ التَّمَّارُ وَعَبْدُ الأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ دَاوُدَ ابْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، وَذَكَرَ فِيْهِ:" وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ"

وضاحت:

۱-حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں تین علامتیں مذکور ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۳) اور جب اس کو امانت سونپی جائے تو خیانت کرے ـــــ پہلی حدیث میں نفاق کی چار علامتوں کا بیان تھا، اور اس میں تین کا ہے، یہ تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ ذکر عدد نفی ماعدا کو مستلزم نہیں، ایسی صورت میں بڑے عدد کو لیا جاتا ہے، چھوٹا عدد خود بخود اس کے ضمن میں آجاتا ہے، اور اختلاف کو اس پر محمول کریں گے کہ جیسی وحی آتی گئی حضور ﷺ بتاتے گئے، پہلے تین کے بارے میں وحی آئی وہ بتائیں، پھر دوسری وحی میں اضافہ ہوا تو آپؐ نے چار بتائیں۔

۲-دونوں روایتوں کی علامتوں کو جمع کیا جائے تو پانچ علامتیں ہوجاتی ہیں: کذب، خیانت، وعدہ خلافی، عہد شکنی اور فجور ـــــ کذب کا تعلق زبان کے فساد سے ہے، اور وعدہ خلافی کا دل کے فساد سے، اور خیانت کا اعضاء وجوارح کے فساد سے، پس حدیث شریف کا سبق یہ ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جس کی زبان، دل اور اعضاء وجوارح سب شرع کے پابند اور منافقانہ خصلتوں سے پاک ہوں، اور گالی گلوچ بھی زبان کے فساد کا ثمرہ ہے، اور عہد شکنی بھی دل کے فساد کا، پس اصولاً تین علامتیں ہوئیں۔

## بَابُ بَيَانِ حَالِ إِيْمَانِ مَنْ قَالَ لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ: يَا كَافِرُ

## مسلمان بھائی کو کافر کی گالی دینے والے کا حال

مسلمان پر کفر کا الزام لگانا بھاری گناہ ہے، یہ اس کے قتل کے مترادف ہے، بخاری شریف میں (حدیث ۶۱۰۵) اور باب کی حدیث میں ہے کہ اگر مخاطب اس الزام کا محل نہیں تو وہ الزام: الزام لگانے والے پر لوٹ آتا ہے، یعنی اس کی وہ بری بات رائگاں نہیں جاتی، دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑتی ہے، جیسے ڈھیلا اگر سخت چیز پر مارا جائے تو ٹکرا کر واپس آتا ہے، اسی طرح فسق یا کفر کا کسی پر الزام لگایا جائے اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو الزام الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آتا

ہے، ہاں نرم چیز پر ڈھیلا مارا جائے تو وہ اس میں گھس جاتا ہے، پس اگر الزام مستحق پر لگایا جائے تو وہ اس پر اثر انداز ہوگا۔ غرض ففٹی ففٹی کا چانس ہے، پچاس فیصد الزام ملزم پر چسپاں ہوگا اور پچاس فیصد الزام لوٹ آئے گا۔ اور یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ مخاطب اس الزام کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس لئے اس طرح کی الزام تراشیوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

**خلاصہ:** جھوٹ، عہد شکنی اور خیانت وغیرہ کی طرح کفر کا الزام لگانا بھی ایمان کے منافی ہے، اور اس کی ضد ایمان (کامل) کا جزء ہے۔

## [ ٢٦-بَابُ بَيَانِ حَالِ إِيْمَانِ مَنْ قَالَ لِأَخِيْهِ الْمُسْلِمِ: يَا كَافِرُ]

[١١١-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِذَا كَفَّرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا"

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، جَمِيْعًا عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيْهِ: [يَا]كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلاَّ رَجَعَتْ عَلَيْهِ"

**ترجمہ:** نبی ﷺ نے فرمایا: جب کسی نے اپنے بھائی کی تکفیر کی تو بالیقین اس کلمہ کے ساتھ دونوں میں سے کوئی ایک لوٹا ـــــ دوسری حدیث: جس شخص نے اپنے بھائی سے کہا: او کافر! تو یقیناً لوٹا اس کلمہ کے ساتھ دونوں میں سے ایک، اگر جیسا کہا ہے ویسا ہی ہے تو خیر، ورنہ کہنے والے پر پلٹے گا (بها أي بكلمة التكفير)

**تشریح:**

۱-جس طرح نیک اعمال کی بناء پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں جب تک کہ وہ توحید ورسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو اس کی بد اعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں، جب تک کہ وہ کفریہ عقیدہ کا اظہار نہ کرے یا کفریہ عمل نہ کرے، اور اس حدیث کا مقصد گنہ گار مؤمن کو کافر کہنے کی ممانعت ہے، کافر کو کافر کہنے کی ممانعت نہیں۔

۲-اور حدیث شریف کا سبق یہ ہے کہ آدمی جو بولتا ہے وہ یونہی ضائع نہیں ہوجاتا، بلکہ ہر کلمہ محفوظ رہتا ہے، اور صرف فرشتوں کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی محفوظ رہتا ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ کلمہ اولاً آسمان کی طرف جاتا ہے جب وہ دروازے بند پاتا ہے تو زمین کی طرف واپس پلٹ آتا ہے، پھر دائیں بائیں گھومتا ہے، جب وہاں بھی جگہ نہیں پاتا تو خاص اس شخص کی

طرف بڑھتا ہے جس پر لعنت کی گئی تھی، اگر وہ اس کا اہل نہیں ہوتا تو انجام کار لعنت کرنے والے پر آپڑتا ہے۔

(ابوداؤد حدیث ۴۹۰۵)

۳-اور یہ وعید اس وقت ہے جب بلاوجہ کسی کو کافر کہے، اگر کوئی وجہ ہو تو یہ حکم نہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق (اعتقادی) کہا تھا، کیونکہ انھوں نے اہل مکہ کے نام خط لکھ کر نبی ﷺ کا راز فاش کرنا چاہا تھا، اس لئے ان کو منافق کہا تھا، بلاوجہ نہیں کہا تھا۔

۴-اس حدیث میں تکفیر کرنے والے پر جو کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے بڑا کفر مراد نہیں، بلکہ چھوٹا کفر مراد ہے (یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اصطلاح ہے) کفر کے بھی درجات ہیں: ایک بڑا کفر ہے جو مشرکین کا ہے جس کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور دوسرا کم درجہ کا کفر ہے جو فقہاء کی اصطلاح میں فسق کہلاتا ہے، اور فاسق کا ایمان ناقص ہوتا ہے، اور ناقص کو کبھی کالعدم فرض کر کے کلام کرتے ہیں، اور ایسا زجر و توبیخ کے موقعہ پر کرتے ہیں، پہلے بھی اس کی بہت سی مثالیں گذری ہیں۔ غرض یہ وعید کی حدیث ہے، اور اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ بلاوجہ کسی کو کافر مت کہو، یہ ایک معنی میں خود اپنی تکفیر ہے۔

## بَاب بَيَانِ حَالِ إِيْمَانِ مَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ

## جانتے ہوئے باپ کو باپ نہ ماننے پر وعید

آباؤاجداد سے اعراض کرنا یعنی ولدیت و نسب کا انکار کرنا اور غیر باپ کی طرف خود کو منسوب کرنا کبیرہ گناہ ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا درانحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے، اور دوسری حدیث میں اس عمل کو کفر سے تعبیر کیا ہے، لوگ ایسا مال کے لالچ میں کرتے ہیں یا فخر و مباہات اور عزت بڑھانے کے لئے کرتے ہیں، بلاوجہ اپنے آپ کو سید کہنا بھی اس وعید کا مصداق ہے۔

[۲۷- بَاب بَيَانِ حَالِ إِيْمَانِ مَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ]

[۱۱۲-] وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ: أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيْهِ، وَهُوَ يَعْلَمُهُ، إِلَّا كَفَرَ، وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ- أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللّٰهِ- وَلَيْسَ كَذٰلِكَ، إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: (۱) جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کی طرف کرے، درانحالیکہ وہ جانتا ہے (کہ وہ غلط نسبت کررہا ہے) تو اس نے کفر کیا۔ (۲) اور جس نے کسی ایسی چیز کا دعوی کیا جو اس کی نہیں تو وہ ہم میں سے نہیں اور وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (۳) اور جس نے کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا جب کہ وہ ایسا نہیں تو یہ بات اس پر لوٹے گی، یعنی وہ خود ایسا ہوگا۔

**قوله: الا کَفَرَ:** بخاری شریف میں باللہ بھی ہے، یعنی حقیقی باپ کو چھوڑ کر غیر باپ کی طرف نسبت کرنا اللہ کی نعمت کا انکار ہے، اور یہ باپ کے احسانات کی ناشکری ہے، جو بہت برا عمل ہے، اور ایمان کے منافی ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس پر کفر کا اطلاق کیا، اور یہ کفر دون کفر ہے یعنی چھوٹا کفر مراد ہے جو فقہاء کی اصطلاح میں فسق کہلاتا ہے، یعنی ناقص ایمان کو بالکل معدوم فرض کر کے کافر کہا گیا ہے، ورنہ حقیقت میں غیر باپ کی طرف نسبت کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا۔

**قوله: ما لیس له:** بخاری شریف میں اس طرح ہے: وَمَنْ ادَّعَی قوماً لیس له فیهم نَسَبٌ: (حدیث نمبر ۳۵۰۸) جو شخص کسی قبیلہ میں شمولیت کا دعوی کرے درانحالیکہ اس قبیلہ کے ساتھ اس کا نسبی تعلق نہیں، یعنی بخاری کی روایت خاص ہے اور مسلم شریف کی روایت میں تعمیم ہے۔

**قوله: فلیس منّا:** یہ محاورہ ہے، حماسہ (بہادرانہ کارنامے) عربی ادب کی ایک کتاب ہے جو تکمیلِ ادب میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں یہ واقعہ ہے کہ ایک شاعر کا اس کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا، دوسری بیوی اس کو اچھا نہیں رکھتی تھی۔ شاعر نے اپنی بیوی کو نصیحت کی اور چند اشعار کہے، وہ کہتا ہے:

إِنْ كُنْتِ مِنِّیْ أَمْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ ۞ فَكُوْنِیْ لَهٗ كَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الْأَدَمُ

ترجمہ: اگر تو مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ شیر وشکم ہوکر رہنا چاہتی ہے یا میری رفاقت چاہتی ہے، یعنی نباہ کرنا چاہتی ہے تو اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہوجا جس کے لئے کھجور کا شیرہ بھر کر کپّی تیار کی گئی ہو —— چمڑے کی کپّی جب نئی ہوتی ہے تو گھی میں بو آتی ہے، اس لئے اس میں کھجور کا شیرہ بھرتے ہیں، تاکہ بدبو ختم ہوجائے، پھر اس میں گھی بھرتے ہیں، اس سے گھی میں نہ صرف بدبو پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ خوشبودار ہوجاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے: اگر تو کسی بھی درجہ میں میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو تجھے اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہوجانا چاہئے جس سے پہلے کھجور کا شیرہ بھرا گیا ہو، شاعر نے اس شعر میں یہی محاورہ استعمال کیا ہے کہ اگر تو میرے ہم مزاج ہے اور میرے ساتھ شیر وشکم ہوکر رہنا چاہتی ہے تو جیسا میرا برتاؤ لڑکے کے ساتھ ہے تو بھی ایسا ہی برتاؤ کر، پس حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے وہ میرا ہم مزاج نہیں، اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور جب اللہ عز وجل کے رسول کسی شخص سے ایسی بے تعلقی ظاہر کریں تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے سواء کہاں ہوسکتا ہے؟

**قوله: ومن دعا رجلا بالکفر:** اس جزء کی وجہ سے ہندوستانی نسخہ میں یہ حدیث گذشتہ باب میں ہے، مگر بیروت

والے نسخہ میں (مطبوعہ دار ابن حزم) مذکورہ باب میں یہ حدیث ہے اور علامہ عثمانی قدس سرہٗ نے بھی اسی باب میں یہ حدیث رکھی ہے۔

[۱۱۳-] حَدَّثَنِيْ هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الأَيْلِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ رَبِيْعَةَ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّـهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ"

[۱۱۴-] حَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، قَالَ: لَمَّا ادُّعِيَ زِيَادٌ، لَقِيْتُ أَبَا بَكْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ: مَا هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتُمْ؟ إِنِّيْ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: سَمِعَ أُذُنَايَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَقُوْلُ: "مَنِ ادَّعَى أَبًا فِي الإِسْلاَمِ غَيْرَ أَبِيْهِ، يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيْهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ" فَقَالَ أَبُوْ بَكْرَةَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[۱۱۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِيْ زَائِدَةَ وَأَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ سَعْدٍ وَأَبِيْ بَكْرَةَ، كِلاَهُمَا يَقُوْلُ: سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِيْ، مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنِ ادَّعَى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّـهُ غَيْرُ أَبِيْهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ"

**قوله: لَمَّا ادُّعِيَ زِيَادٌ:** ماضی مجہول، یہ زیاد بن عبید ثقفی ہے، اس کی ماں کا نام سمیّہ ہے، عبید ثقفی سے اس کا نکاح ہوا تھا، جو غلام تھا، اس سے زیاد پیدا ہوا، پھر زیاد نے اس کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق دعوی کیا کہ زیاد ان کا بھائی اور ابوسفیان کا لڑکا ہے، ممکن ہے زمانۂ جاہلیت میں ابوسفیان کا زیاد کی ماں سے تعلق رہا ہو، اور اسی تعلق سے زیاد پیدا ہوا ہو، اگرچہ شریعت میں اس سلسلہ میں طے شدہ ضابطہ ہے: الوَلَدُ لِلفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: یعنی اولاد صاحب فراش (شوہر، یا آقا) کی ہوتی ہے اور زانی کے لئے پتھر (محرومی، سنگساری) ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ قصہ زمانۂ جاہلیت کا ہے اور صاحب فراش کی طرف سے دعوی نہیں اور دس آدمیوں نے حضرت معاویہؓ کے پاس آ کر گواہی دی کہ ابوسفیان نے قبل الاسلام اس کو بیٹا بنایا تھا (اصابہ) تو انھوں نے زیاد کے بھائی ہونے کا دعوی کیا، زیاد کہا کرتا تھا کہ اگر گواہوں نے جھوٹ بولا ہے تو بروز قیامت ان کو اللہ کے سامنے پیش کروں گا ـــــ مگر مسند ابویعلی کی ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت معاویہؓ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اسی جیسے ایک جھگڑے میں الولد للفراش کے ضابطہ کے مطابق فیصلہ سنایا تو مدعی نے کہا: أين قضاء ك هذا يا معاوية في زياد؟ اے معاویہ! زیاد کے معاملہ میں آپ کا یہ فیصلہ کہاں تھا؟ یعنی وہاں آپ نے یہ فیصلہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت معاویہؓ

نے فرمایا:قَضَاءُ رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم خَیرٌ مِنْ قَضَاءِ مُعَاوِیَۃَ: نبی ﷺ کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر ہے (مجمع الزوائد) نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر زمعہ کی باندی کے لڑکے کا فیصلہ زمعہ کے حق میں کیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے (بھائی کے) حق میں نہیں کیا تھا، مسند ابی یعلی کی سند میں اگرچہ انقطاع ہے، مگر صحابی کے ساتھ حسنِ ظن کا تقاضہ یہ ہے کہ رجوع پر محمول کرلیا جائے۔

**قولہ:لقیتُ أبا بکرۃ:** حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ زیاد کے ماں شریک بھائی تھے، اور وہ زیاد پر اس بات کی وجہ سے نکیر کیا کرتے تھے۔اور اس سے قطع تعلق کر چکے تھے، اور قسم کھائی تھی کہ اس سے بات نہ کروں گا۔ابو عثمان کو اس قطع تعلق کی خبر نہ تھی، انھوں نے حضرت ابوبکرہؓ پر اعتراض کیا:ما هذا الذی صَنَعْتُمْ؟ تمہاری طرف سے یہ کیا بات اٹھی ہے؟ یعنی تمہارے گھر میں جاہلیت کی رسم کیوں زندہ ہورہی ہے؟ پھر ابو عثمان نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حوالہ سے یہ حدیث سنائی کہ جس نے غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کی الی آخرہ۔حضرت ابوبکرہؓ نے فرمایا: میں نے خود بھی یہ حدیث حضور ﷺ سے سنی ہے۔

**قولہ فالجنۃ علیہ حرام:** :یہ دخول اولی کی نفی ہے، ابدی دخول کی نفی نہیں۔

**فائدہ:** بَکرۃ کے معنی ہیں: چرخی، پھرکی، محاصرۂ طائف کے دوران نبی ﷺ نے قلعہ کی دیوار کے قریب آواز لگوائی تھی کہ جو غلام قلعہ سے اتر آئے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ محاصرہ کے دوران ۲۳ غلام قلعہ سے اتر آئے تھے، ان میں حضرت ابوبکرہؓ بھی تھے، انھوں نے چرخی کے ذریعہ دوسرے غلاموں کو اتارا تھا، پھر خود اتر آئے تھے، اس لئے ان کی کنیت ابوبکرہ (چرخی والا) پڑگئی، ان کا اصل نام نقیع بن الحارث ہے۔

## بَابُ بَیَانِ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم:" سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُہُ کُفْرٌ"

## مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے

اخلاقِ رذیلہ میں سے فحش باتیں کرنا اور گالیاں بکنا بھی ہے، اس سے معاشرہ خراب ہوتا ہے اور دلوں میں نفرت کا بیج پڑتا ہے، جس کا انجام بہت برا ہوتا ہے، اس لئے معاشرہ کو اس سے بھی پاک رکھنا ضروری ہے۔نبی ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمان کو گالی دینا فسق (حد اطاعت سے نکلنا) اور اس کو قتل کرنا کفر (دین کا عملی انکار) ہے ـــــ حدیں (سرکل) دو ہیں: دینداری کی حد اور دین کی حد، اول سے جو نکل جاتا ہے وہ فاسق ہے، معلوم ہوا کہ گالی دینا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔اور دوسری حد سے جو نکل جاتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا، مگر کبھی آخری درجہ کے کبیرہ گناہ پر بھی کفر کا اطلاق کیا جاتا ہے، جیسے جان بوجھ کر نماز چھوڑنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، چنانچہ اس پر حدیث میں کفر کا اطلاق کیا ہے، اسی طرح قتل مسلم آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، اس لئے حدیث میں اس پر بھی کفر کا اطلاق کیا ہے۔

ملحوظہ: دودائروں کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو پہلے باب میں قدریہ کے حکم کے ضمن میں آئی ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

[۲۸-بَابُ بَيَانِ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"]

[۱۱۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ، وَعَوْنُ بْنُ سَلَّامٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كُلُّهُمْ عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ" قَالَ زُبَيْدٌ: فَقُلْتُ لِأَبِيْ وَائِلٍ: أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ يَرْوِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ. وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ قَوْلُ زُبَيْدٍ لِأَبِيْ وَائِلٍ.

[۱۱۷-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَابْنُ مُثَنًّى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، كِلَاهُمَا عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

وضاحت:

۱-پہلی حدیث حضرت ابن مسعودؓ کے تلمیذ ابووائل سے زبید بن حارث یامی نے، پھر ان سے محمد بن طلحہ، سفیان اور شعبہ نے روایت کی ہے۔ اور دوسری حدیث ابووائل سے منصور اور اعمش نے اور ان سے شعبہ نے روایت کی ہے۔

۲-زبید یامی کی روایت میں جو بخاری میں ہے یہ بھی ہے کہ انھوں نے ابووائل رحمہ اللہ سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا تھا جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ طاعات تو مفید ہیں مگر معاصی مضر نہیں، ان کی یہ بات کہاں تک درست ہے؟ پس ابووائل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے" (بخاری حدیث ۴۸)

۳-ابووائل شقیق بن سلمہ کبار محدثین میں سے ہیں، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مرجئہ کی بات غلط ہے اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے مسلمان کو گالی دینے والے کو فاسق کہا ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کو کافر کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ معاصی ایمان کے ساتھ مضر ہیں۔

۴-معتزلہ اور خوارج وغیرہ گمراہ فرقوں نے اس قسم کی احادیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر اہل السنہ والجماعہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور یہاں ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، یعنی مسلمان کو قتل کرنے والا مسلمان ہے مگر اس کا ایمان ناقص ہے، اس لئے اس ناقص ایمان کو کالعدم فرض کر کے

کافر کہہ دیا، زجر وتوبیخ کے موقعہ پر ایسا کرتے ہیں۔

فائدہ: فِسق کے معنی ہیں: حد سے نکل جانا، کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا: کھجور اس کے گابھے سے نکل آئی، اور دینداری کی بھی ایک حد (سرکل) ہے، جو شخص اس کے اندر ہے وہ دیندار ہے، اور جو اس سرکل سے نکل گیا وہ فاسق ہے، تمام حرام کاموں اور کبیرہ گناہوں کا مرتکب اس سرکل سے باہر ہوجاتا ہے اس لئے اس کو فاسق کہتے ہیں ——— اور سَبَّ يَسُبُّ سَبًّا وَسِبَابًا کے معنی ہیں: گالی دینا، سباب میں بہ نسبت سبّ کے معنی میں زیادتی ہے یعنی ایسی گالی جو اس میں کچھ پائی جائے اور کچھ نہ پائی جائے۔

سوال: گناہ دو طرح پر کیا جاتا ہے: ایک: گناہ کو گناہ سمجھ کر، دوسرا: گناہ کو حلال سمجھ کر، پہلی صورت میں مؤمن کا قتل بھی فسق ہے اور دوسری صورت میں مؤمن کو گالی دینا بھی کفر ہے، کیونکہ کسی بھی گناہ کو حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے، پھر ایک کو فسق اور دوسرے کو کفر کیوں کہا؟

جواب: ہم نے اوپر جو حدیث کی شرح کی ہے اس سے جواب سمجھ میں آجائے گا، قتل مؤمن پر کفر کا اطلاق تہدیداً ہے، کیونکہ قتل مؤمن حقیقتاً کفر نہیں، اور دونوں گناہوں میں فرق مراتب کرنے کے لئے ایک پر فسق اور دوسرے پر کفر کا اطلاق کیا ہے، اور یہ ارشاد گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرنے کی صورت میں ہے، کیونکہ گناہ کو کوئی مسلمان جائز سمجھ کر نہیں کرسکتا، مگر یہ کہ وہ نام نہاد مسلمان ہو۔

## بَابُ بَيَانِ مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لاَ تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

### میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگو: اس حدیث کا مطلب

خانہ جنگی فتنوں کا دروازہ کھولتی ہے، لوگ جب باہم بھڑتے ہیں تو ہوش کھو بیٹھتے ہیں، اور کردنی ناکردنی کرتے ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی: ''میرے بعد دین کا (عملی) انکار کرنے والے نہ ہوجانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں'' یہاں حقیقی کفر مراد نہیں، بلکہ دین کا عملی انکار مراد ہے، جس کی ایک صورت مسلمانوں کا باہم قتل وقتال کرنا بھی ہے، آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ باہمی نزاعات سے بچو وہ مونڈنے والے ہیں، اور سر نہیں مونڈتے، دین کو مونڈتے ہیں (مشکوۃ حدیث ۵۰۴۱) غرض جب فتنے سر ابھارتے ہیں تو قتل وقتال کی نوبت آتی ہے جو عملی طور پر دین کا انکار ہے، اور باہم قتل وقتال انتہائی درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، اس لئے اس پر کفر کا اطلاق کیا ہے، جیسا کہ نماز چھوڑنا بھی انتہائی درجہ کا کبیرہ گناہ ہے، اس پر بھی کفر کا اطلاق کیا ہے۔

## [۲۹-بَابُ بَيَانِ مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ]

[۱۱۸-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، وابْنُ بَشَّارٍ، جَمِيْعًا، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، سَمِعَ أَبَا زُرْعَةَ يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهِ جَرِيْرٍ، قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: " اسْتَنْصِتِ النَّاسَ " ثُمَّ قَالَ: " لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ "

وضاحت: اس حدیث کے راوی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہیں، اور جو مشہور ہے کہ آپ حضور ﷺ کی وفات حسرت آیات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے ہیں[1]، یہ بات شاید صحیح نہیں، آپ حجۃ الوداع میں شریک تھے، پس اغلب یہ ہے کہ آپ ۹ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں، ذوالخلصہ کا مندر نبی ﷺ نے آپ کے ذریعہ منہدم کرایا تھا، بڑے حسین وجمیل اور دراز قد تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو اس امت کا یوسف کہتے تھے، جنگ قادسیہ میں قبیلۂ بجیلہ کا علم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو سفیر بنا کر حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا، مگر بعد میں آپ فتنوں سے الگ ہو گئے، اور ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔ آنحضور ﷺ جب بھی آپ کو دیکھتے مسکراتے، یہ مسکرانا اکرام یا انبساط کے لئے تھا، جب وہ پہلی مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپؐ نے ان کے لئے چادر بچھائی ہے۔

**قولہ:** اسْتَنْصِتِ النَّاسَ: اس جملہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعلّم کے وقت علماء کے سامنے خاموش رہنا چاہئے۔ خاموش ہو کر بات سننی چاہئے، اگر بات سن بھی رہا ہے اور باتیں بھی کر رہا ہے تو بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئے گی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا﴾ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو، خاموش رہنے کا حکم اسی وجہ سے ہے کہ قرآن غور سے سنا جائے —— حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ علم کے پانچ درجے ہیں: اول استماع، پھر انصات، پھر حفظ (یاد کرنا) پھر اس پر عمل کرنا اور آخر میں نشر واشاعت یعنی اس کو پھیلانا، اور اصمعی نے انصات کو استماع پر مقدم کیا ہے (فتح الملہم)

اور مذکورہ حدیث میں دو جملے ہیں، اور دونوں کے درمیان واو عاطفہ نہیں، پس دونوں جملوں میں کمالِ اتصال ہے، اس لئے دونوں جملوں کا مفہوم ایک ہے۔

---

(۱) دیکھیں: ص: ۲۰۲ کا حاشیہ۔

[۱۱۹-] وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

[۱۲۰-] وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: "وَيْحَكُمْ - أَوْ قَالَ: وَيْلَكُمْ - لَاتَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"

وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ وَاقِدٍ.

وضاحت: یہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے، محمد بن زید نے ان سے روایت کی ہے اور حضرت جریرؓ کی روایت کے مانند ہے

— قوله: ويحكم- أو- ويلكم: ان جملوں کا محل استعمال کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، قاضی عیاض کہتے ہیں: اہل عرب یہ جملے تعجب اور درد کے موقع پر استعمال کرتے ہیں، اور سیبویہ کہتے ہیں: ویلٌ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت والا کام کرے، اور ویحٌ: رحم کے موقعہ پر بولتے ہیں، اور ایک قول سیبویہ کا یہ بھی ہے کہ ویح ہلاکت میں مبتلا کے لئے بطور تہدید بولا جاتا ہے، اور ہروی کہتے ہیں کہ ویح اس شخص سے اظہار ہمدردی کے لئے ہے جو ہلاکت میں مبتلا ہو اور وہ اس کا مستحق نہ ہو، اور ہلاکت کا مستحق ہو تو ویل استعمال کرتے ہیں۔ غرض ان کلمات سے بددعا مراد نہیں ہوتی، بلکہ یہ کلمات ترحم اور تعجب کے لئے ہیں (فتح الملہم)

اور درست بات: یہ ہے کہ یہ محاورے ہیں، اور محاورے کے لغوی معنی نہیں ہوتے، بلکہ محلِ استعمال کے اعتبار سے جو مرادی معنی ہوتے ہیں وہ مراد لئے جاتے ہیں، پس جو شخص کسی زبان کے رموز سے واقف ہوتا ہے وہ اس زبان کے محاورات براہِ راست سمجھ سکتا ہے۔ اور جو زبان سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتا اس کے لئے دوسری زبان کے محاورے میں ترجمہ کرنا پڑتا ہے، پس اردو میں اس کا ترجمہ: "بھلے لوگو" ہوگا۔

## بَابُ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلَى الطَّعْنِ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةِ

## نسب میں کیڑے نکالنے اور نوحہ خوانی پر کفر کا اطلاق

الطَّعْنُ: باب فتح کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: کسی کو طعنہ دینا، کسی کی برائی بیان کرنا، عیب نکالنا، تنقید کرنا، کسی کے نسب میں کیڑے نکالنا۔ اور النِّيَاحَةُ: باب نصر کا مصدر ہے، نَاحَ نَوْحًا ونياحةً على الميت کے معنی ہیں: مردہ پر واویلا

کرنا، چلا کر رونا۔

کسی کے نسب میں کیڑے نکالنا اور میت پر واویلا مچانا اور ماتم ونوحہ کرنا جاہلی باتیں ہیں، اس لئے ان پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس سے کفر دون کفر مراد ہے، یعنی حقیقی کفر نہیں، بلکہ دین کا عملی انکار کرنا مراد ہے۔

[۳۰- بَابُ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلَى الطَّعْنِ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةِ]

[۱۲۱-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ- وَاللَّفْظُ لَهُ- قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں دو باتیں دونوں ان کو کافر بناتی ہیں: نسب میں کیڑے نکالنا، اور میت پر چلا چلا کر رونا۔

تشریح: آگے کتاب الجنائز (باب ۱۰) میں یہ حدیث آرہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "چار باتیں میری امت میں ہمیشہ رہیں گی، لوگ ان کو بالکلیہ ترک نہیں کریں گے: ایک: حسب (خاندانی خوبیوں) پر فخر کرنا یعنی اپنی بڑائی جتانا۔ دوم: نسب میں طعن کرنا، یعنی دوسروں کے نسب میں کیڑے نکالنا، سوم: پچھتروں کا عقیدہ، یعنی یہ کہنا کہ فلاں پچھتر لگا اس لئے بارش ہوئی، چہارم: نوحہ کرنا یعنی میت پر چلا چلا کر رونا" معلوم ہوا کہ طعن وتشنیع اور نوحہ ماتم کفریہ باتیں ہیں، پس ان سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔

## بَابُ تَسْمِيَةِ الْعَبْدِ الْآبِقِ كَافِرًا

## بھاگنے والے غلام کا کافر نام رکھنا

مالک اپنے غلام کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت پوری کرتا ہے، اس کے اکل وشرب کا، دوا دارو کا اور مکان ولباس کا انتظام کرتا ہے، اس حسن سلوک کا جواب غلام کو اطاعت گذاری اور وفاداری سے دینا چاہئے، اگر کوئی غلام مالک کا حق پامال کر کے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو یہ انتہائی سنگین جرم ہے، اس لئے اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، اور اس سے کفران نعمت (ناشکری) مراد ہے۔

[۳۱- بَابُ تَسْمِيَةِ الْعَبْدِ الْآبِقِ كَافِرًا]

[۱۲۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ- يَعْنِيْ: ابْنَ عُلَيَّةَ- عَنْ مَنْصُوْرِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيْرٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ: " أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ،

حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ" قَالَ مَنْصُورٌ: قَدْ - وَاللّٰهِ - رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ يُرْوَى عَنِّيْ هَا هُنَا بِالْبَصْرَةِ.

[۱۲۳-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ"

[۱۲۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مُغِيْرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: كَانَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ"

ترجمہ: شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت جریرؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو غلام اپنے آقاؤں سے بھاگا تو تحقیق اس نے کفر (آقا کی نعمت کا انکار) کیا یہاں تک کہ وہ ان کے پاس لوٹ آئے ـــــ یہ حدیث مرفوع ہے، آئندہ روایت میں رفع کی صراحت ہے ـــــ منصور (شعبی کے تلمیذ) کہتے ہیں: بخدا! یہ نبی ﷺ سے روایت کی گئی ہے (اب حدیث مرفوع ہوگئی) مگر میں پسند نہیں کرتا کہ یہاں بصرہ میں میری سند سے یہ حدیث روایت کی جائے۔

تشریح: منصور نے پہلے حدیث موقوفاً بیان کی تھی، پھر قسم کھا کر کہا کہ یہ حدیث مرفوع ہے، اور رفع کی صراحت صرف خواص کے درمیان کی، اس لئے کہ بصرہ میں خوارج و معتزلہ کی بھرمار تھی، منصور نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کے حوالہ سے حدیث بیان کریں اور گنہ گاروں کے کفر پر اور ان کے ابدی جہنمی ہونے پر استدلال کریں، اس لئے منصور نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ میں نہیں چاہتا کہ بصرہ میں میرے حوالہ سے یہ حدیث روایت کی جائے اور گمراہ فرقے اس سے استدلال کریں (فتح الملہم)

قولہ: فقد بَرِئَتْ منه الذِّمَّةُ: یعنی وہ غلام جس نے راہِ فرار اختیار کی وہ اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان سے بری ہے، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آقا پر جو مروت و ہمدردی اور حسن سلوک کی ذمہ داری تھی غلام کے بھاگ جانے سے مولیٰ اس ذمہ داری سے بری ہے۔

قولہ: لم تُقبل له صلوةٌ: قبول کے دو معنی ہیں: قبول بمعنی صحت اور قبول بمعنی رضا (پسندیدگی) مثلاً حدیث شریف میں ہے: لا تُقبل صلوةُ حائِضٍ إلا بِخِمَارٍ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۷۶۲) کسی بھی بالغ عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی مگر اوڑھنی کے ساتھ، اس میں قبول بمعنی صحت ہے، یعنی سر چھپائے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

اور مذکورہ حدیث میں قبول بمعنی رضا ہے، یعنی بھاگے ہوئے غلام کی نماز تو درست ہوجاتی ہے، اور اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاتا ہے، مگر اس نماز کا ثواب نہیں ملتا۔

فائدہ: قبول بمعنی صحت کہتے ہیں: شرائط کے پائے جانے کو اور موانع کے مرتفع ہونے کو۔ اور قبول بمعنی رضا کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل کے پسندیدہ ہونے کو، جس پر اللہ تعالیٰ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

## بَابُ بَيَانِ كُفْرِ مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِالنَّوْءِ

## پچھتر سے بارش ہوئی کہنا کفر ہے

بارش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت اور نعمت ہے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کو اس نعمت سے نوازیں تو بندوں کو شکر گذار ہونا چاہئے، مگر بندوں کا عجیب حال ہے وہ اپنا رزق (حصہ) ناشکری اور قرآن کی تکذیب کو گردانتے ہیں۔ سورۃ الواقعہ (آیت ۸۲) میں نعمتِ قرآن کے تذکرہ کے بعد ہے: ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾: اور گردانتے ہو تم اپنی روزی (حصہ) اس بات کو کہ تم تکذیب کرتے ہو، یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ تم نعمت قرآن کا شکر بجالاتے، اس پر ایمان لاتے، اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے مگر تم الٹے اس کی تکذیب کے درپے ہو —— رزقکم: مفعولِ اول ہے اور رزق کے لغوی معنی ہیں: روزی، غذا، حصہ، اور انکم تکذبون: مفعولِ ثانی ہے، اور ترمذی شریف میں (حدیث نمبر ۳۳۱۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق کی تفسیر شکر سے فرمائی، پھر اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں تو لوگ بجائے شکر گذار ہونے کے کہتے ہیں: فلاں فلاں پچھتر لگا تو بارش ہوئی، اور فلاں فلاں ستارہ طلوع ہوا تو بارش ہوئی، یہ نعمت کی ناشکری ہے، لوگوں کو کہنا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارش ہوئی، اسی طرح کا معاملہ لوگوں نے قرآن کے ساتھ کیا ہے، بجائے شکر گذار ہونے کے تکذیب پر اتر آئے ہیں۔

اور باب میں یہ حدیث ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک رات حدیبیہ میں بارش ہوئی تھی، فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان لانے والا اور پچھتروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے کہا کہ فلاں پچھتر لگا اس لئے بارش ہوئی وہ پچھتروں پر ایمان لانے والا اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے۔ غرض پچھتروں کا قائل اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ناشکرا ہے اس معنی کر کفر کا اطلاق ہے۔

### [۳۲- بَابُ بَيَانِ كُفْرِ مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِالنَّوْءِ]

[۱۲۵-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ فِيْ إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: " هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟" قَالُوْا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: قَالَ: " أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ"

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے حدیبیہ میں فجر کی نماز پڑھائی، بارش ہونے کے بعد جو رات میں ہوئی تھی، جب آپؐ نے نماز کا سلام پھیرا تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں! آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: صبح کی میرے بندوں نے اس حال میں کہ بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور بعض انکار کرنے والے ہیں، جس نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ملی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے، اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ میرا انکار کرنے والا (اور) ستاروں پر ایمان لانے والا ہے۔

تشریح: دنیا میں مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، مگر بعض مسببات وہ ہیں جن کا اسباب سے پیدا ہونا ظاہر ہے، وہاں سبب ظاہری کی طرف نسبت کرنا جائز ہے، اور جس مسبب کا سبب سے پیدا ہونا خفی ہے وہاں مسبب الاسباب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، سبب کی طرف نسبت جائز نہیں، جیسے یہ کہنا کہ فلاں ڈاکٹر کی دواء سے شفا ہوئی: صحیح ہے کیونکہ حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے شفا ہونا بدیہی امر ہے، ہر کوئی اسے جانتا ہے، اور کسی کے یہاں کسی بزرگ کی دعا سے لڑکا پیدا ہوا تو اس کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ فلاں بزرگ نے لڑکا دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکا دیا، کیونکہ کسی کی دعا سے لڑکا ملنا سبب خفی ہے، پس بزرگ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح پچھتروں سے بارش ہونا سبب خفی ہے، ستاروں کے اثرات ضرور ہیں، مگر وہ سببِ خفی ہیں، اس لئے ان کی طرف بارش کی نسبت جائز نہیں۔

**فوائد:**

۱- کہتے ہیں کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں، ہر منزل میں چاند تیرہ دن رہتا ہے، اور ایک منزل میں چودہ دن، اس طرح سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں، چاند جب کسی منزل میں داخل ہوتا ہے تو ایک ستارہ غروب ہوتا ہے اور دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے، اس طلوع وغروب ہونے والے ستارہ کو نوء کہتے ہیں۔ ستاروں کے الگ الگ نام ہیں، جیسے: عقرب، جدی، دَلو، حُوت، میزان، ثریا، سہیل وغیرہ۔ نجومی بارش کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کو ہندی میں 'پچھتر' کہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں بہت سے کفار ومشرکین اور اہل نجوم ان ستاروں اور پچھتروں کو بارش کے لئے مؤثر بالذات مانتے تھے۔ ان کو مؤثر بالذات مان کر ستاروں کی طرف بارش کو منسوب کرنا شرک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر منجم کا عقیدہ یہ ہے کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ علویات (کواکب) کا سفلیات (زمینی واقعات) پر اثر پڑتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ کواکب کی بعض تاثیرات بدیہی ہیں۔ مثلاً سورج کے احوال کے اختلاف سے سردی گرمی کے موسموں کا بدلنا اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا، اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں جوار بھاٹا اٹھنا وغیرہ۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ (سنتِ الٰہی یہ ہے کہ) جب ثریا ستارہ طلوع ہوتا ہے تو

کھجوروں کی بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں (رواہ احمد، کنز العمال حدیث ۲۱۶۱۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ثریا ستارے کے سفلیات پر اثرات پڑتے ہیں (علویات کے سفلیات پر اثرات اور حضرت نانوتویؒ کی رائے: رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۲۲۹ و۲۸۵) میں ملاحظہ کریں)

۲-شرک کی عام طور پر چار قسمیں بیان کی جاتی ہیں: اول: واجب الوجود میں شرک، یعنی اللہ کے علاوہ کے لئے وجودِ ذاتی ثابت کرنا، دوم: آسمان وزمین اور عالم کی تخلیق میں کسی کو شریک کرنا۔ سوم: کائنات کے نظم وانتظام میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ چہارم: استحقاق عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا —— پچھتروں کی بالذات تاثیر تسلیم کرنا شرک کی تیسری قسم ہے۔

بہ الفاظِ دیگر: توحید کے چار مرتبے ہیں: پہلا مرتبہ: توحیدِ ذات کا ہے، یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا، کسی اور کو اس صفت کے ساتھ متصف نہ ماننا۔ دوسرا مرتبہ: توحیدِ خلق کا ہے، یعنی آسمان وزمین، عرش وکرسی اور دیگر تمام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا۔ تیسرا مرتبہ: توحیدِ تدبیر کا ہے: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا نظم وانتظام صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی کائنات کے مدبر ومنتظم ہیں، ان کے ساتھ کائنات کے نظم وانتظام میں کوئی شریک نہیں، وہی پروردگار وپالنہار ہیں، اس مرتبہ کا دوسرا نام توحیدِ ربوبیت ہے۔ چوتھا مرحلہ: توحیدِ الوہیت کا ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہیں، بندگی اور عبادت انہی کا حق ہے۔

توحید کے یہ دونوں آخری مرتبے باہم مربوط اور لازم وملزوم ہیں، یعنی تدبیر اور عبادت کے درمیان فطری ارتباط اور عادی تلازم ہے، اس لئے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ جو مدبر ومنتظم اور پروردگار وپالنہار ہوگا وہی عبادت کا حقدار ہوگا، اور عبادت اسی کا حق ہے جو کائنات کا نظم وانتظام اور پروردگاری کرتا ہے، تفصیل (باب ۱۰) میں گذر چکی ہے۔

۳-توحید کے آخری دو مرتبوں میں یعنی توحیدِ تدبیر اور توحیدِ الوہیت (معبودیت) میں مختلف جماعتوں نے اختلاف کیا ہے، ان کے بڑے گروہ تین ہیں:

پہلا گروہ: ستارہ پرستوں کا ہے، ان کا خیال یہ ہے کہ ستارے پرستش کا استحقاق رکھتے ہیں اور امورِ دنیا میں ان کی عبادت مفید ہے، اور ان کے سامنے حاجتیں پیش کرنا برحق ہے۔

دوسرا گروہ: مشرکین یعنی مورتی پوجنے والوں کا ہے، یہ لوگ مسلمانوں کی طرح بڑی بڑی چیزوں کا منتظم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور کسی بھی معاملہ میں قطعی فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتے ہیں، وہ لوگ ان دونوں باتوں میں مسلمانوں کے ہمنوا ہیں، مگر دیگر امور میں وہ مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں۔

تیسرا گروہ: عیسائیوں کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص حاصل ہے، اور ان کا رتبہ تمام مخلوق سے بلند ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۳۹ و۴۵ میں آپ کو کلمۃ اللہ (اللہ کا بول) کہا گیا ہے، اس لئے ان کو"

اللہ کا بندہ'' نہیں کہنا چاہئے، ایسا کہنے سے ان کو دوسرے بندوں کے برابر کرنا لازم آئے گا، اور اس میں ان کی کسرِ شان اور ان کے مقامِ قربِ خاص کو نظر انداز کرنا ہے۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۵۹۱-۵۹۷) میں ہے۔

[۱۲۶-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ. قَالَ: الْمُرَادِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ. وَقَالَ الآخَرَانِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَلَمْ تَرَوْا إِلٰى مَا قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ: مَا أَنْعَمْتُ عَلٰى عِبَادِيْ مِنْ نِعْمَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِنْهُمْ بِهَا كَافِرِيْنَ. يَقُوْلُوْنَ: الْكَوْكَبُ وَبِالْكَوَاكِبِ"

وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ. ح: وَحَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ أَبَا يُوْنُسَ مَوْلٰى أَبِيْ هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ، يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ: الْكَوْكَبُ كَذَا وَكَذَا" وَفِيْ حَدِيْثِ الْمُرَادِيِّ: " بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا"

[۱۲۷-] وَحَدَّثَنِيْ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيْمِ الْعَنْبَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ- وَهُوَ: ابْنُ عَمَّارٍ- قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ زُمَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: مُطِرَ النَّاسُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ، قَالُوْا: هٰذِهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا" قَالَ: فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿فَلاَ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾

**قوله: أَصْبَحَ من الناس شاكر:** حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ایمان وکفر کے تقابل کے بجائے شکر وکفر کا تقابل ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کی ستاروں کی طرف نسبت کرنا کفر باللہ یعنی حقیقی کفر نہیں، بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے، (جاننا چاہئے کہ جس طرح ایک آیت دوسری آیت کی شرح کرتی ہے، حدیث بھی دوسری حدیث کی شرح کرتی ہے)

**قوله: فنزلت هذه الآية:** صرف ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ ﴾ سے استدلال کرنا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ستاروں کی طرف نسبت کرنے کے سلسلہ میں صرف اسی ایک آیت سے استدلال کیا ہے (صلوٰۃ الاستقاء باب ۲۸) اور ابن عباسؓ سے بھی بعض دیگر روایات میں اتنا ہی ٹکڑا منقول ہے، دیگر آیتوں کا شانِ نزول دوسرا ہے۔ اس کے لئے (صاحب افادات حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی) تفسیر ہدایت القرآن کی مراجعت کریں۔

# بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ حُبَّ الْأَنْصَارِ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ الْإِيْمَانِ وَعَلَامَاتِهٖ وَبُغْضَهُمْ مِنْ عَلَامَاتِ النِّفَاقِ

## حضراتِ انصار اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان کا جزء اور اس کی نشانی ہے اور ان سے عداوت نفاق کی علامت ہے

انصار کی اسلام کے تعلق سے سنہری خدمات ہیں، مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا جب کوئی ہمنوا نہیں رہا، مسلمان اہلِ مکہ کے ظلم وستم سے پریشان ہو کر آپؐ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو اس نازک وقت میں انصار نے آپؐ کا اور اسلام کا ساتھ دیا، منیٰ کے پاس ایک گھاٹی میں آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آپؐ کو مدینہ چلنے کی دعوت دی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے مسلسل دس سال تک اہلِ مکہ کو ایک خدا کی عبادت کی طرف بلایا، اور کفر وشرک سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر چند خوش نصیب نفوس کے علاوہ عام طور پر لوگوں نے آپؐ کی مخالفت کی، اور آپ کو دعوت سے باز رکھنے کے لئے ہر ناجائز طریقہ اختیار کیا، یہاں تک کہ نبوت کے گیارہویں سال قبیلۂ خزرج کے کچھ لوگ (جو چھ اشخاص پر مشتمل تھے) حج کے لئے آئے۔ آنحضور ﷺ حج کے موقعہ پر مکہ آنے والے قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، آپؐ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اپنا تعارف کرایا، ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک سنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں کو اسلام کے لئے کھول دیا، وہ اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے، یہ حضرات آپؐ سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ پہنچے، وہ جس مجلس میں بھی بیٹھتے آپؐ کا ذکر خیر کرتے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کا کوئی گھر اور کوئی مجلس آپؐ کے ذکر سے خالی نہ رہی، پھر اگلے سال یعنی نبوت کے بارہویں سال بارہ اشخاص پر مشتمل ایک قافلہ حاضر خدمت ہوا ان حضرات نے رات میں منیٰ کے قریب ایک گھاٹی میں آپؐ سے ملاقات کی اور بیعت ہوئے۔ یہ پہلی بیعت تھی، جس کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس ہونے لگے تو آپؐ نے عبداللہ بن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو قرآنِ کریم کی تعلیم کے لئے ان کے ساتھ بھیجا، ان حضرات نے مدینہ کے لوگوں میں دعوت کی محنت شروع کی جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور آئندہ سال یعنی نبوت کے تیرہویں سال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشہور قول کے مطابق بہتر آدمی حج کے لئے مکہ آئے، جن میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ انھوں نے بھی اسی گھاٹی میں بیعت کی، یہ بیعتِ عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب (قوم کے ذمہ دار) منتخب فرمائے تھے، میں بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اشارے پر تم

میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں، اور ان بارہ سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ تم اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو، جیسے حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ذمہ دار تھے (طبقات ابن سعد: ۱۵۰)

غرض ان حضرات نے آنحضور ﷺ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی، اور اسلام کی نصرت وحمایت کی ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے ان کی دعوت پر اسی سال مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور انصار نے وعدہ کے مطابق جان ومال، عزت وآبرو، اعزہ واقارب، دوست احباب، مال ودولت اور گھر بار سب کچھ آپؐ پر نچھاور کردیا۔ اس جاں نثاری کا تقاضہ ہے کہ انصار سے اور ان کی آل واولاد اور نسل سے محبت کی جائے، نہ کہ نفرت کی جائے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے انصار کی محبت کو ایمان کی نشانی اور ان سے نفرت کو نفاق کی نشانی قرار دیا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کے چچازاد بھائی، پروردہ اور داماد ہیں، بچوں میں آپ سب سے پہلے ایمان لائے، اور بے شمار خوبیوں کے مالک اور آنحضور ﷺ کے محبوب ہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت آنحضور ﷺ کی محبت کی فرع ہے، اس لئے آپ سے محبت کو ایمان کی اور آپ سے نفرت کو نفاق کی علامت قرار دیا۔

ملحوظہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت علی اور حضرات انصار سے محبت کی دوسری مصلحت بیان فرمائی ہے، وہ شرح کے ضمن میں آئے گی۔

## [۳۳- بَابُ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ حُبَّ الْأَنْصَارِ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ الإِيْمَانِ وَعَلَامَاتِهِ وَبُغْضَهُمْ مِنْ عَلَامَاتِ النِّفَاقِ]

[۱۲۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ، وآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْأَنْصَارِ"

حدثنا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ- يَعْنِيْ: ابْنَ الْحَارِثِ- قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَنسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ:" حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الإِيْمَانِ، وَبُغْضُهُمْ آيَةُ النِّفَاقِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "منافق کی نشانی انصار سے بغض وعداوت ہے اور مومن کی نشانی انصار سے محبت ہے"

—— اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ "عربوں کی محبت ایمان سے ہے اور ان سے دشمنی کفر ہے"

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اقوام، قبائل اور

جماعتوں کے بارے میں اس قسم کے ارشادات کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اسباب سے قوموں اور نسلوں میں تشتت وافتراق پیدا ہوجاتا ہے، اور رفتہ رفتہ وہ عداوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، عدنان کی اولاد میں بھی اس قسم کا اختلاف ہوا تھا، اور وہ یہاں تک بڑھا تھا کہ خاندان کا کچھ حصہ یمن منتقل ہوگیا اور مَعدّ کی اولاد ہی حجاز میں رہ گئی، پھر ارم کا باندھ ٹوٹنے کے بعد اوس وخزرج مدینہ منورہ میں آبسے، یہی قبیلے اسلام کے انصار بنے، اور معدّ کی اولاد بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آگئی تو یہ حضرات مہاجر کہلائے۔

ان معدّی اور یمنی عربوں میں پرانی عداوتیں تھیں، اسی طرح عرب وعجم میں منافرت بھی دلوں میں جڑ پکڑے ہوئے تھی، جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو یہ سب حضرات اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے، پس ضروری ہوا کہ دلوں کی پرانی کدورتیں دور کردی جائیں۔ چنانچہ مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ انصار سے محبت کریں اور پرانی باتیں دلوں سے نکال دیں۔ اسی طرح عجمیوں کو حکم دیا کہ وہ عربوں سے محبت کریں اور دلوں سے ان کی نفرت دور کریں، اب جو شخص ہمہ تن اسلام کا بول بالا کرنے کی طرف متوجہ ہوگا وہ تو دل سے کینہ دور کردے گا، اور انصار سے اور عربوں سے محبت کرے گا اور سب ایک متحد امت بن کر اسلام کی گاڑی کھینچیں گے، اور جو اپنی پوری توجہ اسلام کی سربلندی پر مرکوز کئے ہوئے نہیں ہے، اس کی فطرت میں نزاع باقی رہے گا، جو اسلام کے کاز کو نقصان پہنچائے گا، اس لئے انصار کی محبت اور عربوں کی محبت کو ایمان کی علامت اور ان سے بغض ونفرت کو کفر ونفاق کی نشانی قرار دیا گیا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۵۵)

دوسرا مطلب: اور عام طور پر علماء نے حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انصار سے محبت دین کی فرع ہے، اس لئے کہ وہ دین کی حمایت ونصرت کرنے والی اولین جماعت ہے، پس ان سے محبت ہونی چاہئے، جسے بھی دین سے محبت ہے وہ انصار سے محبت کرے، کیونکہ جب کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو صرف اسی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کی آل اولاد، احباب ومتعلقات یہاں تک کہ اس کے گاؤں اور گاؤں کی درودیوار سے بھی محبت ہوجاتی ہے، مجنوں کا مشہور شعر ہے ـــــ لوگوں نے مجنوں کے نام پر بہت اشعار گڑھے ہیں اردو میں بھی، فارسی میں بھی اور عربی میں بھی، وہ اشعار خود مجنوں کے نہیں ہیں، لوگوں نے مجنوں کے نام پر بنائے ہیں:

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى ❁ أُقَبِّلُ ذَا الجِدَارِ وَذَا الْجِدَارِ

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ ❁ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارِ

ترجمہ: میں لیلیٰ کے گاؤں سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو..... گاؤں کی محبت نے میرے دل پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ اس لیلیٰ کی محبت نے میرے دل پر قبضہ کیا ہے جو اس گاؤں میں رہتی ہے۔

غرض جب کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو اس کی ہر چیز سے محبت ہوجاتی ہے، اور جب کسی سے نفرت ہوجاتی ہے تو اس کی ہر چیز سے نفرت ہوجاتی ہے، اور یہ دونوں باتیں فطری ہیں، چنانچہ فرمایا: انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے یعنی وہ

ایمان سے ناشی ہے اور انصار سے نفرت نفاق کی نشانی ہے، یعنی وہ اسلام میں عدم اخلاص سے ناشی ہے۔

فوائد:

۱-انصار: ناصر کی جمع ہے، جیسے صاحب کی جمع اصحاب ہے، یا نصیر کی جمع :انصار ہے جیسے شریف کی جمع أشراف ہے ـــــ اور الف لام عہد کا ہے مراد اوس وخزرج کے لوگ ہیں، اسلام سے پہلے یہ دونوں قبیلے اِبْنَي القَيْلَة (قیلہ کے دو بیٹے) کہلاتے تھے۔قَيْلَة: انصار کے جدۂ کبری کا یعنی اوس وخزرج کی والدہ کا نام ہے (زرقانی ۱:۳۵۰) نبی ﷺ نے ان کے جانی ومالی ایثار اور اشاعت دین میں تعاون ونصرت کے باعث انصار کا معزز لقب عطا فرمایا۔اب اسی نام سے دونوں قبیلوں کی پہچان ہے۔غیلان بن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: أرايتَ إسمَ الأنْصَارِ كنتُ تُسَمُّوْن به أم سَمَّاكُمُ الله: انصار نام تم نے خود رکھا یا اللہ نے یہ نام رکھا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: سَمَّانَا الله: اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام رکھا ہے۔یہ نام ان کی اولاد اور حلفاء وموالی سب پر بولا جاتا ہے۔

۲-محدثین اس حدیث سے بھی اعمال کی جزئیت پر استدلال کرتے ہیں، اس طرح کہ جب انصار سے محبت ایمان کا جزء ہے اور ان سے بغض رکھنا ایمان کے منافی تو اعمال کا جزء ایمان ہونا ثابت ہوگیا، کیونکہ حب وبغض قلب کے انفعال ہیں۔

اس کا جواب: یہ ہے کہ جزئیت اور علامت میں فرق ہے، مسجد کے مینارے مسجد کی علامت ہیں، مگر وہ مسجد کا جزء نہیں، صرف علامت ہیں، چنانچہ بہت سی مسجدوں میں مینارے نہیں ہوتے، اگر مینارے مسجد کی ماہیت کا جزء ہوتے تو ان کے بغیر مسجد کا تحقق نہ ہوتا، اسی طرح حُبّ انصار بھی ایمان کی علامت ہے جزء نہیں، یعنی کمالِ ایمان کی دلیل ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۳-سوال: آية الإيمان حب الأنصار: مبتداء خبر دونوں معرفہ ہیں پس جملہ مفید حصر ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ انصار کی محبت ایمان کی واحد علامت ہے، جس کے دل میں انصار کی محبت نہیں وہ مؤمن نہیں؟

اس کا جواب اوپر آچکا کہ انصار کی محبت کو علامت قرار دیا گیا ہے علت نہیں، اور علامت پر کسی چیز کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا، جیسے مینارے علامت ہیں، اور اس پر مسجد کا تحقق موقوف نہیں، پس انصار کی محبت کامل ایمان کی نشانی ہے، اس سے پر ایمان موقوف نہیں۔

۴-انصار سے کسی ذاتی وجہ سے کسی کو دشمنی ہو تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، اگر انصار سے اسلام کے ناصر وحامی ہونے کی بناء پر بغض وعداوت ہے تو نفاق کی علامت ہے، عہد رسالت کے منافقین اسی جہت سے ان سے نفرت کرتے تھے، پس جھوٹ، وعدہ خلافی اور عہد شکنی وغیرہ کی طرح بغض انصار بھی نفاق کی نشانی قرار پایا۔

۵-اس حدیث کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو ایمان کا اظہار کرتے ہیں، کفار ومشرکین مخاطب نہیں۔

[۱۲۹-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ. ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ- وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ فِي الْأَنْصَارِ: " لا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللهُ" قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِعَدِيٍّ: سَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ؟ قَالَ: إِيَّايَ حَدَّثَ.

[۱۳۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ- يَعْنِي: ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ - عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ"

وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لا يُبْغِضُ الْأَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ"

[۱۳۱-] وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ. ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى- وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ زِرٍّ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ! إِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَيَّ: "أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ"

**وضاحت:** مذکورہ حدیث جو حضرات انصار سے محبت کے بارے میں ہے: حضرت انس، حضرت براء، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ الفاظ قدرے مختلف ہیں، مگر مفہوم سب کا ایک ہے۔

**عدیؒ بن ثابت کا تعارف:** یہ تبع تابعی ہیں اور انصاری کوفی ہے، اس پر شیعہ ہونے کا الزام تھا، مگر اس سے بھی صحاح والوں نے روایت لی ہے، ان کے باپ اور دادا کے نام میں اختلاف ہے۔

**آخری حدیث کا ترجمہ:** حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو پھاڑا! یعنی اگایا اور جان کو پیدا کیا! میرے ساتھ نبی ﷺ کا یہ عہد و پیمان ہے کہ مجھ سے مؤمن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے منافق ہی عداوت رکھے گا ــــــ اس قسم کا مضمون دیگر صحابہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ''حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے محبت ایمان ہے، اور ان سے بغض کفر ہے'' اور ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت بیان کی ہے اس میں ہے کہ: ''حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت ایمان ہے، اور ان سے بغض کفر ہے'' (یہ دونوں روایتیں مظاہر حق تتمہ جلد رابع صفحہ ۱۲۱ میں ہیں)

**تشریح:** حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اشخاص کے بارے میں اس قسم کے

ارشادات کی مختلف وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: بڑوں کے مقام ومرتبہ کی معرفت اوران کی قدر شناسی انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو حسد اور خود پسندی سے مبرا ہوں، جن کے نفسانی تقاضے تھم گئے ہوں، یعنی ان میں نفسانیت کا شائبہ تک نہ رہا ہو، اور ان کی عقل خواہش پر غالب آ گئی ہو، یعنی وہ ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات سے اوپر اٹھ کر معاملات کو سوچنے اور فیصلہ کرنے کے عادی ہو چکے ہوں، یہی حضرات بڑی ہستیوں کے بارے میں متوازن فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کا مقام ومرتبہ پہچانتے ہیں، برخود غلط قسم کے لوگ تو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا رہتے ہیں، وہ قرابت کا شوشہ چھوڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ابوبکر وعمر تو خسر تھے، اور عثمان وعلی داماد تھے۔ اسی قرابت داری کی بنا پر ان کو اسلام میں برتر مقام حاصل ہوا ہے۔ حالانکہ وہ غور نہیں کرتے کہ خسر تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور داماد تو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، مگر ان کو یہ مقام کہاں نصیب ہوا؟

دوسری وجہ: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دین کے معاملہ میں سخت تھے، ایسے اکابر کی سختی کو وہی شخص برداشت کرتا ہے جو خود غرضی اور نفسانیت سے پاک ہو، جو مفادِ کلی کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنے کا عادی ہو، جس کے ایمان میں کھوٹ ہوتی ہے وہ بجا سختی سے بھی برگشتہ ہو جاتا ہے، اور ان اکابر کے خلاف بکواس کرنے لگتا ہے (شاہ صاحب کا کلام پورا ہوا)

تیسری وجہ: صاحبزادگی بایں اعتبار مفید ہے کہ بے استحقاق بڑا مرتبہ مل جاتا ہے، مگر اس اعتبار سے غیر مفید ہے کہ صاحبزادوں کی واقعی خوبیوں کا بھی بعض لوگ اعتراف نہیں کرتے، وہ یہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ یہ مقام صاحبزادگی کے طفیل میں مل گیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا آپ ﷺ کے صاحبزادے تھے، آپؐ نے ہی ان کو پالا پوسا تھا، آپؐ کے کمالات کے اعتراف میں کچھ لوگوں کے لئے یہی چیز مانع بن گئی تھی، اس لئے آپؐ کے بارے میں مذکورہ بالا ارشاد فرمایا اور فرمایا: مَن كُنتُ مولاه فَعَلِيٌّ مولاه (مشکوۃ حدیث ۶۰۸۲) —— میں جس کا محبوب پس علی اس کے محبوب! پس مجھ سے محبت اور علی سے نفرت کے کیا معنی؟ —— اور مَن سَبَّ عَلِيًّا فقد سَبَّنِي (مشکوۃ حدیث ۶۰۹۲) —— جو علی کو برا کہتا ہے وہ مجھ کو برا کہتا ہے وغیرہ ارشادات وارد ہوئے ہیں (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۵۴)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی علامت ہے اور نفرت نفاق کی علامت ہونے کی ایک وجہ ان سے نبی ﷺ کا محبت کرنا اور اسلام کی نصرت واشاعت میں ان کا کارنامہ ہے۔ اور یہی کارنامہ تمام مہاجرین وانصار اور دیگر صحابہ کا بھی ہے، اس لئے ان سے محبت وعداوت حضور اکرم ﷺ کی محبت وعداوت کی علامت قرار پایا۔ ارشاد ہے: مَن أَحَبَّهُم فَبِحُبِّي أَحَبَّهُم، وَمَن أَبغَضَهُم فَبِبُغضِي أَبغَضَهُم: جو ان سے محبت کرتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے، اور جو ان سے نفرت کرتا ہے مجھ سے نفرت کرنے کی وجہ سے ان سے نفرت کرتا ہے۔ اور یہاں وہ نفرت وعداوت مراد ہے جو اسلام کی نصرت وحمایت کی وجہ سے ہو، منافقین اسی وجہ سے انصار ومہاجرین سے نفرت کرتے تھے، اگر ذاتی وجوہات کی بنا پر کچھ کدورت ہو تو وہ حدیث کا مصداق نہیں، اگرچہ یہ بھی اچھی بات نہیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بعض موقعوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت ہوئی تھی، وہ ناراضگی مذکورہ حدیث کا مصداق نہیں۔

## بَابُ بَيَانِ نُقْصَانِ الإِيْمَانِ بِنَقْصِ الطَّاعَاتِ، وَبَيَانِ إِطْلَاقِ لَفْظِ الْكُفْرِ عَلٰى غَيْرِ الْكُفْرِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى كَكُفْرِ النِّعْمَةِ وَالْحُقُوقِ

## (۱)طاعات میں کمی کی وجہ سے ایمان میں کمی (۲)اور کفر باللہ کے علاوہ نعمت وحقوق کی ناقدری پر بھی کفر کا اطلاق

منعم کے احسانات کی — خاص طور پر شوہر کے احسانات کی — ناشکری اور ناقدری ایک بہت برا عمل ہے، نبی ﷺ نے اس پر کفر کا اطلاق کیا ہے، ایک مرتبہ عید کے دن آنحضور ﷺ نے پہلے مردوں سے خطاب فرمایا، پھر عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے، اور وہاں تقریر فرمائی، اس تقریر میں ایک بات یہ فرمائی کہ مجھے جہنم دکھلائی گئی، میں نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی، اور اس کی وجہ کفر بتائی۔ کسی عورت نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا عورتیں اللہ کا انکار کرتی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: شوہروں کے احسانوں کا انکار کرتی ہیں، عورتیں اکثر شوہر کا احسان بھول جاتی ہیں، شوہر زندگی بھر احسان کرے اور ایک بات ان کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو زندگی بھر کے احسان پر پانی پھیر دے گی، کہے گی: میں نے تیرے گھر میں آکر دیکھا کیا ہے؟ چار چیتھڑے اور چار ٹھیکرے! اس ناشکری کی وجہ سے عورتیں زیادہ جہنم میں جائیں گی اور نبی ﷺ نے اس ناشکری پر کفر کا اطلاق کیا ہے، معلوم ہوا کہ کفر باللہ کے علاوہ بھی کفر ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کی اصطلاح میں کفر دون کفر ہے، کفر کے بھی درجات ہیں، ایک بڑا کفر ہے جو مشرکین کرتے ہیں جس کو کفر باللہ [1] سے تعبیر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور دوسرا کم درجہ کا کفر ہے جو فقہاء کی اصطلاح میں فسق کہلاتا ہے۔

اور یہ تفصیل اس لئے ضروری ہے کہ تمام احادیث وآثار اور نصوص میں جمع وتطبیق ہو جائے اور گیند معتزلہ اور خوارج کے پالے میں نہ چلی جائے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ محدثین، معتزلہ اور خوارج ایمان کو مرکب مانتے ہیں، مگر محدثین اعمال کو اجزائے مکملہ مانتے ہیں اور معتزلہ اور خوارج اجزائے مقومہ، اسی لئے مرتکبِ کبیرہ ان کے نزدیک ایمان سے خارج ہے، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، جن میں آنحضور ﷺ نے بعض گناہوں پر کفر کا اطلاق کیا ہے، وہ کہتے

---

(۱) کفر باللہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) دل وزبان سے توحید ورسالت کی تکذیب کرے اس کا نام کفرِ انکار ہے، (۲) دل سے اللہ ورسول کو جانے اور پہچانے، مگر زبان سے تکذیب کرے، جیسے اہل کتاب کا کفر، یہ لوگ اللہ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کو دل سے جانتے پہچانتے ہیں، مگر زبان سے انکار کرتے ہیں، اس کا نام کفرِ جحود ہے۔ (۳) دل وزبان دونوں سے تصدیق واعتراف کرے مگر التزام طاعت نہ ہو یعنی قبول کرنے سے انکار ہو، جیسے ابو طالب اور ہرقل کا انکار، اس کا نام کفرِ عناد ہے (۴) دل میں انکار وتکذیب مگر زبان سے اقرار کرے جیسے منافق کا عمل، اس کا نام کفرِ نفاق ہے (ایک پانچویں قسم بھی ہے اس کا بیان پہلے آچکا ہے دیکھیں: ص ۹۵ کا حاشیہ)

ہیں: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ منافیٔ ایمان اعمال اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ان حدیثوں میں بڑا کفر مراد نہیں، بلکہ چھوٹا کفر مراد ہے، اور چھوٹے کفر سے آدمی ایمان سے نہیں نکلتا (دیگر محدثین بھی اسی قسم کی تاویل کرتے ہیں، ان کے جواب سے یہ بات صاف ہوگئی کہ محدثین کرام: معتزلہ اور خوارج کے ساتھ نہیں، اور اعمال ایمانِ حقیقی کے اجزاء نہیں، بلکہ ایمانِ کامل کے اجزاء ہیں اور اس میں اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

اور اس تقریر میں آنحضور ﷺ نے عورتوں کو دین وعقل میں ناقص بھی قرار دیا، اور دین کا نقصان یہ بتلایا کہ مرد ہمیشہ نماز روزہ کرتا ہے اور عورتیں زمانہ حیض اور زمانہ نفاس میں نہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں، پھر اگر چہ روزوں کی قضا کر لیتی ہیں مگر نمازوں کی قضا نہیں، اس لئے وہ دین میں مردوں کے برابر نہیں، اس ٹکڑے سے باب کے پہلے جزء پر استدلال ہے۔

## [۳۴- بَابُ بَيَانِ نُقْصَانِ الإِيْمَانِ بِنَقْصِ الطَّاعَاتِ، وَبَيَانِ إِطْلَاقِ لَفْظِ الْكُفْرِ عَلٰى غَيْرِ الْكُفْرِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى كَكُفْرِ النِّعْمَةِ وَالْحُقُوْقِ]

[۱۳۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ الْمِصْرِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ:" يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الاِسْتِغْفَارَ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ، جَزْلَةٌ: وَمَا لَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ:" تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَغْلَبَ لِذِيْ لُبٍّ مِنْكُنَّ" قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ؟ قَالَ:" أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ: فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيْ مَا تُصَلِّيْ، وَتُفْطِرُ فِيْ رَمَضَانَ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ"

وَحَدَّثَنِيْهِ أَبُو الطَّاهِرِ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اور کثرت سے استغفار کرو، اس لئے کہ میں نے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھی ہے، پس ایک سمجھ دار عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کس وجہ سے ہم عورتیں جہنم میں زیادہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے عقل اور دین کی ادھوری کوئی مخلوق ایسی نہیں دیکھی جو سمجھ دار مرد پر بہت زیادہ غالب آجائے، تم سے زیادہ! یعنی تم دین میں بھی ناقص ہو اور عقل میں بھی، اس کے باوجود عقلمند آدمی کی عقل کو چٹکی بجا کر مٹھی میں کر لیتی ہو، اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے دین اور عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: رہا عقل کا نقصان، تو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، یہ عقل کا نقصان ہے، اور عورت چند راتیں بیٹھی رہتی ہے، نہ نماز پڑھتی

ہے نہ روزہ رکھتی ہے، یہ دین کا نقصان ہے۔

سند: لیث مصری کی طرح ابن الہاد سے بکر بن مضر نے بھی اسی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے، اور دونوں کی روایتیں یکساں ہیں۔

لغات: الجَزْلَةُ: عمدہ رائے، عمدہ کلام، اسْتَجْزَلَ رَأْيَه: کسی کو صاحب رائے پانا، یا کسی کلام کو فصیح پانا، اِمْرَأَةٌ جَزْلَةٌ: سمجھدار عورت...... اللَّعْنُ: خیر سے دور رہنے کی بددعا دینا، لَعَن (ف) لَعْنًا فلانًا: رسواء کرنا، گالی دینا، خیر سے دور کرنا، دھتکارنا...... العَشِيْرُ: قبیلہ، قریب، دوست، زوج، زوجہ، جمع: عُشَرَاء...... اللُّبُّ: بمعنی عقل، ہر چیز کا خالص، خالص عقل جو وہم وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو، لب پر عقل کا اطلاق ہوگا مگر عقل پر لب کا اطلاق ضروری نہیں...... العقل: غزیرة یدرک بها المعنی ویمنع عن القبائح: یعنی عقل انسانی اس فطرت کا نام ہے جس سے معانی کا ادراک کیا جاتا ہے اور قبائح سے رکا جاتا ہے (۲) روحانی نور جس سے غیر محسوس چیزوں کا ادراک ہوتا ہے...... تمکث اللیالی: عربی میں رات بول کر دن رات کا مجموعہ مراد لیتے ہیں، جیسے اردو میں دن بول کر مجموعہ مراد لیا جاتا ہے۔

تشریح: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں خطبہ دیا، پھر آپؐ نے خیال فرمایا کہ آپؐ کی آواز عورتوں تک اچھی طرح نہیں پہنچی، اس لئے آپ عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے اور ان کے سامنے دوبارہ تقریر فرمائی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اس تقریر میں ایک بات یہ فرمائی کہ میں نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی ہے، کیونکہ وہ کفر کرتی ہیں، جہنم آپؐ نے متعدد بار دیکھی ہے، صلوٰۃ کسوف پڑھاتے وقت بھی دیکھی ہے اور معراج میں بھی دیکھی ہے، آپؐ کو چھ مرتبہ معراج ہوئی ہے، ان میں سے پانچ منامی معراجیں ہیں، اور بڑی معراج میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک وہ جسمانی ہے، ان معراجوں میں سے کسی معراج میں آپؐ کو جنت وجہنم دکھائی گئی تو آپؐ نے دیکھا کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔

سوال: ابھی نہ تو کوئی جنت میں گیا نہ جہنم میں، ابھی تو سب عالم برزخ میں ہیں، پھر قیامت کے دن روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی، اس کا نام معاد ہے، پھر حساب وکتاب ہوگا، پھر دو دنیاؤں کے درمیان پل رکھا جائے گا، اس سے گذر کر جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جہنم میں زیادہ کیسے دیکھا؟

جواب: یہ عالم مثال کی جنت وجہنم ہیں، مثال کے معنی ہیں: فوٹو کاپی، عالم مثال اس دنیا کی بھی فوٹو کاپی ہے اور عالم آخرت کی بھی، اس میں ہماری گذشتہ دنیا اور آنے والی آخرت کی مثالیں موجود ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم مثال کی جنت وجہنم کی سیر کی ہے [۱]۔ اور جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی ہے۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کی حقیقت پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور سترہ روایات سے اس کو مدلل ومبرہن کیا ہے، اس کی تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۱۸۶) میں ہے۔

غرض نبی ﷺ نے جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی، اور جہنم میں وہی جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو صدقہ ختم کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: إِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ: صدقہ پروردگار کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے اس لئے آنحضور ﷺ نے عورتوں کو صدقہ کا حکم دیا۔

اور عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں، شوہروں کے احسان کی ناشکری کرتی ہیں، بڑے سے بڑے عقلمند کی عقل کو اپنی مٹھی میں کرلیتی ہیں، اور ماں باپ، بھائی بہن، کنبہ اور خاندان سے لڑادیتی ہیں۔

آنحضور ﷺ نے ان کو دین وعقل میں ناقص بھی قرار دیا، اور عقل کا نقصان یہ بتایا کہ بابِ شہادت میں دوعورتیں ایک مرد کے برابر مانی جاتی ہیں۔ اور دین کا نقصان یہ بتلایا کہ مرد ہمیشہ نماز روزہ کرتا ہے، اور عورتیں زمانۂ حیض اور زمانۂ نفاس میں نہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں، پھر اگرچہ روزوں کی قضا کرلیتی ہیں مگر نمازوں کی قضا نہیں، اس لئے وہ دین میں مردوں کے برابر نہیں۔

فائدہ(۱): عورتیں جو زمانۂ حیض میں نماز روزہ نہیں رکھتیں ان کو نماز روزہ کا ثواب مل جاتا ہے، مگر وہ صرف اصلی ثواب ہوتا ہے اور جو بالفعل نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملتے ہیں، پس وہ صرف اصلی ثواب والے سے بڑھ جاتا ہے، جیسے تہجد گذار جب بڑھاپا یا بیماری کی وجہ سے تہجد نہ پڑھ سکے تو اس کے نامۂ اعمال میں تہجد کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے، مگر وہ اصلی ثواب ہوتا ہے، اور جو بالفعل تہجد پڑھتا ہے اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملتے ہیں، اس لئے یقیناً وہ ایک ثواب والے سے بڑھ جائے گا۔ مشہور حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے بغیر عذر کے رمضان کا روزہ کھالیا اگر وہ زمانہ بھر روزہ رکھے تو بھی اس ایک روزہ کے ثواب کو نہیں پاسکتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جو رمضان میں روزہ رکھے گا اس کو اصلی اور فضلی دونوں ثواب ملیں گے، اور بعد میں روزہ قضا کرنے والے کو روزہ کا ثواب تو مل جائے گا، اور ذمہ سے فرض ساقط ہوجائے گا، مگر وہ رمضان کے فضلی ثواب سے محروم رہے گا۔

فائدہ(۲): عورتوں کا ماحول ایسا ہے کہ ان کا حافظہ کمزور پڑجاتا ہے، صبح سے شام تک بچے دماغ چاٹتے رہتے ہیں، ساس سسر اور شوہر کی فکر سوار رہتی ہے، اس سے حافظہ پر اثر پڑتا ہے، اس لئے بابِ شہادت میں دوعورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام گردانا گیا ہے، کورٹ میں جب دو مرد گواہی دینے کے لئے کھڑے ہونگے تو آگے پیچھے گواہی دیں گے، ایک ساتھ کھڑے نہیں ہونگے، اور عورتیں ایک ساتھ کھڑی ہونگی، کیونکہ وہ دونوں ایک مرد کے قائم مقام ہیں، کتابوں میں یہ قصہ لکھا ہے کہ کسی قاضی نے عورتوں کی گواہی الگ الگ لینی چاہی تو عورتوں نے اعتراض کیا کہ ہم دونوں ساتھ کھڑی ہونگی، اور قرآن مجید کی آیت پڑھی: ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى﴾: چنانچہ قاضی کو ماننا پڑا۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ عورتوں کا حافظہ کمزور ہوجاتا ہے، اس لئے حدیث میں عقل سے حافظہ مراد ہے، تاریخ میں بہت سی عورتیں گذری ہیں جو بڑی فرزانہ اور زیرک تھیں، حکومتوں کی انھوں نے سربراہی کی ہے، اور آج بھی کررہی ہیں، کیونکہ

حافظہ کمزور کرنے والی باتیں ان کے ساتھ نہیں ہوتیں، مگر عام عورتوں کا حال ان سے مختلف ہے۔

فائدہ (۳): سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں عبادالرحمٰن کی ایک خاص شان یہ بیان ہوئی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴾: رحمان کے بندوں کو جب رحمان کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے، بلکہ ان کو سمجھتے ہیں، اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھتے ہیں۔ صحابہ کی یہی شان تھی، مردوں کی بھی اور عورتوں کی بھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو دین وعقل میں ناقص قرار دیا تو عورتوں نے فوراً سوال کیا، طلبہ کو بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو پوچھنا چاہئے۔

وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم. ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَابْنُ حُجْرٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ- وَهُوَ: ابْنُ جَعْفَرٍ- عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِيْ عَمْرٍو، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

قولہ: عن المَقْبُرِيِّ: سعید بن ابی سعید بھی مقبری کہلاتے ہیں اور ان کے والد ابوسعید بھی، یہاں باپ مراد ہے یا بیٹا؟ اس میں رواۃ کا اختلاف ہے، عمرو کے بعض تلامذہ ابوسعید کہتے ہیں اور بعض سعید۔ دارقطنی نے سعید کو ترجیح دی ہے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ دونوں ثقہ ہیں۔

## بَابُ بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلٰى مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ

## نماز چھوڑنے والے پر کفر کا اطلاق

نماز ایمان کی اہم نشانی اور اسلام کا خاص شعار ہے، اور اللہ کے حضور میں فدویت وبندگی اور محبت وشیفتگی کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے، اور قلب وروح کی تسکین کا بہترین ذریعہ ہے، اسی لئے ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور شریعت مصطفوی میں بھی نماز کے شرائط وارکان، سنن وآداب، اور مفسدات ومکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے کہ کسی دوسری طاعت وعبادت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی، اور اس کے تارک پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں، اور اس پر کفر تک کا اطلاق کیا گیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ: تَرْكُ الصَّلٰوةِ: کفر وایمان کے درمیان یعنی حد فاصل نماز چھوڑنا ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ: الصَّلٰوةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ: نماز ہی وہ عہد وپیمان ہے جو ہمارے اور ان (ایمان قبول کرنے والوں) کے درمیان ہے، پس

جس نے نماز چھوڑ دی اس نے دین کا (عملی طور پر) انکار کر دیا، یعنی جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اللہ سے اور اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا (ترمذی حدیث ۲۶۱۹) اور جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق عُقیلی صحابہ کرام کے بارے میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب: نماز کے علاوہ کسی بھی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے (ترمذی حدیث ۲۶۲۰) یعنی صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان واعمال مثلاً روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ اور اسی طرح اخلاق ومعاملات میں کوتاہی کرنے کو صرف گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور ملت اسلامیہ کا خاص شعار ہے اس لئے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور ملت اسلامیہ سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔

ان حدیثوں کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑنے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے، اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اس لئے اگر وہ اس حال میں مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، مگر یہ مذہب متروک ہے، سعودیہ میں بھی اس پر عمل نہیں۔

اور دوسرے اکثر ائمہ کے نزدیک ترک نماز اگرچہ کافرانہ عمل ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، مگر وہ صریح کفر نہیں، پس اگر کسی بدبخت نے غفلت سے نماز چھوڑ دی، اور اس نے دل سے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کیا، اور اس کے عقیدے میں کوئی انحراف بھی نہیں آیا تو اگرچہ وہ دنیا وآخرت میں سخت سزا کا مستحق ہے، لیکن اسلام سے اور ملتِ اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا، اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہونگے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں جو ترک نماز پر وعید آئی ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ کافرانہ عمل ہے، اور اس گناہ کی انتہائی شدت بیان کرنے کے لئے کفر کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، حقیقتاً وہ ایمان سے نکل کر کفر کے دائرے میں نہیں چلا جاتا۔

فائدہ: کتاب الایمان کی تمہید میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے حوالہ سے یہ بات گذری ہے کہ فقہاء (احناف) کا مقابلہ معتزلہ سے تھا اور محدثین کا مرجئہ سے، مرجئہ اعمال کو کچھ اہمیت نہیں دیتے تھے، ان کا نظریہ یہ تھا کہ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ تو مفید ہیں مگر اعمالِ سیئہ مضر نہیں۔ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ برابر مرجئہ کی تردید کرتے آرہے ہیں، وہ قارئین پر رنگ چڑھانے کے لئے ایک ہی بات بار بار نہج بدل کر کہہ رہے ہیں کہ یہ خیال کہ ایمان کے ساتھ معاصی مضر نہیں: باطل خیال ہے۔ احادیث شریفہ میں بعض اعمال کے ترک پر کفر کا اطلاق آیا ہے، پس ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں اور مثبت اور منفی ہر دو پہلو سے اعمال ضروری ہیں، اعمال کے بغیر ایمان کی مثال اس درخت کے تنے جیسی ہے جس پر کوئی شاخ ہو نہ پتہ، پھل ہو نہ پھول، ایسا درخت کس کام کا؟

آج دنیا میں اسّی فیصد مسلمان عملی طور پر مرجئہ ہیں، وہ اعمالِ صالحہ کو مفید سمجھتے ہیں، جب کوئی بڑا دن یا بڑی رات آتی ہے تو نوافل میں جُٹ جاتے ہیں، کیونکہ وہ اعمالِ صالحہ کو مفید سمجھتے ہیں، مگر جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، ڈاڑھی منڈواتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے، سود کھاتے ہیں، اور نہ جانیں کیا کیا برائیاں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں

معاصی مضر نہیں، اگر وہ گناہوں کو مضر سمجھتے تو ان کی زندگیوں کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔

## [۳۵- بَابُ بَيَانِ إِطْلَاقِ اسْمِ الْكُفْرِ عَلٰى مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ]

[۱۳۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِيْ. يَقُوْلُ: يَا وَيْلَه! وَفِىْ رِوَايَةِ أَبِىْ كُرَيْبٍ: يَا وَيْلِىْ! أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِىَ النَّارُ"

وَحَدَّثَنِىْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ:" فَعَصَيْتُ فَلِىَ النَّارُ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: جب ابن آدم آیت سجدہ تلاوت کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور یہ کہتا ہوا اس سے جدا ہوتا ہے کہ ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو وہ سجدہ کر کے جنت کا مستحق بن گیا، اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں سجدہ سے انکار کر کے دوزخی ہو گیا —— وکیع رحمہ اللہ سے بھی اسی سند کے ساتھ اسی طرح مروی ہے، سوائے اس کے کہ ان کی روایت میں أَبَيْتُ کی جگہ عَصَيْتُ ہے۔

قولہ: یا ویلی: وَيْلٌ بمعنی ہلاکت ہے، جو ہلاکت میں مبتلا ہو اس کے لئے یہ کلمہ بولتے ہیں، اور الف ندبہ کے لئے ہے —— قولہ: فَأَبَيْتُ: شیطان نے انکار بر بناء تکبر کیا تھا، اس لئے وہ راندۂ درگاہ ہوا اور کافر قرار پایا۔

سجدۂ تلاوت واجب ہے یا سنت؟ ائمہ ثلاثہ سنیت کے قائل ہیں اور احناف وجوب کے، اور وجوب پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے، مگر اس سے وجوب پر استدلال تام نہیں، اس لئے کہ شیطان کے سجدہ نہ کرنے کی نوعیت الگ ہے اور قاری کے سجدہ نہ کرنے کی نوعیت الگ ہے، شیطان کا سجدہ نہ کرنا بر بناء تکبر تھا جو کفر ہے، اور ظاہر ہے قاری کے سجدہ نہ کرنے کی یہ نوعیت نہیں، پس وجوب پر استدلال تام نہیں —— اور سجدۂ تلاوت کے واجب و سنت ہونے کے دلائل ہر فریق کے پاس اس سے الگ ہیں، تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں آئے گی، اور ہم نے یہ مسئلہ تفصیل سے تحفۃ الألمعی (۲:۴۵۳) میں لکھا ہے، آرزومند وہاں دیکھ لے۔

[۱۳۴-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ، كِلاَهُمَا عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِىْ سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلاَةِ"

حدثنا أَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِىْ أَبُوْ

الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ:" بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلاةِ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیشک آدمی کے درمیان اور کفر وشرک کے درمیان حدفاصل نماز چھوڑنا ہے ــــ اس حدیث کو حضرت جابرؓ سے ابوالزبیر نے بھی روایت کیا ہے [1]۔

تشریح:

۱- اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنا تو ایمانی عمل ہے اور نماز نہ پڑھنا آدمی اور کفر کے درمیان کی چیز ہے، جیسے آنے جانے والے دو راستوں کے درمیان حدِ فاصل (Divider) ہوتی ہے جو کسی راستہ کا جزء نہیں ہوتی، اسی طرح نماز چھوڑنا نہ ایمانی عمل ہے اور نہ صریح کفر وشرک ہے، بلکہ دونوں کے درمیان کا عمل ہے، پس بالقصد نماز نہ پڑھنے والے کو بھی کافر ومرتد نہیں کہیں گے۔

۲- تارک صلوٰۃ اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہے تو بالاتفاق کافر ہے، اور اگر فرضیت کا تو اعتقاد رکھتا ہے مگر سستی وکاہلی کی بناء پر نماز چھوڑتا ہے تو اس کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کو کافر قرار دیتے ہیں، اور باب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ ترکِ صلوٰۃ اگرچہ آخری درجہ کا گناہِ کبیرہ ہے، مگر اس کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اور اس پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں، مثلاً: ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عز وجل نے بندوں پر (ہر دن) پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ پر عہد ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریں گے، اور جو ان میں کوتاہی برتے گا تو اللہ تعالیٰ پر اس کے تعلق سے کوئی عہد نہیں، اگر چاہیں گے تو اسے معاف فرمادیں گے اور چاہیں گے تو عذاب دیں گے" (رواہ ابوداؤد حدیث نمبر ۱۴۲۰) اس میں صاف صراحت ہے کہ نماز کا تارک مؤمن ہی ہے، اور دیگر گنہ گاروں کی طرح اس کے ساتھ معاملہ ہوگا، معافی بھی مل سکتی ہے، اور سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں بھی جانا پڑسکتا ہے۔ اور دیگر گنہ گاروں کو اہل حق میں سے کوئی بشمول امام احمد رحمہ اللہ کافر نہیں کہتا، پس یہی حکم تارکِ صلوٰۃ کا بھی ہوگا۔

(۱) اس حدیث کو جابرؓ سے ابوسفیان نے بھی روایت کیا ہے، اور وہ حضرت جابر کے مضبوط راوی نہیں، انھوں نے حضرت جابرؓ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں اور وہ چاروں بخاری شریف میں ہیں، باقی روایتیں انھوں نے صحیفۂ جابر سے روایت کی ہیں (جو حضرت جابرؓ کے کسی گمنام شاگرد کا مرتب کیا ہوا ہے) اور ابوالزبیر: حضرت جابرؓ کے مضبوط راوی ہیں، اور وہ چار حدیثیں جو ابوسفیان نے حضرت جابرؓ سے سنی ہیں: بخاری میں کتاب مناقب الانصار (حدیث ۳۸۰۳) کتاب التفسیر (حدیث ۴۸۹۹) اور دو حدیثیں کتاب الاشربہ (حدیث ۵۶۰۵ و ۵۶۰۶) میں ہیں۔ ابن عیینہ اور شعبہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ باقی روایتیں ابوسفیان: صحیفۂ جابر سے روایت کرتے ہیں (تہذیب ۵:۲۷)

اور باب کی روایت کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں: مثلاً: (۱) یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو فرضیتِ صلوٰۃ کا منکر ہے، وہ بالاتفاق کافر ہے (۲) کَفَرَ سے فعلِ کفار مراد ہے، یعنی نماز چھوڑنا کافروں جیسا عمل (عملی دین کا انکار) ہے (۳) مآل کے اعتبار سے کفر سے تعبیر کیا ہے اس لئے کہ ترکِ صلوٰۃ پر مداومت سے کفر پر خاتمہ کا اندیشہ ہے (۴) فقد کَفَرَ: أی قریب من الکفر: یعنی تارکِ صلوٰۃ کفر کے بارڈر پر ہے (۵) کفر دون کفر مراد ہے (۶) ترکِ صلوٰۃ آخری درجہ کا گناہِ کبیرہ ہے اس لئے کفر کا اطلاق کیا، یعنی مجاز مراد ہے (۷) اور سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے، اس میں ناقص کو کالعدم فرض کر کے کلام کیا گیا ہے، زجر و توبیخ کے موقعہ پر ایسا کرتے ہیں، ان کے علاوہ حدیث کے اور بھی جواب دیئے گئے ہیں۔

## بَابُ بَيَانِ كَوْنِ الإِيْمَانِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى أَفْضَلَ الأَعْمَالِ

### سب سے افضل عمل اللہ پر ایمان لانا ہے

آنحضرت ﷺ نے اللہ عز و جل پر ایمان لانے کو سب سے افضل عمل قرار دیا ہے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو عقیدہ ہے، عمل کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان کی دو جہتیں ہیں: ایک جہت سے وہ امر باطنی (مخفی چیز) ہے یعنی تصدیق قلبی اور اعتقاد ہے، اور دوسری جہت سے امر ظاہر ہے، اعمالِ صالحہ ایمان پر متفرع ہوتے ہیں، یعنی اعمال: ایمان کا پیکر محسوس ہیں اس لئے اعمال بھی ایمان ہیں، اور اسی جہت سے ایمان پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے، نصوص میں ایمان واسلام ایک دوسرے کی جگہ مستعمل ہیں، یہاں اسی جہت سے ایمان کو افضلِ اعمال قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس باب کا مقصد کفریہ اعمال (اعمالِ سیئہ) میں تفاوت کا بیان ہے اور مفہومِ مخالف سے استدلال ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس طرح ایمانی اعمال میں فرق ہے، بعض اعمال کو بعض پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح کفریہ اعمال میں بھی یعنی اعمالِ سیئہ میں بھی فرق مراتب ہے، بعض کام ہلکے درجہ کے گناہ ہیں، اور بعض بھاری، جیسے اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے، پس اس کی ضد یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا سب سے بڑا گناہ ہے، آئندہ ابواب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

[۳۶- بَابُ بَيَانِ كَوْنِ الإِيْمَانِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى أَفْضَلَ الأَعْمَالِ]

[۱۳۵-] حدثنا مَنْصُوْرُ بْنُ أَبِيْ مُزَاحِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ. ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ- يَعْنِيْ: ابْنَ سَعْدٍ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: " الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: " حَجٌّ مَبْرُورٌ" وَفِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: " إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ"

وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے بہتر کونسا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل پر ایمان لانا، یعنی اقرار کرنا، پوچھا گیا: پھر کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: راہِ خدا میں لڑنا، پوچھا گیا: پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا: مقبول حج۔ اور محمد بن جعفر کی روایت میں ہے: اللہ ورسول پر ایمان لانا ہے یعنی رسول کا بھی ذکر ہے۔ اور معمر سے بھی اسی سند کے ساتھ اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: مذکورہ حدیث میں جو اللہ ورسول پر ایمان لانے کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنا مراد ہے، اور یہ زبان کا ایک عمل ہے، اور اس کو افضل عمل اس لئے کہا گیا ہے کہ دنیا میں اسی اقرار پر احکام جاری ہوتے ہیں۔ غرض حدیث میں تصدیق مراد نہیں بلکہ اقرار مراد ہے، اور جہاد اس لئے افضل عمل ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی اور شعائر دین کی خوب تشہیر ہوتی ہے، ظالموں کے ظلم سے معاشرہ پاک ہوتا ہے اور دین سربلند ہوتا ہے، اس لئے ایمان کے بعد جہاد کا مرتبہ ہے، پھر حج مبرور (مقبول) کا درجہ ہے۔

مَبْرُورٌ: بِرٌّ (نیکی) سے بنا ہے، اس کے معنی ہیں: مقبول، اور حج مقبول کی ایک ظاہری علامت ہے اور ایک باطنی، ظاہری علامت یہ ہے کہ حج مسائل کا لحاظ کر کے کیا گیا ہو، یعنی جو فرائض وواجبات، سنن ومستحبات ہیں ان پر پوری طرح عمل کیا ہو، اور جو ممنوعات ہیں ان سے بچا ہو۔ اور علماء نے اس کی باطنی علامت یہ لکھی ہے کہ حج کے بعد زندگی بدل جائے اگر پہلے ڈاڑھی منڈاتا تھا، کاروبار میں گھپلا کرتا تھا، گالی گلوچ کرتا تھا، تو حج کے بعد اس کی زندگی میں تبدیلی آئے اور وہ نیک صالح بن جائے اور اپنی بری زندگی کا ورق پلٹ دے۔

اور اگر پہلے وہ نیک تھا تو حج کے بعد اس کی نیکی میں اضافہ ہو جائے، اگر یہ علامت پائی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اسے حج مقبول نصیب ہوا، اور اگر حاجی کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، پہلے کی طرح شتر بے مہار رہا، گالی گلوچ کرتا پھرتا ہے، نماز سے غافل اور کاروبار میں مشغول رہتا ہے تو سمجھئے اس کا حج مقبول نہیں ہوا۔ اسے چاہئے کہ دوبارہ حج کرے اور زندگی سنوارے۔

[۱۳۶-] حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ،

عَنْ أَبِیْ مُرَاوِحٍ اللَّیْثِیِّ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَیُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "الْإِیْمَانُ بِاللّٰهِ، وَالْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِهٖ" قَالَ: قُلْتُ: أَیُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "أَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا، وَأَكْثَرُهَا ثَمَنًا" قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: "تُعِیْنُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ" قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ إِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ؟ قَالَ: "تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰی نَفْسِكَ"

وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ- قَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ حَبِیْبٍ مَوْلٰی عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ أَبِیْ مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم بِنَحْوِهٖ. غَیْرَ أَنَّهُ قَالَ: "فَتُعِیْنُ الضَّائِعَ أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ"

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ پرایمان لانا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا" انھوں نے پوچھا: کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جس سے مالکان کو تعلقِ خاطر زیادہ ہو اور جس کی قیمت بڑھی ہوئی ہو۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: اگر میں یہ کام یعنی غلام آزاد کرنے کا کام نہ کرسکوں؟ آپؐ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کریں یا کسی اناڑی (بے ہنر) کا کام کردیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں کچھ عمل سے عاجز رہ جاؤں یعنی اگر کوئی کام میرے بس میں نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا: لوگوں سے اپنی برائی روکو، یعنی کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ، اس لئے کہ یہ بھی صدقہ ہے، جس کو آپ اپنے نفس پر کرتے ہیں یعنی کارِثواب ہے۔

دوسری سند: یہ ابن شہاب کی روایت ہے جو ہشام کی روایت کے ہم معنی ہے، اور اس میں صانع (کاریگر) کے بجائے ضائع (ضاد معجمہ کے ساتھ) ہے، جس کے معنی ہیں مفلس ونادار، برباد ہوجانے والا۔

لغات: قوله: تُعِیْنُ صَانِعًا: اور ابن شہاب کی روایت میں ضائع (ضاد معجمہ اور ہمزہ کے ساتھ) ہے، صانع: (صاد مہملہ اور نون) کے معنی ہیں: کاریگر، جیسے بڑھئی، معمار اور درزی وغیرہ۔ اور ضائع (ضاد معجمہ) کے معنی ہیں: مفلس اور نادار، صحیح صانع (صاد مہملہ) ہے کیونکہ مقابلہ أخرق سے ہے۔ اخرق: بے ہنر کو کہتے ہیں، جو کوئی پیشہ نہ جانتا ہو، کہا جاتا ہے: رجلٌ أخرق اور إمرأة خرقاء: بے ہنر آدمی اور بے ہنر عورت اور مرد اچھا کاریگر ہو تو کہتے ہیں: رجلٌ صَنَع: اور عورت کے لئے کہتے ہیں: امرأة صَنَاع ...... الرِّقاب: رقبة کی جمع ہے: گردن، گدی، اور مجازی معنی ہیں: غلام...... الأنفس: اسم تفضیل، مرغوب اور قیمتی مال...... تَكُفُّ شَرَّكَ: اپنی برائی روکو، اس میں بھی ثواب ہے۔

تشریح: اسلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تعاونِ باہمی کی خوب ترغیب دی گئی ہے، حتی کہ کسی کے کام میں ہاتھ بٹانے کو اور کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے، جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اگر میں غلام آزاد نہ کرسکوں اور اس طرح کسی پر احسان نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ یعنی دوسرا کوئی طریقہ بتایئے کہ میں

احسان ومروت کے کام انجام دے سکوں؟ آپؐ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی اناڑی (بے ہنر) کا کام کر دو یعنی جو آدمی کام جانتا ہے مگر کام مشکل ہے: اس کا ہاتھ بٹاؤ، اور جو اناڑی ہے کام نہیں جانتا اس کا کام کر دو، راستہ میں گاڑی خراب ہوگئی، ڈرائیور ماہر ہے، اس نے جیک نکال کر ٹائر بدلنا شروع کیا، دوسرا شخص آیا اس نے گاڑی روکی اور اس کی مدد کی، یہ کاریگر کی مدد کرنا ہے، اور ایک ڈرائیور اناڑی ہے، ٹائر میں پنچر ہوگیا ہے، اب وہ مبہوت کھڑا ہے، دوسرا شخص آیا، اس نے گاڑی روکی، اور اس کا ٹائر بدل دیا، یہ اناڑی کا کام کر دینا ہے، اس طرح کے معمولی کام بھی شریعت مطہرہ کی نظر میں وقعت کے حامل ہیں اور ان کا بڑا اجر وثواب ہے، حتی کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچانا بھی صدقہ ہے، یعنی اگر کسی پر احسان نہ کر سکے تو کسی کو تکلیف بھی نہ پہنچائے اور نہ کسی کی ایذا رسانی کا سبب بنے تو اس کا بھی بڑا ثواب ہے۔

### غلامی کا مسئلہ:

جاننا چاہئے کہ جنگ کے نتیجہ میں قیدیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ اسلام نے شروع نہیں کیا، یہ سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا، اسلام نے کچھ مصلحتوں سے اس کو باقی رکھا ہے، اور اسلام کو اس پر اصرار نہیں۔ اسلام نے تو غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں تجویز کی ہیں، کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہونے پر غلام آزاد کرنے کا اور حصول جنت کے لئے غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے، اسلام سے پہلے اس کا تصور نہیں تھا، غلام تاحیات غلام رہتا تھا اور اس کا کوئی حق نہیں تھا، اور اس پر ہر ظلم روا تھا، اسلام نے غلاموں کے حقوق مقرر کئے، ان پر ظلم کو حرام وناجائز قرار دیا اور غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں تجویز کیں، بلکہ بعض کفارات میں غلام آزاد کرنے کو شرط قرار دیا، اور اس کی خوب ترغیب دی اور اس پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا۔

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جا سکتا ہے:

پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرین مصلحت ہو اس کو قتل کر دیا جائے، آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرین مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے، اس کو عربی میں مَنّ (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں، سورۂ محمد کی آیت ۴ میں اس کا ذکر ہے۔

تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے، یا جنگ کا ہرجانہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اس کو فداءٌ (معاوضہ لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں، سورۂ محمد کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا جائے، یہ مسئلہ کا آخری حل ہے، اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا، اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے، کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، قید میں رکھنا اور کھلانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہو سکتا ہے، اور مفت چھوڑ دینا وبال جان بن سکتا ہے، اور بلاوجہ قتل کرنا انسانیت کے

خلاف ہے۔اس لئے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے،دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔
اورغلامی کو باقی رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب قیدی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچیں گے اور اسلامی تہذیب کو قریب سے دیکھیں گے تو ان کی غلط فہمی دور ہوگی،اور وہ برضاء ورغبت اسلام قبول کرلیں گے،اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے۔

[۱۳۷-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْعَيْزَارِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِيَاسٍ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:" الصَّلاَةُ لِوَقْتِهَا" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:"بِرُّ الْوَالِدَيْنِ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:" الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" فَمَا تَرَكْتُ أَسْتَزِيْدُهُ إِلَّا إِرْعَاءً عَلَيْهِ.

[۱۳۸-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ يَعْفُوْرٍ، عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْعَيْزَارِ، عَنْ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَيُّ الأَعْمَالِ أَقْرَبُ إِلَى الْجَنَّةِ؟ قَالَ:" الصَّلاَةُ عَلٰى مَوَاقِيْتِهَا" قُلْتُ: وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ: "بِرُّ الْوَالِدَيْنِ" قُلْتُ: وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ:" الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

[۱۳۹-] وحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ الْعَيْزَارِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ - وَأَشَارَ إِلٰى دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ- قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ:" الصَّلاَةُ عَلٰى وَقْتِهَا" قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:" ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ" قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:" ثُمَّ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" قَالَ: حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ، وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِيْ.

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَزَادَ: وَأَشَارَ إِلٰى دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ، وَمَا سَمَّاهُ لَنَا.

[۱۴۰-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أَفْضَلُ الأَعْمَالِ - أَوِ الْعَمَلِ - الصَّلاَةُ لِوَقْتِهَا، وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ"

ترجمہ:ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:میں نے نبی ﷺ سے پوچھا:کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا:"نمازوں کو ان کے وقتوں میں پڑھنا"میں نے پوچھا:پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا:"ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

کرنا" میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا: راہِ خدا میں جہاد کرنا (ابن مسعود کہتے ہیں) پس میں نے اور زیادہ پوچھنے کو نہیں چھوڑا مگر آپؐ پر مہربانی کرتے ہوئے، یعنی مزید اس لئے نہیں پوچھا کہ آپؐ تنگ دل ہونگے۔

تشریح:

۱-حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو سوال کیا ہے وہ سوال اور بھی صحابہ نے کیا ہے اور آپؐ نے سائل کے احوال کی رعایت سے اور موقع کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں (اس کی تفصیل پیچھے (باب ۱۴ میں) گذر چکی ہے) اور اس حدیث میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ سوال کی ایک حد ہونی چاہئے، زیادہ سوال کئے جائیں گے تو استاذ کو ناگواری ہوسکتی ہے، ایسا طالب علم 'جھکی' کہلاتا ہے۔

۲-شریعت مطہرہ نے جن اعمال کو محبوبیت کا درجہ دیا ہے ان میں پہلا نمبر نماز کا ہے، مگر یہ درجہ اسی نماز کو حاصل ہے جو بروقت یعنی مستحب وقت میں ادا کی گئی ہو، قضاء کرکے یا مکروہ وقت میں نماز پڑھی جائے تو وہ نماز محبوب نہیں —— جاننا چاہئے کہ حدیث میں لوقتھا ہے لأول وقتھا نہیں، مطلقاً اول وقت کی فضیلت میں کوئی صریح اور صحیح حدیث نہیں، اور ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ نماز کا اول وقت اللہ کی خوشنودی کا وقت ہے اور آخر وقت اللہ کے درگذر کا وقت ہے (حدیث نمبر ۱۶۸) یہ حدیث یعقوب بن الولید کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک تو موضوع ہے، اور اس کے علاوہ کوئی صریح حدیث ہمارے علم میں نہیں۔

ملحوظہ: نماز کے اول وقت کی فضیلت بغیر کسی دلیل کے مسلّم ہے، مگر اول وقت کی فضیلت ثانی وقت کی طرف منتقل ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے مقلدین اس کو تسلیم نہیں کرتے (گو کہ ائمہ ثلاثہ فی الجملہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں) اور احناف حق مصلیان، حق صلوٰۃ اور حق وقت کی وجہ سے ثانی وقت کی فضیلت کے قائل ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے اول وقت کی فضیلت پر استدلال کیا ہے، مگر وہ استدلال تام نہیں، حدیث کا مطلب بس اتنا ہے کہ نمازوں کو صحیح وقت میں پڑھو، قضا مت کرو، اول وقت میں پڑھنے کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں، تفصیل تحفۃ الألمعی میں کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہے۔

۳-آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اعمال میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے، پہلا محبوب عمل بروقت نمازوں کی ادائیگی ہے، اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ ہے، اس لئے کہ انسان کو وجود حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے مگر والدین سبب ظاہری ہیں، اس لئے قرآنِ کریم میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم توحید کے ساتھ اس طرح ملا کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے، سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) میں ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾: اور آپؐ کے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور سورۂ لقمان

کے دوسرے رکوع میں حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحتیں ہیں، انھوں نے سب سے پہلی نصیحت یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، پھر اللہ تعالیٰ نے کلام روک کر فرمایا: ﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی (کہ ان کی اطاعت وخدمت کرے، پھر آگے آیت میں یہ مضمون ہے کہ ماں باپ اگر غیر مسلم ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے) غرض قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، اور احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے[1]۔

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعمال کے بارے میں پوچھا تھا اور ایمان باللہ عقیدہ ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ـــــ البِرُّ: مصدر ہے، اور مختلف استعمالات میں اس کے مختلف معانی ہیں، مگر اس کے عام معنی: نیکی کے ہیں، خواہ کوئی سی نیکی ہو، پس یہ ایک جامع لفظ ہے، جس میں والدین کے سارے حقوق داخل ہیں۔

سند کا بیان: یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے سعد بن ایاس نے روایت کی ہے، جن کی کنیت ابوعمرو اور نسبت شیبانی ہے، پھر ان سے ولید بن العیزار نے اور ان سے ابواسحاق سلیمان بن فیروز کوفی المعروف شیبانی، ابویعفور، شعبہ اور حسن بن عبیداللہ نے روایت کی ہے، سب کی روایتوں کا مضمون ایک ہے، بس کچھ الفاظ مختلف ہیں۔

## بَابُ كَوْنِ الشِّرْكِ أَقْبَحَ الذُّنُوبِ، وَبَيَانِ أَعْظَمِهَا بَعْدَهُ

### شرک بدترین گناہ ہے اور شرک کے بعد کے بڑے گناہ

شرک بدترین اور قبیح ترین گناہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کی بقاء کا سامان کیا، اس کو پروان چڑھایا، عقل وشعور کی دولت سے نوازا، ہر قسم کے آرام وراحت سے سرفراز کیا، مال ودولت، اہل وعیال اور بے شمار وبے پایاں نعمتوں سے نوازا، پھر بھی بندہ اللہ عزوجل کی وحدانیت تسلیم کرنے کے بجائے کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے اور ہمسر گردانے، بھلا اس سے بڑھ کر ظلم، ناشکری، احسان فراموشی اور سرکشی کیا ہوگی؟ اس لئے شرک بدترین اور قبیح ترین گناہ ہے، اس کے برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں، باقی سب گناہ اس سے کمتر ہیں، اور مشرک کی مغفرت بھی نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس سے بڑا کوئی مجرم نہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲ کے آخر میں ہے: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾:

(۱) والدین کے ساتھ نیک سلوک کی شکلیں یہ ہیں: (۱) ان کی زندگی میں جان ومال سے ان کی خدمت کرنا، اور ہمیشہ ان کو خوش رکھنا (۲) دل سے والدین کی تعظیم کرنا اور ان سے محبت رکھنا (۳) والدین کی وفات کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہنا (۴) والدین کے کئے ہوئے عہد وپیمان کو جہاں تک ممکن ہو پورا کرنا (۵) والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔ غرض والدین کی حیات میں، ان کی وفات کے بعد اور ان کے دوست احباب اور اعزہ اقارب کے ساتھ ہر ممکن خیر خواہی کرنا ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

پس مت بناؤتم اللہ تعالیٰ کا ہمسر، درانحالیکہ تم جانتے ہو، یہ آیت اور اس سے پہلی آیت (آیت ۲۱) کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو پیدا کیا، اور تمہاری ضروریات اور کل منافع کو بنایا، پھر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے نہ ضرر، جیسے بت، کس قدر حماقت و جہالت ہے۔ اور سورۃ الفرقان (آیت ۶۸) میں تین گناہوں کا تذکرہ ہے: ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے، اور جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، مگر حق کی وجہ سے اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا'' یہ تین گناہ ترتیب وار ہیں، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو باب میں ہے واضح ہوتا ہے۔

ملحوظہ: شرک و کفر کی چار قسمیں ہیں: کفرِ انکار، کفرِ جحود، کفرِ عناد اور کفرِ نفاق، اس کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ توحید کے چار درجے ہیں: توحیدِ ذات، توحیدِ خلق، توحیدِ تدبیر (توحیدِ ربوبیت) اور توحیدِ الوہیت۔ تفصیل باب ۱۰ میں آچکی ہے، اور کچھ بیان باب ۳۴ میں بھی آیا ہے۔

## [۳۷-بَابُ كَوْنِ الشِّرْكِ أَقْبَحَ الذُّنُوْبِ، وَبَيَانِ أَعْظَمِهَا بَعْدَهُ]

[۱۴۱-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، وَقَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ: " أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ" قَالَ: قُلْتُ لَهُ: إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيْمٌ! قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: " ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ" قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: " ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ"

[۱۴۲-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، جَمِيْعًا عَنْ جَرِيْرٍ، قَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ: "أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ" قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: " أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ" قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: "أَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ" فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِيْقَهَا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ، وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا: اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: (سب سے بڑا گناہ) یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے ہمسر بناؤ، درانحالیکہ انھوں نے تم کو پیدا کیا ہے، یعنی خالق بس

اللہ تعالیٰ ہیں کوئی دوسرا خالق نہیں، نہ ہوسکتا ہے، پھر کوئی اللہ تعالیٰ کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بیشک یہ بڑا بھاری گناہ ہے! (اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہوسکتا) پھر انھوں نے پوچھا: اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اور (اس کے بعد) یہ گناہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو مار ڈالو، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، ابن مسعودؓ نے پوچھا: پھر کونسا گناہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: (اس کے بعد) یہ گناہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

دوسری حدیث: اعمش نے بھی ابووائل سے اسی سند سے حدیث روایت کی ہے، جس سند سے منصور نے روایت کی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ مذکورہ تین کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کے بعد نبی ﷺ نے سورۃ الفرقان کی آیت ۶۸ تلاوت فرمائی۔ اس میں یہی تین گناہ اسی ترتیب سے مذکور ہیں، یعنی ترتیب آپؐ نے اس آیت سے اخذ فرمائی ہے (آیت کا ترجمہ اوپر آچکا) ـــــ نِدٌّ: کی جمع أنداد ہے، جس کے معنی ہیں: ہم پلّہ، ہم رتبہ، ہم سر، مثل، نظیر اور مانند ـــــ الحلیلة: بیوی، الحلیل: (۱) شوہر (۲) گھر میں ایک ساتھ رہنے والے۔

تشریح: اس حدیث میں تین گناہوں کا تذکرہ ہے:

سب سے بڑا گناہ: جو کسی حال میں معاف نہیں کیا جائے گا: شرک ہے، شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں برابر مانا جائے، جیسے مشرکین بتوں کو ذات میں اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۶۵) میں ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾: بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنایا؟ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کی طرح، چنانچہ وہ ان کی پوجا کرتے ہیں، اور کچھ جاہل مسلمان نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں صفت علم میں، وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جمیع ما کان وما یکون کو جانتے ہیں، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا ہے، یہ شرک ہے۔

دوسرے درجہ کا گناہ: روزی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا ہے، یعنی یہ خیال کرنا کہ اولاد ہوگی تو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس لئے پیدا ہونے کے بعد اولاد کو مار ڈالنا، یا جان پڑنے کے بعد یا پہلے حمل گرا دینا، یا شدید مجبوری کے بغیر عمل جراحی کرانا کبیرہ گناہ ہیں ـــــ اور "روزی کے ڈر سے": یہ بطور مثال ایک سبب کا بیان ہے کسی اور سبب سے مثلاً زنا کا حمل ہے، پس بدنامی کے ڈر سے حمل گرانا یا پیدا ہونے کے بعد بچہ کو مار ڈالنا بھی اسی حکم میں ہے۔

تیسرے درجہ کا کبیرہ گناہ: اپنے پڑوسی کی بیوی سے ناجائز تعلق قائم کرنا ہے، یہ زنا کے علاوہ پڑوسی کے حقوق کی پامالی بھی ہے، اس لئے یہ عام زنا سے بھاری گناہ ہے۔

فائدہ: آیت میں قتل وزنا مطلق ہیں اور حدیث شریف میں مقید، اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ بچوں کا قتل اور پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا: بدرجۂ اولیٰ قبیح ہیں، کیونکہ یہ پڑوسی کے حقوق کی پامالی اور حد درجہ شقاوتِ قلبی کی نشانی ہے۔

# بَابُ بَيَانِ الْكَبَائِرِ وَأَكْبَرِهَا

## بڑے گناہ اور سب سے بڑے گناہ کا بیان

تمام گناہ ایک درجہ کے نہیں، ان میں تفاوت ہے، جیسے سب اچھے اعمال ایک درجہ کے نہیں، ان میں بھی تفاوت ہے، اور باب کی حدیثوں میں چند انتہائی سنگین اور ہلاک کرنے والے گناہوں کا تذکرہ ہے، ان کو پڑھیے، ان سے بچئے اور ارکانِ اربعہ کی پابندی کیجئے، کامیابی وکامرانی قدم چومے گی اور جنت میں دخولِ اولی نصیب ہوگا۔

فوائد:

۱- گناہ کی دو قسمیں ہیں: صغائر اور کبائر۔ صغائر: حسنات سے معاف ہوجاتے ہیں ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾: اور کبائر کے لئے سچی توبہ ضروری ہے، اور سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں: اول: وہ گناہ چھوڑ دے۔ دوم: اس گناہ پر پشیمان ہو، اس پر دل روئے۔ سوم: آئندہ دوبارہ یہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو، اور اگر گناہ حقوق العباد کے قبیل سے ہے تو جس کی حق تلفی کی ہے اس سے معافی بھی مانگے، اور کچھ غصب کیا ہے تو اسے واپس لوٹائے۔

اور توبہ قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی، قولی توبہ تو ظاہر ہے اور فعلی توبہ یہ ہے کہ زندگی کا ورق پلٹ دے، ڈاڑھی منڈواتا تھا تو منڈوانا چھوڑ دے، کاروبار میں گھپلے کرتا تھا تو وہ چھوڑ دے، نماز میں غفلت برتتا تھا تو نماز کا پابند ہوجائے، اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو تو یہ فعلی توبہ ہے، یہ بھی کافی ہے، قولی توبہ ضروری نہیں (اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے، کسی کا حق مارا ہے تو صاحبِ حق سے معافی مانگے، صرف ندامت یعنی فعلی توبہ کافی نہیں، اسی طرح جو نماز اور روزے ذمہ میں باقی ہیں ان کی قضاء بھی ضروری ہے)

۲- صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تعیین وتعریف میں علماء کی مختلف رائیں ہیں:

(۱) بعض کہتے ہیں کہ جو گناہ بے خوف اور بے باک ہوکر کیا جائے وہ کبیرہ ہے اور خوف وندامت ہو تو صغیرہ ہے، اس معنی کر ہر گناہ کبھی کبیرہ ہوگا اور کبھی صغیرہ۔

(۲) بعض نے کبائر کی تعیین کی ہے، پھر ان میں سے بعض سات گناہ کو کبیرہ قرار دیتے ہیں، بعض دس کو اور بعض سترہ کو (وہ کبائر باب کی حدیثوں میں مذکور ہیں)

(۳) اور بعض علماء کہتے ہیں کہ نصوص میں جن گناہوں کے صغیرہ یا کبیرہ ہونے کی صراحت ہے وہ کبیرہ اور صغیرہ ہیں اور جن گناہوں کے بارے میں سکوت ہے اگر ان کی زیادہ مشابہت کبائر سے ہے تو کبیرہ ہیں اور صغائر سے زیادہ مشابہت ہے تو صغیرہ ہیں۔

(۴) بعض کے نزدیک جن گناہوں پر کسی بھی قسم کی وعید وارد ہوئی ہے وہ کبیرہ ہیں، باقی صغائر۔

(۵)بعض کہتے ہیں کہ اگر گناہ پر اصرار ہے تو کبیرہ ہے خواہ معمولی گناہ کیوں نہ ہو اور اصرار نہیں تو صغیرہ ہے (یہ ان گناہوں کے علاوہ کے لئے ہے جن کے کبیرہ ہونے کی صراحت ہے۔

(۶)اور ایک رائے یہ ہے کہ ہر گناہ اوپر والے گناہ کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور نیچے والے گناہ کی بہ نسبت کبیرہ ہے، پس تنہا شرک باللہ پوری طرح کبیرہ ہے، کیونکہ اس سے اوپر کوئی گناہ نہیں، اس کے علاوہ ہر گناہ من وجہ صغیرہ اور من وجہ کبیرہ ہے۔

(۷)اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن جرموں کا تعلق بندوں سے ہے وہ کبائر ہیں اور جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہ صغائر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل بے نیاز ہستی ہیں اور مغفرت وبخشش ان کی دربار کی خاص شان ہے۔ حضرت سفیانؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے حقوق میں کوتاہی بھاری ہے بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی کے، اس لئے کہ اللہ عزوجل کے حق میں جو کوتاہی سرزد ہوجاتی ہے وہ توبہ، استغفار اور شفاعت کے ذریعہ معاف ہوجائے گی، اور بندوں کی حق تلفی کی ہے تو اختیار بندوں کو ہوگا، اور بندوں کا احتیاج خاص طور پر قیامت کے دن ظاہر ہے۔ (فتح الملہم)

فائدہ: معجم طبرانی میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے گناہ تین قسم کے ہونگے: ایک: جس کی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ شرک ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ دوم: جس کو چھوڑا نہیں جائے گا، اور وہ حقوق العباد ہیں۔ سوم: جس کی اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہ ہوگی، اور وہ حقوق اللہ ہیں ﴿وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (فائدہ ختم ہوا)

غرض: ہر گناہ مہلک ہے، اس سے ایمانی نور جاتا ہے اور بندہ اللہ عزوجل کے دربار کا مجرم قرار پاتا ہے، اس لئے ہر گناہ سے خاص طور پر ان گناہوں سے جن کا باب میں تذکرہ ہے، جن پر وعید وارد ہوئی ہے: ان سے بچنا چاہئے، اور بندوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، ان میں کوتاہی بہت زیادہ ہلاک کرنے والی ہے۔

۳-گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) مَعْصِيَةٌ (نافرمانی) اس کے مقابل طَاعَةٌ (فرمان برداری) ہے (۲) سَيِّئَةٌ: (برائی) اس کے مقابل حَسَنَةٌ (نیکی) ہے (۳) خَطِيْئَةٌ (غلطی) اس کے مقابل صَوَابٌ (درستگی) ہے (۴) ذنوب (عیوب) اس کے مقابل کچھ نہیں (۱)۔

اور علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ نصوص میں جو لفظ آیا ہے وہ اور اس کے نیچے والے گناہ معاف ہونگے، اس سے اوپر والے گناہ معاف نہیں ہونگے، جیسے وضوء کی فضیلت میں خطایا آیا ہے، پس وضوء سے وہ اور اس کے نیچے والے گناہ ذنوب معاف ہونگے، اس سے اوپر کے درجہ کے گناہ سیئہ اور معصیت معاف نہیں ہونگے، اسی طرح ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾: یہاں لفظ سیئات آیا ہے، پس حسنات سے سیئات اور اس سے نیچے

(۱) یاد رکھنا چاہئے کہ اس ترتیب میں نزول ہے، یعنی سب سے اوپر درجہ کا گناہ معصیت ہے، پھر سیئہ ہے، پھر خطیئہ ہے اور سب سے ہلکا گناہ ذنب ہے۔

کے گناہ یعنی خطایا اور ذنوب معاف ہونگے، اس سے اوپر کا گناہ یعنی معاصی معاف نہیں ہونگے۔

اور کبیرہ گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک توبہ نہ کرے، اس پر امت کا اجماع ہے، اور توبہ قولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی، جیسا کہ اوپر عرض کیا۔

## [۳۸- بَابُ بَيَانِ الْكَبَائِرِ وَأَكْبَرِهَا]

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ، قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ - ثَلَاثًا: - الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ - أَوْ: قَوْلُ الزُّورِ" وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ!

ترجمہ: حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے، آپؐ نے فرمایا: کیا میں تم سے بہت بڑے کبیرہ گناہ بیان نہ کروں؟ —— تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا —— وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا —— یا فرمایا —— جھوٹ بولنا ہے (راوی کو شک ہے) (حضرت ابوبکرۃؓ فرماتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، آپ سیدھے بیٹھ گئے پس آپؐ بار بار یہ بات فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپؐ خاموش ہوجائیں!

تشریح: اس حدیث میں کبیرہ گناہوں میں سے تین بڑے گناہ کا تذکرہ ہے:

پہلا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک گرداننا: اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں، اور اس گناہ کی معافی بھی نہیں، ارشادِ پاک ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾: اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کریں گے، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے، گذشتہ باب میں اس کا بیان گذر چکا۔

دوسرا: والدین کی نافرمانی کرنا: عقوق (بضم العین) مصدر ہے، عَقَّ أباه: نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت انجام نہ دینا، والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے، اور اس کی سزا دنیا ہی میں ملتی ہے، حضورِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں مگر والدین کے ساتھ بدسلوکی مستثنیٰ ہے، اس گناہ کی سزا مرنے سے پہلے دنیا ہی میں دی جاتی ہے" (مشکوٰۃ حدیث ۴۹۴۵) پس اگر کوئی شخص زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ والدین کے لئے دعائیں کرے، ایصالِ ثواب کرے، ان کی قبروں پر جائے، اور ان کے لئے استغفار کرے، حدیث شریف میں ہے: جس شخص کے ماں باپ کا: دونوں کا یا ان میں

سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے اور وہ زندگی میں ان کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہو، مگر وفات کے بعد برابر ان کے لئے دعائیں کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حسن سلوک کرنے والا قرار دیدیتے ہیں (مشکوۃ حدیث ۴۹۴۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے تو اس کی بخشش کردی جاتی ہے، اور وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵:۵۸)

عجیب بات: والدین کے ساتھ زندگی بھر حسن سلوک کرنے والا ان کے مرنے کے بعد بدسلوکی کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور زندگی بھر بدسلوکی کرنے والا ان کے مرنے کے بعد حسن سلوک کرنے والا بن جاتا ہے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جس شخص نے زندگی میں والدین کے ساتھ بدسلوکی کی ہو، پھر وفات کے بعد ان کا قرضہ ادا کرے، ان کے لئے استغفار کرے، اور ان کو گالیاں نہ دلوائے تو وہ حسن سلوک کرنے والا قرار دیا جاتا ہے، اور جو زندگی میں تو حسن سلوک کرتا رہا، مگر ان کی وفات کے بعد ان کا قرض ادا نہ کرے، نہ ان کے لئے استغفار کرے، اور دوسروں سے ان کو گالیاں دلوائے تو وہ بدسلوکی کرنے والا لکھ دیا جاتا ہے (روح المعانی ۱۵:۵۸) اس میں خوشخبری ہے بدسلوکی کرنے والوں کے لئے اور ڈرنے کا مقام ہے حسن سلوک کرنے والوں کے لئے (ہدایت القرآن ۵:۵۹)

تیسرا گناہ: جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات بولنا: ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، اول خاص ہے، اور دوم عام، کیونکہ جھوٹی بات گواہی بھی ہوسکتی ہے اور دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں —— جب حضور اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، آپؐ سیدھے بیٹھ گئے اور یہ ارشاد فرمایا۔ یہ بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا، جس طرح بات کو بار بار دہرانا تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا، کیونکہ لوگ پہلے دو گناہوں کو تو گناہ سمجھتے ہیں، مگر جھوٹی گواہی دینے کو اور جھوٹ بولنے کو لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں، اس لئے معاملہ کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے آپؐ نے سیدھے بیٹھ کر یہ بات فرمائی اور بار بار فرمائی۔

اور صحابہ کا تمنا کرنا کہ کاش آپؐ خاموش ہوجائیں: اس وجہ سے تھا کہ جب مجلس میں کوئی بڑا آدمی کسی بات پر نکیر کرتا ہے تو حاضرین خود کو اس کا مخاطب سمجھتے ہیں، اور ڈانٹ ایک حد تک برداشت ہوتی ہے، پھر بھاری معلوم ہونے لگتی ہے، طلبہ کے ساتھ معاملات میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہے، میں بھی طالب علم رہا ہوں، اگر استاذ کسی بات پر ڈانٹتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو طلبہ کو وہ ڈانٹ بھاری معلوم ہونے لگتی ہے، اور وہ یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش اب حضرت بس کریں۔

دوسری وجہ شارحین کرام نے یہ لکھی ہے کہ یہ تمنا انتہائی عشق ومحبت کی وجہ سے تھی، صحابہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ بار بار سمجھانے کی زحمت اٹھائیں، وہ بات سمجھ گئے تھے اس لئے انھوں نے خاموش ہونے کی تمنا کی۔

کذب وزور میں فرق: سادہ جھوٹ کذب ہے، اور خلاف واقعہ بات کو مزین کرکے پیش کرنے کا نام زور ہے، یعنی اگر بات سو فیصد خلاف واقعہ ہو تو وہ کذب ہے، اور اس سے زیادہ ہو تو وہ زور ہے، مثلاً: جھوٹی بات قسم کھا کر بیان کی، یا

جھوٹ بولنے کے ساتھ جھوٹا بل بھی پیش کردیا، یا کسی اور طرح سے جھوٹ کو مؤکد کیا تو یہ زور ہے —— سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں، فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ﴾: وہ لوگ ملمع کی ہوئی باتوں میں شامل نہیں ہوتے، یعنی جھوٹ بولنا اللہ کے خاص بندوں کا شیوہ نہیں، اور اگر ایسی جھوٹی گواہی کورٹ میں دی جائے تو اس کا وبال نہایت خطرناک ہے۔

[۱۴۴-] وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - وَهُوَ: ابْنُ الْحَارِثِ - قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْكَبَائِرِ قَالَ: "الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ"

وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيْدِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْكَبَائِرَ - أَوْ: سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ - فَقَالَ:" الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ" وَقَالَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" قَالَ:" قَوْلُ الزُّوْرِ - أَوْ قَالَ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ" قَالَ شُعْبَةُ: وَأَكْبَرُ ظَنِّيْ أَنَّهُ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ.

وضاحت: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کو شعبہ رحمہ اللہ نے عبید اللہ بن ابی بکر کے واسطہ سے روایت کیا ہے، اور شعبہؒ سے خالد بن الحارث اور محمد بن جعفر روایت کرتے ہیں، اس میں چار بڑے گناہ کا ذکر ہے۔ اور چوتھا گناہ: کسی کو ناحق قتل کرنا۔ ہے، یہ انتہائی سنگین جرم ہے، کسی ایک بے گناہ کو قتل کرنا سارے انسانوں کے قتل کے برابر ہے۔ سورۃ المائدہ (آیت ۳۲) میں ارشادِ پاک ہے: ”جس نے بلاوجہ کسی ایک انسان کو قتل کیا گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کردیا۔ اور جس نے کسی ایک کو بچالیا تو گویا اس نے سب کو بچالیا“ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ناحق خون سے دوسرے دلیر ہوجاتے ہیں، اور بدامنی کی جڑ قائم ہوجاتی ہے، اور جو کسی بے گناہ کو بچاتا ہے تو وہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اسی طرح بچاؤ۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ پوری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل سے ہلکی ہے“ یعنی مسلمان کا قتل بڑا بھاری گناہ ہے، اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں (ترمذی حدیث ۱۴۷۹) اور اس سے زیادہ سخت وعید سورۂ نساء (آیت ۹۳) میں ہے۔ ارشادِ پاک ہے: ”جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے: اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہونگے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کردیں گے اور اس کو بڑا سخت عذاب دیں گے“ —— اس ارشاد سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمداً کسی مؤمن کو قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی، اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک قتل عمد بھی دیگر کبائر کی طرح ہے جو سچی توبہ سے معاف ہوسکتا ہے، ان کی دلیل سورۃ النساء کی آیات ۴۸ و ۱۱۶ ہیں۔ ان آیات

پاک میں یہ مضمون ہے کہ شرک تو نا قابل معافی جرم ہے مگر اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں: اللہ تعالیٰ جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے۔اور عمداً قتل مؤمن شرک کے علاوہ گناہ ہے، پس وہ قابل معافی ہے،اور دوسری دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے (جو آگے کتاب التوبہ میں آئے گی) اس میں ایک اسرائیلی کا قصہ ہے، جس نے سو قتل کئے تھے، پھر اس کو ندامت ہوئی اور اس نے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

اور مذکورہ آیت میں جو وعید ہے وہ زجر و توبیخ پر محمول ہے،اور خلود سے: مدت دراز تک جہنم میں رہنا مراد ہے، یا خلود اس کے لئے ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتا ہے،اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک بھی قاتل کی توبہ مقبول تھی مگر وہ مصلحتاً اس میں سختی کرتے تھے۔ درمنثور (۱۹۸:۲) میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے۔راوی کہتے ہیں: پھر آپ کے پاس ایک شخص آیا اور دریافت کیا: کیا اس شخص کے لئے جو کسی مؤمن کو قتل کرے توبہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا: نہیں، مگر دوزخ! جب وہ چلا گیا تو حاضرین نے عرض کیا: آپ ہمیں تو یہ فتوی نہیں دیا کرتے تھے؟ آپ تو ہمیں یہ فتوی دیا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے، پھر آج کیا بات ہوئی؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ یہ شخص کسی پر غضبناک ہے، وہ کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے'' چنانچہ تحقیق حال کے لئے اس کے پیچھے آدمی بھیجا گیا، پس ایسا ہی نکلا۔معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے یہ فتوی مصلحتاً دیا تھا، ورنہ ان کے نزدیک قتلِ مؤمن کا گناہ سچی توبہ سے معاف ہوسکتا تھا۔

**قوله: ألا أنبئكم:** یعنی شرک باللہ، والدین کی نافرمانی اور قتل ناحق کو کبیرہ گناہ قرار دیا،اور جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں سے بڑا یعنی بہت بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا۔ یہ بھی اس کی سنگینی ظاہر کرنے کے لئے ہے جس طرح بار بار دوہرانا اور سیدھا ہو کر بیٹھنا تاکید کے لئے تھا۔

**قوله: وأكبر ظنّي:** شعبہ (راوی) کہتے ہیں: میرا ظن غالب یہ ہے کہ جھوٹی گواہی فرمایا ہے۔

[۱۴۵-] حَدَّثَنِي هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدِ الْأَيْلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " اجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ" قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: " الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور جادو (کرنا یا کرانا) اور ایسے نفس کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق اسلام کی وجہ سے، اور یتیم کا مال کھانا، اور سود کھانا اور مڈ بھیڑ کے دن پیٹھ

پھیرنا، اور ایمان دار بے خبر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

لغت: الموبقات: موبقة کی جمع ہے، أَوْبَقَ کے معنی ہیں: تباہ کرنا، ہلاک کرنا۔

تشریح: اس حدیث میں ایسے سات گناہوں کا ذکر ہے جو دنیا وآخرت دونوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہیں، ان میں سے دو کا: شرک باللہ اور قتل ناحق کا ذکر پہلے آچکا ہے، بقیہ کی ضروری تفصیل عرض ہے:

قوله: السِّحْر: جادو منتر: جھاڑ پھونک کی ضد ہے، الفاظ کا اچھا اثر رقیہ کہلاتا ہے اور برا اثر سحر، قرآن وحدیث اور تجربہ سے دونوں کا پکا ثبوت ہے، بعض لوگ نہ رقیہ کو مانتے ہیں نہ سحر کو، دعا تعویذ کو مولویوں کا ڈھکوسلا اور جادو کو عوام کی خام خیالی سمجھتے ہیں، جبکہ متعدد آیات واحادیث سے سحر کا ثبوت ملتا ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲، سورۂ طٰہٰ کی آیات ٦٦ و ٦٩ اور سورۃ الانبیاء کی آیت ۳ ثبوتِ سحر میں صریح ہیں، نیز باب کی حدیث اور لبید بن الاعصم کا نبی ﷺ پر جادو کرنے کا واقعہ بھی اس کے ثبوت پر پختہ دلیل ہیں۔ مذکورہ آیات کا ترجمہ وتفسیر اور واقعہ کی تفصیل تحفۃ القاری (۱۰: ۵۳۴) میں ملاحظہ کریں۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ سحر کی تمام قسمیں ناجائز وحرام اور کفر نہیں، بلکہ بعض مباح ہیں، جب بخت نصر بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے بابل لے گیا تو ان کو غلام باندی بنا کر قوم میں تقسیم کر دیا تھا، ان کے آقا ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے، ہر وقت کام میں مشغول رکھتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں کو اتارا، جو گھر گھر جا کر ہر یہودی کو ایک افسوں (جادو) سکھلاتے تھے، مگر پہلے تنبیہ کر دیتے تھے کہ ہم تیرے ہاتھ میں دو دھاری تلوار دے رہے ہیں، تو اس افسوں کو غیر محل میں استعمال کر کے کافر نہ بن جانا، یہ واقعہ سورۃ البقرۃ کی (آیت ۱۰۲) میں ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر جادو کفر نہیں، اگر سحر میں کفریہ اقوال وافعال کا ارتکاب کرنا پڑے یا کفریہ عقیدہ اختیار کرنا پڑے تو کفر ہے، اور کسی حرام وگناہ کے کام کا ارتکاب کرنا پڑے تو ایسا سحر معصیت کے قبیل سے ہوگا، اور اگر سحر میں نہ کسی کے لئے ضرر ہو، نہ کفر ومعصیت کا ارتکاب ہو، نہ نجاست کی پلیدگی ہو اور نہ مفضي الی المعصیت ہو تو وہ سحر فی نفسہ مباح ہوگا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن القول بأنه كفرٌ على الإطلاق خطأٌ، ويجب البحث عن حقيقته، فإن كان في ذلك رد مالزم في شرط الإيمان فهو كفر وإلا فلا (شامی ٦: ۳۸۳ کتاب الجہاد باب المرتد)

معجزہ اور سحر میں فرق: معجزہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اور اس میں نبی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں معجزہ ظاہر فرماتے ہیں، اور سحر علوم وفنون کے قبیل سے ہے، اس کا ظہور اسباب کے تحت ہوتا ہے، جو بھی ان اسباب کو اختیار کرے گا اس پر وہ ثمرہ مرتب ہوگا[1]۔

---

(۱) جاننا چاہئے کہ معجزہ اور کرامت میں مابہ الامتیاز دعوی ہے، اگر کسی کے ہاتھ پر خرق عادت بات ظاہر ہو اور نبوت کا دعوی بھی ہو تو معجزہ ہے، اور دعوی نبوت نہ ہو تو کرامت ہے، اور غیر صالح کے ہاتھ پر ایسی کوئی بات ظاہر ہو تو وہ استدراج ہے۔

**قولہ: إلا بالحق:** یعنی اگر بندہ ایسا جرم کرے جس کی سزا اللہ تعالیٰ کے قانون میں جان لینا ہو تو حکم خداوندی کے مطابق اس کو سزادی جائے گی، یہ قتل نفس حرام اور مہلک نہیں۔

**قولہ: أکل مال الیتیم:** یتیم کا مال کھانا سخت دلی کی علامت اور کھلا ظلم ہے، ایسے نامراد کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ سورۃ النساء (آیت ۱۰) میں ہے بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے برتتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں (جہنم کی) آگ ہی بھر رہے ہیں، اور عنقریب وہ دہکتی آگ میں داخل ہونگے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جس طرح یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے اسی طرح کسی کو کھلانا یا دینا بطور خیر خیرات ہی کے کیوں نہ ہو حرام ہے، اور ہر نابالغ کا حکم یہی ہے، گو یتیم نہ ہو (انتہی)

جناب رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج میں کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ جیسے تھے، ان کے منہ میں جہنم کے فرشتے دوزخ کے انگارے اور پتھر ڈال رہے تھے، آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں (رواہ ابن جریر عن ابی سعید الخدری) اور نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) کچھ ایسے لوگ بھی قبروں سے اٹھائیں گے جن کے منہ انگارے بنے ہوئے ہونگے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون ہونگے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ: بیشک جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے ہی بھرتے ہیں (رواہ ابن حبان عن ابی ہریرۃ) غرض: اولیاء یتیموں کے مال میں گڑبڑی کرتے ہیں اور وہ مجبور ولاچار بول نہیں سکتے، اس لئے خبردار کردیا گیا کہ یتیم کا مال کھانا اپنے پیٹ میں انگارے بھرنا ہے، کم بھرلو یا زیادہ (العیاذ باللہ)

**قولہ: أکل الربا:** سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں سود خوری کو بھی شمار کیا ہے، سود خوری، ظلم وزیادتی اور ناچار و بے بس کا خون چوسنے کا دوسرا نام ہے، قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ میں اس کے دوررس نقصانات کے باعث سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے سود خوروں پر لعنت فرمائی ہے، اور سود خوروں کے ساتھ سود دینے، سودی دستاویز لکھنے اور سودی معاملے میں گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے جو ازروئے قرآن مجید حرام ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۲) حدیث شریف میں ہے کہ سود کا ایک درہم جان بوجھ کر کھانے کا وبال چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے (رواہ أحمد والدار قطنی عن عبد اللہ بن حنظلہ) اور حضور پاک ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بدن کا جو حصہ سود سے پلا ہو اس کے لئے دوزخ ہی مناسب ہے (رواہ البیهقی عن ابن عباس) اور یہ بھی ارشاد ہے کہ سود کھانا ستر گناہوں کے برابر ہے، جن میں سب سے آسان یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے (رواہ ابن ماجه والبیهقی عن أبی هریرة) اور قرآنِ کریم میں سود خوروں کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾(البقرۃ آیت ۲۷۵)''جولوگ سود کھاتے ہیں، وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے، جس کو شیطان اپنے اثر سے خبطی بنا دیتا ہے'' یہ سود خور کے لئے وہ سزا ہے، جو اس کو دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی، اس دنیا میں سود خور کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو کر ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ ہدایت کی راہ پر چل نہیں سکتا۔ اور آخرت میں قبر سے اس طرح اٹھے گا جیسے کوئی مرگی کا مریض اٹھا کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا ـــــ سود خور اللہ کے نزدیک کتنا بڑا مجرم ہے، اس کا اندازہ اگلی آیات سے ہو سکتا ہے۔ سود ترک نہ کرنے والوں سے اللہ اور اس کے رسول نے اعلانِ جنگ فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات ۲۷۸ و ۲۷۹ میں ارشادِ پاک ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی مؤمن ہو، اگر تم نے یہ نہ کیا تو خدا اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کا اعلان سنو ـــــ سود کھانے اور سود کو حلال سمجھنے کا انجام تو کفر اور دوزخ ہے، لیکن سود سے توبہ کرنے کے بعد مقروض یا کسی سودی معاملہ سے سود لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود کو خدا اور اس کے رسول کے سامنے لڑائی کے لئے لے آیا ہے، ایک مسلمان جب تک مسلمان ہے کیا وہ خدا اور اس کے رسول سے بھی جنگ کرے گا؟! (العیاذ باللہ)

غرض: سود کی قباحت وشناعت سب سے زیادہ ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کسی بستی میں سود خوری پھیل جاتی ہے تو وہاں کے باشندے خدائی عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں (رواه الحاكم عن ابن عباس) اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جن لوگوں میں سود خوری پھیلے گی قحط میں مبتلا ہونگے، اور جن لوگوں میں رشوت خوری پھیلے گی ان میں خوف وہراس اور بزدلی نمایاں ہوگی (رواه أحمد) (ہدایت القرآن ۱: ۲۹ و ۳۰)

**قوله: والتولي يوم الزَّحْفِ:** الزَّحْفُ کے معنی ہیں: بڑا لشکر جو دشمن کی طرف جائے، جمع: زحوف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب جنگ درپیش ہو تو میدان میں ثابت قدم رہ کر اور ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرو، میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام اور رسوائی وذلت کا باعث ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا دین اسی وقت سر بلند ہوگا جب مسلمانوں میں ثابت قدمی کا جوہر موجود ہو، وہ صبر وہمت کے ساتھ جنگ کی سختیاں جھیلیں اگر یہ عادت پڑ جائے کہ لوگ خطرہ کی بو محسوس کرتے ہی بھاگ کھڑے ہوں تو مقصد فوت ہو جائے گا، بلکہ نوبت کبھی رسوائی تک پہنچ جائے گی۔ اس لئے جب کافروں سے دوبدو مقابلہ ہو تو بھاگنا حرام ہے۔ علاوہ ازیں: مقابلے سے بھاگنا نامردی اور کمزوری کی علامت ہے جو بدترین اخلاق میں سے ہے، اور اس سے دوسروں کی ہمت بھی پست ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس بری عادت سے پاک ہونا چاہئے۔

**قوله: وقذف المحصنات:** پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا بھی تباہ کن اور کبیرہ گناہ ہے، یہ آدمی کی گندی ذہنیت کی عکاسی ہے، سورۃ النور (آیت ۴) میں ارشادِ پاک ہے: جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو، اور وہی لوگ دینداری کے دائرہ سے نکلنے والے ہیں، مگر جو توبہ کرلیں تہمت لگانے کے بعد، اور اپنی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے رحمت فرمانے والے ہیں ـــــ

اس آیت میں حدّ قذف کا بیان ہے۔

اورسورۃ النور ہی کی آیت ۲۳ میں ہے: ''جولوگ پاک دامن، گناہ سے بے خبر، ایمان دار عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں ان پر دنیا وآخرت میں پھٹکار ہے، اوران کے لئے بڑا عذاب ہے'' —— اس میں قذف کی سنگینی کا بیان ہے۔

اور جو حکم عورتوں پر تہمت لگانے کا ہے وہی حکم مردوں پر تہمت لگانے کا ہے، آیتِ کریمہ میں خاص شانِ نزول کی بناپر یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی بناپر تہمتِ زنا اوراس کی سزا کا ذکراس طرح کیا گیا ہے کہ تہمت لگانے والے مرد ہوں اور جس پر تہمت لگائی گئی ہو وہ پاک دامن عورت ہو، مگر حکم اشتراک علت کی بناپر عام ہے، عورت: عورت پر یا مرد پر، اسی طرح مرد: مرد پر یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر شرعی ثبوت (چار گواہ) پیش نہ کرسکے تو اس پر حدقذف جاری ہوگی، اور حکم کا یہ عموم اجماعِ امت سے ثابت ہے، جو قطعی دلیل ہے —— حدقذف کے مسائل واحکام اور حکمت کا تفصیلی بیان رحمۃ اللہ الواسعہ (۵: ۳۱۱) میں ہے۔

[۱۴۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم قَالَ:'' مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ'' قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ:'' نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ''

وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى، وَابْنُ بَشَّارٍ، جَمِيْعًا، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ. ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، كِلاَهُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے پس دوسرا اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے پس وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (اس طرح آدمی سبب بن جاتا ہے، اور اپنے والدین کو گالیاں دلواتا ہے، پس یہ بھی خود اس کا اپنے والدین کو گالیاں دینا ہے)

دوسری سند: شعبہ اور سفیان نے بھی (ابن الہاد کی طرح) اسی سند سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔

تشریح: صحابہ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی اپنے ماں باپ کو گالیاں دے، اس لئے صحابہ نے حیرت سے سوال کیا، مگر آئندہ زمانہ میں یہ واقعہ بننے والا تھا، اور معلوم نہیں کیسے کیسے فواحش وجود میں آنے والے تھے، اس کا صحابہ کو ادراک نہیں تھا، اس لئے آپؐ نے جواب کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا کہ کسی کام کا سبب بننا بھی اس کام کو کرنے کی طرح ہے، پس جو شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے پھر وہ جوابا اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو وہ تسبب کی وجہ سے گویا خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے۔

غرض یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ ارشاد! ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں'' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا تو موت کے بعد ہوگا، اور موت ہر شخص کو ناپسند ہے، پس جواب میں نبی ﷺ نے ایک خاص حالت کا ذکر کیا کہ جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے سامنے آتے ہیں اور وہ جنت کی خوشخبری سناتے ہیں تو مؤمن مرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے، اور وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں (تفصیل تحفۃ الالمعی ۳: ۴۷۸ کتاب الجنائز میں ہے)

اسی طرح یہاں بھی یہ بات صحابہ کے لئے ناقابل فہم تھی کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالیاں دے یا مارے پیٹے، مگر آئندہ یہ بات واقعہ بننے والی تھی، مگر ابھی اس کا فہم وادراک مشکل تھا اس لئے آپ ؐ نے ایک ایسی حالت ذکر کی جس سے بات واضح ہوگئی، اور وہ حالت سبب بن کر ماں باپ کو گالیاں دلوانا ہے، اور اس کا تحقق اس زمانہ میں بھی تھا اس لئے بات صحابہ کی سمجھ میں آگئی، ورنہ آپ ؐ کی مراد حقیقتاً گالیاں دینا تھا، جس کو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اولاد نہ صرف والدین کو گالیاں دیتی ہے بلکہ مارتی پیٹتی بھی ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائیں (آمین)

## بَابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ

## تکبر کی حرمت اور اس کی وضاحت

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خلاقِ حسنہ میں سے ہے جس کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے، اور اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کے برعکس غرور وتکبر کی شدت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے، اور اس پر بڑی وعیدیں سنائی ہیں، کیونکہ تواضع بندہ کے شایانِ شان ہے، اور تکبر وکبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، بندہ کو بڑائی زیب نہیں دیتی، جب انسان بندہ ہے تو بندہ کا کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے نیازمندی ٹپکے، وہ خاکساری اور تواضع کا پتلا بنا رہے، اور بڑائی اور گھمنڈ چونکہ بندگی کے منافی ہے اس لئے بندہ کے حق میں یہ بُری صفت ہے۔

عظمت وکبریائی اللہ عزوجل ہی کے شایانِ شان ہے، اس لئے کہ ان کا ہر کمال ذاتی اور واقعی ہے، اور انسانوں میں جتنے کمالات اور خوبیاں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں، بذاتِ خود وہ عاجز اور ناقص ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کو نظر انداز کر کے خود اپنے اندر کمال کا احساس رکھتا ہے تو خدائی صفت میں منازعت کرتا ہے، اور ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بڑائی میری چادر ہے، اور عظمت میری لنگی ہے، جو ان کو

چھیننے کی کوشش کرے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا'' (یہ حدیث آگے آرہی ہے) غرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کو بڑائی اور عظمت زیب نہیں دیتی اور متکبر کی مثال اس غلام کی سی ہے جو شاہی تاج سر پر سجا کر تخت سلطنت پر متمکن ہو جائے، ظاہر ہے اس کا یہ گناہ کسی صورت میں معافی کے قابل نہیں، یہی حال عظمت و کبریائی جو اللہ عزوجل کی خاص صفت ہے اس میں منازعت کرنے والے کا ہے، اور آتش دوزخ اس کے لئے زیادہ سزاوار ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تکبر کی دو صورتیں ہیں: ایک: اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تکبر کرنا، اس کا نام استکبار ہے۔ دوسری: بندوں کے تعلق سے تکبر کرنا ـــــ اللہ تعالیٰ کے سامنے گھمنڈ کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات نہ مانے اور حق کا انکار کرے، اور بندوں کے سامنے گھمنڈ یہ ہے کہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھے اور دوسروں کو ذلیل جانے، حالانکہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور سب یکساں ہیں، لوگوں میں معزز وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزت دیں اور ذلیل وخوار وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ رسوا کریں۔

جاننا چاہئے کہ دو چیزوں کے ڈانڈے (سرحدیں) ملے ہوئے ہیں: ایک: خودداری، دوسری: گھمنڈ، خوداری کے معنی ہیں: غیرت مندی، یعنی کسی کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرنا، اور گھمنڈ کے معنی ہیں: خود کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، اور دونوں کے درمیان ما بہ الامتیاز یہ بات ہے کہ اگر دوسروں کو حقیر و ذلیل جانتا ہے تو وہ غرور ہے، اور نہیں جانتا تو وہ خودداری ہے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ پر کچھ لوگوں نے تکبر کا الزام لگایا تو حضرت نے ان کو جواب دیا: میں گدھے کی سواری کرتا ہوں، گلیم خر اوڑھتا ہوں، اور بکری کا دودھ دوہتا ہوں، اور مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو یہ کام کرے اس میں ذرہ بھر بھی تکبر نہیں ہوسکتا (ترمذی شریف حدیث ۱۹۹۸) یعنی حضرت جبیرؓ میں خودداری تھی، لوگ اس کو غرور سمجھتے تھے، جبکہ حضرت جبیرؓ میں یہ بات نہیں تھی، وہ بوقت ضرورت گدھے پر بھی بیٹھ جاتے تھے (آج کی اصطلاح میں: بوقت ضرورت سائیکل پر بھی بیٹھ جاتے تھے) چھوٹی چادر بھی اوڑھ لیتے تھے اور بکری بھی دوہ لیتے تھے اور یہ کام کرنے والا متکبر نہیں ہوسکتا، ہاں خوددار ہوسکتا ہے جس کو لوگ غلط فہمی سے متکبر سمجھتے ہیں۔

خلاصہ کلام: صرف اپنے کمال کو پیش نظر رکھنا دوسرے پر برتری کا لحاظ کئے بغیر اس کا نام تکبر نہیں ہے بلکہ یہ عجب (خود پسندی) ہے اور تکبر یہ ہے کہ کمال وخوبی میں اپنے کو برتر جانے اور دوسرے کو حقیر جانے، اور جس قدر اپنے اندر فوقیت وبرتری کا تصور ہوگا اسی قدر دوسرے کو حقیر و ذلیل جانے گا۔ اور متکبر تواضع پر قادر نہیں ہوتا، ہمیشہ سچ بولنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا، حسد وکینہ اور بغض ونفرت اس کی فطرت بن جاتی ہے، وہ کسی کا خیر خواہ نہیں ہوگا، کوئی بھلی بات اور نصیحت قبول نہیں کرے گا، لوگوں کی غیبتیں کرے گا اور ان کو حقیر جانے گا۔ غرض اخلاق حسنہ سے دور جا پڑے گا، پس جہنم ہی اس کے لئے سزاوار ہے۔

## [٣٩- بَابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ]

[١٤٧-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ، جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَمَّادٍ، قَالَ ابْنُ مَثَنَّى: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلَبَ، عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْفُقَيْمِيِّ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ " قَالَ رَجُلٌ: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً. قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ"

[١٤٨-] حدثنا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ، كِلاَهُمَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ، قَالَ مِنْجَابٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاَ يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ، وَلاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءَ"

[١٤٩-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبَانِ بْنِ تَغْلِبَ، عَنْ فُضَيْلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرّہ بھر تکبر ہے" ایک شخص نے عرض کیا: ایک شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے چپل اچھے ہوں (پس کیا یہ چیزیں بھی تکبر ہیں؟) آپؐ نے فرمایا: یہ جمال ہے، اللہ تعالیٰ جمال کو پسند کرتے ہیں، تکبر: حق کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث ابراہیم نخعی نے علقمہ کے واسطہ سے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، پھر ابراہیم سے فضیل بن عمرو اور اعمش نے روایت کی، اور اعمش کی حدیث کے راوی منجاب بن الحارث اور سوید بن سعید ہیں، اور فضیل کی حدیث کے راوی محمد بن المثنی، محمد بن بشار اور ابراہیم بن دینار ہیں، یہ سب حضرات یحیٰی بن حماد کے واسطہ سے شعبہ سے روایت کرتے ہیں اور محمد بن بشار نے ابوداود کے واسطہ سے بھی شعبہ سے روایت کی ہے (یہ آخری حدیث ہے) اور اعمش کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ: "وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر تکبر ہے"

تشریح:

۱- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت سے دور کرنے والے اور جہنم میں پہنچانے والے اسباب میں قوی ترین سبب غرور وتکبر ہے، جس طرح جہنم سے دور کرنے والے اور جنت میں پہنچانے والے اسباب میں سب سے قوی سبب ایمان

ہے، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ غرض اس حدیث میں جنت وجہنم میں جانے نہ جانے کے اعتبار سے تکبر اور ایمان میں مقابلہ ڈالا گیا ہے جس سے کبر کا نہایت برا ہونا خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔

۲- آنحضور ﷺ نے تکبر اور نفاست کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ نفیس چیزوں کو پسند کرنا اچھے ذوق کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں اور موزوں چیزوں کو پسند فرماتے ہیں" ——— بعض لوگ بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت زیادہ قیمتی لباس پہنتے ہیں، اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں، یہ ممنوع ہے، اور بعض کنجوسی کی وجہ سے یا گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود پھٹے حال میں رہتے ہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں، جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرَى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ: اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔ غرض نفیس چیزوں کو پسند کرنا اور موزوں بن کر رہنا تکبر نہیں، بلکہ تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کے سامنے اکڑے اور لوگوں کو ذلیل سمجھے۔

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ سادگی اور خستہ حالی ایمان کا شعبہ ہے، اور یہاں یہ ہے کہ نعمت کا اثر دکھنا چاہئے، اور نفیس چیزوں کو پسند کرنا چاہئے، اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں، یہ تو تعارض ہے؟

جواب: کوئی تعارض نہیں، دونوں حدیثوں کا مصداق الگ الگ ہے، جو لوگ اللہ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود کنجوسی سے یا طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے پھٹے حال میں رہتے ہیں ان کے لئے فرمایا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کے رہن سہن اور اس کے لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے اور جن حدیثوں میں سادگی کی تعلیم دی گئی ہے اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، وہ آدمی کی قدر وقیمت کا معیار اور پیمانہ اس کو سمجھتے ہیں، ان سے کہا گیا ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا: ایمان کی ایک شان ہے، اور یہی اصلاح وتربیت کا طریقہ ہے، جو لوگ افراط اور غلو میں مبتلا ہیں ان سے ان کے حال کے مطابق کلام کیا جائے، اور جو تفریط کا شکار ہیں ان سے ان کے حسب حال کلام کیا جائے۔

۳- حسن وجمال میں فرق ہے، ذاتی موزونیت کا نام جمال ہے، اسی وجہ سے چند کلمات خاص ترتیب کے ساتھ جمع ہوجاتے ہیں تو ان کو جملہ کہتے ہیں، اسی طرح آدمی کی ہر چیز سلیقہ سے ہو: اس کا نام جمال ہے، اللہ تعالیٰ جمیل ہیں وہ جمال کو پسند کرتے ہیں۔

اور حسن عارضی صفت ہے، دوسرا شخص یہ صفت اوڑھاتا ہے۔ کہتے ہیں: اِسْتَحْسَنَهُ: اس نے اس کو اچھا سمجھا، اسی لئے ایک ہی چیز ایک شخص کے نزدیک خوبصورت ہوتی ہے اور دوسرے کے نزدیک اس میں کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی، پس حُسن وہ وصفت ہے جو دوسرے کی نظر دیتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ جمیل تو ہیں حسین نہیں۔

لغات: بَطِرَ (س) بَطَرًا: اترانا، زیادتی نعمت کی وجہ سے آپے سے باہر ہوجانا، بَطِرَ الحقَّ: تکبر کی وجہ سے حق قبول نہ کرنا، بَطِرَ الشيئَ: ناپسند کرنا درانحالیکہ وہ شئ ناپسندیدگی کے قابل نہ ہو ـــــ غَمطَه (ض،س) غمطًا کے معنی ہیں: حقیر سمجھنا، کوئی حیثیت نہ دینا، یہی معنی غَمَصَه (ض،س) غمصًا کے ہیں، اور حدیث میں یہ لفظ بھی آیا ہے۔ غرض لوگوں کو حقیر وذلیل جاننا لوگوں کے تعلق سے تکبر ہے اور اللہ پر ایمان نہ لانا اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو اور اس کے احکام کو قبول نہ کرنا: اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تکبر ہے۔

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَأَنَّ مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا دَخَلَ النَّارَ

## جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا: وہ جنت میں جائے گا، اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا: وہ جہنم میں جائے گا

پہلے یہ بات بتلائی ہے کہ یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے، اور اصل اور ابدی مستقر جنت اور جہنم ہیں، اور ان کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے ایمان وکفر کی بنیاد پر کی ہے، اعمال کی بنیاد پر نہیں کی، اس لئے کہ ایمان وکفر مستقل رہنے والی حقیقتیں ہیں، اور اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، لہٰذا جو توحید کے اقرار واعتراف کے ساتھ دنیا سے گیا اس کا ابدی ٹھکانہ جنت ہے، اور جس نے کفر وشرک کیا اور اسی پر مرا اس کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور یہ بات بھی بتلائی تھی کہ کفار کی سیئات ان کے کفر کے تابع کردی جائیں گی، اور ان کی حسنات کفر کے تابع نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، پس ان کو ان کے اچھے اعمال کا پھل دنیا ہی میں کھلا دیا جاتا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔ اور مؤمنین کے حسنات ایمان کے تابع کردی جائیں گی، اور ان کی سیئات ایمان کے تابع نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، پس رحمتِ خداوندی جس کے شاملِ حال ہوگی اس کی سیئات معاف کردی جائیں گی، ورنہ سیئات کی سزا پانے کے لئے مؤمن کو بھی جہنم میں جانا پڑسکتا ہے، پھر سزایابی کے بعد وہ جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا۔

## [۴۰- بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَأَنَّ مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا دَخَلَ النَّارَ]

[۱۵۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ وَوَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ – قَالَ وَكِيْعٌ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ

اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ" وَقُلْتُ أَنَا: وَمَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا'' اور میں کہتا ہوں کہ: ''اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا وہ جنت میں جائے گا''

وضاحت: پہلے یہ بات بیان کی ہے کہ نصوص میں بعض مرتبہ آدھا مضمون بیان کیا جاتا ہے اور باقی آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے آدھا مضمون بیان کیا اور دوسرا آدھا حضرت ابن مسعودؓ نے بیان کیا، اور یہ مفہوم مخالف سے استدلال نہیں، بلکہ یہ آدھی بات فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دی گئی ہے۔

ملحوظہ: سب حدیثوں کی شرح ایک ساتھ آخر میں آئے گی۔

[۱۵۱-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا الْمُوْجِبَتَانِ؟ فَقَالَ: " مَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ"

[۱۵۲-] وَحَدَّثَنِيْ أَبُوْ أَيُّوْبَ الْغَيْلاَنِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالاَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ حَدَّثَنَا قُرَّةُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ"

قَالَ أَبُوْ أَيُّوْبَ: قَالَ أَبُوْ الزُّبَيْرِ: عَنْ جَابِرٍ.

وَحَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ - وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ - قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دو واجب کرنے والی باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس کی اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراتا تھا تو وہ دوزخ میں جائے گا''

قوله: قال أبو أيوب: حضرت جابرؓ سے ابوسفیانؒ نے بھی روایت کی ہے اور ابوالزبیر نے بھی، اور ابوالزبیر کی روایت

کے راوی ابوایوب غیلانی اور سلیمان بن عبید اللہ ہیں۔ ابوایوب کا بیان ہے کہ ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔ اور سلیمان نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ عنعنہ بھی جمہور محدثین کے نزدیک اتصال پر محمول ہے، اور اسحاق بن منصور نے بھی بصیغہ عن روایت کی ہے۔

[١٥٣-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ مُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السلام، فَبَشَّرَنِيْ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِکَ لَا يُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ"

[١٥٤-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنِيْ حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، أَنَّ يَحْيَى بْنَ يَعْمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيْلِيَّ حَدَّثَهُ، أَنَّ أَبَا ذَرٍّ حَدَّثَهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ نَائِمٌ، عَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ. فَقَالَ: " مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِکَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ" قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: " وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ" قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: " وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ" ثَلَاثًا. ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ: " عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِيْ ذَرٍّ" قَالَ: فَخَرَجَ أَبُوْ ذَرٍّ وَهُوَ يَقُوْلُ: وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِيْ ذَرٍّ.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے، پس انھوں نے مجھے خوشخبری سنائی کہ آپؐ کی امت میں سے جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں جائے گا" نبی ﷺ نے پوچھا: اگرچہ اس نے زنا کیا ہو؟ اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو (پھر بھی جنت میں جائے گا) —— یہ حدیث مختصر ہے، حضرت ابوذر کی آئندہ حدیث مفصل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا درانحالیکہ آپؐ سو رہے تھے (اور) آپؐ کے بدن مبارک پر سفید کپڑا تھا، میں (کچھ وقت گذار کر دوبارہ) آپؐ کے پاس آیا تو بھی آپؐ سو رہے تھے، میں (تھوڑی دیر بعد تیسری مرتبہ) آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ بیدار ہو چکے تھے، میں آپؐ کے پاس بیٹھ گیا، آپؐ نے فرمایا: جس بندہ نے لا إله إلا الله کہا پھر وہ اس پر مرا تو وہ جنت میں جائے گا، میں نے عرض کیا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: اگرچہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، تین مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے استعجاب سے یہی دریافت کیا، آپؐ نے ہر بار یہی

جواب دیا۔ چوتھی بار جب حضرت ابوذرؓ نے یہی بات تعجب سے عرض کی تو آپ ؐ نے فرمایا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، اگر چہ اس نے چوری کی ہو، ابوذر کی ناگواری کے باوجود۔ یعنی اگر چہ ان کا جنت میں جانا ابوذر کو ناگوار ہو، راوی کہتے ہیں: پس ابو ذر آپ ؐ کے پاس سے نکلے درانحالیکہ وہ کہہ رہے تھے: اگر چہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو، پھر جب ابوذرؓ یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے: اگر چہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔

تشریح: ان تمام روایات کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ایمان واسلام کی دعوت قبول کی اور توحید ورسالت کی شہادت دی اور اسی پر اس کی موت آئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نجات کا حتمی وعدہ ہے، اور اگر وہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کرتا رہا اور کبائر سے بچتا رہا تو وہ نجاتِ اولی کا حق دار ہوگا۔ اور اگر بہ تقاضائے بشریت اعمال میں کوتاہیاں کرتا رہا یا کبائر کا ارتکاب کیا تو دو صورتیں ہونگی: اگر مغفرتِ خداوندی اس کے شامل حال ہوجائے گی تو وہ بھی بغیر عذاب کے جنت میں جائے گا اور اگر اس کا نصیب ایسا نہیں تو وہ کوتاہیوں اور گناہوں کی پاداش میں جہنم میں داخل کیا جائے گا، اور سزا پانے کے بعد جنت میں پہنچایا جائے گا، تا ابد وہ دوزخ میں نہیں رہے گا، جہنم کی ابدی سزا کفار ہی کے لئے ہے، مؤمن کے لئے اگر چہ اس نے کبائر کا ارتکاب کیا ہو جہنم کی ابدی سزا نہیں۔

ان روایات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ توحید ورسالت کا اقرار کرنے کے بعد آدمی خواہ کیسا ہی بدعقیدہ اور بدعمل رہا ہو، بہر حال وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہوگا، دوزخ کی آگ اس کو چھوئے گی نہیں، ایسا سمجھنا ان بشارتی ارشادات کا صحیح مفہوم ومدعا سمجھنے سے محرومی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان روایات کا یہی مطلب ہے جو اوپر بیان کیا گیا تو پھر یہ تعبیرات کہ: ''اس کو دوزخ پر حرام کردیں گے'' اور ''وہ ضرورت جنت میں جائے گا'' اور ''اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے خواہ اس نے کچھ بھی عمل کیا ہو'' اور ''اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کردیتے ہیں'' اور ''توحید خالص دخولِ جنت کو واجب کرنے والی ہے'' یہ تعبیرات کیوں اختیار کی گئی ہیں؟ اس صورت میں تو صاف اور سیدھا انداز بیان ہونا چاہئے تھا کہ: ''ایمان کی بہ دولت مؤمن کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور جائے گا'' یہ تعبیرات تو ذہن کو اس طرف لے جاتی ہیں کہ ایمان کے ساتھ عملی کوتاہیاں اور کبائر کا ارتکاب کچھ مضر نہیں، جیسا کہ مرجئہ فرقہ کہتا ہے۔

جواب: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اس کا جواب حجۃ اللہ البالغہ میں یہ دیا ہے کہ کلام کو اس انداز پر چلانے میں نکتہ یہ ہے کہ ان تعبیرات سے مؤمن کو بشارت سنانے کے ساتھ، کفر وشرک کی سنگینی بھی ظاہر کرنی ہے، یعنی یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ کفر وشرک کی بہ نسبت کبائر بے حیثیت ہیں، گویا وہ گناہ ہی نہیں، اس لئے مؤمن ضرور جنت میں جائے گا، خواہ اس نے کچھ بھی عمل کیا ہو، ہاں البتہ کفر وشرک کی معافی کا کوئی سوال نہیں، کیونکہ وہ نہایت سنگین گناہ ہے، جیسے بغاوت: حکومت کے نزدیک نہایت سخت گناہ ہے اس کی معافی کا کوئی سوال نہیں، اور بغاوت کی بہ نسبت

دیگر اخلاقی اور عملی جرائم معمولی گناہ ہیں، اس لئے مجرم کو بغیر سزا کے بھی چھوڑا جا سکتا ہے، اور سزا دی جائے تو بھی وہ دیر سویر جیل سے نکل آتا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: گناہ کے مراتب میں واضح تفاوت ہے، اگر چہ سب گناہ: گناہ ہیں مگر تمام گناہ ایک درجہ کے نہیں، مثلاً کبائر کا کفر سے موازنہ کیا جائے تو ان کی کوئی محسوس حیثیت نہیں ہوگی، وہ پہاڑ کے سامنے رائی کا دانہ نظر آئیں گے، اور ان میں دخولِ نار کی سببیت کی شان بہت ہی مضمحل نظر آئے گی، یہی حال صغائر کا ہے جب ان کا کبائر سے موازنہ کیا جائے: پس نبی ﷺ نے اپنی ان تعبیرات سے کفر اور کبائر کے درمیان نہایت واضح فرق سمجھایا ہے کہ کفر وشرک تو ایسے سنگین گناہ ہیں کہ ان کی معافی کا سوال ہی نہیں، اور کبائر چونکہ شرک وکفر کی بہ نسبت بے قدر ہیں اس لئے ان کی معافی ابتداءً بھی ہوسکتی ہے اور بالآخر (یعنی سزا یابی کے بعد) بھی ہوسکتی ہے، بلکہ ضرور ہوگی، مرتکب کبیرہ بھی کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور پہنچ کر رہے گا۔

**مثال سے وضاحت:** معمولی بیماریاں جیسے زکام اور کھانسی وغیرہ کا جب بڑی بیماریوں سے جیسے جذام اور سل دق وغیرہ سے موازنہ کیا جائے جو فساد مزاج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں تو وہ معمولی بیماریاں صحت وتندرستی نظر آئیں گی، وہ کوئی علت وعارضہ ہی نہیں سمجھی جائیں گی، کیونکہ بھاری مصیبت کے سامنے چھوٹی مصیبت ہیچ (بے قدر) ہوتی ہے، پیر میں کانٹا چبھ جائے پھر آل یا مال پر کوئی آفت آن پڑے تو آدمی کانٹا چبھنے کی تکلیف کو بھول جاتا ہے، بلکہ اس کو تکلیف ہی نہیں سمجھتا، یہی حال کبائر کا ہے، وہ کفر وشرک کے مقابلہ میں کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۷۲)

## بَابُ تَحْرِيمِ قَتْلِ الْكَافِرِ بَعْدَ قَوْلِهِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

## کلمہ پڑھنے کے بعد کافر کو قتل کرنا حرام ہے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار واعتراف سے آخرت تو سنورتی ہے، آدمی دنیا میں بھی مأمون ومحفوظ ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر کوئی کافر عین جنگ کے دوران بھی ایمان لے آئے تو بھی وہ محفوظ ہوجاتا ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ جہینہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا، جب وہ حضرت اسامہؓ کی تلوار کی زد میں آیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا، مگر حضرت اسامہؓ نے خیال کیا کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے، صدق دل سے مسلمان نہیں ہوا، اس لئے اس کی پرواہ نہیں کی اور اس کو قتل کر دیا، جب اس واقعہ کی آنحضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا: ”کیا کلمہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اس کو قتل کر دیا؟“ آپؐ نے یہ جملہ بار بار فرمایا (یہ واقعہ باب میں آرہا ہے) اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں ہے کہ انھوں نے ایک قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے أَسْلَمْنَا کے بجائے صَبَأْنَا کہا، حضرت خالدؓ نے ان کا مطلب نہیں

سمجھا اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ جب آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں، میں نے اس کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا (بخاری حدیث ۴۳۳۹) ان واقعات سے بخوبی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ کافر کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد قتل کرنا جائز نہیں، حتی کہ عین جنگ کے دوران بھی اگر دشمن کلمہ پڑھ لیں تو فوراً جنگ بند کرنا ضروری ہے، اب ان کو قتل کرنا جائز نہیں، اور یہ حکم پوری دشمن قوم کے لئے بھی ہے اور ایک فرد کے لئے بھی ہے، توحید ورسالت کا اعتراف سب کے لئے امن کا پیغام ہے۔

## [۴۱- بَابُ تَحْرِيمِ قَتْلِ الْكَافِرِ بَعْدَ قَوْلِهِ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ]

[۱۵۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ - وَاللَّفْظُ مُتَقَارِبٌ - قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيْتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ، فَقَاتَلَنِيْ، فَضَرَبَ إِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لاَذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ، فَقَالَ: أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ، أَفَأَقْتُلُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَ تَقْتُلْهُ" قَالَ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِيْ. ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا، أَفَأَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَ تَقْتُلْهُ، فَإِنْ قَتَلْتَهُ، فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ"

ترجمہ: حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے: اگر میری کسی کافر سے مڈبھیڑ ہوجائے، وہ مجھ سے لڑا اور اس نے میرے ایک ہاتھ پر تلوار ماری اور اس کو کاٹ دیا، پھر اس نے مجھ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی پناہ لی، اور اس نے کہا: میں مسلمان ہوتا ہوں، پس کیا میں اس کو قتل کروں اے اللہ کے رسول! لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو قتل مت کرو، حضرت مقدادؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا ہے، پھر اس نے کلمہ پڑھا ہے اس ہاتھ کو کاٹنے کے بعد! نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو قتل مت کرو، اگر تم اس کو قتل کروگے تو وہ تمہاری جگہ ہوگا اس کو قتل کرنے سے پہلے اور تم اس کی جگہ ہوؤگے اس کے کلمۂ اسلام پڑھنے سے پہلے (یعنی پہلے وہ کافر تھا مارا جاتا تو جہنم میں جاتا اب تم اس کو ماروگے تو تم جہنم میں جاؤگے، اگرچہ نوعیت الگ ہے، وہ اسلام سے پہلے کفر کی وجہ سے جہنم میں جاتا اور تم قتل کے بعد فسق کی وجہ سے جہنم کے مستحق ٹھہروگے۔

[۱۵۶-] وحدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوْسَى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، جَمِيْعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ، بِهٰذَا

الإِسْنَادِ. أَمَّا الأَوْزَاعِيُّ وَابْنُ جُرَيْجٍ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ: أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ. كَمَا قَالَ اللَّيْثُ. وَأَمَّا مَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِ: فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ.

[١٥٧-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ، ثُمَّ الْجُنْدَعِيُّ: أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرِو ابْنَ الأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ - وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم - أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ؟ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ.

**وضاحت:** حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے راوی ابن شہاب زہری ہیں، ان سے لیث مصری کے علاوہ معمر، اوزاعی اور ابن جریج نے بھی روایت کی ہے، البتہ اوزاعی اور ابن جریج کی حدیث میں أسلمتُ للّٰہ ہے۔ لیث کی حدیث میں بھی یہی لفظ ہے۔ اور معمر کی حدیث میں یہ ہے کہ جب حضرت مقدادؓ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھا۔

اور ابن شہاب سے یونس نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے، اور انھوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا تعارف بھی کرایا ہے کہ ان کا بنوزہرہ سے دوستانہ تعلق تھا، اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ بدر میں شریک تھے۔

**مزید تعارف:** حضرت مقدادؓ کا نسب نامہ: مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ، زمانۂ جاہلیت میں اسود بن عبدیغوث نامی شخص نے جس کا بنوزہرہ سے تعلق تھا ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا، اس لئے مقداد بن الاسود کہلانے لگے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں جن سات آدمیوں نے سب سے پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا تھا حضرت مقداد ان میں سے ایک تھے، انھوں نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی تھی۔ اور علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ اسود بن عبدیغوث کے متبنّیٰ ہونے کے علاوہ بنوزہرہ کے حلیف بھی تھے۔ اور ان کے والد عمرو بن ثعلبہ قبیلہ کندہ کے حلیف تھے، اس لئے یہ کندی بھی کہلاتے ہیں (شرح نووی)

**قوله:** أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرٍو ابْنَ الأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ: صحیح اعراب یہی ہے، یعنی عمرو پر تنوین مکسور اور اس کے بعد ابن پر نصب، اس لئے کہ یہ ابن مقداد کی صفت ہے، اور وہ منصوب ہے، اور چونکہ یہ ابن اعلام متناسلہ کے درمیان نہیں ہے اس لئے الف لکھنا ضروری ہے، اگر ابن پر کسرہ پڑھیں تو معنی غلط ہوجائیں گے، اس صورت میں عمرو: اسود کندی کا بیٹا ہوگا، اور ظاہر ہے یہ غلط ہے (شرح نووی)

**ملحوظہ:** حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ابن شہاب زہریؒ سے لیث، معمر، اوزاعی، ابن جریج اور یونس نے روایت کی ہے، اور ابن شہاب عطاء بن یزید سے، وہ عبید اللہ سے اور وہ حضرت مقدادؓ سے روایت کرتے ہیں، مگر دار قطنی نے اوزاعی والی روایت پر جس کے ولید راوی ہیں اضطراب کا اعتراض کیا ہے، اس لئے کہ ولید کے بعض شاگرد ابن شہاب

اور حضرت مقداد کے درمیان صرف ایک واسطہ یعنی عبید اللہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، عطاء بن یزید کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ اور بعض شاگرد عطاء کی جگہ حمید بن عبد الرحمٰن کا نام لیتے ہیں۔ اس لئے اوزاعی والی روایت میں اضطراب ہے اور بقیہ روایات صحیح ہیں، مگر اوزاعی کی حدیث میں اضطراب سے اصل حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے زہری کے دیگر تلامذہ کی روایت پر اعتماد کیا ہے، چنانچہ یونس کی روایت متابعت میں لا کر دیگر سندوں کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے (شرح نووی)

[۱۵۸-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ خَالِدِ الْأَحْمَرُ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ، كِلاَهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ ظَبْيَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَهٰذَا حَدِيْثُ ابْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَأَدْرَكْتُ رَجُلاً، فَقَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، فَطَعَنْتُهُ، فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذٰلِكَ. فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَقَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَقَتَلْتَهُ؟" قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلاَحِ. قَالَ: "أَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لاَ؟" فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّيْ أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ. قَالَ: فَقَالَ سَعْدٌ: وَأَنَا وَاللّٰهِ لاَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتّٰى يَقْتُلَهُ ذُو الْبُطَيْنِ- يَعْنِيْ أُسَامَةَ - قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لاَ تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ فَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لاَتَكُوْنَ فِتْنَةٌ، وَأَنْتَ وَأَصْحَابُكَ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ.

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا، پس ہم نے جُہینہ کی شاخ حُرُقات پر صبح سویرے حملہ کیا، پس میں نے ایک آدمی کو جالیا تو اس نے کلمہ طیبہ پڑھا، میں نے اس کو نیزہ سے مارا پس اس سلسلہ میں میرے دل میں کچھ خیال آیا یعنی میں خلجان میں مبتلا ہو گیا کہ اس کو قتل کر کے صحیح کام کیا یا غلط؟ (مدینہ منورہ واپسی کے بعد) میں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا: ''اس نے لا إله إلا الله کہا پھر بھی تم نے اس کو قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے پڑھا تھا یعنی جان بچانے کی خاطر صرف زبان سے کلمہ پڑھا تھا، صدق دل سے وحدانیت کا اقرار نہیں کیا تھا، آپؐ نے فرمایا: تو نے اس کا دل کیوں نہ چیرا کہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟ پس نبی ﷺ بار بار میرے سامنے یہ فقرہ دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ راوی کہتا ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا میں کسی مسلمان کو قتل نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کو ذو البُطین یعنی حضرت اسامہ قتل کریں، (بُطین:

بطن کی تصغیر، قاضی عیاض کہتے ہیں: حضرت اسامہ کا پیٹ بڑا تھا اس لئے یہ لقب تھا) راوی کہتا ہے: ایک شخص نے حضرت سعدؓ سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے: "تم ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور سارا دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے" حضرت سعدؓ نے فرمایا: ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ نہیں رہا، اور تم اور تمہارے ساتھی فتنہ انگیزی کی خاطر قتال کرنا چاہتے ہو"

تشریح:

۱-جہینہ: قُضاعہ کی شاخ ہے، اور قضاعہ: قحطانی قبائل میں سے ہے، پھر جہینہ کی شاخ حُرَقہ ہے، یہ لقب ہے، اس شخص کا نام جُہیش بن عامر تھا، اس نے ایک جنگ میں بعض افراد کو جلایا تھا اس لئے اس کا لقب حرقہ پڑ گیا، پھر حرقہ کے بطون ہیں اس لئے حُرَقات جمع لائے۔

۲-حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا تمنا کرنا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا: یہ تو کفر کی تمنا ہے اور کفر کی تمنا کرنا کفر ہے، پس حضرت اسامہؓ نے یہ تمنا کیسے کی؟

جواب: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کفر کی تمنا نہیں کی، بلکہ اپنی غلطی کی سنگینی کا اظہار کیا ہے کہ اگر میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا اور یہ گناہ مجھ سے حالتِ کفر میں صادر ہوا ہوتا تو اسلام سے میرا یہ گناہ معاف ہو جاتا۔

۳-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح عراق ہیں: ان سے کسی نے کہا کہ اگر مسلمانوں کے درمیان باہم جنگ وجدال ہو تو اس میں شامل ہو کر بھی قتال کرنا چاہئے اور سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ سے استدلال کیا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک جہاد جاری رکھنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ فتنہ کی سرکوبی نہ ہو جائے اور اللہ کا دین سر بلند نہ ہو جائے۔ حضرت سعدؓ نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ آیت کا منشا یہ ہے کہ کافروں کے ساتھ اس وقت تک جہاد جاری رکھا جائے کہ دین اسلام سے متعلق جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کی اور اسلام کی راہ میں حائل بننے کی سکت ان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ ہم نے جہاد کیا اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے راہِ خدا میں تن توڑ محنتیں کیں، یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہو گیا اور کوئی فتنہ باقی نہ رہا، اور تم باہم لڑ بھڑ کر فتنہ پیدا کرنا چاہتے ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جواب عبرت آمیز ہے کہ کفار سے جنگ فتنہ فرو کرنے کے لئے ہوتی ہے اور مسلمانوں سے جنگ فتنہ پیدا کرنے کے لئے ہوگی، پس جو آیت میرے مقابل پیش کر رہے ہو در حقیقت وہی میری دلیل ہے، غرض حضرت سعدؓ کے جواب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم برسرِ پیکار ہو جائیں تو الگ تھلگ رہنا ہی مناسب ہے، چاہے کسی ایک جماعت کا حق پر ہونا اور دوسرے کا باطل پر ہونا واضح ہو، مگر جمہور کے نزدیک اگر امیر المسلمین کے خلاف کسی گروہ کی بغاوت بالکل عیاں ہو تو اسے لڑ کر مطیع کرنا واجب ہے (فتح الملہم)

۴-مذکورہ واقعہ کے بعد حضرت اسامہؓ نے قسم کھالی تھی کہ وہ کبھی کسی مسلمان کو قتل نہیں کریں گے، چنانچہ جمل وصفین

میں وہ الگ تھلگ رہے، کسی کے ساتھ شریک نہیں ہوئے، اس لئے حضرت سعدؓ نے حضرت اسامہؓ کا حوالہ دے کر ان کے موافق اپنی رائے ظاہر کی۔

۵-حضرت اسامہؓ نے جو کافر سمجھ کر مسلمان کو قتل کر دیا تھا وہ قتلِ خطاء تھا، اور قتل خطاء میں دیت یا کفارہ واجب ہوتا ہے، سورۃ النساء (آیت ۹۲) میں اس کے احکام ہیں، مگر نبی ﷺ نے نہ قصاص واجب کیا، نہ دیت اور نہ کفارہ، اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں دیت کفارہ اور قصاص میں سے کچھ واجب نہ ہوگا، مگر یہ بات صحیح نہیں، اور نبی ﷺ نے اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ کسی مسئلہ کا فی الفور تذکرہ کرنا واجب نہیں، یا راوی نے اختصاراً چھوڑ دیا، یا آیت کے نزول سے پہلے کا یہ واقعہ ہوگا۔ واللہ اعلم

ملحوظہ: کسی مسلمان، ذمی یا معاہد کو اگر نادانستہ قتل کر دیا جائے تو بعض صورتوں میں صرف دیت، اور بعض صورتوں میں صرف کفارہ اور بعض صورتوں میں دیت و کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں، اور مسئلہ کی کل آٹھ صورتیں ہیں، تفصیل کے لئے ہدایت القرآن (۲:۱۳۰) کی مراجعت کریں۔

[۱۵۹-] حدثنا يَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ ظَبْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ يُحَدِّثُ، قَالَ: بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ، فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ، فَهَزَمْنَاهُمْ. قَالَ: وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلاً مِنْهُمْ، فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. قَالَ فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ، وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِيْ حَتّٰى قَتَلْتُهُ. قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا، بَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لِيْ:" يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟" قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا. قَالَ: فَقَالَ:" أَقَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟" قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ.

وضاحت: اس میں بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والا واقعہ ہے، اس کو حُصین نے ابوظبیان کے واسطہ سے حضرت اسامہؓ سے روایت کیا ہے اور اوپر والی حدیث اعمش نے اسی سند سے روایت کی تھی، یہ روایت الفاظاً بہت مختلف ہے، اس لئے ترجمہ کرتا ہوں۔

ترجمہ: حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے جہینہ کی شاخ حُرَقَہ کی طرف بھیجا، ہم نے صبح سویرے ان پر حملہ کیا اور ان کو شکست دی، اور میں اور ایک انصاری حرقہ کے ایک آدمی سے جا ملے، جب ہم اس پر چھا گئے تو اس نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس انصاری نے اس سے ہاتھ روک لیا اور میں نے اس کو نیزہ مارا، یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا، پس جب ہم واپس آئے اور نبی ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا:" اسامہ! کیا تم نے اس کو

قتل کیالا إله إلا الله کہنے کے بعد؟" میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ بچاؤ کرنے والا تھا، یعنی اپنی جان بچانے کے لئے اس نے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے پھر فرمایا: "کیا تم نے اس کو قتل کیالا إله إلا الله کہنے کے بعد؟" پس آپ بار بار یہ فقرہ دوہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا!

[١٦٠-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ يُحَدِّثُ، أَنَّ خَالِدًا الْأَثْبَجَ بْنَ أَخِيْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، حَدَّثَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ، أَنَّهُ حَدَّثَ، أَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ إِلٰى عَسْعَسَ بْنِ سَلاَمَةَ، زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ: اجْمَعْ لِيْ نَفَرًا مِنْ إِخْوَانِكَ حَتّٰى أُحَدِّثَهُمْ، فَبَعَثَ رَسُوْلاً إِلَيْهِمْ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَ جُنْدَبٌ وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ أَصْفَرُ. فَقَالَ: تَحَدَّثُوْا بِمَا كُنْتُمْ تَحَدَّثُوْنَ بِهِ، حَتّٰى دَارَ الْحَدِيْثُ. فَلَمَّا دَارَ الْحَدِيْثُ إِلَيْهِ حَسَرَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَأْسِهِ. فَقَالَ: إِنِّيْ أَتَيْتُكُمْ وَلاَ أُرِيْدُ أَنْ أُخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ بَعْثًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَإِنَّهُمُ الْتَقَوْا، فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِذَا شَاءَ أَنْ يَقْصِدَ إِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ، وَإِنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ قَالَ: وَكُنَّا نُحَدَّثُ أَنَّهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ – فَلَمَّا رَفَعَ عَلَيْهِ السَّيْفَ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، فَقَتَلَهُ. فَجَاءَ الْبَشِيْرُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَسَأَلَهُ وَأَخْبَرَهُ– حَتّٰى أَخْبَرَهُ خَبَرَ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ، فَدَعَاهُ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: "لِمَ قَتَلْتَهُ؟" قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَتَلَ فُلاَنًا وَفُلاَنًا، وَسَمّٰى لَهُ نَفَرًا، وَإِنِّيْ حَمَلْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى السَّيْفَ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَقَتَلْتَهُ؟" قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: "فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟" قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اسْتَغْفِرْ لِيْ. قَالَ: "وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟" قَالَ: فَجَعَلَ لاَ يَزِيْدُهُ عَلٰى أَنْ يَقُوْلَ: "كَيْفَ تَصْنَعُ بِلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟"

ترجمہ: صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ جندب بن عبداللہ بجلیؓ نے کسی کو عسعس بن سلامہ کے پاس بھیجا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانہ میں، اور انھوں نے فرمایا: اپنے کچھ بھائیوں کو جمع کرو تا کہ میں ان کے سامنے حدیث بیان کروں، عسعس نے آدمی بھیج کر ان کو بلایا، جب سب اکٹھا ہو گئے تو حضرت جندبؓ آئے درانحالیکہ ان کے سر پر زرد رنگ کی ٹوپی تھی، انھوں نے فرمایا: اس فتنہ کے بارے میں باتیں کرو جس کے بارے میں تم باتیں کرتے ہو، یہاں تک کہ بات گھوم آئی یعنی ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا، یہاں تک کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انھوں نے سر سے ٹوپی ہٹائی اور فرمایا: میں تمہارے پاس آیا ہوں اور میرا ارادہ تم سے حدیث بیان کرنے کا نہیں تھا (مگر اب

حدیث بیان کرتا ہوں، پھر انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ ) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا ایک سریہ مشرکین کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا، پس مسلمانوں کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی، ان مشرکین میں ایک شخص ایسا تھا کہ جب وہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو اس کو قتل کر ڈالتا۔ اور مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اس کو غافل پایا، حضرت جندبؓ نے کہا: ہم بیان کئے جاتے تھے کہ وہ حضرت اسامہؓ تھے، جب انھوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے کہا: لا إله إلا الله ۔ مگر انھوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر جب اطلاع دینے والا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے اس سے جنگ کے بارے میں دریافت فرمایا، اس نے جنگ کے احوال بیان کئے یہاں تک کہ اس شخص کے بارے میں بھی بتایا کہ اس نے کیا کیا، آپؐ نے ان کو بلایا ان سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: ''تم نے اس کو کیوں قتل کیا؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے مسلمانوں کو خوب نقصان پہنچایا تھا، اور اس نے فلاں فلاں کو قتل کیا، انھوں نے چند نام لئے، اور میں نے اس پر حملہ کیا، پس جب اس نے تلوار دیکھی تو کہنے لگا: لا إله إلا الله ! نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس کو قتل کر دیا؟'' انھوں نے عرض کیا: ہاں! آپؐ نے فرمایا: ''پھر لا إله إلا الله کا کیا کرو گے جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟ یعنی قیامت میں کلمہ کا کیا جواب دو گے؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے گناہ کی معافی طلب کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے لا إله إلا الله کا قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟

لغات ووضاحت: عَسْعَسُ بْنُ سلامَةَ: یہ تمیمی بصری ہیں اور ان کی کنیت ابوصفرہ ہے، ان کی نبی ﷺ سے روایت مرسل ہوتی ہے، کیونکہ ان کا آنحضور ﷺ سے سماع ثابت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی تاریخ میں یہی فرمایا ہے کہ ان کا سماع ثابت نہیں، اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ان کو تابعین کے زمرہ میں شمار کیا ہے (شرح نووی)...... بُرْنُس: وہ لمبی ٹوپی جو عرب میں اوڑھی جاتی تھی، وہ کرتے کے ساتھ جڑی ہوتی تھی...... حَسَرَ (ن،ض) حَسْرًا الشَّيْءَ: کھولنا، کہتے ہیں: حَسَرَتِ الْجَارِيَةُ خِمَارَها عن وجهها: لڑکی نے اوڑھنی چہرے سے ہٹائی...... التَقَوا: التَقَى الشيَ: ملنا، تَلَاقَى القومُ: باہم ملنا، وتلاقَوْا: باہم جھگڑا کرنا...... البشير: خوشخبری دینے والا، جمع: بُشَرَاء، بَشَر (ض،س) اَبْشَرَ اور اسْتَبْشَر به: خوش ہونا، بَشَّرَهُ: خوشخبری دینا...... أَوْجَعَ: دردمند کرنا، تکلیف پہنچانا، أَوْجَعَ في العدوّ: دشمن کی بہت خوں ریزی کی۔

تشریح: اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں علماء کو عوام کی خبر لینی چاہئے اور ان کو پند وموعظت کرنی چاہئے، حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فتنہ ابن الزبیر کے زمانہ میں خاص طور پر لوگوں کو جمع کیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنا کر ان کو فتنوں سے دور رہنے کی تلقین کی، کیونکہ جب مسلمان باہم قتل وقتال کرتے ہیں تو دونوں جانب مسلمانوں ہی کا خون بہتا ہے، اور مسلمانوں کے خون کی قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری کائنات سے زیادہ ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ پوری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل سے ہلکی ہے''، یعنی مسلمان کا قتل بڑا بھاری گناہ ہے اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں (ترمذی حدیث

۱۳۷۹)اورایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمام آسمان والے اور زمین والے مل کرایک مسلمان کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں سب کو جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیں گے (ترمذی حدیث ۱۳۸۳) غرض فتنوں کے زمانہ میں جب مسلمان باہم برسر پیکار ہوں تو خود کو الگ تھلگ رکھنے میں ہی سلامتی ہے۔

## بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا

### ارشادِ نبوی: ''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں''

توحید کی بنیاد پر جب سلامتی کا پروانہ مل گیا تو اب ہر ایک کو سلامتی کا پرچم لہرانا چاہئے! امام المسلمین کے خلاف بغاوت کر کے بدامنی پھیلانا اور خانہ جنگی کے حالات پیدا کرنا کسی طرح مناسب نہیں، یہ فساد فی الارض ہے، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا شخص ہمارا ہم مزاج نہیں اور ہمارے طریقہ پر نہیں، یعنی وہ مسلمانوں میں شامل ہونے کے لائق نہیں، اور گذشتہ باب میں گذرا ہے کہ جمہور کے نزدیک باغیوں کی سرکوبی کے لئے اور ان کو مطیع کرنے کے لئے ان سے قتال جائز ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتل کیا ہے۔

[۴۲- بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا]

[۱۶۱-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، قَالاَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى- وَهُوَ الْقَطَّانُ - ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم . ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى- وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا"

[۱۶۲-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُصْعَبٌ - وَهُوَ: ابْنُ الْمِقْدَامِ، قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا"

[۱۶۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے یعنی حکومت سے بغاوت کرے وہ ہم میں سے نہیں!'' یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں، ہمارا طریقہ امن قائم رکھنا ہے ـــــ اور حکومتِ اسلامیہ کے خلاف بغاوت کرنا فتنوں کا دروازہ

کھولنا ہے، اس سے بے شمار جانیں ضائع ہوتی ہیں اس لئے باغی مسلمانوں میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔

لغات: حَمَل (ض) حَمْلاً وَحُمْلاَنًا الشیئَ علی: اٹھانا، الغضب: غصہ ظاہر کرنا، حَمله علی الأمر: اکسانا، بر انگیختہ کرنا..... السّلاح: ہتھیار (مذکر ومؤنث) جمع: أَسْلِحَة..... سَلّ (ن) سَلاًّ السیفَ: تلوار سونتنا، تلوار میان سے نکالنا۔

تشریح: ان روایتوں میں جو لیس منا آیا ہے اس کا مطلب بعض حضرات نے لیس من سنتنا بیان کیا ہے، یعنی لیس مِن أدَبِنَا، یعنی وہ شخص ہمارے طریقہ پر نہیں، ہماری شائستہ تہذیب پر نہیں، مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ اس پر نکیر کیا کرتے تھے، فرماتے ہیں: بئس هذا القول: یہ بہت غلط بات ہے، اور وہ لیس منا کی تفسیر: لیس مثلنا کرتے تھے، یعنی وہ ہم مسلمانوں جیسا نہیں (ترمذی أبواب البر والصلة باب ۱۵) مگر بہتر یہ ہے کہ حدیث کی کوئی تاویل نہ کی جائے، زجر وتوبیخ کا مقصد اسی صورت میں حاصل ہوگا، اور پہلے بتلایا ہے کہ یہ درحقیقت ایک محاورہ ہے، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

إِنْ كُنْتِ مِنِّيْ أَوْ تِرِيْدِيْنَ صُحْبَتِيْ ❁ فَكُوْنِيْ لَهُ كَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الأَدَمُ

شاعر اپنی بیوی سے کہتا ہے: اگر تو میرے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہنا چاہتی ہے یا کم از کم میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہو جا جس کے لئے کپّی میں پہلے شیرہ بھرا گیا ہو۔

پس جن حضرات نے لیس من أَدَبِنَا اور لیس من سُنَّتِنَا تفسیر کی ہے وہ بھی کچھ غلط نہیں، مگر اس تفسیر سے بات کا وزن گھٹ جاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: مَن تَرَکَ الصَّلوٰةَ متعمّدًا فَقَدْ کَفَرَ: اگر کَفَرَ کی تاویل کی جائے تو بات کا وزن گھٹ جائے گا اور بغیر تاویل کے بیان کیا جائے تو بات پُر تاثیر رہے گی۔

## بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم: مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا:

### ارشادِ نبوی: ''جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں''

توحید کے اقرار واعتراف کے بعد اگرچہ جان ومال محفوظ ہو جاتے ہیں، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ایمان وکفر کی سرحدیں الگ الگ ہیں اسی طرح ان کے اعمال بھی پوری طرح ایک دوسرے سے جدا ہیں، یہاں سے کچھ اعمال کا بیان ہے جو ایک صاحبِ توحید کو بحیثیت مسلمان کسی طرح زیب نہیں دیتے، مثلاً دھوکہ دینا اور ملاوٹ کرنا مسلمان کی شایانِ شان نہیں، یہ کافروں کا طریقہ ہے، مسلمانوں کو اس سے پوری طرح بچنا چاہئے۔ حضورِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں'' یعنی ہمارے طریقہ پر نہیں، یعنی مسلمان کہلانے کے لائق نہیں۔

[ ۴۳- بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم: مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا ]

[۱۶۴-] حدثنا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ- وَهُوَ: ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِیُّ. ح:

وَحَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ مُحَمَّدُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، كِلَاهُمَا، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ:" مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا"

وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وابْنُ حُجْرٍ، جَمِيعًا، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلاً. فَقَالَ:" مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟" قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ:" أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي"

ترجمہ مع وضاحت: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ:"جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں" اس کا شان ورود باب کی دوسری روایت میں ہے، ایک مرتبہ نبی ﷺ کا غلہ کے ایک ڈھیر پر گذر ہوا، آپؐ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر ڈالا تو آپؐ کے ہاتھ کو تری لگی، آپؐ نے مٹھی بھر کر غلہ اندر سے باہر نکالا، وہ بھیگا ہوا تھا، آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ غلہ والے نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اس کو نہیں بھگایا بارش میں بھیگا ہے، آپؐ نے فرمایا: بھیگا ہوا غلہ تو نے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ اس کو دیکھتے؟ پھر آپؐ نے فرمایا:"جو شخص دھوکہ دہی کرتا ہے اس کا مجھ سے کچھ لینا دینا نہیں" (اور چیزوں میں ملاوٹ کرنا بھی فریب ہے، پس اس کے لئے بھی یہی وعید ہے)

تشریح: اسلامی حکومت میں ایک محکمۂ احتساب (داروگیر کا محکمہ) ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر چیز پر نظر رکھے، کسی بھی چیز میں ملاوٹ نہ ہونے دے، دورِ نبوی میں آپؐ خود یہ فریضہ انجام دیتے تھے، کبھی اچانک پہنچ کر چیزیں چیک کرتے تھے، اس حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

## بَابُ تَحْرِيمِ ضَرْبِ الْخُدُودِ وَشَقِّ الْجُيُوبِ وَالدُّعَاءِ بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

### رخسار پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور جاہلی پکاریں پکارنے کا بیان

غم اور موت کے موقع پر نوحہ ماتم کرنا جائز نہیں، یہ غیر اسلامی طریقہ ہے، نوحہ کے معنی ہیں: چلا چلا کر رونا اور میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا۔ اور ماتم کے معنی ہیں: سینہ پیٹنا، نوحہ ماتم کے لوگوں میں مختلف طریقے رائج ہیں، جاہلی انداز پر پکاریں پکارنا، گریبان پھاڑنا، رخسار پیٹنا، سینہ پیٹنا، دیوار سے سر پھوڑنا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا: یہ سب ماتم میں داخل ہیں اور ممنوع ہیں۔

## [۴۴- بَابُ تَحْرِيمِ ضَرْبِ الْخُدُودِ وَشَقِّ الْجُيُوْبِ وَالدُّعَاءِ بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ]

[۱۶۵-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، جَمِيْعًا، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، أَوْ شَقَّ الْجُيُوْبَ، أَوْدَعَا بَدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ" هٰذَا حَدِيْثُ يَحْيىَ. وَأما ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُوْبَكْرٍ فَقَالاَ:" وَشَقَّ وَدَعَا" بغَيْرِ أَلِفٍ.

[۱۶۶-] وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَعَلِيُّ ابْنُ خَشْرَمٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، جَمِيْعًا، عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالاَ:" وَشَقَّ وَدَعَا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا:"ہم میں سے نہیں وہ شخص جو رخسار پیٹے یا گریبان پھاڑے یا جاہلی پکاریں پکارے"
—— امام مسلم رحمہ اللہ کے ایک استاذ یحییٰ کی حدیث میں أو ہے۔اور دوسرے دو استاذ: ابن نُمیر اور ابوبکر کی حدیث میں واو ہے،اور عثمان بن ابی شیبہ کی حدیث میں بھی واو ہے، پس یحییٰ کی روایت میں أو تنویع کا ہے شک راوی کا نہیں —— عثمان بن ابی شیبہ والی حدیث کے تمام روات اہل کوفہ ہیں (نووی)

لغات: الخُدود: خدٌّ کی جمع: رخسار اسی سے ہے، المِخدَّة: چھوٹا تکیہ جس پر سوتے ہوئے رخسار رکھتے ہیں..... الجُیُوب: الجیب کی جمع: گریبان، دل اور سینہ بھی معنی ہیں، اور الجیبُ کے معنی تھیلی اور پاکٹ کے بھی ہیں، اس کی جمع جِیَابٌ ہے..... دَعَا(ن) دُعَاءً وَدَعْوًی: پکارنا، رغبت کرنا، مدد طلب کرنا..... دَعَا المیّتَ: بین کرنا، نوحہ کرنا۔

تشریح: رخسار پیٹنا، گریبان پھاڑنا اور جاہلیت والی پکاریں پکارنا: اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ کافرانہ تہذیب ہے، اور حدیث میں جو تین باتیں مذکور ہیں وہ عربوں کی عادت کے موافق ہیں، پس سینہ کوبی، دیوار سے سر ٹکرانا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا: سب ماتم کی شکلیں ہیں اور ممنوع ہیں۔

اور جاہلیت کی پکار: جیسے وَاوَیْلاہ! یَا وَیْلاہ! ویل کے معنی ہیں: ہلاکت اور وا حرف ندبہ ہے اور یا بھی۔ اور اس پکار کا مفہوم ہے: او ہلاکت تو کہاں ہے آجا! یہ دعوی الجاهلية کی ایک مثال ہے، زمانۂ جاہلیت میں بوقتِ مصیبت ایسی پکاریں پکاری جاتی تھیں، ہمارے یہاں بھی جاہل مسلمان میت پر اس قسم کی ہلاکت پکارتے ہیں۔ اور ترمذی شریف میں دو مثالیں اور آئی ہیں: واجبلاہ! ہائے پہاڑ! واسیّداہ! ہائے آقا! نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کسی مرنے والے کو اس طرح پکارتا ہے تو اس پر دو فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں، جو اس کو مکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں: اچھا تو ایسا تھا۔

(ترمذی حدیث ۹۸۷)

[١٦٧-] حدثنا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى الْقَنْطَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنِ جَابِرٍ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُخَيْمَرَةَ حَدَّثَهُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى. قَالَ: وَجِعَ أَبُومُوسَى وَجَعًا فَغُشِيَ عَلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ. فَصَاحَتْ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ. فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: أَنَا بَرِيْءٌ مِمَّا بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ، وَالْحَالِقَةِ، وَالشَّاقَّةِ.

ترجمہ مع وضاحت: حضرت ابو بردہ اپنے ابا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بیمار پڑے، اور بیہوش ہوگئے، آپ کا سر خاندان کی کسی عورت کی گود میں تھا، خاندان کی کوئی عورت چلائی، آپ نے سنا، کیونکہ آپ پوری طرح بیہوش نہیں ہوئے تھے، مگر منع کرنے کی طاقت نہیں تھی، پس جب ہوش آیا تو آپ نے اس عورت کو جو چلا کر روئی تھی ڈانٹا، اور فرمایا: آنحضور ﷺ نے تین عورتوں سے براءت ظاہر فرمائی ہے، میں بھی ان سے بری ہوں، زور سے چلانے والی، سر منڈوانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی —— پس نوحہ اور ماتم کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

بعض لوگ غم اور موت کے موقع پر سر منڈوا دیتے ہیں اور بعض لوگ بھنویں بھی منڈوا کر جانگلو (غیر مہذب) بن جاتے ہیں، اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، یہ ہندوانہ تہذیب ہے۔ اور صَالِقَة اور حالقة وغیرہ مؤنث کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر عورتیں ہی ایسا کرتی ہیں۔

لغات: صَلَقَ(ن) صَلْقًا: چیخنا، چلانا...... حَلَقَ(ن) حَلْقًا: مونڈنا...... شَقَّ(ن) شَقًّا الشيئ: پھاڑنا، چیرنا۔

حدثنا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالاَ: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: أَخْبَرَنا أَبُوْ عُمَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَخْرَةَ يَذْكُرُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ وَأَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ أَبِيْ مُوْسَى، قَالاَ: أُغْمِيَ عَلٰى أَبِيْ مُوْسَى وَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ، قَالاَ: ثُمَّ أَفَاقَ. قَالَ: أَلَمْ تَعْلَمِيْ — وَكَانَ يُحَدِّثُهَا — أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "أَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ"

وضاحت: اس حدیث میں صراحت ہے کہ وہ عورت جو چلا کر روئی تھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام عبداللہ تھیں...... رَنَّة: آواز کے ساتھ رونا، رَنَّ(ض) رَنِيْنًا وَأَرَنَّ: رونے میں آواز بلند کرنا، فریاد کرنا...... سلق: الصالقه اور السالقه (بالصاد وبالسین) دونوں کے ایک معنی ہیں: چیخنے چلانے والی، بعض فرق کرتے ہیں: السالقه: گال پر طمانچہ مارنے والی، واویلا کرنے والی عورت، جمع: سوالق، صالقه: چیخنے چلانے والی عورت۔

وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُطِيعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ، عَنْ امْرَأَةِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنِيهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ - يَعْنِي: ابْنَ أَبِي هِنْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنْ صَفْوَانَ ابْنِ مُحْرِزٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهَذَا الْحَدِيثِ. غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: "لَيْسَ مِنَّا" وَلَمْ يَقُلْ: "بَرِيءٌ"

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تین اساتذہ سے روایت کی ہے: (۱) عبداللہ بن مطیع سے، انھوں نے چند واسطوں سے حضرت ابوموسیٰ کی اہلیہ سے روایت کی ہے (۲) حجاج بن الشاعر سے، انھوں نے صفوان بن محرز کے واسطہ سے روایت کی ہے (۳) اور حسن بن علی سے انھوں نے ربعی بن حراش کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور عیاض اشعری کی حدیث میں جس کو وہ حضرت کی اہلیہ سے روایت کرتے ہیں: أنا بَرِیءٌ کی جگہ لیس منا ہے۔

## بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيمِ النَّمِيمَةِ

## چغل خوری کی شدید حرمت کا بیان

چغل خوری ایک برا وصف ہے، اصلاحِ ذات البین کی جس قدر اہمیت ہے اسی قدر فسادِ ذات البین کی قباحت ہے، لُترا (اِدھر کی اُدھر لگانے والا) لُچا سمجھا جاتا ہے، جب اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھلتی ہے تو اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چغل خور کو لگائی بجھائی میں بڑا مزہ آتا ہے، مگر اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس سے اس کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، اس کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت چار پیسے کی بھی باقی نہیں رہتی، اور اس کے بارے میں قرآن وحدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔ سورۃ الھمزہ کی پہلی آیت میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا، طعنہ دینے والا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا چغل خوری کے مریض کو یہ وعیدیں پیش نظر رکھنی چاہئیں اور اس حرکت سے باز آجانا چاہئے۔

جاننا چاہئے کہ چغل خوری اور غیبت تقریباً ایک ہیں[1]۔ دونوں میں عام طور پر پیٹھ پیچھے برائی کی جاتی ہے اور دونوں کا

(۱) چغل خوری اور غیبت متحد ہیں یا متغایر؟ راجح یہ ہے کہ جدا جدا ہیں، اور ان کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، اور من وجہ میں تین مادے ہوتے ہیں: دو مادے افتراقی اور ایک مادہ اجتماعی —— چغل خوری یہ ہے کہ کسی کی بات اس کی رضامندی کے ←

مقصد محض افساد( خرابی ڈالنا) ہوتا ہے، اس لئے وہ ناجائز ہیں اور علماء نے بیان کیا ہے کہ چھ صورتوں میں غیبت (وچغلخوری) جائز ہے۔

پہلی صورت: مظلوم کے لئے جائز ہے کہ بادشاہ، قاضی یا ایسے شخص سے ظلم کا شکوہ کرے جس سے فریادرسی کی امید ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے مگر مظلوم مستثنیٰ ہے''(النساء آیت ۱۴۸)یعنی مظلوم اگر ظالم کے خلاف حرفِ شکایت زبان پر لائے تو جائز ہے۔

دوسری صورت: کسی امرِ منکر میں تبدیلی اور نافرمان کو راہِ راست پر لانے کے لئے کسی سے مدد طلب کرنے کے لئے برائی کرے تو جائز ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو عبداللہ بن ابی منافق کی وہ دو باتیں پہنچائی تھیں جو سورۃ المنافقین آیات ۷و۸ میں مذکور ہیں (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حنین کی غنیمت کی تقسیم میں انصار کی بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچائی تھی (بخاری حدیث ۳۱۵۰)

تیسری صورت: فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کسی کی غیبت کرنی پڑے تو جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ابوسفیانؓ بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو الی آخرہ (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۳)

چوتھی صورت: مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے کسی کی برائی کرنی پڑے تو جائز ہے، جیسے ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا: آنے دو، قبیلہ کا برا آدمی ہے (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۲۹) اور جیسے ضعیف راویوں پر جرح کرنا اور جیسے نبی ﷺ کا یہ ارشاد: معاویہ تو کنگال ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں اور ابوالجہم کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۱)

پانچویں صورت: جو شخص کھلے عام فسق وفجور میں مبتلا ہو، لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کے لئے اس کی برائی کرنا جائز ہے، جیسے نبی ﷺ نے دو منافقوں کے بارے میں فرمایا:''میں نہیں خیال کرتا کہ فلاں فلاں ہمارے دین سے کچھ بھی جانتے ہوں (متفق علیہ، ریاض الصالحین حدیث ۱۵۳۰)

چھٹی صورت: کسی کا کوئی ایسا لقب ہو جس میں برائی ہو تو پہچان کے لئے اس کا تذکرہ کرنا جائز ہے، جیسے اعمش (چندھیا) اور اعرج (لنگڑا) وغیرہ (رحمۃ اللہ ۵:۵۷۸)

---

← بغیر نقل کی جائے، خواہ وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اور غیبت نام ہے: پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا، اور دونوں میں فرق کرنے والی چیز افساد (خرابی ڈالنا) ہے، پس پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنا جبکہ فساد کی نیت نہ ہو غیبت ہے، اور کسی کے سامنے فساد کی غرض سے اس کی برائی کرنا چغلی ہے، اور پیٹھ پیچھے فساد کی غرض سے بات نقل کرنا غیبت اور چغل خوری دونوں ہیں (فتح الملہم)

## [۴۵- بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيْمِ النَّمِيْمَةِ ]

[۱۶۸-] حدثنا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ- وَهُوَ ابْنُ مَيْمُوْنٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً يَنِمُّ الْحَدِيْثَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لاَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ"

[۱۶۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ إِلَى الْأَمِيْرِ، فَكُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ. فَقَالَ الْقَوْمُ: هٰذَا مِمَّنْ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ إِلَى الْأَمِيْرِ. قَالَ: فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ إِلَيْنَا. فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لاَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ"

[۱۷۰-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ. ح: وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيْمِيُّ – وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا مَعَ حُذَيْفَةَ فِي الْمَسْجِدِ، فَجَاءَ رَجُلٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَيْنَا، فَقِيْلَ لِحُذَيْفَةَ: إِنَّ هٰذَا يَرْفَعُ إِلَى السُّلْطَانِ أَشْيَاءَ. فَقَالَ حُذَيْفَةُ، إِرَادَةَ أَنْ يُسْمِعَهُ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لاَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ"

ترجمہ:ابووائلؒ سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ ایک شخص بطور چغلی بات نقل کرتا ہے، پس حضرت حذیفہؓ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:"چغل خور جنت میں نہیں جائے گا"

دوسری حدیث: ہمام بن الحارث کہتے ہیں: ایک شخص حاکموں تک لوگوں کی باتیں پہنچاتا تھا (اور بخاری میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچاتا تھا حدیث نمبر ۶۰۵۶) ہم ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مجلس ہو رہی تھی، وہ شخص نظر پڑا، وہ مجلس میں شریک ہونے کے لئے آرہا تھا، کسی نے حضرت حذیفہؓ سے کہا کہ یہ شخص امیر تک باتیں پہنچاتا ہے، جب وہ مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو حضرت حذیفہؓ نے اس کو سنانے کی غرض سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:"سخن چیں (باتیں چننے والا) جنت میں نہیں جائے گا" یعنی وہ اپنے گناہوں کی سزا ضرور پائے گا۔ اور دخولِ اولی سے محروم رہے گا۔

لغات: نَمَّ بین القوم: چغل خوری کرنا، لگائی بجھائی کرنا، نَمَّ الحدیثَ: بطور چغلی بات نقل کرنا اور فساد پھیلانا۔ النمّام: بڑا چغل خور، یہی معنی القتّات کے ہیں، قَتَّ الحدیثَ: فساد پھیلانے کی غرض سے باتیں لوگوں تک پہنچانا، چغل کے اصل معنی ہیں: وہ کنکر جسے چلم میں تمباکو کے نیچے رکھتے ہیں اور چغل خور کے معنی ہیں: لترا، اِدھر کی اُدھر لگانے والا،

بات اِدھر سے اُدھر لگانا، فساد پھیلانا۔

## بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيمِ إِسْبَالِ الإِزَارِ وَالْمَنِّ بِالْعَطِيَّةِ وَتَنْفِيقِ السِّلْعَةِ بِالْحَلِفِ وَبَيَانِ الثَّلاثَةِ الَّذِينَ لا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

### ازار لٹکانے، احسان جتلانے اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے کی شدید حرمت کا بیان، اور ان تین شخصوں کا بیان جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گفتگو نہیں کریں گے، نہ ان کو دیکھیں گے اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہت سے گنہ گاروں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے، مگر چند بدنصیبوں کو معافی نہیں ملے گی، ان کو ان کے گناہوں کی سزا ضرور ملے گی، مہربانی کی نظر نہیں کریں گے اور گناہوں سے پاک صاف نہیں کریں گے۔ باب کی حدیثوں میں ایسے نو شخصوں کا ذکر ہے، اور ان میں حصر نہیں، کوئی عدد اپنے مافوق کی نفی نہیں کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے بارے میں یہ بات فرمائی ہے، ان میں سے دس کا یہاں ذکر ہے، اور نفی لطف ومحبت سے کلام کرنے کی ہے، ناراض وغضب کے ساتھ تو کلام کریں گے۔

[ ٤٦- بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيمِ إِسْبَالِ الإِزَارِ وَالْمَنِّ بِالْعَطِيَّةِ وَتَنْفِيقِ السِّلْعَةِ بِالْحَلِفِ وَبَيَانِ الثَّلاثَةِ الَّذِينَ لا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ]

[١٧١-] حدثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: قَالَ:" ثَلاثَةٌ لا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ثَلاثَ مِرَارٍ. قَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا. مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ"

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت

کے دن (لطف ومہربانی سے) کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائیں گے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کریں گے، یعنی ان کے گناہ بغیر سزا کے معاف نہیں کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اور یہ بات نبی ﷺ نے تین بار فرمائی۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: وہ بڑے خسارے میں اور نامراد ہونگے؟ وہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ''لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعہ چلانے والا''

تشریح: وہ تین شخص جو ناکام ونامراد ہونگے یہ ہیں: —— تین مافوق کی نفی نہیں کرتا، نبی ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

۱-لنگی اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ شوافع کی کتابوں میں یہ مسئلہ تکبر کی قید کے ساتھ مذکور ہے، اور احناف کی کتابوں میں مطلق ہے، تکبر کے طور پر نہ ہو تو بھی حرام ہے، کیونکہ ہر شخص بہانہ بنا سکتا ہے کہ میری نیت تکبر کی نہیں ہے، پھر تکبر ایک مخفی چیز ہے، بہت سوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا، اور امور خفیہ میں شریعت کسی امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کر کے اس پر احکام دائر کرتی ہے، یہاں بھی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کو تکبر کی علامت قرار دے کر اس کو حرام کیا گیا ہے، اور حدیث میں خُیَلاء (تکبر) کی قید اتفاقی ہے، لوگ عام طور پر تکبر ہی کی وجہ سے کپڑا لٹکاتے ہیں، اس لئے یہ قید ہے، یا جو کپڑا غفلت سے لٹک آئے اس سے احتراز مقصود ہے (پس قید احترازی ہوگی) اور اِزار کی قید بھی اتفاقی ہے، اسبال: ہر کپڑے میں ہوتا ہے، ہر کپڑا پہننے کا جو معروف طریقہ ہے اس کے خلاف پہننا اسبال ہے، مثلاً: ٹوپی بہت زیادہ اونچی پہننا، کرتا نصف پنڈلی سے بھی نیچے لٹکانا اسبال ہے۔ آنحضور ﷺ کی قمیص نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، اور اب عرب جو توب (ثوب) پہنتے ہیں جو زمین کے قریب تک ہوتا ہے وہ عورتوں کا کرتہ ہے، اسی طرح بہت بڑی پگڑی باندھنا بھی اسبال ہے اور ممنوع ہے۔

۲-مَنَّان: مِنَّة (احسان) سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: بہت زیادہ احسان جتلانے والا، وہ شخص جو صدقہ، زکوۃ، امداد یا کسی اور طریقہ سے کسی کی مدد کرتا ہے، پھر دوسرے وقت اس کو اس کے منہ پر مارتا ہے کہ میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے تو وہ شخص ناکام ونامراد ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف نہیں کریں گے، کیونکہ احسان کرنے والے کو ثواب کی شکل میں احسان کا بدلہ فوراً مل جاتا ہے، پس یہ بلاوجہ احسان جتلانا ہے اور اس کی قباحت ظاہر ہے —— سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۶۴) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا تکلیف دے کر بے قیمت نہ کرو (یعنی احسان جتلانے یا تکلیف پہنچانے سے صدقہ، صدقہ نہیں رہتا اس لئے تم اس سے بچو) اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا'' یعنی صدقہ خیرات کر کے احسان جتلانا ریاکار منافق کا شیوہ ہے، جس کا دل ایمان کے نور سے محروم ہے، جو محض شہرت اور دکھاوے کے لئے اپنی دولت لٹا

رہا ہے، تمہارا رویہ اس ریاکار منافق جیسا نہیں ہونا چاہئے، احسان جتلانے والے کا گناہ بغیر سزا کے معاف نہیں ہوگا۔

۳- جھوٹی قسم کے ذریعہ سامان فروخت کرنے والا بھی حق جل مجدہ کی عنایات سے محروم رہے گا، حَلْف (مصدر) کے معنی ہیں: قسم کھانا اور حَلِف (اسم) کے معنی ہیں: قسم، جھوٹی قسم کھا کر سامان چلانا: گاہک کو دھوکہ دینا ہے اور اسلام میں دھوکہ دہی کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اس کا گناہ بھی بغیر سزا کے معاف نہیں ہوگا۔

فوائد:

۱- ازار لٹکانے سے متعلق روایات دو طرح کی ہیں، بعض میں خُیلاء کی قید ہے اور بعض میں یہ قید نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے مطلق کو مقید پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تکبر کے ساتھ کپڑا لٹکایا ہے تو حرام ہے اور تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، مگر احناف کی کتابوں میں یہ مسئلہ مطلق ہے، کیونکہ جس میں پہلے سے تکبر نہیں ہوتا: کپڑا لٹکانے سے اس میں بھی رفتہ رفتہ اتراہٹ پیدا ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں: اسبال: جرِّ ثوب کو مستلزم ہے اور جرِّ ثوب: خیلاء اور تکبر کو، پس کسی مُسْبِل کا یہ عذر کہ اس نے تکبر کی بنیاد پر نہیں لٹکایا ہے مسموع نہ ہوگا، ہاں قیام وقعود کے وقت غفلت سے ایسا ہو جائے اور تنبیہ کرنے کے بعد درست کر لے تو کچھ حرج نہیں۔

۲- عربی میں ازار: لنگی کو کہتے ہیں اور اردو میں پاجامہ کو اور مراد مطلق کپڑا ہے، خواہ لنگی ہو، پاجامہ ہو، پتلون ہو، کرتا ہو، ٹوپی ہو یا پگڑی ہو، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: الإِسْبَالُ: فِي الإِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ: مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: یعنی اسبال: لنگی، قمیص اور پگڑی سب میں ہوتا ہے جو بھی ان کو تکبر سے لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں کریں گے (رواہ ابوداؤد والنسائی) پس ہر کپڑا معروف انداز پر پہننا چاہئے، اور کسی لباس میں تکبر کو راہ نہیں دینی چاہئے —— ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک امام نماز پڑھانے آیا، اس کے عمامہ سے ساری محراب بھر گئی، یہ بات تکبر سے ناشی ہے، یا تکبر اس کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) ہے، یعنی پہلے سے اگر تکبر نہ بھی ہو تو رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۳- آج کل عرب جو توب (ثوب) پہنتے ہیں وہ جرِّ ثوب کے دائرہ میں آتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا اتراہٹ سے گھسیٹا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائیں گے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: عورتیں اپنے کرتوں کے دامن کیسے رکھیں؟ (معلوم ہوا کہ یہ حکم لنگی پاجامہ کے ساتھ خاص نہیں، صحابہ اس حکم کو ہر کپڑے کے لئے عام سمجھ رہے ہیں اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے یہ سوال کیا) نبی ﷺ نے فرمایا: عورتیں مردوں کے کرتے سے ایک بالشت کرتا نیچے رکھیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: تب تو ان کے پیر نظر آئیں گے، آپؐ نے فرمایا: پس عورتیں کرتے کو ایک ہاتھ نیچا رکھیں، اس سے زیادہ نیچا نہ رکھیں (ترمذی حدیث ۱۷۲۲) —— اس حدیث سے دو باتیں صاف معلوم ہوئیں: ایک: عورتوں کے لئے جواز نکلتا ہے

کہ وہ لنگی پاجامہ بھی ٹخنوں سے نیچے رکھ سکتی ہیں، کیونکہ اس میں ان کے لئے ستر ہے، یعنی حدیث میں اگر چہ کرتہ لٹکانے کا عورتوں کے لئے جواز ہے مگر اس سے لنگی پاجامہ لٹکانے کا جواز بھی عورتوں کے لئے ثابت ہوتا ہے۔ دوم: اس حدیث سے آسانی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ دورِ نبوی میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے، اس سے نیچا کرتا پہننا مردوں کے لئے زیبا نہیں، اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے اس کو مردوں کا کرتا کہنا مشکل ہے، یہ تو عورتوں کا کرتا ہے اور جرِ ثوب کے دائرہ میں آتا ہے۔

۴- جب کسی حکم کی علت مخفی ہوتی ہے تو شریعت کسی ظاہری چیز کو اس کے قائم مقام گردانتی ہے، جیسے سفر میں نمازوں میں قصر کی علت مشقت ہے مگر یہ ایک مخفی بات ہے، اس کا ادراک بہت مشکل ہے، اس لئے مخصوص سفر کو مشقت کے قائم مقام کردیا ہے، اسی طرح وضوء ٹوٹنے کی علت ریح کا نکلنا ہے مگر سونے والے کو اس کا ادراک نہیں ہوتا، اس لئے نیند کو خروجِ ریح کے قائم مقام کردیا ہے، اسی طرح اسبال کی ممانعت کی علت تکبر ہے، مگر تکبر ایک مخفی چیز ہے، بہت سوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کو اور غیر معروف طریقہ پر کپڑا پہننے کو تکبر کے قائم مقام کردیا ہے، اب حکم اس ظاہر پر دائر ہوگا، حقیقت کی طرف نظر نہیں کی جائے گی۔

وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلاَّدٍ الْبَاهِلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيىَ- وَهُوَ الْقَطَّانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الأَعْمَشُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُسْهِرٍ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْمَنَّانُ الَّذِي لاَ يُعْطِي شَيْئًا إِلاَّ مَنَّهُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْفَاجِرِ، وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ"

وَحَدَّثَنِيهِ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ - عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ. وَقَالَ:" ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ"

وضاحت: حضرت ابوذرؓ سے یہ حدیث خَرَشَة بن الحُرّ نے روایت کی ہے، اور ان سے ابوزرعہ نے (جو اوپر گذری) اور سلیمان بن مُسہِر نے پھر ان سے اعمش اور شعبہ نے روایت کی ہے، اور اعمش کی روایت میں صرف لایکلمهم الله (ایک جملہ) ہے اور شعبہ کی روایت میں ولا ینظر إلیهم إلخ بھی ہے یعنی ان کی حدیث میں چاروں کلمے ہیں۔

[۱۷۲-] وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيهِمْ- قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ:" وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ" وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:" شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ"

وضاحت: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اعمش نے ابو حازم کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور ان سے وکیع اور ابو معاویہ روایت کرتے ہیں، اور ابو معاویہ کی حدیث میں و لا ینظر إلیھم بھی ہے اور وکیع کی حدیث میں یہ جملہ نہیں، بقیہ حدیث یکساں ہے۔

اور اس حدیث میں دوسرے تین شخصوں کا ذکر ہے جن کو گناہوں کی سزا ضرور ملے گی:

۱- بڈھا زانی: آدمی جوان ہو، شہوتِ جماع کے اسباب قوی ہوں، تو زنا کا ارتکاب کر سکتا ہے مگر بوڑھے میں یہ اسباب ناپید ہوتے ہیں، اس کے لئے دواعی شہوت کمزور ہو جانے اور قویٰ میں اضمحلال آجانے کے بعد زنا سے بچنا بہت آسان ہے، پھر بھی وہ زنا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بے وقعت جانتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو اس پر سخت غصہ آتا ہے، اور اس کا عذاب شدید ہو جاتا ہے۔

۲- جھوٹا بادشاہ: آدمی جھوٹ یا تو ڈر اور خوف کی وجہ سے بولتا ہے یا کسی چیز کی حرص میں بولتا ہے، اور بادشاہ کو کسی کا کیا ڈر؟ اور کسی سے کیا امید؟ اس کے باوجود وہ جھوٹ بولتا ہے تو یہ عند اللہ سخت جرم ہے اور اس پر سخت ترین مؤاخذہ ہوگا۔

۳- گھمنڈی عیال دار: عام طور پر آدمی میں غرور و تکبر مال و دولت اور طاقت و قوت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور عیال دار کے پاس ان میں سے کچھ نہیں ہوتا، پس اس کا غرور و تکبر محض حق اللہ کے استخفاف پر محمول ہوگا، اس لئے اس کی سزا بھی شدید ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے مظاہر حق میں اس حدیث کی شرح میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن جو کہ فضلِ رب اور عدل و انصاف و غضبِ خداوندی کے مکمل طور پر ظہور کا دن ہوگا: نہ ان لوگوں سے مہربانی سے کلام کریں گے اور نہ ان کی جانب چشمِ عنایت فرمائیں گے، اس کا مشاہدہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے ناراض ہوتا ہے تو بطور اظہار ناراضگی اسے دیکھنا اور اس کی جانب نگاہ کرنا پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراضگی کے باعث نہ تو ان سے مشفقانہ اور رحیمانہ کلام کرے گا نہ ان کے گناہ معاف کر کے انہیں پاک و صاف کریں گے کہ نتیجۃً آرام و راحت اور سکون نصیب ہو، بلکہ اس کی پاداش میں ان کی گرفت کریں گے، بوڑھے زناکار پر سخت گرفت کی وجہ یہ ہے کہ بوڑھا عمر رسیدگی کی منزل پر پہنچنے کے باعث مغلوب الشہوت نہیں رہتا، اور کم سنی کی بنا پر حائل ہونے والا غفلت کا حجاب بھی دور ہو جاتا ہے، طولِ عمر اور اس کے تجربات اسے بہت کچھ سکھا دیتے ہیں اس کے باوجود اس کا یہ فعل اس کے خبثِ باطنی اور بے حیاء و بے شرمی کی دلیل ہے۔

رہا جھوٹ بولنا تو وہ سب ہی کے حق میں برا ہے، مگر اس کی برائی بادشاہ کے حق میں اور بھی شدید ہے کہ اسے کسی سے حصولِ نفع یا ضرر و نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا، اور اسے بلا کسی دباؤ کے احکامات کے نفاذ اور عدم نفاذ اور ملکی انتظام پر قدرت حاصل ہوتی ہے، پس اس کا جھوٹ بولنا قطعاً بے سود اور بدتر ہے۔

اور حدیث میں ذکر کردہ تیسرا فعل یعنی تکبر، تو وہ فی الحقیقت سب کے واسطے انتہائی قبیح ہے، اور مفلس ہو کر اظہارِ تکبر تو اور بھی برا ہے کہ مال وجاہ سے خالی شخص کے لئے اس کے تکبر کی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی، اور اس کا غرور صرف اس کے خبث باطن اور طبعاً برا ہونے کی نشاندہی کرتا ہے (مظاہر حق ۳:۱۷۹ و ۱۸۰)

[۱۷۳-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ- وَهٰذَا حَدِيْثُ أَبِيْ بَكْرٍ- قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "ثَلاَثٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ: رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلاَةِ يَمْنَعُهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيْلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلاً بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لاَ يُبَايِعُهُ إِلاَّ لِدُنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفٰى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گفتگو نہیں کریں گے اور ان کو (مہربانی سے) نہیں دیکھیں گے، اور ان کو ستھرا نہیں کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے: ایک: وہ شخص ہے جس کے پاس جنگل میں زائد پانی ہے، پس اس کو مسافر سے روکتا ہے۔ دوسرا: وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی کو اپنا سامان بیچا اور گاہک کے سامنے اللہ کی قسم کھائی کہ اس نے اتنے اور اتنے میں خریدا ہے، گاہک نے اس کے اعتماد پر سامان خرید لیا، حالانکہ بات اس کے علاوہ تھی، یعنی اس نے اتنے میں نہیں خریدا تھا، اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے اپنے امام سے بیعت کی، نہیں بیعت کی اس نے مگر دنیا کے لئے، پس اگر دنیا میں سے اس کو کچھ دیا تو بیعت پر برقرار رہا، اور اگر نہیں دیا تو بیعت پر برقرار نہیں رہا۔

تشریح:

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کو اعمش نے ابو صالح کے واسطہ سے روایت کیا ہے، اور اس میں بھی تین شخصوں کا ذکر ہے جن کے گناہ کی سزا سخت ہے۔

اول: زائد پانی مسافر سے روکنا بڑا گناہ ہے: کوئی مسافر جنگل سے گذر رہا ہے، وہاں کسی کے پاس برتن، بالٹی یا کنویں میں پانی ہے، اور اس کی ضرورت سے زائد ہے، مسافر اس میں سے پینا چاہتا ہے یا اپنے گھوڑے کو پلانا چاہتا ہے تو پانی کے مالک کو انکار نہیں کرنا چاہئے، اگر وہ پانی نہ دے تو یہ بڑا گناہ ہے، بخاری شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن فرمائیں گے: "آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جس طرح تو نے بچا ہوا پانی روکا تھا، جس کو تیرے دونوں ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا" (بخاری حدیث ۲۳۶۹) معلوم ہوا کہ زائد پانی روکنا بہت برا ہے اور آخرت میں اس کی سزا سخت ہے، اور لفظ فضل کی قید کا مفاد یہ ہے کہ اگر ضرورت سے زائد واقعتاً پانی نہ ہو تو روک سکتا ہے ـــــ الفلاة: ایسی

بے آب وگیاہ زمین جہاں کوئی ساتھی بھی نہ ہو، اور بخاری شریف میں بطریق ہے یعنی سرِ راہ زائد پانی ہو اور مسافر کو نہ دے تو بڑا گناہ ہے۔

دوم: اللہ کی جھوٹی قسم کھا کر عصر کے بعد سامان بیچنے والا اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا: جھوٹی قسم کھانا ہر حال میں برا ہے، مگر بعض صورتوں میں جھوٹی قسم کی سنگینی بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی مسجدِ نبوی میں منبر نبوی کے اوپر چڑھ کر جھوٹی قسم کھائے، یا مکہ مکرمہ میں حجر اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان ملتزم پر کھڑا ہو کر جھوٹی قسم کھائے، یا جامع مسجد میں منبر پر کھڑا ہو کر جھوٹی قسم کھائے تو یہ عام قسم سے سنگین اور بھاری جرم ہے، اسی طرح عصر کے بعد کا وقت ملائکہ کے اجتماع کا وقت ہے، اس وقت میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں، اور رات دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، پس یہ بابرکت وقت ہے، اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بھی سخت جرم ہے، اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہے (یہ صورت اوپر آچکی ہے، مگر وہاں عصر کے بعد کی قید نہیں تھی)

سوم: وہ شخص جو امیر المؤمنین سے دنیا کی لالچ میں بیعت کرتا ہے، پھر اگر امیر خاطر تواضع کرے تو بیعت پر برقرار رہتا ہے، ورنہ دشمنوں سے جاملتا ہے: یہ بھی بڑا اور سنگین جرم ہے اور اس کی سزا بھی سخت ہے، اس لئے کہ امیر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جو شخص امیر کی اطاعت کرتا ہے اس نے یقیناً میری اطاعت کی اور جو میرے امیر کی نافرمانی کرتا ہے اس نے یقیناً میری نافرمانی کی" (مشکوٰۃ حدیث ۳۶۶۱) اور امیر کی اطاعت اس لئے واجب ہے کہ اس سے ملت کی شان بلند ہوتی ہے، وہ مملکت کی تنظیم کرسکتا ہے، اور یہ دونوں باتیں نبی ﷺ کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے ہیں، پس گویا خلیفہ: رسول اللہ ﷺ کا نائب اور آپؐ کے معاملہ کو آگے بڑھانے والا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کی طرح امام کی اطاعت بھی واجب ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی طرح امام کی نافرمانی بھی حرام ہے، البتہ اگر امام کسی گناہ کے کام کا حکم دے تو پھر اطاعت جائز نہیں، کیونکہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہیں، اور گناہ کی بات میں وہ رسول اللہ ﷺ کا نائب نہیں، نہ وہ اللہ کا حکم ہے، پس اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔

وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْثَرٌ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ. غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: "وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ"

وضاحت: یہ حدیث جریر اور عبثر نے بھی بواسطہ اعمش روایت کی ہے اور جریر کی حدیث میں بَایَعَ کی جگہ سَاوَمَ ہے، سَاوَمَ سِوَامًا وَمُسَاوَمَةً بِالسِّلْعَةِ: سامان کا بھاؤ تاؤ کرنا۔

[۱۷۳-] وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ- قَالَ: أُرَاهُ مَرْفُوعًا- قَالَ:" ثَلاثَةٌ لا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ بَعْدَ صَلاةِ الْعَصْرِ عَلٰى مَالِ مُسْلِمٍ فَاقْتَطَعَهُ" وَبَاقِي حَدِيثِهِ نَحْوَ حَدِيثِ الأَعْمَشِ.

وضاحت: یہ حدیث عمرو نے ابوصالح کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اعمش نے بھی اسی واسطہ سے روایت کی ہے اور دونوں کی حدیثیں یکساں ہیں، بس تھوڑے الفاظ مختلف ہیں —— فَاقْتَطَعَهُ: یہ قَطع سے مشتق ہے، یعنی بیچنے والے نے جھوٹی قسم کھا کر خریدار کے مال کا ایک حصہ ہڑپ کرلیا۔ قَطَع (ف) قَطْعًا وَمَقْطَعًا الشیئَ: کاٹنا، جدا کرنا۔

## بَابُ بَيَانِ غِلْظِ تَحْرِيمِ قَتْلِ الإِنْسَانِ نَفْسَهُ، وَأَنَّ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْئٍ عُذِّبَ بِهِ فِي النَّارِ، وَأَنَّهُ لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ

## خودکشی کرنے کی سخت حرمت، خودکشی کرنے والے کو جہنم میں اس طرح سزا دی جائے گی جس طرح اس نے خودکشی کی ہے اور جنت میں مسلمان ہی جائے گا

خودکشی (کاف کا پیش) خود کو مار ڈالنا، کُشتن: مار ڈالنا سے ماخوذ ہے، کشیدن: کھینچنا سے ماخوذ نہیں، خودکشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ حدیثوں میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، کیونکہ جس طرح دوسرے کو قتل کرنا حرام ہے خود کو مار ڈالنا بھی حرام ہے، آدمی نہ اپنی جان کا مالک ہے نہ اعضاء کا کہ جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے، پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں مر کر مصیبتوں سے نجات پا جاؤں گا تو یہ خام خیالی ہے، اس لئے کہ موت سے صرف بدن مرتا ہے، روح نہیں مرتی، اس کو جسم سے نکلنے کے بعد جزاء و سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر خودکشی کرنے کا کیا فائدہ؟ ہوسکتا ہے آگے اور بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے، اس لئے مؤمن کو کبھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے —— البتہ خودکشی کرنے والا مؤمن ہی رہتا ہے، ایمان سے خارج نہیں ہوتا، پس دیگر گنہ گار مؤمنوں کی طرح اس کی بھی بخشش ہوگی، اور اس کی دلیل آئندہ دوسرے باب میں آرہی ہے۔

### خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی:

تمام ائمہ متفق ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ خودکشی کرنے والا اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: صَلُّوا علیٰ کُلِّ بِرٍّ وَفَاجِرٍ: ہر شخص کی خواہ نیک ہو یا بد نمازِ جنازہ پڑھو، یہ حدیث دارقطنی

میں ہے، اور منقطع ہے، مکحول کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور سنن میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کی، نبی ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، دوسروں نے پڑھی، چنانچہ نسائی (۲۷۹:۱) میں ہے: أَمَّا أَنَا فَلاَ أُصَلِّيْ علیه: رہا میں تو اس کا جنازہ نہیں پڑھتا، یعنی آپ لوگ پڑھیں، اور آپ کا نمازِ جنازہ نہ پڑھنا زجراً تھا، چنانچہ علماء اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قاتل نفس کے جنازہ میں مقتدیٰ (اسم مفعول) کو شریک نہیں ہونا چاہئے تاکہ اس قبیح فعل پر زجر ہو۔

[ ۴۷- بَابُ بَيَانِ غِلَظِ تَحْرِيْمِ قَتْلِ الإِنْسَانِ نَفْسَهُ، وَأَنَّ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْئٍ عُذِّبَ بِهِ فِي النَّارِ، وَأَنَّـهُ لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ ]

[۱۷۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ شَرِبَ سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا کسی لوہے سے یعنی چھری تلوار وغیرہ سے تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس سے اپنے پیٹ کو بھونکے گا: وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ (لمبے عرصہ تک) رہے گا اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو مار ڈالا، تو وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پئے گا: وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہے گا، اور جو شخص کسی پہاڑ سے گرا، پس اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو وہ پہاڑ سے گرے گا: وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہے گا۔

لغات: الحدید: لوہا، کاٹنے والی چیز، سخت لوہے کو مذکر سے اور نرم کو مؤنث سے تعبیر کرتے ہیں، جمع: اَحِدّاء وحِدَاد ...... یَتَوَجَّأُ: وَجَأَ یَوْجَأُ وَجْأً وَتَوَجَّأَ فلانا بالسِّكِّيْنِ: کسی کو چھری سے مارنا ...... بیده: ہاتھ سے مارنا ...... مخلَّد: اسم مفعول، خَلَّدَهُ وَأَخْلَدَهُ: ہمیشہ کے لئے رکھنا، خَلَدَ (ف) خُلُوْدًا: ہمیشہ رہنا ...... سَمٌّ: (سین پر تینوں اعراب) زہر، سوئی کا ناکا، جمع: سِمَام وَسُمُوْم، سَمُّ الفار: سنکھیا، سَمُّ السَّمَک: ماہی زہرہ (ایک دوا کا نام) ...... يَتَحَسَّاهُ: حَسَا (ن) حَسْوًا وَتَحَسَّى الْمَرَقَ: تھوڑا تھوڑا پینا ...... تَرَدَّى: چادر اوڑھانا ...... تَرَدَّى فی البئر: کنویں میں گرنا۔

تشریح:

۱- خودکشی کرنے والے کو جنس عمل سے سزا دی جائے گی، اس نے خود کو مار ڈالنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسی عمل کو وہ برابر دہراتا رہے گا، قبر میں بھی، حشر میں بھی اور جہنم میں بھی، مگر کسی دن وہ جہنم سے نکالا جائے گا، کیونکہ اہلِ حق

متفق ہیں کہ کفر وشرک کے علاوہ کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں، اور یہ بات کہ خودکشی کرنے والا ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا: زجر وتوبیخ کے طور پر فرمایا ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا یہی ہے، مگر دیگر نصوص سے ثابت ہے کہ مؤمنین کو یہ سزا نہیں دی جائے گی، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کسی نہ کسی دن جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

۲- اسی قسم کی روایات سے گمراہ فرقوں (معتزلہ اور خوارج) نے استدلال کیا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس لئے اہل السنہ والجماعہ نے اس قسم کی روایات کے مختلف جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: یہ حدیث مستحل کے بارے میں ہے، یعنی جو شخص خودکشی وغیرہ گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ ہر گناہ کو حلال سمجھنا کفر نہیں، بلکہ صرف اس گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے جس کی حرمت لعینہٖ ہو، اور اس کا ثبوت ایسی قطعی دلیل سے ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، اور خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں، اور ارشادِ پاک: ﴿ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾: اگرچہ نص قطعی ہے مگر ظنی الدلالہ ہے، أنفس سے مراد دیگر مؤمنین ہیں، أی لا يقتل بعضكم بعضا، اور أنفسكم سے ان کو اس لئے تعبیر کیا ہے کہ سب مؤمنین كنفس واحدة ہیں۔

دوسرا جواب: خلود سے مکث طویل مراد ہے، خَلَدَ بالمكان کے معنی ہیں: دیر تک قیام کرنا، اور خَلَّدَه کے معنی ہیں: عمر بھر قید رکھنا، سورۃ النساء آیت ۹۳ میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کے بارے میں ﴿ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا ﴾ آیا ہے، یعنی اس کی سزا جہنم ہے، جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا، اس آیت کی تفسیر مکث طویل سے کی گئی ہے، یعنی خلود سے لمبی مدت تک جہنم میں رہنا مراد ہے، اور الأبد: مطلق زمانہ کے لئے بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے: طَالَ الْأَبَدُ علی لُبَدٍ: یعنی اس پر ایک طویل زمانہ گذر چکا ہے۔

تیسرا جواب: خلود: اس عذاب سے متصف ہونے کی صفت ہے، دخولِ جہنم کی صفت نہیں، یعنی جب تک جہنم میں رہے گا اس عذاب سے متصف رہے گا۔

چوتھا جواب: ابھی گذرا کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور زجر وتوبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا یہی ہے مگر دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ مؤمنین پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کسی نہ کسی دن جہنم سے نکال لیا جائے گا، کیونکہ تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر وشرک کے کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے: محمد بن عجلان سعید مقبری سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”جس نے اپنے آپ کو کسی زہر سے مار ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں سزا دیا جائے گا“ اس حدیث میں خالداً مخلداً فيها أبدًا نہیں ہے، اور یہ حدیث اسی طرح ابو الزناد: عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابو الزناد

کی سند سے بھی حدیث میں خالداً مخلداً أبداً نہیں ہے، اور امام ترمذی نے اسی روایت کو صحیح ترین قرار دیا ہے جس میں خالدا مخلدا فيها أبدا نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ گنہ گار مؤمنین جہنم میں جائیں گے مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور کسی روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ مؤمنین ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، اس لئے جن روایتوں میں خالدا مخلدا فيها أبدا ہے وہ شاذ ہیں —— یہ پانچواں جواب ہے —— مگر حضرت رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ غور طلب ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں، ابو صالح ذکوان، سعید مقبری اور عبد الرحمٰن بن ہرمز اعرج، پھر اعرج سے ابو الزناد روایت کرتے ہیں، یہ روایت (بخاری حدیث ۱۳۶۵) میں ہے، اس میں خالدا مخلدا فيها أبدا نہیں ہے، اور سعید مقبری سے محمد بن عجلان روایت کرتے ہیں، اس میں بھی یہ بات نہیں ہے۔

اور ابو صالح ذکوان سے سلیمان اعمش روایت کرتے ہیں، پھر ان سے چار تلامذہ روایت کرتے ہیں: (۱) عبیدۃ بن حمید، ان کی روایت ترمذی (حدیث ۲۰۴۱) میں ہے اور ان کو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، باقی تین تلامذہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں، اور اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے (۲) شعبہ، ان کی حدیث بخاری (حدیث ۵۷۷۸) میں اور نسائی (حدیث ۱۹۶۵) میں ہے (۳) ابو معاویہ، ان کی حدیث ابو داؤد (حدیث ۳۸۷۳) اور مسند احمد (۲:۲۵۴) میں ہے (۴) اور وکیع، ان کی روایت یہاں باب میں (مسلم حدیث نمبر ۱۷۵) اور ابن ماجہ (حدیث ۳۴۶۰) میں ہے، ان تمام روایات میں خالدا مخلدا فيها أبدا ہے، پس ان سب روایات کو جن میں بعض بخاری اور مسلم میں ہیں غیر صحیح کہنا، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ممکن نہیں[1]، غرض یہ جملے محفوظ ہیں، اور حدیث کی توجیہ وہ ہے جو اوپر عرض کی گئی۔

وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ- وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ - ح: وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ- يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كُلُّهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ، وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ ذَكْوَانَ.

وضاحت: جریر، عبثر بن القاسم اور خالد بن الحارث نے بھی بواسطہ شعبہ اسی سند سے حدیث روایت کی ہے جس سند سے وکیعؒ نے روایت کی ہے، البتہ وکیعؒ کی روایت میں سلیمان اعمشؒ نے ابو صالح ذکوان سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور اعمش مدلس ہیں اس لئے متابعت میں شعبہ کی سند لائے، اس میں اعمش کا ابو صالح ذکوان سے سماع کی صراحت ہے۔

(۱) یاد رکھنا چاہئے کہ امام ترمذیؒ نے صاف لفظوں میں شاذ یا غیر صحیح نہیں کہا ہے، ہاں دبے لفظوں میں کہا ہے۔

[۱۷۶-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الدِّمَشْقِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ: أَنَّ أَبَا قِلَابَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَحْتَ الشَّجَرَةِ. وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَيْسَ عَلٰى رَجُلٍ نَذْرٌ فِي شَيْءٍ لَا يَمْلِكُهُ"

ترجمہ: حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ نے ـــــ جنھوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی تھی، یعنی بیعت رضوان میں شریک تھے ـــــ ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی قسم کھائی تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا، اور جس نے خود کو کسی ہتھیار سے مار ڈالا تو وہ اس ہتھیار سے جہنم میں سزا دیا جائے گا، اور انسان کے ذمہ کوئی منت نہیں اس چیز میں جس کا وہ مالک نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو نئے مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: اس طرح قسم کھانا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا ہو تو وہ یہودی یا ہندو ہے اور وہ جھوٹا ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا: ’’وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا‘‘ یعنی وہ یہودی یا ہندو ہو گیا ـــــ یہ حدیث از قبیل وعید ہے، یعنی ایسی قسم کھانا سخت گناہ کبیرہ ہے، مگر وہ شخص مرتد نہیں ہوگا، البتہ اگر اس ملت کی تعظیم کے مقصد سے قسم کھائی ہے تو کافر ہو جائے گا اور اگر اس سے دوری مقصود ہو تو یہ قسم مکروہ تحریمی ہے۔

پھر اس قسم کا تعلق ماضی سے ہے تو یہ یمین غموس ہے، اس کا گناہ سخت ہے، مگر اس میں کفارہ نہیں، اور اگر زمانہ آئندہ سے تعلق ہے، یعنی آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی کوئی ایسی قسم کھائی ہے پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو جن حضرات کے نزدیک معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی ان کے نزدیک کوئی کفارہ نہیں، اہل مدینہ (مالک وشافعی) کا یہی قول ہے، اور احناف وحنابلہ کے نزدیک ایسی قسم کھاتے ہی کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ یہ حرام کو حلال کرنا ہے۔

فائدہ: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مانے تو وہ نذر بے کار ہے، پس کفارہ بھی واجب نہیں، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے، اگرچہ اس کا وفا جائز نہیں، پس قسم کا کفارہ واجب ہوگا ـــــ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.(۱) ’’یعنی کسی بھی گناہ کی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے‘‘ اس حدیث میں نفی کس

(۱) اس حدیث کی صحت وضعف میں اختلاف ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے کہ امام طحاوی اور ابن السکن نے اس کی تصحیح کی ہے، پس اتفاق کہاں رہا؟ (تفصیل تحفۃ الالمعی ۴: ۴۵۷ میں ہے) مگر نسائی میں (حدیث نمبر ۳۸۴۵) حضرت عمرانؓ کی صحیح حدیث موجود ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: ’’نذریں دو ہیں: ایک طاعت ←

چیز کی ہے، انعقاد کی یا وفا کی؟ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک انعقاد کی نفی ہے، یعنی نذر معصیت منعقد ہی نہیں ہوتی، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک وفا کی نفی ہے یعنی نذر معصیت منعقد تو ہو جاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا جائز نہیں، اور دلیل اگلا جملہ ہے کہ اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے، معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے، اس وجہ سے کفارہ واجب ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معصیت کی نذر ماننا حرام کو حلال کرنا ہے، جو بحکم یمین ہے، جیسا کہ اس کی برعکس صورت حلال کو حرام کرنا یمین ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو حرام کیا تھا، چنانچہ سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات میں آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ماریہؓ سے تعلق رکھیں اور قسم کا کفارہ دیں، پس آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا (درمنثور)

دوسرا مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی چیز کی منت مانے درانحالیکہ وہ اس کا مالک نہیں، یا غیر کے غلام کو آزاد کرے، یا اجنبیہ کو طلاق دے تو یہ منت، عتاق اور طلاق لغو ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ ان کی تعلیق معتبر ہے یا وہ بھی لغو ہے؟ اس میں ائمہ میں اختلاف ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۴: ۷۰) میں ہے۔

حَدَّثَنِی أَبُوغَسَّانَ الْمِسْمَعِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ- وَهُوَ: ابْنُ هِشَامٍ - قَالَ: حَدَّثَنِی أَبِی، عَنْ یَحْیَی ابْنِ أَبِی کَثِیرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِی أَبُو قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَیْسَ عَلٰی رَجُلٍ نَذْرٌ فِیمَا لَا یَمْلِکُ، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ کَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَیْءٍ فِی الدُّنْیَا عُذِّبَ بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَمَنِ ادَّعٰی دَعْوٰی کَاذِبَةً لِیَتَکَثَّرَ بِهَا لَمْ یَزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا قِلَّةً، وَمَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِینِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ"

ترجمہ مع وضاحت: یہ بھی حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور اس میں مزید تین باتیں ہیں:

پہلی بات: وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ کَقَتْلِهِ: مسلمان پر لعنت بھیجنا اس کو مار ڈالنے کی طرح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس حرمت میں دونوں برابر ہیں، اگرچہ قتل کی سزا سخت ہے اور شدید ہے۔

اور یہ ارشاد پہلے گذرا ہے وہاں بتایا تھا کہ گالیاں بکنا اور لعنتیں بھیجنا اخلاقِ رذیلہ میں سے ہیں، اس لئے احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، اور لعنت کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہنے کی بددعا دینا، قرآنِ کریم میں لعنت وغضب کا کفار و منافقین کے لئے استعمال آیا ہے اور سورۃ البقرہ کی (آیت ۹۳) میں جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے آیا ہے، اور آئندہ مسلم ہی میں یہ روایت آرہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر وقت لعنت بھیجنے والوں کو

← کی نذر، یہ اللہ کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری گناہ کی نذر، یہ شیطان کے لئے ہے اور اس کا پورا کرنا جائز نہیں، اور اس کا گناہ وہ چیز مٹاتی ہے جو قسم (توڑنے) کا گناہ مٹاتی ہے یعنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے" معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے، اسی لئے کفارہ واجب ہے۔

نہ شہادت کا حق دیا جائے گا اور نہ شفاعت کا" غرض کسی پر بھی لعنت بھیجنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کے آخری انجام کے بارے میں کوئی علم نہیں، البتہ کسی کے برے کاموں پر لعنت بھیج سکتا ہے اسی طرح جن کا کفر وشرک پر مرنا قطعی اور یقینی ہے جیسے ابوجہل، ابولہب اور فرعون وغیرہ، یا جو کھلم کھلا کفر پر مرا ہے، ان پر لعنت بھیج سکتا ہے۔

دوسری بات: وَمَنِ ادَّعَى دَعْوَى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بها لم يَزِدْهُ اللهُ إِلَّا قِلَّةً: اور جس شخص نے کوئی جھوٹا دعوی کیا تاکہ اس کے ذریعہ مال یا عزت بڑھائے تو اللہ تعالیٰ اس کا مال اور اس کی عزت کم کردیں گے —— قوله: كاذبة: مذکر ومؤنث دونوں صحیح ہیں یعنی دعوی کاذب، دعوی کاذبہ، اور یہ عام ہے، کسی کے مال پر ناجائز دعوی کیا اور اپنا بنالیا، یا جھوٹے ثبوت پیش کر کے گاہک کو پھنسالیا اور کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت میں چلادی، یا کسی علمی اور عملی کمال کا جھوٹا دعوی اور مظاہرہ کیا، یا مالداری کا یا خاندانی عزت وشرافت کا دعوی کیا، سب صورتوں کو یہ عام ہے، اس قسم کے جھوٹے دعووں سے اس کے خلاف ہوگا، مال ودولت میں سے خیر وبرکت جاتی رہے گی، اور شرافت وبزرگی اور علمی وعملی کمال کا جھوٹا دعوی کرنے والے کو کسی دن رسوا ہونا پڑے گا، اور آخرت کی رسوائی وذلت تو یقینی ہے۔

تیسری بات: وَمَنْ حَلَفَ على يَمِينِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ: مرکب توصیفی ہے اور مرکب اضافی بھی پڑھ سکتے ہیں، أي يَمينِ ذات صَبْرٍ، اور صَبْر کے معنی ہیں: روکنا، کورٹ میں جب مدعی علیہ پر قسم متوجہ ہوتی ہے تو اس کو لامحالہ قسم کھانی پڑتی ہے، یہ یمین صبر ہے، اگر یہ قسم جھوٹی کھائی تو؟ جزاء محذوف ہے أي فغضب الله عليه، یعنی کورٹ میں حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائے گا تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، چنانچہ دیگر احادیث میں لَقِيَ اللهَ وهو عليه غضبان آیا ہے (بخاری حدیث ۶۶۷۶) البتہ مسلم کے تمام نسخوں میں جزاء محذوف ہے۔ غرض عام احوال میں جو جھوٹی قسم کھائی جائے وہ یمین صبر نہیں، کورٹ میں حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھانا اس کا مصداق ہے اور عدالت میں جھوٹی قسم کھانا تباہی لاتا ہے۔ ایک سچا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان کا ایک بنیے کے ساتھ ایک زمین کے سلسلہ میں جھگڑا تھا، میرٹھ کی عدالت میں مقدمہ تھا اور جج انگریز تھا، جس دن فیصلہ ہونا تھا بنیا رومال میں کوئی چیز لپیٹ کر لے گیا، اور جج کے سامنے اس کو کھول کر کہا: یہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن ہے، اگر یہ شخص اس کتاب کو ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہہ دے کہ یہ زمین میری ہے تو اس سے دستبردار ہوجاؤں گا، اس بندۂ خدا نے جھوٹی قسم کھالی۔ اور جج نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا، مجھ سے یہ واقعہ اسی بستی کے آدمی نے بیان کیا کہ ایک سال کے اندر اندر اس مسلمان کے گھر کے سب افراد مرگئے، کوئی نہیں بچا، یہ اس جھوٹی قسم کا وبال تھا۔ غرض عام معاملات میں بھی جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے، مگر عدالت میں جھوٹی قسم کھانا تو وبال ڈھاتا ہے۔

ملحوظہ: اس آخری ارشاد کا شان ورود آئندہ (باب ۶۱ میں) آرہا ہے۔

[۱۷۷-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، كُلُّهُمْ عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ

الضَّحَّاكِ الْأَنْصَارِیّ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنِ الثَّوْرِیِّ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِی قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِهِ فِی نَارِ جَهَنَّمَ" هٰذَا حَدِيثُ سُفْيَانَ. وَأَمَّا شُعْبَةُ فَحَدِيثُهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَنْ ذَبَحَ نَفْسَهُ بِشَیْءٍ ذُبِحَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وضاحت: یہ بھی حضرت ثابت بن ضحاکؓ کی حدیث ہے، اور سفیان ثوریؒ کی حدیث میں متعمّدا بھی ہے، یعنی جان بوجھ کر غیر ملت کی جھوٹی قسم کھائی، اور شعبہ کی حدیث میں متعمدا نہیں، اور جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کا نام یمین غموس ہے، اور جس قسم کا جھوٹ ہونا زمانۂ آئندہ میں معلوم ہو اس کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔

غموس: کے معنی ہیں: وہ قسم جو گناہ میں ڈبودے، غرق کردے، جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا اعظم کبائر میں سے ہے (بخاری حدیث ۶۶۷۵) اور دوسری حدیث میں ہے: الیمینُ الغَمُوْسُ تَذَرُ الدِّیَارَ بَلاقِعَ: جھوٹی قسم آبادیوں کو ویرانہ بنادیتی ہے (ابن حبان ۲:۵۰۴، ابوالدہماء کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے) —— امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کفارہ واجب ہے، اور احناف کے نزدیک کفارہ واجب نہیں، وہ اتنا بھاری گناہ ہے کہ کفارہ سے دھل نہیں سکتا، توبہ ہی سے معاف ہوسکتا ہے، اور یمین منعقدہ میں بالاجماع کفارہ واجب ہوتا ہے۔

ملحوظہ: یمین کی چار قسمیں ہیں: یمینِ منعقدہ، یمینِ لغو، یمینِ غموس اور یمینِ محال۔ ان کے احکام تحفۃ الالمعی (۴:۴۵۵) میں ہیں۔

سوال: اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ابوقلابہ مدارالاسناد ہیں، دونوں سندیں ان پر جمع ہوتی ہیں، پس پہلی سند ان پر روک دینی چاہئے تھی، امام مسلم رحمہ اللہ کی عادت کے خلاف اس جگہ کلام میں طول ہے؟

جواب: پہلی سند میں جو شعبہ کی بواسطہ ایوب ہے: اس میں ابوقلابہ نے حضرت ثابت کی نسبت انصاری بیان کی ہے اور دوسری سند میں جو ثوری کی بواسطہ خالد حذاء ہے: اس میں ابوقلابہ نے یہ نسبت بیان نہیں کی ہے، اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے طول کو گوارا کیا گیا ہے (شرح نووی)

[۱۷۸-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، قَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حُنَيْنًا فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ:" هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ" فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالاً شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ، فَقِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! الرَّجُلُ الَّذِی

قُلْتَ لَهُ آنِفًا:" إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ" فَإِنَّهُ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالاً شَدِيْدًا، وَقَدْ مَاتَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِلَى النَّارِ" فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يَرْتَابَ، فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذٰلِكَ إِذْ قِيْلَ: إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ، وَلٰكِنْ بِهِ جِرَاحًا شَدِيْدًا! فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِذٰلِكَ فَقَالَ:" اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ" ثُمَّ أَمَرَ بِلاَلاً فَنَادَى فِي النَّاسِ:" إِنَّهُ لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ حنین میں تھے، آپؐ نے ایک ایسے شخص کے متعلق جو مسلمان ہونے کا دعوی دار تھا، فرمایا: یہ دوزخی ہے! پھر جب جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص بڑی بہادری سے لڑا، اور زخمی ہوگیا، پس عرض کیا گیا: اے اللہ رسول! وہ شخص جس کے بارے میں ابھی آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے، آج وہ بڑی بہادری سے لڑا اور شہید ہوگیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ میں گیا (راوی کہتا ہے) پس قریب تھے بعض لوگ کہ شک میں مبتلا ہو جائیں، پس دریں اثناء کہ لوگ اس حال میں تھے: اچانک کہا گیا کہ وہ مرا نہیں، البتہ بہت زخمی ہوگیا ہے، پس جب رات آئی تو وہ زخموں کی تاب نہ لاسکا اور اس نے خودکشی کرلی (یہاں باب ہے) پس نبی ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں! پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے لوگوں میں پکارا (منادی کی) جنت میں مسلمان شخص ہی جائے گا (اسی کی وجہ سے باب میں دوسرا جزء بڑھایا ہے) اور اللہ تعالیٰ اس دین کو بدکار آدمی کے ذریعہ تقویت پہنچاتے ہیں —— فاجر سے مراد عام ہے، خواہ وہ کافر ہو یا فاسق۔

ملحوظہ: آئندہ حدیث میں بھی اسی کے لگ بھگ واقعہ ہے، شاید دونوں واقعے ایک ہیں، شرح دونوں حدیثوں کی ایک ساتھ آئے گی۔

[۱۷۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ- وَهُوَ: ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ- حَيٌّ مِنَ الْعَرَبِ- عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُوْنَ فَاقْتَتَلُوْا، فَلَمَّا مَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَسْكَرِهِ، وَمَالَ الآخَرُوْنَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ، وَفِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ لاَ يَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً، إِلاَّ اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ، فَقَالُوْا: مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلاَنٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَنَا صَاحِبُهُ أَبَدًا. قَالَ: فَخَرَجَ مَعَهُ، كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ، وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ، قَالَ: فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيْدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ

بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: أَشْهَدُ إِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ! قَالَ:" وَمَا ذَاكَ؟" قَالَ: الرَّجُلُ الَّذِيْ ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ. فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ. فَقُلْتُ: أَنَا لَكُمْ بِهِ، فَخَرَجْتُ فِيْ طَلَبِهِ حَتّٰى جُرِحَ جُرْحًا شَدِيْدًا، فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ، فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ، ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ ذٰلِكَ:" إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيْمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيْمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ"

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا مشرکین کے ساتھ مقابلہ ہوا، پس دونوں آپس میں لڑے پس (شام میں) رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کی طرف (یعنی اپنے کیمپ کی طرف) اور دوسرے لوگ اپنے لشکر (کیمپ) کی طرف لوٹ گئے، اور صحابہ میں (قزمان نامی) ایک شخص تھا، وہ نہیں چھوڑتا تھا مشرکین میں سے کسی اکا دکا کو (شَاذَّةٌ اور فَاذَّةٌ کے ایک معنی ہیں: اکا دکا، اور یہ نَسَمَةٌ (موصوف محذوف) کی صفت ہے) مگر اس کے پیچھے لگ جاتا تھا، اور اس کو تہہ تیغ کر دیتا تھا، پس لوگوں نے کہا: نہیں شاندار کارنامہ انجام دیا ہماری طرف سے آج کسی نے جیسا فلاں نے شاندار کارنامہ انجام دیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "سنو! بیشک وہ دوزخ والوں میں سے ہے" پس قوم میں سے ایک شخص نے کہا: (ان کا نام اکثم بن ابی الجون خزاعی ہے) میں اس کے ساتھ لگوں گا (اور دیکھوں گا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے) پس وہ اس کے ساتھ نکلا، جہاں وہ ٹھہرتا یہ بھی ٹھہرتا، اور جہاں وہ تیز چلتا یہ بھی تیز چلتا، اس نے کہا: وہ آدمی سخت زخمی ہو گیا اور اس نے جلدی موت چاہی، پس اس نے اپنی تلوار کی انّی زمین پر رکھی اور اس کی کَنّی (وہ حصہ جس سے مارا جاتا ہے) اپنی دونوں پستانوں کے درمیان رکھی، پھر وہ اپنی تلوار پر جھک گیا، اور اپنے آپ کو مار ڈالا (یہاں باب ہے) پس وہ آدمی (یعنی اکثم رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں! آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا: وہ آدمی جس کا آپؐ نے ابھی تذکرہ کیا تھا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہے: لوگوں نے اس بات کو بھاری سمجھا تھا (کہ اس طرح بے جگری سے لڑنے والا اور جہاد کرنے والا جہنمی ہے تو پھر ہمارا کیا حال ہوگا؟) پس میں نے کہا: میں تمہارے لئے اس کے ساتھ لگتا ہوں، پس میں اس کی طلب میں نکلا، یہاں تک کہ وہ سخت زخمی ہو گیا اور اس نے جلدی مرنا چاہا تو اس نے اپنی تلوار کی انّی زمین پر رکھی اور اس کی کَنّی اپنی دونوں پستانوں کے درمیان رکھی، پھر اس پر جھک گیا اور اپنے آپ کو مار ڈالا، پس نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا: بیشک ایک آدمی البتہ کرتا ہے جنت والوں کے کام اس چیز میں جو ظاہر ہوتی ہے لوگوں کے لئے، یعنی بہ ظاہر جنتیوں والا عمل کرتا ہے درانحالیکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے، اور بیشک ایک آدمی بہ ظاہر دوزخ والوں کا کام کرتا ہے حالانکہ وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے۔

لطیفہ: حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ جب اس حدیث سے گذرتے تو مسکراتے اور آگے بڑھ جاتے، کسی نے تبسم کی وجہ

پوچھی، فرمایا: حدیث میں ہے: لاتُجزِئُ صَلٰوۃٌ إِلا بفاتحة الکتاب: سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز کافی نہیں، یعنی دال دلیا تو ہوجاتا ہے مگر کامل ادا نہیں ہوتی، کیونکہ فاتحہ واجب ہے۔

حضرات شوافع لا تُجزِئُ کا ترجمہ لاتَجُوزُ کرتے ہیں اور نماز میں سورۂ فاتحہ کو فرض کہتے ہیں، حالانکہ اِجزاء کے معنی کافی ہونے کے ہیں، اور مراد اجزاء کامل ہے، فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی، اس حدیث میں بھی جس اجزاء کا ذکر ہے اس سے کامل اجزاء مراد ہے، ورنہ قتال تو اور لوگوں نے بھی کیا تھا، حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح کامل طور پر پوری بہادری کے ساتھ قزمان نے قتال کیا تھا، ہم میں سے کسی اور نے اس طرح قتال نہیں کیا تھا۔

(تحفۃ القاری ۸: ۳۱۲)

تشریح:

۱- اس حدیث میں جس شخص کی خودکشی کا ذکر ہے اس کا نام قزمان ظفری اور اس کی کنیت ابو الغیداق تھی، اس کا شمار منافقین میں تھا، احد کی جنگ میں وہ شریک نہیں ہوا تھا، پس عورتوں نے اس کو طعنہ دیا، اس لئے وہ جنگ میں نکلا اور جم کر لڑا تا کہ داغ دھل جائے ـــــــ معجم طبرانی میں ہے کہ اکثم بن ابی الجون خزاعی نے عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں شخص جس بہادری کے ساتھ لڑا ایسی بہادری کا مظاہرہ کسی نے نہیں کیا، پھر بھی آپ فرمارہے ہیں کہ وہ دوزخی ہے، جب اس بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دینے کے باوجود اس کا حشر جہنمیوں کے ساتھ ہے تو ہمارا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذلک إخباث النفاق: وہ بدترین منافق ہے (فتح الملہم)

۲- یہ واقعہ اور گذشتہ حدیث میں جو واقعہ ہے ایک ہیں یا الگ الگ؟ ایک رائے یہ ہے کہ دونوں واقعے ایک ہیں اور حدیث ابی ہریرہ (گذشتہ حدیث) میں اگرچہ یہ قصہ غزوۂ حنین کا مذکور ہے، مگر بخاری وغیرہ میں اسی حدیث میں خیبر کا ذکر ہے (بخاری حدیث ۴۲۰۳) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی کو صحیح مانا ہے، چنانچہ کتاب المغازی میں غزوۂ خیبر کے باب میں یہ واقعہ (حدیث ابی ہریرہ) لائے ہیں، اور رہا یہ سوال کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، پھر وہ شهدنا خیبر کیسے کہہ رہے ہیں؟ (حوالہ بالا) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز ہے، مراد جمع متکلم کی ضمیر سے مسلمان ہیں، اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں۔ واللہ اعلم

۳- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتبار آخری حالت کا (اور دل کی حالت کا) ہے، ایمان وعمل صالح پر زندگی ختم ہو تو جنتی ہے، چاہے زندگی بھر کچھ بھی کرتا رہا ہو، اور جس کی زندگی اس کے برعکس ختم ہو وہ دوزخی ہے چاہے زندگی بھر نیکیاں کرتا رہا ہو، فإن العبرة بالخواتیم، اور وہ شخص جہنمی اپنے نفاق کی وجہ سے تھا، وہ مؤمن ہی نہیں تھا، چنانچہ حضرت اکثم رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ خبیث ترین منافق تھا (رواہ الطبرانی) اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فوراً منادی کرائی تھی کہ جنت میں مسلمان کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ شخص جو شدید

زخمی ہوا تھا دراصل مسلمان ہی نہ تھا، یہ نہیں کہ وہ خودکشی کے باعث اسلام سے نکلا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اعلان سے ان لوگوں کو تنبیہ مقصود ہو جو ایمان واسلام کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا تھے، اس لئے اعلان کرایا کہ جنت میں داخلہ یقینی اور جازم ایمان پر ملے گا (فتح الملہم)

۴-علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ آدمی کو اپنے اچھے اعمال پر اترانا نہیں چاہئے، اور خود پسندی وغرور وتکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں اس کی اچھی حالت میں تبدیلی نہ ہو جائے، اور اسی طرح گنہ گار رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ ہو، بلکہ اس سے رحمت وبخشش کی توقع رکھے۔
(شرح نووی)

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے کہ قطعیت کے ساتھ کسی کے بارے میں نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں شہید ہے، اس لئے کہ شہید وہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑتا ہوا مارا گیا ہو، اور کون کس مقصد سے لڑتا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کو نہیں، پس کسی کے لئے قطعیت کے ساتھ شہادت نہیں دینی چاہئے۔
(بخاری کتاب الجہاد باب ۷۷)

[۱۸۰-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّبَيْرِيُّ- وَهُوَ: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ:" إِنَّ رَجُلاً مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَتْ بِهِ قَرْحَةٌ، فَلَمَّا آذَتْهُ انْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ، فَنَكَأَهَا، فَلَمْ يَرْقَإِ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ، قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" ثُمَّ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ: إِيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَدَّثَنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جُنْدَبٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: شیبان سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص کے پھوڑا نکلا، جب اسے تکلیف ہوئی (اور وہ تاب نہ لاسکا) تو اس نے ترکش سے تیر نکالا، اور (خودکشی کے ارادہ سے) اس پھوڑے کو چیر دیا، پس خون بند نہ ہوا اور وہ مرگیا، تمہارے رب عزوجل نے فرمایا: "میں نے اس پر جنت حرام کردی" پھر حضرت حسنؒ نے اپنا ہاتھ (بصرہ کی کسی) مسجد کی طرف دراز کیا اور فرمایا: بخدا! مجھ سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے اسی مسجد میں نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے۔

تشریح: اس پر ہمیشہ کے لئے جنت حرام ہوئی یا اول وہلہ میں؟ اس سے حدیث ساکت ہے، ممکن ہے اس شریعت میں کبائر کا مرتکب کافر قرار دیا جاتا ہو، ورنہ حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ دخول اولی کی نفی ہے یعنی اول وہلہ میں جنت میں داخل نہ ہوگا۔

[۱۸۱-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيُّ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِينَا، وَمَا نَخْشَى أَنْ يَكُونَ جُنْدَبٌ كَذَبَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "خَرَجَ بِرَجُلٍ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خُرَاجٌ" فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے (بصرہ کی) اسی مسجد میں حدیث بیان کی، پھر نہ ہم اس کو بھولے اور نہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ حضرت جندبؓ نے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا تھا —— حضرت حسنؒ نے حدیث کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہ بات کہی ہے۔

لغات: الخُراج: پھوڑا پھنسی ...... القَرْحَة: زخم، پھوڑا، جمع: قُرُوح ...... الكِنَانَة: ترکش، تیردان، جمع: كَنَائِن، وَكِنَانَات...... نَكَأَ (ف) نَكْأً القَرْحَةَ: زخم کو اچھا ہونے سے پہلے چھیل ڈالنا...... رَقَأَ (ف) رَقْأً وَرُقُوْءً ا الدَّمُ: خون کا خشک ہونا، منقطع ہونا۔

## بَابُ غِلَظِ تَحْرِيمِ الْغُلُولِ وَأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ

### مالِ غنیمت میں خیانت کی سخت حرمت کا بیان اور جنت میں مؤمنین کے سوا کوئی نہیں جائے گا

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۶۱ میں ہے: ﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾: جو شخص مالِ غنیمت میں خیانت کرے گا وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر قیامت کے دن آئے گا، اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے چند لوگوں کا تذکرہ کیا گیا کہ فلاں فلاں شہید ہو گئے، یہاں تک کہ انھوں نے ایک شخص کا تذکرہ کیا کہ وہ بھی شہید ہو گیا، یعنی جنت میں گیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں! میں نے اسے چادر یا عبا کی چوری کے باعث جہنم میں دیکھا ہے، پھر آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اعلان کروایا کہ: "جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی نہیں جائے گا" یہاں کامل مؤمن مراد ہے، اور کامل مؤمن وہ ہے جس کے نامۂ اعمال میں کوئی کبیرہ گناہ نہ ہو، اور نجاتِ اولی کے لئے ایمانِ کامل شرط ہے، اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کو معذّب دیکھا۔ غرض مالِ غنیمت میں خیانت اور چوری کرنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے، اس کی وجہ سے شہادت جیسی فضیلت بھی رائگاں جاتی ہے اور آتشِ دوزخ کا ایندھن بننا پڑتا ہے۔

فائدہ(۱): نبی ﷺ نے جو کچھ لوگوں کو جنت میں اور کچھ لوگوں کو جہنم میں دیکھا: یہ مثالی جنت وجہنم میں دیکھا ہے، اسی طرح آپؐ نے نمازِ کسوف میں اپنے اور قبلہ کی دیوار کے درمیان جنت وجہنم کو دیکھا: وہ بھی مثالی جنت وجہنم تھی، جیسے:

کسی چیز کا فوٹو دیکھتے ہیں، کیونکہ اتنی مختصر جگہ میں واقعی جنت وجہنم نہیں سما سکتیں، البتہ معراج میں جو آپؐ نے جنت وجہنم کو دیکھا ہے وہ حقیقی جنت وجہنم کو دیکھا ہے ـــــ عالم مثال پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں سیر حاصل بحث کی ہے، اور سترہ دلائل سے اس کو مبرہن کیا ہے، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱۸۶:۱) میں پڑھیں۔

فائدہ(۲): شہداء تین قسم کے ہیں: اول: دنیا اور آخرت دونوں میں شہید، یعنی حقیقی شہداء، یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کفار سے جہاد کرتے ہیں، اور شہید ہوتے ہیں۔ دوم: حکماً شہید: یعنی جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری نہیں ہوتے مگر آخرت میں ان کو شہداء کے زمرہ میں شامل کیا جائے گا، ایسے شہداء بہت ہیں، مختلف روایات میں تقریباً ساٹھ آدمیوں کا تذکرہ آیا ہے۔ سوم: وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری ہوتے ہیں، مگر آخرت میں ان کا شمار شہیدوں میں نہیں ہوگا، اور یہ وہ لوگ ہیں جو ناموری کے لئے یا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے یا خاندانی حمیت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں، چونکہ دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لئے ان کو دنیوی احکام میں شہید مانا گیا ہے، ان کے ساتھ حقیقی شہداء جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

## [۴۸-بَابُ غِلَظِ تَحْرِيْمِ الْغُلُوْلِ وَأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ]

[۱۸۲-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سِمَاكٌ أَبُوْ زُمَيْلٍ الْحَنَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ، فُلَانٌ شَهِيْدٌ، حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَلَّا، إِنِّيْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ، فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا، أَوْ: عَبَاءَةٍ" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ: إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ" قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: "أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب غزوۂ خیبر ہوا تو صحابہ کی ایک جماعت آئی اور انھوں نے عرض کیا: فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا، یہاں تک کہ انھوں نے ایک شخص کا تذکرہ کیا، پس انھوں نے کہا: فلاں شہید ہو گیا یعنی جنت میں گیا (اس کا نام شاید کرکرہ تھا، پہلے کاف پر فتح اور کسرہ دونوں اور دوسرا کاف مکسور، وہ غلام تھا، ہوذہ بن علی نے اس کو بطور ہدیہ نبی ﷺ کو پیش کیا تھا) آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں! میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے، اس چادر کی وجہ سے جو اس نے مالِ غنیمت میں سے چرائی ہے ـــــ یا فرمایا عبا (چوغہ) کی وجہ سے، راوی کو شک ہے ـــــ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی نہیں جائے گا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں:

پس میں نے نکل کر اعلان کیا: سنو! بیشک جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی نہیں جائے گا۔

لغات: نَفَر: تین سے دس تک مردوں کی جماعت، جمع: أنفار۔ کہتے ہیں: ثلا ثة نفر اور ثلا ثة أنفار...... البُردة: دھاری دار چادر، اس کو شملہ اور نمرہ بھی کہتے ہیں، ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ بُردہ وہ کالی چادر ہے جس میں تصویر ہو، جمع اس کی بُرَد (بفتح الراء) آتی ہے...... غَلَّ غُلُولاً: خیانت کرنا، غلول کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں، لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں بھی آتا ہے، بلکہ بعض اوقات محض کسی چیز کے چھپا لینے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے...... العَبَاء: چوغا، جمع: أَعْبِئَة۔

[۱۸۳-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ الطَّاهِرِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدُّؤَلِيِّ، عَنْ سَالِمٍ أَبِيْ الْغَيْثِ، مَوْلَى ابْنِ مُطِيْعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ. ح: وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَهٰذَا حَدِيْثُهُ: قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ - يَعْنِيْ: ابْنَ مُحَمَّدٍ - عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ أَبِي الغَيْثِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلٰى خَيْبَرَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْنَا، فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلاَ وَرِقًا، غَنِمْنَا الْمَتَاعَ وَالطَّعَامَ وَالثِّيَابَ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا إِلى الْوَادِيْ، وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَبْدٌ لَهُ، وَهَبَهُ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُذَامٍ، يُدْعٰى: رِفَاعَةَ بْنَ زَيْدٍ مِنْ بَنِي الضُّبَيْبِ. فَلَمَّا نَزَلْنَا الْوَادِيَ قَامَ عَبْدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَحُلُّ رَحْلَهُ فَرُمِيَ بِسَهْمٍ، فَكَانَ فِيْهِ حَتْفُهُ. فَقُلْنَا: هَنِيْئًا لَهُ الشَّهَادَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَلَّا، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَيْهِ نَارًا، أَخَذَهَا مِنَ الْغَنَائِمِ يَوْمَ خَيْبَرَ، لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ"، قَالَ: فَفَزِعَ النَّاسُ. فَجَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَصَبْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے (یہ مجاز ہے، متکلم کی ضمیر سے مسلمان مراد ہیں، حضرت ابوہریرہؓ خیبر کے بعد آئے ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر خیبر فتح کیا، اور ہمیں سونا چاندی غنیمت میں نہیں ملا، ہمیں غنیمت میں سامان، کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ملے، پھر ہم وادی (قری) کی طرف چلے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کا ایک غلام تھا جو قبیلہ جُذام کے ایک شخص نے آپؐ کو ہبہ کیا تھا جن کو رفاعہ بن زید کہا جاتا تھا، جو بنوضباب میں سے تھے (حضرت رفاعہؓ خیبر سے قبل چند نفری وفد کے ساتھ قوم کی طرف سے نمائندے بن کر آئے تھے، وہ سب مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت رفاعہؓ نے مِدعَم نامی غلام آپؐ کو بطور ہدیہ دیا تھا) پھر جب ہم نے وادی میں پڑاؤ کیا (پھر وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا) تو نبی ﷺ کا غلام کھڑا ہوا، وہ آنحضور ﷺ کا کجاوہ باندھ رہا تھا کہ اسے تیر مارا گیا یعنی کہیں سے انجانا تیر آلگا، جس سے وہ وفات پا گیا، پس ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کو شہادت مبارک!

آپؐ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! بیشک شال اس پر بھڑک رہی ہے آگ بن کر جو اس نے لی تھی خیبر کے دن مالِ غنیمت میں سے جو تقسیم میں نہیں آئی تھی'' پس لوگ گھبرا گئے، پس ایک شخص ایک یا دو تسمے لایا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ چیز میں نے خیبر کے دن غنیمت میں سے لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کا ایک تسمہ یا دوزخ کے دو تسمے'' یعنی اس معمولی چیز کی خیانت بھی جہنم میں جانے کا سبب بنتی۔

تشریح:

۱- ان حدیثوں سے مرجیہ کی تردید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ اعمالِ سیئہ مضر نہیں، یعنی بدعملی کی وجہ سے کوئی مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو خیانت اور دیگر کبائر کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے گا، اگرچہ یہ دخول دائمی نہیں ہوگا، مگر عارضی طور پر جہنم میں جانا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ بدعملی کی وجہ سے ایمان میں فرق پڑتا ہے، اور بعض برے عمل کا اثر شہادت پر بھی پڑتا ہے۔

۲- علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے چند احکام مستنبط ہوتے ہیں: مثلاً: (۱) مالِ غنیمت میں مطلقاً چوری حرام ہے خواہ چوری تھوڑی چیز کی ہو یا زیادہ کی (۲) جس نے مالِ غنیمت میں چوری کی ہے اس کو شہید کہنا درست نہیں (۳) جس کی کفر پر موت ہو اس کو جنت میں داخلہ نہیں ملے گا (۴) بلاضرورت بھی اللہ عزوجل کی قسم کھانا درست ہے، نبی ﷺ نے جب غلام کی حالت بیان کی تو قسم کھائی (۵) اگر کسی نے مالِ غنیمت میں سے کچھ چرالیا ہے تو اس پر اس مسروقہ مال کو لوٹانا واجب ہے (۶) اگر کوئی مسروقہ مال لوٹائے تو امیر المؤمنین کو اسے قبول کر لینا چاہئے (۷) مالِ غنیمت میں چوری کرنے والے کا مال وسامان جلایا نہیں جائے گا، نبی ﷺ نے چادر اور تسمہ چوری کرنے والے کے اسباب کو جلانے کا حکم نہیں دیا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ نے ایک روایت میں مالِ غنیمت میں سے چوری کرنے والے کا مال سامان جلانے کا اور اس کی پٹائی کرنے کا/قتل کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے: مَنْ غَلَّ فَأَحْرِقُوْا مَتَاعَهُ وَاضْرِبُوْهُ- وَفِيْ رِوَايَةٍ - وَاضْرِبُوْا عُنُقَهُ: علامہ ابن عبد البرؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، پس یہ مسلم کی صحیح روایت کے معارض نہیں ہوسکتی۔ اور حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ روایت صحیح ہے تو منسوخ ہے، ابتداء میں شریعت میں مالی جرمانہ جائز تھا، اس زمانہ کی یہ روایت ہے، اب شرعاً مالی سزا جائز نہیں، علاوہ ازیں: غنیمت میں چوری کرنے والے کو قتل کرنے کا کوئی قائل نہیں، یہ بھی دلیل ہے کہ روایت معمول بہ نہیں۔ واللہ اعلم (شرح نووی)

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ قَاتِلَ نَفْسَهُ لَا يَكْفُرُ

## اس بات کی دلیل کہ خودکشی کرنے والا کافر نہیں

اس باب میں جو حدیث ہے وہ بہت اہم ہے، اصولِ ستہ میں سے صرف مسلم شریف میں اور مسند احمد (۳:۳۷۰) میں

یہ حدیث ہے، اور اہل السنہ والجماعہ کی قوی دلیل ہے، اس بات میں کہ خودکشی کرنے والا اور دیگر کبائر کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا، وہ مسلمان ہی رہتا ہے، وراس بات میں بھی کہ ہر مرتکبِ کبیرہ کا جہنم میں جانا ضروری نہیں، یہ اللہ عزوجل کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو مرتکب کبیرہ کو معاف فرمادیں گے اور اس کو بھی دخولِ اولی نصیب ہوگا، اور جس کا ایسا نصیب نہیں اسے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑے گا، اور بالآخر (سزایابی کے بعد) وہ بھی جنت میں پہنچ جائے گا، اور اس میں مرجئہ کی تردید ہے جو ایمان کے ساتھ اعمالِ سیئہ کو مضر نہیں مانتے۔

حدیث: جب حضورِ پاک ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو قبیلۂ دوس کے حضرت طفیلؓ نے اور ان کے ایک ساتھی نے بھی مدینہ ہی کی طرف ہجرت کی، مگر آب وہوا ان کو موافق نہ آئی، چنانچہ حضرت طفیلؓ کا رفیق بیمار پڑ گیا، اور تکلیف کی تاب نہ لا کر اس نے تیر کے پیکان سے انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، جس کے نتیجہ میں سارا خون بہہ گیا، اور اس کا انتقال ہوگیا، حضرت طفیلؓ نے اسے خواب میں دیکھا، ان کی حالت اچھی تھی، مگر انھوں نے ہاتھ چھپا رکھے تھے، حضرت طفیلؓ نے پوچھا: تمہارا معاملہ کیا رہا؟ انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی برکت سے میری بخشش ہوگئی۔ حضرت طفیلؓ نے پوچھا: تم نے اپنے ہاتھ کیوں چھپا رکھے ہیں؟ انھوں نے کہا: اللہ عزوجل نے مجھ سے فرمایا کہ جو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اسے نہیں سنواریں گے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر پورا خواب عرض کیا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرمادے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ خودکشی کرنے والا کافر نہیں، ورنہ آنحضور ﷺ مغفرت کی دعا نہ فرماتے اس لئے کہ ابوطالب کے واقعہ میں آپ کو کافر کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا تھا، اور وہ واقعہ ہجرت سے قبل مکہ کا تھا، اور خودکشی گناہِ کبیرہ ہے، پس یہی حکم دیگر کبائر کے مرتکب کا بھی ہوگا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کا جہنم میں جانا ضروری نہیں، یہ اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو مرتکبِ کبیرہ کی بھی مغفرت فرمادیں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفرت میں تجزی ہوسکتی ہے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے رفیق کے بدن کی مغفرت ہجرت کی برکت سے ہوئی اور ہاتھوں کی مغفرت حضورِ پاک ﷺ کی دعا کی برکت سے ہوئی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی امتی کا خواب حجت نہیں، مگر اس کے ساتھ تائید نبوی شامل ہو تو حجت ہے، جیسے اذان کی ابتداء امتی کے خواب سے ہوئی مگر اس کی مشروعیت نبی ﷺ کی تائید سے ہوئی ہے اسی طرح نبی ﷺ کی تائید کے بعد یہ خواب حجت بن گیا۔

## [ ۴۹- بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ قَاتِلَ نَفْسَهُ لاَ يَكْفُرُ]

[۱۸۴-] حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ حَجَّاجِ الصَّوَّافِ، عَنْ أَبِی الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِیَّ أَتَی النَّبِیَّ صلی الله عليه وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ لَکَ فِی حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَمَنَعَةٍ؟- قَالَ: حِصْنٌ کَانَ لِدَوْسٍ فِی الْجَاهِلِيَّةِ - فَأَبٰی ذٰلِکَ النَّبِیُّ صلی الله عليه وسلم، لِلَّذِیْ ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْأَنْصَارِ. فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِیُّ صلی الله عليه وسلم إِلَی الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ، فَمَرِضَ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ، فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ، فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰی مَاتَ. فَرَآهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِی مَنَامِهِ، فَرَآهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ، وَرَآهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: مَاصَنَعَ بِکَ رَبُّکَ عَزَّوَجَلَّ؟ فَقَالَ: غَفَرَلِیْ بِهِجْرَتِیْ إِلٰی نَبِيِّهِ صلی الله عليه وسلم. فَقَالَ لَهُ: مَا لِیْ أَرَاکَ مُغَطِّيًا يَدَيْکَ؟ قَالَ: قِيْلَ لِیْ: لَنْ نُصْلِحَ مِنْکَ مَا أَفْسَدْتَ. فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم: " اَللّٰهُمَّ! وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ (ہجرت سے پہلے) نبی ﷺ کے پاس آئے، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ مطلوب ہے؟ یعنی درخواست کی کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں، وہاں مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت انصار کے لئے مقدر فرمائی تھی اس لئے ان کی درخواست قبول نہ ہوئی —— حضرت جابرؓ کہتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں (قبلِ اسلام) قبیلۂ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا، حضور ﷺ نے اس درخواست کو رد فرمادیا اس لئے کہ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے لئے مقدر فرمائی تھی، پھر جب نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت طفیلؓ نے حضور ﷺ کی طرف ہجرت کی، اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک آدمی نے بھی ہجرت کی، ان کو مدینہ میں جُوا بیاری ہوگئی، پس وہ ساتھی بیمار پڑ گیا اور وہ گھبرا گیا (تکلیف برداشت نہ کرسکا) اور اس نے اپنے تیر کا پیکان لیا اور اس سے انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، پس اس کے ہاتھ سے خون بہنے لگا، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا، پس حضرت طفیلؓ نے اس کو خواب میں دیکھا، اس کو اس حال میں دیکھا کہ اس کا سراپا اچھا تھا اور اس کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ چھپا رہا تھا۔ حضرت طفیلؓ نے اس سے پوچھا: تیرے ساتھ تیرے رب عزوجل نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا: نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی برکت سے میری مغفرت فرمادی۔ حضرت طفیلؓ نے اس سے کہا: مجھے کیا ہوا کہ میں تجھے ہاتھ چھپانے والا دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا: مجھ سے کہا گیا: ہم تیری وہ چیز نہیں سنواریں گے جو تو نے خود بگاڑی ہے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب نبی ﷺ سے عرض کیا: آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرمادے۔

لغات: الحِصْن: محفوظ و بلند جگہ، قلعہ، جمع: حُصون و أحصان...... الحصين: مضبوط، مبالغہ کے لئے ہے، اس

نام سے اذکار وادعیہ کی ایک کتاب بھی ہے، ان دعاؤں سے شیطان سے حفاظت ہوتی ہے، اس لئے یہ نام ہے، یعنی شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے لئے مضبوط ذریعہ...... مَنَعَة: (بفتحتين) مانعة کی جمع: محافظ، جماعت...... المَنَعَة کے معنی عزت اور قوت کے بھی ہیں، اس کی جمع مَنَعات ہے، بولتے ہیں: لهم مَنَعَات: ان کے ایسے مضبوط قلعے ہیں جن پر دشمن قادر نہیں ہوسکتا...... اجتووا: ان کو جوا بیماری لاحق ہوگئی، یہ بدہضمی اور یرقان کے علاوہ ایک بیماری ہے، معدہ کی خرابی کا نام بدہضمی ہے اور جگر کی خرابی سے یرقان ہوتا ہے، اور جُوی بیماری ان کے علاوہ ہے، مگر آثار مشترک ہیں...... مَشَاقص: مِشْقَص کی جمع ہے، تیر کا پیکان، خلیل اور ابن فارس کے نزدیک مَشَاقص چوڑے پھل والے تیر کو کہتے ہیں...... شَخَبت: اس کے معنی ہیں: بہنا، اور ایک قول کے مطابق اس کے معنی قوت کے ساتھ بہنے کے ہیں، شَخَب (ن،ف) شَخْبًا وَمَشْخَبًا الدمُ: بہنا...... أدواج القتيل دما: مقتول کی رگوں سے خون جاری ہونا...... البَراجِم: البُرْجُمَة کی جمع ہے: انگلیوں کے جوڑ، ہاتھ پاؤں کی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں۔

## بَابٌ فِي الرِّيْحِ الَّتِيْ تَكُوْنُ قُرْبَ الْقِيَامَةِ تَقْبِضُ مَنْ فِيْ قَلْبِهِ شَيْءٌ مِنَ الإِيْمَانِ

### اس ہوا کا بیان جو قرب قیامت میں چلے گی، جس کے اثر سے ہر وہ شخص مرجائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ ایمان واسلام کے پیروکار اور علمبردار قیامت تک رہیں گے، ان سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوگی، ہاں جب اللہ تعالیٰ کو دنیا کی بساط لپیٹنا منظور ہوگا اور قیامت بپا کرنا مقدر ہوگا تو یمن کی طرف سے ایک نہایت نرم ولطیف ہوا چلے گی، جس کے اثر سے ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے مرجائے گا، پھر جب دنیا میں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا، بدترین کافر ہی رہ جائیں گے، جو بے شرمی و بے حیائی کی ساری حدیں توڑ دیں گے، گدھوں کی طرح لوگوں کے دیکھتے کھلم کھلا جماع کریں گے، اس وقت قیامت قائم ہوگی۔

اور مشہور حدیث ہے: لاتَزَال طائفَةٌ مِن أُمتي ظَاهِرِيْنَ على الحق إلى يوم القيامةِ: میری امت کی ایک جماعت قیامت تک برابر حق پر مضبوطی سے جمی رہے گی، یہاں یوم القیامة سے وہ ہوا چلنے کا وقت مراد ہے، قرب شئ کو شئ کا حکم دے کر یوم القیامة سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد قیامت بالکل قریب ہوگی۔

### یہ ہوا کب چلے گی؟

حضرت مہدی کے وقت میں دجال کا خروج ہوگا، اور جب حالات سنگین ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے، جو دجال کو قتل کریں گے اور اس فتنہ کو فرو کریں گے۔ حضرت مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ

علیہ السلام خلیفۃ المسلمین ہونگے وہ ایک عرصہ تک حکومت کریں گے، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو طور پر سمیٹ لو، اس لئے کہ میں ایسے بندوں کو بھیج رہا ہوں جن سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو چھوڑیں گے، ان کا حال اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (آیت ۹۶) میں بیان فرمایا ہے، وہ کثرت کی وجہ سے ہر بلندی، پہاڑ اور ٹیلے سے پھسلتے ہونگے، اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ان کا اگلا قافلہ بحیرہ طبریہ سے گذرے گا (طبریہ ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت طبرانی ہے اس سے لگی ہوئی جو جھیل ہے وہ بحیرہ طبریہ ہے) وہ اس کا سارا پانی پی جائیں گے، پھر جب پچھلا قافلہ وہاں سے گذرے گا تو کہے گا: اس بحیرہ میں کبھی پانی رہا ہوگا، یعنی پہلوں نے ایک گھونٹ بھی پانی نہیں چھوڑا ہوگا، پھر وہ بیت المقدس پہنچیں گے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر باہم ایک دوسرے سے کہیں گے: زمین والوں کا تو سب کا ہم نے صفایا کر دیا، آؤ اب جو آسمان میں ہیں ان کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، اللہ تعالیٰ ان پر ان کے تیر اس طرح لوٹائیں گے کہ وہ خون سے سرخ ہونگے، پس وہ خوش ہونگے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی صفایا کر دیا۔

ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا فاقہ سے برا حال ہوگا، یہاں تک کہ ایک بیل کا سر سو دینار سے زیادہ مہنگا ہو جائے گا، یعنی اشیاء بہت گراں ہو جائیں گی، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب گڑگڑا کر دعا کریں گے کہ ان کی یہ پریشانی ختم ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں نَغَف کیڑے کی بیماری بھیجیں گے، جس کی وجہ سے وہ سب ایک ہی دن میں یکبارگی مر جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء طور سے نیچے اتریں گے مگر وہ بالشت بھر جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے یاجوج و ماجوج کی لاشوں سے اور ان کے خون و پیپ کی بدبو اور سڑان سے زمین کا برا حال ہوگا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان پھر خوب گڑگڑا کر دعا کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجیں گے جو بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے ہونگے، وہ ان کو اٹھا کر دور بیابانوں، کھنڈروں، پہاڑوں اور جنگلوں میں پھینک دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے، وہ زمین کو دھو کر چکنی سپاٹ اور صاف کر دیں گے، اور مسلمان ان کی کمانوں سے، ان کے تیروں سے اور ان کے ترکشوں سے سات سال تک آگ جلا کر اس پر کھانا وغیرہ پکائیں گے، پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اپنی پیداوار اور سب برکت ظاہر کر دے، چنانچہ برکت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا، اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہوگا، اور دودھ میں برکت ہوگی ایک اونٹنی کا دودھ ایک پوری جماعت کو کافی ہو جائے گا، ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہوگی، لوگ اسی فراغت اور عیش کی حالت میں ہونگے کہ اچانک اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجیں گے، جو ہر مؤمن کی روح قبض کر لے گی، اور جو باقی رہ جائیں گے وہ گدھوں کی طرح کھلم کھلا جماع کریں گے، پس ان لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

[۵۰-بَابٌ فِي الرِّيحِ الَّتِي تَكُونُ قُرْبَ الْقِيَامَةِ تَقْبِضُ مَنْ فِي قَلْبِهِ شَيْءٌ مِنَ الْإِيْمَانِ]

[۱۸۵-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَأَبُو عَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: " إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ، أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ، فَلَا تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ - قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ: " مِثْقَالُ حَبَّةٍ" وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: " مِثْقَالُ ذَرَّةٍ" مِنْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل یمن کی طرف سے ایک ایسی ہوا بھیجیں گے جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی، وہ ہوانہیں چھوڑے گی کسی ایسے شخص کو جس کے دل میں ـــــ ابوعلقمہ کہتے ہیں: دانہ کے برابر، اور عبدالعزیز کہتے ہیں: ذرہ بھر ـــــ ایمان ہوگا اس کو وہ قبضہ کرلے گی، یعنی اس ہوا کے اثر سے سب مؤمنین مرجائیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ہوا یمن سے چلے گی، اور ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوا شام سے چلے گی، یہ حدیث آگے آرہی ہے (مسلم ۲:۴۰۳، حدیث نمبر ۲۹۰۱) اس میں: ثم یرسل ریحا باردۃ من أھل الشام ہے، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے یہ ہوا دونوں جگہوں سے چلے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ہوا کا آغاز یمن یا شام سے ہو، پھر وہ پھیل کر دوسرے ملکوں تک پہنچ جائے، اور وہاں سے پورے عالم میں پھیل جائے (شرح نووی)

## بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْمُبَادَرَةِ بِالْأَعْمَالِ قَبْلَ تَظَاهُرِ الْفِتَنِ

## فتنوں کے ظہور سے پہلے اعمالِ صالحہ کی ترغیب

اوپر باب میں وقوعِ قیامت کا ذکر تھا، اس مناسبت سے اب قربِ قیامت میں رونما ہونے والے ایک فتنہ کا ذکر ہے، فتنوں کے زمانہ میں احوال بدلتے دیر نہیں لگتی، صبح کچھ اور شام کچھ، اور شام کچھ اور صبح کچھ ہوجاتا ہے اور آدمی دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر دین بیچ دیتا ہے، اس لئے فتنے سر ابھاریں اس سے پہلے اعمال کرلو، فتنوں کے ظہور کے بعد اچھے اعمال کرنا مشکل ہوجائے گا۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت سے پہلے شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنے رونما ہونگے، ان فتنوں میں صبح میں آدمی مؤمن ہوگا اور شام میں کافر ہوجائے گا، اور شام میں مؤمن ہوگا اور صبح میں کافر ہوجائے گا، پس موجودہ وقت کو غنیمت جانو اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کرلو، اس لئے کہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔

[۵۱- بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْمُبَادَرَةِ بِالْأَعْمَالِ قَبْلَ تَظَاهُرِ الْفِتَنِ]

[۱۸۶-] حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ، جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ ابْنُ

أَيُّوْبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "اعمال کرنے میں ایسے فتنوں سے سبقت کرو جو تاریک رات کے ٹکڑوں جیسے ہونگے (وہ فتنے اتنے سنگین ہونگے کہ) آدمی صبح کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا کافر ہونے کی حالت میں اور شام کرے گا مؤمن ہونے کی حالت میں اور صبح کرے گا کافر ہونے کی حالت میں، آدمی اپنا دین دنیا کے سامان کے عوض بیچ دے گا۔

تشریح: اس حدیث میں فتنوں کے ظاہر ہونے سے قبل زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے کہ جب فتنے رونما ہوتے ہیں تو ایمان سلامت رکھنا ہی دشوار ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ نیک اعمال کرنا، بلکہ رات دن گذرتے گذرتے انسان کے اندر حیرت ناک انقلاب آجاتا ہے، اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: صبح میں اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا اور شام کو حلال سمجھ لے گا، اور شام کو اپنے بھائی کے مال، آبرو اور خون کو حرام سمجھتا ہوگا اور صبح کو حلال سمجھ لے گا، یعنی دن رات گذرتے گذرتے خیالات بدل جائیں گے، اور حرام کو حرام سمجھنا ایمان ہے اور اس کو حلال سمجھ لینا کفر ہے، اس تفسیر میں اشارہ ہے کہ یہ فتنے فساد ذات البین کے قبیل کے ہونگے، مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور قتل وغارت گری اس کا مصداق ہیں (حضرت حسنؒ کا یہ قول ترمذی ابواب الفتن باب ۲۸ میں ہے) ـــــ اور "تاریک رات کے ٹکڑوں" سے مراد سنگین فتنے ہیں، جیسے دجال کا فتنہ، یا ایسے معاملے مراد ہیں جن میں حق کس جانب ہے؟ اس کا پتہ نہ چلے، یا بد اعمالیوں کی کثرت مراد ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جب لوگ دنیوی اغراض کی خاطر امراء، حکام اور اہل ثروت کی کاسہ لیسی اور ہم نشینی کو باعث افتخار سمجھیں گے اور ہر جائز و ناجائز امر میں ان کی تائید کریں گے تو اس طرح کے احوال پیدا ہونگے کہ دین بچانا مشکل ہو جائے گا، اور چند ٹکوں کی خاطر آدمی اپنا دین و ایمان بیچ دے گا۔

## بَابُ مَخَافَةِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يُحْبَطَ عَمَلُهُ

### مؤمن کو دھڑکا لگا رہنا چاہئے کہ کہیں اس کے اعمال غارت نہ ہو جائیں

فتنوں کا زمانہ ہو یا عام حالات مؤمن کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہنا چاہئے کہ کہیں اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں، اور اسے پتہ بھی نہ چلے، یعنی آدمی کو ہر وقت اپنے ایمان اور عمل کی حفاظت کرنی چاہئے اور ان کے بارے میں فکر مند رہنا چاہئے،

حضرات صحابہ اور تابعین کو ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہتا تھا اور وہ ہمیشہ اعمال کے بارے میں فکر مند رہتے تھے، حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ جو لوگوں میں وعظ کہا کرتے تھے، فرماتے ہیں: میں نے جب بھی اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنی بات کی تردید تو نہیں کر رہا، یعنی میرا عمل میری تقریر اور وعظ کے خلاف تو نہیں، اور ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں: میں تیس صحابہ سے ملا ہوں اور ان سے علم حاصل کیا ہے، وہ تمام صحابہ اپنے بارے میں نفاق (عملی) سے ڈرتے تھے، یعنی ان سب کو یہ خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم عملی طور پر منافق تو نہیں؟ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے مؤمن ہی ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے منافق ہی بے خوف رہتا ہے۔

جب چاہو اس کا تجربہ کر سکتے ہو، جو شخص سچا پکا مؤمن ہوتا ہے اس کے دل میں خوف ہوگا کہ اللہ جانے مرنے کے بعد میرا کیا حشر ہوگا؟ میری بخشش ہوگی یا نہیں؟ اور جو نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا صرف نام کا مسلمان ہے، اس کے دل کو ٹٹولو، اس کے دل میں کوئی خوف نہیں ہوگا، وہ مطمئن ہوگا کہ جنت تو ہماری جاگیر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں بخشیں گے تو کس کو بخشیں گے؟ ایسا شخص عملی منافق ہے، یہ تمام آثار بخاری شریف میں (کتاب العلم باب ۳۶ میں) ہیں، اور باب میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جب سورۃ الحجرات کی آیت ۲ نازل ہوئی تو وہ گھبرا کر گھر میں بیٹھ گئے، ان کو خیال گذرا کہ ان کے اعمال برباد ہو گئے اس لئے کہ وہ انصار کے خطیب تھے اور بعض اوقات حضور ﷺ کی آواز پر ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی اور مذکورہ آیت میں حضور ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے اعمال غارت ہو جائیں گے، اس لئے وہ ڈر گئے کہ ان کے اعمال غارت گئے پھر نبی ﷺ کی بشارت کے بعد ان کی تسلی ہوئی اور انھوں نے خدمتِ اقدس میں آنا شروع کیا، معلوم ہوا کہ ہمیشہ اپنے اعمال کے سلسلہ میں دھڑکا لگا رہنا چاہئے، مطمئن کبھی نہیں رہنا چاہئے، صحابہ عظام اور تابعین کرام کا یہی حال تھا۔

## [۵۲-بَابُ مَخَافَةِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يُحْبَطَ عَمَلُهُ]

[۱۸۷-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. جَلَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ فِيْ بَيْتِهِ وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَاحْتُبِسَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. فَسَأَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ: "يَا أَبَا عَمْرٍو! مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ اشْتَكَى؟" قَالَ سَعْدٌ: إِنَّهُ لَجَارِيْ، وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوَى. قَالَ: فَأَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ ثَابِتٌ: أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّيْ مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله

عليه وسلم. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ"

[۱۸۸-] وَحَدَّثَنَا قَطَنُ بْنُ نُسَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْأَنْصَارِ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ. بِنَحْوِ حَدِيْثِ حَمَّادٍ، وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِهِ ذِكْرُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ.

وَحَدَّثَنِيْهِ أَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا حَبَّانُ، قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَاتَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ وَلَمْ يَذْكُرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فِي الْحَدِيْثِ.

حدثنا هُرَيْمُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى الْأَسَدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ يَذْكُرُ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ. وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ، وَلَمْ يَذْكُرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ. وَزَادَ: قَالَ فَكُنَّا نَرَاهُ يَمْشِيْ بَيْنَ أَظْهُرِنَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو" (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گھر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے: میں تو دوزخیوں میں سے ہو گیا، اور انھوں نے نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونا بند کر دیا، حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا: وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کے بیمار ہونے کا علم نہیں، راوی کہتے ہیں: پس ان کے پاس حضرت سعدؓ آئے اور ان سے نبی ﷺ کے دریافت فرمانے کا ذکر کیا، پس حضرت ثابتؓ نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور تم جانتے ہو کہ میری آواز رسول اللہ ﷺ کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند ہوتی ہے، پس میں تو دوزخیوں میں سے ہو گیا، حضرت سعدؓ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، آپؐ نے فرمایا: (وہ دوزخی نہیں) بلکہ وہ جنتیوں میں سے ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت بنانی نے اور ان سے حماد بن سلمہ، جعفر بن سلیمان اور سلیمان بن المغیرہ نے روایت کی ہے، آخر الذکر دو حضرات کی حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے، اور سلیمان کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "صحابہ حضرت ثابت کو دیکھ کر سوچتے تھے کہ ہمارے درمیان ایک جنتی شخص چل رہا ہے"

اعتراض: پہلی حدیث جو حماد بن سلمہ کے طریق سے مروی ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس متن میں علتِ

خفیہ(پوشیدہ خرابی) ہے، اس لئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵ ہجری میں غزوۂ بنی قریظہ کے بعد فوراً ہوگیا تھا، اور مذکورہ آیت کا نزول سنہ الوفود ۹ ہجری میں اقرع بن حابسؓ وغیرہ کے واقعہ میں ہوا ہے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق پہلے معلل متن کو ذکر کرنے کے بعد دوسری سندوں سے اس متن کو ذکر کیا جس میں حضرت معاذ کا ذکر نہیں ہے۔

تطبیق: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ رفع صوت سے متعلق آیت پہلے حضرت ثابتؓ کے واقعہ میں نازل ہوئی ہو، اور سورت کا ابتدائی حصہ بعد میں اقرع بن حابسؓ وغیرہ کے واقعہ میں نازل ہوا ہو —— مگر ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سعد بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہؓ کا ذکر کیا ہے، اسے سعید بن بشیر نے بواسطہ قتادہ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، اور یہی قرین قیاس بھی ہے، اس لئے کہ ثابت بن قیس خزرجی ہیں اور سعد بن عبادہ بھی خزرجی ہیں، اس لئے وہی حضرت ثابت کے پڑوسی ہوسکتے ہیں، اور وہ آنحضور ﷺ کے بعد تک حیات رہے ہیں، اور حضرت سعد بن معاذؓ اوسی ہیں ان کا پڑوسی ہونا مستبعد ہے۔ واللہ اعلم (فتح الملہم)

تشریح:

۱- مذکورہ آیت کا شانِ نزول بخاری شریف (حدیث نمبر ۴۳۶۷) میں یہ آیا ہے کہ بنوتمیم کا ایک وفد حضورِ پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور انھوں نے اپنے درمیان امیر نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ قعقاعؓ کو امیر مقرر کیا جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابسؓ کے متعلق رائے دی، اس پر صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کا مقصد صرف میری مخالفت ہے، حضرت عمرؓ نے کہا: ہرگز نہیں! یوں بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی —— اور بخاری شریف (حدیث نمبر ۷۳۰۲) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال آیت کے نزول کے بعد یہ ہوگیا تھا کہ وہ بہت چپکے سے بات کرتے تھے، یعنی انھوں نے اپنی آواز اتنی پست کرلی تھی کہ بہ مشکل سمجھ میں آتی تھی۔

۲- اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے سامنے زور سے نہ بولیں، اس لئے کہ کسی کا زور سے بولنا اگر نبی ﷺ کو ناگوار گذرا تو اس کے اعمال ضائع ہوجائیں گے، اور اسے اس کا احساس بھی نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ بعض گناہوں سے زندگی بھر کا کیا کرایا غارت ہوجاتا ہے، اس لئے ہمیشہ اپنے اعمال کے سلسلہ میں چوکنا رہنا چاہئے، کبھی مطمئن نہیں رہنا چاہئے۔

۳- علماء اور مشائخ نبی ﷺ کے وارث ہیں پس یہ آداب ان کے ساتھ بھی ملحوظ رکھے جائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب کسی صحابی سے حدیث لیتے تھے تو دروازے پر بیٹھ جاتے تھے، دستک نہیں دیتے تھے، جب وہ صحابی خود باہر تشریف لاتے تب دریافت فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا

بھی یہی حال تھا، فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی عالم کے دروازے پر پہنچ کر دستک نہیں دی، بلکہ انتظار کرتا تھا، جب وہ نکلتے تو ملاقات کرتا (روح المعانی)

سوال: یہاں ایک سوال ہے کہ کفر وشرک کا محبط اعمال ہونا تو مسلّم ہے، مگر کسی برے عمل کا محبط ہونا اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک نہیں، یہ تو معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے، حالانکہ اس آیت میں صراحت ہے کہ بعض برے اعمال جیسے نبی ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنا محبط اعمال ہے؟

جواب: حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بعض گناہوں کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اور گناہوں میں انہماک اس حد تک ہوجاتا ہے کہ بالآخر بات کفر تک پہنچ جاتی ہے، پس یہ اختیاری کفر ہے اور حبط اعمال کا سبب ہے، تقدم علی النبی اور رفع صوت بھی ایسے ہی سنگین گناہ ہیں، ان میں خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہوجائے، اور یہ جرم آخر کار کفر تک پہنچادے، اور یہ اختیاری کفر ہوگا اور اس سے اعمال ضائع ہوجائیں گے، اور اسے پتہ ہی نہ چلے گا کہ ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا سبب کیا ہے (ماخوذ از بیان القرآن)

دوسرا جواب: آنحضور ﷺ کو عمداً ایذاء پہنچانا حرام اور کفر ہے، اور اس پر اجماع ہے، اس لئے آپؐ کے سامنے زور سے بولنے کو اور بے تکلف ہوکر باتیں کرنے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ بعض مرتبہ ان باتوں سے تکلیف پہنچتی ہے اور بعض مرتبہ نہیں بھی پہنچتی، اور اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کونسا جہر موجب ایذاء ہے اور کونسا نہیں؟ اس لئے سداً للباب مطلقاً ممانعت کردی۔

فائدہ (۱): جاننا چاہئے کہ حضورِ پاک ﷺ کی اجازت ورضامندی سے اگر کوئی آپؐ کے سامنے بآواز بلند کلام کرے تو مذکورہ وعید کا مصداق نہیں ہوگا، جیسے غزوۂ حنین میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو بآواز بلند پکارنا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا بلند آواز سے اشعار پڑھنا، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا معاندین کو سخت لہجہ میں جواب دینا: یہ مذکورہ وعید کا مصداق نہیں، محبط اعمال وہ رفع صوت وغیرہ ہے جو حضورِ پاک ﷺ کو ناگوار گذرے۔

فائدہ (۲): حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ انصاری خزرجی جلیل القدر صحابی اور حضورِ پاک ﷺ کے خطیب تھے، غزوۂ احد اور اس کے بعد کے سارے غزوات میں شریک ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے، ابن شہاب نے اسماعیل بن محمد بن ثابت کے طریق سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ’’کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ سعادت کے ساتھ زندہ رہو، اور شہادت کی موت حاصل کرو، اور جنت میں داخل ہوجاؤ‘‘ ابن سعد نے معن بن عیسیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے اور حاکم وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے (فتح الملہم) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگ یمامہ میں جو کفر واسلام کی زبردست جنگ تھی، جام شہادت نوش فرمایا۔

ملحوظہ: باب کی دوسری روایت جس کو قطن بن نُسیر نے —— قَطَن: بفتحتین، نُسیر: نون پر ضمہ اور سین مہملہ

مفتوح ـــــ بواسطہ جعفر بن سلیمان روایت کیا ہے: اس کی تخریج پر ابوزرعہ رازی کو اعتراض تھا کہ مسلم میں جو صحیح روایتوں کا مجموعہ ہے اس بدعتی کی روایت کو کیسے نقل کردیا؟ علامہ نووی رحمہ اللہ نے بواسطہ سعید بن عمرو روایت کیا ہے کہ وہ حضرت ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کے پاس گئے، دورانِ گفتگو صحیح مسلم کا تذکرہ آیا تو انھوں نے اسباط بن نصر، قطن بن نُسیر اور احمد بن عیسیٰ کی روایتوں کی تخریج پر اعتراض کیا، سعید کہتے ہیں: جب میں نیشاپور واپس لوٹا تو میں نے امام مسلم رحمہ اللہ سے امام ابوزرعہ کا اعتراض نقل کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے جواب دیا: میں نے ان حضرات کی روایتوں کی اس لئے تخریج کی ہے کہ وہ روایت صحیح اور ثقہ حضرات کی روایت کردہ ہوتی ہے، مگر اس کی سند نازل ہوتی ہے، محض سند کو عالی کرنے کے لئے میں نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے، جواب کی عبارت ملاحظہ ہو: فَقَالَ لِیْ مسلم: إِنَّ مَا قلتَ صحیح، وانما ادخلتُ من حدیث أسباط وقطن وأحمد ماقد رواہ الثقات عن شیوخهم، إلا أنه ربما وقع إلیّ عنهم بارتفاع، ویکون عندی من روایة أوثق منهم بنزول، فاقتصر علی ذٰلک، وأصل الحدیث معروف من روایة الثقات. اور سعید کہتے ہیں کہ جب امام مسلم رحمہ اللہ ری تشریف لے گئے اور ان کی ابوعبداللہ محمد بن مسلم سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھی یہی اعتراض کیا، اور ان کو بھی حضرت رحمہ اللہ نے یہی جواب دیا (مقدمہ للامام نووی ص:۱۶) چنانچہ یہاں بھی قطن کی روایت میں ایک واسطہ کم ہونے کی وجہ سے سند عالی ہے۔

## بَابٌ: هَلْ یُؤَاخَذُ بِأَعْمَالِ الْجَاهِلِیَّةِ؟

## کیا اسلام سے قبل کے اعمال کی بازپرس ہوگی؟

ایمان واسلام کی توفیق اللہ رب العزت کی عظیم دولت اور نعمت ہے، اس لئے کہ اس کی بدولت تمام گناہ بشمول کفر وشرک یک لخت کالعدم ہوجاتے ہیں، آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے: إِنَّ الإسلامَ یَهْدِمُ ما کان قَبْلَه: یعنی اسلام سابقہ تمام گناہوں کو ختم کردیتا ہے، اور اس پر تقریباً اجماع ہے، مگر باب میں جو حدیث ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں زمانہ کفر کے برے اعمال پر مؤاخذہ ہوگا، حضور پاک ﷺ سے دریافت کیا گیا: کیا زمانہ کفر کے اعمال پر ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: "اگر مسلمان ہوکر اچھے اعمال کئے تو جاہلیت کے اعمال پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، اور مسلمان ہوکر بھی بدکاریاں کرتا رہا تو پہلے والے اور بعد والے سب اعمال پر مؤاخذہ ہوگا" ـــــ اس حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں زمانہ کفر کے برے اعمال پر بھی مؤاخذہ ہوگا، پس یہ صریح تعارض ہے؟

پہلا جواب: اس تعارض کا حل یہ ہے کہ اگر آدمی ایمان لانے میں مخلص ہے یعنی سچے دل سے اور پختہ یقین کے ساتھ ایمان لایا ہے تو اس کا ایمان لانا زمانہ کفر کے برے اعمال کے لئے محبط ہوگا، اور اگر صرف زبان سے توحید ورسالت کا اعتراف کیا ہے اور دل میں کفر چھپا رکھا ہے تو یہ تو بدترین کفر ہے جس کا نام نفاق اعتقادی ہے، اور آخرت میں اس کی سزا بھی

سخت ترین ہے، اس کا زمانۂ کفر اور بہ ظاہر ایمان قبول کرنے کے بعد کے سب گناہوں پر مؤاخذہ ہوگا، اس لئے کہ وہ مسلمان ہوا ہی نہیں، بدستور کفر وشرک پر برقرار ہے، اور ظاہری اطاعت وفرمانبرداری کا نام ایمان واسلام نہیں، پس اس کی تمام برے اعمال پر پکڑ ہوگی، خواہ وہ اعمال زمانۂ کفر میں کئے ہوں یا بہ ظاہر ایمان قبول کرنے کے بعد کئے ہوں، پس دونوں حدیثوں کے مصداق الگ الگ ہیں، اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کو جمہور کا پسندیدہ قول قرار دیا ہے۔

دوسرا جواب: اسلام تمام سابقہ گناہوں کو ڈھا دیتا ہے: اس کا مصداق وہ ایمان ہے جس پر بندہ موت تک مسلسل برقرار رہے، اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا پھر مرتد ہوگیا (العیاذ باللہ) اس کا اسلام برا ہے، اس کے اول وآخر تمام اعمال پر مؤاخذہ ہوگا۔

تیسرا جواب: اگر آدمی مسلمان ہونے کے بعد کفریہ اعمال (برے اعمال) ترک نہیں کرتا تو یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ اس نے کفر سے تو توبہ کی مگر گناہوں سے تائب نہیں ہوا، پس تمام گناہوں پر مؤاخذہ ہوگا، خواہ برے اعمال زمانۂ کفر میں کئے ہوں یا زمانۂ اسلام میں، اور اگر مسلمان ہونے کے بعد اس نے کفریہ اعمال ترک کر دیئے تو اس کا اسلام اچھا ہے، پس اس سے سابقہ گناہوں پر باز پرس نہیں ہوگی ـــــ ان کے علاوہ بھی جوابات دیئے گئے ہیں جو شرح نووی، فتح الملہم اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں ہیں۔

ملحوظہ: کافر ایمان کے علاوہ فروعات کا مکلف ہے یا نہیں؟ اس اختلاف پر یہ اختلاف متفرع ہے، جو حضرات مکلف مانتے ہیں ان کے نزدیک کفر وایمان دونوں زمانوں کے برے اعمال پر مؤاخذہ ہوگا، اور جو کافر کو فروعات کا مکلف نہیں مانتے ان کے نزدیک زمانۂ کفر کے برے اعمال کی باز پرس نہیں ہوگی، اور مشائخ احناف کے اس سلسلہ میں بنیادی اقوال تین ہیں جو ہم نے کتاب کے شروع میں (باب ۷ میں) بیان کئے ہیں۔

## [۵۳- بَابٌ: هَلْ يُؤَاخَذُ بِأَعْمَالِ الْجَاهِلِيَّةِ؟]

[۱۸۹-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ أُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: "أَمَّا مَنْ أَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الإِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا، وَمَنْ أَسَاءَ أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالإِسْلَامِ"

[۱۹۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ وَوَكِيْعٌ[۱]. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ

(۱) یہاں عبارت میں سقط ہے، تحویل سے پہلے اتنی عبارت اور ہونی چاہئے: قالا حدثنا الأعمش، علامہ نووی نے یہ عبارت بڑھائی ہے ـــــ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث دو اساتذہ سے لی ہے، محمد بن عبداللہ سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے، محمد اپنے ابا عبداللہ بن نُمیر اور وکیع دونوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں اعمش سے، اور ابوبکر صرف وکیع سے روایت کرتے ہیں ـــــ جاننا چاہئے اس روایت کے اور ماقبل ومابعد کی دونوں روایتوں کے تمام راوی کوفی ہیں۔

أَبِي شَيْبَةَ- وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قُلْنَا: يَارَسُولَ اللَّهِ! أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: "مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ"

[۱۹۱-] حدثنا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے باز پرس ہوگی ان عملوں کی جو ہم نے زمانہ کفر میں کئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: رہا تم میں سے وہ شخص جس کا اسلام اچھا ہے تو اس سے باز پرس نہیں ہوگی، اور جس کا اسلام برا ہے تو اس کے عمل کی باز پرس ہوگی زمانہ کفر کے عمل کی بھی اور زمانہ اسلام کے عمل کی بھی۔

سند: یہ حدیث منصور اور اعمش نے بواسطہ ابووائل حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، اور اعمش سے وکیع اور علی بن مُسہر نے روایت کی ہے۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان توبہ کی طرح ہے، جس طرح توبہ سے وہی گناہ معاف ہوتا ہے جس سے توبہ کی ہے، اسی طرح اسلام: کفر سے توبہ ہے، اور رہے جاہلیت کے گناہ تو اگر ان سے توبہ نہیں کی بلکہ وہ گناہ برابر کرتا رہا تو کفر کے زمانہ کے گناہوں پر بھی باز پرس ہوگی، اور جمہور کے نزدیک بشمول ائمہ ثلاثہ من أحسن منکم میں نفسِ اسلام کا حسن مراد ہے، اور احسان کی تفسیر اخلاص سے کی گئی ہے، پس جو اسلام میں مخلص ہے یعنی صدق دل سے اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کا اسلام کفر وشرک سمیت تمام گناہوں کے لئے کفارہ ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ایک قول جمہور کے موافق ہے۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک قبولِ اسلام کفر وشرک سمیت تمام گناہوں کے لئے کفارہ ہے، ان کی ایک دلیل حدیث: إنّ الإسلام یهدم ما کان قبله: ہے اور دوسری دلیل سورۃ الانفال کی آیت ۳۸ ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾: آپؐ کافروں سے کہہ دیں! اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کی مغفرت کردی جائے گی ان گناہوں کی جو پہلے کر چکے ہیں —— خطابی اور ابن بطال رحمہما اللہ نے دعوی کیا ہے کہ قبولِ اسلام سے کفر ومعاصی سب کی معافی ہوجاتی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ مگر حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن جعفر نے —— جو حنابلہ کے اکابر علماء میں سے ہیں —— اس اجماع کے دعوی کو رد کیا ہے، اور بحوالہ میمون امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان کو یہ بات پہنچی کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک زمانہ کفر کے گناہوں پر مواخذہ نہیں

ہوگا تو انھوں نے مذکورہ بالا حدیث ابن مسعودؓ سے ان کا رد کیا۔امام احمد رحمہ اللہ کے بقول اس میں صراحت ہے کہ بعض صورتوں میں اسلام قبول کرنے سے زمانۂ کفر کے معاصی کی معافی نہیں ہوتی،اور بعض شوافع مثلاً حلیمی کا بھی یہی قول ہے ـــــ اور اس اختلاف کی بنیاد وہ ہے جو اوپر عرض کی کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اسلام: توبہ کی طرح ہے،اور سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں:(۱) گناہ پر نادم وپشیمان ہونا(۲) اس کو بالکل چھوڑ دینا(۳) اور آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا۔ اور کافر نے جب اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کفریہ اعمال ترک نہیں کئے تو یہ دلیل ہے کہ اس نے کفر سے تو توبہ کی مگر برے اعمال سے نہیں، پس ان معاصی کی معافی نہیں ہوگی۔اور سورۃ الانفال کی آیت کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ **ما قد سلف** سے مراد ہے: **ما سلف مما انتهوا عنه**، یعنی وہ سابقہ گناہ جن سے رک گیا ہو ان کی مغفرت کا وعدہ ہے۔

اور جمہور کہتے ہیں کہ گناہوں کے لئے توبہ اور توبہ کی شرائط مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کافر تو اسلام قبول کرتے ہی بالکل گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے، اس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں، مثلاً: جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے غلطی سے ایک توحید کے قائل کو قتل کردیا، پھر حضورِ پاک ﷺ کی سرزنش کا ان کو سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے تمنا کی کہ کاش وہ آج ہی مسلمان ہوئے ہوتے، تاکہ اسلام سے ان کا یہ گناہ دھل جاتا (یہ پورا فائدہ فتح الملہم سے ماخوذ ہے)

## بَابُ كَوْنِ الإِسْلَامِ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ، وَكَذَا الْحَجُّ وَالْهِجْرَةُ

### اسلام، حج اور ہجرت سابقہ گناہوں کو ڈھادیتے ہیں

گذشتہ باب میں سوال تھا کہ کیا اسلام سے پہلے والے گناہوں کی باز پرس ہوگی؟ اس باب میں اس کا جواب ہے کہ باز پرس نہیں ہوگی، اس لئے کہ اسلام سابقہ گناہوں کو کالعدم کردیتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **الإسلامُ يَهْدِمُ ماكان قَبْلَه**: مسلمان ہونے سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور حج اور ہجرت کی بھی یہی شان ہے، ان سے بھی سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

**[۵۴-بَابُ كَوْنِ الإِسْلَامِ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهُ، وَكَذَا الْحَجُّ وَالْهِجْرَةُ]**

[۱۹۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ وَأَبُوْ مَعْنٍ الرَّقَاشِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، كُلُّهُمْ عَنْ أَبِيْ عَاصِمٍ- وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى، قَالَ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ - يَعْنِيْ: أَبَا عَاصِمٍ - قَالَ: أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِيْ شُمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِيْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ. يَبْكِيْ طَوِيْلاً وَحَوَّلَ وَجْهَهُ إِلَى الْجِدَارِ. فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُوْلُ: يَا أَبَتَاهُ! أَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِكَذَا؟ أَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِكَذَا؟ قَالَ: فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ

وَقَالَ: إِنَّ أَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، إِنِّيْ قَدْ كُنْتُ عَلٰى أَطْبَاقٍ ثَلاَثٍ، لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَمَا أَحَدٌ أَشَدُّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنِّيْ، وَلاَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَكُوْنَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ، فَلَوْمُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الإِسْلاَمَ فِيْ قَلْبِيْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلْأُبَايِعْكَ، فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ. قَالَ: فَقَبَضْتُ يَدِيْ. قَالَ:" مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟" قَالَ: قُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ. قَالَ:" تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟" قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِيْ. قَالَ:" أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! أَنَّ الإِسْلاَمَ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ؟" وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ أَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلاَلاً لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ، لِأَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ وَلِيْنَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِيْ مَا حَالِيْ فِيْهَا. فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلاَ تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَلاَ نَارٌ، فَإِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا. ثُمَّ أَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ، وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا، حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّيْ.

ترجمہ: ابن شُماسہ مَہری جن کا نام عبدالرحمٰن ہے کہتے ہیں: ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے درانحالیکہ وہ قریب المرگ تھے، وہ دیر تک روتے رہے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور ان کے صاحبزادے کہہ رہے تھے: ابا جان! کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ خوشخبری نہیں دی؟ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ خوشخبری نہیں دی؟ یعنی ان کی تسلی کے لئے ان کے فضائل بیان کئے، راوی کہتا ہے: پس انھوں نے اپنا چہرہ پھیرا اور فرمایا: سب سے افضل چیز جو ہم نے آخرت کے لئے تیار کی ہے وہ اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(پھر فرمایا:) مجھ پر تین دور گذرے ہیں: (پہلا دور) البتہ تحقیق میں نے خود کو دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی حضور ﷺ سے بغض رکھنے والا نہیں تھا، اور میری بڑی خواہش یہ تھی کہ میں آپؐ پر قابو پاتا اور آپ کو قتل کر دیتا، اگر میں اس حال میں مرجاتا تو میں دوزخیوں میں سے ہوتا (دوسرا دور) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں جاگزیں کیا تو میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں، میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا، عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں: پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! کیا بات ہوئی؟ میں نے عرض کیا: میں شرط لگانا چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہ شرط لگانا چاہتا ہوں کہ میرے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں، آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ڈھادیتا ہے پہلے کئے ہوئے گناہوں کو، اور ہجرت ڈھادیتی ہے پہلے کئے ہوئے گناہوں کو اور حج ڈھادیتا ہے پہلے کئے ہوئے گناہوں کو؟ اس

وقت مجھے حضور پاک ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا، اور نہ میری نظروں میں آپؐ سے زیادہ کسی کی عظمت تھی، اور نہ مجھ میں طاقت تھی کہ میں آپؐ کو نظر بھر کر دیکھوں، آپؐ کی عظمت کی وجہ سے، اگر مجھ سے حضور ﷺ کا سراپا بیان کرنے کی درخواست کی جاتی تو میرے لئے ممکن نہیں تھا، اس لئے کہ میں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں، اگر میں اس حال میں مرجاتا تو مجھے امید تھی کہ میں جنتیوں میں سے ہوتا (تیسرا دور) پھر ہم بعض امور کے ذمہ دار بنے، مجھے نہیں معلوم کہ ان میں میرا کیا حال ہے، لہٰذا جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو کوئی رونے والی ہو اور نہ آگ ہو، پھر جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا، پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے، اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے، تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں اور میں دیکھوں کہ میں کیا گفتگو کرتا ہوں اپنے رب کے فرستادوں سے[1]۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تعارف:

ابو عبداللہ عمرو بن العاص بن وائل سہمی قریشی: فاتح مصر رضی اللہ عنہ، ولادت: ہجرت سے پچاس سال پہلے، وفات: ۴۳ ہجری میں قاہرہ میں، مطابق ۵۷۴-۶۶۴ عیسوی، مدت عمر: ۹۳ سال، آپ کا شمار دُہاتِ عرب (دانشورانِ عرب) میں ہوتا ہے، عرب کے ذی رائے، باہوش اور فصیح و بلیغ شخص سمجھے جاتے تھے، جاہلیت میں اسلام کے سخت دشمن تھے، صلح حدیبیہ کے بعد ہدنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، نبی ﷺ نے ان کو غزوۂ ذات السلاسل میں امیر بنایا پھر کمک کے لئے جو لشکر بھیجا اس میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، پھر عمان کا عامل (گورنر) مقرر کیا، آنحضور ﷺ کی وفات تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے، پھر شام کے جہاد میں شریک رہے، قنسرین وغیرہ فتح کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آپ نے مصر فتح کیا، اور اس کے گورنر مقرر ہوئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار سال عہدہ پر برقرار رکھ کر معزول کیا، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے جھگڑے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے اور حضرت معاویہؓ نے آپ کو مصر کا گورنر مقرر کیا —— انتقال کے قریب فرمایا کہ کاش میں ذات السلاسل میں مرجاتا، میں ایسے امور میں مبتلا ہوا کہ بارگاہِ خداوندی میں اس کی جواب دہی مشکل ہے،

(۱) کافروں اور منافقوں کے پاس جو فرشتے سوال و جواب کے لئے قبر میں آتے ہیں ان کو منکر نکیر کہتے ہیں، منکر کے معنی ہیں: انجانا، اوپرا، غیر مانوس، اور نکیر فعیل کا وزن ہے، وہ بھی بمعنی منکر ہے، پس منکر نکیر کے معنی ہیں: دو غیر مانوس فرشتے جن کو دیکھ کر وحشت ہو، وہ نہایت بدصورت اور بری حالت میں آتے ہیں، اور نیک مسلمانوں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کو مبشر بشیر کہنا چاہئے، مبشّر کے معنی ہیں: خوشخبری دینے والا، اور بشیر فعیل کا وزن ہے وہ بھی بمعنی مبشّر ہے، یعنی دو خوشخبری دینے والے فرشتے وہ نہایت خوبصورت اور اچھی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر انسیت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کی بشارت سناتے ہیں (مگر یہ نام روایات میں نہیں آیا)

پھر گناہوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ اللہ عزوجل کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، اس کے بعد پشیمان ونادم اور متفکر ہوکر انگلی اپنے منہ میں رکھی اور اسی حال میں انتقال ہوا (رضی اللہ عنہ ورضواعنہ)

وضاحت: سِیَاقَۃُ الموت: أی حال حضور الموت، سیاقۃ: باب نصر کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں: جانور کو پیچھے سے ہانکنا...... علی أطباق ثلاث: أطباق: طبق کی جمع ہے: حالت، اسی معنی کر ثلاث مذکر استعمال کیا ہے...... تشترط بماذا؟ ماذا: بمعنی استفہام ہے اور صدارتِ کلام کو چاہتا ہے، مگر یہاں فعل کے بعد آیا ہے؟ ابن مالک نحوی کہتے ہیں: ماتنہا صدارت کو چاہتا ہے، ماذا (مرکب) صدارت کو نہیں چاہتا، مگر جمہور نحات کے نزدیک ماذا بھی صدارت کو چاہتا ہے، ان کے نزدیک تقدیر عبارت ہے: ماذا تشترط بماذا، بعد والا ماذا تفسیر کررہا ہے، اس لئے شروع میں ماذا حذف کردیا ہے...... مالک یا عمرو؟ ای أیُّ شیئ خطر لک حتی امتنعت من البیعۃ؟ کیا بات دل میں آئی جو بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا؟

تشریح: علماء احناف میں سے علامہ توربشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قبولِ اسلام سے ہر طرح کے گناہ معاف ہوجائیں گے، خواہ حقوق اللہ کے قبیل سے ہوں یا حقوق العباد کے، صغائر ہوں یا کبائر، مظالم کے قبیل سے ہوں یا ان کے علاوہ، اور دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف کفر وشرک اور وہ معاصی معاف ہونگے جو حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں، اور جو حقوق العباد کے قبیل سے ہیں خواہ مالی ہوں یا غیر مالی مثلاً مظالم اور قصاص وغیرہ معاف نہیں ہونگے، جیسے ذمی مسلمان ہو تو حقوق العباد ساقط نہیں ہونگے۔

بہ الفاظ دیگر: خرید وفروخت، لین دین اور قرض وعاریت وغیرہ سے متعلق جو حقوق ہیں وہ معاف نہیں ہونگے، بلکہ داخلِ اسلام ہونے کے بعد ان کی ادائیگی کا مطالبہ اور بھی بڑھ جائے گا، اور حدیث: الإسلامُ یھدم ما کان قبلہ کا تعلق: لوٹ مار، قتل وغارت گری، زنا، چوری شراب نوشی اور سودخوری وغیرہ جرائم اور ان حقوق العباد سے ہے جو کفر کے زمانہ میں ناحق تلف کردیئے گئے، مسلمان ہونے کے بعد وہ سب معاف ہیں۔

اور حج اور ہجرت سے صغائر تو بالاتفاق معاف ہوجاتے ہیں اور کبائر اور حقوق العباد کی معافی کے لئے اکثر علماء نے توبہ کو شرط قرار دیا ہے، بعض حضرات صغائر وکبائر بشمول مظالم کی معافی کی بات کہتے ہیں، ان کا استدلال ابن ماجہ کی حدیث سے ہے، حضور اکرم ﷺ نے عرفہ کی شام میں امت کے گناہوں کی معافی چاہی تو مظالم کے علاوہ تم گناہوں کی معافی کی دعا قبول ہوگئی، پھر مزدلفہ کی صبح دعا فرمائی تو مظالم بھی معاف ہوگئے، اس پر شیطان نے بہت گریہ وزاری کی، نبی ﷺ اس کو دیکھ کر مسکرائے (ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۰۱۳) یہ حدیث عبداللہ بن کنانہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کو غیر صحیح بتایا ہے، مگر بیہقی کہتے ہیں: لہ شواھد کثیرۃ۔ اور حافظ رحمہ اللہ نے بھی اپنے ایک رسالہ قوۃ الحِجَاج فی عموم المغفرۃ للحُجّاج میں کثرتِ شواہد کی بناء پر اس کو قابل استدلال قرار دیا ہے۔ اسی طرح

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: مَن حَجَّ فلم یرفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ: یعنی جس نے حج کیا اوراحرام میں نہ تو زن وشوئی کی باتیں کیں، نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ لوٹے گا اس دن کی طرح جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا (بخاری شریف حدیث ۱۵۲۱)

غرض حج سے صغائر تو بالاتفاق معاف ہونگے اور کبائر میں تفصیل ہے، اکثر علماء کے نزدیک وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہونگے، اور وہ گناہ جن کا تعلق بندوں سے ہے وہ بھی بغیر معاف کرائے معاف نہیں ہونگے، اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حج سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں سوائے مظالم کے، بشرطیکہ حج مبرور ہو، حج مبرور کے لئے خادشات (زخمی کرنے والی باتوں) سے بچنا ضروری ہے، منفی پہلو سے بھی اور مثبت پہلو سے بھی، منفی پہلو سے خادشات: رفث (احرام میں زن وشوئی کی باتیں کرنا) فسوق (دینداری کے دائرہ سے نکلنے والے کام یعنی معاصی) اور جدال (جھگڑا) ہیں، حج میں ان سے بچنا ضروری ہے۔ اور مثبت پہلو سے فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات پر پوری طرح عمل کرنا ہے، اس حج سے گناہ معاف ہونگے اور علامہ نووی اور قاضی عیاض وغیرہ نے کبائر کے لئے توبہ کو شرط قرار دیا ہے، اور بعض شوافع کا دعوی ہے کہ حج: صغائر وکبائر کے ساتھ حقوقِ مالی کو بھی معاف کردیتا ہے، اور انھوں نے ابن ماجہ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا ہے ——— اور جمہور نے (جو کبائر اور حقوق العباد کے لئے توبہ کو شرط قرار دیتے ہیں) حدیث کی متعدد توجیہیں کی ہیں: مثلاً:

۱- حدیث میں وہ مظالم (حقوق العباد) مراد ہیں جن کی تلافی کسی وجہ سے ممکن نہ ہو۔

۲- یہ توبہ کے ساتھ مقید ہے، کیونکہ دیگر احادیث میں کبائر ومظالم کے لئے توبہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید کی طرف لوٹاتے ہیں، پس یہاں بھی توبہ کی قید ملحوظ رہے گی۔

۳- جو صحابہ حجۃ الوداع میں شریک تھے، خاص ان کے صغائر وکبائر اور مظالم مراد ہیں، کیونکہ ان میں کوئی معصیت پر اصرار کرنے والا نہیں تھا۔

۴- نماز، روزہ اور مظالم کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ تاخیر کا گناہ معاف ہوگا، قرض وغیرہ کی ادائیگی اور نماز روزہ وغیرہ کی قضا حق اللہ وحق العبد ہیں وہ ساقط نہ ہونگے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفس حق کو بھی ساقط کہا جاسکتا ہے، جبکہ حج کے بعد اس نے گناہ نہ کئے ہوں، حقوق اللہ کی معافی میں تو کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ اللہ عز وجل غفور ورحیم ہیں، اور رہی بندہ کی حق تلفی کی بات، تو اللہ تعالیٰ ثواب وغیرہ کے ذریعہ اس کو راضی کرلیں گے، اور وہ معاف کردے گا[1]۔

(۱) شامی کی عبارت: قلت: قد یقال بسقوط نفس الحق إذا مات قبل المقدرة علی أدائه، سواء کان حق الله تعالیٰ أو حق عباده ولیس فی ترکته ما یفی به لأنه إذا سقط إثم التاخیر، ولم یتحقق منه إثم بعده، فلا مانع من سقوط نفس الحق، أما حق الله: فظاهر، وأما حق العباد: فالله یرضی خصمَه عنه کما مر فی الحدیث، والظاهر ←

ملحوظہ: اس تقریر کا بیشتر حصہ فتح الملہم سے ماخوذ ہے۔

[۱۹۳-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ - وَاللَّفْظُ لِإِبْرَاهِيمَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ- وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ - عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ قَتَلُوا فَأَكْثَرُوا، وَزَنَوْا فَأَكْثَرُوا، ثُمَّ أَتَوْا مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوا: إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو لَحَسَنٌ، وَلَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً! فَنَزَلَ: ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلاَ يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ وَنَزَلَ: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لاَ تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ الآيَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ مشرکین نے بہت لوگوں کو قتل کیا اور بکثرت زنا کیا، پھر وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپؐ جو باتیں کہتے ہیں اور جس بات کی دعوت دیتے ہیں: وہ بہت اچھی بات ہے، آپؐ ہمیں بتائیں کہ جو گناہ ہم نے کئے ہیں ان کا کفارہ ہے؟ (پس ہم مسلمان ہو جائیں) پس سورۃ الفرقان کی آیت ۶۸ اور سورۃ الزمر کی آیت ۵۳ نازل ہوئیں، آیتِ فرقان کا ترجمہ: "اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارا اور اس جان کو قتل نہیں کیا جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کی وجہ سے، اور زنا نہیں کیا، اور جو ایسا کرے گا وہ گناہ سے ملاقات کرے گا" ـــــ اور آیت زمر کا ترجمہ یہ ہے: "آپؐ کہہ دیں! اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں، تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، اللہ تعالیٰ بالیقین تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے واقعی وہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں"

تشریح: اللہ رب العزت کی بارگاہ ناامیدی اور مایوسی کی بارگاہ نہیں، وہاں سے کبھی کوئی محروم نہیں لوٹا، آدمی کتنا ہی بڑا مجرم، قاتل، زانی اور پاپی کیوں نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت وبخشش سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہئے، اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دے تو اللہ تعالیٰ شرک وکفر کو بھی معاف کردیں گے، اور اس زمانہ کے تمام گناہوں کو بھی معاف کردیں گے۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں یہ حدیث لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد زمانہ کفر کے برے اعمال معاف ہوجاتے ہیں، اسی طرح یہ بات قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہے۔

ملحوظہ: اگر کوئی مسلمان زنا کرے تو اس کی توبہ کی قبولیت میں تو اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، البتہ اگر کسی

← أن هذا هو مراد القائلين بتكفير المظالم أيضا...... والحاصل: أن المسئلة ظنية، فلا يقطع بتكفير الحج للكبائر من حقوق الله، فضلا عن حقوق العباد (شامی ۴:۴۹ کتاب الحج باب الهدی)

مسلمان کوقتل کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کی بھی توبہ مقبول ہے، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ النساء کی آیت ۹۳ کی وجہ سے اس کی توبہ کو مقبول نہیں مانتے تھے، مگر ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بات ایک مصلحت سے فرمائی تھی، ورنہ ان کے نزدیک بھی جمہور کی طرح مسلمان قاتل کی توبہ مقبول ہے، تفصیل باب ۳۸ میں (حدیث نمبر ۱۴۴ کی شرح کے ضمن میں) گذری ہے۔

## بَابُ بَيَانِ حُكْمِ عَمَلِ الْكَافِرِ إِذَا أَسْلَمَ بَعْدَهُ

## اسلام سے پہلے کئے ہوئے نیک اعمال کا حکم

زمانۂ کفر کی سیئات تو اسلام کی برکت سے معاف ہو جاتی ہیں، مگر کافر نے جو نیک کام کئے ہیں، مسلمان ہونے کے بعد ان کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس باب میں یہی مسئلہ ہے اور یہ پیچیدہ مسئلہ ہے، اس لئے کہ قرآنِ کریم میں صراحت ہے کہ آخرت میں ثواب اسی کو ملے گا جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کئے ہیں: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾: (النساء آیت ۱۲۴) اور باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد نبی ﷺ سے پوچھا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں جو صدقہ خیرات کیا ہے: غلام آزاد کئے ہیں، صلہ رحمی کی ہے، تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "ان نیک کاموں کی وجہ سے تمہیں اسلام کی دولت ملی ہے" اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو بھی نیک اعمال کا اجر ملتا ہے۔ غرض قرآنِ کریم سے کچھ مفہوم ہوتا ہے اور حدیث شریف سے کچھ، اس لئے یہ مسئلہ پیچیدہ ہے، اور شرح نووی اور فتح الملہم وغیرہ میں کئی طرح سے اس کو حل کیا ہے۔

اور تحفۃ القاری (۴: ۲۰۷) میں اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم میں آخرت میں نیک اعمال کی جزاء کا بیان ہے اور اس کے لئے ایمان شرط ہے، اور حدیث شریف میں دنیا میں نیک اعمال کی جزاء کا بیان ہے اور اس کے لئے ایمان شرط نہیں، کافر کو بھی دنیا میں اس کے نیک اعمال کا بدلہ ملتا ہے، بلکہ کافر کو اس کی نیکیاں دنیا ہی میں کھلا دی جاتی ہیں، مسلم شریف کی حدیث میں اس کی صراحت ہے (حدیث نمبر ۲۸۰۸) اور ایمان کی توفیق دینا نیکی کھلانے کی ایک صورت ہے۔

## [۵۵- بَابُ بَيَانِ حُكْمِ عَمَلِ الْكَافِرِ إِذَا أَسْلَمَ بَعْدَهُ]

[۱۹۴-] حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، هَلْ لِي فِيهَا مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ" وَالتَّحَنُّثُ: التَّعَبُّدُ.

ترجمہ: حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عروۃ بن الزبیر کو بتایا کہ انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: آپؐ بتلائیں ان کاموں کے بارے میں جن کو میں عبادت کے طور پر زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتا تھا (یعنی صدقہ، غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی وغیرہ کرنا) کیا ان کا کچھ اجر ملے گا؟ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''آپ اسلام لائے ہیں ان نیک کاموں کی وجہ سے جو آپ نے پہلے کئے ہیں''، یعنی زمانۂ جاہلیت میں آپ نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کی برکت سے آپ کو اسلام کی دولت ملی ہے، یہی ان نیک کاموں کا اجر ہے۔ التَحَنُّث کے معنی ہیں: عبادت کے طور پر کوئی کام کرنا۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا تعارف: آپ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور سردارانِ قریش میں سے تھے، ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے، قبولِ اسلام سے پہلے بھی جود و سخاوت اور امورِ خیر میں معروف تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی معروف رہے، کل ایک سو بیس سال عمر پائی، ساٹھ سال کفر میں گذرے اور ساٹھ سال مسلمان ہونے کے بعد حیات رہے، ۵۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

تشریح: ابن بطال اور دیگر محققین کہتے ہیں کہ کافر نے جب اسلام قبول کر لیا اور موت تک برابر اسی پر ثابت رہا تو اسے زمانۂ کفر میں جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا ثواب ملے گا، حضرت حکیم کی حدیث سے بہ ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے اور وہ اپنے ظاہر پر ہی ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہی اخذ ہوتا ہے جو دار قطنی میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''کافر جب اسلام قبول کر لے اور اس کا اسلام اچھا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زمانۂ کفر کی ہر نیکی کو بھی لکھیں گے اور اس کفر میں سرزد ہونے والے ہر گناہ کو معاف کر دیں گے'' اس حدیث کو دار قطنی نے مالک کے غرائب میں ذکر کیا ہے اور نو صحیح طرق سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایات اپنے ظاہر پر محمول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنے بندوں کے ساتھ جس طرح چاہے فضل و کرم کا معاملہ فرمائے، کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

مگر حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زمانۂ کفر کی نیکیاں اللہ کے یہاں مقبول ہیں، ممکن ہے یہ کتابت اللہ عزوجل کی طرف سے بندہ پر محض انعام و احسان ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبولیت کی بناء پر لکھا ہو، مگر یہ لکھنا اس کے اسلام پر موقوف ہوگا، اسلام لائے گا تو قبول ورنہ نہیں، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ابن جدعان کا غریبوں کو کھانا کھلانا اور دیگر نیک اعمال اس وقت مفید ہوتے جب وہ ایمان لاتے۔ اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے کی طاعات و حسنات کو اللہ تعالیٰ موقوف رکھتے ہیں، ایمان لاتا ہے تو ان کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور اگر ایمان نہیں لاتا تو لانقیم له یوم القیامة وزنا کا مصداق ہوگا۔ اور ابن منیر کہتے ہیں: جو بات اصولِ شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ کافر کی نیکیاں زمانۂ کفر میں لکھی جائیں، مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیں، اس کو تسلیم کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں، غرض کافر کی نیکیاں اسلام لانے کے بعد تو معتبر ہو سکتی ہیں، لیکن اگر مسلمان نہ ہوا تو پھر ان کا اعتبار نہیں۔

اور فقہاء کے نزدیک کافر کی طاعات وحسنات مطلقاً معتبر نہیں، اس لئے کہ طاعات وعبادت کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور نیت ضروری ہے، اور کافر کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مطلقاً حاصل نہیں، پس اس کی طاعات غیر مفید ہیں، اور حضرت حکیمؓ کی حدیث کی ان کی طرف سے چند توجیہیں کی جاتی ہیں: مثلاً:

(۱) زمانۂ کفر میں نیک طبیعت کی وجہ سے جو تم نیک کام کرتے تھے مسلمان ہونے کے بعد اس سابقہ عادت کی بناء پر زیادہ نیک کام کرنے کی توفیق ملے گی، یہی ان نیک کاموں کا صلہ ہے۔

(۲) زمانۂ کفر میں نیک کاموں کی بدولت جو مزاج بنا ہے مسلمان ہونے کے بعد وہ مزاج برقرار رہے گا۔

(۳) قبل اسلام نیک امور کی انجام دہی کی بدولت جو شہرت حاصل ہوئی مسلمان ہونے کے بعد وہ شہرت برقرار رہے گی۔

(۴) زمانۂ کفر کے نیک کاموں ہی کی بدولت اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے، یہی ان نیک کاموں کا اجر ہے (فتح الملہم) ـــــ اور ابن بطالؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ فقہاء کے قول کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی احکام پر نظر کرتے ہوئے کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوگی، رہی بات آخرت کے ثواب کی تو اس سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔

خلاصۂ بحث: اسلام قبول کرنے کے بعد کافر کو اس کے نیک اعمال کا ثواب مل سکتا ہے، اس میں کوئی چیز مانع نہیں، اور یہ ثواب اللہ عزوجل کا محض انعام واحسان بھی ہو سکتا ہے اور اس کے اعمال کی قبولیت کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، مگر جو کافر داخل اسلام نہیں ہوا اور اس نے نیک کام کئے ہیں تو اس کی نیکیوں کا دنیا ہی میں اس کو ثواب کھلا دیا جائے گا، آخرت میں اس کے وہ نیک اعمال مفید نہ ہونگے، اور یہ مفید نہ ہونا اس معنی کر ہے کہ ان اعمال کی بدولت جہنم سے چھٹکارا نہیں ملے گا، رہی بات عذاب میں تخفیف کی: تو اس معنی کر کافر کے نیک اعمال آخرت میں مفید ہونگے۔ واللہ اعلم

[۱۹۵-] حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ - قَالَ الْحُلْوَانِيُّ: حَدَّثَنَا، وَقَالَ عَبْدٌ: حَدَّثَنِي- يَعْقُوبُ- وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ أُمُوْرًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِنْ صَدَقَةٍ أَوْ عَتَاقَةٍ أَوْ صِلَةِ رَحِمٍ، أَفِيهَا أَجْرٌ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ"

وحدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ. قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَشْيَاءَ كُنْتُ أَفْعَلُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ- قَالَ هِشَامٌ: يَعْنِيْ: أَتَبَرَّرُ بِهَا - فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَسْلَمْتَ عَلٰى مَا أَسْلَفْتَ

لَكَ مِنَ الْخَيْرِ" قُلْتُ: فَوَ اللهِ! لا أَدَعُ شَيْئًا صَنَعْتُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَّا فَعَلْتُ فِي الإِسْلَامِ مِثْلَهُ.

[١٩٦-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ أَعْتَقَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِئَةَ رَقَبَةٍ، وَحَمَلَ عَلٰى مِئَةِ بَعِيْرٍ، ثُمَّ أَعْتَقَ فِي الإِسْلَامِ مِئَةَ رَقَبَةٍ، وَحَمَلَ عَلٰى مِئَةِ بَعِيْرٍ. ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِهِمْ.

وضاحت: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث عروۃ بن الزبیرؒ نے روایت کی ہے، اوران سے ان کے صاحبزادے ہشام اورابن شہاب زہریؒ نے، پھران سے متعدد حضرات نے روایت کی ہے، ابن شہاب سے یونس، صالح اور معمر نے روایت کی ہےاور ہشام سے ابومعاویہ اور عبداللہ بن نُمیر نے روایت کی ہے۔

قولہ: أَتَبَرَّرُ بِهَا: ابن شہاب کی روایت میں أَتَحَنَّثُ بها ہےاور ہشام کی روایت میں أَتَبَرَّرُ بها...... تَبَرَّرَ (از تفعّل) کے معنی ہیں: نیکی کا اظہار کرنا، تَبَرَّرَه: اطاعت کرنا، اور تَحَنَّثَ (از تفعل) کے معنی ہیں: عبادت کرنا، گناہ سے نفرت کرنا، بتوں سے علاحدہ رہنا، ان کی پرستش نہ کرنا...... أَسْلَفْتَ: سَلَفَ (ن) سَلَفًا وَسُلُوْفًا: گذرنا، آگے ہونا، بولتے ہیں: سَلَفَ له عملٌ صالحٌ: اس سے عمل صالح کا صدور پہلے ہوچکا...... قولہ: فواللہ: بخدا! میں کوئی کام نہ چھوڑوں گا جو میں نے زمانۂ کفر میں کیا، مگر میں اسلام میں اس جیسا نیک کام ضرور کروں گا۔

آخری حدیث کا ترجمہ: حضرت عروہؒ کہتے ہیں: حضرت حکیمؓ نے زمانۂ جاہلیت میں سوغلام آزاد کئے اور سواونٹوں پر سوار کیا، یعنی راہِ خدا میں سواونٹ دیئے، پھر مسلمان ہوکر سوغلام آزاد کئے اور (راہِ خدا میں جہاد کے لئے) سواری کی خاطر سواونٹ دیئے، پھر نبی ﷺ کے پاس آئے، پس ابن نمیر نے دیگر روات کی طرح حدیث بیان کی۔

## بَابُ صِدْقِ الإِيْمَانِ وَإِخْلَاصِهِ

## سچے پکے ایمان کا بیان

ایمان میں سچا پکا (مخلص) ہونا ضروری ہے، یعنی دل کی گہرائی سے اور پختہ یقین کے ساتھ ایمان قبول کرنا ضروری ہے، اسی ایمان سے آخرت میں نجات ہوگی، اور زمانۂ کفر کی سیئات معاف ہونگی اوراس زمانہ کی نیکیاں کسی لائق ہونگی، سرسری طور پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، یعنی زبان سے تو توحید وطاعات کا اعتراف کرے مگر دل مطمئن نہ ہو، شکوک وشبہات میں مبتلا ہو، یا دل میں کفر چھپا ہوا ہو، تو ایسے ایمان کا آخرت میں کوئی وزن نہیں، اسی طرح جو ایمان شرک کے ساتھ رلا ملا ہو اس پر بھی نجات نہیں، اللہ پاک کا سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہے: "وہ بندے جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ ملایا نہیں وہی بندے قیامت کے دن مأمون ہونگے اور وہی دنیا میں راہ یاب ہیں"

ـــــ اور شرک یہی نہیں ہے کہ انسان بت پرستی کرے بلکہ کسی پیر پیغمبر اور ولی وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ میں شریک گردانا بھی شرک ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ معارف القرآن (۲:۴۴۰) میں تحریر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے بارے میں رکھنا شرک ہے، جیسے کسی بزرگ یا پیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب احوال کی اس کو ہر وقت خبر ہے (یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع ماکان ومایکون کا علم ثابت کرنا) صفتِ علم میں شریک ٹھہرانا ہے، یا کسی کو نفع وضرر میں مختار سمجھنا یا پیر وپیغمبر اور ولی سے اولاد وغیرہ طلب کرنا صفتِ قدرت وتصرف میں شریک گردانا ہے، یا کسی کو سجدۂ عبادت کرنا، کسی کے نام کا چڑھاوا چڑھانا اور جانور چھوڑنا وغیرہ کام عبادت میں شریک کرنا ہے اور یہ سب کام شرک ہیں، اور اللہ عزوجل کے یہاں ایسے ایمان کی کوئی قدر ووقعت نہیں، ان کی بارگاہ میں اسی ایمان کی قیمت ہے جس میں شرک کی قطعاً ملونی نہ ہو۔

## [٥٦- بَابُ صِدْقِ الْإِيْمَانِ وَإِخْلَاصِهِ]

[١٩٧-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيْسَ، وَأَبُوْ مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيْعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالُوْا: أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: ﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

[١٩٨-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا: أَخْبَرَنَا عِيْسٰى- وَهُوَ ابْنُ يُوْنُسَ- ح: وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيْمِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ إِدْرِيْسَ، كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ. قَالَ أَبُوْ كُرَيْبٍ: قَالَ ابْنُ إِدْرِيْسَ: حَدَّثَنِيْهِ أَوَّلًا أَبِيْ، عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی: "جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کیا انہی کے لئے دلجمعی ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں" ـــــ تو مسلمانوں پر یہ آیت شاق گذری، انھوں نے کہا: ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ یعنی ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ناانصافی ہو ہی جاتی ہے، اور آیت میں عذاب سے مامون ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ ذرا بھی ظلم نہ کیا ہو، پھر عذاب سے کون بچ سکے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، یعنی آیت پاک میں چھوٹا ظلم مراد نہیں، جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو بلکہ وہ ظلم مراد ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت

کرتے ہوئے بتایا ہے: بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا بیشک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے، یعنی ظلم سے شرک مراد ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث وکیع کے علاوہ عیسیٰ بن یونس، ابن مسہر اور ابن ادریس نے بھی اعمش سے اسی سند سے روایت کی ہے ـــــ قال ابن إدريس: یعنی ابن ادریس نے یہ حدیث پہلے اپنے والد اور ابان بن تغلب کے واسطہ سے اعمش سے روایت کی تھی، پھر براہِ راست اعمش سے یہ حدیث سنی، تو دو واسطے کم ہو گئے اور سند عالی ہو گئی۔

تشریح: ظلم کے اصل معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْئِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ: کسی چیز کو نامناسب جگہ میں رکھ دینا، مشکیزے کا دودھ بے وقت استعمال کر لیا جائے تو کہتے ہیں: ظَلَمْتُ السِّقَاءَ: اور استعمال کردہ دودھ ظلیم کہلاتا ہے، اسی طرح زمین بے موقع کھودی جائے تو کہتے ہیں: ظَلَمْتُ الأَرْضَ اور وہ جگہ أَرْضٌ مَظْلُومَةٌ کہلاتی ہے ـــــ پھر ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے لئے ہونے لگا، خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اور خواہ تجاوز اعتقادی ہو یا عملی، چنانچہ گناہِ صغیرہ اور کبیرہ اور شرک ونفاق اور بدعملی پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ قرآنِ کریم میں یہ سب اطلاقات آئے ہیں، مذکورہ آیت میں صحابہ نے ظلم سے عملی گناہ مراد لئے ہیں، اس پر اشکال ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں ظلم سے ظلم اعتقادی مراد ہے، اور اس کی نظیر پیش فرمائی، چنانچہ صحابہ کا اشکال رفع ہو گیا۔

۲-اس آیت میں تو ظلم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق 'شرک' مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، البتہ بظلم نکرہ تحت النفی ہے، اس لئے شرک عام ہے، کھلے طور پر مشرک اور بت پرست ہو جائے: یہ تو مراد ہے ہی، اور جو غیر اللہ کو نہیں پوجتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے مگر کسی فرشتہ یا رسول یا ولی کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ میں شریک ٹھہراتا ہے، اور ان کے مزارات کو حاجت روا سمجھتا ہے: یہ شرک بھی آیت میں مراد ہے۔

۳-جس طرح کفر کے مختلف درجات ہیں شرک اور ظلم کے بھی مختلف درجات ہیں، ظلم کے معنی ہیں: کسی کی حق تلفی کرنا، اور سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کا شریک گردانا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا حق مارنا ہے، کیونکہ بندگی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پس جو شخص عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے، یا صرف غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے وہ اللہ کا حق مارتا ہے پس اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟ سورۂ لقمان میں ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے، پھر اس سے کم درجے کے ظلم ہیں، جو کبیرہ گناہ ہیں، حدیث شریف میں ہے: الظُّلْمُ ظلمات يوم القيامة: ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوگا (مشکوٰۃ حدیث ۵۱۲۳) غرض سب ظلم برابر نہیں۔

فوائد:

۱-لَبَسَ يَلْبِسُ (باب ضرب) کے معنی ہیں: کسی چیز کو اس طرح رلا ملا دینا کہ امتیاز باقی نہ رہے، اس آیت کے نزول کے وقت جو صحابہ کو پریشانی ہوئی اس کی وجہ علامہ خطابی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ ظلم اگرچہ عام ہے، صغائر وکبائر، شرک

ونفاق اور گناہ ومعصیت سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے مگر دورِ اول میں اس کا اطلاق گناہ ومعصیت ہی پر ہوتا تھا، اور کفر وشرک کو اتنا بڑا سمجھا جاتا تھا کہ اس پر لفظ ظلم کا اطلاق ہوتا ہی نہیں تھا، اس لئے صحابہ نے آیت کے متعارف معنی سمجھے، اور یہ خیال کیا کہ معصیت سے بالکلیہ اجتناب تو انبیاء کا خاصہ ہے، وہ معصوم ہیں، ہم میں سے تو ہر شخص سے کچھ نہ کچھ گناہ سرزد ہو ہی جاتا ہے، پس ہدایت وسکون کس کو نصیب ہوگی؟ پھر جب انھوں نے اپنی یہ الجھن دربارِ رسالت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ آیتِ کریمہ میں شرک مراد ہے، اور سورہ لقمان کی آیت کا حوالہ دے کر سب کو مطمئن کردیا۔

اور حافظ رحمہ اللہ نے یہ وجہ تحریر فرمائی ہے کہ صحابہ کرام لفظ ظلم کو شرک وکفر اور معصیت دونوں معنی میں عام سمجھتے تھے، لیکن چونکہ نکرہ تحت النفی ہے، اس لئے عموم کو ملحوظ رکھ کر یہ سمجھا کہ جس نے کسی بھی قسم کا گناہ اور ظلم وشرک نہ کیا ہو اسی کو چین وراحت اور ہدایت ونجات ملے گی، آنحضور ﷺ نے یہ جواب دے کر کہ یہاں ظلم کی تنوین تعمیم کے لئے نہیں، بلکہ تعظیم کے لئے ہے، ان کی تسلی فرمادی۔

۲- بخاری شریف میں (حدیث نمبر ۳۲) اسی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب صحابہ نے اپنی الجھن پیش کی تو سورۂ لقمان کی آیت (۱۳) ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ نازل ہوئی ـــــ ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ صحابہ اور تابعین ہر اس واقعہ کے لئے جو آیت کا مصداق ہوسکتا ہو أنزل الله كذا کہتے تھے، پس سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت پہلے سے نازل شدہ تھی، آنحضور ﷺ نے اس کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے مگر راوی نے أنزل الله کہہ دیا، یعنی یہ شانِ نزول حقیقی نہیں احتمالی ہے۔

۳- مذکورہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے، مگر معتزلہ وغیرہ کے نزدیک معصیت مراد ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر آیت میں شرک مراد لیا جائے تو محلِ واحد میں شرک وایمان کا اجتماع لازم آئے گا، جو کہ محال ہے، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور اجتماعِ نقیضین محال ہے، اور حدیث خبر واحد ہے، اور جو خبر واحد خلافِ عقل ہو اس کا اعتبار نہیں ـــــ غرض اس آیت سے معتزلہ کا استدلال یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کبھی نجات نہیں پاسکتا، کیونکہ امن ونجات کا وعدہ اس ایمان پر کیا گیا ہے جو ظلم کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو، اور مرتکب کبیرہ کا ایمان ظلم (معصیت) کے ساتھ خلط ملط ہے، پس اس کی نجات ممکن نہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ خود آیتِ کریمہ میں قرینہ موجود ہے کہ ظلم سے شرک مراد ہے، اور وہ قرینہ لفظ لبس ہے، لبس کے معنی ہیں: دو چیزوں کو اس طرح گڈمڈ کردینا کہ امتیاز باقی نہ رہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ دونوں کا ظرف ایک ہو، لہٰذا اگر ظلم سے معصیت مراد لیں گے تو ظرف کا اتحاد باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ معصیت (اعمالِ سیئہ) کا ظرف ومحل جوارح (اعضاء) ہیں اور ایمان کا محل قلب ہے، پس شرک مراد لینا ضروری ہے تا کہ ایک محل میں اکٹھا ہوں۔

اور رہی یہ بات کہ شرک وایمان کا اجتماع محال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً محال ہونے کی بات تسلیم نہیں، سورۂ

یوسف (آیت ۱۰۶) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ﴾: یعنی مشرکین کا یہ خیال تھا کہ ہم اللہ پر یقین رکھتے ہیں، مگر وہ توحید کے قائل نہیں تھے، بتوں کو بھی پوجتے تھے اور اس کو ایمان باللہ کی تکمیل کہتے تھے ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٰ﴾: یعنی ہم بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے کچھ قریب کردیں (الزمر آیت ۳) غرض سورۂ یوسف کی مذکورہ آیت میں شرک وایمان کا اجتماع ہے اسی طرح سورۂ انعام کی مذکورہ آیت (آیت ۸۳) میں بھی اجتماع ہوسکتا ہے۔

دوسرا جواب: اور اس خلجان کا الزامی جواب یہ ہے کہ معتزلہ کے نظریہ کے مطابق مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج ہے، پس جس نے بھی گناہ کیا ایمان سے خارج ہوگیا، پس ایمان ومعصیت کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا، **فما هو جوابكم فهو جوابنا!** —— آیت وحدیث کی مزید شرح ووضاحت کے لئے فتح الملہم اور شرح نووی کا مطالعہ کریں۔

۴- حضرت لقمانؒ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ خلعتِ نبوت سے سرفراز کئے گئے تھے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر جمہور کے نزدیک وہ دانشمند تھے، نبی نہیں تھے۔ عمدۃ القاری میں ہے: **إِتَّفَقَ العلماءُ: أنّه كان حكيمًا ولم يَكُنْ نَبِيًّا، إلا عكرمة، فإنّه كان يقولُ إنّه كان نبيًّا:** حضرت عکرمہ رحمہ اللہ ان کو نبی مانتے ہیں، باقی علماء کا اتفاق ہے کہ وہ دانشمند تھے، نبی نہیں تھے، حضرت لقمان رحمہ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے اور ان سے علم بھی حاصل کیا ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: تحفۃ القاری ۷: ۴۱۔

## بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ لَمْ يُكَلِّفْ إِلَّا مَا يُطَاقُ

### اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے

تکلیف مالا یطاق جائز نہیں، یعنی شریعت ایسے امور کا حکم نہیں دیتی جو انسان کے بس میں نہ ہو، پھر مالا یطاق کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ کام جو سرے سے بندے کی قدرت میں نہیں، جیسے اندھے کو دیکھنے کا حکم دینا اور اپاہج کو دوڑنے کا حکم دینا، ایسے مالا یطاق امور کی تکلیف شرعاً ممتنع ہے[1]۔

دوم: وہ امور جو بندے کی قدرت میں ہیں، مگر شاق اور دشوار ہیں، جیسے شروع اسلام میں تہجد کی نماز فرض کی گئی، جو ایک مشکل امر تھا، ایسے مالا یطاق امور کا حکم دیا جاسکتا ہے، چنانچہ شروع اسلام میں یہ حکم دیا گیا، اور صحابہ نے سال بھر تہجد پڑھا،

(۱) شرعاً ممتنع ہے، عقلاً ممتنع نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں، اور اس پر یہ اعتراض کرنا کہ جب عمل کرنے کی طاقت ہی نہیں تو حکم دینے کا کیا فائدہ؟ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حکم دینے سے کبھی عمل کرانا مقصود ہوتا ہے، اور کبھی امتحان اور کبھی اپنے علم وفضل کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

پھر یہ حکم ختم کردیا گیا[1]۔ یا جیسے شروع اسلام میں یہ طریقہ تھا کہ رات میں سوتے ہی اگلا روزہ شروع ہوجاتا تھا، یہ بھی ایک دشوار حکم تھا، پھر رات اور دن کی تقسیم کرکے آسانی کردی، کیونکہ ایسے امور میں بھی شریعت بندوں کی سہولت کا خیال رکھتی ہے، مثلاً: حائضہ کی نمازیں معاف کردیں، سفر میں نمازیں قصر کرنے کی اور رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی، شیخ فانی وغیرہ کو فدیہ دینے کی اجازت دی، یہ سب بندوں کی سہولت کے پیش نظر تھا۔

## [۵۷- بَابُ بَيَانِ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى لَمْ يُكَلِّفْ إِلَّا مَا يُطَاقُ]

[۱۹۹-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ الضَّرِيرُ، وَأُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ - وَاللَّفْظُ لِأُمَيَّةَ- قَالَا: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ - وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ - عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا أُنْزِلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَافِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ قَالَ: فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ بَرَكُوْا عَلَى الرُّكَبِ، فَقَالُوْا: أَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلِّفْنَا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا نُطِيْقُ، الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ وَالْجِهَادَ وَالصَّدَقَةَ وَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هٰذِهِ الْآيَةُ، وَلَا نُطِيْقُهَا. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ: سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا؟ بَلْ قُوْلُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" قَالُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. فَلَمَّا اقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ ذَلَّتْ بِهَا أَلْسِنَتُهُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْ إِثْرِهَا:﴿ آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ:﴿لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ قَالَ: نَعَمْ- ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾- قَالَ: نَعَمْ -﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾- قَالَ: نَعَمْ- ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾ قَالَ: نَعَمْ.

(۱) شروع اسلام میں نماز تہجد فرض تھی اور کم از کم ایک چوتھائی رات تہجد میں مشغول رہنا ضروری تھا، پھر جب یہ حکم صحابہ پر شاق ہوا تو سال بھر کے بعد سورۃ المزمل کی آخری آیت ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ نازل ہوئی، اور طویل قیام کی پابندی منسوخ کرکے اختیار دیا کہ سہولت کے بقدر تہجد میں مشغول رہنا کافی ہے، اور یہ حکم فرائض خمسہ کی فرضیت کے نزول سے قبل تھا، فرائض خمسہ کی فرضیت کے نزول کے بعد تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی، یہ بات حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایات میں آئی ہے (بحوالہ معارف القرآن ۸:۵۸۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ پر سورۃ البقرہ کی آیت (۲۸۴) نازل ہوئی: آیت کا ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے، اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے (ما فی أنفسکم سے مراد: امورِ قلبیہ اختیاریہ ہیں وساوس مراد نہیں) اور جس کی چاہیں گے بخشش فرمادیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ کرام پر یہ آیت شاق گذری، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں مکلف بنایا گیا تھا ایسے اعمال کا جو ہمارے بس میں تھے، یعنی نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ کا، اور اب آپؐ پر یہ آیت اتری ہے، اور ہم میں اس کی طاقت نہیں (کہ کوئی وسوسہ دل میں نہ آئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم وہی بات کہنا چاہتے ہو جو تم سے پہلے یہود ونصاری کہہ چکے ہیں (انھوں نے کہا تھا) ہم نے سن لیا اور ہم اس پر عمل نہیں کریں گے؟ بلکہ کہو: ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی، اے ہمارے رب! آپ ہماری مغفرت فرمادیجئے، اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے، جب صحابہ نے اس کو پڑھا (یعنی کہا) درانحالیکہ ان کی زبانیں دل کی موافقت کررہی تھیں (ذلّت إلخ جملہ حالیہ ہے) تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی یہ آیت نازل کی (یہ لما کا جواب ہے) —— آیت کا ترجمہ: ''اللہ کے رسول (ﷺ) ایمان لائے اس چیز پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی، سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسول پر (اور وہ کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے، اور انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے''

جب انھوں نے ایسا کہا تو اللہ تعالیٰ نے آیت إن تبدوا إلخ کو منسوخ فرما کر یہ آیت نازل فرمائی —— آیت کا ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کا جو اس کے اختیار میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ملتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، اے ہمارے پروردگار! ہماری داروگیر نہ فرما، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں'' —— اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھیک ہے، یعنی میں ان امور پر تمہاری داروگیر نہیں کروں گا —— ''اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجیں جس طرح ہم سے پہلے والوں پر آپ نے حکم بھیجے ہیں'' —— اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھیک ہے، یعنی میں ایسے بھاری احکام بھی تم پر نازل نہیں کروں گا —— اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیں جس کو ہم سہار نہ سکیں، اور ہم سے درگذر فرمائیں، اور ہماری بخشش فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ ہمارے کارساز ہیں، پس آپ ہم کو کافروں پر غالب کردیں —— اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھیک ہے، یعنی میں تمہاری یہ سب خواہشیں پوری کروں گا۔

امت کی یہ سب دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہیں اور موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے، چنانچہ دین آسان

کر کے نازل فرمایا، حدیث میں ہے: الدین یُسْرٌ: اللہ نے دین نہایت آسان بھیجا ہے، پس ہمت کر کے اس پر عمل کرو، اور دوسری دعائیں بھی مقبول ہوئی ہیں۔

تشریح: پہلے چند باتیں جان لیں:

پہلی بات: اعمالِ ظاہریہ: جن کا تعلق ہاتھ، پاؤں، سر، آنکھ اور زبان وغیرہ سے ہے: اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک: اختیاری، یعنی جسے بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، جیسے ارادۃً کسی کو مارنا یا کچھ کہنا۔ دوسرے: غیر اختیاری، جو بلا ارادہ سرزد ہو جاتے ہیں، جیسے کہنا کچھ چاہتا تھا نکل گیا کچھ، یا رعشہ کی بناء پر ہاتھ ہلا اور کسی کو تکلیف پہنچ گئی ـــــ حساب وکتاب اور جزاء وسزا افعالِ اختیاریہ کے ساتھ مخصوص ہیں، افعالِ غیر اختیاریہ کا نہ انسان مکلف ہے اور نہ ان پر ثواب وعذاب ہے۔

اسی طرح وہ افعال جن کا تعلق باطن یعنی دل کے ساتھ ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک: اختیاری، جیسے کفر وشرک کا عقیدہ جس کو قصد واختیار کے ساتھ دل میں جمایا ہے، یا ارادۃً اپنے آپ کو بڑا سمجھنا جس کو تکبر کہا جاتا ہے، یا شراب پینے کا یا زنا اور چوری کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، اور دوسرے: غیر اختیاری، مثلاً بغیر قصد وارادہ کے دل میں کسی برے خیال کا آجانا، ان میں بھی حساب وکتاب اور مؤاخذہ صرف اختیاری افعال پر ہے، غیر اختیاری پر نہیں۔

دوسری بات: جو احکام فرض کئے گئے ہیں یا جو احکام حرام کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق تو اعضاء وجوارح کے ساتھ ہے، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں، اور کچھ اعمال واحکام وہ ہیں جو انسان کے قلب وباطن سے تعلق رکھتے ہیں، ایمان واعتقاد سے متعلق تمام مسائل نیز کفر وشرک کے تمام احکام کا تعلق قلب وباطن سے ہے، اسی طرح اخلاقِ صالحہ: تواضع، صبر، قناعت اور سخاوت وغیرہ نیز اخلاقِ رذیلہ: حسد، تکبر، بغض، حب جاہ، حب مال اور حرص وغیرہ جو قطعی حرام ہیں ان کا تعلق بھی دل اور باطن سے ہے۔

تیسری بات: سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۸۴) کا حاصل یہ ہے کہ جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے، چاہے وہ اس کو ظاہر کریں یا چھپائیں: اللہ تعالیٰ سب کا حساب لیں گے، یعنی قیامت کے دن جس طرح اعمالِ ظاہرہ کا حساب ہوگا، اسی طرح اعمالِ باطنہ کا بھی حساب ہوگا، آیت کی دراصل مراد تو یہ تھی کہ اپنے ارادہ واختیار سے جو کچھ دل میں لاؤ گے اس کا حساب ہوگا، غیر اختیاری وسوسے اور بھول چوک اس میں داخل ہی نہیں تھے، لیکن الفاظِ قرآنی بہ ظاہر عام تھے، لفظ ما کے عموم سے یہ سمجھا گیا کہ نفوسِ انسانی کے جملہ خواطر جن کے دفع کرنے پر قدرت ہو یا نہ ہو: آیت سب کو شامل ہے، یعنی انسان کے دل میں غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے گا تو اس کا بھی حساب ہوگا، صحابۂ کرام یہ سن کر گھبرا گئے اور آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام اپنے ارادہ واختیار سے کرتے ہیں انہی اعمال کا حساب ہوگا، غیر اختیاری خیالات جو دل میں آجاتے ہیں ان کا حساب نہ ہوگا، مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ برے خیالات جو دل میں گذرتے

ہیں ان کا بھی حساب ہوگا، اس حالت میں تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے۔ آنحضور ﷺ کو اگرچہ آیت کی صحیح مراد معلوم تھی مگر الفاظ کے عموم کے پیش نظر آپؐ نے اپنی طرف سے کچھ کہنا پسند نہ فرمایا، بلکہ وحی کا انتظار فرمایا، اور صحابہ کرام کو یہ تلقین فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے خواہ آسان ہو یا دشوار، مؤمن کا کام یہ نہیں ہے کہ اس کے ماننے میں ذرا بھی تأمل کرے، یہ تو یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے، وہ جرأت دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن تو لیا مگر ہم مانیں گے نہیں، تم ان کی روش اختیار نہ کرو، تم کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سن کر یہ کہو: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾: اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ کا حکم سنا اور اس کو مان لیا، اے ہمارے پروردگار! اگر حکم کی تعمیل میں ہم سے کوئی کوتاہی یا فروگذاشت ہو جائے تو اس کو معاف فرما دیں، کیونکہ ہمارا سب کا آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ صحابۂ کرام نے آنحضور ﷺ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کہا، گو کہ ان کے ذہن میں یہ خیال کھٹک رہا تھا کہ بے اختیار دل میں آنے والے خیالات اور وساوس سے بچنا دشوار ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل فرمائیں، جن میں سے پہلی آیت میں مسلمانوں کی مدح اور دوسری آیت میں اس آیت کی مراد واضح کی گئی جس میں صحابۂ کرام کو اشتباہ پیش آیا تھا۔

پہلی آیت میں مدح فرمائی کہ مؤمنین کا اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر، ایک ہونے پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہونے پر، اسی طرح فرشتوں کے موجود ہونے پر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور سب رسولوں کے سچا ہونے پر یقین ہے، اور وہ اللہ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ نہیں ڈالتے کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسے یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا، مگر خاتم الانبیاء ﷺ کو نبی نہ مانا۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾: یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زائد کام کا حکم نہیں دیتے، اس لئے غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وسوسے دل میں آجائیں اور پھر ان پر کوئی عمل نہ ہو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں، حساب اور مؤاخذہ صرف ان ظاہری اور باطنی عملوں پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے کئے جائیں۔

غرض: خود قرآنِ کریم نے آیت کی مراد واضح کر دی کہ غیر اختیاری وساوس و خیالات کا نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب و ثواب ہوگا، اسی مضمون کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾: یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادۃً و اختیار سے کیا ہے اور عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادۃً و اختیار سے کیا ہے، غیر اختیاری خیالات اور وساوس پر کوئی عذاب نہ ہوگا (ماخوذ از معارف القرآن ۱:۶۹۴)

قوله: نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰي: یہ مجاز ہے، نسخ اصطلاحی مراد نہیں، یعنی صحابۂ کرام کو لفظ ما کے عموم کی بنا پر جو غلط فہمی ہوئی تھی آخری آیت سے اس کا ازالہ کیا گیا، اسی کو نسخ سے تعبیر کر دیا۔

بہ الفاظ دیگر: آیت کی مراد تھی: إن تبدوا ما استقر في نفوسكم أو تخفوه: یعنی جو دلوں میں چھپے راز ہیں ان میں سے جو اختیاری ہیں ان پر جزاء وسزا ہوگی، مگر صحابہ نے آیت کو عام سمجھا، پس ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللهُ ﴾: کے ذریعہ آیت کی مراد واضح کی گئی کہ غیر اختیاری افعال وخیالات مراد نہیں، وہ انسان کی طاقت وقدرت سے باہر ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کا مکلف نہیں بناتا، پس یہ تخصیص ہے جس کو نسخ سے تعبیر کردیا۔ نسخ میں ثابت شدہ حکم کو خارج کیا جاتا ہے، اور تخصیص میں شروع ہی سے وہ چیز متکلم کی مراد نہیں ہوتی۔

سوال: اگر غیر اختیاری افعال اور خیالات ووساوس آیت کی مراد تھے ہی نہیں تو نبی ﷺ نے صحابہ کی غلط فہمی دور کیوں نہیں فرمائی؟

جواب: ہر غلط فہمی کو دور کرنا ضروری نہیں، جیسے متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی اجازت سے ایک خواب کی تعبیر بیان کی، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ فرمائیں: میں نے تعبیر صحیح دی یا میں چوک گیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: کچھ صحیح دی اور کچھ چوک گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ کو قسم دیتا ہوں! مجھے ضرور بتلائیں کہ وہ کونسی بات ہے جو میں چوک گیا، آپؐ نے فرمایا: قسم مت دو (بخاری حدیث ۷۰۴۶، مسلم شریف ۲۲۶۹، کتاب الرؤیا، باب ۳) —— غرض آپ ﷺ نے چوک نہیں بتائی، اسی طرح یہاں بھی صحابہ کرام کے اندر اطاعت وانقیاد اور خوف وخشیت کو ملحوظ رکھ کر از خود آیت کی تفسیر نہیں فرمائی، بلکہ وحی کا انتظار فرمایا، اور صحابہ کو ادب وانقیاد کی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے خواہ آسان ہو یا مشکل، مؤمن کا یہ کام نہیں کہ اس کے ماننے میں ذرا تأمل کرے، اس کو فوراً سمعنا و أطعنا کہہ کر اللہ عز وجل کے حضور میں تابعداری وفرمانبرداری کا اظہار کرنا چاہئے۔

[۲۰۰-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، وَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ - وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ بَكْرٍ - قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا. وَقَالَ الآخَرَانِ، حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ آدَمَ ابْنِ سُلَيْمَانَ، مَوْلَى خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ قَالَ: دَخَلَ قُلُوْبَهُمْ مِنْهَا شَيْئٌ لَمْ يَدْخُلْ قُلُوْبَهُمْ مِنْ شَيْئٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " قُوْلُوْا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَسَلَّمْنَا" قَالَ: فَأَلْقَى اللّٰهُ الإِيْمَانَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ - ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا﴾ قَالَ- قَدْ فَعَلْتُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیت پاک: ﴿ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ ﴾ نازل ہوئی تو

صحابہ کے دلوں میں اس آیت کی وجہ سے ایک ایسی چیز (ڈر) داخل ہوئی جو کسی اور چیز کی وجہ سے داخل نہیں ہوئی تھی (چنانچہ انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے عرض کی کہ جب تمام قلبی واردات پر داروگیر ہوگی تو معاملہ بڑا سنگین ہوجائے گا) پس نبی ﷺ نے فرمایا: کہو ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور ہم نے تسلیم کیا، راوی کہتے ہیں: پس اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں میں اطمینان ڈالا، اور آیت پاک: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ ﴾ نازل فرمائی، آیت کا ترجمہ اور شرح اوپر آچکی۔

تشریح: سورہ بقرہ کی آخری آیت میں اولاً تو تسلی دی گئی کہ اختیاری افعال ہی کا آدمی کو مکلف بنایا گیا ہے اور اسی پر مجازات کا مدار ہے، پھر ایک خاص دعا تلقین فرمائی جس میں بھول چوک سے کسی فعل کے سرزد ہونے کی معافی مانگی گئی ہے، اور یہ سب دعائیں اللہ عز وجل نے قبول فرمالیں، اور نبی ﷺ کے ذریعہ اس کا اظہار بھی فرمادیا، چنانچہ موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے، اور دین کو بھی آسان کر کے نازل فرمایا ہے۔

## بَابُ تَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنْ حَدِيْثِ النَّفْسِ وَالْخَوَاطِرِ بِالْقَلْبِ إِذَا لَمْ تَسْتَقِرَّ

### وسوسے اور خیالات دل میں ٹھہر نہ جائیں تو معاف ہیں

دل میں جو خیالات آتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں:

اول: وہ خیالات جن کا دل ہی سے تعلق ہوتا ہے، قول وفعل سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا، جیسے عقائد صحیحہ وفاسدہ، یہ باتیں اگر وسوسہ کے درجے میں ہیں، یعنی وہ خیالات دل میں جمے نہیں تو ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں، البتہ اگر وہ عزم کے درجہ میں پہنچ جائیں تو ان پر جزا وسزا ہوگی۔

دوم: وہ خیالات جن کا تعلق 'قول' سے ہے، جیسے دل میں بیوی کو طلاق دینے کا خیال آیا، یا قسم کھانے کا، یا غلام آزاد کرنے کا، یا مطلقہ بیوی کو نکاح میں واپس لینے کا ارادہ ہو تو جب تک زبان سے ان باتوں کا تکلم نہیں کرے گا: وہ اعمال وجود میں نہیں آئیں گے۔

سوم: وہ خیالات جن کا تعلق 'عمل' سے ہے، جیسے زنا کرنا، قتل کرنا، چوری کرنا وغیرہ، ان پر مؤاخذہ اس وقت ہوگا جب اس فعل کا صدور ہوجائے، پس اگر کسی نے دل میں ٹھانا کہ زنا کرنا ہے، یا قتل کرنا ہے تو جب تک یہ افعال صادر نہ ہوں، دنیا وآخرت میں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

البتہ اگر گناہ کا صدور نیت صحیح ہونے کے باوجود یعنی عزم مصمم کے بعد کسی مانع کی وجہ سے نہ ہو تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا، جیسے دو شخص تلواریں لے کر بھڑے، پھر ایک نے دوسرے کو قتل کردیا تو دونوں جہنم میں جائیں گے، آخرت میں دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے، کیونکہ جو مارا گیا ہے وہ مرنے کے لئے نہیں نکلا تھا، بلکہ وہ اپنے بھائی کو مارنے کے لئے آیا تھا، مگر اتفاق کہ وہ مار نہ سکا، مرگیا، اس لئے اللہ کے یہاں وہ بھی قاتل لکھا جائے گا، یہ مضمون حدیث میں آیا ہے (بخاری حدیث ۳۰)

## [۵۸-بَابُ تَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنْ حَدِيْثِ النَّفْسِ وَالْخَوَاطِرِ بِالْقَلْبِ إِذَا لَمْ تَسْتَقِرَّ]

[۲۰۱-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ- وَاللَّفْظُ لِسَعِيْدٍ- قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا أَوْ يَعْمَلُوْا بِهِ"

[۲۰۲-] حَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالاَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى وابْنُ بَشَّارٍ قَالاَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، كُلُّهُمْ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِيْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ بِهِ"

حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ وَهِشَامٌ. ح: وَحَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ شَيْبَانَ، جَمِيْعًا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے فائدہ کے لئے ان باتوں سے (ما سے پہلے عن پوشیدہ ہے) درگذر کیا ہے جن کے ساتھ امت نفوس سے باتیں کرتی ہے، یعنی جن باتوں کو آدمی سوچتا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا ہے، جب تک وہ اس بات کو منہ سے نہ بولیں، یا اس پر عمل نہ کریں (یعملوا سے پہلے لم پوشیدہ ہے)

سند کا بیان: یہ حدیث قتادہؒ نے زرارۃ بن ابی اوفی کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، پھر قتادہ سے متعدد حضرات نے: یعنی ابو عوانہ، سعید بن ابی عروبہ، مسعر، ہشام اور شیبان نے روایت کیا ہے ـــــ أو تکلّم: اس سے پہلے لم پوشیدہ ہے اور تکلّم کی تقدیر تتکلّم ہے۔

تعارف: حضرت زرارۃ بن ابی اوفی رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں، بصرہ کے قاضی تھے، اور خود امامت کراتے تھے، ایک دن فجر کی نماز میں یہ آیتیں: ﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ﴾ پڑھیں اور خشیت سے اسی وقت (یا اسی رکعت کے سجدہ میں) روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، ۹۳ ہجری میں انتقال ہوا۔

تشریح: جو باتیں دماغ میں وسوسہ کے طور پر آتی ہیں اور ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا وہ معاف ہیں، ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں کوندتی ہیں، جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں، یا اس کو منہ سے نہ نکالیں ـــــ البتہ غلط عقائد پر مؤاخذہ ہوگا، اور ان باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوگا جن کو

عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ ہے، پھر چاہے وہ ان کو عملی جامہ نہ پہنا سکا ہو، سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۴ میں جو فرمایا گیا ہے کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے چاہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ: اللہ تعالیٰ ان پر ضرور تمہارا مؤاخذہ کریں گے، اس آیت کا مصداق باطل عقائد اور وہ اعمال ہیں جن کو کرنے کا عزم مصمم ہے۔

فائدہ: خیالات ووساوس کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) وہ خیالات جو آکر فوراً چلے گئے، اس کا نام ہاجس ہے (۲) وہ خیالات جو آجارہے ہیں، اس کا نام خاطر ہے (۳) وہ خیالات جن کی طرف میلان ہورہا ہے، اس کو حدیث النفس کہتے ہیں (۴) وہ خیالات جن میں تذبذب ہے، یعنی کبھی دل کرنے کا حکم لگاتا ہے اور کبھی نہ کرنے کا، یہ ھَمّ ہیں (۵) تردد ختم ہوگیا اور دل نے کرنے کا حتمی فیصلہ کرلیا، اس کا نام عزم ہے، کسی شاعر نے پانچوں قسموں کو ان کے احکام کے ساتھ شعر میں جمع کیا ہے:

مَرَاتِبُ الْقَصْدِ خَمْسٌ هَاجِسٌ ذَكَرُوْا ❁ فَخَاطِرٌ فَحَدِيْثُ النَّفْسِ فَاسْتَمِعَا

يَلِيْهِ هَمٌّ فَعَزْمٌ كُلُّهَا رُفِعَتْ ❁ سِوَى الْأَخِيْرِ فَفِيْهِ الْأَخْذُ قَدْ وَقَعَا

چار معاف ہیں: یعنی ہاجس، خاطر، حدیث النفس اور ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اور عزم پر دارو گیر ہے —— پھر عزم کی دو قسمیں ہیں: اول: خالص قلبی عمل، جس کا اعضاء وجوارح سے کوئی تعلق نہیں، پھر چاہے اس کا تعلق اعتقادات سے ہو، جیسے شرک وکفر اور ایمان واقرار نبوت وغیرہ یا اخلاق وملکات سے ہو، جیسے تواضع، صبر، قناعت اور ان کی اضداد: تکبر، بغض اور حسد وغیرہ۔ دوم: اعضاء وجوارح سے متعلق اعمال، اول کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان پر مجازات ہوگی، اچھے اعتقادات اور اخلاق وملکات پر ثواب ملے گا اور غلط اعتقادات اور اخلاقِ رذیلہ پر سزا ہوگی، اور وہ خیالات جو اعضاء وجوارح سے متعلق ہیں جن میں قلبی عمل محض واسطہ اور ذریعہ ہے، اصل مقصود اعضاء وجوارح کا عمل ہے، جیسے زنا، چوری اور شراب خوری وغیرہ، ان کے بارے میں اختلاف ہے، ابوبکر باقلانی کی رائے یہ ہے کہ اس پر مؤاخذہ ہوگا، قاضی عیاض نے اس کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے، اور مازریؒ کہتے ہیں کہ ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، بہت سے فقہاء اور محدثین کا جن میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں یہی مذہب ہے، اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر اس فعل کا پختہ اور مصمم ارادہ ہے مگر اسباب کے ناموافق ہونے کی وجہ سے انجام نہ دے سکا تو مؤاخذہ ہوگا، اور صرف ارادہ ہے مگر مصمم ارادہ نہیں تو یہ ہمّ کے قبیل سے ہے، اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

## بَابٌ: إِذَا هَمَّ الْعَبْدُ بِحَسَنَةٍ كُتِبَتْ وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ لَمْ تُكْتَبْ

### بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو نیکی لکھی جاتی ہے اور برائی کا ارادہ کرے تو برائی نہیں لکھی جاتی

نیکی اور گناہ کے متعلق سورۃ المائدہ (آیت ۱۶۰) میں یہ ضابطہ ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾: جو شخص کوئی نیکی لایا تو اس کے لئے اس کا

دس گنا ہے، اور جو کوئی برائی لایا تو وہ نہیں سزا دیا جائے گا مگر اس کے برابر، اور وہ لوگ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: اس کے لئے ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ اس کو کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا دس گنا لکھا جاتا ہے اور جب بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: اس کو ابھی مت لکھو، پھر اگر وہ برائی کرتا ہے تو اس کو اس کے مانند لکھا جاتا ہے یعنی ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اور اگر وہ اس کو نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے ـــــ یہ اللہ عزوجل کا نیکی کے باب میں کریمانہ اور گناہ کے باب میں منصفانہ ضابطہ ہے، نیکی کا اجر بڑھانا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں اور گناہ کی سزا بڑھانا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے، چنانچہ نیکی کا ارادہ کرتے ہی ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے، پھر چاہے وہ کسی مانع کی وجہ سے نیکی نہ کر سکے، اور جب نیکی کر لیتا ہے تو کم از کم دس گنا اجر لکھا جاتا ہے ـــــ اور برائی کا ارادہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، اور برائی کرنے پر ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہ سے باز آجائے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور کسی مانع کی وجہ سے گناہ نہ کر سکے تو نہ نیکی لکھی جاتی ہے، نہ گناہ۔

فائدہ: عزم کے درجہ میں نیک کام پر ثواب بھی ملتا ہے اور برائی پر سزا بھی، مگر ھَمّ کے درجہ میں نیکی کا ثواب تو ملتا ہے مگر گناہ کی سزا نہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نیکی کے لئے کریمانہ اور گناہ کے لئے منصفانہ ضابطہ ہے۔

ملحوظہ: گذشتہ تین باب فتح الملہم میں ہیں، ہندوستانی نسخہ میں جو حاشیہ پر علامہ نوویؒ کے ابواب درج ہیں، انھوں نے ایک طویل باب میں تینوں بابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے فتح الملہم میں تین الگ الگ باب قائم کئے ہیں، اور بیروت والے نسخہ میں بھی یہ تینوں باب ہیں، ہم نے ان کی پیروی کی ہے۔

## [۵۹- بَابٌ: إِذَا هَمَّ الْعَبْدُ بِحَسَنَةٍ كُتِبَتْ وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ لَمْ تُكْتَبْ]

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ - وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ بَكْرٍ - قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ. وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِيْ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا سَيِّئَةً، وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوْهَا حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا عَشْرًا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتے ہیں: "جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اس کو (ابھی) مت لکھو، پھر اگر وہ برائی کرے تو ایک برائی لکھو، اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ نیک کام کرے تو اس کا دس گنا لکھو۔

تشریح:

۱- یہ حدیثِ قدسی ہے اور حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی میں فرق تحفۃ الالمعی (۱:۵۵) میں اس طرح بیان کیا ہے؟

وحی کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آتے ہیں۔ اور نبی ﷺ کے سامنے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ وحی کے الفاظ آپؐ کے دل ودماغ میں محفوظ ہوجاتے ہیں، پھر آپؐ اس وحی کی صحابہ کے سامنے تلاوت کرتے ہیں، اور کاتبینِ وحی میں سے جو موجود ہوتا ہے اس کو بلا کر اس وحی کو لکھوادیتے ہیں۔ اس وحی میں نہ جبرئیل علیہ السلام کا کچھ دخل ہوتا ہے نہ نبی ﷺ کا۔ یہ قرآن کریم کی وحی ہے اور یہ وحی کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔

دوسری صورت: اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ایک مفصل مضمون آتا ہے، الفاظ نہیں آتے۔ مضمون کا دل میں القاء کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ اس مضمون کو اپنے الفاظ میں تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی اردو کتاب کسی انگریزی جاننے والے کو دی جائے کہ اس کا ترجمہ کردو۔ تو اس کا مضمون میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ وہ صرف زبان بدلے گا۔ وحی کی یہ صورت ''حدیث قدسی'' کہلاتی ہے۔ حدیث: بایں معنی کہ الفاظ نبی ﷺ کے ہیں۔ اور قدسی: بایں معنی کہ مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ حدیث قدسی کی علامت یہ ہے کہ اس کے شروع میں قال اللہ تبارک وتعالی یا عن اللہ تبارک وتعالی یا اس کے مانند کوئی جملہ ہوتا ہے۔ احادیث قدسیہ: دوسو سے کچھ زیادہ ہیں۔ ایک کتاب میں وہ جمع بھی کردی گئیں ہیں۔ اور وہ کتاب چھپ بھی گئی ہے۔ احادیث قدسیہ میں احکام نہیں ہیں، وہ مواعظ ورِقاق سے تعلق رکھنے والی روایات ہیں۔

تیسری صورت: تفہیمی وحی یعنی نزولِ قرآن کے ساتھ ہی حکم خداوندی کی تمام حقیقت نبی ﷺ کو سمجھادی جاتی ہے، پھر آپؐ اس خداداد فہم سے موقع بموقع اس حکم کی تفصیل فرماتے ہیں اور اس کی جزئیات بیان کرتے ہیں۔ اس کی مثال گذر چکی ہے کہ ﴿ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ ﴾ کے نزول کے ساتھ ہی اقامتِ صلوٰۃ کا مطلب سمجھادیا۔ یعنی دو باتوں کی پوری تفصیل سمجھادی: ایک: نماز کی حقیقت کیا ہے؟ دوم: اقامت (سیدھا کرنے) کے کیا معنی ہیں؟ یعنی نماز کا اہتمام کس طرح کیا جائے؟ پھر جیسے جیسے مواقع آئے آپؐ نے دونوں باتوں کی تفصیل کی۔ نماز کے ارکانِ ستہ کو جوڑ کر اس کی ہیئتِ کذائی بنائی اور ممبر پر چڑھ کر صحابہ کو نماز پڑھ کر دکھلائی۔ اور اہتمام نماز کے لئے مسجدیں بنائیں۔ مکی دور میں اس کا موقع نہیں تھا، اس لئے آپؐ کسی گھر میں نماز ادا فرماتے تھے۔ ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پہنچنے سے پہلے قُباء میں مسجد بنائی۔ پھر مدینہ پہنچے تو اونٹنی اسی جگہ بیٹھی جہاں مسجد نبوی بنائی تھی۔ پھر چونکہ مسجد بستی سے دور تھی اس لئے لوگوں کو جماعت کے لئے بلانے کا انتظام کیا اور اذان کا سلسلہ قائم کیا۔ پھر مدینہ میں محلّہ محلّہ مسجدیں بنوائیں۔ جماعت کا نظام بنایا۔ نماز کے ارکان وشرائط بیان کئے، مستحبات ومندوبات سکھلائے۔ مکروہات وممنوعات سے واقف کیا۔ یہ سب احادیث نبویہ ہیں۔ حدیث: بایں معنی کہ الفاظ نبی ﷺ کے ہیں۔ اور نبوی: بایں معنی کہ مضمون خود نبی ﷺ نے پھیلایا ہے۔ یہ احکام

تفصیل سے نازل نہیں ہوئے، بالاجمال سمجھائے گئے ہیں۔ جیسے ڈاک مہتمم صاحب کے پاس جمع ہوجاتی ہے تو آپ پیشکار کو بلاکر جوابات سمجھاتے ہیں۔ ایک خط دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جواب لکھ دو: آنا مشکل ہے، دوسرا خط دیتے ہیں اور کہتے ہیں: دعا کرتا ہوں۔ تیسرا خط دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: شکریہ لکھ دو۔ اب پیشکار مفصل جوابات لکھ کر لاتا ہے۔ مہتمم صاحب اس کو پڑھتے ہیں اور دستخط کرتے ہیں، اور کوئی جواب صحیح نہیں ہوتا یا اس میں کمی ہوتی ہے تو لوٹا دیتے ہیں اور دوبارہ لکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔

علماء کرام نے اور طرح بھی فرق بیان کیا ہے، مگر مذکورہ بیان زیادہ واضح ہے۔

۲- معراج کی مبارک رات میں نمازوں کے علاوہ الحَسَنَةُ بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا کا تحفہ بھی عنایت ہوا تھا، اور یہ ضابطہ اس وقت نمازوں کے لئے بیان ہوا تھا مگر بعد میں تمام اعمالِ حسنہ کے لئے عام کردیا گیا، اور نیکی کا دس گنا بدلہ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلاماً کی خصوصیت ہے۔

[۲۰۴-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ- وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ- عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِيْ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ، وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً"

قولہ: كَتَبْتُهَا: یہ اسناد مجازی ہے، درحقیقت فرشتے لکھتے ہیں مگر اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں، اس لئے یہ آمر (غیر فاعل) کی طرف نسبت ہے، پس مجاز ہے، جیسے تاج محل کی بناء کی نسبت شاہ جہاں کی طرف مجاز ہے —— إلى سبع ماة ضعف: ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، اور یہ ضابطہ حدیث میں آیا ہے، ارشاد ہے: كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِأَةِ ضِعْفٍ (ترمذی حدیث ۷۵۵) (مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں، آدمی کے اخلاص وغیرہ کی بنیاد پر اس سے زائد ثواب بھی ممکن ہے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وأزید (صیغہ متکلم) بھی ہے —— اور اس ضابطہ سے دو عمل مستثنیٰ ہیں: ایک: انفاق فی سبیل اللہ، اس کا تذکرہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۱ میں آیا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور دوسرا عمل روزہ ہے، اس کا کم از کم ثواب تو عام ضابطہ کے مطابق ہے، یعنی روزہ کا دس گنا ثواب ملتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۱۲۷:۳) میں ہے۔

[۲۰۵-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صلی اللہ علیہ وسلم: "قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِیْ بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهٗ حَسَنَةً مَالَمْ يَعْمَلْهَا، فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا"

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ: رَبِّ! ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيْدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً - وَهُوَ أَبْصَرُ بِهٖ - فَقَالَ: ارْقُبُوْهُ. فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهٗ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّایَ"

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهٗ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰی سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا حَتّٰی يَلْقَی اللّٰهَ"

**قولہ: هذا ماحدثنا أبو هريرة:** یہ صحیفۂ ہمام بن منبہ کا سرنامہ ہے، ہمام بن منبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیثیں ایک کاپی میں لکھی تھیں، جس کا نام صحیفۂ ہمام بن منبہ ہے، جو ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکا ہے، اس میں تقریباً سو حدیثیں ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ جب بھی اس صحیفہ کی حدیث لاتے ہیں تو پہلے یہ سرنامہ ذکر کرتے ہیں، پھر مناسبِ مقام حدیث لاتے ہیں، جیسے ایک صحیفہ کا سرنامہ ہے: **نحن الآخرون السابقون** اس صحیفہ میں اعرج کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مرویات درج ہیں۔ امام بخاری جب بھی اس صحیفہ سے حدیث لاتے ہیں تو پہلے یہ سرنامہ ذکر کرتے ہیں، پھر مناسبِ مقام حدیث لکھتے ہیں، اسی طرح حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن نے اپنے ابا سے ان کی مرویات ایک کاپی میں لکھی تھیں، اس کا سرنامہ ہے: **ذكر النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم**۔ امام بخاری رحمہ اللہ جب بھی اس کاپی سے حدیث لاتے ہیں، پہلے یہ جملہ لکھتے ہیں، پھر مناسب مقام حدیث لکھتے ہیں۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ جب ہمام بن منبہ کے صحیفہ سے حدیث لاتے ہیں تو **هذا ما حدثنا أبو هريرة** سے آغاز کرتے ہیں۔

**قولہ: إذا تَحَدَّثَ عبدی:** **تَحَدَّثَ بالشيئ عن الشيئ** کے معنی ہیں: گفتگو کرنا، خبر دینا، اور یہاں معنی ارادہ کرنے کے ہیں ــــ **قالت الملائكة:** ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے میرے رب! یہ آپ کا بندہ برا عمل کرنا چاہتا ہے، درانحالیکہ اللہ اس کے عمل سے خوب واقف ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ابھی اس کو دیکھتے رہو، یعنی ابھی گناہ مت لکھو، پھر اگر وہ برائی کرتا ہے تو اس کے لئے اس کے مانند لکھا جاتا ہے، یعنی ایک برائی لکھی جاتی ہے، اور اگر وہ برائی کا ارادہ ترک کردیتا ہے تو اس کے بدل ایک نیکی لکھی جاتی ہے (برائی چھوڑنا بھی نیکی ہے، پھر اللہ فرماتے ہیں) اس نے صرف میری وجہ سے برائی چھوڑی ہے، معلوم ہوا کہ اللہ سے ڈر کر گناہ سے رکے گا تو نیکی لکھی جائے گی۔

**قولہ: إذا أحسن أحدكم:** یعنی جو سچا مسلمان ہے اسے ضابطہ کے مطابق ہر نیکی کا دس سے سات سو گنا تک ثواب

ملتا ہے،اور جس کے ایمان میں کھوٹ ہے یعنی نفاق ہے اس کے لئے یہ ثواب نہیں۔

[۲۰۶-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ خَالِدِ الْأَحْمَرُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ[عَشْرًا] إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، لَمْ تُكْتَبْ، وَإِنْ عَمِلَهَا، كُتِبَتْ"

قولہ: الضِّعْف: دوگنا، دُونا۔ امام راغبؒ کہتے ہیں: ضِعْف: الفاظِ متضایفہ میں سے ہے، جن میں سے ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا مقتضی ہے، جیسے نصف اور زوج ہیں ـــــ ضَعْفٌ: مصدر ہے اور ضِعْف اسم، جیسے شَيْءٌ اور شِيءٌ، پس کسی چیز کا ضعف وہ ہے جو اس کو ڈبل کردے، اور جب اس کی اضافت کسی عدد کی طرف کی جائے تو دوگنا مراد ہوگا، پس ضعف العشرة کے معنی ہیں: بیس، اور ضعف العدد کے معنی ہیں: دوسو (لغات القرآن ۴: ۶۱)

[۲۰۷-] حدثنا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْجَعْدِ أَبِيْ عُثْمَانَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْرَجَاءِ الْعُطَارِدِيُّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فِيْمَا يَرْوِيْ عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ، وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللّٰهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً"

قولہ: حسنة كاملة: یہ تاکید کے لئے ہے اور اس سے نیکی کی عظمت کا اظہار مقصود ہے، دس عدد کی تکمیل مراد نہیں ـــــ قولہ: إلى أضعاف كثيرة یہ بھی تاکید کے لئے ہے، یا مراد یہ ہے کہ اخلاص وغیرہ کی برکت سے ثواب سات سو گنا سے بھی بڑھا دیا جاتا ہے، گو کہ عام ضابطہ سات سو گنا تک کا ہے۔

[۲۰۸-] وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ الْجَعْدِ أَبِيْ عُثْمَانَ، فِيْ هٰذَا الإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيْثِ عَبْدِ الْوَارِثِ وَزَادَ:" وَمَحَاهَا اللّٰهُ، وَلَا يَهْلِكُ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا هَالِكٌ"

قولہ: محاها الله: محا يمحو (ن) اور يَمْحَى (س) الشيئَ کے معنی ہیں: مٹانا، یعنی کوئی برائی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایک ہی برائی لکھیں گے یا اس سے بھی صرف نظر فرمالیں گے ـــــ قولہ: ولا يهلك على الله: علی بمعنی مع

ہےاور مضاف 'فضل' محذوف ہے، تقدیر ہے: ولا يهلک مع فضل الله إلا هالک: یعنی فضل خداوندی کی وجہ سے کوئی محروم نہیں رہے گا، سب نجات کے مستحق ٹھہریں گے، سوائے اس کے جو خود اپنی ہلاکت چاہتا ہے، یعنی گناہ پر اصرار کرنے والا، اور توبہ سے پہلو تہی کرنے والے کو چھوڑ کر سب دامن عفوودرگذر میں جگہ پائیں گے، اور رحمتِ خاصہ سے بہرہ ور ہونگے اور جنت میں جائیں گے، ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اللہ عزوجل کے عظیم فضل وکرم کا بیان ہے، اگر اس کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو شاید ہی کوئی جنت میں جائے، اس لئے کہ بندوں کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہیں۔

## بَابُ بَيَانِ الْوَسْوَسَةِ فِي الإِيْمَانِ، وَمَا يَقُوْلُهُ مَنْ وَجَدَهَا؟

## ایمان میں وساوس کا بیان، اور جس کو یہ وسوسہ آئے وہ کیا کہے؟

پہلی بات: کفروشرک اور گناہ سے متعلق جو خیال دل ودماغ میں شیطان ڈالتا ہے اس کو وسوسہ کہتے ہیں، اور اس کے مقابل الہام اچھے اور نیک خیال کو کہتے ہیں، جو اللہ کی طرف سے فرشتہ کے ذریعہ دل ودماغ میں ڈالا جاتا ہے ــــــ عالَم: خیروشر کا مجموعہ ہے، جنت بھی اللہ نے پیدا کی ہے اور جہنم بھی، ایمان بھی پیدا کیا ہے اور کفر بھی، نیک بندے بھی پیدا کئے ہیں اور بد بھی، ملائکہ بھی پیدا کئے ہیں اور شیاطین بھی، دونوں انسان کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، فرشتے خیر کی صلاحیت کو مہمیز کرتے ہیں، اور شیطان شر کی صلاحیت کو، اور ایسا امتحان کے مقصد سے کیا گیا ہے، یہ دنیا امتحان گاہ ہے، اگر صرف ملائکہ ہوتے یا صرف شیاطین ہوتے تو امتحان صحیح نہ ہوتا۔ سورۃ البلد میں ہے: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾: اور ہم نے انسان کو (خیروشر کے) دونوں راستے بتلادیئے۔ غرض ملائکہ کو بھی پیدا کیا اور شیطان کو بھی اور ملائکہ کا کام خیر کی صلاحیت کو اجاگر کرنا ہے، چنانچہ وہ اچھے اور نیک خیال لوگوں کے دل ودماغ میں ڈالتے ہیں، اور اسی کو الہام کہتے ہیں، اور شیطان شرک وکفر اور گناہ سے متعلق برے خیال لوگوں کے دل ودماغ میں ڈالتا ہے، اور اس کا نام وسوسہ ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "اگر کسی نیک کام کا خیال پیدا ہو تو جان لے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ کے ذریعہ الہام کیا گیا ہے، پس خدا کا شکر بجالائے، اور پہلی فرصت میں وہ نیک کام کرڈالے، کہیں ایسا نہ ہو کہ خیال بدل جائے اور اگر کسی کے دل میں کسی برائی کا خیال آئے تو اس کو یقین کرلینا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے آیا ہے پس اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اللہ ضرور اس کی حفاظت فرمائیں گے (مشکوٰۃ حدیث ۷۴)

دوسری بات: گذشتہ سے پیوستہ باب میں بیان کیا ہے کہ وسوسہ کی دو قسمیں ہیں: اضطراری اور اختیاری، پھر اضطراری کی دو قسمیں ہیں: ہاجس اور خاطر، اور اختیاری کی تین قسمیں ہیں: حدیث النفس، ہَمّ اور عزم ــــــ اسی طرح یہ پانچوں قسمیں الہام کی بھی ہیں، تفصیل گذر چکی ہے۔

تیسری بات: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ شیطان کے وساوس کی

تاثیر کا حال آفتاب کی شعاعوں کی تاثیر جیسا ہے، لوہے اور دیگر دھاتوں پر ان کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے، پھر صیقل شدہ یعنی مانجھے ہوئے اجسام پر جو زنگ اور میل سے صاف ہوتے ہیں اول سے کم اثر پڑتا ہے، پھر درجہ بدرجہ اجسام ان شعاعوں کے اثرات قبول کرتے ہیں، حتی کہ سنگ سفید کی ایک قسم تو ایسی بھی ہے جو مطلق ان شعاعوں کا اثر قبول نہیں کرتی، وہ چل چلاتی دھوپ میں بھی ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے، یہی حال انسانوں کے تعلق سے وساوس کا ہے، بعض پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور بعض پر کم، اور جو نفوس قدسیہ ہیں جیسے انبیاء و رسل ان کو اس قسم کی کوئی بات پیش نہیں آتی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۳ ۷۶)

## [۶۰-بَابُ بَيَانِ الْوَسْوَسَةِ فِي الْإِيْمَانِ، وَمَا يَقُوْلُهُ مَنْ وَجَدَهَا؟]

[۲۰۹-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلُوْهُ: إِنَّا نَجِدُ فِيْ أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ. قَالَ: "أَوَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: "ذَاكَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ"

[۲۱۰-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ. ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِيْ رَوَّادٍ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْجَوَّابِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ زُرَيْقٍ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

[۲۱۱-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ يَعْقُوْبَ الصَّفَّارُ، قَالَ حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ عَثَّامٍ، عَنْ سُعَيْرِ بْنِ الْخِمْسِ، عَنْ مُغِيْرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوَسْوَسَةِ، قَالَ: "تِلْكَ مَحْضُ الْإِيْمَانِ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کچھ صحابہ نبی ﷺ کے پاس آئے، اور انھوں نے آپؐ سے عرض کیا: (بعض اوقات) ہم اپنے دلوں میں ایسے برے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ ہم میں سے ایک کو اس کو زبان سے ادا کرنا بہت بھاری اور بہت برا معلوم ہوتا ہے، نبی ﷺ نے پوچھا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں، یہی حال ہے، آپؐ نے فرمایا: یہ تو خالص ایمان ہے۔

سند کا بیان: دوسری حدیث شعبہ اور عمار بن زریق نے اعمش اور ابو صالح ذکوان کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، اور تیسری حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی ہے ان سے علقمہ نے روایت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح میں شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں رقم طراز ہیں کہ شیطان کی وسوسہ اندازی، جس کے دل میں وہ وسوسہ ڈالتا ہے، اس کی استعداد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، سب سے خطرناک اثر اندازی یہ ہے کہ آدمی کفر میں مبتلا ہو جائے، اور ملت سے نکل جائے اگر اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں تو پھر اس کی

وسوسہ اندازی دوسری صورت اختیار کرتی ہے، وہ آپس میں خونریزی کراتا ہے، گھریلو زندگی بگاڑتا ہے، اور اہل خانہ واہل بستی کے درمیان آگ بھڑکاتا ہے، اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں تو پھر شیطان کے وسوسے خیالات کی شکل اختیار کرتے ہیں، جو آتے جاتے رہتے ہیں، یہ وساوس اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ وہ نفس کو کسی عمل پر نہیں ابھارتے، یہ وساوس ضرر رساں نہیں ہیں۔ اور اگر یہ خیالات ان کی برائی کے اعتقاد کے ساتھ مقارن ہوں تو پھر وہ واضح ایمان کی دلیل ہیں، آنحضور ﷺ نے یہی جواب دیا ہے کہ یہ فکر مند ہونے کی بات نہیں، کیونکہ ان خیالات کو آدمی برا سمجھ رہا ہے، پس وہ واضح ایمان کی دلیل ہیں، بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے کہ اس کی دستگیری نے بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۷۶)

[۲۱۲-] حدثنا هَارُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ— وَاللَّفْظُ لِهَارُوْنَ — قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَيَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ: هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ"

[۲۱۳-] وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلاَنَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ النَّضْرِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ سَعِيْدِ الْمُؤَدِّبُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَأْتِيْ الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ مَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ فَيَقُوْلُ: اللّٰهُ، ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهِ. وَزَادَ: " وَرُسُلِهِ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے حضرت عروہؒ نے اور ان سے ان کے صاحبزادے ہشام نے روایت کی ہے، پھر ان سے سفیان نے روایت کی ہے، اور اسی سند سے ابوسعید المؤدّب نے بھی روایت کی ہے، المؤدّب کے معنی ہیں: ادب سکھلانے والا، یہ المعلّم کا مترادف ہے، یہ خلفائے بنوعباس کی آل واولاد کو پڑھاتے تھے، اس لئے یہ لقب پڑا۔

شرح: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ برابر ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور ہر چیز کو پیدا کیا، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ یہ وسوسہ اس شخص کو آسکتا ہے جو وجوب اور امکان کی حقیقت نہیں جانتا، واجب کا وجود خانہ زاد اور ذاتی ہوتا ہے، وہ وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا، اور ممکن کا وجود عارضی ہوتا ہے وہ موجود ہونے میں غیر کا محتاج ہوتا ہے —— اور جس کو ایسا وسوسہ آئے وہ کہے: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ورسله، میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں اور سوچنا چھوڑ دے، اور کسی اور کام میں مشغول ہوجائے —— ورسله کا اضافہ ابوسعید المؤدب کی روایت میں ہے اور سفیان کی روایت میں صرف آمنتُ باللّٰہ ہے۔

[۲۱۴-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، جَمِيْعًا عَنْ يَعْقُوْبَ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ ابْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ

قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهُ: مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ"

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ جَدِّيْ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَأْتِي الْعَبْدَ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا" بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن شہاب نے عروہ کے توسط سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھتیجے نے روایت کی ہے، اور عقیل بن خالد بھی اسی سند سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔

شرح: شیطان آکر طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے: مثلاً آسمان کس نے پیدا کیا؟ زمین کس نے پیدا کی؟ اس طرح ذہن میں سوالات ابھارتا ہے، یہاں تک کہ یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کا وسوسہ اس درجہ تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، لاحول پڑھے، یا أعوذ باللہ پڑھے، اور سوچنا چھوڑ دے، شیطان دفع ہوجائے گا، اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے کہ وسوسہ دفع نہ ہو تو اپنی حالت بدل دے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہوجائے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجائے۔

فائدہ: پریشان کن خیالوں کے وقت آمنتُ باللہ کہنا، یا اللہ کی پناہ طلب کرنا، اور بائیں جانب تین بار تھتکارنا: یہ شیطانی وساوس کا علاج ہے، اور یہی علاج پریشان کن خوابوں کا بھی ہے، وہ بھی درحقیقت وساوس ہوتے ہیں اور یہ جو علاج تجویز کیا گیا ہے اس میں راز یہ ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی کے وقت اللہ کی پناہ لینا، اللہ کو فوراً یاد کرنا، شیطان کی حرکت پر تھوکرنا اور اس کی تذلیل وتحقیر کرنا دل کے رخ کو دوسری طرف پھیر دیتا ہے، اور قلب شیاطین کا اثر قبول کرنے سے رک جاتا ہے، سورۃ الاعراف (آیت ۲۰۱) میں ارشادِ پاک ہے: "جو لوگ خدا ترس ہیں، جب ان کو کوئی خیال شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ (فوراً) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، پس یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں"

[۲۱۵-] حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ جَدِّيْ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَايَزَالُ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَكُمْ عَنِ الْعِلْمِ، حَتّٰى يَقُوْلُوْا: هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَنَا، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟"

قَالَ: وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ رَجُلٍ فَقَالَ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، قَدْ سَأَلَنِيْ اثْنَانِ وَهٰذَا الثَّالِثُ، أَوْ قَالَ: سَأَلَنِيْ وَاحِدٌ وَهٰذَا الثَّانِيْ.

وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَيَعْقُوْبُ الدَّوْرَقِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، وَهُوَ: ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ

أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: "لَايَزَالُ النَّاسُ" بِمِثْلِ حَدِيْثِ عَبْدِ الْوَارِثِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْإِسْنَادِ، وَلٰكِنْ قَدْ قَالَ فِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ.

وضاحت: امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث عبدالوارث سے لی ہے، وہ چند واسطوں سے محمد بن سیرین کے توسط سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں —— زہیر بن حرب اور یعقوب دورقی نے بھی چند دیگر واسطوں سے محمد بن سیرین سے روایت لی ہے اور وہ حدیث کو موقوف بیان کرتے ہیں، یعنی حضرت ابو ہریرہؓ پر سند روک دیتے ہیں، آخر میں نبی ﷺ کا تذکرہ نہیں کرتے، البتہ صدق اللہ والا مضمون اس روایت میں بھی ہے۔

قولہ: وھو آخذ إلخ: راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی اس وقت انہوں نے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، حدیث بیان کر کے فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا" یعنی شیطان اس قسم کے وساوس ڈالتا ہے، مجھ سے اس سے پہلے دو شخص اور بھی یہ بات پوچھ چکے ہیں، اور یہ تیسرا شخص ہے جس نے یہ بات پوچھی ہے، یا فرمایا: ایک شخص اور پوچھ چکا ہے اور یہ دوسرا شخص ہے، اس طرح کے وساوس آتے ہیں تو ہی تو لوگ پوچھ رہے ہیں۔

وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ الرُّوْمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ— وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ— قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَايَزَالُوْنَ يَسْأَلُوْنَكَ، يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟" قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا فِي الْمَسْجِدِ إِذْ جَاءَنِيْ نَاسٌ مِنَ الْأَعْرَابِ، فَقَالُوْا: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! هٰذَا اللّٰهُ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ قَالَ: فَأَخَذَ حَصًى بِكَفِّهِ فَرَمَاهُمْ بِهِ ثُمَّ قَالَ: قُوْمُوْا، صَدَقَ خَلِيْلِيْ صلی اللہ علیہ وسلم.

[۲۱۶-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ الْأَصَمِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَيَسْأَلَنَّكُمُ النَّاسُ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ، حَتّٰى يَقُوْلُوْا: اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ، فَمَنْ خَلَقَهُ؟"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! لوگ برابر تجھ سے پوچھیں گے یہاں تک کہ کہیں گے: یہ اللہ ہیں (انھوں نے ہر چیز پیدا کی) پس اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ راوی کہتا ہے: دریں اثناء کہ ہم مسجد میں تھے، اچانک کچھ بدو قسم کے لوگ آئے اور انھوں نے کہا: ابو ہریرہ! یہ اللہ ہیں (انھوں نے ہر چیز پیدا کی ہے) پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ راوی کہتا ہے: حضرت ابو ہریرہؓ نے مٹھی بھر کر کنکریاں لیں اور ان کی طرف پھینکیں اور فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، کھڑے ہو جاؤ، میرے دوست نے بالکل سچ فرمایا، یعنی پیشین گوئی پوری ہوئی —— اس حدیث کو ابو سلمہ نے جو جلیل القدر تابعی، فقیہ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

ہے، اور یزید بن الاصم نے بھی ان سے روایت کیا ہے۔

[۲۱۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ الْحَضْرَمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ مُخْتَارِ ابْنِ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّ أُمَّتَکَ لَايَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ: مَا كَذَا؟ مَا كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ تَعَالٰى؟"

حَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، كِلَاهُمَا عَنِ الْمُخْتَارِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا الْحَدِيْثِ. غَيْرَ أَنَّ إِسْحَاقَ لَمْ يَذْكُرْ: "قَالَ اللّٰهُ: إِنَّ أُمَّتَکَ"

وضاحت: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عامر سے لی ہے، اور اسحاق بن ابراہیم سے بھی، البتہ اسحاق کی روایت میں شروع کا ٹکڑا: قال الله: إن أمتک نہیں ہے، یعنی ابن عامر کی حدیثِ قدسی ہے اور اسحاق کی حدیثِ نبوی۔

چند فوائد جو ملحوظ رہنے ضروری ہیں:

### ۱- شیاطین کی کثرت:

شیطان ایک نہیں، بے شمار ہیں، وہ جنات میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی، ابلیس جس کا نام عزازیل ہے اور جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا وہ جنات کا ایک فرد ہے، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾: ابلیس جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی، اور ابلیس کے چیلے چانٹے جنات میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ سورۃ الانعام (آیت ۱۱۲) میں ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین پیدا کئے ہیں، کچھ آدمی اور کچھ جن، جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں، تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالیں۔ غرض کبھی برے ساتھی بھی اس طرح کی گفتگو کرتے ہیں ان سے بھی کنارہ کشی اختیار کرنی چاہئے، وہ بھی ایک قسم کے شیطان ہیں۔

### ۲- بکثرت سوال کرنا اور بہ تکلف لایعنی باتیں پوچھنا برا ہے

مذکورہ حدیثوں میں اس کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بارے میں پوچھنا ایسا ہی بیہودہ اور فضول سوال ہے، بعض طلبہ سبق میں جھک کرتے ہیں، وہ بہ تکلف لایعنی سوال کرتے ہیں، یہ بری بات ہے، اس سے استاذ کی طبیعت کبیدہ

ہوجاتی ہے،ضروری باتیں بھی بکثرت نہیں پوچھنی چاہئیں، یہ حدیث پہلے آئی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تین سوال کر کے رک گئے،اور فرمایا:لو استَزَدتُهُ لَزَادَنِي:اگر میں اور پوچھتا تو آپ ﷺ جواب دیتے (مگر میں ملول طبع کا خیال کر کے رک گیا) اور ضرورت باقی رہے تو دوسرے وقت میں پوچھے۔غرض:دین پر عمل کرو،قرآن وحدیث پڑھو،مگر بال کی کھال مت نکالو،اور سوچ سوچ کر خواہ مخواہ فضول سوال کرنا تو اور بھی برا ہے۔

وساوس دو طرح کے ہوتے ہیں:

ایک جن کا دل میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا،ان کے لئے مذکورہ علاج تجویز کیا گیا ہے کہ اللہ ورسول کو یاد کرے،یا اللہ کی پناہ چاہے اور شیطان کی حرکت پر تھوکرے،اور اس کی تذلیل وتحقیر کرے،اس سے رخ دوسری طرف پھر جائے گا اور قلب صحیح سالم ومحفوظ رہے گا،دوسرے:وہ وساوس ہیں جو دل میں ٹھہر جاتے ہیں اور جڑ پکڑ لیتے ہیں،ان کے لئے صرف مذکورہ علاج کافی نہیں،بلکہ دلیل کے ساتھ ان شبہات کا ازالہ ضروری ہے،جیسے ایک اعرابی کو اعتراض ہوا تھا کہ جب تندرست اونٹوں میں کوئی خارش زدہ اونٹ آجاتا ہے تو وہ سب کو خارش زدہ کر دیتا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے؟ نبی ﷺ نے اسے اللہ ورسول کو یاد کرنے کا یا تعوذ اور شیطان کو تھتکارنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا:بتا پہلے اونٹ کو خارش کس نے لگائی؟'' اس کا شبہ دور ہوگیا۔

شیطان کا عمل صرف وسوسہ تک رہتا ہے:

شیطان کے وسوسوں کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی صورت متعین ہے،اس لئے اگر اس کے جواب کے چکر میں پڑو گے تو دوسری طرح کے وساوس سے دل کو پریشان کرے گا،اور آدمی بالآخر حیران وپریشان ہوکر قعر مذلت میں جا گرے گا،اس لئے نبی ﷺ نے ایسی نازک گھڑی میں اللہ ورسول کو یاد کرنے کی،پناہ طلب کرنے کی اور وسوسہ کے بارے میں غور وفکر سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ہاں انسانوں کی طرف سے شبہات پیش آئیں تو ان کا دائرہ محدود ہوتا ہے،اس لئے کسی باکمال عالم سے پوچھ کر تسلی کی جائے،بشرطیکہ وہ شبہات لغو،لاحاصل اور وساوس کے قبیل سے نہ ہوں،ان سے اعراض کرنا ہی مناسب ہے،ان کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔

کثرتِ سوال سے بچے:

بلاضرورت کثرتِ سوال سے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان غارت ہوتا ہے اور طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے،خاص طور پر اللہ عزوجل کی ذات کے بارے میں سوال کرنے سے اور اس میں تفکر وتدبر سے منع کیا گیا ہے،حضرت ابو ذر وحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی ﷺ کا ارشاد مروی ہے:تَفَكَّرُوْا فِي كُلِّ شَيْئٍ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي ذَاتِ اللهِ:ہر چیز میں غور کرو،مگر اللہ پاک کی ذات میں غور مت کرو،اور

دوسری روایت میں ہے: تَفَكَّرُوْا فِی آلاءِ اللهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللهِ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرو اللہ کی ذات میں غور مت کرو، اس لئے کہ انسان کی ذہنی پرواز ایک حد تک ہی ہوتی ہے، وہیں تک وہ صحیح سوچ سکتا ہے، اس سے آگے سوچے گا تو شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگا اور اپنی دنیا وآخرت برباد کرلے گا۔

## بَابُ وَعِيْدِ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ بِالنَّارِ

## دوزخ کی وعید اس شخص کے لئے جو جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کا مال ہڑپ کر جاتا ہے

مسلمان کی قید اتفاقی ہے، حدیث میں مذکورہ واقعہ میں مدعی مسلمان تھا اس لئے 'مسلم' فرمایا، ورنہ مسئلہ عام ہے، مدعی ہندو ہو اور مدعیٰ علیہ مسلمان اور مسلمان جھوٹی قسم کھا کر اپنے حق میں ڈگری (فیصلہ) کرالے تو بھی یہی وعید ہے ـــــ سورۂ آلِ عمران آیت ۷۷ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾: ترجمہ: "بیشک جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں اس عہد و پیمان کے بدلہ میں جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں: ان لوگوں کے لئے آخرت میں کچھ نہیں، نہ (آخرت میں) اللہ تعالیٰ ان سے (لطف کے ساتھ) کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن (محبت سے) دیکھیں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"

اس آیت کا شانِ نزول حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضرت اشعث بن قیس رحمہ اللہ کا یہودی کے ساتھ ایک زمین میں جھگڑا تھا، زمین حضرت اشعث کی تھی، مگر اس کو بوتا یہودی تھا، اور یہ سلسلہ آباؤ واجداد کے زمانہ سے چلا آرہا تھا، حضرت اشعث نے اس یہودی سے اپنی زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا، یہودی نے دینے سے انکار کیا اور یہ دعوی کیا کہ زمین میری ہے، حضرت اشعث نے مقدمہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا، حضور ﷺ نے حضرت اشعث سے گواہ مانگے ان کے پاس گواہ نہیں تھے، وہ زمین حضرت اشعث کے باپ داداؤں کے زمانہ سے اس یہودی کے باپ دادا کے پاس تھی، اب کوئی گواہ زندہ نہیں تھا، حضور ﷺ نے یہودی سے قسم کھانے کے لئے کہا، فیصلہ کا یہی طریقہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ (منکر) سے قسم لی جائے، اگر وہ قسم کھالے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ حضرت اشعث نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو یہودی ہے، اسے کیا پڑی ہے، یہ جھوٹی قسم کھالے گا اور میرا مال لے لیگا، اس وقت سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ آیت نازل ہوئی، اور حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے کوئی قسم کھائی درانحالیکہ وہ اس میں بدکار ہے یعنی جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہونگے" پھر کیا ہوا؟ اس یہودی نے قسم کھائی یا نہیں؟ اس سے حدیث ساکت ہے۔

حضرت اشعث کا تعارف: حضرت اشعث کی کنیت ابومحمد ہے، آپ معدیکرب کندی کی اولاد ہیں، قبیلہ کے سردار تھے، اور بڑے صاحب وجاہت سمجھے جاتے تھے، ۱۰ ہجری میں وفد کی شکل میں خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے، وصال نبوی ﷺ کے بعد فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہوکر اسلام سے پھر گئے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر از سر نو اسلام قبول کیا، ۴۰ ہجری میں کوفہ میں انتقال ہوا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، پس ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحابی ہیں اور احناف کے نزدیک تابعی، مرتد ہونے کی وجہ سے صحابی ہونے کا شرف ختم ہوگیا (فتح الملہم)

## [ ۶۱- بَابُ وَعِيْدِ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ بِالنَّارِ ]

[۲۱۸-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، جَمِيْعًا عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ جَعْفَرٍ. قَالَ ابْنُ أَيُّوْبَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ- وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى الْحُرَقَةِ- عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ السَّلَمِيِّ، عَنْ أَخِيْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: " وَإِنْ قَضِيْبًا مِنْ أَرَاكٍ"

[۲۱۹-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، جَمِيْعًا، عَنْ أَبِيْ أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَخَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ يُحَدِّثُ أَنَّ أَبَا أُمَامَةَ الْحَارِثِيَّ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم واجب کردیں گے اور اس پر جنت حرام کردیں گے" کسی نے آپؐ سے عرض کیا: اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: اگرچہ پیلو کی ٹہنی ہو ـــــ جو مسواک کرنے کے کام آتی ہے اس معمولی چیز کو ناحق لینے پر بھی یہ وعید ہے۔

سند کا بیان: یہ حدیث محمد بن کعب نے اپنے بھائی عبداللہ بن کعب کے واسطہ سے حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور ان سے علاء بن عبدالرحمٰن نے جو قبیلۂ جہینہ کی شاخ حرقہ کے کسی شخص کے آزاد کردہ تھے، اور ولید بن کثیر نے بھی اسی سند سے اسی کے مثل روایت کی ہے، ان کی روایت میں تحدیث کی صراحت ہے، یعنی یہ بات ہے کہ عبداللہ بن کعب نے حضرت ابوامامہؓ سے یہ حدیث سنی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے اس لئے کہ ابو امامہ حارثی کا جنگ اُحد کے بعد معاً انتقال ہوگیا تھا، اور آنحضور ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔ اور عبداللہ بن کعب

تابعی ہیں، ان کا ابوامامہ سے روایت کرنا ممکن نہیں، پس روایت میں انقطاع ہے، مگر یہ بات غالباً درست نہیں، چنانچہ علامہ جزری رحمہ اللہ نے معرفۃ الصحابہ میں ان کی وفات کے سن کا انکار کیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی دوسری سند سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں عبداللہ کی حضرت ابوامامہؓ سے سننے کی صراحت ہے۔

ملحوظہ: جاننا چاہئے کہ یہ ابوامامہ باہلی ـــ ابن عجلان ـــ مشہور صحابی نہیں، یہ دوسرے صحابی ابوامامہ حارثی ہیں، ان کا اصل نام ایاس بن ثعلبہ یا عبداللہ بن ثعلبہ ہے، انصار کے قبیلہ بنو حارث بن خزرج سے تعلق ہونے کی وجہ سے حارثی انصاری کہلاتے ہیں۔

تشریح: اس قسم کی وعید پہلے بھی کئی لوگوں کے متعلق گذری ہے، وہاں بتایا ہے کہ دخولِ اولی کی نفی مراد ہوتی ہے، یا اس شخص کے لئے یہ وعید ہے جو حلال جان کر اور جھوٹی قسم کو جائز سمجھ کر کسی کا مال ہڑپ کرے، اور جہنم واجب اور جنت حرام: یہ دو جملے بات کی سنگینی کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم

[۲۲۰-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ- وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" قَالَ: فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالُوْا: كَذَا وَكَذَا. قَالَ: صَدَقَ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فِيَّ نَزَلَتْ، كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ أَرْضٌ بِالْيَمَنِ، فَخَاصَمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ:" هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ؟" فَقُلْتُ: لَا. قَالَ:" فَيَمِيْنُهُ" قُلْتُ: إِذَنْ يَحْلِفُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ ذٰلِكَ:" مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" فَنَزَلَتْ: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے حاکم کے سامنے قسم کھائی تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرلے درانحالیکہ وہ اس قسم میں بدکار ہے یعنی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہونگے''

جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے چلے گئے تو حضرت اشعث بن قیس طلبہ کے پاس آئے، اور انھوں نے پوچھا: تم سے ابوعبدالرحمٰن نے (ابن مسعود کی کنیت) کونسی حدیثیں بیان کیں؟ ہم نے کہا: فلاں اور فلاں، حضرت اشعث نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن نے صحیح بیان کیا، میرے ہی واقعہ میں آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا یعنی میرا واقعہ اس

ارشاد کا شانِ ورود ہے، پھر انھوں نے اپنا واقعہ سنایا، فرمایا: میرے درمیان اور ایک شخص کے درمیان یمن میں ایک زمین میں جھگڑا تھا، میں نبی ﷺ کے پاس اس کا مقدمہ لے گیا، آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا، میں نے عرض کیا: یہ تو قسم کھالے گا (یہ تو یہودی ہے، اسے کیا پڑی ہے) نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا: ''جس نے حاکم کے سامنے قسم کھائی تا کہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرلے درانحالیکہ وہ اس قسم میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہونگے، پس سورۂ آلِ عمران کی آیت ۷۷ نازل ہوئی، آیت کا ترجمہ اوپر آچکا ہے۔

تشریح:

۱- جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے، اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ (منکر) سے قسم لی جاتی ہے، اور اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: البَيِّنَةُ علی المدَّعِیْ والیمین علی المُدَّعٰی عَلَیْه: یعنی مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور مدعی علیہ (منکر) پر قسم ہے، دنیا کی تمام عدالتوں میں بھی جہاں وضعی قوانین ہیں: یہی ضابطہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ احناف کے نزدیک فیصلہ کا بس یہی ایک طریقہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے اگر وہ گواہ پیش کردے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے، اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے، اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے، یا نا تمام پیش کرے یا وہ قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں گے، اور قاضی مدعیٰ علیہ (منکر) کو قسم کھلائے گا، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرے گا اور اگر وہ قسم کھالے تو اس کے حق میں فیصلہ کرے گا۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک دوسرا طریقہ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے گا، پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے گا، اس کا نام: قَضاءُ القاضی بشاهِدٍ واحدٍ ویَمِینٍ: ہے، حنفیہ کی دلیل مذکورہ حدیث البینة علی المدعی ہے، اس میں نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے، پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہونگے، یہ تقسیم کے منافی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: قَضٰی رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم بِالْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ: یعنی نبی ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم کا فیصلہ کیا (ترمذی حدیث ۱۳۲۶) —— اس حدیث کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ مدعی کے پاس ایک گواہ تھا، نبی ﷺ نے دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی، اس لئے ان کے نزدیک اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو قاضی دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرے گا، اور حنفیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ کے ساتھ یعنی اس کی موجودگی میں نبی ﷺ نے مدعی

علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا، یعنی مدعی کے ایک گواہ کو کالعدم قرار دیا، اس لئے کہ ایک گواہ نصابِ شہادت سے کم ہے۔ غرض اس حدیث کا محمل متعین کرنے میں اختلاف ہوا ہے[۱]۔ مزید تفصیل تحفۃ القاری (۶:۶۹) میں ملاحظہ کریں۔

۲- ابھی بتایا ہے کہ حدیث شریف میں مسلمان کی قید اتفاقی ہے، جیسے مشہور حدیث ہے کہ مسجد باوضوء جائے تو ہر قدم پر ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، اس حدیث میں باوضوء کی قید اتفاقی ہے، عربوں کے عرف کے اعتبار سے ہے، عربوں کی مسجدوں میں وضوء کا انتظام نہیں ہوتا، لوگ گھر سے وضوء کر کے آتے ہیں، اس لئے حدیث میں یہ قید آئی ہے (یہ بات فیض الباری میں ہے) یہاں بھی حدیث کا شانِ ورود ایک مسلمان کا واقعہ ہے اس لئے مسلم کی قید آئی ہے، پس غیر مسلم کا مال ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھانے کا بھی یہی وبال ہے۔

۳- **قولہ: علی یمین صبر**: پہلے (باب ۴۷ میں) بتایا ہے کہ صَبر کے معنی ہیں: روکنا، کورٹ میں جب مدعی علیہ پر قسم متوجہ ہوتی ہے تو اس کو لامحالہ قسم کھانی پڑتی ہے، یہ یمین صبر ہے —— اور مرکب توصیفی بھی صحیح ہے ای یمینٍ صَبْرٍ، اور مرکب اضافی بھی أی یمینِ ذاتِ صبرٍ، غرض: عام احوال میں جو جھوٹی قسم کھائی جائے تو وہ یمین صبر نہیں، کورٹ میں حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھانا یمین صبر ہے، اور جھوٹی قسم ہر حال میں بری ہے، مگر عدالت میں جھوٹی قسم کھانا تباہی لاتا ہے۔

۴- حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ آیت (آیت ۷۷) عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانے کے وعید کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، اور یہاں یہ ہے کہ حضرت اشعث کے واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ اس میں کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے دونوں باتیں ساتھ ساتھ پیش آئی ہوں، یعنی حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کا مقدمہ عصر کے بعد خدمتِ نبوی میں پیش ہوا ہو، اور اس وقت حضورِ اکرم ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرمایا ہو اور آیت نازل ہوئی ہو، اور یوں بھی تطبیق ممکن ہے کہ ایک شانِ نزول حقیقی ہو اور دوسرا احتمالی، صحابہ کرام اور تابعین عظام ہر اس واقعہ کے متعلق جو شانِ نزول کا مصداق ہو سکتا تھا أنزل فی کذا اور نزل فی کذا کہہ دیا کرتے تھے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں فرمایا ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

[۲۲۱-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِیْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَنْ حَلَفَ عَلٰی يَمِيْنٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالاً، هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، ثُمَّ ذَكَرَ

(۱) ابوداؤد شریف میں (۲:۵۰۸، باب القضاء بالیمین والشاهد میں) ایک لمبی حدیث ہے اس سے ائمہ ثلاثہ کے فہم کی تائید ہوتی ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ آپؐ نے اس واقعہ میں فیصلہ یہ کیا تھا کہ جاؤ، چیز آدھی آدھی بانٹ لو (إذهبوا فقاسموهم أنصاف الأموال) پس یہ مصالحت ہوئی، دوٹوک فیصلہ نہیں ہوا۔

نَحْوَ حَدِيْثِ الْأَعْمَشِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَتْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُوْمَةٌ فِيْ بِئْرٍ، فَاخْتَصَمْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "شَاهِدَاکَ أَوْ يَمِيْنُهُ"

وضاحت: یہ منصور کی حدیث ہے، انھوں نے بھی اعمش کی طرح اسی سند سے اور اسی کے مثل روایت کیا ہے، البتہ منصور کا بیان ہے کہ جھگڑا کنویں میں تھا، اور اعمش کی روایت میں تھا کہ یمن کی کسی زمین کا جھگڑا تھا؟ اور یہ کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ جس زمین میں جھگڑا تھا اس میں کنواں بھی ہوگا، پس دونوں کے متعلق جھگڑا ہوا۔

**قوله: شاهداک أو يمينه**: تمہارے دو گواہ یا اس کی قسم، نبی ﷺ نے ایک گواہ کے بارے میں نہیں پوچھا، معلوم ہوا کہ مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، اور یہی احناف کا مذہب ہے جیسا کہ اوپر بتایا۔

[۲۲۲-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ جَامِعِ بْنِ أَبِيْ رَاشِدٍ، وَعَبْدِ الْمَلِکِ ابْنِ أَعْيَنَ، سَمِعَا شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقِّهِ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ.

وضاحت: یہ حدیث بھی ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی نے روایت کی ہے، آپ جلیل القدر تابعی، ثقہ اور کثیر الروایات ہیں، نبی ﷺ کا زمانہ پایا مگر شرف زیارت حاصل نہ ہوا۔ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے علم حاصل کیا اور حدیثیں روایت کیں، ابن مسعودؓ کے خاص تلامذہ میں آپ کا شمار ہے، حجاج کے زمانہ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۹ ہجری میں انتقال ہوا۔

[۲۲۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَأَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، وَأَبُوْ عَاصِمٍ الْحَنَفِيُّ- وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ- قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاکٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا قَدْ غَلَبَنِيْ عَلٰى أَرْضٍ لِيْ كَانَتْ لِأَبِيْ، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِيْ فِيْ يَدِيْ أَزْرَعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِلْحَضْرَمِيِّ: "أَلَکَ بَيِّنَةٌ؟" قَالَ: لَا. قَالَ: "فَلَکَ يَمِيْنُهُ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْئٍ. فَقَالَ: " لَيْسَ لَکَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِکَ" فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا أَدْبَرَ: " أَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ تعالى وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ"

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرموت کا ایک شخص اور قبیلہ کندہ کا ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آئے، پس حضرمی نے کہا: یارسول اللہ! اس نے میری زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے، جو میرے ابا کی تھی، پس کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے، میں ہی اس کو بوتا ہوں، اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں، نبی ﷺ نے حضرمی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس تیرے لئے اس کی قسم ہے، حضرمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو بدکار آدمی ہے، اسے کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس بات پر قسم کھارہا ہے، اور یہ کسی چیز سے نہیں بچتا، نبی ﷺ نے فرمایا: "تمہیں بس یہی حق حاصل ہے" پس وہ شخص قسم کھانے کے لئے (منبر کی طرف) بڑھا جب اس نے پیٹھ پھیری تو نبی ﷺ نے فرمایا: سنو! اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھائی تا کہ وہ اس کو ظلماً (ناحق) کھالے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہونگے۔

تعارف ووضاحت: حضرت وائل رضی اللہ عنہ اقیالِ یمن (یمن کے نوابوں) میں سے تھے، جب وہ مسلمان ہوکر مدینہ منورہ آئے تو نبی ﷺ بہت مسرور ہوئے، ابھی وہ مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر تھے کہ نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ ان کے آنے کی اطلاع ہوئی، اور آپؐ نے صحابہ کو خوشخبری سنائی، کیونکہ کسی بڑے آدمی کا مسلمان ہونا پوری قوم کے اسلام کا سبب بنتا ہے، پھر جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کا بہت اعزاز واکرام فرمایا، ان کے لئے اپنی چادر بچھائی اور نماز کے لئے مسجدِ نبوی میں ٹھیک اپنے پیچھے ان کے لئے جگہ مقرر فرمائی تا کہ وہ دین اور نماز سیکھیں، وہ بیس دن مدینہ میں ٹھہرے ہیں، انہی دنوں میں کسی دن یہ مقدمہ خدمتِ نبوی میں پیش ہوا ہے۔ اور غالباً یہ حضرت اشعث کے واقعہ سے الگ واقعہ ہے، چنانچہ آئندہ اسی حدیث میں جو عبدالملک بن عُمیر کے طریق سے ہے: اس میں صراحت ہے کہ یہ جھگڑا امرؤالقیس بن عابس کندی اور ربیعۃ بن عبدان کے درمیان تھا۔ واللہ اعلم

[۲۲۴-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا، عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي أَرْضٍ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: إِنَّ هٰذَا انْتَزَى عَلٰى أَرْضِي، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فِي الْجَاهِلِيَّةِ - وَهُوَ: امْرُؤُ الْقَيْسِ ابْنُ عَابِسٍ الْكِنْدِيُّ، وَخَصْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ عِبْدَانَ- قَالَ: "بَيِّنَتُكَ" قَالَ: لَيْسَ لِي بَيِّنَةٌ. قَالَ: يَمِينُهُ. قَالَ: إِذَنْ يَذْهَبُ بِهَا، قَالَ: "لَيْسَ لَكَ إِلَّا ذَاكَ" قَالَ: فَلَمَّا قَامَ لِيَحْلِفَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ" قَالَ إِسْحَاقُ فِي رِوَايَتِهِ: رَبِيعَةُ بْنُ عَيْدَانَ.

وضاحت: یہ حدیث حضرت وائلؓ کے صاحبزادے علقمہ سے عبدالملک بن عمیر نے روایت کی ہے، اس میں

صراحت ہے کہ یہ جھگڑا امرؤ القیس اور ربیعۃ بن عبدان کے درمیان تھا، یعنی یہ حضرت اشعث سے الگ واقعہ ہے ـــــ
انْتَزَی انْتِزَاءً: برائی کی طرف جلدی کرنا، بولتے ہیں: انْتَزَی علی أرض کذا فأخذھا: اس نے فلاں زمین کی طرف سبقت کی اور اسے لے لیا ـــــ ربیعہ کے باپ کا نام عِبدان (با کے ساتھ) ہے یا عَیدان (یا کے ساتھ) امام مسلم کے دونوں اساتذہ میں اس نام کے ضبط کرنے میں اختلاف ہوا ہے۔

## بَابُ الدَّلِیْلِ عَلٰی أَنَّ مَنْ قَصَدَ أَخْذَ مَالِ غَیْرِهٖ بِغَیْرِ حَقٍّ کَانَ الْقَاصِدُ مُهْدَرَ الدَّمِ فِیْ حَقِّهٖ، وَإِنْ قُتِلَ کَانَ فِی النَّارِ، وَأَنَّ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِیْدٌ

## اس بات کی دلیل کہ جو ناحق کسی کا مال لینا چاہے اس کا خون اس کے حق میں رائگاں ہے اور مارا جائے تو جہنم میں جائے گا، اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے

مال مایۂ زندگانی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے لئے سہارا بنایا ہے۔ سورۃ النساء (آیت ۵) میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا﴾: یعنی تم کم عقلوں (ناسمجھوں) کو اپنے وہ مال مت دو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے "مایۂ زندگانی" بنایا ہے، زندگی مال کے سہارے قائم رہتی ہے، آدمی کے پاس مال ہو تو وہ سر اٹھا کر چلتا ہے، ورنہ سگنل ڈاؤن ہو جاتا ہے، اس لئے مال کی حفاظت ضروری ہے، ناحق کسی کو مت لینے دو، اگر کوئی ناحق لینا چاہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس سے لڑو اگر کامیاب ہوؤگے تو بامراد ہوؤگے اور مارے جاؤگے تو شہید ہوؤگے، اور ظالم مارا گیا تو جہنم میں جائے گا، اس کا خون رائگاں ہے، مدافعت کا ہر شخص کو حق ہے۔

جاننا چاہئے کہ اول وہلہ میں لڑنا ضروری نہیں، اگر دوسرے طریقوں سے مال کی حفاظت ممکن ہو تو ان کو اختیار کرے، نسائی شریف میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اگر کوئی ناحق میرا مال لینا چاہے تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو اللہ کا خوف دلاؤ، سائل نے عرض کیا: اگر نہ مانے؟ آپؐ نے فرمایا: اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد سے اس کے ارادہ کو ناکام بناؤ، اس نے عرض کیا: اگر کوئی میری مدد نہ کرے تو؟ آپؐ نے فرمایا: حاکم سے فریاد کرو، اس نے عرض کیا: وہاں سے بھی ناامید ہو جاؤں تو؟ آپؐ نے فرمایا: اس سے لڑو تا آنکہ تمہارا مال بچ جائے، یا آخرت میں تمہارا شمار شہیدوں میں ہو جائے (نسائی حدیث ۴۰۸۱)

غرض: جان و مال، اہل و عیال اور آبرو کی حفاظت کے لئے لڑنا چاہئے، بزدلوں والی موت نہیں مرنا چاہئے، پھر اگر کامیاب ہوا تو بامراد ہوگا، اور مارا گیا تو شہید ہوا، پس وہ بھی بامراد ہوا۔ اور اس کے ہاتھوں ظالم مارا گیا تو وہ جہنم میں گیا، اور اس کی دیت و قصاص وغیرہ کچھ واجب نہیں، کیونکہ مدافعت کا ہر شخص کو حق ہے۔

[٦٢- بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ قَصَدَ أَخْذَ مَالِ غَيْرِهٖ بِغَيْرِ حَقٍّ كَانَ الْقَاصِدُ مُهْدَرَ الدَّمِ فِيْ حَقِّهٖ، وَإِنْ قُتِلَ كَانَ فِي النَّارِ، وَأَنَّ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ ]

[٢٢٥-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ - يَعْنِيْ: ابْنَ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ أَخْذَ مَالِيْ؟ قَالَ:" فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ" قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِيْ؟ قَالَ:" قَاتِلْهُ" قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِيْ؟ قَالَ:" فَأَنْتَ شَهِيْدٌ" قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهٗ؟ قَالَ:" هُوَ فِي النَّارِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتائیں اگر کوئی شخص آئے (اور) میرا مال لینا چاہے؟ (تو میں کیا کروں؟) آپؐ نے فرمایا: اس کو اپنا مال مت دو ـــــ یعنی مال دینا ضروری نہیں، دینا حرام ہے یہ مطلب نہیں ـــــ اس نے کہا: بتائیں اگر وہ مجھ سے لڑے؟ آپؐ نے فرمایا: تم اس سے لڑو، اس نے کہا: اگر وہ مجھے قتل کردے؟ آپؐ نے فرمایا: پس تم شہید ہو، اس نے کہا: اگر میں اس کو قتل کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گا۔

تشریح: دوسرے کے مال پر ناحق دست درازی کرنا کبیرہ گناہ ہے، وہ اگر مارا گیا تو اس گناہ کی پاداش میں سیدھا جہنم میں جائے گا، اور مال کی حفاظت کرتا ہوا مالک مارا گیا تو وہ شہید ہوگا، شہداء کی تین قسمیں ہیں اور یہ حکمی شہید ہے، تفصیل باب ۴۸ میں گذر چکی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی حفاظت میں مارا جائے یا اپنے دین کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا جائے یا اپنی فیملی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو یہ سب شہید حکمی ہیں۔

شہید کی وجہ تسمیہ: یہ فعیل کا وزن ہے، جو یا تو بمعنی شاھد ہے، جس کے معنی ہیں: معائنہ کرنے والا، گواہی دینے والا، شہید مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے وہ چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے، یا نزع کے وقت جنت وغیرہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی ہیں ان کا مشاہدہ کرتا ہے یا وہ انبیاء ورسل کے حق میں تبلیغ کی گواہی دے گا اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں ـــــ یا شہید بمعنی مشہود ہے، اس کو فرشتے جہنم سے حفظ وامان کی خوشخبری سناتے ہیں، یا اس کے حسن خاتمہ کی شہادت دیتے ہیں، یا اس کی شہادت کی قبولیت کی گواہی دیتے ہیں اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں (ان کے علاوہ اور بھی معنی ہیں جو فتح الملہم میں ہیں)

[٢٢٦-] حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ - قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا. وَقَالَ الآخَرَانِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ:

أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ: أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ، تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ، فَرَكِبَ خَالِدُ بْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَوَعَظَهُ خَالِدٌ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ"

وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ. ح: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: سلیمان کہتے ہیں کہ ثابت نے جو عمرو بن عبدالرحمٰن کے آزاد کردہ ہیں، خبر دی کہ جب عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عنبسہ بن ابی سفیان کے درمیان جھگڑا ہوا تو دونوں نے جنگ کی تیاری کی، پس (حضرت عبداللہ بن عمرو العاص کے چچا) خالد بن العاص حضرت عبداللہ کے پاس سوار ہو کر آئے اور خالد نے عبداللہ کو نصیحت کی۔ پس حضرت عبداللہؓ نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "جو اپنے مال کے وَرے یعنی مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے" ـــــ محمد بن بکرؒ اور ابو عاصمؒ نے بھی ابن جریجؒ سے اسی سند سے اسی کے مثل روایت کیا ہے۔

تشریح: علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دون: بمعنی تحت: ظرفِ مکان ہے جو مجازاً سبب کے لئے استعمال ہوتا ہے، مال کے لئے قتال کرنے والا عام طور پر مال پیچھے کر کے قتال کرتا ہے ـــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو ناحق کسی کے مال پر دست درازی کرے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی چور کسی کی کوئی چیز چرالے اور وہ اس کو قتل کر دے تو اس پر دیت وقصاص کچھ واجب نہیں۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ایک جماعت سفر کر رہی ہے ان کا چوروں سے سامنا ہوا تو وہ کیا کریں؟ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: ان سے لڑے چاہے ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) کے لئے لڑنا پڑے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چور مال لینے کا ارادہ کرے تو مالک کے لئے ایک راستہ یہ ہے کہ اس سے فریاد کرے اور اسے اللہ کے عذاب سے ڈرائے، اگر وہ رک جائے تو اس سے قتال جائز نہیں، اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑے، اگر مالک نے چور کو مار ڈالا تو مالک پر قصاص ودیت کچھ واجب نہیں۔ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اندیشہ ہو کہ چور حملہ کرے گا تو تم حملہ کرنے میں سبقت کرو۔ اور سالم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک چور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر میں چوری کی غرض سے گھسا، حضرت نے اس کو پکڑ لیا اور تلوار سونت لی، اگر میں وہاں نہ ہوتا تو ابن عمرؓ نے اس کا کام تمام کر دیا ہوتا۔

غرض جمہور کے نزدیک ناحق طریقہ سے مال پر دست درازی کرنے والے سے قتال جائز ہے، مال تھوڑا ہو یا زیادہ، البتہ علماء نے سلطان کو مستثنیٰ کیا ہے، اس لئے کہ بہت سی حدیثوں میں اس کے مظالم پر صبر کرنے کی تاکید آئی ہے، اور یہی

حکم جان، دین، آبرو اور اہل وعیال کا ہے، ان کی حفاظت کی خاطر قتل وقتال کرنا بالاتفاق جائز ہے (ماخوذ از فتح الملہم)

فائدہ: حضرت عبداللہؓ: فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے اور مشہور صحابی ہیں، تقوی، طہارت اور انابت میں ان کا بڑا مقام تھا، اور تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا، اور عنبسہ بن ابی سفیان: حضرت معاویہؓ کے بھائی اور ان کی طرف سے مکہ اور طائف کے عامل تھے۔ انھوں نے طائف میں پانی کا ایک چشمہ کھودنا چاہا، تاکہ اس پانی سے باغات وغیرہ سیراب کریں، اس سے قریب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والوں کے باغات تھے، عنبسہ بن ابی سفیان نے حضرت عبداللہ کے باغ کی دیوار کے قریب سے کھود کر پانی گذارنا چاہا، حضرت عبداللہؓ کے باغ کو اس سے نقصان پہنچتا تھا اس لئے انھوں نے منع کیا، اس پر بات بڑھ گئی، حضرت عبداللہؓ خاندان کے افراد اور غلاموں کے ساتھ ہتھیاروں کے ساتھ نکلے اور فرمایا: جب تک ہمارے خاندان کا ایک فرد بھی زندہ ہے ہم اپنے باغ کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے، یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور یہ بات حیوہ نے بیان کی ہے جو طبری میں ہے (فتح الملہم)

تنبیہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت چاہے تو وہ اس کو منع نہ کرے'' (ترمذی حدیث ۱۳۳۶) اس حدیث سے یہاں معارضہ صحیح نہیں، کیونکہ وہ حکم اس وقت ہے جب پڑوسی کو ضرر نہ ہو، اور مذکورہ واقعہ میں حضرت عبداللہؓ کا سراسر نقصان تھا، اس لئے ان کو روکنے کا حق تھا۔

## بَابُ اسْتِحْقَاقِ الْوَالِیْ الْغَاشِّ لِرَعِیَّتِهِ النَّارَ

## رعیت کے حقوق مارنے والا حاکم جہنم کا مستحق ہے

رَعِیَّة کے معنی ہیں: ریوڑ، اور چرواہے کے لئے لفظ راعی ہے، امام (سربراہ مملکت) راعی (چرواہا) ہے اور پبلک رعیت (ریوڑ) ہے، ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ چرواہا اپنے ریوڑ کے ساتھ جیسا معاملہ کرتا ہے حاکم کو بھی پبلک کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهِ: تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے، اور ہر شخص اپنے ریوڑ کے بارے میں مسئول ہے، پھر آپؐ نے بطور مثال فرمایا: امام (سربراہ مملکت) چرواہا ہے، اور وہ پبلک کے بارے میں مسئول ہے، یعنی امام سے پبلک کے بارے میں باز پرس ہوگی، شوہر چرواہا ہے اور اس کا ریوڑ اس کی فیملی ہے، اسی طرح استاذ چرواہا ہے اور اس کا ریوڑ طلبہ ہیں، پس سب سے ان کے ریوڑوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ غرض حاکم پر پبلک کے ساتھ خیر خواہی کرنا ضروری ہے، جو حاکم رعیت کی دیکھ بھال نہ کرے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے اس کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ مجلس (مرتبہ) کے اعتبار

سے دور: ظالم بادشاہ ہوگا" (ترمذی حدیث ۱۳۱۳) اور باب میں یہ حدیث ہے کہ جب مشہور صحابی حضرت معقل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہونے لگا تو بصرہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد بیمار پرسی کے لئے ان کے پاس آیا، آپؓ نے اس کو یہ حدیث سنائی کہ: "جو بھی مسلمانوں کی کسی جماعت کا ذمہ دار بنایا جائے، پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ ان کے حق میں ملاوٹ کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیں گے، ان کے علاوہ بھی لاپرواہ حاکم کے متعلق وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

## [٦٣-بَابُ اسْتِحْقَاقِ الْوَالِيْ الْغَاشِّ لِرَعِيَّتِهِ النَّارَ]

[٢٢٧-] حدثنا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: عَادَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ. قَالَ مَعْقِلٌ: إِنِّيْ مُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِيْ حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ. إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: " مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً، يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ"

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبید اللہ بن زیاد نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کی، اس بیماری میں جس میں ان کا انتقال ہوا، حضرت معقلؓ نے اس سے کہا: میں تجھ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے، اگر میں جانتا کہ میری زندگی باقی ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "نہیں ہے کوئی بندہ جس کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کی حفاظت کا ذمہ دار بنائیں، پھر وہ مرا جس دن مرا، درانحالیکہ وہ رعیت کے حق میں ملاوٹ کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیں گے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبید اللہ بن زیاد بصرہ کا گورنر تھا، وہ بڑا اسفاک (خون بہانے والا) نادان اور کم عمر تھا، حضرت معقل رضی اللہ عنہ جو بصرہ میں مقیم تھے جانتے تھے کہ ابن زیاد جیسے ظالم وجابر کے لئے نصیحت مطلق سودمند نہ ہوگی، اور اس کی طرف سے ظلم کا اور پبلک میں انتشار کا اندیشہ بھی تھا، اس لئے آپ نے یہ حدیث بیان نہیں کی، مگر موت کے قریب جب عبید اللہ بیمار پرسی کے لئے آیا تو آپ نے یہ حدیث بیان کی تا کہ کتمانِ علم کا گناہ نہ ہو، اور حدیث میں دخولِ اولی کی نفی مراد ہے۔ چنانچہ آئندہ اسی حدیث میں جو ابو المَلیح کے طریق سے ہے، اس میں ہے: لم يدخل معهم الجنة: یعنی فائزین اور کامران لوگوں کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا، اپنے گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے پہلے جہنم میں جانا پڑے گا، یہ ظالم حکام کے حق میں شدید وعید ہے۔

[٢٢٨-] حدثنا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: دَخَلَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَ وَجِعٌ. فَسَأَلَهُ فَقَالَ: إِنِّيْ مُحَدِّثُكَ حَدِيْثًا لَمْ أَكُنْ حَدَّثْتُكَهُ،

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: قَالَ: "لاَ يَسْتَرْعِى اللّٰهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" قَالَ: أَلَّا كُنْتَ حَدَّثْتَنِيْ بِهٰذَا قَبْلَ الْيَوْمِ؟ قَالَ: مَا حَدَّثْتُکَ -أَوْ: لَمْ أَكُنْ لِأُحَدِّثَکَ.

[٢٢٩-] وحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ- يَعْنِي الْجُعْفِيَّ- عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: قَالَ الْحَسَنُ: كُنَّا عِنْدَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ نَعُوْدُهُ، فَجَاءَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ، فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: إِنِّيْ سَأُحَدِّثُکَ حَدِيْثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيْثِهِمَا.

وضاحت: یہ حدیثیں حضرت حسنؒ سے یونسؒ اور ہشامؒ نے روایت کی ہیں ـــــ قوله: بمعنى حديثهما: تثنیہ کی ضمیر کا مرجع یحییٰ بن یحییٰ اور شیبان بن فروخ ہیں، یعنی امام مسلمؒ کے استاذ قاسم بن زکریا کی حدیث دیگر دو اساتذہ: یحییٰ اور شیبان کی حدیثوں کی طرح ہیں۔

وَحَدَّثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا: مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيْحِ: أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِيْ مَرَضِهِ. فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: إِنِّيْ مُحَدِّثُکَ بِحَدِيْثٍ لَوْلاَ أَنِّيْ فِي الْمَوْتِ لَمْ أُحَدِّثْکَ بِهِ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَا مِنْ أَمِيْرٍ يَلِيْ أَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ، ثُمَّ لاَ يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ"

ترجمہ: یہ حدیث قتادہؒ نے ابوالملیح کے واسطہ سے روایت کی ہے، جب ابن زیاد حضرت معقلؓ کی بیمار پرسی کے لئے آیا تو آپؓ نے اس سے فرمایا: میں تجھ سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، اگر میں مرضِ موت میں نہ ہوتا تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا (کتمانِ علم کا گناہ نہ ہو اس لئے مجبوراً بیان کرتا ہوں) میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو امیر مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا پھر وہ ان کے لئے کوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ لوگوں کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا"

## بَابُ رَفْعِ الْأَمَانَةِ وَالْإِيْمَانِ مِنْ بَعْضِ الْقُلُوْبِ، وَعَرْضِ الْفِتَنِ عَلَى الْقُلُوْبِ

### ایمان اور امانت داری کا بعض قلوب سے اٹھایا جانا اور دلوں میں فتنوں کا پیش کیا جانا

امانت: مصدر ہے، باب سمع کا، بغیر صلہ کے معنی ہیں: مطمئن ہونا، بے خوف ہونا، اس سے آمَنَ إيمانا (باب افعال) کے معنی ہیں: امن میں ہونا، اور ب صلہ کے ساتھ آمَنَ به کے معنی ہیں: تصدیق کرنا، ایمان لانا، یقین کرنا، اور علی صلہ کے ساتھ امِنَ فلانا علی کذا کے معنی ہیں: کسی پر اعتماد کرنا، ذمہ داری میں دینا۔ سورۂ یوسف (آیت ۶۴) میں

ہے:﴿ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ ﴾: کیا میں اس (بنیامین) کے بارے میں تم پر اعتماد کروں؟

اور امانت: اصطلاح میں اس ذمہ داری کا نام ہے جو انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے، سورۃ الاحزاب (آیت ۷۲) میں ہے:﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ﴾: ترجمہ: ہم نے امانت (ذمہ داری یعنی احکام خداوندی جو بمنزلہ امانت ہیں) آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیے، پس انھوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کیا، یعنی ان مخلوقات میں اس ذمہ داری کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ مخلوقات اس سے سہم گئیں، یعنی ان میں مطلق صلاحیت نہیں تھی، اور انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھالیا، یعنی اس میں اس امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت تھی، یہ امانت (ذمہ داری) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کی گئی ہے، جس کا نام شریعت ہے۔

اور حدیث میں ہے: لاَ إِيْمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ، وَلاَ دِيْنَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ: اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں، اور اس شخص میں دین نہیں جس میں عہد و پیمان کا لحاظ نہیں (رواہ احمد ۳: ۱۳۵، مشکوۃ حدیث ۳۵) اس حدیث میں اس امانت کا تذکرہ ہے جو لوگوں کے تعلق سے عائد ہوتی ہے، مثلاً: کوئی ملازم ہے، مدرس ہے، حاکم ہے، لوگوں کے ساتھ معاملات کرتا ہے، تو ان پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہیں وہ امانت کہلاتی ہیں۔ اور ان کو پورا کرنا بھی دین کا تقاضہ ہے، پس لوگوں میں امانت داری کا فقدان ایک بڑا فتنہ ہے، جس کا باب کی حدیثوں میں ذکر ہے۔

اور فتنہ کا مادہ فَتْن ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ أصلُ الفَتْن: إدخال الذَّهَبِ النارَ لِتَظْهَرَ جَوْدَتُهُ من رَدَاءَتِه (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہوگئے، اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذاء رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے، اور آزمائش میں جو کھوٹا ثابت ہو اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا اور تختۂ مشق بنانا وغیرہ۔

### فتنے چھ قسم کے ہیں:

(۱) آدمی کے اندر کا فتنہ، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہو جائے اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔

(۲) گھر کا فتنہ، اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، حدیث میں ہے: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، یعنی دربار لگاتا ہے، پھر وہ لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا ہے، ان میں سے اس کے نزدیک مرتبہ میں قریب تر وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ بپا کرے: ان میں سے ایک آتا ہے، اور کہتا ہے: میں نے یہ کیا وہ کیا، شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا! پھر ان میں سے ایک

آتا ہے اور کہتا ہے: میں ایک شخص کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی: شیطان اس کو قریب کرتا ہے اور کہتا ہے: شاباش! تو نے بڑا اچھا کام کیا (یہ حدیث آگے مسلم شریف ہی میں آرہی ہے، مشکوٰۃ حدیث ۷۱)

(۳) وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے، یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے، اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آز کرنا ہے، حدیث میں ہے: شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے[1] (یہ حدیث بھی آگے مسلم شریف ہی میں آرہی ہے، مشکوٰۃ حدیث ۷۲)

(۴) ملی فتنہ، اور وہ یہ ہے کہ بڑے حضرات وفات پاجائیں اور دین کا معاملہ نااہلوں کے ہاتھ میں آجائے، پس اولیاء اور علماء دین میں غلو کریں اور بادشاہ اور عوام: دین میں سستی برتیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیں، نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ: زمانۂ جاہلیت جیسا ہو کر رہ جائے۔ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی بھی امت میں جو نبی مبعوث کیا ہے اس کے لئے اس کی امت میں سے مخصوص حضرات اور ساتھی ہوتے تھے، جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے، اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوگئے جو وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے، اور وہ کام کرتے تھے جن کا وہ حکم نہیں دیئے گئے تھے، پس جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے، اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے، اور اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ رائے کے دانہ کے برابر بھی نہیں (یہ حدیث پہلے گذری ہے حدیث نمبر ۸۰)

(۵) عالمگیر فتنہ، یہ بددینی کا فتنہ ہے، جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں، اور لوگ تین طرح کے ہوجاتے ہیں۔

ایک: جو دنیا سے بے رغبت ہوجاتے ہیں: وہ دو کام کرتے ہیں: ایک: طبیعت کے تقاضوں سے بالکلیہ نکل جاتے ہیں، ان کی اصلاح نہیں کرتے، یعنی تارک الدنیا ہوجاتے ہیں، اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو کر سنیاسی بن جاتے ہیں، حالانکہ شریعت کی یہ تعلیم نہیں، شریعت نے طبیعت کی اصلاح کا حکم دیا ہے، اور اس کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ دوم: جو اپنے اندر ملائکہ کی مشابہت پیدا کرتے ہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً شب بیداری یا کثرت سے روزہ رکھنا وغیرہ۔

دوسرے: عام لوگ ہوتے ہیں، جو بہیمیت خالصہ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور حیوانیت کو شرمادینے والے کام کرنے لگتے ہیں۔

تیسرے: بیچ کے لوگ ہوتے ہیں، جو نہ پوری طرح اِن کی طرف مائل ہوتے ہیں، نہ اُن کی طرف۔

(۱) جزیرۃ العرب کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ اس ارشاد کے وقت اسلام جزیرۃ العرب کے اندر محدود تھا، بعد میں اسلام چاردانگ عالم پھیل گیا، اب مسلمان خواہ کہیں ہو وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرسکتا، بشرطیکہ وہ نمازی اور دین دار ہو۔

(۶) فضائی حادثات کا فتنہ، بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے، اور بڑے علاقہ میں آگ لگتی ہے، اور عام تباہی مچتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تاکہ وہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں، مزید تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵:۶۵۵-۶۵۸) اور تحفۃ الالمعی (۵:۵۱۹-۵۲۲) میں ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

امت میں فتنوں کی زیادتی:

شاہ صاحب علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری (۴:۴۹۵) میں فرمایا ہے کہ فتنہ وہ چیز ہے جس سے مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہوجاتا ہے، فتنے گذشتہ امتوں پر بھی آتے رہے ہیں، مگر اس امت میں فتنے زیادہ آئیں گے، یہ بات حدیث شریف میں آئی ہے۔ علامہ کشمیری رحمہ اللہ اس کی وجہ سوچتے رہے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ گذشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست ونابود کردی جاتی تھیں، اور اس امت کے لئے قیامت تک بقاء مقدر ہے، اس لئے بدکار اور نیکوکاروں میں امتیاز ضروری ہے، اس لئے اس امت کے لئے فتنے مقدر کئے گئے، تاکہ مخلصین وغیر مخلصین میں امتیاز ہوجائے (شاہ صاحب کی بات پوری ہوئی) جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مؤمنین کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے، تاکہ واضح ہوجائے کہ کون دعوئے ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابۂ کرام کا کم از کم دس مرتبہ امتحان کیا گیا، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوگیا تو اگلے ہی سال غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے، یہ ایک امتحان تھا، آزمائش تھی، تاکہ پتہ چل جائے کہ کون ایمان میں ثابت قدم رہتا ہے اور کون ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران میں فرماتے ہیں: ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ﴾: ان آزمائشوں میں مبتلا کرکے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک صاف کرتے ہیں اور کافروں کو مٹاتے ہیں۔

غرض: یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدانِ امتحان میں ہے، ایمان وکفر تو بڑے امتحان ہیں، مگر مؤمن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان کیا جاتا ہے، اگر مؤمن ان آزمائشوں میں کامیاب ہوجائے تو زہے نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا وآخرت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

## [۶۴- بَابُ رَفْعِ الْأَمَانَةِ وَالْإِيْمَانِ مِنْ بَعْضِ الْقُلُوْبِ، وَعَرْضِ الْفِتَنِ عَلَى الْقُلُوْبِ]

[۲۳۰-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَدِيْثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ، حَدَّثَنَا: "أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ، فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ" ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ قَالَ: "يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ

تَنْقَبِضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ، فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَىٰ رِجْلِكَ، فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ - ثُمَّ أَخَذَ حَصًى فَدَحْرَجَهُ عَلَىٰ رِجْلِهِ - فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ، لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّىٰ يُقَالَ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، حَتَّىٰ يُقَالَ لِلرَّجُلِ: مَا أَجْلَدَهُ! مَا أَظْرَفَهُ! مَا أَعْقَلَهُ! وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ"

وَلَقَدْ أَتَىٰ عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيُّكُمْ بَايَعْتُ، لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِينُهُ، وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا أَوْ يَهُودِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ، وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ لِأُبَايِعَ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا.

وحدثنا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي وَوَكِيعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَىٰ بْنُ يُونُسَ، جَمِيعًا، عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے دو باتیں بیان کیں: ان میں سے ایک میں نے دیکھ لی، یعنی وہ پوری طرح میرے سامنے آگئی اور دوسری کا انتظار ہے، یعنی ابھی وہ پوری طرح میرے سامنے نہیں آئی، البتہ کچھ کچھ آثار شروع ہوگئے ہیں۔

پہلی بات: نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، پھر قرآن مجید اترا، پس لوگوں نے قرآن سیکھا اور سنت (دینی راہ) سیکھی ـــــ یعنی جب زمانۂ نبوت کا آغاز ہونے والا تھا تو پہلے لوگوں کے دلوں میں تعلیماتِ نبوی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی گئی، پھر قرآن اترنا شروع ہوا، جس کو لوگوں نے سیکھا اور دینی طریقہ جانا، اس پہلی بات کا پیکر محسوس صحابہ کی جماعت ہے جس کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

دوسری بات: پھر نبی ﷺ نے ہم سے یہ بات بیان فرمائی کہ امانت کس طرح اٹھالی جائے گی؟ فرمایا: آدمی ایک نیند سوئے گا، یعنی ذرا غافل ہوگا (حقیقۃً سونا مراد نہیں) پس امانت دل سے نکال لی جائے گی، پس امانت کا اثر ایک چھالے کی طرح رہ جائے گا، پھر وہ ایک نیند سوئے گا تو باقی ماندہ امانت بھی اس کے دل سے نکال لی جائے گی، پس اس کا اثر آبلے کی طرح رہ جائے گا، جیسے آپ اپنے پیر پر چنگاری لڑھکائیں، پس آبلہ پڑجائے، اور وہ آپ کو پھولا ہوا نظر آئے، درانحالیکہ اس میں کوئی کارآمد چیز نہیں، پھر آپ نے ایک کنکری لی اور اپنے پیروں پر لڑھکائی (یہ مثال کو پیکر محسوس بنایا)

نبی ﷺ نے فرمایا: پس لوگوں کا یہ حال ہوجائے گا کہ وہ ایک دوسرے سے لین دین کریں گے، مگر شاید ہی کوئی ایسا انسان پائیں جو امانت ادا کرے، یہاں تک کہ کہا جائے گا: فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی ہے، اور یہاں تک کہ کہا جائے گا آدمی کے بارے میں: کس قدر مضبوط آدمی ہے! کس قدر زیرک ہے! کس قدر عقلمند ہے! مگر اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بخدا! مجھ پر ایک زمانہ گذر چکا ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا تھا کہ تم میں سے کس کے ساتھ سودا کروں، اس لئے کہ وہ شخص اگر مسلمان ہوگا تو ضرور اس کا دین اس چیز کو مجھ پر پھیرے گا، اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوگا تو ضرور اس کا عامل مجھ پر اس چیز کو پھیرے گا، مگر اب میں آپ لوگوں سے معاملات نہیں کرتا، مگر فلاں فلاں سے ـــــ وکیع اور عیسیٰ بن یونس نے بھی اعمش سے اسی سند سے اسی کے مانند روایت کیا ہے۔

لغات: نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ: الجَذْرُ: : ہر چیز کی جڑ، اصل، جمع: جُذُوْر، یعنی امانت لوگوں کے دلوں کی تھاہ میں اتری، جیسے بوائی سے پہلے کھیت تیار کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قلوب میں صلاحیت پیدا کی، تا کہ وہ دین کو قبول کریں ـــــ قوله: يَنَامُ الرجلُ النَّوْمَةَ: آدمی ایک سونا سوئے گا، اس سے واقعی سونا مراد نہیں، بلکہ دفعۃً مزاجوں کی تبدیلی مراد ہے، یعنی سویا تو کامل الایمان تھا، بیدار ہوا تو امانت داری ماند پڑ چکی تھی، اور اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی ـــــ الوَكْتُ: کسی چیز کا ہلکا سا نشان، دھبہ، چتی جو دیکھنے میں جلدی محسوس نہیں ہوتی، مگر وہ عمل کا واقعی اثر ہوتی ہے، یعنی ابھی امانت کا دل میں کچھ اثر باقی ہے ـــــ مثلُ أثرِ المَجَل: آبلے کے نشان کی طرح چھالا، جس میں گندہ پانی بھرا ہوا ہوتا ہے، اور وہ پھولا ہوا نظر آتا ہے، مگر اس میں سوائے گندگی کے کچھ نہیں ہوتا، یعنی اب امانت داری بالکل ختم ہوگئی ہے، مگر آدمی بناوٹی امانت دار نظر آتا ہے، جو فتنہ کے سواء کچھ نہیں، مَجَلَتْ يَدُهُ(ن) مَجْلاً: ہاتھ میں آبلہ پڑنا، چھالہ پڑنا ـــــ نَفِطَتْ يَدُهُ نَفَطًا: ہاتھ میں آبلہ پڑنا ـــــ ما أَجْلَدَهُ: (فعل تعجب) کس قدر مضبوط اور طاقت ور ہے، کس قدر باہمت اور با استقلال ہے ـــــ مَا أَظْرَفَهُ: (فعل تعجب) کس قدر ذہین، زیرک اور تیز طبع ہے ـــــ مَا أَعْقَلَهُ: (فعل تعجب) کتنا بڑا عقلمند ہے۔

تشریح:

۱- امانت جب ابتداءً قلوب سے نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، ہر شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا، اس کا نشان دل میں رہتا ہے، مگر اس کی تاثیر واضح نہیں ہوتی، اس لئے اس کو دھبہ کے ساتھ تشبیہ دی، کام کرتے کرتے ہاتھ میں نشان پڑ جاتا ہے جس سے کھال میں معمولی تغیر آجاتا ہے اور وہ محسوس کیا جاسکتا ہے۔ پھر جب دوسری مرتبہ امانت داری نکالی جاتی ہے تو اس کا اثر ہر شخص محسوس کرسکتا ہے اس لئے اس کو آبلہ کے ساتھ تشبیہ دی، اور پیر پر کنکر لڑھکا کر بات واضح کی کہ جس طرح چنگاری پیر پر گذر جائے تو جگہ جگہ آبلے پڑ جاتے ہیں، جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے، وہ انگور کے دانہ کی طرح نظر آتا ہے مگر اس میں گندے پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

۲- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ماحول میں صحابہ غالب تھے تو ان کے دل نورِ ایمان سے منور تھے، اور اس زمانہ کے کفار بھی ان کے آثار سے متاثر تھے، پس شاید باید کوئی خیانت کرتا تھا، اس لئے میں بے تکلف ہر ایک سے معاملہ کرتا تھا، میں سوچتا تھا کہ جس سے میں معاملہ کر رہا ہوں، اگر وہ مؤمن ہے تو وہ ایمان کے تقاضہ سے میری امانت ادا

کرے گا، اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو اس پر جو مسلمان حاکم ہے وہ میری امانت ادا کرائے گا، مگر اب لوگوں کا حال برا ہو گیا ہے، اور حکام بھی لاپرواہ ہو گئے ہیں، اس لئے میں آنکھ بند کر کے ہر کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا، بلکہ ٹھوک بجا کر قابل اعتماد آدمی کے ساتھ ہی معاملہ کرتا ہوں۔

سوال: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے دوسری بات نہیں دیکھی اور اب فرما رہے ہیں کہ وہ بدلا ہوا زمانہ بھی میں نے دیکھ لیا، پس یہ دونوں باتیں متعارض ہیں؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری طرح نہیں آئی، کچھ کچھ آثار شروع ہوئے ہیں، مگر چونکہ حدیث میں ہے: الحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ: چوکنا پن بدظنی میں ہے، اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کر دیا ہے، مگر جیسا پہلی بات کا مشاہدہ کر لیا ہے ایسا کامل مشاہدہ ابھی اس دوسری بات کا نہیں ہوا۔

[۲۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ خَالِدٍ- يَعْنِيْ: سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ- عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ الْفِتَنَ؟ فَقَالَ قَوْمٌ: نَحْنُ سَمِعْنَاهُ. فَقَالَ: لَعَلَّكُمْ تَعْنُوْنَ فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ وَجَارِهِ؟ قَالُوْا: أَجَل قَالَ: تِلْكَ تُكَفِّرُهَا الصَّلاَةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ، وَلٰكِنْ أَيُّكُمْ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ الْفِتَنَ الَّتِيْ تَمُوْجُ مَوْجَ الْبَحْرِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ: فَأَسْكَتَ الْقَوْمُ. فَقُلْتُ: أَنَا: قَالَ: أَنْتَ، لِلّٰهِ أَبُوْكَ! قَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ، حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ، عَلٰى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلاَ تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًا، كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لاَ يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلاَ يُنْكِرُ مُنْكَرًا، إِلاَّ مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ"

قَالَ حُذَيْفَةُ: وَحَدَّثْتُهُ أَنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا يُوْشِكُ أَنْ يُكْسَرَ، قَالَ عُمَرُ: أَكَسْرًا، لاَ أَبَالَكَ! فَلَوْ أَنَّهُ فُتِحَ لَعَلَّهُ كَانَ يُعَادُ. قُلْتُ: لاَ، بَلْ يُكْسَرُ، وَحَدَّثْتُهُ أَنَّ ذٰلِكَ الْبَابَ رَجُلٌ يُقْتَلُ أَوْ يَمُوْتُ. حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ.

قَالَ أَبُوْ خَالِدٍ: فَقُلْتُ لِسَعْدٍ: يَا أَبَا مَالِكٍ! مَا أَسْوَدُ مُرْبَادًا؟ قَالَ: شِدَّةُ الْبَيَاضِ فِيْ سَوَادٍ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا الْكُوْزُ مُجَخِّيًا؟ قَالَ: مَنْكُوْسًا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، آپؓ نے پوچھا: تم لوگوں میں سے کس نے رسول اللہ ﷺ کو فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے؟ ایک جماعت نے کہا: ہم نے آپ ﷺ کو

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: شاید تمہاری مراد وہ فتنہ ہے جو آدمی کو اس کے گھر اور پڑوسی کے متعلق پیش آئے گا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کوتاہیوں کو تو نماز، روزہ اور صدقہ مٹا دیتے ہیں، میری مراد یہ ہے کہ تم میں سے کس نے نبی ﷺ کو اس فتنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا آئے گا؟ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: (اس بار) لوگ خاموش رہے، پس میں بولا: میں نے سنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے لئے ہے تیرے ابا کی خوبی! ـــــ یہ مدحیہ کلمہ ہے، عرب تعریف کے موقعہ پر اس کو بولتے ہیں، اور اللہ کی طرف نسبت شرف وعظمت کے لئے ہے، جیسے بیت اللہ میں اسی مقصد سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہے ـــــ حضرت حذیفہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فتنے دلوں پر (یکے بعد دیگرے) پیش کئے جائیں گے، چٹائی کے تنکوں کی طرح (جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اسی طرح فتنے قریب قریب رونما ہونگے) پس جونسا دل اس فتنہ کو قبول کرے گا اس دل میں ایک سیاہ دھبہ پڑ جائے گا، اور جونسا دل اسے رد کردے گا اس میں ایک سفید نکتہ پڑ جائے گا، یہاں تک کہ قلوب دو طرح کے ہو جائیں گے (ایک) چکنے پتھر کی طرح صاف وشفاف اس دل کو فتنوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جب تک کہ آسمان وزمین قائم ہیں، اور دوسرا قلب راکھ کی طرح سیاہ ہوگا، اوندھے پیالے کی طرح، وہ دل نہ تو اچھے کام کو پہچانے گا اور نہ برے کام کا انکار کرے گا، صرف انہی کاموں کو جانے گا جو اس کی خواہشات کے مطابق ہونگے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی بیان کیا کہ آپ کے درمیان اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے قریب ہے کہ وہ توڑ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا توڑا جائے گا؟ تیرا باپ نہ رہے! ـــــ عرب میں یہ محاورہ کسی شئ پر ابھارنے اور مستعد کرنے کے لئے بھی بولتے ہیں ـــــ اگر کھولا جاتا تو شاید لوٹایا جاتا، یعنی دوبارہ بند ہو سکتا تھا، میں نے عرض کیا: نہیں، بلکہ توڑا جائے گا، یعنی ایک مرتبہ فتنوں کا سلسلہ شروع ہوگا تو پھر قیامت تک نہیں رکے گا، اور میں نے ان سے یہ بھی بیان کیا کہ وہ دروازہ ایک شخص ہے جو شہید کیا جائے گا یا اس کا انتقال ہوگا (میں نے حضرت عمرؓ سے جو حدیث بیان کی وہ) چیستاں نہیں تھی (حضرت عمرؓ بخوبی سمجھ رہے تھے کہ اس دروازہ سے خود ان کی ذات مراد ہے)

ابو خالد (راوی) کہتے ہیں: میں نے سعد بن طارق سے پوچھا: ابو مالک! (سعد کی کنیت) اسود مربادا کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا: سیاہی میں بہت زیادہ سفیدی، ابو خالد کہتے ہیں: میں نے پوچھا: الکوزُ مُجَخِّیًا کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اوندھا کیا ہوا پیالہ۔

تشریح: یہ حدیث بخاری شریف (حدیث نمبر ۳۵۸۶) میں اور زیادہ تفصیل سے آئی ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ـــــ جو نبی ﷺ کے رازدار تھے ـــــ زیادہ تر دلچسپی فتنوں کی حدیثوں سے تھی، وہ زیادہ تر فتنوں کے بارے میں نبی

ﷺ سے سوال کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مجلس ہو رہی تھی، آپؓ نے حاضرین سے پوچھا: فتنہ کی حدیث تم میں سے کس کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یاد ہے اور بالکل ویسی ہی یاد ہے جیسی آپؐ نے فرمائی ہے، یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں بھولا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کو یاد ہونی چاہئے کہ آپ کی زیادہ دلچسپی اسی سے تھی، پھر حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ آدمی کی آزمائش اس کی فیملی میں بھی ہوتی ہے، مال اولاد میں بھی ہوتی ہے اور پڑوس کے لوگوں میں اور احباب و متعلقین میں بھی ہوتی ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوتی ہیں، مگر نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وہ کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ چھوٹے فتنے تو آتے ہی رہتے ہیں، میں تو اس فتنہ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی ملکی اور سیاسی فتنہ: جس کے بعد معاملات گڈمڈ ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو اس فتنہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، یعنی آپؓ کی حیات تک وہ فتنہ نہیں آئے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا بتاؤ: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: توڑا جائے گا، یعنی حضرت عمرؓ شہید کئے جائیں گے —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت کی موت عطا فرما، یہ عجیب وغریب دعا تھی، شہادت پانے کے لئے تو مدینہ سے باہر جہاد میں جانا پڑے گا، مدینہ میں شہادت کہاں سے ملے گی! مگر آپؓ مدینہ میں شہادت کی تمنا کرتے تھے، چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی، اور ایک دن فجر کی نماز میں فیروز نامی غلام نے آپ کو زہر میں بجھا ہوا خنجر مارا، جو آپ کی شہادت کا سبب بنا، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد فتنوں کا جو تانتا بندھا وہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، اس دن سے فتنے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے اور قیامت تک رکیں گے بھی نہیں، اس لئے کہ دروازہ توڑ دیا گیا، پس فتنوں پر بند لگانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو طلبہ نے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو جانتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: بالکل اسی طرح جانتے تھے جس طرح ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ آئندہ کل کے بعد رات آئے گی، اس میں کسی کو شک نہیں، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس دروازہ کا علم تھا، اس میں ذرا شک نہیں تھا، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کوئی پہیلی نہیں بوجھی تھی، صاف بات کہی تھی، چاہے سامعین اس کو نہ سمجھ رہے ہوں مگر جس سے گفتگو ہو رہی تھی، وہ میری بات سمجھ رہا تھا —— نبی ﷺ نے چیستانیں بیان کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۴۳) لیکن اگر مخاطب کے لئے بات پیچیدہ نہ ہو، مخاطب اسے سمجھ رہا ہو تو وہ پہیلی نہیں، چاہے دوسرے لوگ اسے نہ سمجھیں۔

اس سے آگے طلبہ میں پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی، چنانچہ انھوں نے حضرت مسروق رحمہ اللہ سے جو حضرت حذیفہ رضی

اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے کہا: کوئی مناسب موقع دیکھ کر آپ حضرت سے دریافت کریں کہ وہ دروازہ کون تھا؟ جب مسروق رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپؓ نے فرمایا: وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

حدیث شریف کے ضروری جملوں کی شرح:

**قولہ: تلک تُکَفِّرُھا الصلوۃ:** نماز میں خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات، سنن ہوں یا نوافل، کفارۂ سیئات کی شان ہے، اور یہی حال دیگر عبادتوں کا بھی ہے، یعنی روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾: اچھائیاں برائیوں کو بہا لے جاتی ہیں، یہ آیت عام ہے، ہر نیکی کو شامل ہے۔

**قولہ: تموج موج البحر:** سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا فتنہ، اس سے مراد ملکی اور سیاسی فتنہ ہے، یعنی ملکی انتظام کا برباد ہونا اور ہر کہ ومہ کا خلافت کی طمع کرنا ہے، تفصیل اوپر آچکی۔

**قولہ: لِلّٰہِ ابوک:** یہ جملہ مدحیہ ہے، بیٹے میں لائق تحسین کوئی بات ہو تو بولتے ہیں للّٰہ أبوک! تیرا باپ خوش نصیب ہے کہ اس کا تیرا جیسا بیٹا ہے، قال صاحب التحریر: فإذا وُجِد من الولد ما یُحْمَد قیل له: للّٰہ أبوک! حَیْثُ أَتٰی بمثلک (فتح الملہم)

**قولہ: کالحصیر عودا عودا:** اس کو تین طرح پڑھا گیا ہے: (۱) عُوْدًا عُوْدًا: ـــــ عین کا ضمہ اور دال مہملہ ـــــ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ فتنے اس طرح تسلسل کے ساتھ آئیں گے جس طرح چٹائی بننے والا مسلسل ایک کے بعد ایک تنکا رکھتا ہے اور قریب قریب رکھتا ہے اسی طرح مسلسل فتنے رونما ہونگے، ان کے درمیان مطلق فاصلہ نہ ہوگا ـــــ اس سے کثرتِ فتن کی طرف اشارہ ہے، اور عُوْدًا حال ہے، اسم مشتق اگر ترتیب پر دلالت کرے تو اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے (۲) عَوْدًا عَوْدًا: ـــــ عین مفتوح اور دال مہملہ ـــــ یعنی وہ فتنے بار بار پیش کیے جائیں گے، اور جس طرح چٹائی سونے والے کے پہلو سے چپک جاتی ہے وہ فتنے دل کے ساتھ چپک جائیں گے۔ (۳) عَوْذًا عَوْذًا: ـــــ عین مفتوح اور ذال معجمہ ـــــ یہ مصدر ہے، عَاذَ یعوذ عَوْذًا و مُعَاذًا: اس صورت میں جملہ معترضہ ہوگا اور نعوذ باللّٰہ کے معنی میں ہوگا شارحین نے اول مطلب کو زیادہ پسند کیا ہے۔

**قولہ: تُعرض الفتن علی القلوب:** یعنی دلوں میں فاسد خیالات اور شیطانی وساوس پیدا ہونگے، جس سے احساس مرجائے گا، دل سخت ہوجائے گا اور عبادتوں میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہوگی، اس کے برخلاف وہ شخص جس کے دل میں برعکس خیالات پیدا ہونگے وہ ان فتنوں کو برا سمجھے گا۔

**قولہ: فَأَیُّ قلب أُشْرِبَهَا: أُشْرِبَ حُبَّ فلان:** کے معنی ہیں: کسی کی محبت دل میں جاگزیں ہوجانا، قرآنِ مجید میں ہے: ﴿وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ﴾: (البقرۃ آیت ۹۳) یعنی کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی

محبت جاگزیں (پیوست) ہوگئی، غرض جو فتنے کو پسند کرے گا اس کے دل سے فتنے اس طرح چمٹ جائیں گے کہ پھر اس سے زائل نہ ہونگے، اور أنكره انكارا: کے معنی ہیں: نہ جاننا، منع کرنا، یعنی جو فتنے سے بے رخی برتے گا وہ محفوظ رہے گا۔

**قوله: نُكت فيه:** ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: نکت: اس اثر کو کہتے ہیں جو زمین پر لکڑی وغیرہ مارنے سے پیدا ہوتا ہے۔

**قوله: أبيض مثل الصفا:** صاف ستھرا اور چکنا پتھر، الحجر الأملس الذي لايعلق به شيئ —— مِرْبَادًّا: (میم کا کسرہ اور دال مشدد) إِرْبَادَّ (بروزن إحمارّ) سے، الرُّبدة سے مشتق ہے: سیاہ اور خاکستری رنگ کے درمیان کا رنگ، جس کو اردو میں بھورا رنگ کہتے ہیں، منصوب علی الذم ہے یا بر بناء حال منصوب ہے (كذا في المرقات) اور مُرْبادًا (بضم المیم) بھی پڑھا گیا ہے —— چکنے پتھر کے ساتھ تشبیہ دے کر اعتقاد کی پختگی بتلانی مقصود ہے کہ اس دل میں کوئی فتنہ اثر انداز نہیں ہوگا، قیامت تک وہ فتنہ سے محفوظ رہے گا، اور دوسرا شخص وہ ہوگا جس کا دل خواہشات و معاصی میں گرفتار ہوگا، اس وجہ سے اس کے دل میں ظلمت و تاریکی پیدا ہوگی، اور اس کا حال یہ ہو جائے گا کہ جس طرح اوندھا برتن مظروف (پانی وغیرہ) سے خالی ہوتا ہے، اسی طرح اس کا دل ایمان سے یا نورِ ایمان سے خالی ہو جائے گا، اور اس میں کوئی بھلائی باقی نہ رہے گی، چنانچہ وہ نہ بھلی بات کو بھلی سمجھے گا اور نہ بری بات کو بری سمجھے گا۔

**قوله: مُجَخِّيًا:** (اول جیم مفتوح پھر خاء مشدد مکسور) باب تفعیل سے اسم فاعل، ابو مالک نے اس کی تفسیر 'اوندھا' کی ہے —— جَخَّى اور تَجَخَّى الكوزُ (فعل لازم) کے معنی ہیں: سرنگوں ہونا، اوندھا ہونا، اور مجرد سے جَخَى (ن) جَخْوًا الكوزَ (فعل متعدی) کے معنی ہیں: سرنگوں کرنا، اوندھا کرنا —— قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: یہ قلب کی صفت ہے، یعنی جس طرح برتن اوندھا کرنے سے خالی ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی چیز ٹھہرتی نہیں، اسی طرح معاصی اور گناہ کے حریص کا دل علوم و معارف سے خالی ہو جائے گا، اور اس میں ایمان یا نورِ ایمان کو استقرار نہ ہوگا۔

**قوله: إن بينك وبينها بابا مغلقا:** کا مطلب ہے: إن بين زمانك وبين زمان الفتنة وجود حياتك: یعنی جب تک آپ کا وجود با مسعود ہے وہ فتنہ رونما نہیں ہوگا۔

**قوله: لا أبالك:** یہ محاورہ ہے، حقیقتاً باپ کی نفی مراد نہیں، اور کلامِ عرب میں کسی چیز پر برانگیختہ کرنے کے لئے یہ محاورہ بولا جاتا ہے، اردو میں محاورہ 'پیر ٹُھنا' ہے۔

**قوله: ذلك الباب رجلٌ:** اس سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یقین سے جانتے تھے، مگر کسی مصلحت سے اس وقت نام ظاہر نہیں کیا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضرت مسروق رحمہ اللہ نے پوچھا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: وہ حضرت عمرؓ ہیں —— اور اس کے ہم معنی اور بھی صحابہ سے روایات مروی ہیں، طبرانی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے

حضرت ابوذرؓ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو دبایا، تو حضرت ابوذرؓ نے کہا: ارسل یدی یا قفل الفتنة! میرا ہاتھ چھوڑ او فتنوں کے لئے تالے! (یہ روایت طبرانی میں ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا: اے فتنہ کے تالے! حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، وہاں سے آپ کا گذر ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ فتنہ کے لئے بند دروازہ ہیں، جب تک حیات رہیں گے تمہارے اور فتنوں کے درمیان مضبوط بند دروازہ حائل رہے گا (یہ روایت مسند بزار میں ہے اور حضرت عثمانؓ کے بھائی قدامہ بن مظعون اس کے راوی ہیں، اور اس قسم کی اور بھی روایات ہیں جو فتح الملہم میں ہیں۔

قولہ: لیس بالأغالیط: یہ أغلوطه کی جمع ہے، اور اس کے معنی ہیں: چیستاں، پہیلی، وہ بات جس کی وجہ سے دھوکہ ہو، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے معنی ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے جو حدیث بیان کی تھی وہ واضح اور محقق تھی، نہ اس میں اسرائیلیات کا کوئی حصہ تھا اور نہ اجتہاد کو کوئی دخل تھا، بلکہ خالص نبی ﷺ کا ارشاد تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو سمجھ رہے تھے، ان کو اس سلسلہ میں قطعاً کوئی تردد نہ تھا۔

قولہ: شدة البیاض فی السّواد: یہ ابو مالک نے أسود مربادا کے معنی بیان کئے ہیں، یعنی وہ سیاہ رنگ جس میں سفیدی غالب ہو، اردو میں اس کو بلق کہتے ہیں، قاضی عیاضؒ نے اپنے ایک استاذ ابوالولید الکنانی کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ یہ تصحیف ہے، اصل شبه الیاض فی السّواد ہے، اردو میں اس کو بھورا رنگ کہتے ہیں۔

وَحَدَّثَنِی ابْنُ أَبِی عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِیُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مَالِكٍ الأَشْجَعِیُّ، عَنْ رِبْعِیٍّ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ حُذَیْفَةُ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ، جَلَسَ یُحَدِّثُنَا. فَقَالَ: " إِنَّ أَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ أَمْسِ لَمَّا جَلَسْتُ إِلَیْهِ سَأَلَ أَصْحَابَهُ: أَیُّكُمْ یَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فِی الْفِتَنِ؟ وَسَاقَ الْحَدِیثَ بِمِثْلِ حَدِیثِ أَبِی خَالِدٍ، وَلَمْ یَذْكُرْ تَفْسِیرَ أَبِی مَالِكٍ لِقَوْلِهِ: " مُرْبَادًّا مُجَخِّیًا"

ترجمہ: ربعی بن حراش کہتے ہیں: جب حضرت حذیفہؓ حضرت عمرؓ کے پاس سے آئے تو بیٹھ کر وہ ہم سے حدیث بیان کرنے لگے، انھوں نے فرمایا: کل جب میں امیر المؤمنین کے پاس بیٹھا تھا تو انھوں نے حاضرین سے پوچھا: تم میں سے کس کو فتنوں کے سلسلہ میں نبی ﷺ کا ارشاد یاد ہے؟ پھر (مروان فزاری نے) ابو خالد کی حدیث کے مانند حدیث بیان کی، البتہ انھوں نے ابو مالک (سعد بن طارق) نے جو مربادا اور مجخیا کی تفسیر کی ہے اس کو ذکر نہیں کیا۔

قولہ: امس: اس سے مراد زمانہ ماضی ہے، گذشتہ کل مراد نہیں، اس لئے کہ حضرت حذیفہؓ نے مدینہ منورہ سے لوٹ کر کوفہ میں یہ حدیث بیان کی تھی۔

وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى، وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، وَعُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِيْ هِنْدٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ: أَنَّ عُمَرَ قَالَ: مَنْ يُحَدِّثُنَا، أَوْ قَالَ: أَيُّكُمْ يُحَدِّثُنَا- وَفِيْهِمْ حُذَيْفَةُ- مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْفِتْنَةِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا. وَسَاقَ الْحَدِيْثَ كَنَحْوِ حَدِيْثِ أَبِيْ مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، وَقَالَ فِي الْحَدِيْثِ: قَالَ حُذَيْفَةُ: حَدَّثْتُهُ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ. وَقَالَ: يَعْنِيْ أَنَّهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: یہ حدیث ربعی بن حراش سے نعیم بن ابی ہند نے روایت کی ہے اور ابو مالک سعد بن طارق کی روایت کے لگ بھگ ہے ـــــ قوله: حدثته حديثا: ابو مالک کی روایت میں صرف حدیثا تھا، یعنی عامل مذکور نہیں تھا، اور یہاں عامل (فعل) بھی مذکور ہے ـــــ قوله: وقال: يعني: یعنی نبی ﷺ کی حدیث بیان کی تھی، اس میں اسرائیلیات یا اجتہاد کا قطعاً دخل نہیں تھا۔

## بَابُ بَيَانِ أَنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا، وَأَنَّهُ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ

### اسلام کا آغاز کسمپرسی کی حالت میں شروع ہوا ہے، پھر آخر زمانہ میں اس کی وہی حالت ہوجائے گی اور وہ دو مسجدوں کے درمیان سمٹ جائے گا

آخر زمانہ میں کفر والحاد کا ایسا غلبہ ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے حجاز کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں رہنا دشوار ہوجائے گا، اور دنیا کے تمام مسلمان سمٹ کر حجاز میں یعنی مکہ ومدینہ میں آرہیں گے، وہی جگہ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ ہوگی، جیسے سانپ بل سے روزی تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے، پھر لوٹ کر وہیں آجاتا ہے، اور پہاڑی بکرا چرنے چگنے کے لئے پہاڑ سے نیچے اترتا ہے پھر چوٹی پر چڑھ جاتا ہے (۱)۔ اسی طرح ایمان حجاز سے نکل کر چار دانگ عالم میں پھیلے گا، مگر ایک وقت آئے گا کہ ایمان ساری دنیا سے سمٹ کر مدینہ میں آجائے گا، اور ایسا اس زمانہ میں ہوگا جب ساری دنیا میں مسلمان کسمپرسی کی حالت میں ہوجائیں گے، اس وقت جو مسلمان دین کو مضبوط تھامے رہیں گے ان کے لئے آخرت میں ہر نعمت اور خوش حالی ہے۔

[٦٥-بَابُ بَيَانِ أَنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا، وَأَنَّهُ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ]

[٢٣٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، جَمِيْعًا عَنْ مَرْوَانَ الْفَزَارِيِّ، قَالَ ابْنُ عَبَّادٍ:

(۱) یہ مثال ترمذی (حدیث نمبر ۲۶۳۱) میں آئی ہے۔

حَدَّثَنَا مَرْوَانُ، عَنْ يَزِيْدَ- يَعْنِي ابْنَ كَيْسَانَ- عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا، فَطُوْبَى لِلْغُرَبَاءِ"

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَالْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ قَالَ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ- وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ- عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ الإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ، وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا"

[۲۳۳-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ الإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "اسلام کا آغاز کسمپرسی کی حالت میں ہوا ہے، اور عنقریب اس کا وہی حال ہو جائے گا جو ابتداء میں تھا، پس بے چاروں کے لئے خوش حالی ہے" —— اور آخری حدیث میں ہے: "بیشک ایمان البتہ پناہ لے گا مدینہ میں جس طرح سانپ اپنے بل میں پناہ لیتا ہے"

تشریح: تاریخ میں مکی دور کے مسلمانوں کے احوال پڑھیں ان کی کسمپرسی کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجائے گا، دورِ آخر میں پھر مسلمانوں کا یہی حال ہو جائے گا، دینداروں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، زمانہ میں وہ نکو بن کر رہ جائیں گے، نبی ﷺ نے ان کو دعا دی اور خوشخبری سنائی ہے کہ ان کے لئے جنت کی ہر خوشگوار نعمت ہے —— طُوْبَى: اسم تفضیل مؤنث ہے، اس کے معنی ہیں: ہر خیر و بھلائی، خوش حالی اور سعادت، یہ لفظ سورۃ الرعد آیت ۲۹ میں آیا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾: جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے —— غَرُبَ عن وطنِه (ک) غَرَابَةً وَغُرْبَةً: بے وطن ہونا، پردیسی ہونا، فهو غريبٌ، جمع غُرَبَاء، وهي غريبةٌ جمع غرائب۔ اور پردیسی غریب اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا، غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسے مشکل حالات میں بھی اسلام کا دامن تھامے رہیں گے، ترمذی شریف (حدیث نمبر ۲۶۳۱) میں ہے: اللذين يُصْلِحُوْنَ ما أَفْسَدَ الناسُ من بعدي مِن سُنَّتِي: بے چارے مسلمان وہ ہیں جو میری اس سنت کو سنواریں گے جس کو لوگوں نے میرے بعد بگاڑ دیا ہے، اور مشہور حدیث ہے: لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق: یہ طائفہ منصورہ وہ ہے جو دین کی نشر و اشاعت میں ہر دم مصروف رہتا ہے۔

قوله: إن الدين ليأرز إلى المدينة: أَرَزَ أَرْزًا وَأُرُوْزًا (ن، ض، ف) کے معنی ہیں: پناہ لینا، سکڑنا، سمٹنا —— ایک روایت میں إلى الحجاز ہے اور ایک روایت میں بين المسجدين اور ایک روایت میں إلى المدينة ہے، سب

سے مراد مکہ اور مدینہ ہیں، ان دونوں جگہوں میں دجال بھی داخل نہ ہوسکے گا، دجال پوری زمین کو اور ہر بستی کو روندڈالے گا، سوائے مکہ اور مدینہ کے، ان دوشہروں میں فرشتے دجال کو داخل نہیں ہونے دیں گے —— الجُحُر: (بتقدیم الجیم) بل، سوراخ۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: سانپ روزی کی تلاش میں دور تک نکل جاتا ہے، مگر جب کسی آفت کی آہٹ پاتا ہے تو تیزی سے اپنے بل کی طرف بھاگتا ہے اور اس میں پوری طرح سما جاتا ہے کہ دشمن کو نظر نہیں آتا، اسی طرح مؤمنین صادقین اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے ان مقدس مقامات میں جاگزیں ہوجائیں گے (مرقات ۱:۲۲۴)

## بَابُ ذَهَابِ الإِيْمَانِ آخِرَ الزَّمَانِ

## آخر زمانہ میں ایمان کا مٹنا

زمانہ جوں جوں قیامت سے قریب ہوتا جائے گا صورتِ حال بگڑتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ مؤمنین صادقین کو اپنا ایمان بچانے کے لئے مکہ اور مدینہ میں پناہ لینی پڑے گی اور اس پر بات رکے گی نہیں، بلکہ صورتِ حال بگڑتی بگڑتی یہاں تک پہنچ جائے گی کہ روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا، جب کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا تو قیامت برپا ہوجائے گی۔

فائدہ: مشہور حدیث ہے: لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق إلى يوم القيامة: اس میں إلى يوم القيامة سے یہ وقت مراد ہے جب کوئی اللہ کا نام لینے والا زمین پر باقی نہ بچے گا، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ قربِ قیامت میں یمن کی طرف سے ایک نرم و لطیف ہوا چلے گی، جس کے اثر سے تمام مؤمنین وفات پاجائیں گے، پس کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ بچے گا، صرف بدترین کافر رہ جائیں گے، جو گدھوں کی طرح لوگوں کے سامنے جماع کریں گے، ان پر قیامت برپا ہوگی۔

[٦٦- بَابُ ذَهَابِ الإِيْمَانِ آخِرَ الزَّمَانِ]

[٢٣٤-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لاَيُقَالَ فِي الأَرْضِ: اللّٰهُ، اللّٰهُ"

حدثنا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لاَتَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُوْلُ: اللّٰهُ، اللّٰهُ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں برپا ہوگی قیامت یہاں تک کہ نہ کہا جائے زمین میں اللہ اللہ" —— یہ حدیث ثابت بنانی سے معمر نے بھی روایت کی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: "قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر جو اللہ اللہ کہتا ہے!"

تعارف: اس حدیث کے راوی ابومحمد ثابت بن اسلم بنانی بصری ہیں، جو جلیل القدر تابعی ہیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، چالیس سال تک مسلسل ان سے استفادہ کرتے رہے، اور دیگر صحابہ سے بھی استفادہ کیا، ۱۲۳ ہجری میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

تشریح: قیامت اس وقت آئے گی جب دنیا اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں سے خالی ہوجائے گی، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہوجائے گا، علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عالم کا وجود علماء، صالحین، متقین اور ذکر اللہ کرنے والوں کی برکت سے ہے، جب یہ دنیا ان نفوسِ قدسیہ کے وجود باسعود سے خالی ہوجائے گی اس وقت یہ پورا عالم فنا کردیا جائے گا، گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اس کے باقی رہنے کے لئے وجہ جواز ہے، جس دن یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہوجائے گی اس دن یہ دنیا اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کر برابر کردی جائے گی۔

فائدہ: علماء نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اس کے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے، بعض حضرات جیسے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کا انکار کرتے ہیں، انھوں نے اپنے فتاوی میں اس طرح کے ذکر کے ابطال پر مفصل کلام کیا ہے، مگر اس حدیث سے ان کی بات کی تردید ہوتی ہے، ممکن ہے اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ان کی نظر اس حدیث کی طرف نہ گئی ہو (فتح الملہم)

## بَابُ جَوَازِ الاِسْتِسْرَارِ بِالإِيْمَانِ لِلْخَائِفِ

## خوف زدہ ایمان چھپا سکتا ہے

قربِ قیامت میں حالات بدتر ہوجائیں گے، مسلمانوں کو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا کہ جان ومال کی سلامتی اور اہل وعیال کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے دین وایمان چھپانا پڑے، پس اس کی اجازت ہے، باب کی حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ـــ اِسْتَسَرَّ اِسْتِسْرَارًا: عنہ: چھپانا ـــ الشیئَ: چھپانے میں مبالغہ کرنا۔

[٦٧-بَابُ جَوَازِ الاِسْتِسْرَارِ بِالإِيْمَانِ لِلْخَائِفِ]

[٢٣٥-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ- وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ كُرَيْبٍ- قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: "أَحْصُوْا لِيْ كَمْ يَلْفِظُ الإِسْلاَمَ" قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَتَخَافُ عَلَيْنَا

وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِئَةٍ إِلَى السَّبْعِ مِئَةٍ؟ قَالَ: " إِنَّكُمْ لاَ تَدْرُوْنَ، لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلُوْا" قَالَ: فَابْتُلِيْنَا، حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لاَ يُصَلِّيْ إِلاَّ سِرًّا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپؐ نے فرمایا: شمار کر کے بتاؤ کلمہ گو (مسلمان) کتنے ہیں؟ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ کو ہم پر خوف ہے جبکہ ہم چھ سو سات سو کے درمیان ہیں؟ آپ نے فرمایا: "تمہیں معلوم نہیں شاید تم آزمائش میں ڈالے جاؤ" حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: پس ہم آزمائش میں ڈالے گئے یہاں تک کہ ہم میں سے ایک شخص چھپ کر نماز پڑھتا ہے۔

تشریح:

۱- بخاری شریف میں (حدیث نمبر ۳۰۶۰) آکتبوا لی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ باب رکھا ہے: باب كتابة الإمام الناس، امام کا لوگوں کی لسٹ بنوانا، یعنی جہاد کی ضرورت سے یا کسی اور مصلحت سے لوگوں کی لسٹ بنوانا جائز ہے، ملک کی مردم شماری بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ جنگِ احد کے وقت، یا خندق کی کھدائی کے وقت یا حدیبیہ کے سال نبی ﷺ نے فرمایا: میرے لئے ہر کلمہ گو کا نام لکھو، ہم نے چھ سو سے سات سو آدمی لکھے —— ایک روایت میں پانچ سو اور ایک روایت میں پندرہ سو ہیں —— حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: ایک وقت وہ تھا جب ہم ہزار، پندرہ سو تھے، اور مطمئن تھے کہ اب ڈرنے کی کیا بات ہے؟ پھر مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی، اب یہ حال ہو گیا ہے کہ چھپ کر تنہا نماز پڑھنے سے بھی آدمی ڈرتا ہے کہ امیر کو خبر ہو جائے گی تو گردن نپے گی، اور امیر خود ناوقت نماز پڑھاتا ہے۔

۲- یہ حدیث اعمشؒ کی ہے ان کے تین شاگردوں میں اختلاف ہے، سفیان ثوریؒ کی روایت میں پندرہ سو کا عدد ہے اور ابو حمزہ کی روایت میں پانچ سو کا اور ابو معاویہ کی روایت میں چھ سو اور سات سو کے درمیان کا —— اور یحییٰ بن سعید اموی اور ابو بکر بن عیاض نے ابو حمزہ کی متابعت کی ہے۔

غرض: مدارِ حدیث اعمش ہیں، اور ان کے شاگردوں میں اختلاف ہے، پس جمع کرنا مشکل ہے، اس لئے شیخین رحمہما اللہ نے کسی ایک طریق کو ترجیح دی ہے اور اس کی صحیحین میں تخریج کی ہے، اعمش رحمہ اللہ کے تلامذہ میں ابو معاویہ احفظ سمجھے گئے ہیں اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کی تخریج کی ہے، اور سفیان ثوری رحمہ اللہ فی نفسہ احفظ ہیں اور ان کی روایت میں بڑا عدد مذکور ہے، اور چھوٹے سب عدد بڑے عدد میں خود بخود آجاتے ہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور اس کی تخریج کی ہے۔

بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ مختلف موقعوں پر مردم شماری کرائی گئی ہے اس لئے عدد میں فرق پڑا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مرد و عورت، بچے اور غلاموں کو ملا کر تعداد پندرہ سو تھی، اور صرف مرد چھ سو سے سات سو اور جنگی سپاہی

پانچ سو تھے، مگر یہ سب تکلفات ہیں اس لئے کہ جب مدارِ حدیث ایک ہے تو یہ تاویلات بعید ہیں، اس لئے شیخین رحمہما اللہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک طریق کو ترجیح دے کر اس کی تخریج کی ہے۔ صاحب افادات حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا ذوق ایسے لاحاصل جھگڑوں میں پڑنے کا نہیں، وہ ایسے تمام موقعوں پر واقعہ کے متعلقات کا اختلاف قرار دے کر صرف نظر فرماتے ہیں۔

۳-قوله: ما بين الست مأة إلى السبع مأة: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الست اور السبع (مضاف) پر الف لام نحوی قاعدہ کے اعتبار سے صحیح نہیں، پس یا تو یہ توجیہ کریں گے کہ دونوں جگہ مأة بر بنائے تمیز منصوب ہے، یا مأة مجرور ہو اور الف لام زائد ہو، مگر مسلم شریف کے علاوہ دیگر کتابوں میں ست مأة (الف لام کے بغیر) ہے اور اس پر نحوی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں (شرح نووی)

۴-حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا کس فتنہ کی طرف اشارہ ہے؟ ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخیر میں جو فتنہ پیش آیا جس میں آپؓ شہید کر دیئے گئے: اس کی طرف اشارہ ہو، اگر چہ اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں نہیں تھے، مگر ضمیر جمع (ہم) سے مسلمان مراد ہوں، اور حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ولید بن عقبہ تاخیر کر کے نماز پڑھاتا تھا، پس بعض محتاط قسم کے لوگ چھپ کر اپنی نماز پڑھ کر فتنہ کے خوف سے اس کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتے ہوں، اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے، اور حضرت حذیفہؓ کی وفات کے بعد حجاج وغیرہ کے زمانہ میں تو اس سے بھی زیادہ برا حال ہو گیا تھا —— حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کثرت تعداد کی طرف جب بھی نظر گئی، ابتلاء پیش آیا، اللہ عزوجل نے بھی سورۃ التوبہ (آیت ۲۵) میں یہی ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴾: اور حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرت پر غرہ ہوا تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور تم پر زمین تنگ ہو گئی اپنی وسعت کے باوجود، اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ غرض عجب وخود پسندی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں (فتح الباری ۶: ۱۷۸)

## بَابُ تَأَلُّفِ قَلْبِ مَنْ يُخَافُ عَلٰى إِيْمَانِهِ لِضُعْفِهِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الْقَطْعِ بِالْإِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ دَلِيْلٍ قَاطِعٍ

### (۱) ضعف کی وجہ سے جس کے ایمان کا ڈر ہے اس کی تالیفِ قلب کرنا

### (۲) اور پختہ دلیل کے بغیر کسی کے ایمان کا فیصلہ نہ کرنا

اشاعتِ اسلام کے لئے جبر واکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی گئی، البتہ تالیف قلب اور دلجوئی سے کام ضرور لیا گیا

ہے، چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں ضعیف الایمان مسلمانوں کی مالی تعاون کرکے دلجوئی کی جاتی تھی، تاکہ ایمان ویقین کا پودا ان کے دلوں میں جڑ پکڑے اور وہ راسخ العقیدہ مسلمان بنیں، اس لئے کہ پست ہمتیں: حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا بہت جلد اثر قبول کرتی ہیں، اور وہ لوگ جن کے قلوب ایمانی لذت وحلاوت اور شیرینی سے آشنا ہو چکے ہیں ان کو اس قسم کی دلجوئی کی مطلق ضرورت نہیں تھی، ان کو ان کے دین وایمان کے حوالہ کیا جاتا تھا، کیونکہ بڑی سے بڑی آزمائش اور کٹھن سے کٹھن مراحل ان کے پایۂ استقلال میں ذرا جنبش نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ حدیث باب میں اسی قسم کا ایک واقعہ ہے۔ جب نبی ﷺ نے جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا تو آپؐ نے نومسلموں کو جن کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا تالیف قلب کے لئے مال عطا فرمایا اور بعض کامل ایمان مسلمانوں کو چھوڑ دیا۔ ان میں حضرت جُعَیل بن سُراقہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب نبی ﷺ نے ان کو کچھ نہیں دیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وقفہ وقفہ سے دو تین بار عرض کیا: یارسول اللہ! آپ جعیلؓ کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں! نبی ﷺ نے ہر بار جواب دیا: ''یا مسلمان ہیں'' اور آخر میں اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جو پکا مسلمان ہوتا ہے اور جس کے دل میں اسلام راسخ ہوتا ہے، جس کے دین واسلام کے سلسلہ میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا، اس کو میں نہیں دیتا، اس کو اس کے ایمان کے حوالے کرتا ہوں، اور جو نیا مسلمان ہوتا ہے اور ابھی اس کے دل میں اسلام کا پودا جما نہیں ہوتا ہے اس کو دیتا ہوں تاکہ وہ ایمان میں جم جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ الٹے پاؤں لوٹ جائے اور اپنی عاقبت خراب کرلے۔

حضرت جُعَیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کامل الایمان تھے ان کی تالیفِ قلب کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے آنحضور ﷺ نے ان کو مال عنایت نہیں فرمایا، بلکہ ان کو ان کے ایمان کے حوالہ فرمایا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ سمجھایا کہ امورِ غیبیہ میں قطعی حکم نہیں لگانا چاہئے، کفر وایمان غیبی امور ہیں، پس کسی کو قطعی طور پر کافر یا مسلمان نہیں کہنا چاہئے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس کی ظاہری حالت بتاتی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

حدیث میں أو مسلما ہے، أو حرف عطف (حرف تردید) ہے یعنی دو باتوں میں تردید کریں کہ مؤمن ہے یا مسلمان، قطعیت کے ساتھ مؤمن نہ کہیں۔

فائدہ(۱): سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک مصرف مؤلفۃ القلوب بھی ہے، مُؤَلَّفَۃ: اسم مفعول ہے، اور قلوبھم: اس کا نائب فاعل ہے، یعنی وہ لوگ جن کے دل جوڑے گئے، یہ مجاز ہے، یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کو ملّی مفاد کے لئے مسلمانوں کے ساتھ جوڑنا مقصود ہے، اس مقصد کی تحصیل کے لئے زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ موقوف کردیا تھا، اور فرمایا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت اور غلبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے اب کفار کی دلجوئی کی ضرورت نہیں، اب وہ خود اسلام کے

محتاج ہیں۔

اور یہ مصرف منسوخ نہیں ہوا، بلکہ وہ معلول بعلت ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے بعد نسخ نہیں ہوسکتا، اور علت چونکہ ضعفِ اسلام تھی، اس لئے جب یہ علت ختم ہوگئی تو مصرف بھی ختم ہوگیا، لیکن اگر قیامت سے پہلے کبھی علت لوٹ آئے جیسا کہ ابھی تین ابواب پہلے حدیث گذری ہے کہ: اسلام کسمپرسی کی حالت میں شروع ہوا ہے اور آئندہ اس کا وہی حال ہوجائے گا جو شروع میں تھا، پس اگر اسلام دورِ اول کی طرح کفار کی دلجوئی کا محتاج ہوجائے تو مؤلفۃ القلوب کا حصہ دوبارہ شروع ہوجائے گا، یہی راجح قول ہے، تفصیل کتاب الزکات میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

فائدہ (۲): نبی ﷺ نے اپنی حیات میں زکوٰۃ کی مد سے مؤلفۃ القلوب کو دیا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں، بلکہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان تمام لوگوں کو شمار کیا ہے جن کو نبی ﷺ نے زکوٰۃ کی مد سے دیا ہے، پھر فرمایا: یہ سب مسلمان تھے، یعنی نبی ﷺ نے کسی غیر مسلم کو تالیف قلب کی غرض سے زکوٰۃ کی مد میں سے نہیں دیا، البتہ مالِ غنیمت کے خمس میں سے دیا ہے، جیسے حنین کی غنیمت میں سے صفوان بن امیہ کو دیا، وہ مکہ کے سرداروں میں سے تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کو وقفہ وقفہ سے تین سو اونٹ دیئے، دیگر سرداروں کو بھی دیا، جو نئے مسلمان ہوئے تھے، ان کو اسلام پر جمانے کے لئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے مال کی بڑی مقدار دی، اور بیت المال میں سے مسلمین وغیر مسلمین سب پر خرچ کرنا بالاتفاق جائز ہے —— کتاب الزکاۃ کے آخر میں ایک طویل حدیث ہے، اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو نبی ﷺ نے تالیف قلب کے لئے مال دیا تھا، احکام وہاں آئیں گے۔

## [۶۸- بَابُ تَأَلُّفِ قَلْبِ مَنْ يُخَافُ عَلٰى إِيْمَانِهِ لِضُعْفِهِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الْقَطْعِ بِالإِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ دَلِيْلٍ قَاطِعٍ]

[۲۳۶-] حدثنا ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَسْمًا. فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَعْطِ فُلَانًا فَإِنَّهُ مُؤْمِنٌ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَوْ مُسْلِمٌ" أَقُوْلُهَا ثَلَاثًا، وَيُرَدِّدُهَا عَلَيَّ ثَلَاثًا: " أَوْ مُسْلِمٌ" ثُمَّ قَالَ: "إِنِّيْ لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، مَخَافَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ"

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ —— جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں —— کہتے ہیں: نبی ﷺ نے کچھ مال تقسیم فرمایا، پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فلاں شخص کو (بھی) دیجئے، بیشک وہ مؤمن ہے، حضرت سعدؓ کہتے ہیں: پس نبی ﷺ نے فرمایا: "یا مسلمان ہے" میں نے یہ بات تین مرتبہ کہی، اور نبی ﷺ نے تینوں مرتبہ یہی

جواب دیا: "یا مسلمان ہے" پھر فرمایا: "بیشک میں ایک شخص کو دیتا ہوں درانحالیکہ اس کا غیر مجھے اس سے زیادہ پسند ہوتا ہے، اس ڈر سے کہ (کہیں) اسے اللہ تعالیٰ منہ کے بل جہنم میں جھوک نہ دیں"

نقد: یہ حدیث مسلم شریف کی ان حدیثوں میں سے ہے جن پر نقد کیا گیا ہے، اس حدیث میں امام مسلم کو یا ان کے استاذ ابن ابی عمر کو وہم ہوا ہے، اور وہ وہم یہ ہے کہ سفیانؒ اور ابن شہاب زہریؒ کے درمیان واسطہ نہیں، یعنی اس کو سفیان بن عیینہؒ نے براہِ راست ابن شہابؒ سے روایت کیا ہے، اور یہ وہم ہے، اس لئے کہ سفیانؒ کے اکثر تلامذہ نے معمر کا واسطہ ذکر کیا ہے، یعنی ابن عیینہ نے بواسطہ معمر ابن شہابؒ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وقع في إسناده وهم من مسلم أو من شيخه، لأن معظم الروايات في الجوامع والمسانيد عن ابن عيينة عن معمر عن الزهري: بزيادة معمر بينهما، وكذا حدث به إبن أبي عمر شيخ مسلم في مسنده عن ابن عيينة، وكذا أخرجه أبو نعيم في مستخرجه من طريقه،** شیخ محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ ابن عیینہ نے ابن شہاب سے براہ براست بھی سنا ہو اور معمر کے واسطہ سے بھی سنا ہو، اور کبھی واسطہ ذکر کیا ہو اور کبھی حذف کیا ہو، مگر حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جواب میں تکلف ہے، اس لئے کہ بیشتر روایات میں یہ واسطہ مذکور ہے، اور خود ابن ابی عمر (شیخ مسلم) کی سند میں بھی یہ واسطہ موجود ہے، **فيه بُعد، لأن الروايات قد تضافرت عن ابن عيينة باثبات معمر، والموجود في مسند شيخ مسلم بلا إسقاط كما قدمناه، ولم يوجد بإسقاطه إلا عند مسلم** (فتح الباری ۱:۸۱) مگر اس وہم سے متن حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے کہ یہ حدیث دیگر صحیح طرق سے مروی ہے۔

ملحوظہ: آئندہ حدیث میں بھی یہی واقعہ ہے، جو ذرا مفصل ہے، دونوں حدیثوں کی شرح ایک ساتھ آئے گی۔

**[۲۳۷-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيْهِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَى رَهْطًا. وَسَعْدٌ جَالِسٌ فِيهِمْ، قَالَ سَعْدٌ: فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُعْطِهِ، وَهُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَ اللّٰهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَوْ مُسْلِمًا" قَالَ: فَسَكَتُّ قَلِيْلاً. ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَعْلَمُ مِنْهُ. فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ، فَوَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَأُرَاهُ مُؤْمِنًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَوْ مُسْلِمًا" قَالَ: فَسَكَتُّ قَلِيْلاً، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ. فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ، فَوَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَأُرَاهُ مُؤْمِنًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَوْ مُسْلِمًا، إِنِّيْ لَأُعْطِيْ الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ"**

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک جماعت کو بلا کر مال دیا، اس وقت حضرت سعدؓ لوگوں کے ساتھ وہاں موجود تھے، حضرت سعدؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ان میں سے ایک شخص کو — جس کا نام جُعیل بن سراقہ تھا — چھوڑ دیا، انہیں کچھ نہیں دیا، حالانکہ ان کی دینی حالت میرے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ اچھی تھی (جن کو آپؐ نے دیا تھا) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ فلاں کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہیں! پس نبی ﷺ نے فرمایا: "یا مسلمان ہیں" حضرت سعدؓ کہتے ہیں: میں تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر جُعیلؓ کے بارے میں میرا علم مجھ پر غالب آیا، چنانچہ میں نے وہی بات پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ فلاں کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان یہ ہے کہ وہ مؤمن ہے! آپؐ نے پھر جواب دیا: "یا مسلمان ہیں" پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر جُعیلؓ کے بارے میں میرا علم مجھ پر غالب آیا۔ چنانچہ میں نے وہی بات پھر عرض کی، اور آپؐ نے بھی وہی جواب دیا، پھر وجہ بیان فرمائی: "میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ دوسرا شخص مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ پسند ہوتا ہے، اس اندیشہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈال دیں" — یعنی جو پکا مسلمان ہے جس کے ایمان کے سلسلہ میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اس کو اس کے دین وایمان کے حوالہ کرتا ہوں اور جو نیا مسلمان ہوا ہے اس کو دیتا ہوں تاکہ وہ ایمان میں پختہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ الٹے پاؤں پھر جائے اور اپنی عاقبت خراب کرلے۔ حضرت جُعیلؓ کامل الایمان تھے، ان کی تالیف قلب کی ضرورت نہیں تھی اس لئے آپؐ نے ان کو مال عنایت نہیں فرمایا بلکہ ان کو ان کے ایمان کے حوالہ فرمایا۔

لغات: رَهط: قوم، قبیلہ، تین سے دس تک کی جماعت جس میں کوئی عورت نہ ہو...... یَکُبّ: یہ البیلا (انوکھا) فعل ہے، مزید میں لازم اور مجرد میں متعدی ہوتا ہے، جبکہ عام طور پر افعال مزید میں متعدی اور مجرد میں لازم ہوتے ہیں، مگر اس فعل کا معاملہ برعکس ہے، اور اسی سے قرآنِ مجید میں ﴿ کُبْکِبُوْا ﴾ اور ﴿ مُکِبًّا ﴾ آئے ہیں، جب یہ فعل لازم ہو تو بابِ افعال سے أکب استعمال کرتے ہیں، اور جب متعدی ہو تو مجرد سے کَبَّ (نصر) استعمال کرتے ہیں۔

تشریح:

۱- حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جس شخص کو دینے کے لئے عرض کیا تھا ان کا نام جُعیل بن سراقہ الضمری تھا، واقدی نے ان کو مہاجرین میں شمار کیا ہے، اور نبی ﷺ کا عذر بیان فرمانا حضرت سعدؓ کی بات قبول فرمانے کی دلیل ہے۔

۲- اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ ایمان اور اسلام دو الگ الگ حقیقتیں ہیں، اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان دل کے اعتقاد کا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی دو مختلف سوال کئے تھے، اور آپؐ نے ما الإیمان؟ کے جواب میں چھ عقیدے بتلائے تھے اور ما الإسلام؟ کے جواب میں پانچ اعمال، یہ بھی دلیل ہے کہ دونوں کی حقیقتیں جدا جدا ہیں۔

### ایمان کے چار معانی:

جاننا چاہئے کہ ایمان کے چار معانی ہیں، یعنی لفظ ایمان شریعت میں چار معنی میں مستعمل ہے: اول: جس پر دنیوی احکام جاری ہوتے ہیں، یعنی جس سے ظاہری انقیاد واطاعت کا پتہ چلتا ہے اور جان ومال کا تحفظ ہوتا ہے۔ دوم: جس پر اخروی احکام کا دارومدار ہے، وہ حقیقی اور کامل ایمان ہے۔ سوم: ان امور کی تصدیق کرنا جن کی تصدیق لازمی اور ضروری ہے۔ چہارم: قلبی سکون اور وجدانی کیفیت، جو مقربین کو حاصل ہوتی ہے —— ایمان کے پہلے معنی کے لئے زیادہ واضح لفظ اسلام ہے، چنانچہ سورۃ الحجرات میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾: گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرمادیجئے تم ایمان نہیں لائے، البتہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہوگئے، اور ابھی ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت سے ایمان واسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہری اطاعت وانقیاد کا نام اسلام ہے اور دل کے پختہ یقین کا نام ایمان ہے، اعراب (گنواروں) کے دل میں ایمان واعتقاد پوری طرح پیوست نہیں ہوا تھا، انھوں نے صرف اطاعت قبول کی تھی اس لئے کہا گیا کہ ابھی ایمان کی منزل دور ہے، ابھی تو تم سرحد اطاعت پر ہو اور بس۔

اسی طرح اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کسی کو یقین کے ساتھ مؤمن نہ کہو، ایمان تو دل کے عقیدہ کا نام ہے، اس کا پتہ دوسرے کو نہیں چل سکتا، ہاں تردید کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مؤمن ہے یا مسلمان، اس سے بھی ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

اور ایمان کے چوتھے معنی پر یعنی سکون خاطر اور وجدان قلبی پر ایمان کے بجائے لفظ 'احسان' کا اطلاق زیادہ واضح اور موزوں ہے اور دوسرے معنی کو 'ایمان کامل' کہنا چاہئے، اور تیسرے معنی پر محض ایمان کا اطلاق ہونا چاہئے۔

ملحوظہ: نصوص میں ایمان واسلام کا استعمال بطور ترادف بھی ہوا ہے، بطور مغایرت بھی اور بطور تداخل بھی، تفصیل حدیث جبرئیل کی شرح میں گذر چکی ہے۔

۴- اس حدیث سے کرامیہ وغیرہ کی تردید ہوتی ہے، ان کے نزدیک ایمان کے لئے محض زبانی اقرار کافی ہے، ان کی یہ بات بداہۃً غلط ہے۔ آیات واحادیث اور اجماع کے خلاف ہے، منافقین توحید ورسالت کا زبانی اقرار کرتے تھے اس کے باوجود ان کے کفر پر اجماع ہے، اور اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے کسی کو قطعی طور پر مؤمن کہنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ایمان دل کے عقیدہ کا نام ہے جس کا پتہ چلنا مشکل ہے۔

قوله: إني لأراه مؤمنا: أُرَى: فعل معروف ہو تو یقین کے معنی میں ہوگا اور فعل مجہول ہو تو ظن کے معنی میں۔ علامہ نوویؒ نے معروف کو ترجیح دی ہے اور قرینہ اگلا جملہ: ثم غلبني ما أعلم منه ہے، علم کے معنی یقین کے ہیں، مگر حافظ رحمہ

اللہ فرماتے ہیں کہ علم کا اطلاق ظن غالب پر بھی ہوتا ہے، سورۃ الممتحنہ (آیت ۱۰) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ﴾: یعنی اگر تمہارا گمان ہو کہ وہ مؤمن عورتیں ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ، یہاں علم بمعنی ظن استعمال ہوا ہے، غرض مجہول بھی پڑھ سکتے ہیں، بلکہ بخاری شریف میں مجہول ہی ہے (بخاری حدیث ۲۷) ـــــ اور فعل مجہول کے پیش نظر بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ امر مظنون پر قسم کھائی جاسکتی ہے، حضرت سعدؓ نے قسم کھائی ہے، مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس استدلال کو بھی رد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے امر مظنون پر قسم نہیں کھائی بلکہ وجدان ظن پر قسم کھائی ہے، جو یقینی ہے، پس یہ یمینِ لغو ہے جس میں گذشتہ بات پر اپنے گمان ویقین کے مطابق قسم کھائی جاتی ہے جبکہ بات اس کے برخلاف ہوتی ہے (فتح الملہم)

**قوله: أو مسلما:** او: تردید کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی بل بھی، اگر برائے تردید ہے تو مطلب ہوگا: دو باتوں میں تردید کرو کہ مؤمن ہے یا مسلم، قطعیت کے ساتھ مؤمن یا مسلم نہ کہو، اور بمعنی بل ہے تو مطلب ہوگا: مؤمن نہ کہو، اس لئے کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اس کی تمہیں کیا خبر، ظاہر کی رعایت کرکے صرف مسلم کہو، ایک روایت میں او کی جگہ بل ہے۔

**قوله: وغيره أحب إلىّ منه:** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: جُعیلؓ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے عرض کیا: ایک عام مہاجر ہے، آپؐ نے ایک دوسرے شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: وہ سردار ہے، لوگوں میں اس کا بڑا مقام ہے، آپؐ نے فرمایا: جُعیل اس جیسے زمین بھر سے بہتر ہیں، حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے تو اس (غیر) پر بہت داد و دہش کی اور اب آپؐ یہ فرمارہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں تالیف قلب کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ یہ حدیث مسند محمد بن ہارون الرویانی میں صحیح سند سے مروی ہے، اس سے حضرت جُعیلؓ کا آنحضور ﷺ کے نزدیک مقام سمجھا سکتا ہے (فتح الملہم)

سوال: جب آنحضور ﷺ نے منع کردیا کہ مؤمن مت کہو، مسلم کہو، پھر حضرت سعدؓ نے تعمیل حکم کیوں نہیں کی؟ اور بار بار مؤمن کیوں کہا؟

جواب: بالقصد خلاف ورزی نہیں کی بلکہ جس کی سفارش کررہے تھے اس کا معاملہ ان کے ذہن پر اس قدر مسلط ہوگیا تھا کہ آپؐ کی تنبیہ کی طرف توجہ نہیں گئی۔ واللہ اعلم

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں: (۱) حاکم مصلحتاً مفضول کو ترجیح دے سکتا ہے (۲) اور امام کو اہم جگہوں پر مال خرچ کرنا چاہئے (۳) اور سفارش کرنی چاہئے (۴) اور ہر مشورہ قبول کرنا ضروری نہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ الْحُلْوَانِيُّ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ- وَهُوَ: ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ سَعْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَهْطًا وَأَنَا جَالِسٌ فِيهِمْ، بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، وَزَادَ فَقُمْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَسَارَرْتُهُ. فَقُلْتُ: مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ.

وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ هٰذَا، فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهِ: فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ بَيْنَ عُنُقِيْ وَكَتِفِيْ، ثُمَّ قَالَ: "أَقِتَالاً؟ أَيْ سَعْدُ! إِنِّيْ لَأُعْطِي الرَّجُلَ"

وضاحت: اس حدیث کو صالح بن کیسان نے امام زہری رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا ہے اور اسماعیل بن محمدؒ سے بھی، اور اسماعیل کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت سعدؓ نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو نبی ﷺ نے ان کی گردن اور مونڈھے کے درمیان مکا مارا اور فرمایا: "کیا لڑوگے!" یعنی آپؐ نے ان کے بار بار عرض کرنے کو نا پسند کیا، اور یہ مکا مارنے والی بات صرف اسماعیل کی روایت میں ہے۔ امام زہریؒ کی روایت میں یہ مضمون نہیں ـــــ قتالاً: مفعول مطلق ہے، تقدیر ہے: أتقاتل قتالاً: شدید اصرار کو قتال سے تعبیر فرمایا ہے۔

تعارف: صالح بن کیسان: امام زہریؒ سے عمر میں بڑے ہیں، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا ہے، مگر انھوں نے یہ حدیث امام زہریؒ سے روایت کی ہے، پس یہ روایت الاکابر عن الاصاغر ہے۔

## بَابُ زِيَادَةِ طَمَأْنِيْنَةِ الْقَلْبِ بِتَظَاهُرِ الْأَدِلَّةِ

### دلائل جمع ہونے سے دل کا سکون بڑھتا ہے

اگر کوئی دینِ اسلام یا کسی شرعی مسئلہ کو علی وجہ البصیرت جاننے کے لئے دلیل کا مطالبہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس سے دل مطمئن ہوتا ہے اور اعتماد حاصل ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے علم الیقین کو ترقی دینے کے لئے مشاہدہ کی درخواست کی تھی کہ اے رب! آپ قیامت کے دن مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے، مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیائے موتی کی صفت میں شک نہیں تھا، مگر وہ اس کو ترقی دے کر حق الیقین بنانا چاہتے تھے، ایسی درخواست کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

فائدہ: علماء عام طور پر علم کے تین درجے کرتے ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، کسی بات کو قطعی طور پر جان لینا علم الیقین ہے، پھر اس کا آنکھ سے مشاہدہ کرنا عین الیقین ہے اور تجربہ کے بعد حق الیقین ہوتا ہے ـــــ مگر سورۃ التکاثر میں علم الیقین اور عین الیقین ہی کا تذکرہ ہے، اور علماء نے جو عین الیقین اور حق الیقین میں فرق کیا ہے: وہ تکلف ہے

(تفصیل کے لئے دیکھیں: قصص القرآن ۱:۳۵۳ کا حاشیہ) پس علم کے دو ہی درجے ہیں، اور عین الیقین حق الیقین ہی ہے، دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ واللہ اعلم

## [۶۹-بَابُ زِيَادَةِ طُمَأْنِيْنَةِ الْقَلْبِ بِتَظَاهُرِ الأَدِلَّةِ]

[۲۳۸-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:" نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيْمَ إِذْ قَالَ: رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى؟ قَالَ: أَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ قَالَ: بَلٰى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" قَالَ:"وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا، لَقَدْ كَانَ يَأْوِيْ إِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ، وَلَوْلَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ لَبْثِ يُوْسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: (۱) ہم شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں ابراہیم علیہ السلام سے جب انھوں نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھلایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کیا اور تم ایمان نہیں رکھتے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: کیوں نہیں، مگر اس لئے درخواست کرتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: (۲) اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ مضبوط جتھے کی پناہ لئے ہوئے تھے (۳) اور اگر میں ٹھہرتا قید خانہ میں جتنی مدت یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو میں بلانے والے کے ساتھ ہولیتا۔

تشریح: نبی ﷺ نے ایسی تین باتوں کی حقیقت کھولی ہے جن سے انبیاء کی شان پر حرف آسکتا ہے:

پہلی بات: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار سے درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ مجھے اس کا مشاہدہ کرادیں! یہاں کوئی خیال کرسکتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی صفت احیاء میں شک ہوگا، نبی ﷺ نے فرمایا: ایسا شک تو ہم بدرجۂ اولیٰ کرسکتے ہیں، کیونکہ علم کے دو درجے ہیں: علم الیقین اور عین الیقین (اسی کا نام حق الیقین ہے) کسی بات کو قطعی طور پر جان لینا علم الیقین ہے پھر اس کا آنکھ سے مشاہدہ کرنا عین الیقین اور حق الیقین ہے، لہٰذا اگر کوئی علم الیقین کو ترقی دینے کے لئے مشاہدہ کی درخواست کرے تو اس میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: ﴿اَوَلَمْ تُؤْمِنْ﴾ تو انھوں نے قوت سے جواب دیا: بلیٰ! کیوں نہیں! معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیائے موتی کی صفت میں شک نہیں تھا، مگر وہ اس کو ترقی دے کر حق الیقین بنانا چاہتے تھے، پس یہ شک نہیں، ایسی خواہش تو ہر مؤمن کی ہوتی ہے۔

دوسری بات: جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر نوجوان لڑکوں کی شکل میں پہنچے تو گاؤں کے اوباش دوڑے آئے، حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کردیا، لوگ دروازہ توڑنے لگے، اس وقت حضرت لوط علیہ السلام اتنے

پریشان ہوئے کہ انھوں نے لوگوں سے کہا: کاش میرے پاس بَل ہوتا یا کاش میرا مضبوط جتھا ہوتا تو میں تمہیں مزہ چکھاتا(۱)۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا: آپ پریشان نہ ہوں، ہم انسان نہیں، فرشتے ہیں، یہاں کوئی خیال کرسکتا تھا کہ اللہ کا نبی اللہ پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے بل پر اور اپنے جتھے پر اعتماد کیوں کر رہا ہے؟ یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت لوط علیہ السلام مضبوط جتھے کی پناہ میں تھے اور وہ مضبوط جتھا اللہ کی پناہ تھی، لیکن وہ اس وقت اتنے پریشان ہوگئے تھے کہ اُدھر ذہن ہی نہیں گیا، ظاہری اسباب کی طرف نظر گئی، جو حضرت لوط علیہ السلام کی انتہائی درجہ کی پریشانی کی دلیل ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو جتھے کے بغیر مبعوث نہیں فرمایا (ترمذی حدیث ۳۱۴۰) تاکہ نازک وقت میں خاندان کا تعاون حاصل ہوسکے، جیسے ہمارے نبی ﷺ کا جب اہل مکہ نے بائکاٹ کیا اور آپؐ کو ایک گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تو آپؐ کی قوم: بنو ہاشم اور بنو مطلب نے آپؐ کا ساتھ دیا، حالانکہ وہ سب لوگ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

تیسری بات: جب ساقی نے بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بتائی ہوئی تعبیر سنائی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، جب ان کے پاس بادشاہ کا قاصد پہنچا تو وہ نہیں گئے اور کہا: اپنے آقا سے کہو، مجھے جس الزام میں جیل میں ڈالا گیا ہے وہ مقدمہ پہلے فائنل کیا جائے اور واضح کیا جائے کہ میں مجرم ہوں یا نہیں؟ چنانچہ بادشاہ نے وہ مقدمہ کورٹ سے اپنے پاس منگوالیا اور عزیز مصر کی بیوی کو اور امراء کی بیویوں کو بلایا اور خود مقدمہ چلایا، سب عورتوں نے اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں، تب حضرت تشریف لائے، یہاں کوئی خیال کرسکتا تھا کہ یہ اکڑفوں کیوں؟ مقدمہ تو بعد میں بھی فائنل ہوسکتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ اکڑفوں نہیں، بلکہ پامردی ہے، اور ایسی پامردی ہے کہ شاید ہم اس کا مظاہرہ نہ کرسکیں۔

فوائد:

۱- آنحضرت ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پامردی کی یہ فرما کر داد دی کہ: ”اگر اتنی مدت میں قید خانہ میں رہتا تو میں قاصد کے ساتھ فوراً ہولیتا“ —— اس سے ہمارے نبی ﷺ کی شانِ عبدیت اجاگر ہوتی ہے، آپؐ عبدیت میں درجہ کمال پر اور رضاء وتسلیم کے بلند مقام پر تھے، جہاں حیل وحجت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، پس مذکورہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آتا تو میں خود کو قضاء وقدر کے حوالہ کرتا اور بالکل حیل وحجت نہ کرتا۔

۲- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت (آیت ۲۶۰) نازل ہوئی تو کسی صحابی کی زبان سے نکلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو شک ہوا، مگر ہمارے نبی ﷺ کو کبھی کوئی شک نہیں ہوا، اس وقت آپؐ نے مذکورہ

---

(۱) یہ سورۂ ہود آیت ۸۰ کا ترجمہ ہے: ﴿لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴾: کاش میرے اندر تم سے نمٹنے کا بل ہوتا یا میں کسی مضبوط پایے کی پناہ پکڑے ہوئے ہوتا، یعنی اگر مجھ میں بذاتِ خود تم سے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میرا کوئی مضبوط اور طاقت ور کنبہ اور جتھا ہوتا تو میں تم کو تمہاری شرارت کا مزہ چکھاتا۔

ارشاد فرمایا: نحن أحق بالشک منه: ہم ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احیاءِ موتی کے بارے میں سوال شک کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ قلبی اطمینان کے لئے انھوں نے یہ سوال کیا تھا، اس لئے کہ یقین کی کیفیت میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ کتاب الایمان کی تمہید میں ہم نے اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام علم الیقین کو ترقی دے کر حق الیقین کے درجے پر پہنچانا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے یہ درخواست کی، اور اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی خواہش تو ہر مؤمن کی ہوتی ہے ـــــ اس میں بھی نبی ﷺ کی فضیلت کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ آپ کو کبھی کسی ایسے سوال کی نوبت نہیں آئی کہ اللہ عزوجل کو براءت ظاہر کرنی پڑتی۔

۳- نحن أحق بالشک: میں نحن سے کون مراد ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ جماعت انبیاء مراد ہیں، کوئی کہتا ہے کہ خود نبی ﷺ اور آپ کی امت مراد ہے، کوئی کہتا ہے کہ صرف امت مراد ہے، پھر ہر تقدیر پر متعدد توجیہیں ہیں، اور ہمارے نزدیک یہ ایک سیدھا سا جملہ ہے اور اس کا ایک سیدھا مطلب ہے کہ صفتِ احیاء میں نہ ہمیں کوئی شک ہے اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی شک تھا، قرآنِ کریم میں ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے: ﴿فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا﴾: ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو، جو ایک اللہ کے ہو کر رہنے والے تھے (آل عمران آیت ۹۵) اور جب ہمیں شک نہیں تو متبوع کے اندر تو شک کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ اعلم

۴- حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، ان کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ گذرا ہے، اور ان کی نشو ونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آغوشِ تربیت میں ہوئی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت مشرق اردن کے علاقہ سدّوم اور عامورہ کی طرف ہوئی تھی، جہاں اب بحر میت یا بحر لوط واقع ہے۔ سدّوم کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں مبتلا تھے۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو، اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو، اور ایک خاص برائی ان میں یہ تھی کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے امرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ سورۃ النمل آیت ۵۴ تا ۵۸ میں ہے: ''اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو، حالانکہ تم سمجھ دار ہو؟ کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر؟ بلکہ تم جہالت کا کام کرتے ہو۔ پس نہیں تھا ان کی قوم کا جواب اس کے علاوہ کہ وہ آپس میں کہنے لگے: تم لوط کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ وہ بڑے پاک صاف بنتے ہیں، پس ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیا، علاوہ ان کی بیوی کے، ہم نے اس کو انہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں پھنس گئے، اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی سو ان لوگوں کی جو ڈرائے گئے تھے کیسی بارش رہی!''

۵- حضور ﷺ نے فرمایا: لقد کان یأوی إلی رکن شدید: حضرت لوط علیہ السلام مضبوط پایے کی پناہ پکڑے ہوئے تھے۔ رکن شدید: سے کون مراد ہے؟ اکثر علماء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو مراد لیا ہے، مگر ابن حزم نے الملل

والنحل میں اللہ کی مدد جوفرشتوں کی شکل میں آتی ہے مراد لی ہے، چونکہ حضرت لوط علیہ السلام نہیں جانتے تھے کہ ان کے مہمان درحقیقت فرشتے ہیں اس لئے انھوں نے بے بسی کے عالم میں مضبوط جتھا یعنی خاندانی طاقت کی تمنا کی، یرحم اللہ لوطا سے ان کی اسی بے بسی کی طرف اشارہ ہے، اور خاندانی قوت کا سہارا لینا توکل علی اللہ کے منافی نہیں۔ حضور پاک ﷺ نے بھی مہاجرین وانصار سے مدد طلب کی ہے، جب نبی پاک ﷺ کا مہاجرین وانصار سے مدد طلب کرنا اعتماد علی اللہ کے منافی نہیں تو حضرت لوط علیہ السلام کا خاندانی قوت کا سہارا لینا بھی توکل کے منافی نہیں، اور اس کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض صحیح نہیں۔

وَحَدَّثَنِيْ بِهِ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى- عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ يُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَفِيْ حَدِيْثِ مَالِكٍ:" وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ" قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ حَتّٰى جَازَهَا.

حَدَّثَنَاهُ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَعْقُوْبُ- يَعْنِيْ ابْنَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ- قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُوَيْسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، كَرِوَايَةِ مَالِكٍ بِإِسْنَادِهِ: وَقَالَ: ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الآيَةَ حَتّٰى أَنْجَزَهَا.

وضاحت: اوپر حدیث امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد یونس کی تھی، اور یہ امام مالک کی حدیث ہے، یونس نے زہری کا استاذ ابوسلمہ اور سعید بن المسیب کو بتلایا ہے اور امام مالک نے سعید بن المسیب اور ابوعبید کو، اور ابواویس نے بھی زہری سے یہ حدیث روایت کی ہے اور انھوں نے امام مالک کی متابعت کی ہے، یعنی ان کی حدیث میں بھی زہری کے شیخ سعید بن المسیب اور ابوعبید ہیں —— قوله: حدثنی إن شاء الله إلخ: لفظ إن شاء الله کی وجہ سے روایت میں شک ہوگیا، اس لئے متابعت میں دوسری سند لائے ہیں، پس جو اعتراض ہوسکتا تھا وہ ختم ہوگیا—— جاز یجوز جوزاً المکان (ن) کے معنی ہیں: گذر جانا۔ اور یہاں مراد ہے کہ پوری آیت تلاوت کی، اور أنجز (افعال) کے بھی یہی معنی ہیں۔

## بَابُ وُجُوْبِ الإِيْمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم إِلٰى جَمِيْعِ النَّاسِ، وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِهِ

### ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی بعثتِ عامّہ پر ایمان لانا ضروری ہے، دوسری شریعتیں آپ کی شریعت سے منسوخ ہوگئی ہیں

آنحضرت ﷺ کی بعثت زمان ومکان یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں، آپ تمام جن وانس کی طرف قیامت تک

کے لئے مبعوث ہیں۔ سورۂ سبا آیت ۲۸ میں اس کی صراحت ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾: ''نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سبھی لوگوں کے لئے خوشخبری اور ڈر سنانے والا بنا کر، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں'' اور حدیث باب میں حضورِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے یعنی میری نبوت ورسالت کی دعوت اس تک پہنچ جائے، پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا'' ان نصوص سے صاف معلوم ہوا کہ ہر شخص پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ورسالت اور دین وشریعت پر ایمان لانا ضروری ہے، جو شخص آپ پر ایمان نہ لائے اور اسی حال میں مرجائے تو وہ دوزخ میں جائے گا اگر چہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب وشریعت کو ماننے والا یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل پر عمل کرتا ہے، اسی طرح ایک یہودی ہے جو تورات پر عمل کرتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت کی پیروی نہیں کرتا، اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَن سَمِعَ بِی من یهودیٌّ أو نصرانیٌّ ثُم لم یَتَّبِعْنِیْ فهو فی النار: جس یہودی یا نصرانی نے میری خبر سن لی، یعنی میری دعوت اس کو پہنچ گئی اور اس کے بعد اس نے میری پیروی نہیں کی تو وہ دوزخ میں جائے گا (دار قطنی) اس میں صاف صراحت ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ اور اس کے رسول کو مانتا ہو، یعنی توحید کا قائل ہو اور رسول اللہ ﷺ کی بھی تصدیق کرتا ہو، مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل کی کرتا ہو تو وہ نجات نہیں پاسکے گا، اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد تمام ادیان منسوخ ہیں، اب نجات صرف اور صرف حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی میں ہے۔

## [۷۰- بَابُ وُجُوْبِ الإِيْمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صلی الله علیه وسلم إِلٰی جَمِيْعِ النَّاسِ، وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِهِ]

[۲۳۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِیْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِیِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِیٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِیَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ أُوْتِيْتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَیَّ، فَأَرْجُوْا أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

ترجمہ مع ترکیب: نبی ﷺ نے فرمایا: ما من الأنبیاء من نبی الاقد أُعطِیَ من الآیات ما مثله آمن علیه البشر: کوئی نبی ایسے نہیں گذرے مگر وہ ایسا معجزہ دیئے گئے تھے جس سے مغلوب ہو کر لوگ ایمان لے آئے ـــــ ما:

نافیہ، من: زائدہ، نفی کی تاکید کے لئے —— یاما کا بیان ہے جو مقدم ہے —— أعطي: فعل مجهول، ما: موصولہ، مثل برائے تحسین کلام، اس کا ترجمہ نہیں ہوگا، جیسے ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ میں مثل: تحسین کلام کے لئے ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، صرف کاف کا ترجمہ کرتے ہیں، مثله: مبتداء ضمیر ماموصولہ کی طرف عائد۔ آمن علیه البشر: جملہ ہوکر خبر، پھر جملہ اسمیہ خبریہ: صلہ، پھر موصول صلہ مل کر اعطی کا مفعول ثانی، اور نفی اثبات سے حصر ہوا —— آمن کا صلہ عام طور پر ب یا لام آتا ہے اور یہاں آمن میں غلبہ کے معنی کی تضمین ہے، اس لئے علی صلہ آیا ہے، اور من الآیات سے معجزات مراد ہیں۔

وانما كان الذي أوتيت وحيا أوحى الله إليّ: اور میرا خاص معجزہ جو میں دیا گیا ہوں وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے ...... الذي: كان کا اسم اور وحیاً: خبر، اور الذي أوتيت: خرق العادة محذوف کی صفت ہے۔

فأرجوا أن أكون أكثرهم تابعاً يوم القيامة: پس مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے دن انبیاء میں سب سے زیادہ پیروی کیا جانے والا ہونگا، یعنی میری امت اجابہ سب نبیوں سے بڑی ہوگی۔

تشریح: اس حدیث میں دیگر انبیاء کے خاص معجزات میں اور آپ ﷺ کے خاص معجزہ قرآن مجید میں موازنہ کیا گیا ہے، اور قرآن مجید کی برتری ظاہر فرمائی گئی ہے۔ اور علماء نے حدیث کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، اور صاف اور بے غبار مطلب یہ ہے کہ ہر نبی دعوت کے ساتھ حجت (معجزہ) بھی دیا جاتا ہے، جس سے مائل وقائل ہوکر لوگ ایمان لاتے ہیں، اور نبی ﷺ کی دعوت وحجت (معجزہ) کو قرآن میں جمع کردیا گیا ہے۔ اور قرآنِ کریم دائم وقائم کلام اللہ ہے، پس آپ کی دعوت بھی مسلسل ہے، اور قرآن کا اعجاز برابر لوگوں کو مائل وقائل کرتا رہے گا، اس لئے آنحضور ﷺ کی امت اجابہ سب نبیوں سے بڑی ہوگی —— علماء نے حدیث شریف کے اور بھی مطلب بیان کئے ہیں: مثلاً:

۱- انبیاء سابقین کو جو معجزات عطا ہوئے ان میں صورۃً یا حقیقۃً مماثلت تھی، مگر قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے کہ اس طرح کا معجزہ پہلے کسی کو نہیں دیا گیا۔

۲- قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے کہ اس میں تخیلات کے لئے کوئی جگہ نہیں، برخلاف دیگر انبیاء کے معجزات کے، ان میں ساحرین کو اشتباہ پیدا کرنے کا موقع مل جاتا تھا، جیسے مصر کے ساحروں نے ایسی خیالی شکلیں بنا کر دکھادی تھیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا سے ملتی جلتی تھیں، جس کے باعث بعض اوقات آدمی نظر وفکر کی خرابی کے باعث چوک جاتا ہے، مگر قرآن مجید میں ایسے کسی تخیل وشبہ کو پیدا کرنے کی گنجائش نہیں۔

۳- انبیاء سابقین کو جو معجزات دیئے گئے تھے وہ حسی تھے، جن کا آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا تھا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی، اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، مگر قرآنِ کریم ایسا معجزہ ہے کہ اس کا مشاہدہ بصیرت (عقل وفہم) سے ہوتا

ہے، اس لئے قرآن کی بدولت ایمان لانے والے زیادہ ہونگے، کیونکہ جس چیز کا مشاہدہ آنکھوں سے ہوتا ہے، وہ زمان ومکان کے ساتھ محدود ہوتی ہے، اور جس کا مشاہدہ عقل کی آنکھ سے ہوتا ہے اس کا ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لوگ مشاہدہ کرتے ہیں۔

بہ الفاظ دیگر: دیگر انبیاء کے معجزات وقتی تھے اور ان کا مشاہدہ انہی لوگوں نے کیا تھا جو اس زمانہ میں موجود تھے، لیکن قرآنِ کریم زیادہ فائدہ بخش اور دائمی طور پر رہنے والا معجزہ ہے، اس لئے تا قیامت اس سے انتفاع جاری رہے گا اور اس کی بدولت قیامت تک لوگ ایمان قبول کرتے رہیں گے ـــــ حدیث شریف کے اور بھی مطلب بیان کئے گئے ہیں، جو شرح نووی اور فتح الملہم میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

فائدہ: انبیاء کو ان کے زمانوں کے تقاضوں کے لحاظ سے معجزات دیئے جاتے ہیں، ہر نبی دعوت و حجت کے ساتھ مبعوث کیا جاتا ہے، وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو قائل و مائل کرنے کے لئے حجت کے ذریعہ اس کو قوی کیا جاتا ہے، یہ حجت نبی کے معجزات کہلاتے ہیں، یہ معجزات زمانوں کے حالات کے مطابق ہوتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات دیئے گئے جو جادو کے مشابہ تھے، جنھوں نے تمام جادوگروں کو عاجز کردیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب و حکمت کا چرچا تھا، چنانچہ وہ اندھے کو بینا اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے، جس سے تمام اطباء عاجز تھے، اور ثمود پہاڑ تراش کر مکان بناتے تھے تو صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ دیا گیا، انھوں نے چٹان میں سے زندہ اونٹنی نکال کر دکھائی اور قوم کا ہنر دھرا کا دھرارہ گیا۔ اور خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، اس لئے آپ کو خاص معجزہ کلام فصیح و بلیغ دیا گیا، جس کا مانند لانے سے تمام ادباء عاجز رہ گئے۔

علاوہ ازیں: ہر نبی کا خاص معجزہ مقامی اور وقتی تھا اس کو خاص زمان و مکان کے لوگوں نے دیکھا اور آخری نبی ﷺ کو خاص معجزہ ایسا عطا ہوا جو چار دانگ عالم پہنچا، اور رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت عام و تام ہے، آپ سارے جہاں کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں، پس ضروری ہے کہ آپ کو باقی رہنے والا معجزہ دیا جائے، اور ایسا معجزہ اللہ کا کلام ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں تبدیلی ممکن نہیں، اور وہ زمانہ گذرنے کے ساتھ پرانا نہیں ہوتا، یہ قرآنِ کریم کی عظیم فضیلت ہے۔

[۲۴۰-] حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰی، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو، أَنَّ أَبَا یُوْنُسَ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لاَ یَسْمَعُ بِیْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَلاَ نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا کَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ"

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ

قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سنے (یعنی میری رسالت ونبوت کی دعوت اس کو پہنچے) پھر وہ میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو وہ دوزخیوں میں سے ہوگا"

**قولہ: واخبرنی عمرو:** واؤ: یونس بن عبدالاعلی (امام مسلم کے شیخ) نے بڑھایا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے ابن وہب سے ایک ہی مجلس میں متعدد حدیثیں سنیں، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی اور یہ پہلی حدیث نہیں تھی ـــــ اگر واؤ کو حذف کردیتے تو بھی درست تھا۔

**تشریح:** اس حدیث میں یہود ونصاریٰ کا ذکر بطور مثال ہے، اور اس سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جب یہود ونصاریٰ جو بالیقین اہل کتاب ہیں، خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے بغیر ان کے لئے چارہ نہیں، اور ان کی شریعت قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں تو کفار ومشرکین کا حال تو ان سے بھی برا ہے، ان کی آنحضور ﷺ کی نبوت تسلیم کئے بغیر اور آپ کی شریعت قبول کئے بغیر نجات کیسے ممکن ہے؟ غرض: اس حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ جس کو بھی آنحضور ﷺ کی دعوت رسالت ونبوت کی خبر پہنچ جائے اس پر آپ کی دین وشریعت پر ایمان لانا ضروری ہے، جو کوئی آپ پر ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے اور اسی حال میں مرجائے تو اس کی نجات ممکن نہیں، وہ ضرور دوزخ میں جائے گا، اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب وشریعت ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے ـــــ اور یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے، جس میں شک وشبہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہوسکتا ہے (معارف الحدیث ۱:۸۸)

[۲۴۱-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ سَأَلَ الشَّعْبِيَّ فَقَالَ: يَا أَبَا عَمْرٍو! إِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ يَقُولُوْنَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أَعْتَقَ أَمَتَهُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا: فَهُوَ كَالرَّاكِبِ بَدَنَتَهُ. فَقَالَ الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي أَبُوْ بُرْدَةَ ابْنُ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " ثَلاَثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَأَدْرَكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَعَبْدٌ مَمْلُوْكٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ عَلَيْهِ وَحَقَّ سَيِّدِهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ فَغَذَاهَا فَأَحْسَنَ غِذَاءَ هَا، ثُمَّ أَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ" ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ لِلْخُرَاسَانِيِّ: خُذْ هٰذَا الْحَدِيْثَ بِغَيْرِ شَيْءٍ. فَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيْمَا دُوْنَ هٰذَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ.

وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ. ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، كُلُّهُمْ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: صالح بن صالح ہمدانی کہتے ہیں: ایک خراسانی آدمی نے حضرت عامر شعبیؒ سے پوچھا: اے ابوعمرو (حضرت شعبیؒ کی کنیت) ہمارے یہاں خراسان میں لوگ اس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جس نے اپنی باندی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کیا کہ وہ ہدی کے جانور پر سواری کرنے والے کی طرح ہے — ہدی کے جانور پر بلاضرورت سواری کرنا مکروہ ہے، پس اس قول کا مطلب یہ ہے کہ باندی کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرنے میں کوئی ثواب نہیں، حضرت شعبی رحمہ اللہ نے اس خیال کی تردید کی اور حدیث سنائی — فرمایا: مجھ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوبردہ نے اپنے ابا کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے: ایک: وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر اس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا پس آپؐ پر بھی ایمان لایا اور آپ کی (شریعت کی) پیروی کی، اور (آپؐ جو دین لیکر آئے ہیں) اس کی تصدیق کی، تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ دوسرا: وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہے جو اس پر ہے اور اپنے آقا کا حق بھی، اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔ اور تیسرا: وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی ہے، پس وہ اس کو کھلاتا پلاتا ہے اور اچھی طرح کھلاتا پلاتا ہے، اور اس کی تربیت کرتا ہے اور شاندار طریقہ پر تربیت کرتا ہے، یعنی اس کو دین کی ضروری باتیں سکھلاتا ہے، اور باسلیقہ بناتا ہے، پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرتا ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے"

یہ حدیث بیان کرکے حضرت شعبی رحمہ اللہ نے خراسانی سے کہا: یہ حدیث مفت میں لے جا، آدمی اس سے بھی چھوٹی حدیث کے لئے مدینہ تک کا سفر کرتا تھا اور تجھے بغیر کسی مشقت کے یہ حدیث مل گئی، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کر۔

دوسری سند: یہ حدیث عبدة بن سلیمان، سفیان اور شعبہ نے بھی صالح بن صالح سے اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے ہُشیم نے روایت کی ہے۔

**قوله: عن الشعبي قال رأيت رجلاً من أهل خراسان:** اس عبارت میں پیچیدگی ہے، اصل عبارت اس طرح ہے: **عن الشعبي بحديث قال فيه صالح رأيتُ رجلا إلخ** علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **هذا الكلام ليس منتظما في الظاهر، ولكن تقديره: حدثنا صالح عن الشعبي بحديث قال فيه صالح رأيتُ رجلا إلخ** یعنی قال سے پہلے **بحديث** اور قال کے بعد **فيه صالح** کا اضافہ ضروری ہے۔

تشریح: سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ حدیث کا مقصود ترغیب دینا ہے، اہل کتاب (یہود ونصاری) کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی، غلام کو اللہ کا حق ادا کرنے کی اور باندی کے مالک کو باندی کو آزاد کرکے نکاح کرنے کی، ان اعمال کا ان کو دوہرا ثواب ملے گا، کیونکہ یہ کام بہت بھاری ہیں، اس لئے اجر بقدر مشقت کے ضابطہ سے ان کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

مشرک کے لئے ایمان لانا اتنا بھاری نہیں جتنا اہل کتاب کے لئے ایمان لانا بھاری ہے، اس کا اپنے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان ہوتا ہے، اس کے ساتھ اعتقادی وابستگی ہوتی ہے، اس کو چھوڑ کر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان لانا، اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرنا اس کے کمال انقیاد واطاعت اور فکری وذہنی

سلامتی کی علامت ہے، اس لئے خصوصی انعام کے طور پر اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

اور وہ غلام باندی جو اپنے آقا کا بھی حق ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بجالائیں ان کو دوہرا اجر اس وجہ سے ملتا ہے کہ غلاموں پر دینی اور دنیوی حیثیت سے آقا کی فرمانبرداری لازم ہے، اور مالک حقیقی کے احکام کی اطاعت بھی ضروری ہے، پس جب انھوں نے دونوں فریضے انجام دیئے تو ان کو دوہرا اجر ملنا ہی چاہئے۔

اسی طرح جو اپنی باندی کی اچھے ڈھنگ سے تربیت کرے، پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرے، اس کا کام قابلِ قدر اس لئے ہے کہ وہ باندی کو آزاد کرکے نہ صرف انسانیت اور فطرت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول واقدار پر بھی عمل کرتا ہے، پھر انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات اور بلند اخلاقی کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ ایک ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے کمتر، بے وقعت اور ذلیل تھی، اچھی تربیت، اعلیٰ تعلیم اور آزادی اور شادی کرکے گرانقدر دولت سے نواز کر معزز عورتوں کے برابر لا کھڑا کرتا ہے، اس طرح وہ ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے کو پورا کرتا ہے اور دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کرتا ہے، اس لئے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دوہرے اجر کا مستحق قرار دیا۔

غرض: حدیث میں مذکور تین شخصوں کے دو دو عمل ہیں، اہل کتاب کا اپنے نبی پر ایمان لانا، پھر حضور ﷺ پر ایمان لانا، غلام کا حق مولیٰ ادا کرنا اور حق اللہ ادا کرنا، باندی کے مالک کا باندی کی دینی تربیت کرنا اور آزاد کرکے اس سے نکاح کرنا پس تینوں کو دوہرا اجر کس عمل پر ملے گا؟ یہاں چار احتمال ہیں:

۱- دونوں عملوں پر ایک ایک اجر ملے گا، مگر یہ احتمال صحیح نہیں، کیونکہ جب عمل دو ہیں تو اجر بھی دو ہونگے، اس میں نئی بات کیا ہوئی؟

۲- دونوں عملوں میں سے ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا، یہ احتمال بھی صحیح نہیں، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے یہودیت منسوخ ہوگئی اور نبی ﷺ کی بعثت سے عیسائیت منسوخ ہوگئی، پھر ان پر ایمان لانے کا اجر کیسے ملے گا؟ علاوہ ازیں: اس صورت میں چار اجر ہو جائیں گے، جب کہ حدیث میں دو اجروں کی صراحت ہے۔

۳- ان تینوں شخصوں کو زندگی بھر ہر عمل کا دوہرا ثواب ملے گا[1]۔ اس احتمال پر بھی اشکال ہے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تو حسنات پر ایک ایک ثواب ملے اور اہل کتاب صحابہ کو دوہرا ثواب، یہ بات عقل کے خلاف ہے۔

۴- ان تینوں کو صرف دوسرے عمل پر دوہرا ثواب ملے گا، یہی احتمال صحیح ہے، یعنی اہل کتاب کو نبی ﷺ پر ایمان

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے یہی مطلب بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مذکورہ لوگوں کو ہر نیک عمل پر دوگنا ثواب ملتا ہے، مثلاً کوئی دوسرا شخص کوئی بھی نیک عمل کرے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس گنا ثواب ملے گا، لیکن ان تینوں کو اسی عمل پر بیس گنا ثواب ملے گا (مظاہر حق ۱:۸۱)

لانے کا دوہرا اجر ملے گا، کیونکہ یہ کام ان کے لئے بھاری ہے، اسی طرح غلام کو حق اللہ ادا کرنے پر ڈبل ثواب ملے گا، اور باندی کے مالک کو باندی سے نکاح کرنے پر دوہرا اجر ملے گا۔

سوال (۱): آخری آدمی کے چار کام ہیں: (۱) باندی کی اچھی تربیت کرنا (۲) اچھی تعلیم دینا (۳) آزاد کرنا (۴) اور نکاح کرنا، اگر اس کو بھی دو ہی اجر ملیں گے تو اس کا نقصان ہوگا؟

جواب: یہ چاروں کام درحقیقت ایک ہیں، اس لئے چاروں کاموں کے مجموعہ پر دوہرا ثواب ملے گا۔

سوال (۲): جب اہل کتاب کو ایمان لانے پر دوہرا ثواب ملے گا تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ان کی فضیلت لازم آئے گی؟

جواب: یہ اہل کتاب کی جزئی فضیلت ہے، اور جزئی فضیلت کلی فضیلت کے معارض نہیں ہوتی، یعنی ایمان لانے کا ثواب تو اہل کتاب صحابہ کو زیادہ ملے گا مگر ایمان لانے کے بعد مؤمن زندگی بھر جو اعمال کرے گا ان کا ثواب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اتنا بڑھا ہوا ملے گا کہ اہل کتاب صحابہ ان دونوں کے برابر نہیں ہوسکتے۔

آخری بات: حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ نے حدیث بیان کرکے طالب علم سے فرمایا: میں نے تجھے یہ حدیث بغیر کسی عوض کے دیدی، پہلے اس سے معمولی بات کے لئے سفر کرکے مدینہ منورہ جانا پڑتا تھا، تجھے کوفہ میں بیٹھے بیٹھے یہ حدیث مل گئی۔ حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ کوفہ کے رہنے والے تھے، بڑے مجتہد اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے معاصر تھے، ان کے مزاج میں دُعابہ یعنی دل لگی تھی، پس ہوسکتا ہے حضرت نے خراسانی طالب علم کی چٹکی لی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو تنبیہ کی ہو کہ حدیث یاد رکھنا، بے مشقت ملی ہے اس لئے بھول نہ جانا۔

ملحوظہ: جب باندیوں کا دور تھا تو آقا ہر باندی سے صحبت نہیں کرتا تھا، بلکہ کسی ایک کو صحبت کے لئے خاص کرتا تھا، ایسی باندی کو سُرِّیّہ کہتے تھے، مذکورہ حدیث میں اسی سُرِّیّہ کا تذکرہ ہے۔

سبق: اور حدیث شریف کا سبق یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی فیملی کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دینی چاہئے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہی باب باندھا ہے: **باب تعلیم الرجل أمته وأهله** باندی اور بیوی کو تعلیم دینا (بخاری کتاب العلم باب ۳۱) اس سلسلہ میں طلبہ میں بھی تھوڑی کمی ہے، جب وہ چھٹیوں میں گھر جائیں تو بھائی بہن اور ماں باپ کو لے کر بیٹھیں، اگر وہ قرآن پڑھنا نہیں جانتے تو ان کو ناظرہ پڑھائیں، اور اگر وہ قرآن پڑھنا جانتے ہیں مگر صحیح نہیں پڑھتے تو ان کا قرآن صحیح کرائیں، وہ بے نمازی ہیں تو ان کو نمازی بنائیں، ان کو نماز سکھائیں، ان کی دینی تربیت کریں، جبھی پڑھنے کا فائدہ ہے۔

اسی طرح شادی ہوئی، اور بیوی غیر تعلیم یافتہ آئی، یا اس کی تعلیم ناقص ہے تو اس کی تعلیم کی طرف توجہ دیں، جاہل ماں کی گود میں اور پڑھی ہوئی ماں کی گود میں پلنے والی اولاد میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔

فائدہ: **ثلاثة يُؤتَون**: کی اصل **ثلاثة رجال إلخ** ہے، یہ ترکیب میں مبتداء واقع ہے، اور تین میں حصر نہیں، کیونکہ

کوئی بھی عدد اپنے مافوق کی نفی نہیں کرتا، یہ طے شدہ ضابطہ ہے، چنانچہ حدیثوں میں مذکورہ تین شخصوں کے علاوہ اور لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کو ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملتا ہے، جیسے بہ مشقت تلاوت کرنے والے کو تلاوت کا اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے والے کو صدقہ کا دوہرا ثواب ملتا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس قسم کے لوگوں کا تتبع کیا تو ان کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی، حضرت رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں ان سب کو جمع بھی کیا ہے۔

## بَابُ نُزُوْلِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ حَاکِمًا بِشَرِیْعَةِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَإِکْرَامِ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ، وَبَیَانِ الدَّلِیْلِ عَلٰی أَنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ لَا تُنْسَخُ وَأَنَّهُ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْهَا ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ

### (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعتِ محمدی کے مطابق فیصلہ کریں گے، یہ اس امت کا اکرام ہے (۲) اور اس بات کی دلیل کہ یہ ملت منسوخ نہیں ہوگی (۳) اور اس امت کی ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان منسوخ ہوگئے مگر آپ جو دین و شریعت لے کر آئے ہیں، وہ قیامت تک قائم و دائم رہے گا، اس میں نسخ نہیں ہوگا، حتی کہ قربِ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اللہ عزوجل نے اس امت کو گوناگوں خصوصیات اور کمالات سے نوازا ہے ان میں سے ایک اکرام یہ بھی ہے کہ اس کو قیامت تک باقی رہنے والی امت بنایا ہے، اگرچہ اس دین و شریعت کو بگاڑنے کے لئے مخالفین ہر ممکن کوشش کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس امت کے ایک گروہ کو ہمیشہ دین و حق پر قائم رکھیں گے، ان کی بدولت یہ دین اپنی اصلی صورت میں برقرار رہے گا، مخالفین کی ریشہ دوانیاں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گی۔

**فوائد:**

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، پھر قیامت سے پہلے جب دجال کا ظہور ہوگا آپ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے، پھر جب حضرت مہدی[1] کی وفات ہوگی

(۱) حضرت مہدی کے ساتھ ''امام'' یا ''علیہ السلام'' کا اضافہ درست نہیں، مہدی کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے، اہل السنہ اس کے قائل نہیں، اور شیعوں کے نزدیک ان کے بارہ امام نبوت کی حقیقت کے حامل تھے اس لئے وہ ان کے ناموں کے ساتھ ←

تو آپ زمام حکومت سنبھالیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق حکومت کریں گے پھر ان کی وفات ہوگی۔

### رفع سماوی کا ذکر قرآن میں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے، سورۃ النساء آیات ۱۵۷ و ۱۵۸ ہیں: ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾: ترجمہ: اور یہود کے اس کہنے کی وجہ سے (ان کے قلوب پر بند لگادیا کہ) ہم نے مسیح ابن مریم کو جو اللہ کے رسول ہیں قتل کردیا (عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے بعد جو 'رسول اللہ' آیا ہے وہ یہود کا قول نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بڑھایا ہے کہ دیکھو ایسے کی نسبت ایسا کہتے ہیں) حالانکہ نہ انھوں نے ان کو قتل کیا، نہ ان کو سولی پر چڑھایا، بلکہ ان کو اشتباہ ہوگیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں، ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، علاوہ ظنی باتوں پر عمل کرنے کے، اور یقینی بات یہ ہے کہ انھوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں"(۱)

اس آیت میں رفع کی صراحت ہے اس لئے یہ مضمون حدیثوں میں نہیں آیا، حدیثوں میں نزول کا تذکرہ ہے، اور نزول: رفع کے بعد ہوگا، پس آدھا مضمون قرآنِ کریم میں ہے اور آدھا احادیث میں۔

### رفع کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ:

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو جو اٹھایا گیا اس میں حکمت یہ ہے کہ رفع عیسیٰ واقعہ معراج کی تمہید بنے، نبی ﷺ کو معراج میں لے جانا تھا، جمہور کے قول کے مطابق معراج جسد عنصری کے ساتھ بیداری میں ہوئی ہے، یہ چیز لوگوں کے

← علیہ السلام بڑھاتے ہیں، مگر اہل السنہ اس کے قائل نہیں، رہا "رضی اللہ عنہ" کا استعمال تو اس کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ ابھی اس شخصیت کا وجود ہی نہیں ہوا، اس لئے صرف مہدی یا حضرت مہدی کہنا چاہئے۔

(۱) قصہ یہ ہوا تھا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا، حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھالیا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کردی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کردیا، پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے، اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے، کسی نے کہا کہ یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں گیا؟ اس طرح اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، علم کسی کو بھی نہیں تھا، حق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا، اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا (فوائد عثمانی) اس اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے۔

لئے وجہ حیرت بن سکتی تھی، اس لئے نبی ﷺ سے متصل جو نبی تھے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا تا کہ وہ نظیر بنے اور معراج کا واقعہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

### نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دینِ محمدی کی پیروی کریں گے:

اور نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر چہ اپنی نبوت پر برقرار رہیں گے، مگر وہ اپنی شریعت پر عمل نہیں کریں گے بلکہ آنحضور ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے، جیسے کسی ملک کا سربراہ دوسرے ملک میں جائے تو اپنے عہدہ پر برقرار رہتا ہے، مگر وہ دوسرے ملک میں اپنے احکام نافذ نہیں کرسکتا، بلکہ جس ملک میں گیا ہے وہاں کے احکام کی پیروی کرتا ہے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نبوت پر برقرار رہیں گے مگر جس نبی کے زمانہ میں آئیں گے اس کی شریعت کی پیروی کریں گے ـــــ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کامل خاتم النّبیین آپ ﷺ ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں، کامل خاتم نہیں، اگر وہ کامل خاتم ہوتے تو دوسرے کی پیروی نہ کرتے۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجتہد ہونگے:

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے مجتہد ہونگے، اور مجتہدین قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرتے ہیں، آپ بھی مصادرِ اصلیہ سے احکام مستنبط کریں گے، قرآنِ کریم میں دو جگہ صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن وسنت کا علم عطا فرمائیں گے۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۴۸ میں ہے: ﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں گے، حکمت سے مراد سنت ہے۔ اور سورۃ المائدہ آیت ۱۱۰ میں ہے: ﴿ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور یاد کرو جب میں نے تم کو قرآن اور سنت کی باتیں سکھلائیں۔ اور قرآنِ کریم میں تین جگہ حکمت سے سنت مراد لی گئی ہے، سورۃ البقرہ آیت ۱۲۹ میں ہے: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور سورہ آلِ عمران آیت ۱۶۴ میں ہے: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾: اور سورۃ البقرہ آیت ۱۵۱ میں ہے: ﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾: ان تینوں آیتوں میں حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وسنت سے براہ راست استفادہ کریں گے۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں توالد وتناسل کو سمیٹنے کی وجہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں، اسی طرح دیگر اقوام میں بھی خاتم ہوئے ہیں، اب تمام سلسلوں کو خاتم النّبیین ﷺ میں سمیٹ لینا ہے، اس لئے نبی ﷺ سے پہلے جو متصل نبی ہوئے ان میں توالد وتناسل کو ایک فرد میں سمیٹ لیا اور اس کو نظیر بنایا کہ جس طرح مادی سلسلے ایک فرد میں سمیٹے جاسکتے ہیں، روحانی سلسلے بھی ایک ہستی میں سمیٹے جاسکتے ہیں، اسی طرح رفع عیسیٰ کو واقعہ معراج کی نظیر بنایا جیسا کہ ابھی گذرا۔

### نزولِ عیسیٰ کی حکمت ایک اشتباہ کا ازالہ:

اور نزول کی حکمت یہ ہے کہ ایک اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی مسیح ہے، مسیحٌ: فعیلٌ کا وزن ہے، مَسَحَ الشیئَ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسِح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہوجاتے تھے، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن میں آیا ہے۔ اور دجال مسیح بمعنی مَمْسُوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا، جس سے وہ آنکھ چوپٹ ہوگئی ہوگی اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت!

تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی، مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے مسیح ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچادیا ہے، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کررہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں گے، جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے، پس لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟

اسی طرح عیسائیوں کو بھی ایک اشتباہ ہے، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کا ازالہ بھی ہے، یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النّبیین ہیں اور آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور ہمارے نبی بھی خاتم النّبیین ہیں اور آپ سبھی انبیاء کے خاتم ہیں، پس عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النّبیین میں الف لام عہدی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کے خاتم النّبیین میں الف لام استغراقی ہے، مگر عیسائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان کے خاتم النّبیین میں الف لام استغراقی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام آخری پیغمبر ہیں، اس لئے وہ محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں، آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دینِ محمدی کی پیروی کریں گے تو برملا ظاہر ہوجائے گا کہ خاتم النّبیین کامل کون تھا اور مقید کون؟ یہ بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مقصد ہے۔

### واقعۂ نزول:

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت معرکۂ جنگ بپا ہورہا ہوگا اور مسلمانوں کی قیادت وامامت سُلالۂ رسول ﷺ میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگی جس کا لقب مہدی ہوگا، اس معرکہ آرائی کے درمیان مسیح ضلالت دجال کا خروج ہوگا، وہ اپنی شعبدہ بازیوں اور گوناگوں کرتبوں کے ذریعہ عالمگیر ہنگامہ بپا کئے ہوئے ہوگا کہ اسی اثناء میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا دمشق (شام) کی جامع مسجد میں نزول ہوگا، جب کہ مسلمان فجر کی نماز کی تیاری کر رہے ہونگے، اور اقامت ہو رہی ہوگی اور حضرت مہدی مصلے پر پہنچ چکے ہونگے، اچانک ایک آواز سب کو اپنی طرف متوجہ کرے گی، مسلمان آسمان کی طرف دیکھیں گے تو سفید بادل چھایا ہوا نظر آئے گا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ مشاہدہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو حسین زرد چادروں میں لپٹے ہوئے اور فرشتوں کے بازوں پر سہارا دیئے ہوئے ملاء اعلیٰ سے اتریں گے، فرشتے ان کو منارۂ مشرقی پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق کائنات ارضی کے ساتھ دوبارہ وابستہ ہو جائے گا اور وہ عام قانون فطرت کے مطابق صحن مسجد میں اترنے کے لئے سیڑھی طلب فرمائیں گے، فوراً تعمیل ہوگی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں آ کھڑے ہونگے۔ حضرت مہدی از راہ تعظیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امامت کی درخواست کریں گے، آپ فرمائیں گے کہ یہ اقامت تمہارے لئے کہی گئی ہے اس لئے تم ہی نماز پڑھاؤ۔ فراغت نماز کے بعد اب مسلمانوں کی امامت حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں میں آ جائے گی، اور وہ حربہ لے کر مسیح ضلالت (دجال) کے قتل کے لئے روانہ ہو جائیں گے، اور شہر پناہ کے باہر باب لُدّ پر اس کو مقابل پائیں گے، دجال سمجھ جائے گا کہ اس کے دجل اور زندگی کے خاتمہ کا وقت آ پہنچا، اس لئے خوف کی وجہ سے رانگ کی طرح پگھلنے لگے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیں گے، اور پھر جو یہود دجال کی رفاقت میں قتل سے بچ جائیں گے وہ اور عیسائی سب اسلام قبول کر لیں گے، اور مسیح ہدایت کی سچی پیروی کے لئے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئیں گے، اس کا اثر مشرک جماعتوں پر بھی پڑے گا اور اس طرح اس زمانہ میں اسلام کے ماسواء کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا (ماخوذ از قصص القرآن ۴:۱۵۷)

[ ۱۷-بَابُ نُزُوْلِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ حَاكِمًا بِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِكْرَامِ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ، وَبَيَانِ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ هٰذِهِ الْمِلَّةَ لَا تُنْسَخُ وَأَنَّهُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْهَا ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ]

[۲۴۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَيُوْشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيْضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! عنقریب یہ واقعہ پیش آئے گا کہ تمہارے درمیان مریم کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) انصاف پرور حاکم بن کر اتریں گے (یعنی حضرت مہدی کے

بعد آپ خلیفۃ المسلمین بنیں گے اور انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے) پس صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور سور کو مار ڈالیں گے، اور جزیہ موقوف کردیں گے اور مال کی ریل پیل ہوگی، یہاں تک کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

لغات: اوشک: فعل مقارب ہے، یعنی کسی فعل پر داخل ہوکر اس کے قرب وقوع پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد اکثر ان کے ساتھ فعل ہوتا ہے اور وہی ان فاء کے بعد کے افعال کو بھی نصب دیتا ہے...... مُقسط: اسم فاعل از اِقساط (بابِ افعال) ہے: انصاف کرنے والا، سورۃ المائدۃ آیت ۴۲ میں یہ لفظ آیا ہے...... اور سورۃ الجن (آیت ۱۵) میں القاسط ہے، اس کے معنی ہیں: ناانصافی کرنے والا، دوسرے کا حق لے لینے والا۔ قَسَطَ (ض) قَسْطًا وَقُسُوطًا: ناانصافی کرنا، حق سے انحراف کرنا، فهو قاسِطٌ جمع: قُسّاطٌ و قاسِطُوْن، اور قَسَطَ (ض) قِسْطًا کے معنی ہیں: انصاف کرنا (مصدر بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں)...... حَكَمًا: ای حاكِمًا، مصدر مبالغہ کے لئے ہے، جیسے زیدٌ عدلٌ میں مصدر مبالغہ کے لئے ہے۔ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد بحیثیت مستقل نبی کے نہیں ہوگی ...... الصلیب: تثلیث نما لکڑی جس پر کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی ہوتی ہے، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ کر ان کے گناہوں کے لئے کفارہ بنے، اس لئے وہ صلیب کو پوجتے ہیں۔

تشریح:

۱-عیسائیوں نے سولی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر ایجاد کی ہے اور اس کو مذہبی تقدس عطا کیا ہے، اور خنزیر کی حلت بھی حضرت کے نام لگائی ہے [1] اس لئے جب آپ حاکم ہونگے تو تمام سولیوں کو توڑ دینے کا اور خنزیر کو قتل کرنے کا حکم دیں گے، اور جزیہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب یا تو اسلام قبول ہوگا یا برسرپیکار ہونا ہوگا، کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی مذہب پر باقی رہ کر اسلامی ملک کا شہری نہیں بن سکے گا، اور مال کی فراوانی حضرت مہدی کے زمانہ سے شروع ہوجائے گی جس کی تکمیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگی۔

۲-اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خنزیروں کو قتل کریں گے اور صلیبوں کو توڑیں گے تو وہ عیسائیوں کی ناک زمین میں رگڑنے کے لئے ایسا کریں گے، ان کی صلیبیں توڑ دیں گے، ان کے سوروں کو قتل کردیں گے، یا ان کے زمانہ میں عیسائی رہیں گے ہی نہیں، سب مسلمان ہوجائیں گے اس لئے سب صلیبیں توڑ دیں گے۔

۳-بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ سور کو مار ڈالنا چاہئے، اس کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہئے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث پر یہی باب باندھا ہے: باب قتل الخنزیر (ابواب البیوع باب ۱۰۲) مگر چاروں

(۱) تورات میں خنزیر کی حرمت مصرّح ہے اور انجیل تورات کا تتمہ ہے، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ اس کی تکمیل کرنے آیا ہوں، مگر پولس نے ان تمام احکامات کو منسوخ کردیا اور خنزیر کو عیسائیت کا ایک شعار بنادیا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیں گے۔

فقہاء کے نزدیک قتل خنزیر کا حکم نہیں، کیونکہ خنزیر بھی ایک امت ہیں، اور کتوں کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو مارڈالنے کا حکم دیتا'' (مشکوۃ حدیث ۴۱۰۲) اس ارشاد سے آپؐ نے کتوں کو مارڈالنے کا حکم اٹھادیا، ایسے ہی خنزیر بھی ایک امت ہیں، پس ان کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔

اور جو لوگ قتل خنزیر کے قائل ہیں ان کا استدلال مذکورہ حدیث سے اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام خنزیروں کو قتل کردیں گے، لہٰذا خنزیر جہاں ملے اس کو مارڈالنا چاہئے —— مگر یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صلیبیں بھی توڑ دیں گے تو کیا دنیا کی سب صلیبیں توڑ دی جائیں گی؟ عیسائی اسلامی ملک کے شہری بن کر رہ سکتے ہیں پھر ان کی صلیبیں کیسے توڑ دیں گے؟ جب وہ اسلامی ملک کے شہری ہیں اور ہم نے ان کی مذہبی باتوں کو برقرار رکھا ہے تو ان کی صلیبیں بھی باقی رہیں گی، اسی طرح خنزیر ان کی (گویا) بکریاں ہیں پس ہم ان کو کیسے مارڈالیں گے؟ اس لئے ائمہ اربعہ میں سے کوئی قتل خنزیر کا قائل نہیں۔

**قوله: يقتل الخنزير**: اور طبرانی کی روایت میں والقردة بھی ہے، خنزیر مارنے میں عیسائیوں کے شعائر کی اور بندر مارنے میں ہنود کے شعائر کی اور ان کے اوہام باطلہ کی بیخ کنی مقصود ہے۔

**قوله: ويضع الجزية**: اس کا مطلب یہ نہیں کہ شریعت محمدی میں تبدیلی کریں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان کے علاوہ کوئی باقی بچے گا ہی نہیں، یہود و نصاریٰ اور کفار وغیرہ تمام لوگ دجال کے ساتھ مقتول ہونگے اور جو بچے رہیں گے وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے، پس جزیہ بھی نہیں رہے گا۔

**وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ. ح: وَحَدَّثَنِيهِ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ حَدَّثَنِي يُونُسُ. ح: وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ. كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عُيَيْنَةَ: "إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلاً" وَفِي رِوَايَةِ يُونُسَ: "حَكَمًا عَادِلاً" وَلَمْ يَذْكُرْ "إِمَامًا مُقْسِطًا" وَفِي حَدِيثِ صَالِحٍ: "حَكَمًا مُقْسِطًا" كَمَا قَالَ اللَّيْثُ. وَفِي حَدِيثِهِ مِنَ الزِّيَادَةِ: "وَحَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا" ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ الآيَةَ.**

وضاحت: ابن شہاب زہریؒ سے ابن عیینہ، یونس اور صالح نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، اور ان کی روایتیں لیث کی روایت کے مانند ہیں، بس کچھ الفاظ مختلف ہیں اور صالح کی روایت میں دو مضمون زائد ہیں —— ابن عیینہ کی روایت میں إماما مُقسطاً وحَكَمًا عدلا ہے: یعنی منصف امام اور عادل حاکم بن کر اتریں گے —— اور یونس کی

روایت میں عَدْلا (مصدر) کی جگہ عادلاً (اسم فاعل) ہے اور إماما مقسطا: یہ جملہ نہیں ہے ـــــ اور صالح کی روایت میں لیث کی روایت کی طرح حکما مقسطا ہے، البتہ ان کی روایت میں دو مضمون زائد ہیں:

ایک: حتی تکون السجدۃُ الواحدۃُ خیرًا من الدنیا وما فیھا: یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو ایک سجدہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا، کیونکہ مال کی فراوانی اس قدر کثیر ہوگی کہ اسے لینے والا کوئی نہیں ہوگا، پس لوگ عبادتِ بدنی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔

دوسرا مضمون: یہ حدیث بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو سورۃ النساء کی آیت ۱۵۹ پڑھو: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾: اور اہل کتاب میں سے ہر کوئی آپ پر ایمان لائے گا آپ کے مرنے سے پہلے (یعنی خروجِ دجال کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کرنے کے لئے آسمان سے اتریں گے تو تمام یہود ونصاری جان لیں گے کہ اور مان لیں گے کہ یہود نے ان کو قتل نہیں کیا، اور وہ اللہ کے بیٹے نہیں، کیونکہ اب ان کو بھی موت آئے گی) اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہونگے یعنی جس طرح ہر پیغمبر اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے۔

فائدہ: بعض حضرات نے بہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹائی ہے، اور اہل کتاب سے خاص یہود کو مراد لیا ہے، اس صورت میں آیت کا مطلب ہوگا: یہودیوں میں سے ہر کوئی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے، مگر اس وقت کا ایمان اس کے حق میں نافع نہیں ہوتا، اس لئے کہ عالم غیب کے منکشف ہونے کے بعد کا ایمان معتبر نہیں، اور بعض حضرات نے بہ کی ضمیر آنحضور ﷺ کی طرف لوٹائی ہے، اور اہل کتاب کو عام رکھا ہے، اب مطلب ہوگا: اہل کتاب کا ہر فرقہ خواہ یہودی ہو یا نصرانی مرنے سے پہلے آنحضور ﷺ پر ایمان لاتا ہے، مگر وہ ایمان غیر مفید ہے۔

اور جمہور صحابہ وتابعین نے دونوں ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کا ہر فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان لائے گا، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو یہود ونصاری جان لیں گے اور مان لیں گے کہ نہ یہود نے ان کو قتل کیا اور نہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، کیونکہ اب ان کو بھی موت آئے گی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے نزولِ عیسیٰ پر استدلال کر کے آیت کی مراد بالکل صاف کر دی کہ قبل موتہ سے قبل موت عیسیٰ مراد ہے، اور یہ آیت قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق ہے، اور پہلی دو تفسیریں مرجوح ہیں۔

[۲۴۳-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "وَاللّٰهِ! لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلاً، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ، وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ، وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلاَ يُسْعَى عَلَيْهَا، وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ، وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلاَ يَقْبَلُهُ أَحَدٌ"

لغات ووضاحت: القِلاص: القَلُوص کی جمع: جوان اونٹنی...... لا يُسعى عليها: علامہ نووی نے اس کے معنی بیان کئے ہیں: کسی کو ان کی پرواہ نہ ہوگی اور نہ ان میں دلچسپی ہوگی، اور قاضی عیاض وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان کی زکوٰۃ طلب نہیں کی جائے گی اس لئے کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا ہی نہ ہوگا، مگر اول معنی راجح ہیں...... الشَّحْنَاءُ: بغض، کینہ، عداوت، دشمنی...... تَبَاغُض: ایک دوسرے سے دشمنی رکھنا...... تَحَاسُد: ایک دوسرے پر جلنا، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو خیر و برکت کا یہ عالم ہوگا کہ دلوں سے نفرتیں اور عداوتیں ختم ہوجائیں گی، اور لوگوں کے درمیان باہمی الفت و محبت اور پرخلوص روابط ہونگے...... فلا يقبلُه أحدٌ: یعنی مال کی بہتات اور انابت الی اللہ کے باعث مال کی طرف رغبتوں میں نمایاں کمی آجائے گی، پس لوگ اس کی طرف مائل نہیں ہونگے۔

[۲۴۴-] حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ، وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟"

[۲۴۵-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُونٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ فَأَمَّكُمْ؟"

[۲۴۶-] وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّكُمْ مِنْكُمْ؟" فَقُلْتُ لِابْنِ أَبِي ذِئْبٍ: إِنَّ الْأَوْزَاعِيَّ حَدَّثَنَا عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: "وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟" قَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: تَدْرِي مَا أَمَّكُمْ مِنْكُمْ؟ قُلْتُ: تُخْبِرُنِي. قَالَ: فَأَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: یہ حدیث ابن شہاب سے یونس، ابن شہاب کے بھتیجے اور ابن ابی ذئب نے روایت کی ہے، یونس کی روایت میں ہے: كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم، وإمامكم منكم؟ یعنی تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم

میں عیسیٰ ابن مریم (آسمان سے) اتریں گے درانحالیکہ تمہارے امام تم ہی میں سے ہونگے؟ ـــــ اور ابن شہاب کے بھتیجے کی حدیث میں أمّکم ہے، یعنی تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم اتریں گے اور تمہاری امامت کریں گے ـــــ اور ابن ابی ذئب کی روایت میں ہے کہ ولید نے ابن ابی ذئب سے کہا: امام اوزاعی نے بھی ہم سے بواسطہ ابن شہاب اسی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے، ان کی روایت میں إمامکم منکم ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ امامت نہیں کریں گے اور آپ کی روایت میں أمکم منکم ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت کریں گے ـــــ أمّکم منکم کا ترجمہ ہے: تمہاری امامت کریں گے تمہاری شریعت سے ـــــ ابن ابی ذئب نے پوچھا: تمہیں أمّکم منکم کا مطلب معلوم ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ بتلا دیجئے، ابن ابی ذئب نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت سے تمہاری امامت وقیادت کریں گے یعنی خود بھی قرآن وحدیث پر عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی تاکید کریں گے۔

مطلب: ابن ابی ذئب کی وضاحت نے یہ بات صاف کردی کہ إمامکم منکم اور أمکم منکم کا ایک ہی مطلب ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ محمدی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، انجیل کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتِ محمدیہ کا ایک فرد بن کر تشریف لائیں گے، دینِ محمدی کو منسوخ نہیں کریں گے، اور علماء نے ایک دوسرا مطلب بھی بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضرت مہدی امام ہونگے، اور جب تک وہ زندہ رہیں گے وہی امام ہونگے، ان کی وفات کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت جماعت کے ساتھ نماز (فجر) ادا کریں گے، اور امام خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہونگے، امت کا ایک فرد یعنی حضرت مہدی امام ہونگے۔ حافظ رحمہ اللہ نے مناقب الشافعی از امام ابو الحسین آبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نماز خلیفہ مہدی کی اقتداء میں ادا کریں گے (فتح الباری ۶:۴۹۳) اور روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جس نماز کے وقت نزول ہوگا وہ نماز حضرت مہدی کی اقتداء میں ادا فرمائیں گے تاکہ بات واضح ہوجائے کہ آپ امتی بن کر آئے ہیں، نبی بن کر نہیں آئے، پھر اگلی نمازوں میں آپ خود امامت کریں گے، پس اگر امامتِ صغریٰ مراد لیں تو امامکم منکم سے مراد وہ نماز ہوگی جس میں حضرت نزول فرمائیں گے، اور فامّکم سے مراد اگلی نمازیں ہونگی۔ واللہ اعلم

[۲۴۷-] حدثنا الْوَلِیْدُ بْنُ شُجَاعٍ، وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالُوْا: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ- وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ- عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ

ظَاهِرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ صلى الله عليه وسلم فَيَقُوْلُ أَمِيْرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا. فَيَقُوْلُ: لاَ، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ أُمَرَاءُ، تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "میری امت کا ایک گروہ برابر حق کے لئے (مخالفین ومنکرین سے) نبرد آزما رہے گا اور تا قیامت غالب رہے گا (اس سے قرب قیامت مراد ہے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس عیسیٰ ابن مریم نزول فرمائیں گے، پس امیر صاحب ان سے عرض کریں گے: تشریف لایئے (اور) نماز پڑھایئے، حضرت عیسیٰ انکار کریں گے اور فرمائیں گے: تمہارے بعض بعض پر امیر ہیں اللہ تعالیٰ کے اس امت کو اعزاز بخشنے کی وجہ سے (تکرمة الله: مفعول لہ ہے) — یعنی اس امت کا یہ اعزاز ہے کہ اس کا تا قیامت بقا مقدر ہے، اور حضرت عیسیٰ کے نماز پڑھانے میں غلطی فہمی کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ حضرت مہدی کی اقتداء میں پہلی نماز ادا فرمائیں گے تاکہ ہر کوئی جان لے کہ آپ امتی بن کر آئے ہیں۔

**قوله: لاتزال طائفة من أمتي:** اس کا مصداق کسی نے مجاہدین کو قرار دیا ہے، کسی نے محدثین کو، کسی نے فقہاء کو اور کسی نے علماء کو، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس کا مصداق اہل السنہ والجماعہ ہیں، مشہور حدیث ہے کہ اس امت کے تہتر فرقے ہونگے ان میں سے ایک ناجی اور باقی پاجی (گمراہ) ہونگے، ظاہر ہے وہ گمراہ فرقے اس حدیث کا مصداق کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور ایک فرقہ جو ناجی ہوگا وہ اہل السنہ والجماعہ ہے، پس وہی حدیث کا مصداق ہے، علماء، فقہاء، محدثین، مجاہدین، حکماء اور امراء سب اس میں آگئے، انہی کی محنتوں کے نتیجہ میں دین حق غالب رہے گا، اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گی۔

## بَابُ بَيَانِ الزَّمَنِ الَّذِيْ لاَ يُقْبَلُ فِيْهِ الإِيْمَانُ

### وہ وقت جب ایمان قبول نہیں کیا جائے گا

آنحضور ﷺ نے قیامت کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہیں، بعض ان میں چھوٹی نشانیاں ہیں اور بعض بڑی، چھوٹی نشانیوں کو اشراط اور آثار کہتے ہیں اور بڑی نشانیوں کو آیات۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ ظہور مہدی سے قبل جو نشانیاں ظاہر ہونگی وہ اشراط (چھوٹی نشانیاں) ہیں اور ظہور مہدی کے بعد ظاہر ہونے والی قیامت کی بڑی نشانیاں (آیات) ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی قربِ قیامت کی ایک بڑی نشانی ہے، اسی طرح سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی ایک بڑی نشانی ہے۔ اس نشانی کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کسی کا ایمان قبول ہوگا اور نہ توبہ، اس لئے کہ اب ایمان بالغیب نہیں رہا، ایمان بالمشاہدہ ہوگیا، اور معتبر صرف ایمان بالغیب ہے، اسی وجہ سے غرغرہ (جان کنی) کے وقت کا ایمان معتبر نہیں، کیونکہ اس وقت کا ایمان بالمشاہدہ ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت حذیفہ بن اَسید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قیامت کی دس (بڑی) نشانیوں کا ذکر ہے: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) یاجوج وماجوج کا نکلنا (۳) دابۃ الارض کا نکلنا (۴-۶) تین خسف: یعنی مشرق میں زمین دھنسے گی، اور مغرب میں زمین دھنسے گی اور جزیرۃ العرب میں زمین دھنسے گی (۷) عدن کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو جمع کرے گی، اور ہانک کر شام کی طرف لے جائے گی (۸) دخان، یعنی دھواں جس کا تذکرہ سورۃ الدخان آیات ۱۰ وا۱ میں ہے (۹) دجال کا نکلنا (۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا —— یا ایسی ہوا کا چلنا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی —— (یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ مسلم شریف میں كتاب الفتن وأشراط الساعة (باب ۱۳ حدیث ۲۹۰۱) میں آرہی ہے، تفصیل وہیں آئے گی اور ترمذی (حدیث ۲۱۸۰ ابواب الفتن) اور ابوداؤد (حدیث ۴۳۱۱ كتاب الملاحم) میں بھی ہے۔

## [۷۲- بَابُ بَيَانِ الزَّمَنِ الَّذِىْ لاَ يُقْبَلُ فِيْهِ الإِيْمَانُ]

[۲۴۸-] حدثنا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ - يَعْنُوْنَ: ابْنَ جَعْفَرٍ - عَنِ الْعَلاَءِ - وَهُوَ: ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لاَتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ، فَيَوْمَئِذٍ: ﴿لاَ يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىْ إِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾

حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ. ح: وَحَدَّثَنِىْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، كِلاَهُمَا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِىْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِىْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِىٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ذَكْوَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِ حَدِيْثِ الْعَلاَءِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: —— قیامت کی قریب ترین علامت سورج کا مغرب سے نکلنا ہے —— نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک سورج اس کے غروب ہونے کی جگہ سے نہیں نکلے گا قیامت قائم نہیں ہوگی، پس جب وہ غروب ہونے کی جگہ سے نکلے گا اور اس کو لوگ دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، پس اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہیں آئے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہیں کیا —— اور بخاری شریف میں اسی حدیث (نمبر ۶۵۰۶)

میں یہ بھی ہے کہ ضرور قیامت برپا ہوگی درانحالیکہ دو شخصوں نے اپنا کپڑا پھیلا رکھا ہوگا، پس وہ دونوں اس کا سودا نہیں کر پائیں گے، نہ وہ اس کو لپیٹ سکیں گے، اور ضرور قیامت برپا ہوگی درانحالیکہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر لوٹا ہوگا، پس وہ اس کو پی نہیں سکے گا، اور ضرور قیامت برپا ہوگی درانحالیکہ وہ اپنے حوض کو گارے سے لیپ رہا ہوگا، پس وہ اس میں پانی نہیں پلا سکے گا، اور ضرور قیامت برپا ہوگی درانحالیکہ اس نے منہ کی طرف لقمہ اٹھایا ہوگا پس وہ اس کو کھا نہیں سکے گا۔

سند: یہ حدیث علاء نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور ان سے روایت کرنے والے ابوزرعہ، ابن الاعرج اور ہمام بن منبہ بھی ہیں۔ امام مسلمؒ نے ان کی اسناد بھی لکھی ہیں۔

تشریح: اللہ عزوجل کا ارادہ جب اس عالم رنگ وبو کی بساط لپیٹنے کا ہوگا اور قیامت برپا کرنا مقدر ہوگا تو قوانین طبعیہ کے خلاف بہت سی نشانیاں ظاہر ہونگی، ان میں سے ایک نشانی مغرب کی طرف سے سورج کا نکلنا ہے، یہ قیامت کی قریب ترین نشانی ہے، جب یہ نشانی ظاہر ہوگی اور دنیا والے اس کا مشاہدہ کرلیں گے تو یقین کرلیں گے کہ اب کائنات کے نیست ونابود ہونے کا وقت آپہنچا، جب کسی بڑی گول چیز کا چکر پورا ہوتا ہے تو وہ ایک مرتبہ الٹا گھومتا ہے، یہ نشانی دیکھ کر اس وقت دنیا میں موجود تمام لوگ ایمان لے آئیں گے اور بدکار وفساق توبہ کریں گے، مگر اس دن نہ کسی کے اس کا ایمان کام آئے گا اور نہ توبہ مفید ہوگی، جیسے نزع کے وقت آدمی پر عالم غیب منکشف ہوتا ہے اور اسے یقین ہوجاتا ہے کہ اس کی حیات مستعار ختم ہونے والی ہے، اس لئے اس وقت کا نہ ایمان معتبر ہے اور نہ ہی توبہ کا اعتبار ہے، اسی طرح جب سورج مغرب سے نکلے گا تو وہ وقت اس عالم کے نزع کا ہوگا، پس اس کا نہ ایمان معتبر ہوگا اور نہ ہی توبہ کا اعتبار ہوگا، اللہ تعالیٰ کا سورۃ الانعام (آیت ۱۵۷) میں ارشاد ہے: ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾: نہیں راہ دیکھتے لوگ (کفار مکہ) مگر اس کی کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (روح قبض کرنے کے لئے) یا آئیں تیرے رب یعنی ان کا عذاب (مضاف پوشیدہ ہے) یا آئے تیرے رب کی کوئی نشانی، جس دن آئے گی تیرے رب کی کوئی نشانی یعنی سورج کا مغرب سے نکلنا تو نہیں مفید ہوگا کسی شخص کے لئے اس کا ایمان لانا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، یا اس نے نہیں کمائی اپنے ایمان میں کوئی نیکی (او کسبت کا آمنت پر عطف ہے، پس لم تکن یہاں بھی آئے گا)

تفسیر: اس آیت میں کفار مکہ سے کہا گیا ہے کہ ہدایت کی تمام حدیں آگئی ہیں، مگر تم ایمان نہیں لاتے تو کاہے کی راہ دیکھ رہے ہو؟ کیا روح قبض کرنے والے فرشتوں کے منتظر ہو؟ اس وقت ایمان لانا کیا مفید ہوگا، یا عذاب الٰہی کے منتظر ہو؟ اس وقت بھی ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، عذاب ٹلے گا نہیں، یا پھر قیامت کی بڑی نشانی کا انتظار ہے؟ یعنی سورج مغرب سے نکلے اس کا انتظار ہے؟ جب یہ نشانی پائی جائے گی تو نہ ایمان لانا مفید ہوگا، نہ اعمال کی تلافی ممکن ہوگی، یعنی نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ، آج ایمان لانے کا وقت ہے اور اعمال کی تلافی کا بھی، پس وقت سے فائدہ اٹھالو، اور

ایمان لے آؤ، جب وقت گذر جائے گا تو پچھتاوا کچھ کام نہ آئے گا ـــــ اور حدیث باب میں ہے کہ وہ نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، یعنی لفظ بعض عام ہے مگر اس سے خاص سورج کا مغرب سے نکلنا مراد ہے۔

سوال (۱): سورج تو کہیں ڈوبتا نہیں، گول گھومتا ہے، پھر مغرب سے نکلنے کا کیا مطلب؟ اور کس ملک میں مغرب سے نکلے گا؟

جواب: سورج کسی بھی نقطہ پر رک جائے گا اور الٹا چلنے لگے گا، پس کسی بھی ملک میں مغرب سے نکلے گا ـــــ اور ہر ملک میں مغرب سے نکلے اس میں بھی کوئی استبعاد نہیں، جیسے روزانہ ہر ملک میں مشرق سے نکلتا ہے۔

سوال (۲): کہتے ہیں: سورج نہیں چلتا زمین گھومتی ہے، پھر سورج کے مغرب سے نکلنے کا کیا مطلب؟

جواب: گفتگو عصری زبان میں اور عصری مسلمات میں کی جاتی ہے، اس کے خلاف کیا جائے تو مخاطبین بات نہیں سمجھ سکیں گے، پس اگر زمین چلتی ہے تو وہ کسی نقطہ پر رک کر الٹی چلنے لگے گی، اور مشرق کے معنی چمکنے کے ہیں اور غرب کے معنی چھپنے کے، پس اگر زمین گھومتی ہے تو بھی مشرق و مغرب کا تحقق ہوگا۔

فائدہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کی کیا نشانی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ رات لمبی ہوگی یہاں تک کہ دو راتوں کے برابر ہو جائے گی'' ـــــ یہ ابن مَرْدَوِیَہ کی روایت ہے، **التعلیق الصبیح علی المشکاۃ ۶:۲۱۲ باب العلامات بین یدی الساعۃ۔**

اور ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس رات کی نشانی یہ ہے کہ وہ رات دو راتوں یا تین راتوں کے بقدر دراز ہوگی تو جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہونگے وہ بیدار ہو کر نماز پڑھیں گے، اور کام کریں گے جس طرح وہ کرتے تھے، اور تارے اپنی جگہ قائم رہیں گے، پھر سو جائیں گے، پھر بیدار ہونگے، پھر اپنی نمازیں قضا کریں گے، اور رات جوں کی توں ہوگی، تو لوگ شور مچائیں گے اور رات ان پر بہت دراز ہو جائے گی، جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو خوف زدہ ہونگے کہ یہ رات کا دراز ہونا کہیں بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمہ نہ ہو، پھر لوگ مضطرب و پریشان ہو کر کہیں گے: یہ کیا ہے؟ پھر گھبرا کر مسجدوں کا رخ کریں گے، پھر جب صبح صادق ہو جائے گی تو سورج نکلنے میں بہت دیر ہوگی، اور لوگ مشرق سے سورج نکلنے کا انتظار کر رہے ہونگے کہ اچانک مغرب کی جانب سے سورج نکلنے لگے گا تو لوگ شور مچائیں گے (اور توبہ توبہ پکاریں گے) یہاں تک کہ جب سورج آسمان کے وسط میں پہنچے گا تو لوٹ جائے گا، پھر حسب معمول مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا **(التعلیق الصبیح ۶:۲۱۲-۲۱۳)**

[۲۴۹-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوْسُفَ الْأَزْرَقُ، جَمِيْعًا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ

مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ - وَاللَّفْظُ لَهُ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ، لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْرًا: طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالدَّجَّالُ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تین نشانیاں ظاہر ہونگی تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو قبل ازیں ایمان نہیں لایا، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہیں کیا: سورج کا مغرب سے نکلنا اور دجال اور دابۃ الارض کا نکلنا"

تشریح: قیامت کی بڑی نشانیوں کی ابتداء ظہورِ مہدی، نزولِ عیسیٰ اور خروج دجال سے ہوگی، اور قیامت کے بالکل قریب جو نشانیاں ظاہر ہونگی ان میں سے ایک مغرب سے سورج کا نکلنا ہے، اور اسی کے ساتھ دابۃ الارض بھی نکلے گا، بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن دابۃ الارض کا خروج ہوگا جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور بعض روایت میں ہے کہ آئندہ دن دابۃ الارض کا خروج ہوگا، جب یہ سب علامتیں ظاہر ہو جائیں گی تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، پھر نہ کسی کا ایمان معتبر ہوگا اور نہ کسی کی توبہ قبول ہوگی۔

دابۃ الارض کا ذکر قرآن میں:

سورہ نمل (آیت ۸۲) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾: اور جب (قیامت کا) وعدہ ان پر پورا ہونے کو آئے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین نہیں کرتے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین نہیں کرتے اس لئے قیامت کے قریب ان کو یہ کرشمہ دکھایا جائے گا کہ حشرات الارض کی طرح زمین سے ایک جانور نکلے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا، پھر بعث بعد الموت (مرنے کے بعد زندہ ہونے) میں کیا استبعاد باقی رہ جائے گا؟

جاننا چاہیئے کہ دابۃ الارض کے متعلق بہت متضاد روایتیں ہیں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض کے نکلنے کی جگہ، شکل وصورت اور تعداد و مقدار کے بارے میں اتنی متعارض روایتیں ہیں کہ ان کے درپے ہونا ہی عبث ہے، اور فوائد عثمانی میں ہے: حضرت شاہ (عبد القادر رحمہ اللہ) صاحب لکھتے ہیں: قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا، اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے، اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح قرآن)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا، قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالَم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے، لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے، جو قیامت

کی علامات قریبہ اوراس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی ـــــ دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب ویابس اقوال وروایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں، مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہوتا ہے، جو حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے واللہ اعلم (ماخوذ از فوائد عثمانی)

دابۃ الارض سے متعلق ترمذی شریف میں ایک روایت ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک جانور نکلے گا اس کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہوگی، وہ لاٹھی سے مؤمن کے چہرے کو چمکائے گا اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر مہر لگائے گا، یہاں تک کہ لوگ دسترخوان پر جمع ہونگے تو یہ کہے گا: اے مؤمن! اور یہ کہے گا: اے کافر!'' (یعنی مؤمن اور کافر کو پہچاننا آسان ہوجائے گا، ان کے چہروں سے یہ بات ہُویدا ہوگی) ـــــ یہ حدیث ضعیف ہے، ابو خالد اوس بن ابی اوس حجازی جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے: مجہول راوی ہے ـــــ اور علی بن زید بن جُدعان: مشہور ضعیف راوی ہے ـــــ اور حماد بن سلمہ کا حافظہ آخر عمر میں بگڑ گیا تھا۔

اور یہ حدیث ابن ماجہ (حدیث ۴۰۶۶) میں بھی حماد کی سند سے ہے، اور اس میں أهل الخُوَان کے بجائے أهلُ الحَوَاء ہے، حواء: وہ گھر جو کسی چشمہ پر ہوں یعنی چھوٹا گاؤں ـــــ نیز یہ حدیث مسند احمد (۲:۲۹۵) میں بھی حماد کی سند سے ہے اور اس میں أَهْلُ الْخُوَان ہے ـــــ غرض نشان لگانے کا مضمون تو صحیح روایات سے ثابت ہے (سلسلة الأحاديث الصحيحة حدیث ۳۲۲) مگر سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی بات صحیح حدیث سے ثابت نہیں (تحفۃ الالمعی ۷:۴۷۸)

اور قیامت کی ایک بڑی نشانی دجال کا خروج وظہور بھی ہے، دجال کا فتنہ اپنی نوعیت کا منفرد اور عظیم فتنہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا ہے، اور دجال کا خروج کہاں سے ہوگا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، اور تفصیل آئندہ (باب ۵۷ میں) آئے گی۔

[۲۵۰-] حدثنا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ، قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ التَّيْمِيِّ - سَمِعَهُ فِيمَا أَعْلَمُ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَوْمًا: " أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟" قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: " إِنَّ هٰذِهِ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، فَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا: ارْتَفِعِي، ارْجِعِي، مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرُّ سَاجِدَةً، وَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُقَالَ لَهَا: ارْتَفِعِي، ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَرْجِعُ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا، ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسُ مِنْهَا

شَيْئًا حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلٰى مُسْتَقَرِّهَا، ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَيُقَالُ لَهَا: ارْتَفِعِي، أَصْبِحِي طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِكِ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِهَا" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَتَدْرُوْنَ مَتٰى ذَاكُمْ؟ ذَاكَ حِيْنَ ﴿لَايَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾[الأنعام: ۱۵۸]

وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ بَيَانٍ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ - يَعْنِيْ: ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَوْمًا: " أَتَدْرُوْنَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟" بِمِثْلِ مَعْنٰى حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: بیشک وہ چلتا رہتا ہے تا آنکہ عرش کے نیچے اپنے ٹھہرنے کی جگہ پہنچ جاتا ہے اور (وہاں پہنچ کر) سجدہ ریز ہوتا ہے، پس وہ اسی طرح برابر سجدہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے: بلند ہوجا (اور) جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، پس وہ واپس لوٹ جاتا ہے اور صبح میں اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، پھر چلتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے اپنے ٹھہرنے کی جگہ پہنچ جاتا ہے اور سجدہ ریز ہوجاتا ہے، اور برابر سجدہ ریز رہتا ہے، یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے: بلند ہوجا (اور) جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، پس وہ صبح میں اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، پھر وہ چلے گا، لوگوں کو اس کی چال میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ زیر عرش اپنے مقام کی جگہ آئے گا، پس اس سے کہا جائے گا: بلند ہوجا (اور) صبح میں غروب ہونے کی جگہ سے نکل، پس وہ صبح میں غروب ہونے کی جگہ سے نکلے گا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے یہ کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہیں کیا۔

سند: یہ حدیث خالد بن عبداللہ نے بھی ابن علیہ کی طرح یونس سے اسی سند سے اور اسی کے مانند روایت کی ہے۔

## تشریح:

بخاری شریف (حدیث نمبر ۳۱۹۹) میں اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر بطور استشہاد سورۂ یٰسین کی آیت ۳۸ تلاوت فرمائی: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾: اور (بعث بعد الموت کی ایک دلیل) آفتاب ہے! وہ اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے، زبردست علم والے کا، یعنی سورج جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مدت ٹھہرائی ہے، اس مقررہ وقت تک وہ اسی طرح چلتا رہے گا، پھر وہ الٹا چلنے لگے گا، اسی طرح دنیا اپنی رفتار پر چل رہی ہے مگر اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر ہے، اس کے بعد یہ دنیا واپس لوٹے گی اور ختم ہو کر ازسرنو چلے گی۔

۲- مسلم شریف کی مذکورہ روایت میں ہے کہ سورج روزانہ سجدہ کرتا ہے اور روزانہ اس سے کہا جاتا ہے: "جہاں سے آیا ہے وہاں واپس لوٹ جا" یہ تعبیر صحیح نہیں، وہ مغرب سے آتا ہے اور وہاں سے واپس لوٹنے کا حکم قربِ قیامت میں ہوگا، صحیح تعبیر بخاری شریف کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ سورج عرش کے نیچے روزانہ سجدہ کرتا ہے اور اجازت مانگتا ہے چنانچہ اس کو اجازت دیدی جاتی ہے مگر قربِ قیامت میں اس کا سجدہ قبول نہیں کیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ جہاں سے آیا ہے وہاں واپس لوٹ جا الی آخرہ۔

اب دو باتیں جان لینی چاہئیں:

پہلی بات: قدیم سائنس یہ کہتی تھی کہ سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے جس سے طلوع وغروب ہوتا ہے، اور شب وروز بنتے ہیں اور اب فلکیات والے یہ کہتے ہیں کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی چال سے شب وروز بنتے ہیں، دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حدیث میں پیرایۂ بیان ہے، اور مقصد یہ مضمون سمجھانا ہے کہ سورج حکمِ الٰہی کے تابع ہے وہ ہر وقت زبانِ حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے، کیونکہ ہر لحہ اس کا طلوع وغروب ہوتا رہتا ہے، اور جو حکم ملتا ہے اس کی تابعداری کرتا ہے، وہ اسی طرح چلتا رہے گا تاآنکہ اس کو دوسرا حکم ملے گا۔ غرض: عرش کے نیچے سجدہ کرنا انقیاد کی تعبیر ہے، ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں۔ سورۃ الحج آیت ۱۸ میں ارشاد پاک ہے: "کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں تمام وہ مخلوقات جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی" مخلوقات کا یہ سجدہ ان کی حالت کے مناسب ہے، یعنی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتی ہے اور وہ حکم کے تابع ہے —— سورج کے سجدہ کرنے کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں بھی ہے، وہی سجدہ اس حدیث میں بھی مراد ہے، اگر ذہنوں سے انسانوں کا معروف سجدہ نکال دیں تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

دوسری بات: سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے یا زمین گھوم رہی ہے، جو بھی ہو اس کا طلوع وغروب ہمارے سامنے نمودار ہونے اور چھپنے کے اعتبار سے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ وہ کس نقطہ سے واپس لوٹے گا؟ اور کونسے ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا؟ اور دوسرے ممالک کا کیا حال ہوگا؟

جواب: آئندہ پیش آنے والے واقعات عصرِ حاضر کی تعبیر میں سمجھائے جاتے ہیں، پھر جب وہ واقعات پیش آئیں گے تو ان کی صحیح صورت سامنے آئے گی، فی الوقت ہم ان کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، جیسے یاجوج وماجوج آسمان کی طرف تیر چلائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان تیروں کو خون کے ساتھ واپس کریں گے، وہ خون کس کا ہوگا؟ اور تیروں کی نوعیت کیا ہوگی؟ ہمارے تیروں جیسے ان کے تیر ہونگے یا ان کی کچھ اور نوعیت ہوگی؟ یہ سب باتیں

ابھی کماحقہ ہم نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، یا جیسے تمام کتب حدیث میں بشمول صحیحین یہ حدیث ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، مگر چونکہ یہ دوسری دنیا کی بات ہے اس لئے ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح یہ بات بھی چونکہ آئندہ پیش آنے والی ہے، اس لئے ابھی ہم اس کی تفصیلات نہیں جانتے، مخبر صادق ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام: سورج ہر وقت طلوع اور غروب ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ایسا کرتا ہے، یہی ماتحت رہنا اس کا سجدہ کرنا ہے، حسّی سجدہ کرنا مراد نہیں، بلکہ معنوی اطاعت مراد ہے، جو ہر آن اس کو حاصل ہے، طلبہ حسّی سجدہ مراد لیتے ہیں پھر اشکال کرتے ہیں، اس لئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ نبی ﷺ نے ایک معنوی حالت کو حسّی مثال سے سمجھایا ہے۔

وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِیْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ – وَاللَّفْظُ لِأَبِیْ كُرَيْبٍ – قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ، فَلَمَّا غَابَتِ الشَّمْسُ قَالَ: " يَا أَبَا ذَرٍّ! هَلْ تَدْرِیْ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟" قَالَ: قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: " فَإِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْتَأْذِنُ فِی السُّجُوْدِ، فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيْلَ لَهَا: ارْجِعِیْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا"

قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ فِیْ قِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ: وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا.

[۲۵۱-] حَدَّثَنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْأَشَجُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ الْأَشَجُّ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ قَالَ: " مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ"

وضاحت: یہ حدیث ابراہیم تیمی سے اعمش نے روایت کی ہے اور ان سے ابومعاویہ اور وکیع روایت کرتے ہیں۔ قوله: ثم قرأ فی قراءة عبد الله: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: ﴿وَ ذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا﴾: یہ سورج کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، یعنی سورج اپنی چال چلتا رہے گا تا آنکہ یہ دن آجائے گا تو وہ ـــــ عرش کے نیچے ـــــ ٹھہر جائے گا، اصل آیت یہ ہے: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾: اور اللہ کی ایک نشانی آفتاب ہے وہ اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے، اس کو حضرت ابن مسعودؓ نے ﴿وَ ذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا﴾ پڑھا ہے، یعنی سورج چلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مستقر آجائے گا، اور وہ مستقر مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

## بَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم

### رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کا آغاز

بَدْءٌ (مصدر کے معنی ہیں: آغاز، ابتداء۔ اور وحی کے لغوی معنی ہیں: اشارہ خفیہ، اشارہ سریعہ، یعنی چپکے سے کوئی بات کہنا، اشارے میں بات کہنا، جس کو وہی سمجھے جس کو اشارہ کیا گیا ہے، دوسرا نہ سمجھے، بایں معنی وحی: فطرت (نیچر) میں رکھی ہوئی صلاحیتوں سے لے کر وحی شرعی بلکہ الہام تک کو شامل ہے، پس لغوی وحی عام ہے۔

اور وحی کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ راہ نمائی جو اللہ کی طرف سے فرشتہ کے واسطہ سے یا بلا واسطہ کسی انسان (نبی) کی طرف کی جائے، تا کہ وہ بات دوسرے لوگوں تک پہنچائے اور ان کو اللہ کی مرضی و پسند بتائے۔

وحی کا بیان سورۃ الشوری کی آیت (۵۱) میں آیا ہے، اس لئے پہلے وہ آیت سمجھ لینی چاہئے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾: کسی بشر میں یہ سکت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے رودررو بات کریں، بشر اس کو برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے وحی کی یہ صورت تو ممکن نہیں، اور اس کی وجہ بشر کی کمزوری ہے، یہ کمزوری آخرت میں ختم ہو جائے گی، چنانچہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوگا۔

اور یہاں ضعفِ بشر اس وجہ سے ہے کہ یہ دنیا عمل کی زندگی ہے، پھل کھانے کی زندگی دوسری ہے، پس اگر اس عالم میں انسان قوی بنایا جاتا تو لاکھوں سال عمل کرنا پڑتا، اس لئے اس دنیا میں انسان ضعیف البنیان بنایا گیا ہے، ساٹھ ستر سال میں مر جاتا ہے اور عمل کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، پھر تا ابد پھل کھانا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، اس حکمت کے پیش نظر انسان اس دنیا میں ضعیف البنیان بنایا گیا ہے۔ اس کی ہر چیز ضعیف ہے، آنکھیں ضعیف ہیں، کان ضعیف ہیں، ناک ضعیف ہے، زبان ضعیف ہے، حتی کہ وہ حواس بھی ضعیف ہیں جن کے پیچھے عقل کام کرتی ہے۔

جیسے ہم دوپہر میں سورج کو دیکھتے ہیں تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور عقل کچھ ادراک نہیں کر سکتی، پس جب سورج کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور عقل کچھ ادراک نہیں کر سکتی تو اللہ تعالیٰ کے نور کا ادراک بھلا انسان کیسے کر سکتا ہے؟ اور کان اللہ تعالیٰ کی باتیں کیسے سن سکتے ہیں؟ ان وجوہ سے کسی بندے میں سکت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے رودررو گفتگو کریں، ہاں تین صورتیں ممکن ہیں:

#### وحی کی پہلی صورت:

﴿اِلَّا وَحْيًا﴾ مگر وحی کے طور پر: وحی کے لغوی معنی ہیں: اشارہ خفیہ، اشارہ سریعہ، یعنی چپکے سے کوئی اشارہ کر دینا،

جلدی سے کوئی اشارہ کردینا، جس کو وہی سمجھے جس کو اشارہ کیا گیا ہے، دوسرا کوئی نہ سمجھے، پس وحی ایک ایسا لفظ ہے جس میں فطرت یعنی نیچر میں رکھی ہوئی صلاحیتوں سے لے کر الہام تک کی سب صورتیں آجاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی فطرت میں وہ بات ودیعت فرمائی ہے، جس کے لئے وہ مخلوق پیدا کی گئی ہے، اور قرآنِ کریم نے اس کو وحی سے تعبیر کیا ہے: ﴿ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾: تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی ﴿ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴾ کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں (بھی) اور جو لوگ عمارتیں بناتے ہیں، ان میں (بھی) ﴿ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ پھر ہر پھل سے کھا، یعنی اس کا رس چوس، غرض پورا سسٹم شہد کی مکھیوں کی فطرت میں رکھ دیا، اور اس کو قرآن مجید نے وحی سے تعبیر کیا، اسی طرح آنکھ سے اشارہ کیا جائے، جس کو صرف مشیر اور مشارٌ الیہ سمجھیں، یہ بھی وحی ہے، یا اشارہ کنایہ میں بات کہی جائے، یا خواب کے ذریعہ رہبری کی جائے، یا اللہ تعالیٰ دل میں کوئی خیر کی بات ڈالیں یہ سب وحی ہیں —— اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں کوئی خیر کی بات ڈالی جائے تو وہ الہام ہے، اور شیطان کی طرف سے کوئی شر کی بات دل میں ڈالی جائے تو وہ وسوسہ ہے۔

غرض وحی کی بہت شکلیں ہیں، ابتدائی شکل فطرت میں کوئی بات ودیعت فرمانا ہے اور آخری درجہ دل میں کوئی خیر کی بات ڈالنا ہے، اور درمیان میں بہت سی شکلیں ہیں اس میں یہ صورت بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ آنحضور ﷺ کے دل میں کوئی بات ڈالے، حدیث میں ہے: نَفَثَ فِی رُوْعِی: جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی، اس صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے نہیں آتے صرف آپؐ کے دل میں بات ڈالتے ہیں۔

غرض وحی کے لغوی معنی اشارہ خفیہ اور اشارہ سریعہ کے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ کا وہ پیغام جو کسی انسان پر نازل ہوتا ہے اور جس کو دوسرے بندوں تک پہنچانے کا وہ حکم دیا جاتا ہے۔

ملحوظہ: شارحین کرام نے نصوص کا جائزہ لے کر وحی کی بارہ تیرہ قسمیں بیان کی ہیں، وہ سب ﴿ اِلَّا وَحْیًا ﴾ میں داخل ہیں۔

### وحی کی دوسری صورت:

﴿ اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾: یا اللہ تعالیٰ کسی انسان سے بات کریں پردہ کے پیچھے سے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر اسی طرح ہم کلامی ہوئی تھی، اور نبی ﷺ سے بھی معراج میں اسی طرح ہم کلامی ہوئی ہے، آگے مسلم شریف ہی میں حدیث آرہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے پوچھا: کیا معراج میں آپؐ نے اللہ کو دیکھا؟ آپؐ نے فرمایا: نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ (حدیث نمبر ۱۷۸) میں اللہ کو کیسے دیکھتا وہ تو نور ہیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، اس کی دلیل خود قرآن میں ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی ہے: ﴿ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ﴾:

پروردگار! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، آگے فرمایا: انسان کی بساط کیا ہے؟ یہ پہاڑ کروڑوں سال سے کھڑے ہیں، آندھیاں آتی ہیں، طوفان اٹھتے ہیں، مگر ایک پتھر اپنی جگہ سے نہیں سرکتا ﴿انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾ تم پہاڑ کی طرف دیکھو، ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں، اگر یہ برداشت کر سکے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾: پھر جب تجلی ہوئی تو پہاڑ پاش پاش ہو گیا اس کا وجود باقی نہ رہا، اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے، معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

اللہ کا حجاب نور ہے:

اور اللہ کا حجاب نور ہے، یعنی خود تجلی مانع رؤیت تھی، کوئی اور حجاب نہیں تھا، کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی چیز اللہ کو چھپا نہیں سکتی، جیسے ہم دوپہر میں سورج کو دیکھتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے، حجاب مانع بنتا ہے، اور حجاب سورج کی روشنی ہوتی ہے، روشنی کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور آدمی دیکھ نہیں سکتا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا پردہ کے پیچھے سے ہم کلامی کرنا ان دو واقعوں میں منحصر ہے یا ان کے علاوہ بھی کسی سے اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی ہوئی ہے؟

جواب: زمین پر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی ہوئی ہے اور آسمانوں میں آنحضور ﷺ سے ہم کلامی ہوئی ہے، اور ممکن ہے جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہم کلامی ہوئی ہو، غرض: زمین پر ہم کلامی صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی ہے، اس لئے وہ کلیم اللہ کہلاتے ہیں، ان کے علاوہ جس سے بھی ہم کلامی ہوئی ہے وہ فوق السماوات ہوئی ہے اور وہ چونکہ دوسری دنیا ہے اس لئے ان کو کلیم اللہ نہیں کہا جاتا —— اور طور پر موسیٰ علیہ السلام جن ستر آدمیوں کو منتخب کر کے لے گئے تھے، انھوں نے صرف اللہ کا کلام سنا تھا، ہم کلامی نہیں ہوئی تھی، پھر جب انھوں نے کہا: ﴿اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ہمیں اللہ کو بالکل سامنے دکھلاؤ (النساء آیت ۱۵۴) تو ایک بجلی نے ان کو ہلاک کر دیا۔

وحی کی تیسری صورت:

﴿اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ﴾: یا اللہ تعالیٰ قاصد (فرشتہ) بھیجتے ہیں، پس وہ وحی کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہتے ہیں، یعنی جو بات دے کر اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو بھیجا ہے وہ اتنی بات رسول کو پہنچا دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں: ﴿اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ﴾ عَلِیٌّ کے معنی ہیں: برتر عالی مقام، یہ ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ﴾: کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے براہِ راست ہم کلامی اس لئے نہیں فرماتے کہ وہ عالی شان اور برتر ہیں۔ اور دوسری صفت ہے: حکیم، جب اللہ تعالیٰ حکیم ہیں تو ضرور انسانوں کی تربیت کے لئے ان کے پاس پیغام بھیجیں گے تا کہ بندے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور نامرضی کو جان لیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مذکورہ

تین شکلیں نکالیں۔

اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾: قرآنِ کریم میں روح کے متعدد معانی ہیں ان میں سے ایک معنی ہیں: سببِ حیات، جسم کے لئے جو چیز سببِ حیات ہوتی ہے وہ بھی روح کہلاتی ہے اور خود روح کے لئے جو چیز سببِ حیات ہوتی ہے وہ بھی روح کہلاتی ہے، یعنی روح کی حیاتِ ابدی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو دین نازل فرمایا ہے اس کے لئے بھی لفظ روح استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ النحل کی دوسری آیت: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ﴾ میں روح سے یہی معنی مراد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتارتے ہیں، سببِ حیات کے ساتھ اپنے حکم سے، سببِ حیات سے مراد دین ہے، سورۃ المؤمن (آیت ۱۵) میں بھی دین کو روح سے تعبیر کیا ہے۔

بہر حال اگلی آیت ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾: اور اسی طرح ہم نے اپنا دین (تین طریقوں سے) آپؐ پر نازل کیا ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾: نبوت سے پہلے آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب (قرآن مجید) کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟

کتاب سے مراد قرآن مجید ہے، اور قرآن کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ وہ وحی متلو ہے، دوسری وحیاں اس کے تابع ہیں، اور ایمان سے عقائد و اعمال مراد ہیں، لیکن ایمان (عقائد) اسلام (اعمال) سے افضل ہے، اس لئے ایمان کی تخصیص کی ﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾: لیکن ہم نے قرآن و ایمان کو نور بنایا، اس کے ذریعہ ہم نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ میں ہ ضمیر کا مرجع قرآن و ایمان دونوں ہیں اس لئے کہ دونوں ایک ہیں۔

**ملحوظہ**: قرآنِ مجید میں صرف اللہ کی کتابوں کو نور کہا گیا ہے، کسی بھی نبی کو بشمول آنحضرت ﷺ نور نہیں کہا گیا ہے۔ تفصیل تحفۃ القاری (۱:۱۲۹-۱۳۰) میں ہے۔

## وحی کے ابتدائی احوال

حضراتِ انبیاء کے نفوسِ قدسیہ ابتداء ہی سے کفر و شرک اور ہر قسم کے فحشاء و منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں، وہ سراپا حق و صداقت کی مثال ہوتے ہیں اور ان کے قول و فعل اور نیت و عزم میں کہیں کذب کا شائبہ اور نام و نشان نہیں ہوتا، چونکہ منصبِ نبوت آنحضور ﷺ کے لئے ازل سے مقدر ہو چکا تھا اس لئے حق جل مجدہ نے ابتداء ہی سے آپؐ کے قلبِ اطہر کو ان تمام امور سے متنفر اور بیزار کر دیا جو منصبِ نبوت و رسالت کے منافی ہیں، جب زمانۂ نبوت قریب آیا تو رؤیائے صادقہ و صالحہ (سچے اور درست خواب) دکھائی دینے لگے، یعنی وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ و صادقہ سے ہوئی، آپؐ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا، اور علماء نے فرمایا ہے کہ صبح صادق کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ ابھی

آفتابِ نبوت طلوع نہیں ہوا، جس طرح صبح صادق کی روشنی طلوعِ آفتاب کا دیباچہ ہوتی ہے اسی طرح رؤیائے صالحہ طلوعِ آفتابِ نبوت ورسالت کا دیباچہ تھے۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ ﷺ کے لئے تنہائی محبوب بنادی گئی، آپؐ غارِ حراء میں خلوت فرماتے اور کئی کئی راتیں وہاں رہ کر عبادت کرتے، پھر جب توشہ ختم ہوجاتا، اور گھر والوں کی یاد آتی تو آپ گھر واپس آتے، پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ توشہ لے کر وہیں چلے جاتے اور مصروفِ عبادت ہوجاتے۔ جب عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی اور حسبِ معمول آپؐ غارِ حراء میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرشتہ آیا، اس نے کہا: إقرأ: پڑھیے، آپؐ نے جواب دیا: ما أنا بقارئ: میں پڑھا ہوا نہیں! فرشتہ نے آپ ﷺ کو باہوں میں لیا اور سینہ سے لگا کر دبایا، اور اتنا سخت بھینچا کہ آپ فرماتے ہیں: "میری طاقت نے جواب دیدیا" اس کے بعد چھوڑ دیا اور پھر کہا: إقرأ: آپؐ نے پھر وہی جواب دیا، فرشتہ نے دوبارہ بھینچا اور چھوڑ دیا، تیسری مرتبہ بھینچنے کے بعد سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھائیں، اور چلا گیا، آنحضور ﷺ گھبرائے ہوئے گھر لوٹے اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے پورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہو چلا ہے! حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "ہرگز نہیں! خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر لیتے ہیں، ناداروں کی خبرگیری کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، سماوی آفات میں آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں" یعنی جو شخص ایسے محاسن وکمالات کا جامع ہو اس کی رسوائی ممکن نہیں، نہ دنیا میں رسواء ہوسکتا ہے نہ آخرت میں، اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو توریت وانجیل کے بڑے عالم تھے، اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اے میرے چچازاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنئے اور بتایئے کیا معاملہ پیش آیا ہے؟ ورقہ کے استفسار پر آنحضور ﷺ نے سارا واقعہ سنایا، ورقہ نے حال سن کر کہا: یہ وہی سب سے بڑا رازدار فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی لاتا تھا، کاش میں آپؐ کے زمانۂ پیغمبری میں توانا ہوتا، جبکہ آپؐ کی قوم آپؐ کو اس شہر سے نکالے گی، اگر میں اس وقت زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا، آپؐ نے تعجب سے پوچھا: کیا وہ مجھے نکالیں گے، ورقہ نے کہا: جب بھی کوئی شخص پیغمبر ہوکر آتا ہے اور اللہ کا دین پیش کرتا ہے تو لوگ اس کے دشمن ہوجاتے ہیں، پھر کچھ زیادہ دن نہیں گذرے کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی سست پڑگئی یعنی کچھ عرصہ کے لئے وحی رک گئی۔

**ملحوظہ**: یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا خلاصہ ہے جو باب میں ہے، ظاہر ہے وحی کے ابتدائی زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں، بلکہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، پس انھوں نے یہ واقعہ کسی اور سے سنا ہے، اس صورت میں یہ حدیث مرسل صحابی ہوگی جو اکثر علماء کے نزدیک حجت ہے (علاوہ ابو اسحاق اسفرائینی کے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود آنحضور ﷺ سے یہ واقعہ سنا ہو پس کوئی اشکال نہیں ——— اور چونکہ یہ حدیث طویل ہے

اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے اس کو چند ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ترجمہ اور ضروری وضاحت لکھی جاتی ہے۔

## [۷۳- بَابُ بَدْءِ الْوَحْيِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم]

[۲۵۲-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، فَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ يَتَحَنَّثُ فِيْهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ- اللَّيَالِيْ أُوْلَاتِ الْعَدَدِ، قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتّٰى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَ هُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اقْرَأْ. قَالَ: " مَا أَنَا بِقَارِئٍ" قَالَ: " فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّيْ الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اقْرَأْ" قَالَ:" قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ" قَالَ" فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّيْ الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اقْرَأْ فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّيْ الْجَهْدَ. ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پہلی وہ وحی جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ شروع کئے گئے: سونے کی حالت میں سچے خواب ہیں، پس آپ خواب نہیں دیکھا کرتے تھے مگر وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آجاتا تھا، یعنی خواب تعبیر کا محتاج نہیں ہوتا تھا، جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اسی طرح واقعہ پیش آتا تھا، پھر آپ کو تنہائی بھانے لگی، پس آپ غارِ حراء میں خلوت فرمایا کرتے تھے، اس میں کئی کئی دن عبادت کیا کرتے تھے —— عربی میں رات بول کر دن رات کا مجموعہ مراد لیتے ہیں اور اردو میں دن بول کر مجموعہ مراد لیتے ہیں —— گھر لوٹنے سے پہلے، اور اس کے لئے توشہ لے جاتے تھے پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹتے تھے، پس اتنے ہی دنوں کا توشہ لے کر چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاس دین حق پہنچا درانحالیکہ آپ غارِ حراء میں تھے، پس آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھئے، آپ نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں! آپ نے فرمایا: پس اس نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ وہ بھینچنا میری آخری طاقت کو پہنچ گیا —— یہ عربی محاورہ ہے اور اردو محاورہ ہے: یہاں تک کہ میری ہڈی پسلی ایک ہوگئی —— پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھئے، میں نے دوبارہ یہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں! پس فرشتہ نے مجھے پکڑ کر دوبارہ بھینچا، یہاں تک کہ وہ بھینچنا میری آخری طاقت کو پہنچ گیا، پھر مجھے چھوڑ دیا، اور کہا: پڑھئے، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں! آپ نے فرمایا: اس نے پھر تیسری بار مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ وہ بھینچنا میری آخری طاقت کو پہنچ گیا، پھر مجھے

چھوڑ دیا، اور کہا: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾: پانچ آیتوں تک۔

**ترکیب: قوله: اوّل ما بُدِئَ: اَوَّلُ: مضاف، مَا بُدِئَ: مضاف الیہ پھر مرکب اضافی مبتداء، اور الرُّؤیا الصَّادقة فی النَّوم: خبر، اور ما بُدئ: میں ما موصولہ ہے اور من الوحی: اس کا بیان ہے۔**

## آپ ﷺ نبوت سے کب سرفراز کیے گئے؟

تمام محدثین ومؤرخین کا اتفاق ہے کہ پیر کے دن پہلی وحی نازل ہوئی، مگر اس میں اختلاف ہے کہ کس مہینہ میں پہلی وحی آئی؟ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، پس بعثت کے وقت ٹھیک آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال تھی، اور محمد بن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ سترہ رمضان المبارک کو نبوت ملی، اور سترہ رمضان کو پہلی وحی آئی، پس بعثت کے وقت عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے کہ غارِ حراء کا اعتکاف آپؐ رمضان ہی میں فرماتے تھے (فتح الباری ۱:۲۶ و ۸:۵۵۱ و ۱۲:۳۱۳) اور بعض حضرات نے دونوں قولوں کو جمع کیا ہے، اس طرح کہ نبوت ورسالت کی تمہید یعنی رؤیائے صالحہ وصادقہ کی ابتداء ربیع الاول سے ہوئی اور باقاعدہ وحی کا سلسلہ چھ ماہ بعد سترہ رمضان سے شروع ہوا۔

## نبوت ورسالت کے لئے چالیس سال کی عمر کیوں تجویز کی گئی؟

چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہوجاتی ہیں، جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ﴾: یعنی سعادت مند مسلمان جب چالیس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور اس کی عمر پختہ ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اس پر اور اس کے والدین پر ہوئے ہیں ان کا شکر ادا کرتا ہے (الاحقاف آیت ۱۵) منصب نبوت ورسالت کی سرفرازی کے لئے چالیس سال کی عمر اسی لئے تجویز کی گئی ہے کہ اس عمر میں جسمانی اور روحانی قوی حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور تجلیاتِ الٰہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد کامل ومکمل ہوجاتی ہے، تب اللہ تعالیٰ منصب نبوت ورسالت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

## سچے خوابوں کی حقیقت:

جو خواب از قبیل مبشرات ہوتے ہیں وہ عالم مثال میں لے جا کر دکھائے جاتے ہیں —— ہماری یہ دنیا عالم ناسوت ہے (ناس سے ناسوت بنا ہے) اور اس سے آگے عالم مثال ہے، مثال کے معنی ہیں: مانند، ٹو کاپی، عالم مثال دنیا کی اور آخرت کی ٹو کاپی ہے، پھر اس سے آگے عالم ملکوت (فرشتوں کی دنیا) ہے (ملکوت: مَلَک سے بنا ہے) پھر اس سے آگے عالم جبروت (اللہ کی ذات) ہے (یہ جبار سے بنا ہے)

نبوت سے چھ ماہ پہلے آنحضور ﷺ کو رؤیائے صالحہ نظر آنے لگے[1]، بار بار آپ کو عالم ناسوت سے عالم مثال میں لے جایا جاتا تھا، تاکہ عالم ملکوت سے مناسبت پیدا ہو جائے، اور یہ بات آنحضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، سبھی انبیاء کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے، علقمہ بن قیسؒ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص تلمیذ ہیں ایک مرسل روایت میں فرماتے ہیں: انبیاء کو سب سے پہلے خواب دکھلائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تو بحالت بیداری ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے (فتح الباری ۱:۷۱)

قوله: **الرُّؤيا الصادقة في النوم**[2]: لفظ رؤیا کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جو نیند میں نظر آئے اور اس چیز پر بھی ہوتا ہے جو بیداری میں نظر آئے، ارشادِ پاک: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ ﴾: میں بیداری کی رؤیت مراد ہے، اس لئے کہ بڑی معراج جمہور کے قول کے مطابق بیداری میں جسد عنصری کے ساتھ ہوئی تھی، اس لئے **في النوم** کی قید ذکر کی کہ رؤیا سے یہاں خواب مراد ہے۔

## خواب کی قسمیں:

خواب کی تین قسمیں ہیں: (۱) نیک خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس کو بُشری من اللہ کہا گیا ہے (۲) وہ خواب جو شیطان کا ڈراوا ہوتا ہے (۳) اور اضغاث احلام، یعنی پراگندہ خیالات —— اور مؤمن کا اچھا خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہوتا ہے: نبوت کے اجزاء میں سے ہے، جب نبی ﷺ نے اس کی خبر دی کہ نبوت ورسالت تمام ہوگئی تو صحابہ پر یہ بات شاق گذری، کیونکہ خیر کی راہ بند ہوگئی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "مگر خوش کن باتیں باقی ہیں" صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! خوش کن باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: "مسلمانوں کا خواب وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے" (ترمذی حدیث ۲۲۷۰)

ملحوظہ: مؤمن کا اچھا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے: مگر کونسا جزء ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث میں پندرہ اعداد آئے ہیں، کم سے کم ۲۴ اور زیادہ سے زیادہ ۷۶ کا عدد آیا ہے، اور مشہور روایت ۴۶ کی ہے، اور ان کے درمیان میں مختلف طرح سے تطبیق دی گئی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مختلف اسباب بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے اچھے برے خواب نظر آتے ہیں، مثلاً: انسان کی جبلت وفطرت، اس کا مادی مزاج، عادت ومالوف،

(۱) جاننا چاہئے کہ رؤیائے صالحہ وصادقہ کا زمانہ چھ ماہ ہونے کی بات بر بنائے شہرت ہے، یہ بات کسی روایت میں نہیں آئی۔

(۲) بخاری شریف (حدیث نمبر۳) میں الصالحة ہے، انبیاء کرام کا خواب ہمیشہ صادق (سچا) ہوتا ہے، کبھی جھوٹا نہیں ہوتا، مگر دنیا کے اعتبار سے کبھی صالحہ (اچھا) ہوتا ہے اور کبھی غیر صالحہ، لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمیشہ صالحہ ہوتا ہے، جیسے مصائب مؤمن کے حق میں دنیا کے اعتبار سے مکروہ اور آخرت کے اعتبار سے محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں (فتح الباری ۱۲:۳۱۱)

اچھے برے اتفاقات اور اچھی بری تاثیرات وغیرہ اسباب کی بنا پر اچھے برے خواب نظر آتے ہیں، تفصیل آگے کتاب الرؤیا میں آئے گی (اور تحفۃ الالمعی (۶: ۴۹-۵۷) میں بھی تمام باتیں بالتفصیل مذکور ہیں، وہاں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے:

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی کی بنیاد پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی تھی، اگر نبی کا خواب وحی نہ ہوتا تو محض خواب کی بنیاد پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کرنا درست نہ ہوتا، مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابھی آنحضور ﷺ باقاعدہ نبی بنائے نہیں گئے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رؤیائے صالحہ وصادقہ کو وحی کی ابتداء قرار دے رہی ہیں؟ یہ بات کیسے درست ہے؟

جواب: وہ رؤیائے صالحہ نبوت کا پیش خیمہ تھے، آنحضور ﷺ کا عالم غیب سے اتصال تدریجی طور پر ہوا ہے، چنانچہ پہلے خوابوں کے ذریعہ مانوس کیا گیا، شجر وحجر بیداری میں آپ کو سلام کرنے لگے، کبھی آپ نور دیکھتے، کبھی غیبی آواز سنتے، اور قلبِ اطہر میں خلوت کا داعیہ پیدا ہونا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور تدریج اختیار کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ تدریجی ترقی پائیدار اور قوی ہوتی ہے، ایک دم ترقی دینے میں وہ کمال حاصل نہیں ہو پاتا جو تدریج سے حاصل ہوتا ہے ـــــ غرض آنحضور ﷺ کے خواب نبوت کا پیش خیمہ تھے، اس معنی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو وحی کی ابتداء سے تعبیر کیا ہے۔

فائدہ: اچھے خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کبھی بندوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں، جیسے متفق علیہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، پس اللہ تعالیٰ نے پوچھا: فرشتے کس امر میں بحث کر رہے ہیں؟ اس حدیث میں درجات اور کفارات کا بیان ہے، یعنی کن اعمال سے مرتبے بلند ہوتے ہیں اور کن اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اسی طرح متعدد خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقف کیا ہے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

قولہ: مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْح: لفظ مثل منصوب ہے، اور مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر عبارت ہے: إلا جاء ت مجیئا مِثْلَ فَلَقِ الصُّبح (عمدۃ ۱: ۵۶) ـــــ اور فَلَق (فا اور لام کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں: پھاڑنا، چیرنا، ارشادِ پاک ہے: ﴿إِنَّ اللهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى﴾: اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے ہیں، یعنی اگانے والے ہیں، علماء کرام نے فرمایا ہے: اس تشبیہ میں لطیف اشارہ ہے کہ سابق انبیاء چاند ستاروں کے مانند تھے، اور نبی اکرم ﷺ آفتابِ نبوت ہیں، اور جس طرح طلوع آفتاب کی خبر صبح صادق دیتی ہے، اسی طرح رؤیائے صالحہ آفتابِ نبوت کے مبادی اور پیش خیمہ تھے۔

**قوله: ثم حُبِّبَ إليه الخلاءُ:** ثُم یہاں ترتیب ذکری کے لئے ہے، اس کے مشہور معنی تراخی یہاں مرادنہیں، یعنی رؤیائے صالحہ اور خلوت کی محبت ساتھ ساتھ تھیں ـــــ اور حُبِّبَ (فعل مجہول) میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلوت کی محبت خود بخود پیدا نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھا۔

### خلوت گزینی کا فائدہ:

اور خلوت کی محبت اس لئے دل میں ڈالی گئی تھی کہ خلوت گزینی یعنی مخلوق سے علاحدگی تمام عبادتوں کی جڑ ہے، بلکہ بذاتِ خود عبادت ہے، اور اگر خلوت کے ساتھ ذکر وفکر کی توفیق بھی مل جائے تو نور علی نور! شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں: جس نے لوگوں سے دوری اختیار کی اور تنہائی کو پسند کیا: وہ اگر ٹھیکری بھی ہوگا تو ہیرا بن جائے گا، اور جو لوگوں کے ساتھ تعلقات کا خواہاں رہتا ہے اور یارانہ گانٹھنے کا شوقین ہوتا ہے وہ اگر ہیرا بھی ہوگا تو ٹھیکری (بے وقعت) ہو جائے گا۔

### غارِ حراء:

غارِ حراء: کعبہ شریف سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ جاتے ہوئے بائیں طرف ایک پہاڑ ہے، اس کا نام جبلِ نور ہے، اس پر یہ غار ہے، یہ غار دیکھنے میں ایسا لگتا ہے: گویا قدرت نے عبادت کے لئے اس کو چھوٹا سا کمرہ بنایا ہے، اس کی اونچائی اتنی ہے کہ آدمی بہ سہولت کھڑا ہو سکے، اور وسعت اتنی ہے کہ بہ سہولت لیٹ سکے، اور سامنے کی جانب بند ہے، مگر اس میں سوراخ ہے، جس سے بیت اللہ صاف نظر آتا ہے، غرض یہ غار نہ تو مکہ معظمہ سے اتنا دور ہے کہ وہاں تک پہنچنا دشوار ہو، اور نہ اتنا قریب ہے کہ خلوت کا مقصد فوت ہو جائے، اور وہاں سے ہر وقت بیت اللہ نظر آتا ہے، اس وجہ سے آنحضور ﷺ نے عبادت کے لئے اس غار کا انتخاب فرمایا تھا ـــــ اور خلوت گزینی کے لئے غار حراء کو منتخب کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اہل مکہ شبہ نہ کر سکیں، اگر دور دراز کی کسی جگہ کا آپؐ انتخاب فرماتے پھر نبوت کا دعوی کرتے تو اہل مکہ کہہ سکتے تھے کہ مہینوں غائب رہ کر اور کسی سے کچھ سیکھ کر نبوت کا دعوی کر رہے ہیں۔

### خلوت کی مدت:

آنحضور ﷺ مسلسل کئی کئی دنوں تک خلوت میں رہتے تھے، کتنی مدت رہتے تھے؟ اس کی تعیین دشوار ہے، البتہ محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ آپؐ ماہ رمضان میں غارِ حراء میں خلوت فرماتے تھے (فتح الباری ۱۲: ۳۱۳) اور بعض روایات میں چالیس دن کا بھی ذکر ہے، مگر وہ ضعیف ہے، قسطلانی میں ہے: **قال في قوة الإحياء: لم يصح عنه صلى الله عليه وسلم أكثر منه، نعم روى الأربعين سوار بن مصعب وهو متروك الحديث قاله الحاكم وغيره** ـــــ غرض ایک ماہ کا اعتکاف فرماتے تھے مگر مسلسل قیام نہیں رہتا تھا، بلکہ جب توشہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے، اور

اتنا ہی توشہ لے کر پھر غار میں تشریف لے جاتے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''چند ہی ایام کا توشہ یا تو بربنائے تنگ دستی ساتھ لے جاتے یا اس لئے کہ عام طور پر خوراک دودھ اور گوشت تھا جس کو زیادہ دن تک ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا (فتح الباری ۱۲:۳۱۳) ـــــ اور توشہ ساتھ لے جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کھانے اور پینے کا انتظام رکھنا توکل کے منافی نہیں، بلکہ رزق خداوندی کی طرف اپنے فقر وفاقہ اور ضرورت وحاجت کا اظہار ہے جو عین عبادت ہے۔

## آپؐ غارِ حراء میں عبادت کس طرح کرتے تھے؟

آنحضور ﷺ غارِ حراء میں عبادت کس طرح کرتے تھے؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، اور راجح یہ ہے کہ آپؐ دین ابراہیمی واسماعیلی کے مطابق عبادت کرتے تھے[1]۔ درمختار (۲:۱۴۰ مطبع زکریا) میں ہے: **والمختار عندنا أنه كان يعمل بما ظهر له من الكشف الصادق من شريعة إبراهيم وغيره۔**

**قوله: يتحنّث- وهو التعبد- الليالي ذوات العدد:** يَتَحَنَّثُ: باب تفعُّل سے فعل مضارع معروف ہے، چونکہ یہ فعل غیر معروف ہے اس لئے امام زہری رحمہ اللہ نے وهو التَّعَبُّدُ سے اس کی وضاحت کی، پس یہ کلمہ حدیث میں مدرج ہے، اور تَحَنُّث کے معنی تَعَبُّد حقیقی معنی نہیں، بلکہ التزامی معنی ہیں، اس لئے کہ یہ حِنْث سے مشتق ہے، اور حِنْث کے معنی ہیں: گناہ، لیکن چونکہ باب تفعّل کی ایک خاصیت سلب مأخذ ہے اس لئے تَحَنُّث کے معنی ہیں: گناہ سے بچنا، اور رضاءِ الٰہی کے لئے گناہ سے بچنا عبادت ہے، اس لئے تَحَنُّث کے معنی عبادت کے ہوئے۔

**قوله: الليالي ذوات العدد:** گنتی کی راتوں میں، یہ لفظ قلت وکثرت دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، اظہارِ قلت کے لئے وہاں بولتے ہیں جہاں ذہنوں پر سے بوجھ کم کرنا مقصود ہو، جیسے ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ یعنی ایک سال میں ایک ماہ کے روزے کچھ زیادہ نہیں بلکہ گنتی کے چند دن ہیں، اور کثرت کے معنی میں اس معنی کر کہ گننے کی ضرورت ہی وہاں پیش آتی ہے جہاں گننا لابد ہو، یہاں کثرت کے معنی مناسب ہیں اس لئے کہ خلوت گزینی کی مدت بعض روایت میں ایک ماہ آئی ہے۔

**قوله: حَتّٰى فَجِئَهُ الحق وهو في غار حراء:** ایک دن آنحضور ﷺ توشہ ختم ہوجانے کی وجہ سے گھر لوٹنے کے ارادہ سے غارِ حراء سے نکلے، غار کے سامنے ایک چھوٹا سا میدان ہے، جب آپؐ اس میں پہنچے تو اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں سامنے آئے، اور انھوں نے فرمایا: إقرأ یہ إقرأ: حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول ہے یا وہ جو

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی اور مراقبہ اور تفکر وتدبر آپؐ کی عبادت تھی، علاوہ ازیں فجار وفساق، مشرکین اور کفار سے علاحدہ رہنا بھی مستقل عبادت ہے، شامی میں ہے: قال في المواهب اللدنية: وروى ابن اسحاق وغيره أنه عليه الصلوة والسلام كان يخرج إلى حراء في كل عام شهرا يتنسك فيه، قال: وعندي أن هذا التعبد يشتمل على أنواع من الإنعزال عن الناس، والانقطاع إلى الله والأفكار، وعن بعضهم كانت عبادته عليه الصلوة والسلام في حراء التكفر (۲:۱۴۰ مطبع زکریا)

پہلی وحی لائے ہیں اس کا پہلا کلمہ ہے؟ دونوں احتمال ہیں [1]۔ اور ہمارے نزدیک اغلب یہ ہے کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول نہیں، بلکہ پہلی وحی کا پہلا کلمہ ہے، مگر آنحضور ﷺ نے خیال فرمایا کہ یہ مجھے کچھ پڑھنے کو کہہ رہے ہیں، اس لئے آپؐ نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں! اس پر فرشتہ نے آپؐ کو تین مرتبہ سخت دبایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ دبانا ملکی اور روحانی فیض پہنچانے کے لئے تھا، تاکہ ملکیت آپؐ کی بشریت پر غالب آجائے، اور قلب مبارک آیاتِ الٰہیہ، اسرارِ غیبیہ اور علومِ ربانیہ کے تحمل کے لئے تیار ہوجائے، حضرات عارفین کا اس طرح فیض پہنچانا بطریق تواتر ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے مجھ کو اپنے سینہ سے لگایا اور یہ دعا فرمائی: **اللّٰھم عَلِّمْهُ الکتاب**: اے اللہ! اس کو اپنی کتاب کا علم عطا فرما، نبی اکرم ﷺ کا ابن عباسؓ کو اپنے سینہ سے لگانا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو اپنے سینہ سے لگایا تھا (ماخوذ از سیرت النبی ۱:۱۴۰)

اور زرقانی شرح مواہب میں ابن اسحاق کے طریق سے عبید بن عمیر کی مرسل روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک حریری صحیفہ لے کر آئے تھے جو جواہرات سے مرصع تھا، وہ صحیفہ حضورِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک میں دے کر فرمایا: پڑھئے! (زرقانی ۱:۲۱۸) یہ حدیث ضعیف ہے، پس یہ اعتراض کہ ناخواندہ کو پڑھنے کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو قرآن کی رُو سے جائز نہیں، یہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے۔

**قوله: حتی بلغ منی الجھد**: جیم پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اور پیش بھی، اور اس کو بَلَغَ کا فاعل بنا کر مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور مفعول بنا کر منصوب بھی، اور راجح مفعول بنانا ہے، اور فاعل ھو ضمیر پوشیدہ ہے، جو بھینچنے کی طرف راجع ہے، ترجمہ ہے: یہاں تک کہ وہ بھینچنا پہنچ گیا میری آخری طاقت کو۔

**قوله: فجاءَ ہ الملک**: یہ فاء تفسیریہ تفصیلیہ ہے، تعقیبیہ نہیں۔

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرْجِفُ بَوَادِرُهُ حَتّٰی دَخَلَ عَلٰی خَدِيْجَةَ فَقَالَ: "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ. ثُمَّ قَالَ لِخَدِيْجَةَ: "أَیْ خَدِيْجَةُ! مَا لِیْ" وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ. قَالَ: "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰی نَفْسِیْ" قَالَتْ لَهٗ خَدِيْجَةُ: كَلَّا. أَبْشِرْ. فَوَ اللّٰهِ! لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا. وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِی الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ.

(۱) اگر اقرأ: پہلی وحی کا پہلا کلمہ ہے تو ما أنا بقارئ کے معنی ہیں: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اور اگر یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قول ہے یعنی پڑھنے کی تلقین ہے تو چونکہ کسی کے ساتھ ساتھ پڑھنا امی ہونے کے منافی نہیں، اس لئے اب ما أنا بقارئ کے معنی ہونگے، میں پڑھ نہیں سکتا، یعنی قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں، کس طرح پڑھوں، چنانچہ بعض روایت میں کیف أقرأ؟ ہے۔

ترجمہ: پس آنحضور ﷺ ان آیات کے ساتھ گھر لوٹے درانحالیکہ آپ کے مونڈھے کا گوشت کانپ رہا تھا (اور عقیل کی روایت میں بَوادِرُہ کی جگہ فُؤادُہ ہے، یعنی آپ کا دل لرز رہا تھا) آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ! مجھے کپڑا اڑھاؤ! چنانچہ انھوں نے کپڑا اڑھادیا (گھر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غلام وغیرہ بھی ہونگے، اس لئے جمع کا صیغہ لائے ہیں) یہاں تک کہ آپ کا ڈر ختم ہوگیا، پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا! اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پورا واقعہ بتایا (پھر) فرمایا: قسم بخدا! واقعہ یہ ہے کہ مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہوچلا ہے، (لام: جوابِ قسم ہے اور قسم و اللہ محذوف ہے) آپ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہرگز نہیں، آپ شاداں ہوں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کریں گے، قسم بخدا! بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور سچ بولتے ہیں (عقیل کی روایت میں جو بخاری میں ہے یہ جملہ نہیں ہے) اور آپ بوجھ اٹھاتے ہیں، یعنی مقروضوں کی طرف سے قرضے ادا کرتے ہیں، اور معدوم (انتہائی غریب) کے لئے کماتے ہیں، یعنی ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں، اور آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

**حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر خیر:**

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں، حافظ رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ روایت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، آپ قبیلہ قریش سے تھیں، بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں، زمانۂ جاہلیت کے رسوم ورواج سے پاک تھیں، اس لئے بعثتِ نبوی سے پہلے ہی آپ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، آپ کا سلسلۂ نسب قُصی پر پہنچ کر آنحضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے، آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ تیمی سے ہوا تھا جس سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے، اور دونوں مشرف باسلام ہوئے، پھر دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا، جن سے ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی، یہ بھی مشرف باسلام ہوئیں، کچھ عرصہ کے بعد آپ پھر بیوہ ہوگئیں اور پھر آنحضور ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔

**قولہ: زمّلونی:** امر حاضر جمع مذکر، زَمَّلَ الشیئَ: چھپانا ـــــ زَمَّلَ الشیئَ بثوبہ: لپیٹنا، گھر میں حضرت خدیجہؓ کے علاوہ غلام وغیرہ بھی ہونگے اس لئے جمع کا صیغہ لائے ہیں۔

**قولہ: الرَّوع** (بفتح الراء) کے معنی ہیں: خوف، ڈر، اور راء کے پیش کے ساتھ رُوْع کے معنی ہیں: دل، دماغ، حدیث میں ہے: إن جبرئیل نَفَثَ فی رُوْعِیْ: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں ڈالا۔

**قولہ: لقد خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ:** پریشانی کی وجہ کیا تھی؟ بعض حضرات نے شک وتردد کو اس پریشانی کی وجہ بتایا ہے، یعنی آنحضور ﷺ کو یقین نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت ورسالت کے لئے منتخب فرمایا ہے، بلکہ آپ نے یہ

خیال فرمایا کہ جس طرح بعض اوقات جن بھوت اثر ڈال کر انسان کا دماغی توازن خراب کردیتے ہیں، کہیں میں بھی تو دیوانہ نہیں ہوگیا ہوں۔

بعض حضرات نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ ہر پیغمبر کو اپنی پیغمبری کا یقین ہوتا ہے اور یہ توجیہ بتلا رہی ہے کہ آپ کو یقین نہیں آیا تھا اس لئے انھوں نے دوسری توجیہ کی ہے کہ آنحضور ﷺ کی یہ پریشانی صرف اس وجہ سے تھی کہ دفعۃً نبوت اور وحی کا بارگراں آپڑا، کسی تردد اور شک کی بنا پر یہ پریشانی نہیں تھی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ﴾: میں فرعونیوں کی نگاہ میں مجرم ہوں، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، اور میری زبان میں بھی لکنت ہے، کہیں یہ لکنت بدنیتوں کے لئے ہدف طعن نہ بن جائے، اس لئے ہارون کو بھی نبوت عطا فرمادیجئے، غور کرو! کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت میں شک تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ کا سہارا کافی نہیں تھا کہ بھائی کے سہارے کا مطالبہ کیا؟ ہرگز نہیں، پھر جب معجزۂ عصا عطا ہوا اور حکم ہوا کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو اور وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ﴾ موسیٰ! واپس آؤ، ڈرو نہیں، تم مامون ہو، پس ان کی ہمت بندھی اور بہ مشکل ہاتھ بڑھا کر عصا اٹھایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نبوت پر کامل یقین تھا، اور احکامِ خداوندی کی صداقت پر بھی یقین تھا، مگر ان کا اپنی جان کا خوف کھانا اور سانپ سے ڈر کر بھاگنا بشری کمزوری تھی، ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾: کسی شک اور تردد کی وجہ سے یہ خوف اور ڈر نہیں تھا، اسی طرح آنحضور ﷺ کے لئے یہ حادثہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ تھا، اور جب کوئی معمولی بات بھی خلافِ طبع پیش آجاتی ہے تو انسان پریشان ہوجاتا ہے، چہ جائے کہ ایسا عظیم واقعہ پیش آئے جس کا کوئی وہم وگمان بھی پہلے سے نہ ہو تو اس واقعہ سے گھبرا جانا کوئی مستبعد نہیں۔

خلاصۂ کلام: خَشِیْتُ: فعل ماضی ہے، یعنی آنحضور ﷺ نے گذرا ہوا حال بتلایا ہے کہ جب اچانک فرشتہ میرے سامنے آیا اور اس نے مجھے پکڑ کر دبایا تو مجھے اپنی جان کا خطرہ ہوچلا، پھر ملائکہ کی آمد ورفت سے آپ کی بشریت ملکیت سے مانوس ہوگئی تو یہ خوف جاتا رہا ــــ اور اگر اس کو مستقبل کے معنی میں لیں تو مطلب ہوگا: اگر وحی کی یہی شدت رہی تو ممکن ہے کہ میری بشریت اس بوجھ کو برداشت نہ کرسکے اور بارِ نبوت سے میری روح پرواز کرجائے۔ واللہ اعلم

**قوله: واللهِ! لا یُخزیکَ اللهُ أبدًا:** جب آنحضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہوچلا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی، اور فرمایا: بخدا! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، یعنی ہلاکت تو آخری مرحلہ ہے، مگر کبھی ہلاکت سے پہلے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ آدمی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی مرحلہ کی نفی کردی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا بھی نہیں کریں گے، حدیث میں ہے: اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَمِیْتَةَ السُّوْءِ: خیرات رفاہی کام ہے اور اس کے دو فائدے ہیں: اس سے اللہ

تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اور آدمی بری موت سے بچ جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفاہی کے کام کرنے والوں سے لوگ محبت کرتے ہیں اور وہ بے وقاری اور رسوائی سے دوچار نہیں ہوتے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایسے پانچ کام ذکر کئے ہیں:

۱-إنک لتَصِلُ الرَّحِم: آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، اردو میں رَحَم (بفتح الحاء[1]) ہے، مگر عربی میں حا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور معنی ہیں: بچہ دانی، قرابت، رشتہ داری، اور رَحِم کی جمع أرحام ہے، اور وَصَلَ (ض) وَصْلاً کے معنی ہیں: ملانا، یعنی آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، حسن سلوک سے خاندانی تعلقات ہموار ہوتے ہیں، اور میل ملاپ پیدا ہوتا ہے۔

۲-وَتَحْمِلُ الْكَلَّ: اور آپ بوجھ اٹھاتے ہیں، یعنی جو بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں ان کی اعانت کرتے ہیں اور ان کو بوجھ سے نکالتے ہیں، مثلاً کسی پر بھاری قرضہ آپڑا ہے اور اس میں قرضہ ادا کرنے کی سکت نہیں تو آپ ایسے لوگوں کا تعاون کرتے ہیں۔

۳-وَتَكْسِبُ الْمُعْدُومَ: كَسَبَ (ض) كَسْبًا کے معنی ہیں: کمانا، اور المَعْدُوم کے معنی ہیں: نیست، جس کا وجود باقی نہ رہے، یعنی انتہائی درجہ کا غریب آدمی، یہ لفظ مجاز مایؤول کے اعتبار سے ہے، یعنی وہ بندے جو انتہائی درجہ لاچار، اور مجبور ہیں جیسے لولے لنگڑے، اندھے محتاج اور بوڑھی بیوہ عورتیں جن کی کوئی خبر گیری نہیں کرے گا تو مرجائیں گے، ایسوں کو نبی ﷺ کماتے ہیں، یعنی مدد کر کے ان کو زندہ رکھتے ہیں یا ان کے لئے کماتے ہیں (اس صورت میں لام جارہ محذوف ہوگا) یعنی کما کر ان کو روزی پہنچاتے ہیں۔

فائدہ: خطابی رحمہ اللہ نے جو امام ابوداود رحمہ اللہ کے صرف ایک واسطہ سے شاگرد ہیں، جنھوں نے ابوداود کی سب سے پہلی شرح معالم السُّنن لکھی ہے اور بخاری شریف کی بھی شرح لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ المعدوم کاتبوں کی تصحیف ہے، صحیح لفظ المُعْدِمُ ہے، یہ باب افعال سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں: ختم کرنے والا، نادار، یعنی جس کے پاس کچھ بھی نہیں، حالانکہ معدوم کا بھی یہی مطلب ہے، اس لئے عام طور پر شارحین خطابی رحمہ اللہ کی بات سے متفق نہیں، ان کے نزدیک یہی لفظ صحیح ہے، اور اس کو معدوم مجاز مایؤول کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی اگرچہ ابھی نہیں مرا مگر اگر یہی حال رہا تو بیچارہ مرجائے گا ـــــ اور تصحیف نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف (حدیث ۳۹۰۵) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی یہی لفظ آیا ہے، سب جگہ کاتبوں نے گڑبڑ کردی ہو یہ بات بہت بعید ہے۔

---

(۱) تحفۃ القاری (۱:۱۴۳) میں اس طرح ہے: اردو میں رَحَم (بچہ دانی، بفتح الراء) بولتے ہیں، مگر عربی میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے..... یہ تصحیف ہے، صحیح اس طرح ہے: بفتح الحاء بولتے ہیں مگر عربی میں حا کے کسرہ کے ساتھ ہے، قارئین تحفۃ القاری میں ٹھیک کرلیں ۱۲

۴-وَتَقْرِئ الضَّيْفَ: اور آپ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ قَرَی (ض) قِرًى کے معنی ہیں: مہمانی کرنا، آج کل جگہ جگہ ہوٹل کھل گئے ہیں اور لوگوں کے پاس مال بھی ہے اس لئے کھانے پینے کی کوئی پریشانی نہیں، مگر قدیم زمانہ میں یہ سہولت نہیں تھی، بڑے قصبات میں بھی کوئی ہوٹل نہیں ہوتا تھا، ایسی جگہوں میں مہمان نوازی کرنا اور مسافروں کو کھانا کھلانا رفاہِ عام کا کام ہے اور اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔

۵-وَتُعِينُ علي نَوَائِبِ الْحَقِّ: تُعِينُ: (از افعال) مدد کرنا، اور نَوَائب: نائبة کی جمع ہے: حادثہ، اور نوائب الحق: مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے، اس کے معنی ہیں: قدرتی حوادث، جیسے زلزلہ، بادوباراں کا طوفان وغیرہ۔ نَابَ(ن) نَوْبًا کے معنی ہیں: پیش آنا، اور الحق کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حوادثات پیش آتے ہیں آپ ان میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

غرض: حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ یہ یہ رفاہی کام کرتے ہیں اور ایسے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرتے، ہلاکت تو دور کی بات ہے —— اور حضرت خدیجہؓ نے ایک صفت یہ بیان کی: وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ: آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ ابن شہاب کے سب تلامذہ کی روایت میں یہ جملہ نہیں ہے، اور کسی کا ہمیشہ سچ بولنا اس کے صلاح وتقوی کی نشانی ہے۔

فائدہ: ان پانچ رفاہی کاموں کی نہ تخصیص ہے نہ حصر، اور بھی ایسے کام ہو سکتے ہیں، بخاری شریف کتاب المناقب (حدیث نمبر ۳۹۰۵) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں ابن الدغنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بھی یہی پانچ کام بیان کئے ہیں، اس لئے ان کاموں کی آنحضور ﷺ کے ساتھ بھی تخصیص نہیں ہے۔

فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيْجَةُ حَتّٰى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى، وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيْجَةَ، أَخِيْ أَبِيْهَا، وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ وَيَكْتُبُ مِنَ الإِنْجِيْلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ: أَيْ عَمِّ! اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيْكَ. قَالَ وَرَقَةُ بْنُ نَوْفَلٍ: يَا ابْنَ أَخِيْ! مَا ذَا تَرٰى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَبَرَ مَا رَآهُ. فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ أُنْزِلَ عَلٰى مُوْسَى صلى الله عليه وسلم، يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا، يَا لَيْتَنِيْ أَكُوْنُ حَيًّا حِيْنَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ" قَالَ وَرَقَةُ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُوْدِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا.

ترجمہ: پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر چلیں یہاں تک کہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں، جو نوفل بن اسد بن عبدالعزی کے بیٹے اور حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور ورقہ ایسے آدمی تھے جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے

تھے، وہ عربی کتاب لکھا کرتے تھے اور انجیل سے عربی میں لکھتے تھے، جو اللہ تعالیٰ چاہتے کہ لکھیں، اور وہ بہت بوڑھے آدمی تھے جو نابینا ہوچکے تھے، ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا: چچا جان! اپنے بھتیجے کی بات سنئے، آپؐ سے ورقہ نے پوچھا: بھتیجے! تم نے کیا دیکھا؟ پس نبی ﷺ نے ان کو وہ پورا واقعہ بتلایا جو آپؐ کے ساتھ پیش آیا، پس آپؐ سے ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس (رازدار فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، کاش میں زمانۂ دعوت میں جوان ہوتا! کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپؐ کو آپؐ کی قوم (مکہ سے) نکالے گی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا اور وہ مجھے نکالنے والے ہیں؟ ورقہ نے کہا: ہاں، نہیں لایا کوئی شخص کبھی بھی اس کے مانند جو آپؐ لائے ہیں مگر وہ دشمنی کیا گیا ہے، یعنی جو شخص بھی اللہ کا کلام اور پیام لے کر آتا ہے تو لوگ اس کے دشمن ہوجاتے ہیں، اور اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپؐ کی بھرپور مدد کروں گا ــــ اور بخاری شریف (حدیث ۳) میں یہ بھی ہے کہ: پھر کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا، اور وحی سست پڑگئی، یعنی وقتی طور پر وحی رک گئی۔

تشریح: حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ توریت وانجیل کے بڑے عالم تھے اور بت پرستی سے بیزار ہوکر عیسائی ہوگئے تھے، وہ سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے، اور لوگوں میں تقسیم کرتے تھے تاکہ لوگ عیسائیت قبول کریں، یعنی وہ دین کی نشرواشاعت کا کام کرتے تھے، اور وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے، ورقہ نے جب آنحضور ﷺ کی زبانی پورا واقعہ سنا تو ان کو آپؐ کی نبوت کا یقین آگیا، اور انھوں نے جان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت وانجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور زمانۂ دعوت میں زندہ رہنے کی تمنا کی مگر اس کے چند دن بعد ہی ورقہ کا انتقال ہوگیا۔ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے پوچھا: یارسول اللہ! ورقہ نے آپؐ کی تصدیق کی تھی، لیکن اعلانِ نبوت سے پہلے فوت ہوگئے، پس ان کا کیا حال ہے؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا، وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے، اگر وہ دوزخی ہوتے تو کسی اور لباس میں ہوتے (ترمذی حدیث ۲۲۸۴ ابواب الرؤیا باب ۱۱) اور مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ورقہ کو برا مت کہو، میں نے ان کے لئے جنت میں ایک باغ یا فرمایا: دو باغ دیکھے ہیں (فتح الباری ۸: ۵۵۴ کتاب التفسیر سورۂ اقراء)

فائدہ (۱): علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے سیرۃ النبی (۱: ۱۸۹) میں تحریر فرمایا ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے ورقہ کی بات سنی تو آنحضور ﷺ کو حق کا یقین آگیا اور آپؐ نے اس کا اعتراف کیا، یعنی علامہ شبلی کے خیال میں نبی ﷺ کو اپنی نبوت ورسالت میں شک تھا، ورقہ کے اطمینان دلانے پر آپؐ کو اپنی نبوت کا یقین آیا۔

علامہ کا یہ خیال شاید درست نہیں، آنحضور ﷺ کو شروع ہی میں اپنی نبوت ورسالت کا یقین ہوگیا تھا، جب

حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ آئے تو پہلے آپ کو سلام کیا جیسا کہ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے (فتح الباری ۱۲:۳۱۳ کتاب التعبیر) پھر آپ کو رسالت کی بشارت دی، یہاں تک کہ آپ مطمئن ہوگئے، پھر آپؐ سے کہا: پڑھئے، اور سورۂ علق کی ابتدائی آیات آپ کو پڑھائیں (خصائص کبری ۱:۹۳-۹۴ بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ ۱:۱۴۰)[1]

فائدہ (۲): حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آنحضور ﷺ کو ورقہ کے پاس لے جانا اور آپؐ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک وشبہ کا ازالہ اور یقین کا حاصل کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ آنحضور ﷺ کی تسلی اور تشفی مقصود تھی کہ نزولِ وحی کے بعد آنحضور ﷺ پر جو خشیت اور دہشت طاری ہوئی تھی وہ مبدل بہ سکون ہو جائے۔

فائدہ (۳): اور وحی کے رک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کا نزول چند[2] روز کے لئے بند ہو گیا، یہ مطلب نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنا بند ہو گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد ورفت برابر جاری رہی (عمدۃ القاری ۱:۶۲)[3]

**قوله: و كان يكتب الكتاب العربي**: ورقہ عربی میں لکھا کرتے تھے، انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔

یہاں یہ ہے اور بخاری شریف (حدیث نمبر ۳) میں ہے: **و كان يكتب الكتاب العبراني، فيكتب من الإنجيل بالعبرانية**: ورقہ عبرانی زبان کے ماہر تھے اور انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ ورقہ عربی اور عبرانی دونوں زبانیں جانتے تھے اور انجیل کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے اور عبرانی میں اصل انجیل لکھتے تھے، یعنی اس کا نسخہ تیار کرتے تھے، کیونکہ وہ طباعت کا دور نہیں تھا۔

**قوله: يا عمّ**: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ کو چچا کبری سنی کی وجہ سے احتراماً کہا ہے، جیسے بڑا چھوٹے کو بھتیجا کہتا ہے، اور ایک روایت میں جو معمر کے طریق سے ہے اور ابھی آرہی ہے یا ابن عم! ہے، یہ حقیقت کی ترجمانی ہے، ورقہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی چچازاد بھائی تھے، اسد بن عبد العزی کے ایک لڑکے نوفل اور دوسرے خُویلد تھے، ورقہ: نوفل کے لڑکے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خویلد کی لڑکی تھیں، اور آنحضور ﷺ اور ورقہ کا نسب قُصی میں جا کر ملتا ہے، اس طرح آپؐ اور ورقہ بھی چچازاد بھائی ہوئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قُصی کے ایک لڑکے کا نام عبد مناف تھا جو آنحضور ﷺ کے جدامجد ہیں، اور دوسرے لڑکے کا نام عبد العزی تھا جو ورقہ کے جدامجد ہیں، جب یہ دونوں بھائی تھے تو نیچے ان کی اولاد چچازاد بھائی ہوگی، جیسے حضرت مریم

---

(۱) خصائص کبری کی یہ بات تحقیق طلب ہے، اس کتاب میں ہر طرح کی روایات ہیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۲) امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بواسطہ شعبی روایت کیا ہے کہ زمانہ فترت جس میں قرآن مجید کا نزول موقوف رہا تین سال ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے (عمدۃ ۱:۶۲) اور بعض روایات میں فترت کی مدت ڈھائی سال اور بعض میں چھ ماہ ہے، اور ابن عباسؓ کا رجحان یہ ہے کہ صرف چند ایام وحی موقوف رہی (فتح الباری ۱:۲۷)

(۳) یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام زمانۂ فترت میں برابر آتے رہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

رضی اللہ عنہا کی والدہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بہنیں تھیں، پس حضرت زکریا کی اہلیہ: حضرت مریمؑ کی خالہ ہوئیں۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یحیٰ علیہ السلام: حضرت مریمؑ کے خالہ زاد بھائی ہوئے، اس لئے حضرت مریمؑ کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام بھی خالہ زاد بھائی ہوئے، یہی صحیح رشتہ ہے، معراج میں جب حضور اکرم ﷺ تیسرے آسمان پر پہنچے ہیں تو وہاں آپؐ کی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ دو خالہ زاد بھائیوں سے ملاقات ہوئی۔

**قوله: هذا الناموس الذی نزّل الله علی موسیٰ:** ناموس کے معنی ہیں: راز دار، یہ جاسوس کا مقابل ہے، بری خبریں لانے والے کو جاسوس اور اچھی خبر لانے والے کو ناموس کہتے ہیں، اس کی جمع نوامیس ہے، اور نوامیس الٰهیه: اللہ کے یہاں سے آئے ہوئے احکام کو کہتے ہیں، چونکہ وہ احکام حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت آتے ہیں اس لئے ان کو نوامیس کہا جاتا ہے۔

سوال: جب ورقہ نصرانی تھے تو ان کو کہنا چاہئے تھا کہ یہ وہی ناموس ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی لے کر آتے تھے، انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام کیوں لیا؟

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے اصل الاصول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سلسلہ کے خاتم ہیں، پس اصل دین دین موسوی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی دین پر بھیجے گئے تھے، جیسے آنحضرت ﷺ ملتِ اسماعیلی ابراہیمی پر مبعوث کئے گئے ہیں۔ چنانچہ بنیادی احکام موسیٰ علیہ السلام پر آئے ہیں، اور انجیل میں احکام میں کچھ اضافہ ہوا ہے، اور کچھ تبدیلی ہوئی ہے، باقی اصل احکام عیسائیت میں بھی وہی ہیں جو تورات میں ہیں، انجیل مستقل کتاب نہیں، توریت کا ضمیمہ ہے، ورقہ اس حقیقت سے واقف تھے اس لئے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لیا۔

**قوله: یا لیتنی فیها جَذَعًا:** یعنی ابھی تو آپؐ کو دعوت کا کام سپرد نہیں ہوا، لیکن آگے ہوگا، پس جب آپؐ پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے گی: کاش اس وقت میں جوان ہوتا تو آپؐ کا معاون و مددگار بنتا ـــــ جَذَعًا: کے معنی ہیں: پٹھا، یعنی نوجوان اور فیها کی ضمیر دعوت کی طرف راجع ہے۔

**قوله: أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ:** یہاں ہمزہ اور واؤ دونوں ہیں، ہمزہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اور واؤ معطوف علیہ کو، اس لئے کچھ محذوف ماننا ضروری ہے تا کہ ہمزہ اور واؤ دونوں کے تقاضے پورے ہو جائیں، پس تقدیر عبارت ہوگی: أَمُعَادِيَّ هُم وَمُخْرِجِيَّ هُم (ایضاح البخاری ۱:۹۲)...... اور مُخْرِجِيَّ خبر مقدم ہے اور هُم: مبتداء مؤخر...... مُؤَزَّرًا: اسم مفعول، أَزَرَ فلانًا: قوی کرنا...... أُزْرَه: ڈھانپنا...... آزَرَهُ مُوَازَرَةً: مدد دینا، غم خواری کرنا۔

[۲۵۳-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، قَالَ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ

الْوَحْيِ. وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ يُوْنُسَ. غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَوَ اللّٰهِ لاَ يُحْزِنُكَ اللّٰهُ أَبَدًا. وَقَالَ: قَالَتْ خَدِيْجَةُ: أَيِ ابْنَ عَمِّ! اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيْكَ.

وضاحت: یہ معمر کی حدیث ہے، انھوں نے بھی یونس کی طرح ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے اور ان کی حدیث میں لا یُخْزِیکَ اللّٰہ کی جگہ لا یُحْزِنُکَ اللّٰہ ہے، یعنی اللہ آپ کو غمگین نہیں کریں گے اور یا عمّ! کی جگہ ابن عم ہے۔

قوله: واخبرنی عروۃ: واؤ معمر نے بڑھایا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ زہری نے ایک ہی مجلس میں عروہ کی سند سے متعدد حدیثیں بیان کیں، ان میں سے یہ بھی ایک حدیث ہے اور یہ پہلی حدیث نہیں ہے۔

[۲۵۴-] وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِيْ، عَنْ جَدِّيْ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ: قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: فَرَجَعَ إِلٰى خَدِيْجَةَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ. وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ يُوْنُسَ وَمَعْمَرٍ. وَلَمْ يَذْكُرْ أَوَّلَ حَدِيْثِهِمَا مِنْ قَوْلِهِ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ. وَتَابَعَ يُوْنُسَ عَلٰى قَوْلِهِ: فَوَ اللّٰهِ لاَ يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا. وَذَكَرَ قَوْلَ خَدِيْجَةَ: أَيِ ابْنَ عَمِّ! اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيْكَ.

وضاحت: یہ عقیل بن خالد کی روایت ہے، انھوں نے بھی ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے اور ان کی حدیث میں بوادہ کی جگہ فؤادہ ہے، یعنی حضور ﷺ کا دل لرز رہا تھا، باقی حدیث یونس اور معمر کی حدیث کی طرح ہے، البتہ ان کی روایت میں یہ جملہ کہ: ”وحی کی ابتداء سچے خوابوں کے ذریعہ ہوئی“ نہیں ہے۔ اور لایُخزیک اللہ أبدًا: میں عقیل نے یونس کی متابعت کی ہے یعنی ان کی حدیث میں بھی یہ جملہ ہے، اور یا عم کی جگہ ابن عم ہے، اس میں معمر کی متابعت کی ہے۔

[۲۵۵-] وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يُوْنُسُ، قَالَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ- وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم- كَانَ يُحَدِّثُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ – قَالَ فِيْ حَدِيْثِهِ– " فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَ نِيْ بِحِرَاءٍ جَالِسًا عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا" فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ. فَدَثَّرُوْنِيْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾[المدثر: ۱-۵] وَهِيَ: الْأَوْثَانُ. قَالَ: ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ.

ترجمہ: یہ حدیث ابن شہاب نے بواسطہ ابوسلمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور ابن شہاب سے یونس نے —— حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو کہ انصاری صحابی ہیں حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: —— درانحالیکہ حضرت جابرؓ وقفۂ وحی کا تذکرہ کررہے تھے —— آپؐ نے اپنی بات میں فرمایا: دریں اثناء کہ میں چل رہا تھا، میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنی نظر اٹھائی، اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس غارِ حراء میں آیا تھا[1] آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھ پر دہشت طاری ہوگئی اور میں گھر لوٹ آیا —— جُئِث جَأْثًا وُجُؤُوْثًا: گھبرانا، الفَرَق: (مصدر) گھبراہٹ، جمع أفْرَاق —— اور میں نے کہا: ''مجھے کپڑا اڑھاؤ! مجھے کپڑا اڑھاؤ! انھوں نے مجھے کپڑا اڑھادیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: ''اے کپڑا اوڑھنے والے! اٹھئے، یعنی مستعد ہوجایئے، پس ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھئے اور بتوں کو چھوڑیئے یعنی لوگوں کو سمجھایئے کہ وہ بتوں کو چھوڑدیں'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر وحی مسلسل آنے لگی، یعنی پھر وقفہ نہیں ہوا۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں، پھر کچھ عرصہ کے لئے وحی رک گئی، پھر ایک بار آپؐ غارِ حراء سے اتر کر گھر آرہے تھے، جب آپؐ اجیاد نامی محلہ سے گذر رہے تھے تو آپؐ نے ایک آواز سنی، آپؐ نے چاروں طرف دیکھا، کوئی نظر نہیں آیا، پھر آپؐ نے نظر اٹھائی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ آپؐ پر ہیبت طاری ہوگئی، آپؐ گھبرا کر گھر لوٹے، اور کپڑوں میں لپٹ گئے، اس وقت سورۃ المدثر کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپؐ کو مستعد ہوکر کافروں کو ڈرانے کا اور ان کو بتوں سے باز رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ نے فوراً دعوت وتبلیغ کا کام شروع کردیا۔

۲- آنحضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دومرتبہ دیکھا ہے، ابتداءِ وحی میں اور معراج کی رات میں، ان دوموقعوں کے علاوہ کبھی آپؐ نے ان کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر لے جایا گیا، پھر براق کو اس کھونٹے سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر آسمانوں پر چڑھنے کے لئے سیڑھی (لفٹ) لگائی گئی، جس کے ذریعہ آپؐ آسمانوں پر چڑھے، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے، سدرۃ کے معنی ہیں: بیری کا درخت اور منتہی کے معنی ہیں: آخری حد، باڈر، عالم تحتانی کا ایک باڈر ہے، وہاں بیری کا درخت ہے وہ باڈر کی بیری ہے، اس کے پھل مٹکوں کے برابر اور پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں، اس درخت پر سونے کے پتنگے چھارہے ہیں، وہ درخت اتنا خوبصورت ہے کہ آنحضور

(۱) یہ ارشاد دلیل ہے کہ زمانۂ فترت میں نہیں آئے تھے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

ﷺ نے فرمایا: ''میں اس کی خوبصورتی بیان نہیں کرسکتا!'' وہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ساتھ چھوڑ دیا اور عرض کیا: اب آپ تنہا آگے جائیں، ہماری سرحد آگئی، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں پہنچے ہیں تو اپنی اصل شکل میں ہوگئے۔ یہ دوسرا موقعہ ہے جب آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا ہے، اور پہلی مرتبہ ابتداءِ وحی میں فترت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد دیکھا تھا جس کی تفصیل مذکورہ بالا حدیث میں مروی ہے۔

۳-فترت کا زمانہ کتنا ہے؟ تاریخ احمد بن حنبل میں حضرت شعبیؒ سے تین سال مروی ہیں، ابن اسحاقؒ نے اسی کو معتبر قرار دیا ہے، اور ایک رائے ڈھائی سال اور ایک رائے چھ ماہ کی بھی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ صرف چند ایام وحی موقوف رہی ہے، پھر باقاعدہ شروع ہوگئی (فتح الباری ۱:۲۷) اور وحی موقوف کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد آنحضور ﷺ پر جو ایک قسم کی ہیبت اور دہشت طاری ہوگئی تھی اس میں قرار آجائے، اور آپ کو سکون خاطر حاصل ہوجائے، اس لئے کچھ عرصہ کے لئے وحی موقوف کردی گئی تھی۔ واللہ اعلم

[۲۵۶-] وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ جَدِّي، قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: " ثُمَّ فَتَرَ الْوَحْيُ عَنِّي فَتْرَةً، فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي" ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ يُونُسَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: " فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا حَتّٰى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ" قَالَ: وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَالرُّجْزُ: الْأَوْثَانُ. قَالَ: ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ، بَعْدُ، وَتَتَابَعَ.

وضاحت: یہ عُقیل کی روایت ہے، انھوں نے بھی ابن شہاب سے اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے یونس نے روایت کی ہے —— قولہ: ثم فَتَرَ الوحيُ: الفَتْرَةُ: دو زمانوں کے درمیان کا حصہ، فَتَرَ: چستی کے بعد سست پڑجانا —— قولہ: فَجُئِثْتُ: فعل مجہول: از جَئِثَ يَجْئَثُ: ڈرنا، اور بعضوں نے ترجمہ کیا ہے میں اپنی جگہ سے اکھیڑ ڈالا گیا، یہاں تک کہ زمین پر پڑ گیا —— حتى هَوَيْتُ إلى الأرض: یونس کی روایت میں یہ نہیں ہے، صرف عُقیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں —— قولہ: والرُّجز: ابو سلمہ نے اس کے معنی کئے ہیں: مورتیاں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر کی قراءت میں راء کے کسرہ کے ساتھ الرِّجز ہے، اور حفص نے راء کے ضمہ کے ساتھ الرُّجز پڑھا ہے، ابو عبیدہ کہتے ہیں: دونوں صورتوں میں معنی عذاب کے ہیں۔ اور مجاہد اور حسن بصری کہتے ہیں: ضمہ کے ساتھ رُجز کے معنی ہیں: مورتیاں، اور کسرہ کے ساتھ معنی ہیں: عذاب، شرک اور بت پرستی عذاب کا سبب ہیں اس لئے وہ رِجز ہیں۔

قولہ: ثم حَمِيَ الوَحْيُ وَتَتَابَعَ: دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، پھر وحی گرم ہوگئی اور مسلسل آنے لگی یعنی پھر لمبا وقفہ نہیں ہوا۔

وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ وَقَالَ: فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:﴿ يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ - وَهِيَ: الأَوْثَانُ - وَقَالَ:" فَجُئِثْتُ مِنْهُ" كَمَا قَالَ عُقَيْلٌ.

وضاحت: اس کو امام زہری رحمہ اللہ سے معمر نے روایت کیا ہے اسی سند سے جس سے یونس نے روایت کی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ سورۃ المدثر کا نزول فرائض خمسہ سے قبل یعنی معراج سے قبل ہوا ہے ـــــ اور اس روایت میں بھی جُئِثْتُ: فعل مجہول، از جَثَّ يَجُثُّ: (ڈرنا) ہے۔

[۲۵۷-] وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى يَقُولُ:سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ:أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ: أَوِ ﴿اقْرَأْ﴾؟ فَقَالَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ: أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ: أَوِ﴿ اقْرَأْ﴾؟ قَالَ جَابِرٌ: أُحَدِّثُكُمْ مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا، فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِيْ نَزَلْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ بَطْنَ الْوَادِيْ، فَنُودِيتُ، فَنَظَرْتُ أَمَامِيْ وَخَلْفِيْ وَعَنْ يَمِينِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ، فَلَمْ أَرَ أَحَدًا، ثُمَّ نُودِيتُ، فَنَظَرْتُ فَلَمْ أَرَا أَحَدًا، ثُمَّ نُودِيتُ، فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ، فَإِذَا هُوَ عَلَى الْعَرْشِ فِي الْهَوَاءِ يَعْنِيْ: جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - فَأَخَذَتْنِيْ رَجْفَةٌ شَدِيدَةٌ، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ: دَثِّرُونِيْ، فَدَثَّرُونِيْ، فَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [المدثر: ۱-۴]

[۲۵۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيرٍ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ. وَقَالَ:" فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلٰى عَرْشٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ"

ترجمہ: یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں: میں نے ابوسلمہ سے پوچھا: قرآن کی کونسی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں؟ انھوں نے کہا: سورۃ المدثر کی آیات، میں نے عرض کیا: یا سورۃ العلق کی آیات؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا: میں تم سے وہی بات بیان کرتا ہوں جو ہم سے نبی ﷺ نے بیان کی ہے، آپؐ نے فرمایا: میں نے حراء میں مہینہ بھر اعتکاف کیا، جب میں نے اپنا اعتکاف پورا کیا تو میں (گھر واپسی کے لئے حراء سے) اترا، پس جب میں میدان کے درمیان میں پہنچا تو میں آواز دیا گیا، پس میں نے آگے پیچھے، دائیں، بائیں دیکھا، کوئی نظر نہ آیا، پھر میں آواز دیا گیا، میں نے پھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، پھر میں آواز دیا گیا تو میں نے سر اٹھایا، تو اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام فضاء میں تخت شاہی پر براجمان تھے، پس مجھ پر سخت کپکپی طاری ہوگئی، میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھے کپڑا اوڑھاؤ! مجھے کپڑا اوڑھاؤ! اور مجھ پر پانی ڈالو، پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی یہ آیات اتاریں۔

سند: علی بن المبارک نے بھی یحییٰ بن ابی کثیر سے اسی سند سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔

تشریح: اب تک روایات میں یہ تھا کہ سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی ہیں، اور یہاں یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیتیں اتری ہیں، تطبیق یہ ہے کہ اولیت مطلقہ سورۃ العلق کی آیتوں کو حاصل ہے اور زمانہ فترت کے بعد سب سے پہلے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیتیں اتری ہیں —— اور پانی ڈلوانے میں مصلحت یہ تھی کہ سکون خاطر حاصل ہو، کیونکہ وحشت سے پورا بدن لرز رہا تھا، اور کپکپی طاری تھی، اور عام طور پر اس کے بعد بخار آتا ہے اور عرب بخار کا علاج ٹھنڈے پانی سے کرتے تھے، طب نبوی کی روایات میں اس کی صراحت ہے، اس لئے آپؐ نے اپنے اوپر پانی ڈالنے کے لئے فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے نبوت کے بعد بھی غار حراء کا اعتکاف کیا ہے، اور ایک ماہ اعتکاف کرنے کی بھی صراحت ہے، اس سے ابن اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر سال ایک ماہ غار حراء کا اعتکاف کیا کرتے تھے، اور عبید بن عمیر کی مرسل روایت میں رمضان میں اعتکاف کرنے کی بات ہے جو بیہقی میں ہے (فتح الملہم)

ابوسلمہ کا تعارف: حضرت ابوسلمہؒ جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں، اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، مگر ان کا اپنے والد سے لقاء وسماع نہیں، ابھی وہ بچے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا۔

## بَابُ الإِسْرَاءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى السَّمَاوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ

### رسول اللہ ﷺ کی سیر سماوی اور نمازوں کی فرضیت

ہجرت سے کچھ پہلے اسراء ومعراج کا واقعہ پیش آیا ہے، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے اوپر تک کی سیر معراج کہلاتی ہے، اسراء کے معنی ہیں: رات میں چلنا اور أسرى بہ کے معنی ہیں: رات میں لے چلنا، چونکہ یہ سفر رات میں کرایا گیا تھا اس لئے وہ اسراء کہلاتا ہے اور معراج کے معنی ہیں: سیڑھی، چونکہ آسمانوں پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لگائی گئی تھی اس لئے اس سفر کو معراج کہتے ہیں، مگر عرف عام میں دونوں کے مجموعہ کو معراج کہتے ہیں۔

### معراج کی روایات:

متعدد مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اسراء ومعراج کی روایتیں متواتر ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ۲۵ صحابہ کرام کے نام لکھے ہیں جن سے معراج کی حدیثیں مروی ہیں، اور آخر میں لکھا ہے: ''معراج کی حدیثوں پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ملحدوں اور زندیقوں نے ان سے اعراض کیا ہے'' سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور اور ابن کثیر نے تفسیر میں ان

سب روایات کو ذکر کیا ہے۔

**معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟**

اس سلسلہ میں سن، ماہ، تاریخ اور دن سب میں اختلاف ہے، سن میں چار قول ہیں: ۵ نبوی، ۶ نبوی، ۱۱ نبوی، اور ۱۲ نبوی اور مہینہ کے بارے میں پانچ قول ہیں: ماہ ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب، رمضان اور شوال۔ اور تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۷ اور ۲۷۔ اور دن کے بارے میں تین قول ہیں: بار کی رات، جمعہ کی رات اور پیر کی رات۔ اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب کی شب میں پیش آیا ہے ـــــ اور شبِ معراج میں عبادت کرنا مشروع نہیں (روح المعانی) پس دوسری رسومات کیسے جائز ہوسکتی ہیں؟ معراج کی سب سے بڑی یادگار پانچ نمازیں ہیں۔

**اسراء اور معراج ایک ساتھ پیش آئے ہیں:**

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسراء اور معراج کے دونوں واقعے ایک ساتھ پیش نہیں آئے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں صرف اسراء کا بیان ہے، اگر دونوں واقعے ایک ساتھ پیش آئے ہوتے تو قرآن ایک کے ذکر پر اکتفانہ کرتا ـــــ مگر یہ خیال احادیث شریفہ کی روشنی میں غلط ہے، احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعے ایک ساتھ پیش آئے ہیں، اور یہاں صرف اسراء کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود آنحضور ﷺ کی سیادت کا بیان ہے، اور اس کا تعلق واقعہ کے صرف اسی قدر حصہ سے ہے [1]۔

**اسراء اور معراج بیداری میں پیش آئے ہیں یا خواب میں؟**

حضرت عائشہ، حضرت معاویہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپؐ نے یہ واقعات بحالت خواب دیکھے ہیں، ان حضرات کا مستدل سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۶۰ ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾: اور ہم نے آپ کو (شبِ معراج میں) جو مشاہدہ کرایا تھا: وہ لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے تھا، اس آیت میں معراج کے واقعہ کو رؤیا (خواب) کہا گیا ہے۔

اور جمہور امت کی رائے یہ ہے کہ اسراء و معراج بیداری میں پیش آئے ہیں، یعنی روح و جسم کے ساتھ معراج ہوئی

---

(۱) اسراء سے یعنی بیت المقدس لے جانے سے مقصود آنحضور ﷺ کا امام الانبیاء ہونا واضح کرنا تھا، چنانچہ ایک آیت میں اسراء کا تذکرہ کرکے کلام کا رخ بنی اسرائیل کی سیاہ کاریوں کی طرف پھیر دیا ہے اور آخر میں انہیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے، اس انداز کلام میں اشارہ ہے کہ اب بنی اسرائیل کو نوع انسانی کی قیادت سے معزول کیا جارہا ہے، اب یہ منصب آنحضور ﷺ کو اور آپؐ کی امت کو سونپا جارہا ہے، چنانچہ اس سفر کے آخر میں آپ ﷺ نے جو تمام انبیاء و رسل کی امامت فرمائی ہے اس سے اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہے، تفصیل ہدایت القرآن کی پانچویں جلد کے شروع میں ہے۔

ہے،ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-آیتِ پاک میں واقعہ کی ابتداء تسبیح سے کی گئی ہے،اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جواللہ تعالیٰ کی غیرمحدود قدرت سے رونما ہوا ہے،اور خواب میں اس قسم کے احوال کا دیکھنا ایک عام بات ہے،اس کو بیان کرنے کے لئے اتنی زوردار تمہید کی ضرورت نہیں تھی۔

۲-یہ الفاظ کہ''ایک رات میں اپنے خاص بندے کو لے گئے'' جسمانی سفر پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں عالم خواب کے سفر کے لئے یہ الفاظ کسی طرح موزوں نہیں۔

۳-لفظ عبد کے اشارہ سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے،کیونکہ صرف روح کا نام عبد نہیں،بلکہ جسم وروح کے مجموعہ کا نام عبد ہے۔

۴-جب آپؐ نے معراج کا واقعہ اپنی چچازاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو سنایا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے،اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی؟اس قسم کے خواب تو دیکھے جاتے ہیں۔

۵-جب آپؐ نے لوگوں کے سامنے واقعہ کا اظہار کیا تو کفار نے تکذیب کی اور خوب مذاق اڑایا،اگر معاملہ صرف خواب کا ہوتا تو تکذیب بے معنی تھی!

۶-علاوہ ازیں مشرکین نے آپؐ سے بیت المقدس کا نقشہ معلوم کیا،آپؐ سے قافلوں کے احوال دریافت کئے،جو سب آنحضرت ﷺ نے بتلادیئے،اوران لوگوں نے تصدیق بھی کی کہ آپؐ نے بیت المقدس کا نقشہ بالکل صحیح بتایا ہے، پس اگر یہ معاملہ محض خواب کا ہوتا تو وہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی،پھر یہ سب امتحان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۰ میں جو اس واقعہ کو رؤیا کہا گیا ہے تو ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ رؤیا آنکھ کا دیکھنا تھا جو شبِ معراج میں آپ کو دکھایا گیا تھا۔

رُؤْیَا: رَأٰی یَرٰی کا مصدر ہے،جس کے معنی بصارت یا بصیرت سے دیکھنے کے ہیں،نیز فُعلیٰ کے وزن پر اسم بھی ہے،اس وقت خواب کے معنی ہونگے۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: معراج کی جو نشانیاں دکھلائی گئی تھیں وہ امورِ غیب میں سے تھیں اور رؤیت شہادت سے مختلف تھیں،اس لئے ان کو عالم غیب کے مشابہ قرار دے کر رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہے

(قالہ ابن حجر رحمہ اللہ فی الفتح ۱۲:۳۰)

اسراء ومعراج کا واقعہ اللہ کی قدرت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے:

بعض لوگ ـــــ بزعم خود دانشمند ـــــ واقعۂ اسراء ومعراج میں امکان وعدم امکان کی بحث چھیڑتے ہیں،اور تاویل کی راہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں،حالانکہ یہ واقعہ قرآن مجید میں سورہ بنی اسرائیل کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا

ہے،اور واقعہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کی پاکی سے کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی ہر عیب، ہر کمی، ہر عاجزی اور ہر کمزوری سے پاکی بیان کی گئی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف اشارہ ہے، جو ہستی ہر طرح کی کمزوری، عجز و درماندگی سے مبرا ہو وہ بااقتدار ہوتی ہے۔اور اللہ کی قدرتِ کاملہ سے واقعہ کی ابتداء اس لئے کی گئی ہے کہ معراج کے سلسلہ میں ممکن اور ناممکن کا سوال ہی پیدا نہ ہو، یہ سوال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب معاملہ بندے کے کام کرنے کا ہو، کیونکہ بندوں کی طاقت وقدرت محدود ہے، لیکن جب معاملہ قدرتِ خداوندی کا ہو تو امکان اور عدم امکان کی بحث وہی چھیڑ سکتا ہے جو اللہ کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ رکھتا ہو، پھر یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں، اس سے پہلے دو واقعے جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے جانے کے پیش آچکے ہیں، ایک حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہے، آپ کی تخلیق اسی زمین پر ہوئی تھی، پھر آپ کو اور دادی حواء رضی اللہ عنہا[1] کو آسمانوں میں لے جا کر جنت میں بسایا گیا، پھر وہاں سے زمین پر اتارا گیا، دوسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیش آچکا ہے ،آپ کو بھی جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں میں اٹھایا گیا ہے، اور قیامت سے پہلے اسی جسم کے ساتھ اتارا جائے گا۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے رونما کئے ہیں جو قادر مطلق ہیں، اور ہر ضعف وکمزوری سے پاک ہیں، معراج کا محیر العقول واقعہ بھی ان کی قدرت کاملہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے، اسی طرح اُس زمانہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر مہینہ سوا مہینہ میں طے ہوتا تھا، مگر قادر مطلق نے ایک ہی رات میں طے کرادیا، سفرات کے ابتدائی حصہ میں شروع ہوا اور صبح سویرے غلس میں آپ مکہ لوٹ آئے۔

## معراج کتنی مرتبہ ہوئی؟

آنحضور ﷺ کو پانچ سے زائد بار معراج ہوئی ہے، ایک بڑی معراج ہے جو جمہور کے قول کے مطابق حالتِ بیداری میں اور جسدِ عنصری کے ساتھ ہوئی ہے، باقی سب منامی معراجیں ہیں۔

ملحوظہ: معراج کی روایت طویل ہے اور مشہور ہے، اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، چند ٹکڑوں میں ترجمہ اور

---

(۱) کچھ لوگ حضرات حواء، ہاجرہ، سارہ، مریم، عائشہ اور فاطمہ وغیرہ کے ساتھ علیہا السلام لگاتے ہیں، یہ درست نہیں، اس لئے کہ غیر انبیاء اور غیر فرشتہ کے لئے صلوٰۃ وسلام جائز نہیں، ان کے لئے ترضی اور ترحم مسنون ہیں، درمختار میں ہے: غیر انبیاء اور غیر فرشتوں پر درود نہیں بھیجا جاتا، مگر ضمنی طور پر (یعنی غیر نبی اور غیر فرشتہ کے لئے ”علیہ السلام“ کہنا جائز نہیں، ہاں ضمناً وتبعاً درست ہے، پس اللّٰھم صل وسلم علی محمد و آلہ واصحابہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ یہاں جو غیر نبی پر درود وسلام بھیجا جارہا ہے وہ ضمنی طور پر ہے) اور صحابہ کرام کے لئے رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء، عبّاد اور نیک حضرات کے لئے رحمہم اللہ کہنا مستحب ہے (درمختار ۱۰: ۴۸۳ کتاب الخنثی، مطبع زکریا)

اور شامی میں ہے: اور رہا سلام تو یہ صلوٰۃ کے حکم میں ہے، چنانچہ نہ غائب کے لئے اس کا استعمال جائز ہے نہ غیر انبیاء کے لئے منفرداً درست ہے، لہٰذا علی علیہ السلام نہیں کہنا چاہئے، اور اس حکم میں زندہ اور فوت شدہ سب برابر ہیں، مگر حاضر کے لئے السلام علیک، یا سلامٌ علیک یا السلام علیکم یا سلامٌ علیکم کہنا جائز ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے (حوالہ بالا)

ضروری وضاحت کی جاتی ہے۔

[۷۴-بَابُ الإِسْرَاءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى السَّمَاوَاتِ وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ]

[۲۵۹-] حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أُتِيْتُ بِالْبُرَاقِ- وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيْلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهِ - قَالَ: فَرَكِبْتُهُ حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ. قَالَ: فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ يَرْبِطُ بِهِ الأَنْبِيَاءُ. قَالَ: ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجْتُ، فَجَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ، فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ: اخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس بُراق لایا گیا اور وہ سفید لانبے قد کا ایک چوپایہ تھا، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا، وہ اپنا کھر (پیر) منتہائے نظر پر رکھتا تھا، میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا، اور اس کو اس کنڈے سے باندھ دیا، جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں گیا، میں نے وہاں (تحیۃ المسجد کی) دو رکعتیں پڑھیں، پھر باہر نکلا تو جبرئیل علیہ السلام نے شراب کا جام اور دودھ کا پیالہ پیش کیا، میں نے دودھ کا پیالہ پسند کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔

تشریح:

۱-یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے کئی طرق سے لکھی ہے، اور بخاری شریف میں بھی متعدد طرق سے آئی ہے اور دیگر کتب حدیث میں بھی تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ آئی ہے۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں رات میں آرام فرما رہے تھے اور نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکا یک چھت پھٹی، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اندر تشریف لائے اور آپؐ کو جگایا اور مسجدِ حرام لے گئے، آپؐ حطیم میں جا کر سو گئے، پھر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام نے آپ کو جگایا اور زم زم پر لائے، اور سینۂ مبارک چاک کیا اور قلبِ مبارک کو زم زم سے دھویا، پھر ایک سونے کا تھال لائے جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا، اس ایمان و حکمت کو قلب مبارک میں بھر کر سینہ ٹھیک کر دیا، تا کہ قلبِ مبارک عالم ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ کر سکے۔ اور اللہ عزوجل کے کلام کا تحمل کر سکے۔ بعد ازاں براق پر سوار کر کے مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ[1] لے گئے۔ بُراق: بَرق سے ہے، جس کے معنی ہیں: تجلی، اور اس سواری کو براق اس کی برق رفتاری کی وجہ سے کہا گیا ہے، یہ سواری جنت سے لائی گئی تھی، اور وہ سفید

(۱) أَقْصَى: (اسم تفضیل) بہت دور، جمع أَقَاص، مؤنث قُصْوَى، بیت المقدس کو مسجدِ اقصیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خانۂ کعبہ سے بہت فاصلہ پر ہے، اور اس سے پرے اور کوئی مسجد نہیں تھی (تفسیر حقانی)

لانبے قد کا ایک چوپایہ تھا، گدھے سے کچھ بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا، اور یہ جو مشہور ہے کہ اس کا چہرہ عورت جیسا اور جسم گھوڑے جیسا تھا وہ محض بے اصل بات ہے، اور اس سواری کی تیز رفتاری کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا پیر منتہائے نظر پر رکھتا تھا، آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس [1] پہنچے اور اس کنڈے سے اس کو باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریاں باندھ کرتے تھے [2]۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور اس کی محراب میں تحیۃ المسجد ادا فرمائی، اس وقت مسجدِ اقصیٰ منہدم کردی گئی تھی، مگر پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی، محراب باقی تھی، صَخرَۃ اپنی جگہ پر تھا اور باقی مسجد کو کوڑا دان بنا دیا گیا تھا، تاریخ طبری وقائع سن ۱۵ ہجری میں اس کی صراحت ہے، پھر ایک زینہ (لفٹ) لایا گیا جس میں درجے بنے ہوئے تھے، اس کے ذریعہ آپ آسمانوں پر چڑھے، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر اسراء کہلاتا ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے اوپر تک کی سیر معراج کہلاتی ہے، اسراء کے معنی ہیں: رات میں چلنا، اور أسرى به کے معنی ہیں: رات میں لے چلنا، چونکہ یہ سفر رات میں کرایا گیا تھا اس لئے وہ اسراء کہلاتا ہے اور معراج کے معنی ہیں: سیڑھی، چونکہ آسمانوں پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لگائی گئی تھی اس لئے اس سفر کو معراج کہتے ہیں، مگر عرف عام میں دونوں کے مجموعہ کو معراج کہتے ہیں۔

۲- حضرت جبرئیل علیہ السلام جو خلافِ معمول چھت کھول کر اندر آئے تھے اس کی علماء نے متعدد حکمتیں بیان فرمائی ہیں، ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس طرح آپ کو شق صدر پر مطمئن کرنا تھا کہ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چھت کھولنے سے نہ مٹی گری اور نہ کوئی عیب پیدا ہوا، اسی طرح وہ شق صدر کریں گے، اور بغیر کسی تکلیف کے سینہ چاک کر کے ٹھیک کردیں گے، آپ کو بالکل مطمئن رہنا چاہیے۔

۳- حضرت جبرئیل علیہ السلام جس سونے کے تھال میں ایمان وحکمت بھر کر لائے تھے وہ جنت کا ظروف تھا، اور جنت کے سونے چاندی کے ظروف کا استعمال جائز ہے، جنتی جنت میں وہی ظروف استعمال کریں گے، لہٰذا یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ سونے کے برتن کا استعمال جائز نہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کو کیسے استعمال کیا؟ علاوہ ازیں: یہ حکم انسانوں کے لئے ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام انسان نہیں، فرشتہ ہیں۔

۴- علماء نے فرمایا ہے کہ واقعۂ اسراء قطعی اور قرآن سے ثابت ہے، اس لئے اس کا منکر کافر ہے، اور بیت المقدس سے سماء دنیا تک کے سفر کا ثبوت اخبارِ مشہورہ سے ہے، اس لئے اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے، اور اس سے اوپر کے احوال

---

(۱) المقدّس: مشدد ومخفف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، المَقْدِس: مکان مقدس، پاک جگہ اور المُقَدَّس (اسم مفعول) پاک کیا ہوا۔ اور جب اس پر لفظ بیت داخل ہو تو پہلی صورت میں مضاف ہوگا اور بَيْتُ الْمَقْدِسُ کہا جائے گا اور دوسری صورت میں موصوف ہوگا اور البَيْتُ المُقَدَّس کہا جائے گا، مگر اردو میں اس کا خیال نہیں رکھا جاتا، بیت المقدّس ہی کہہ دیتے ہیں، البتہ المُقَدِّس (بکسر الدال، اسم فاعل) غلط ہے، اور الأَرْض المُقَدَّسة: فسلطین (یروشلم) کو کہتے ہیں۔ (۲) سواری پر بیت المقدس لے جانا اور سواری کو وہاں باندھنا عالم اسباب کی رعایت سے تھا، اس عالم میں اسباب کی رعایت ضروری ہے۔

اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں اور ان کا منکر فاسق ہے، تفسیر مظہری میں ہے: لايَخفى أنه لا يثبتُ المعراجُ من هذه الآية إلا إلى بيتِ المَقدِسِ فقط، ولذا قال أهلُ السنة بأجمَعِهم أن المعراجَ إلى المسجدِ الأقصى قطعيٌّ ثابتٌ بالكتاب، وإلى سَماءِ الدنيا ثابتٌ بالخبرِ المَشهُورِ وإلى ما فَوقَه من السماواتِ ثابتٌ بالآحاد، فَمُنكِرُ الأوّلِ كافرٌ البتّة، وَمُنكِرُ الثاني مُبتَدِعٌ ومُضِلٌّ، ومُنكِرُ الثالثِ فاسقٌ۔

مگر قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بیت المقدس سے آگے کا سفر بھی قطعی اور قرآن سے ثابت ہے، اور ان کا استدلال سورۃ النجم کی آیات ۱۳و۱۴ سے ہے: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ ضمیر چاہے اللہ کی طرف راجع مانیں چاہے جبرئیل کی طرف بہر صورت ثابت ہوگا کہ آنحضور ﷺ نے سدرۃ المنتہی پر اللہ کو یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے —— پھر فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمہور کی طرف سے یہ تاویل ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے دنیا میں اپنی جگہ برقرار رہ کر اللہ کو یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہی پر دیکھا ہو۔ قاضی صاحب کی عبارت یہ ہے: اللّٰهم إلا أن يقال: إن الآيةَ الدالةَ على ثبوت الإسراء مُحكمةٌ قطعيُّ الدّلالةِ بخلافِ سورةِ النجم، فإنها مُحتملةٌ غيرُ قطعيةِ الدلالةِ لأنه يحتمِلُ أن يكونَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم قد رأىَ اللّٰهَ أو جبرئيلَ عند سدرة المنتهى حالَ كونِه في الدنيا مُستَقِرًّا على مكانه۔

ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ. فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا. فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ، فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ. فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا. فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَحْيَى ابْنِ زَكَرِيَّاءَ، فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِيْ بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ. فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا. فَإِذَا أَنَا بِيُوْسُفَ، إِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ. قَالَ: فَرَحَّبَ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيْسَ. فَرَحَّبَ وَدَعَالِيْ بِخَيْرٍ. قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾[مريم: ۵۷] ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا. فَإِذَا أَنَا بِهَارُوْنَ. فَرَحَّبَ وَدَعَالِيْ بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ. فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا. فَإِذَا أَنَا بِمُوْسَى.

فَرَحَّبَ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ، ثُمَّ عَرَجَ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ. فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ. قِيْلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيْمَ، مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ.

ترجمہ: پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمیں لے کر آسمان کی طرف چڑھے، اور دروازہ کھلوایا، اندر سے پوچھا گیا: کون؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا: جبرئیل! پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد ﷺ ہیں، دریافت کیا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں، ان کو بلایا گیا ہے، پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا، تو اچانک میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تھا، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعائیں دیں ـــــ اسی طرح آپؐ دوسرے، پھر تیسرے یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچے اور ہر آسمان میں اسی طرح سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا، آپ ﷺ نے دوسرے آسمان میں دو خالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت یحیٰی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی، اور تیسرے آسمان میں آپؐ کی ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی اور آپؐ نے فرمایا: میں نے اچانک دیکھا کہ وہ آدھی خوبصورتی دیئے گئے ہیں ـــــ چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ادریس علیہ السلام کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾: یعنی ہم نے ان کو بلند مرتبہ عنایت فرمایا ہے ـــــ اور یہ جو مشہور ہے کہ ادریس علیہ السلام کی ایک فرشتہ سے دوستی تھی وہ اپنے پَروں میں چھپا کر آپ کو عالم بالا میں لے گیا، پھر وہ وہیں رہ پڑے، یہ اسرائیلی روایت ہے، آیت میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ـــــ اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تمام انبیاء نے آپ کو خوش آمدید کہا، اور دعائیں دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اللہ کے اس گھر میں روزانہ ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا۔

تشریح:

۱- البیت المعمور آسمانی کعبہ ہے، اس سے زمینی کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، اور یہاں حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان میں ملاقات ہوئی۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو بخاری شریف (حدیث نمبر ۳۴۹) میں ہے یہ ہے کہ چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اور اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپؐ کا استقبال چھٹے آسمان میں کیا اور ساتویں آسمان تک آپؐ کے ساتھ رہے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔

۲- ایک رائے یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں ہیں، مگر یہ رائے بے دلیل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الانبیاء (باب ۵) میں ان کا تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کیا ہے۔ اور حضرت

ادریس علیہ السلام کا زمانہ کونسا ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، نبی ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان میں ملاقات کی ہے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے، اور سورۂ مریم آیت ۵۷ میں آپ کے تذکرہ میں ہے: ﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾: اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند رتبہ تک پہنچایا، اس آیت کی تفسیر میں اسرائیلی روایات ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی ایک فرشتہ سے دوستی تھی، وہ ان کو اپنے پَر میں چھپا کر جنت میں لے گیا، پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں اور ان میں روایتی اعتبار سے نکارت ہے، یعنی یہ ناقابل اعتبار روایتیں ہیں، پس صحیح تفسیر یہ ہے کہ ﴿مَكَانًا عَلِيًّا﴾ سے مراد کمالات ہیں —— اور حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الیاس اور ادریس ایک شخصیت ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے اور بخاری شریف کتاب الانبیاء (باب ۴) میں تعلیقاً ہے۔

۳- نبی ﷺ کی معراج کی رات میں دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، اس کو حدیث شریف میں إِبْنَيِ الخالة: یعنی دو خالہ زاد بھائی کہا گیا ہے، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی حقیقی بہنیں تھیں، اس لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا خالہ زاد بھائی بہن ہوئے، اور حضرت مریمؑ کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت یحییٰ کے خالہ زاد بھائی ہوئے، یہی شرعی اصل ہے، ہمارے عرف کے اعتبار سے حضرات یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام ماموں بھانجے ہوتے ہیں، یہ ہندوانہ ریت ہے، غیر مسلم اسی طرح رشتہ داریاں قائم کرتے ہیں، اصولِ شرع کی رو سے باپ کی بہن پھوپھی ہے تو دادا کی بہن بھی پھوپھی ہے، اسی طرح پردادا کی بہن بھی، بلکہ آدم علیہ السلام تک ہر دادا کی بہن پھوپھی ہے، اور اس کی اولاد پھوپھی زاد ہے، اور ہر پھوپھی سے نکاح حرام ہے اور پھوپھی زاد سے جائز ہے، اسی طرح چچا، ماموں، خالہ وغیرہ رشتوں کو سمجھنا چاہئے۔

ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهَى. وَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيلَةِ. وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ. قَالَ: فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ. فَمَا أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا. فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحَى. فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ. فَنَزَلْتُ إِلَى مُوسَى. فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: خَمْسِينَ صَلَاةً. قَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ، فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيقُونَ ذٰلِكَ. فَإِنِّيْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ. قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّيْ فَقُلْتُ: يَا رَبِّ! خَفِّفْ عَلَى أُمَّتِيْ. فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا. فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقُلْتُ: حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا. قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيقُونَ ذٰلِكَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ. قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَبَيْنَ مُوسَى حَتَّى قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ. لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ. فَذٰلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً، وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ

يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً. فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا. وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا. فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً. قَالَ: فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلَى مُوسَى فَأَخْبَرْتُهُ. فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: قَدْ رَجَعْتُ إِلَى رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ"

ترجمہ: پھر حضرت جبرئیلؑ مجھے سدرۃ المنتہیٰ (باڈر کی بیری) تک لے گئے، وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں، اور اس کے پھل مٹکوں جیسے ہیں، پھر جب اس بیری کے درخت پر بحکم خداوندی وہ انوار چھا گئے جو چھا گئے تو اس کا حُسن اس قدر دوبالا ہوگیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کی خوبصورتی بیان نہیں کرسکتا۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جو وحی فرمانی منظور تھی میری طرف وحی فرمائی، پھر مجھ پر شب وروز میں پچاس نمازیں فرض کیں، پھر جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انھوں نے پوچھا: پروردگار نے آپؐ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں، انھوں نے کہا: آپؐ بارگاہ خداوندی میں واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں، آپؐ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، میں بنی اسرائیل کو آزماچکا ہوں اور ان کا خوب تجربہ کرچکا ہوں، چنانچہ میں بارگاہِ خداوندی میں واپس گیا، اور تخفیف کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کردیں، جب واپس لوٹا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپؐ کی امت پینتالیس نمازیں بھی نہیں پڑھ سکے گی، پھر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں برابر بارگاہِ خداوندی میں اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ آخر میں جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: "اے محمد! یہ شب وروز میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کا دس گنا بدلہ ہے، لہٰذا مجموعہ پچاس ہوگیا، اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کرسکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر کرلے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے پھر اس کو نہ کرے تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر کرلے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "پھر میں اتر آیا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ان کو پوری صورتِ حال بتلائی" انھوں نے اب بھی یہی مشورہ دیا کہ میں بارگاہِ خداوندی میں واپس جاؤں اور مزید تخفیف کی درخواست کروں، میں نے جواب دیا کہ: "میں اتنی بار آیا گیا کہ اب شرم محسوس ہوتی ہے"

تشریح:

۱-سدرۃ المنتہیٰ کے معنی ہیں: باڈر کی بیری، یہ جگہ نیچے والی کائنات کی سرحد ہے، اور اس سے آگے علویات کے درجات ہیں، فرشتے اعمال کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جاتے ہیں، اور متعلقہ احکام وہیں سے لاتے ہیں، اس سے آگے نیچے والے فرشتے نہیں جاسکتے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی یہاں پہنچ کر سپر ڈال دی، اور آگے رفاقت سے معذرت کردی۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس مضمون کو ایک شعر میں باندھا ہے:

گر یک سرِ مُو برتر پرم ❁ فروغ تجلی بسوزد پرم
(اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھوں ❁ تو تجلی کی چمک میرے پَر جلادے)

چنانچہ وہاں سے آگے حضور اقدس ﷺ تنہا گئے —— آپؐ فرماتے ہیں: میں نے سدرۃ المنتہی کو دیکھا، اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے، اور اس کے پھل مٹکے جیسے تھے، پھر جب اس بیری کے درخت پر بحکم خداوندی انوار چھا گئے تو اس کا حُسن اس درجہ دوبالا ہوگیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کی خوبصورتی بیان نہیں کرسکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سدرۃ المنتہی کو دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سونے کے پتنگے اور مختلف رنگوں کے پروانے گر رہے تھے (مسلم حدیث ۲۷۹) اور وہاں آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں (مسلم شریف حدیث ۲۸۰)

۲- آنحضور ﷺ کو اللہ عز وجل نے اس یادگار سفر میں جو خاص تحفہ عنایت فرمایا تھا وہ پچاس نمازیں تھیں، جب آپؐ یہ تحفہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے اور ان کے پوچھنے پر بتلایا کہ امت کے لئے یہ سوغات ملی ہے تو انھوں نے واپس لوٹنے کا اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ اور فرمایا: آپؐ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ چنانچہ نبی ﷺ کئی بار بارگاہِ خداوندی میں واپس گئے، اور ہر بار پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر واپس جانے کے لئے کہا، مگر آنحضور ﷺ نے فرمایا: اب شرم آتی ہے، پس وحی آئی کہ یہ شب و روز میں پانچ نمازیں ہیں، مگر ہر نماز کا دس گنا بدلہ ہے، پس مجموعہ پچاس ہوگیا، اس طرح پہلا قول حکماً برقرار رہا —— اور یہاں حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ جب آخری مرتبہ درخواست لے کر گئے تو نمازوں کی تعداد پانچ کردی گئی اور یہ مژدہ سنایا گیا کہ یہ حکماً پچاس ہیں۔ یہ واقعہ کے متعلقات میں اختلاف ہے، واقعہ کی اصل صورت وہ ہے جو اوپر عرض کی کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر واپس جانے کے لئے کہا اور نبی ﷺ نے عذر کیا تو وحی آئی اور یہ خوشخبری سنائی گئی۔ ترمذی کی روایت (حدیث ۲۰۹) میں ثم نُودِیَ ہے، جس سے ہماری بیان کردہ بات کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: آنحضور ﷺ نو مرتبہ آئے گئے، اور آپؐ کو شرم نہیں آئی، دسویں بار درخواست کرتے ہوئے شرم کیوں آئی؟

جواب: ہر بار پانچ نمازیں معاف ہو رہی تھیں، اس بار پھر جائیں گے تو وہ پانچ بھی ختم ہوجائیں گی، پس امت کے پاس خالی ہاتھ جانا پڑے گا، اس سے نبی ﷺ کو شرم آئی، مگر حدیث کے الفاظ اسْتَحْيَيْتُ رَبِّي: کا مفاد یہ ہے کہ اللہ کے پاس جانے سے شرم آئی، اور مذکورہ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا شرم نہیں آئی اور جب اللہ کی مشیت ٹھہری کہ پانچ نمازیں امت پر فرض رہیں تو نبی ﷺ کے قلبِ اطہر میں شرم ڈال دی گئی۔ ﴿وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

۳-معراج کی مبارک رات میں نمازوں کے علاوہ الحسنة بعشرة امثالها کا تحفہ بھی حاصل ہوا ہے، اور یہ ضابطہ صرف نمازوں کے لئے نہیں بلکہ تمام اعمالِ حسنہ کے لئے عام کردیا گیا ہے اور نیکی کا دس گنا بدلہ امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اور حدیث شریف کا یہ جزء باب ۵۹ میں بھی آیا ہے۔

فائدہ: جو حکم تخفیفاً منسوخ ہوتا ہے اس کا استحباب باقی رہتا ہے، شبِ معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر تخفیف ہوئی اور پانچ رہ گئیں، پس ان کا استحباب آج بھی باقی ہے، چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ اور امت میں بہت سے نیک بندے آج بھی رات دن میں پچاس نمازیں (رکعتیں) پڑھتے ہیں، اس کی تفصیل تحفۃ القاری (۱۶۸:۲) میں ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

قوله: فَحَطَّ عَنِّیْ خَمْسًا: اور بخاری شریف (حدیث ۳۴۹) میں شطر ہے، یعنی آدھی نماز معاف کردیں، اور شطر کے ایک معنی بعض بھی ہیں، یعنی کچھ نمازیں معاف کیں، اور ایک روایت میں ایک مرتبہ میں دس پندرہ کم کرنے کا تذکرہ ہے وہ راوی نے چند مرتبہ کو جمع کیا ہے۔

[۲۶۰-] حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِیُّ، قَالَ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ الْمُغِیْرَةِ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "أُتِیْتُ فَانْطَلَقُوْا بِیْ إِلٰی زَمْزَمَ فَشُرِحَ عَنْ صَدْرِیْ، ثُمَّ غُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ أُنْزِلْتُ"

وضاحت: اس حدیث کو سلیمان بن المغیرہ نے ثابت بنانی کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اوپر حماد بن سلمہ کی حدیث تھی انھوں نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے، مگر ان کی حدیث میں شق صدر کا اور قلبِ اطہر کو زم زم سے دھونے کا ذکر نہیں۔

قوله: ثم أُنْزِلْتُ: مسلم شریف کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے، یعنی لام کے سکون اور تا کے ضمہ کے ساتھ (ماضی مجہول واحد متکلم) قاضی عیاض نے بھی تمام رواۃ سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور اس کے معنی و مراد میں اختلاف ہے۔ وقشی کہتے ہیں: یہ رواۃ کا وہم ہے اور صحیح تُرِکْتُ ہے، اور قاضی عیاض کہتے ہیں: یہ وہم و تصحیف نہیں ہے اور اس کے معنی تُرِکْتُ کے ہی ہیں، یعنی شق صدر اور قلب اطہر کو دھونے کے بعد نبی ﷺ کو وہیں (حطیم میں) چھوڑ دیا گیا، اور یہ بات انھوں نے ابن سراج کے حوالہ سے بیان کی ہے، ابن سراج کہتے ہیں کہ لغت میں أنزلت بمعنی تُرِکْتُ مستعمل ہے، اور ابوبکر برقانی کہتے ہیں کہ یہ أنزلت (لام مفتوح تاء ساکن یعنی واحد مؤنث غائب) ہے اور یہ طرفِ حدیث ہے، پوری حدیث اس طرح ہے: ثم أُنْزِلَتْ علی طست من ذهب مملوءة حکمةً وإیمانا (شرح نووی و فتح الملہم)

[۲۶۱-] حدثنا شَیْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِیُّ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم أَتَاهُ جِبْرِیْلُ وَهُوَ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ

فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً. فَقَالَ: هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِيْ طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِيْ مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلٰى أُمِّهِ- يَعْنِيْ: ظِئْرَهُ - فَقَالُوْا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ. فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقَعُ اللَّوْنِ. قَالَ أَنَسٌ: وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذٰلِكَ الْمِخْيَطِ فِيْ صَدْرِهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے، درانحالیکہ آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر لٹا دیا، اور قلب (سینہ مبارک) چیر کر دل باہر نکالا اور اس میں سے جمے ہوئے خون کی ایک بوٹی نکال کر پھینک دی، اور فرمایا: یہ آپؐ میں شیطان کا حصہ تھا، پھر قلب مبارک کو سونے کی تھال میں رکھ کر زم زم سے دھویا، پھر قلبِ اطہر کو واپس اس کی جگہ رکھ کر وہ جگہ ٹھیک کر دی، اور بچے دوڑتے ہوئے آپؐ کی دایہ (رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے، پس انھوں نے آنحضور ﷺ کا رخ کیا، درانحالیکہ آپؐ کا رنگ بدلا ہوا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں آنحضور ﷺ کے سینۂ مبارک پر اس سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

لغات: العَلَق: (مصدر) جما ہوا خون، واحد عَلَقَة ...... الطَّسْت: ہاتھ دھونے کا تانبے کا برتن، جمع: طُسُوت ...... لَأَمَ الشيئَ (ف) لَأْمًا: درست کرنا، جمع کرنا اور باندھنا...... الظِّئْر: دایہ، غیر کے بچہ کو دودھ پلانے والی، جمع: أَظْؤُر ...... مُنْتَقَعُ اللَّون: بدلا ہوا رنگ، عرب بولتے ہیں: اُمْتُقِع لونہ: گھبراہٹ یا غم کی وجہ سے رنگ بدل گیا...... المِخْيَط: سوئی، الخَيْط: دھاگا، جمع خُيُوْط وَأَخْيَاط، خَاطَ الثوبَ (ض) خَيْطًا: سینا۔

تشریح: آنحضور ﷺ کا شق صدر چار مرتبہ ہوا ہے، پہلی مرتبہ چار سال کی عمر میں جب کہ آپؐ قبیلہ بنی سعد میں اپنی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، ایک مرتبہ آپؐ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرات جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام سفید پوش انسانوں کی شکل میں سونے کے طشت کے ساتھ نمودار ہوئے، اور آپؐ کو لٹا کر سینۂ مبارک چاک کر کے قلب مبارک نکالا، پھر اس کو چاک کر کے اس میں سے ایک یا دو ٹکڑے خون کے جمے ہوئے نکالے اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے، پھر قلبِ مبارک اس طشت میں رکھ کر اس کو برف اور زم زم سے دھویا، بعد ازاں قلب مبارک کو اس کی جگہ پر رکھ کر سینۂ مبارک ٹھیک کر دیا، قلب مبارک میں سے جو سیاہ نقطہ نکالا گیا تھا وہ در حقیقت گناہ اور معصیت کا مادہ تھا، جس سے آپؐ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا۔ اور قلب مبارک کو شاید اس لئے دھویا کہ معصیت اور گناہ کا اثر بھی باقی نہ رہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں زمانۂ قیام میں شق صدر کا یہ واقعہ متعدد روایات میں مختلف صحابہ سے مروی ہے، جن میں سے بعض علی شرط مسلم ہیں۔

دوسری بار: شق صدر کا واقعہ دس سال کی عمر میں پیش آیا، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو صحیح ابن حبان

اور دلائل ابی نُعیم وغیرہ میں مذکور ہے اور اس حدیث کے روات بھی ثقہ ہیں۔

تیسری بار: یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا، جس کی راویہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور یہ روایت مسند ابوداؤد طیالسی اور دلائل ابی نُعیم میں ہے۔

اور چوتھی بار: یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے۔

اور شق صدر سے حقیقتاً سینہ چاک کرنا مراد ہے، معنوی شق صدر یعنی شرح صدر مراد نہیں، اور شق صدر آنحضور ﷺ کے خاص معجزات (۱) میں سے ہے اور شرح صدر حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ تو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور علماء وصلحاء کا بھی مسلسل ہوتا رہا ہے، علاوہ ازیں: سینے کا نشان حضرات صحابہ کرام سینۂ مبارک پر دیکھتے تھے، یہ بھی صریح دلیل ہے کہ شق قدر حسّی تھا معنوی شق صدر (شرح صدر) مراد نہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے سیرۃ المصطفیٰ (۱:۷۳) میں مدلل ومفصل کلام کیا ہے۔

[۲۶۲-] حدثنا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ- وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ- قَالَ حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ: أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ، وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ نَحْوَ حَدِيثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، وَقَدَّمَ فِيهِ شَيْئًا وَأَخَّرَ، وَزَادَ وَنَقَصَ.

وضاحت: یہ شریک بن عبداللہ کی روایت ہے، انھوں نے بھی ثابت بنانی کی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت سنی ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور یہ مشہور کثیر الخطاء راوی شریک بن عبداللہ نخعی قاضی کے علاوہ ہیں، اور یہ بھی کوئی بہت مضبوط راوی نہیں، ائمہ کی ان کے بارے میں مختلف آراء ہیں، اور ان کی روایت میں نکارت ہے، یعنی بعض ایسی باتیں ہیں جو کسی کی حدیث میں نہیں ہیں، اور شریک کا شمار حفاظ حدیث میں بہر حال نہیں (شرح نووی، وفتح الملہم)

**قوله: أنه جاءه ثلاثة نفرٍ قبل أن يُوحى إليه:** حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جس رات رسول اللہ ﷺ کو مسجدِ کعبہ سے رات میں لے جایا گیا، آپؐ کے پاس تین شخص آئے، یہ واقعہ وحی کے نزول سے پہلے کا یعنی نبوت سے پہلے کا ہے، ظاہر ہے یہ صحیح نہیں، یہ شریک کا وہم ہے، اور اگر وحی سے فرائض خمسہ کی وحی مراد لیں تو پھر کوئی اشکال نہیں، اور یہ پوری حدیث بخاری شریف کتاب التوحید (حدیث نمبر ۷۵۱۷) میں ہے۔

[۲۶۳-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:

(۱) حصر شرح صدر کی بہ نسبت ہے ورنہ شق صدر دیگر انبیاء کا بھی ہوا ہے ۱۲ (كذا في الحاشية الآتي)

"فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ، فَفَرَجَ صَدْرِي، ثُمَّ غَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَأَفْرَغَهَا فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ، فَلَمَّا جِئْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا: افْتَحْ. قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا جِبْرِيْلُ. قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِيَ مُحَمَّدٌ (صلى الله عليه وسلم) قَالَ: فَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَفَتَحَ، قَالَ: فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، قَالَ: فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ. وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى. قَالَ: فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ. قَالَ: قُلْتُ: يَا جِبْرِيْلُ! مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا آدَمُ. وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ، فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى. قَالَ: ثُمَّ عَرَجَ بِي جِبْرِيْلُ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ لِخَازِنِهَا: افْتَحْ. قَالَ: فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَاقَالَ خَازِنُ السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَفَتَحَ"

وضاحت وشرح: یہ حدیث حضرت انسؓ نے حضرت ابوذرؓ کے واسطہ سے روایت کی ہے، اوران سے ابن شہاب نے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے یہ حدیث بھی مکمل لکھی ہے، اوراس میں ثابت بنانی کی حدیث کی بہ نسبت ایک بات تو یہ زائد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چھت کھول کر گھر کے اندر آئے اور حضور اقدس ﷺ کو مسجد حرام میں لے جا کر سینہ (۱) مبارک چاک کیا، اور قلب اطہر کو زم زم سے دھو کر اس میں ایمان وحکمت بھری، ایمان وحکمت اگرچہ معنوی چیزیں ہیں مگر دوسری دنیا میں معنوی چیزوں کے بھی اجسام ہوتے ہیں، جیسے قیامت کے دن سورۂ بقرہ سائبان کی شکل میں اور موت مینڈھے کی شکل میں نظر آئے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کند ذہنی کی شکایت کی تھی کہ یارسول اللہ! میرا حافظہ خراب ہے، کچھ پڑھا ہوا یاد نہیں رہتا۔ آنحضور ﷺ نے چادر بچھانے کے لئے فرمایا، پھر اس میں چند مرتبہ لپ بھر کر کچھ ڈالا، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ چادر سینہ سے لگانے کے لئے فرمایا، اس کی برکت سے حضرت ابو ہریرہؓ پھر کبھی کوئی بات نہیں بھولے، آنحضور ﷺ نے جو لب بھر کر کچھ ڈالا تھا وہ عالم بالا کی کوئی چیز تھی، اور عالم بالا کی معنویات کے بھی اجسام ہوتے ہیں ـــــ اوراس روایت میں اسراء کا یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کا ذکر نہیں۔

جاننا چاہئے کہ معراج کے سلسلہ کی روایات متواتر ہیں، تقریباً پچاس صحابہ سے مروی ہیں، پھر ان سے بے شمار تلامذہ

---

(۱) شق صدر کا واقعہ دیگر انبیاء کے ساتھ بھی پیش آیا ہے، طبرانی میں طالوت کے قصہ میں ہے: أنه كان فيه بطست التي يُغسل فيها قلوبُ الأنبياء وهذا مشعِرٌ بالمُشاركةِ: یعنی اس صندوق میں جس میں انبیائے بنی اسرائیل کے تبرکات تھے وہ طشت بھی تھا جس میں انبیاء کے قلوب دھوئے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ شق صدر دیگر انبیاء کا بھی ہوا ہے (فتح الباری)

نے روایت کیا ہے، اور ان کی روایتوں میں تھوڑا بہت اختلاف ہے، بعض کی روایتوں میں کچھ امور مذکور ہیں جو بعض دوسروں کی روایتوں میں مذکور نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک ہی واقعہ بہت سارے حضرات بیان کرتے ہیں تو کسی کے پیش نظر واقعہ کا کوئی خاص جزء ہوتا ہے اور دوسرے کے پیش نظر دوسرا جزء، اسی طرح جب ایک ہی بات متعدد بار بیان کی جاتی ہے تو کبھی کوئی بات بیان کرنی مقصود ہوتی ہے اور کبھی کوئی دوسری بات، ایسی صورت میں اختلاف ناگزیر ہے۔

اور دوسری بات یہ زائد ہے کہ جب سماءِ دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو ان کے دائیں بائیں بنی آدم کی روحیں تھیں، اور حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور مسکراتے تھے اور بائیں طرف دیکھ کر غمگین ہوتے تھے اور روتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کی دائیں پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی قیامت تک کی تمام نیک اولاد نکل آئی، پھر بائیں پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی قیامت تک کی تمام بری اولاد نکل آئی۔
یہ مضمون قرآنِ کریم (اعراف ۱۷۲) میں بھی ہے۔ اور احادیث میں بھی۔ اور معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جو لوگ دیکھے تھے وہ بنی آدم کی روحیں تھیں، دائیں جانب نیک اور جنتی روحیں تھیں ان کو دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام خوش ہوتے تھے اور ہنستے تھے اور بائیں جانب بری اور جہنمی روحیں تھیں، ان کو دیکھ کر آپ غمگین ہوتے تھے اور روتے تھے۔

فَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمَاوَاتِ آدَمَ وَإِدْرِيسَ وَعِيسٰى وَمُوسٰى وَإِبْرَاهِيمَ. وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ. غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ آدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا. وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ. قَالَ: فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِإِدْرِيسَ قَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ. قَالَ: ثُمَّ مَرَّ فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا إِدْرِيسُ. قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوسٰى. فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ. قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا مُوسٰى. ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيسٰى. فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ. قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ. قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ. فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ. قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ.
قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُولَانِ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ"

شرح: اس حدیث میں بالاجمال یہ بات ہے کہ آسمانوں میں حضرات آدم، ادریس، عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، یہ سب حضرات آپ کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے، ولم يُثبت كَيفَ مَنازِلهم: اور ان کی جگہیں بیان نہیں کیں، یعنی کس آسمان میں کس نبی سے ملاقات ہوئی اس کی صراحت نہیں، سوائے اس کے کہ پہلے آسمان

میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ـــــ اور ثابت بنانی کی حدیث میں ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی بات ہے، اور دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کا استقبال چھٹے آسمان میں کیا اور ساتویں آسمان تک آپؐ کے ساتھ رہے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔

۲- حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آپؐ کے اجداد میں سے ہیں، اس لئے دونوں حضرات نے 'ابن' کہا ہے، اور باقی انبیاء نے 'اخ' کہا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام نے بھی 'اخ' کہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی ﷺ کے اجداد میں نہیں ہیں، یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے، حضرت نے کتاب الانبیاء باب ۴ میں فرمایا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام ہی درحقیقت حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، اور وہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد باب ۵ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہے اور وہ بھی آپؐ کے اجداد میں ہیں، چنانچہ ایک روایت میں انھوں نے 'ابن' کہا ہے۔

قال ابن شهاب: ابن شہاب کہتے ہیں: مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے لے کر چڑھا گیا، یہاں تک کہ میں اس لیول (مقام) پر پہنچ گیا جہاں میں قلم کی سرسراہٹ سن رہا تھا، یعنی نبی ﷺ آگے ایسے مقام پر پہنچے، جہاں کلک کروبیاں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وضاحت: یہاں سے دوسری حدیث شروع ہوئی ہے، پہلی حدیث ابن شہاب زہریؒ نے حضرت انس کے واسطہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت کی تھی، اور اس حدیث کو وہ ابن حزم کے واسطہ سے ابن عباس اور ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اور ابن حزم کا نام ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہے۔ اور ان کا ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع نہیں ہے، وہ جنگ اُحد میں شہید ہوئے ہیں اس وقت ابوبکر ہی نہیں بلکہ ان کے ابا محمد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے، پس ابوبکر کی ابوحبہ سے روایت میں انقطاع ہے، مگر ابن عباسؓ سے سماع ہے، پس اس انقطاع سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا۔

قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى أُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً. قَالَ: فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى أَمُرَّ بِمُوْسَى فَقَالَ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: مَاذَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً. قَالَ لِيْ مُوْسَى عليه السلام: فَرَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَاتُطِيْقُ ذٰلِكَ. قَالَ: فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ فَوَضَعَ شَطْرَهَا. قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرْتُهُ. قَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ. قَالَ: فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ. فَقَالَ:

هِيَ خَمْسٌ، وَهِيَ خَمْسُونَ، لاَ يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ. قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّکَ. فَقُلْتُ: قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ. قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى نَأْتِيَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى، فَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لاَ أَدْرِيْ مَا هِيَ. قَالَ: ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤْ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْکُ"

یہ تیسری حدیث ہے، اور اس کو ابن شہاب: ابن حزم اور حضرت انسؓ دونوں سے روایت کرتے ہیں، اور دو احتمال ہیں: ایک: ابن حزم نے اپنے شیخ (ابن عباسؓ وغیرہ) سے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابوذرؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہو، دوم: دونوں نے براہِ راست نبی ﷺ سے روایت کیا ہو، اس صورت میں یہ حدیث ابن حزم سے مرسل اور حضرت انسؓ سے مرفوع ہوگی (فتح الملہم)

قوله: فَغَشِيَهَا أَلوانٌ: نبی ﷺ فرماتے ہیں: "میں نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا، اس کو طرح طرح کے رنگوں نے چھپا رکھا تھا، لیکن ان رنگوں کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہو سکی" اور سدرۃ المنتہیٰ سے آگے حضور اقدس ﷺ تنہا تشریف لے گئے اور جنت کی سیر فرمائی، اس میں موتیوں کے جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور جنت کی مٹی مشک کی تھی یعنی مٹی مشک کی طرح معطر تھی۔

قوله: جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤْ: یہ جُنْبُذ کی جمع ہے اور یہ گنبد کی عربی ہے، گنبد فارسی لفظ ہے اور ہم نے اس کا ترجمہ موتیوں کے جھاڑ فانوس کیا ہے۔

[۲۶۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ، لَعَلَّهُ قَالَ: عَنْ مَالِکِ بْنِ صَعْصَعَةَ - رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ - قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ سَمِعْتُ قَائِلاً يَقُوْلُ: أَحَدُ الثَّلاَثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيْتُ فَانْطُلِقَ بِيْ، فَأُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيهَا مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ، فَشُرِحَ صَدْرِيْ إِلٰى كَذَا وَكَذَا -قَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْتُ لِلَّذِيْ مَعِيْ: مَا يَعْنِيْ؟ قَالَ: إِلٰى أَسْفَلِ بَطْنِهِ - فَاسْتُخْرِجَ قَلْبِيْ، فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ أُعِيْدَ مَكَانَهُ، ثُمَّ حُشِيَ إِيْمَانًا وَحِكْمَةً، ثُمَّ أُتِيْتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ، فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ، يَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ أَقْصٰى طَرْفِهِ، فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيْلُ، قِيْلَ: وَمَنْ مَعَکَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم. قِيْلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَفَتَحَ لَنَا. وَقَالَ: مَرْحَبًا بِهِ، وَلَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ. قَالَ: فَأَتَيْنَا عَلٰى آدَمَ. وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهِ. وَذَكَرَ أَنَّهُ لَقِيَ فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ عِيْسٰى وَيَحْيٰى وَفِي الثَّالِثَةِ: يُوْسُفَ. وَفِي الرَّابِعَةِ: إِدْرِيْسَ، وَفِي الْخَامِسَةِ: هَارُوْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ. قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ. فَأَتَيْتُ عَلٰى مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلاَمُ

فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ. فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكَى، فَنُودِيَ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: رَبِّ! هٰذَا غُلَامٌ بَعَثْتَهُ بَعْدِي، يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي. قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ. فَأَتَيْتُ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ" وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ: وَحَدَّثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ رَأَى أَرْبَعَةَ أَنْهَارٍ يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ فَقُلْتُ: يَاجِبْرِيلُ! مَا هٰذِهِ الْأَنْهَارُ؟ قَالَ: أَمَّا النَّهْرَانِ الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ، ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ! مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ. ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ أَحَدُهُمَا خَمْرٌ وَالْآخَرُ لَبَنٌ، فَعُرِضَا عَلَيَّ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ. فَقِيلَ: أَصَبْتَ، أَصَابَ اللّٰهُ بِكَ، أُمَّتُكَ عَلَى الْفِطْرَةِ، ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسُونَ صَلَاةً" ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّتَهَا إِلٰى آخِرِ الْحَدِيثِ.

وضاحت وشرح: یہ حدیث قتادہؒ نے حضرت انسؓ کے واسطہ سے مالک بن صعصعہؓ سے روایت کی ہے، جو انصاری صحابی ہیں، اور حضرت انسؓ کے قبیلہ بنی النجار کے تھے، ان کی صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں صرف یہی ایک روایت ہے (قالہ الحافظ) اور دار قطنیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث مالک رضی اللہ عنہ سے صرف حضرت انسؓ اور ان سے صرف قتادہؒ روایت کرتے ہیں (فتح الملہم) حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے بھی معراج کا واقعہ بالتفصیل بیان کیا ہے، جو آپ کا پڑھا ہوا ہے، اس لئے صرف ضروری الفاظ کی شرح درج کی جاتی ہے:

قولہ: بين النائم واليقظان: سونے والے اور بیدار کے درمیان، اس سے کچھ حضرات نے سمجھا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی ہے، مگر جمہور کی رائے یہ ہے کہ بڑی معراج بیداری میں ہوئی ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: إنه كان في اليقظة رآه بعينه۔ اور بخاری شریف کتاب التوحید میں (حدیث ۷۵۱۷) شریک کی حدیث ہے [1] اس میں ہے کہ نبی ﷺ سو رہے تھے، آپؐ کے پاس فرشتے آئے اور بغیر کوئی بات کئے آپ کو اٹھا کر زم زم کے پاس لے گئے اور شق صدر کے بعد وہاں سے آسمانوں پر لے گئے، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی ہے، مگر وہ روایت صحیح نہیں، ابھی بتایا ہے کہ (حدیث ۲۶۲ کی شرح میں) یہ شریک بن عبد اللہ: مشہور کثیر الخطاء راوی شریک بن عبد اللہ نخعی قاضی کے علاوہ ہیں، اور یہ بھی کوئی بہت اچھے راوی نہیں، ان کی روایت میں نکارت ہے، اور سب سے

(۱) تحفۃ القاری (۶: ۴۸۰) میں ہے: "اور کتاب التوحید میں (حدیث ۷۵۱۷) جو شریک نخعی کی روایت ہے: أنه كان نائما: یعنی خواب میں معراج ہوئی، یہ روایت صحیح نہیں، شریک کثیر الخطاء ہیں" ...... بخاری میں أنه كان نائما نہیں ہے، اور یہ شریک نخعی نہیں بلکہ دوسرے شریک بن عبد اللہ ہیں جن کے دادا کا نام ابو نمرہ ہے، اور یہ شریک نخعی سے بڑے ہیں، قارئین تحفۃ القاری میں اصلاح کرلیں۔

بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ خواب ہوتا تو قریش نے اس کا انکار کیوں کیا؟ خواب تو اس سے بھی عجیب دیکھا جاسکتا ہے۔

**قوله: أحد الثلاثة بين الرجلين:** "دو کے درمیان تین میں سے ایک" آپ ﷺ اور حضرات حمزہ و جعفر رضی اللہ عنہما ایک ساتھ سو رہے تھے اور آپ ؐ درمیان میں تھے۔

**قوله: فَشُرِحَ صدری إلی کذا و کذا:** میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا، قتادہ رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی (جارود بن ابی سبرہ بصری سے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، بخاری، حدیث ۳۸۸۷) سے پوچھا: یہاں تک سے کیا مراد ہے؟ اس نے کہا: پیٹ کے نیچے تک۔

**قوله: وَلَنِعْمَ الْمَجِیْئُ جَاءَ:** اس میں تقدیم تاخیر ہے، جَاء مقدم ہے اور مخصوص بالمدح محذوف ہے، آئے وہ اور آنے والا کتنا شاندار ہے۔

**قوله: فلما جَاوَزْتُه بَکٰی:** چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کر کے جب آنحضور ﷺ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے، پس وحی آئی کہ موسیٰ! آپ کیوں روئے؟ انھوں نے عرض کیا: اے میرے رب! ایک لڑکا جو میرے بعد مبعوث کیا گیا ہے اس کے امتی میری امت کی بہ نسبت زیادہ جنت میں جائیں گے، اپنی امت کی حرماں نصیبی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے۔

**قوله: وَحَدَّثَ نبیُّ اللّٰہ أنه رأی أربعةَ أنهار:** اور رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ آپ ؐ نے چار نہریں دیکھیں، دو ظاہری اور دو باطنی، پس میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ نہریں کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: رہی دو باطنی نہریں تو وہ جنت میں جاری ہیں اور رہی دو ظاہری نہریں تو وہ نیل و فرات ہیں —— دو باطنی نہریں سلسبیل اور کوثر ہیں، جو سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکل کر جنت کی طرف جاری ہیں، اور دو ظاہری نہریں عراق کا دریائے فرات اور مصر کا دریائے نیل ہیں —— اور ایک رائے یہ ہے کہ اس سے دنیا کی نیل و فرات مراد نہیں، بلکہ جنت کی دو نہروں کے یہ نام ہیں جو اوپر کی جانب ہیں اس معنی کر ظاہران فرمایا۔ واللہ اعلم

**فائدہ:** بعض حضرات کہتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ زمین میں ہے اس لئے کہ نیل و فرات اس کی جڑ سے نکلی ہیں، اور علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے سدرۃ المنتہی کی جڑ کا زمین میں ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں نہریں سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکل کر جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا پہنچیں، پھر زمین پر ظاہر ہو کر رواں دواں ہوئیں، اس میں نہ عقلاً کوئی استحالہ ہے اور نہ شرعاً (شرح نووی)

**قوله: ثم رُفِعَ لِیَ الْبَیْتُ المعمورُ: ای کُشِفَ لِی:** بیت معمور میرے لئے منکشف کیا گیا۔

**قوله: ثم أتیت بإناءَ ین:** سدرۃ المنتہی پر دودھ کا پیالہ اور شراب کا جام پیش کیا گیا، نبی ﷺ نے دودھ والا برتن اٹھایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ ؐ نے ٹھیک کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحیح راہنمائی فرمائی، آپ کی امت

فطرت (دین اسلام) پر رہے گی۔

فائدہ: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بڑوں کے اچھے برے عمل کا چھوٹوں پر اثر پڑتا ہے، جس طرح استاذ کا اثر اس کے شاگردوں پر پڑتا ہے، نبی کے مزاج وطبیعت کا امت پر اثر پڑتا ہے، اور دودھ پاکیزہ، طیب اور صاف وشفاف ہونے کے علاوہ پینے والوں پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے، اور شراب اگر چہ اس وقت حلال تھی، پھر وہ جنت کی شراب تھی جس کی حرمت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا مگر دنیوی شراب ہزار برائیوں کی جڑ ہے اور آئندہ تقدیر الٰہی میں اس کی تحریم کا فیصلہ ہو چکا تھا، اس لئے آنحضور ﷺ کی راہنمائی دودھ کی طرف کی گئی، اگر آپؐ شراب پیتے تو آپؐ کی امت شراب میں غرق ہو جاتی، جس میں حال ومآل ہر اعتبار سے امت کا نقصان تھا۔

فوائد:

۱- باب کی پہلی حدیث میں ہے کہ شراب ودودھ کے برتن اسراء کے اختتام پر جب آپ مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے اس وقت پیش کئے گئے، اور یہاں سدرۃ المنتہیٰ پر شراب ودودھ کے برتن پیش کرنے کی بات ہے؟ علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ دونوں وقت پیش کئے گئے ہوں، ایک راوی نے ایک وقت کا ذکر کیا، دوسرے راوی نے دوسرے وقت کا۔

۲- اور بعض روایتوں میں سدرۃ المنتہیٰ پر شراب ودودھ کے ساتھ شہد پیش کرنے کی بات بھی ہے، اور بعض میں پانی پیش کرنے کی بھی بات ہے، ممکن ہے چار برتن پیش کئے گئے ہوں، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سدرۃ المنتہیٰ پر چار نہروں کا یعنی پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہروں کا ذکر ہے، اس لئے چار برتنوں میں چاروں چیزیں پیش کی ہوں، اور نبی ﷺ نے دودھ کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ دین واسلام اور فطرت سے تعبیر ہے۔ واللہ اعلم

[۲۶۵-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: فَذَكَرَ نَحْوَهُ. وَزَادَ فِيهِ: " فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلٰى مَرَاقِّ الْبَطْنِ، فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا"

وضاحت: یہ بھی مالک بن صعصعہؓ کی حدیث ہے جو قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انسؓ کے واسطہ سے روایت کی ہے جو اوپر گذری ہے، البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ: "سونے کی ایک سلفچی لائی گئی جو ایمان وحکمت سے لبریز تھی"

قولہ: فَشُقَّ مِنَ النحر: پس سینہ مبارک چاک کیا، گلے سے پیٹ کی پتلی کھال تک، مراق البطن: پیٹ کا نرم وپتلا حصہ۔ اور بخاری شریف میں ہے: مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلٰى شَعْرِهِ: سینہ کے بالائی حصہ میں گڑھے سے لے کر ناف

کے بالوں تک (حدیث نمبر ۳۸۷) دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ يَقُوْلُ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم - يَعْنِيْ: ابْنَ عَبَّاسٍ - قَالَ: ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ أُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ:" مُوْسٰى آدَمُ طُوَالٌ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ"

وَقَالَ:" عِيْسٰى جَعْدٌ مَرْبُوْعٌ" وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ جَهَنَّمَ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ.

[۲۶۷-] وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عَلٰى مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ رَجُلٌ آدَمُ طُوَالٌ جَعْدٌ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ، إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، سَبِطَ الرَّأْسِ" وَأُرِيَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ، وَالدَّجَّالَ، فِيْ آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللّٰهُ إِيَّاهُ ﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ" قَالَ: كَانَ قَتَادَةُ يُفَسِّرُهَا أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ لَقِيَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: شعبہ رحمہ اللہ نے قتادہ اور ابوالعالیہ کے واسطوں سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس رات کا تذکرہ کیا جس میں آپ کو معراج میں لے جایا گیا، آپؐ نے فرمایا: ''موسیٰ (علیہ السلام) گندمی رنگ کے، دراز قامت تھے، گویا وہ (یمن) کے قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہیں'' اور فرمایا: ''عیسیٰ (علیہ السلام) گنگھریالے بالوں والے اور میانہ قد کے تھے'' اور آپؐ نے جہنم کے داروغہ کا تذکرہ کیا اور دجال کا بھی تذکرہ کیا۔

دوسری حدیث: شیبان بن عبدالرحمٰن نے قتادہ اور ابوالعالیہ کے واسطوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اس رات جس رات مجھے لے جایا گیا موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گذرا، وہ گندمی رنگ کے آدمی، نکلتے قد کے، گنگھریالے بالوں والے تھے، گویا آپ قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہیں، اور دیکھا میں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو وہ درمیانہ قد، میانہ جسم والے، سرخی اور سفیدی کی طرف مائل، سر کے بال سیدھے تھے، اور دکھلایا گیا میں جہنم کا ذمہ دار فرشتہ مالک اور دجال (یہ چاروں باتیں) ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دکھلائیں پس آپ کو کوئی شک نہ ہو ان کی ملاقات میں ـــــ قتادہؒ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: بالتحقیق نبی ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، یعنی انھوں نے لقائہ کی ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام کو بنایا۔

لغات وشرح: نبی ﷺ نے چند اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ کیا جن سے شب معراج میں ملاقات ہوئی اور ان کا حلیہ

بیان کیا...... آدم: گندمی، أَدِمَ (س) أَدَمًا وَأُدْمَةً: گندم گوں ہونا، فهو آدمٌ وهي أدْمَاء...... طوال (بضم الطاء) بمعنی طویل...... شنوءة: یمن کا ایک قبیلہ ہے، اس قبیلہ کے لوگ دراز قد ہوتے تھے...... جَعْدٌ: گھونگھریالا، سکڑا ہوا، جَعُدَ الشَّعْرُ (ک) جُعودةً: بالوں کا گھونگھریالا ہونا...... آئندہ روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت میں سَبْطُ الراس: آیا ہے، یعنی سیدھے بالوں والا، اور یہاں یہ ہے کہ آپ گھونگھریالے بالوں والے تھے؟ اس تعارض کو دو طرح سے حل کیا گیا ہے: ایک: آپ کے بال سیدھے تھے مگر قدرے گھونگھریالے تھے، یعنی نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے، نبی ﷺ کے بال مبارک بھی ایسے ہی تھے، پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔ دوم: جَعْدٌ کے ایک معنی ہیں: بدن کا گٹھا ہوا ہونا، یہاں یہی معنی مراد ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت میں بھی یہ لفظ آیا ہے، وہاں بھی گٹھا ہوا بدن مراد ہے، اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بال سیدھے تھے...... مَرْبُوْعٌ: درمیانہ قد کا آدمی، الرَّبْعَةُ: میانہ قد...... أسری به: رات میں لے چلنا...... إلى الحمرة والبياض: حال واقع ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ بالکل سرخ تھے نہ بالکل سفید، بلکہ سرخی مائل سفید تھے، حضور پرنور ﷺ کا رنگ مبارک بھی ایسا ہی تھا...... السَّبْطُ: (با ساکن اور مکسور) من الشَّعْر: سیدھے بال سَبِطَ (س) سَبْطًا: بالوں کا نرم اور سیدھا ہونا۔

قوله: في آياتٍ أَرَاهُنَّ اللهُ إِيَّاهُ: یہ سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے، ارشاد ہے: ﴿ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ﴾ تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات دکھائیں، یعنی معراج کا مقصد عجائباتِ قدرت دکھانا بھی تھا اور یہ چاروں باتیں عجائبات میں سے ہیں۔

قوله: ﴿ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ ﴾: یہ سورہ الم السجدۃ کی آیت ۲۳ ہے، ارشاد ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ ﴾: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (توریت) دی، پس (اے مخاطب) تو ادنیٰ شک میں مت رہ اس کتاب کے ملنے سے —— الکتاب کا الف لام عہدی ہے، مراد تورات ہے۔ اور فَلَا تَكُنْ: کا مخاطب عام ہے اور خاص طور پر منکرین قرآن ہیں، نبی ﷺ مخاطب نہیں، اور مِرْيَةٍ: کی تنوین تقلیل کے لئے ہے اور لِقَائِهٖ: کی ضمیر کا مرجع الکتاب ہے، وہ بہ نسبت موسیٰ کے اقرب ہے اور مرجع اقرب ہوتا ہے، اب الکتاب سے مراد قرآن ہے، اس کا نام صنعت استخدام ہے، صنعت استخدام کے معنی ہیں: جب لفظ استعمال کیا جائے تو ایک معنی مراد لئے جائیں، پھر جب اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو دوسرے معنی مراد لئے جائیں (تفصیل مختصر المعانی کے تیسرے فن میں ہے) یہاں پہلے الکتاب سے تورات مراد لی، اور لقائه کی ضمیر لوٹائی تو الکتاب سے قرآنِ کریم مراد لیا۔ غرض آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی ہے، آنحضور ﷺ کو بھی کتاب (قرآن مجید) دی ہے، پس تجھے (اے منکر قرآن) قرآن مجید کے ملنے میں ذرا شک نہیں ہونا چاہئے۔

(دیکھیں ہدایت القرآن ۶: ۴۲۸)

اور حضرت قتادہ اور عام مفسرین نے لقائہ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی ہے، یعنی اس آیت میں نبی ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہونے کی خبر دی گئی ہے، چنانچہ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں نبی ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، مگر ہمارے نزدیک پہلی ہی تفسیر راجح ہے، اور اس حدیث کا اس آیت سے کچھ تعلق نہیں۔ بخاری شریف کے حاشیہ میں (کتاب بدء الخلق باب ۷ حدیث ۳۲۳۹ کے حاشیہ میں) ہے کہ اس جگہ کسی راوی نے سورۃ السجدۃ کی مذکورہ آیت پڑھی ہے، یعنی نبی ﷺ نے یہ آیت حدیث کے ساتھ نہیں ملائی ہے۔ واللہ اعلم

[۲۶۸-] حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَسُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ قَالاَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِوَادِي الْأَزْرَقِ فَقَالَ: "أَيُّ وَادٍ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: هٰذَا وَادِي الْأَزْرَقِ. قَالَ: "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى مُوْسٰى هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ وَلَهُ جُوَارٌ إِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ" ثُمَّ أَتٰى عَلٰى ثَنِيَّةِ هَرْشٰى فَقَالَ: "أَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهِ؟" قَالُوْا: ثَنِيَّةُ هَرْشٰى. قَالَ: "كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ، خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ، وَهُوَ يُلَبِّيْ" قَالَ ابْنُ حَنْبَلٍ فِيْ حَدِيْثِهِ: قَالَ هُشَيْمٌ: يَعْنِيْ: لِيْفًا.

[۲۶۹-] وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ، فَمَرَرْنَا بِوَادٍ. فَقَالَ: "أَيُّ وَادٍ هٰذَا؟" فَقَالُوْا: وَادِي الْأَزْرَقِ، قَالَ: فَقَالَ: "كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى مُوْسٰى، فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهِ وَشَعْرِهِ شَيْئًا لَمْ يَحْفَظْهُ دَاوُدُ- وَاضِعًا إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ، لَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ، مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ" قَالَ: ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ. فَقَالَ: "أَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهِ؟" قَالُوْا: هَرْشٰى أَوْ لِفْتٌ. فَقَالَ: "كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ، عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ، خِطَامُ نَاقَتِهِ لِيْفٌ خُلْبَةٌ، مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ مُلَبِّيًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر وادیٔ ازرق سے ہوا، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ وادیٔ ازرق ہے، آپؐ نے فرمایا: گویا میں موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں وہ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور گڑگڑا کر تلبیہ پڑھ رہے ہیں، پھر آپ ھَرشی (گھاٹی) پر آئے، اور آپؐ نے پوچھا: یہ کونسی گھاٹی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ ھَرشی گھاٹی ہے (اس گھاٹی کا دوسرا نام لِفت ہے) آپؐ نے فرمایا: گویا میں متّی کے بیٹے یونس (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں، سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، پیچ دار بالوں والے، اونی جبہ زیب تن کئے ہوئے ہیں ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ ابن حنبل نے اپنی روایت میں بحوالہ ہشیم

خُلْبَة کے معنی لیف بتائے ہیں، یعنی کھجور کی جھلی، کھجور کے درخت کی چھال۔

دوسری حدیث: بھی یہی ہے، اس کو ابن عدی نے داؤد بن ابی ہند اور ابو العالیہ کے واسطوں سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

لغات: ھابطا: اسم فاعل، ھَبَطه (ن) ھَبْطًا من الجبل: پہاڑ سے اترنا...... الثنیة: دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ، گھاٹی...... جوار: جَأَرَ (ف) جَأْرًا وَجُؤَارًا إلی الله: بلند آواز سے دعا کرنا، گڑگڑانا...... الخطام: مہار، نکیل ...... الخُلب: (بسکون اللام و ضمّھا) کھجور کے درخت کی چھال اور اس کی بُنی ہوئی رسّی...... لیف: کھجور کے درخت کی چھال، واحد لیفةٌ...... واضعا إصبعیه فی أُذنیه: حضرت موسیٰ علیہ السلام تلبیہ پڑھ رہے تھے اور انگلیوں سے کانوں کے سوراخ بند کر رکھے تھے، تاکہ آواز خوب بلند ہو، اذان میں بھی اسی مقصد سے کان کے سوراخ بند کرتے ہیں۔

[۲۷۰-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِیْ عَدِیٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: کُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ. فَذَکَرُوْا الدَّجَّالَ فَقَالَ: إِنَّهُ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ کَافِرٌ. قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَمْ أَسْمَعْهُ قَالَ ذَاکَ. وَلٰکِنَّهُ قَالَ: "أَمَّا إِبْرَاهِیْمُ، فَانْظُرُوْا إِلٰی صَاحِبِکُمْ، وَأَمَّا مُوْسٰی، فَرَجُلٌ آدَمُ جَعْدٌ عَلٰی جَمَلٍ أَحْمَرَ مَخْطُوْمٍ بِخُلْبَةٍ، کَأَنِّیْ أَنْظُرُ إِلَیْهِ إِذَا انْحَدَرَ فِی الْوَادِیْ یُلَبِّیْ"

ترجمہ: مجاہد کہتے ہیں: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، دوران سبق دجال کا ذکر آیا تو کسی نے کہا: اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہوگا، یعنی اس حدیث کی حضرت ابن عباسؓ سے توثیق چاہی، ابن عباسؓ نے فرمایا: میں نے یہ حدیث نہیں سنی، مگر آپؐ نے فرمایا ہے: رہے ابراہیم (علیہ السلام) پس دیکھو تم تمہارے ساتھی کی طرف (آپ اپنی ذات کو مراد لے رہے تھے) اور رہے موسیٰ (علیہ السلام) تو وہ گندمی رنگ والے، گھونگھریالے بال والے، سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی جھلی کی تھی، گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں جب وہ میدان میں تلبیہ پڑھتے ہوئے اتر رہے ہیں۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث نہیں سنی کہ دجال کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا، مگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہے، پھر حضرت ابن عباسؓ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ ایک خواب ہے (اسی طرح اوپر حدیثوں میں جو حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ کو سرخ اونٹ پر سوار تلبیہ پڑھتے دیکھا ہے وہ بھی خواب ہے) نبی ﷺ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بالکل نبی ﷺ کے ہم شکل تھے، یا کہیں کہ آپؐ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بالکل ہم شکل تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ حج کے لئے مکہ آرہے ہیں، جب ان کی سواری نشیب میں اتری تو وہ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ جَعْدٌ کے دو معنی ہیں: (۱) گھنگھریالے بال والے۔ (۲) اور گٹھے ہوئے بدن والے، یہ دوسرے

معنی اصح ہیں، کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بال سیدھے تھے، اور خلیۃ کے معنی ہیں: لیفۃ، کھجور کے پتوں کی جڑ میں سے جو جھلی گرتی ہے اس کو لمبی کاٹ کر رسّی بُن لیتے ہیں، لگام اسی رسّی کی تھی۔

[۲۷۱-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ. ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَ ةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ- يَعْنِي نَفْسَهُ- وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ. فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ" وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ:" دِحْيَةُ بْنُ خَلِيفَةَ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (معراج میں یا خواب میں) میرے سامنے انبیاء پیش کیے گئے، یعنی دکھلائے گئے، پس اچانک موسیٰ علیہ السلام ہلکے بدن کے تھے گویا وہ (یمن کے) قبیلۂ شنوءۃ کے آدمی ہیں، اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، پس اچانک میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں ان سے مشابہت کے اعتبار سے قریب تر عروۃ بن مسعود (ثقفی) ہیں، اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا پس اچانک میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں ان سے مشابہت کے اعتبار سے قریب تر تمہارے ساتھی ہیں، آپ خود کو مراد لے رہے ہیں، اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، پس اچانک میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں ان سے قریب تر خلیفہ کے بیٹے دحیہ کلبی ہیں۔

لغات وترکیب: رجلٌ ضَرْبٌ: چھریرے بدن کا قدآور آدمی ...... أقرب: اسم تفضیل: مضاف، الناس: مضاف الیہ، مَن رأيتُ أي ممن رأيت: الناس کی صفت، به: اقرب سے متعلق، شَبَهًا: تمیز، عروة: خبر...... أقرب من رأيت میں أقرب مابعد کی طرف مضاف ہے۔

[۲۷۲-] وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ- وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ- قَالَ ابْنُ رَافِعٍ: حَدَّثَنَا. وَقَالَ عَبْدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" حِينَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسَى- فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَإِذَا رَجُلٌ- حَسِبْتُهُ قَالَ:- مُضْطَرِبٌ، رَجِلُ الرَّأْسِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَ ةَ، قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسَى- فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم- فَإِذَا رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ- يَعْنِي حَمَّامًا- قَالَ: وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ. وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ. قَالَ فَأُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ وَفِي الْآخَرِ خَمْرٌ فَقِيلَ لِي، خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ. فَقَالَ: هُدِيتَ الْفِطْرَةَ، أَوْ: أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مجھے رات میں لے جایا گیا تو میری

ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، پس آپ نے موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کیا (فرمایا:) ''پس اچانک ایک آدمی'' ـــــ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: گمان کیا میں نے کہ آپ نے فرمایا: ـــــ ''چھریرے بدن کا'' یعنی میانہ قد نہ دبلے نہ موٹے، اور سر کے بال نہ بالکل سیدھے نہ گھونگھریالے گویا وہ قبیلہ شنوءۃ کے کوئی آدمی ہیں'' ـــــ نبی ﷺ نے فرمایا: اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی (ابو ہریرہ کہتے ہیں) پس آپ نے ان کا بھی حلیہ بیان کیا، فرمایا: ''میانہ قد، گوری رنگت کے گویا وہ غسل خانہ سے نہا کر نکلے ہیں ـــــ اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، فرمایا: ''اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں'' ـــــ فرمایا: اور میرے پاس دو برتن لائے گئے، ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی، پس مجھ سے کہا گیا: جونسا پیالہ آپ چاہیں لے لیں، پس میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا، اور میں نے اس کو پی لیا، پس مجھ سے کہا گیا: آپ فطرت (اسلام) کی طرف راہ نمائی کیے گئے، یا کہا: آپ نے فطرت کو پالیا، سنیں! اگر آپ شراب کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔

حل عبارت: نَعَتَ (ف) نَعْتًا: حال بیان کرنا...... مُضْطَرِبٌ: چھریرے بدن کا...... الرَّجِلُ: میانہ بال، نہ بالکل سیدھے نہ گھنگھریالے، یہ رجل کی دوسری صفت ہے...... رَبْعَۃٌ: میانہ قد، نہ لامبے نہ ٹھگنے...... دِیْمَاس: غسل خانہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور وہ اسی حال میں ہیں۔

## بَابُ ذِكْرِ الْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا تذکرہ

ہمارے ہندوستانی نسخوں میں جو حاشیہ پر علامہ نووی رحمہ اللہ کے ابواب درج ہیں ان میں یہ باب نہیں ہے، باب الإسراء کے تحت یہ حدیثیں ہیں، مگر بیروت والے نسخہ میں جو راقم الحروف کے پیش نظر ہے، اس میں یہ باب ہے، اور فتح الملہم میں بھی یہ باب ہے، اس لئے یہ باب باقی رکھا ہے ـــــ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تمام تفصیلات: یعنی حضرت علیہ السلام کے رفع اور نزول کے بارے میں اور ان کی ذات میں توالد و تناسل سمیٹنے کی حکمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو رفع و نزول کے لئے خاص کرنے کی وجہ وغیرہ تفصیلات (باب ۷۱ میں) گذر چکی ہیں، وہاں دیکھ لیں۔

اور دجال کا فتنہ عظیم فتنہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے ہر نبی نے اپنی امت کو اس فتنہ سے ڈرایا ہے۔

### دجال کہاں سے نکلے گا؟

اور دجال کا خروج کہاں سے ہوگا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دجال خُراسان سے نکلے گا، جو ماوراء النہر کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی

روایت میں ہے کہ دجال مشرق کی جانب سے نکلے گا، اور حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت میں ہے کہ دجال اس گھاٹی سے نمودار ہوگا جو شام اور عراق کے درمیان ہے، پھر دائیں بائیں فساد پھیلائے گا، اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصفہان سے نکلے گا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ دجال کی پہلی منزل خوز وکرمان ہوگی ــــ ان سب روایتوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اولاً دجال کا ظہور عراق وشام کے درمیان ہوگا، پھر وہاں سے اصفہان چلا جائے گا، جہاں یہودی اس کا انتظار کر رہے ہونگے، وہاں سے یہودیوں کے جم غفیر کے ساتھ نکلے گا تو اس کی پہلی منزل خوز وکرمان ہوگی جہاں ترک آباد ہونگے، جن کے چہرے چوڑے اور رخسار پھولے ہوئے ہوتے ہیں، پھر وہاں سے خراسان پہنچے گا اور ساری دنیا میں فتنہ وفساد مچائے گا، اور مذکورہ تمام شہر چونکہ مشرق میں واقع ہیں اس لئے بعض روایتوں میں ہے کہ دجال مشرق کی جانب یعنی ماوراء النہر کے علاقہ سے نکلے گا۔ حضرت مولانا شاہ محمد رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ "قیامت نامہ" میں تحریر فرماتے ہیں: اولاً اس کا ظہور ملک عراق وشام کے درمیان ہوگا جہاں نبوت ورسالت کا دعوی کرتا ہوگا، پھر وہاں سے اصفہان چلا جائے گا، یہاں اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہونگے، یہیں سے خدائی کا دعوی کر کے چاروں طرف فساد برپا کرے گا، اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کر کے لوگوں کو اپنے تئیں خدا کہلوائے گا (ماخوذ: از: دنیا کب فنا ہوگی؟[1])

اور تحفۃ الالمعی (۵:۶۰۶-۶۰۷) میں ہے: خروج دجال کے سلسلے میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آتا ہے: (۱) شام وعراق کی درمیانی گھاٹی (۲) اصفہان کے مقام یہودیہ، (۳) سرزمین مشرق یعنی خراسان (۴) خوز وکرمان ــــ اور ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دجال کا خروج اولین شام وعراق کی وسطی گھاٹی سے ہوگا، مگر اس وقت اس کی شہرت نہ ہوگی، اور اس کے اعوان وانصار یہودیہ گاؤں میں اس کے منتظر ہونگے، وہ وہاں جائے گا، اور ان کو ساتھ لے کر پہلا پڑاؤ خوز وکرمان میں کرے گا، پھر مسلمانوں کے خلاف اس کا خروج خراسان سے ہوگا۔ واللہ اعلم

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی مَاسِح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیار چنگے ہو جاتے تھے، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن مجید میں آیا ہے، اور دجال مسیح بمعنی مَمْسُوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا جس سے وہ آنکھ چوپٹ ہوگئی ہوگی، اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت۔ تفصیل (باب ۷۱

---

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم (استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دار العلوم دیوبند) نے اپنے ایک رسالہ بنام: "دنیا کب فنا ہوگی؟" میں قیامت کی ان تمام بڑی نشانیوں کو مدلل ومفصل ذکر کیا ہے جو حضرت مہدی کے ظہور سے کچھ پہلے اور بعد میں ظاہر ہونگی، یہ کتاب اپنے موضوع پر درنایاب ہے، اس کتاب میں کوئی بات بے حوالہ نہیں اور جو بعض ضعیف اور غیر معتبر روایات لوگوں میں مشہور اور کتابوں میں مذکور ہیں ان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، اور جہاں روایات میں تعارض ہے اس کو بھی حل کیا ہے، اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی بھی وضاحت کی ہے، اس کا مطالعہ خواص وعوام دونوں کے لئے مفید ہے ۱۲ حسین احمد

میں) گذر چکی ہے۔

## [۷۵-بَابُ ذِكْرِ الْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ]

[۲۷۳-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " أُرَانِيَ لَيْلَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلاً آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ، قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً، مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ- أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ- يَطُوفُ بِالْبَيْتِ. فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقِيلَ: هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ. ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ، قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقِيلَ: هٰذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ"

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "آج رات میں اپنے آپ کو (خواب میں) کعبہ کے پاس دکھلایا گیا، پس میں نے ایک گندمی رنگ کا آدمی دیکھا، گندمی رنگ کے لوگوں میں جو آپ نے دیکھی ہیں ان میں سب سے اچھا، اس کی زلفیں ہیں جو زلفیں آپ نے دیکھی ہیں ان میں سب سے اچھی، اس نے بالوں میں کنگھی کر رکھی ہے اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، وہ دو آدمیوں پر ٹیک لگا کر ـــ یا فرمایا: دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگا کر ـــ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ پس بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں، پھر اچانک میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے بال انتہائی گھونگھریالے، دائیں آنکھ کا کانا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

لغات: آدم: گندمی رنگ، اٰدِم (س) أَدَمًا وَأُدْمَةً: گندم گوں ہونا......لِمَّة: زلفیں کئی طرح کی ہوتی ہیں: جو زلفیں کانوں تک ہوتی ہیں ان کو وَفْرة کہتے ہیں اور جو آدھی گردن تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں ان کو لِمَّة کہتے ہیں، اور جو مونڈھوں پر پڑی ہوئی ہوتی ہیں ان کو جُمَّة کہتے ہیں......الجَعْد: گھونگھریالا، سکڑا ہوا، جَعُدَ (ک) الشَّعرُ جُعُودۃ: بالوں کا گھونگھریالا ہونا......قَطَط (بفتح الطاء الأول و كسرها) جُعد: میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے، یعنی دجال کے بال انتہائی درجہ گھونگھریالے تھے......طافِئة: (ہمزہ کے ساتھ اور یا کے ساتھ) کے دو معنی ہیں: ذاهبٌ ضَوءُ ها: جس کی روشنی ختم ہوگئی اور نَاتِئَةٌ بَارِزَةٌ: ابھری ہوئی، ظاہر ہونے والی، انگور کے خوشہ میں کوئی دانہ بڑا ہوتا ہے، وہ ذرا باہر نکل آتا ہے، وہ انگور کا ابھرا ہوا دانہ ہے، دجال کی دائیں آنکھ ذرا باہر نکلی ہوئی ہوگی......أعور العين اليُمنى: اور ایک روایت میں أعور عين اليُسرى ہے یعنی بائیں آنکھ کانی ہوگی، اور دونوں روایتوں میں جمع اس طرح کیا گیا ہے کہ دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہونگی، ایک کی روشنی ختم ہوگی اور دوسری عیب دار ہوگی۔

سوال: دجال مکہ کیسے پہنچا، اور بیت اللہ کا طواف کیسے کر رہا ہے؟

جواب: یہ خواب ہے اور خواب میں ہر طرح کی بات دیکھی جاسکتی ہے، یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دجال کو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دیکھا ہے، اس میں زمانہ کی طرف اشارہ ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نکلے گا (قرب قیامت میں نکلنا مرادنہیں) اور یہودیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ مسیح دجال آچکا ہے اور مسیح ہدایت آنے والے ہیں، چنانچہ جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کی پیروی کریں گے۔

[۲۷۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ – يَعْنِيْ ابْنَ عِيَاضٍ – عَنْ مُوْسَى وَهُوَ ابْنُ عُقْبَةَ – عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا، بَيْنَ ظَهْرَانِي النَّاسِ، الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ. فَقَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلاَ إِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ" قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَرَانِيَ اللَّيْلَةَ فِيْ الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرَى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ. فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ. وَرَأَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلاً جَعْدًا قَطَطًا، أَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَشْبَهِ مَنْ رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ"

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن لوگوں کے سامنے مسیح دجال کا تذکرہ کیا، پس فرمایا: "اللہ تبارک وتعالیٰ یقیناً کانے نہیں، سنو! مسیح دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی گویا اس کی آنکھ باہر نکلا ہوا انگور کا دانہ ہے"

قوله: كَأَشْبَهِ مَن رأيتُ: ان لوگوں میں جن کو میں نے دیکھا دجال کے ساتھ مشابہت کے اعتبار سے قریب ترین ابن قطن ہے، امام زہریؒ نے فرمایا کہ یہ قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی تھا جو زمانہ جاہلیت میں مر گیا تھا (بخاری حدیث ۳۴۴۱)

[۲۷۵-] حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" رَأَيْتُ عِنْدَ الْكَعْبَةِ رَجُلاً آدَمَ، سَبِطَ الرَّأْسِ، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى رَجُلَيْنِ، يَسْكُبُ رَأْسُهُ – أَوْ يَقْطُرُ رَأْسُهُ – فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ، أَوِ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ – لاَ نَدْرِيْ أَيَّ ذٰلِكَ قَالَ – وَرَأَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلاً أَحْمَرَ، جَعْدَ الرَّأْسِ، أَعْوَرَ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، أَشْبَهُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ ابْنُ قَطَنٍ، فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ"

قوله: رجلاً أحمر: دجال سرخ ہوگا (انگریزوں کی طرح) اور ابن عمرؓ نے اسی حدیث میں جو بخاری میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سرخ ہونے کی نفی کی ہے، فرمایا: لا، واللّٰهِ ماقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لِعیسی أحمر

(حدیث نمبر۳۴۴۱)اور ترمذی میں (حدیث نمبر۳۱۵۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت میں ربعة أحمر آیا ہے، یہاں احمر سے وہ سرخی مراد ہے جو سفیدی مائل ہو، اردو میں اس کو گورا رنگ کہتے ہیں۔ چنانچہ ابھی (حدیث ۲۶۷ میں) آیا ہے۔ إلى الحمرة و البياض، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میانہ قد گوری رنگت کے تھے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سرخی کی نفی کی ہے جو خالص سرخ ہو، اس رنگت کا آدمی خوبصورت نہیں ہوتا۔

[۲۷۶-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَمَّا كَذَّبَتْنِيْ قُرَيْشٌ، قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلاَ اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا، پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو منکشف کیا، چنانچہ میں ان کو بیت المقدس کی نشانیاں بتلانے لگا درانحالیکہ میں اس کو دیکھ رہا تھا۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اسراء کا واقعہ بیداری میں پیش آیا ہے، اگر محض خواب ہوتا تو مشرکین تکذیب نہ کرتے، کیونکہ خواب تو اس سے بھی عجیب دیکھا جاسکتا ہے۔ اور مشرکین کا آپؐ سے بیت المقدس کی نشانیاں معلوم کرنا اور قافلوں کے احوال دریافت کرنا دلیل ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا تھا، یہی جمہور کی رائے ہے، البتہ دو تین صحابہ اس کو خواب کا واقعہ کہتے ہیں، تفصیل آچکی ہے۔

[۲۷۷-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ بْنُ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِيْ أَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ الشَّعْرِ، بَيْنَ رَجُلَيْنِ، يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً - أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً - قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ، جَسِيْمٌ، جَعْدُ الرَّأْسِ، أَعْوَرُ الْعَيْنِ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ. قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ"

قوله: فإذا رجلٌ أحمر جسيم: پس اچانک ایک سرخ، بھاری بدن کا آدمی، گھونگھریالے بال والا، دائیں آنکھ کا کانا، گویا اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہے...... ثم ذهبتُ التَفِتُ: پھر میں نے جھانکا...... ينطِفُ رأسه ماءً: ان کا سر پانی ٹپکا رہا ہے یا فرمایا: ان کا سر پانی ریڑھ رہا ہے۔

[۲۷۸-] وَحَدَّثَنِیْ زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا حُجَیْنُ بْنُ الْمُثَنّٰی، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ- وَهُوَ ابْنُ أَبِیْ سَلَمَةَ- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: " لَقَدْ رَأَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ، وَقُرَیْشٌ تَسْأَلُنِیْ عَنْ مَسْرَایَ، فَسَأَلَتْنِیْ عَنْ أَشْیَاءَ مِنْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَکُرِبْتُ کُرْبَةً مَا کُرِبْتُ مِثْلَهٗ قَطُّ. قَالَ: فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ أَنْظُرُ إِلَیْهِ، مَا یَسْأَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ إِلاَّ أَنْبَأْتُهُمْ بِهٖ. وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِیَاءِ، فَإِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ کَأَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَ ةَ. وَإِذَا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ. أَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ الثَّقَفِیُّ. وَإِذَا إِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلاَمُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ. أَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُکُمْ- یَعْنِیْ نَفْسَهٗ- فَحَانَتِ الصَّلاَةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلاَةِ قَالَ قَائِلٌ: یَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِکٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ. فَالْتَفَتُّ إِلَیْهِ فَبَدَأَنِیْ بِالسَّلاَمِ"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے خود کو حطیم میں پایا درانحالیکہ قریش مجھ سے میرے رات کے سفر (اسراء) کے بارے میں پوچھ رہے تھے، انھوں نے مجھ سے بیت المقدس سے متعلق چند ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا جن کو میں نے (غیر اہم ہونے کی وجہ سے) یاد نہیں رکھا تھا، پس مجھے (قریش کے سوالوں سے) اِتنا دکھ ہوا کہ اُتنا دکھ کبھی نہیں ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو منکشف کردیا، اس کو میں دیکھ رہا تھا، وہ جس چیز کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھتے میں ان کو (دیکھ کر) بتلا دیتا تھا ـــــ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انبیاء کا تذکرہ کیا اور حدیث قریب ہی گذری ہے۔

**قوله: فحانت الصلوة فأممتهم:** آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی امامت فرمائی تھی، اور جاتے ہوئے امامت فرمائی تھی یا واپسی میں؟ علماء کی دونوں طرف رائیں ہیں، اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے واپسی میں امامت کرنے کو راجح قرار دیا ہے، علامہ اپنی تفسیر (۲۲:۳) میں تحریر فرماتے ہیں: ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف واپس تشریف لائے، اور انبیاء کرام بھی آپؐ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپؐ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو[1]۔ اور بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ امامت آسمانوں میں فرمائی ہے، حالانکہ بہت سی روایات میں صراحت ہے کہ بیت المقدس میں امامت فرمائی ہے، ہاں بعض

(۱) معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور آئندہ دن ہی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دو دن تک آکر تمام نمازیں اول وآخر وقت میں پڑھائیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ظہر سے آنا شروع کیا تھا اس سے علامہ ابن کثیر کی بات کو تقویت ملتی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انبیاء کی امامت فرمائی تھی وہ شاید فجر کی نماز تھی۔ واللہ اعلم

روایات میں یہ ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے پیش آیا تھا، مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ امامت واپسی پر فرمائی ہے، کیونکہ آسمانوں پر انبیاء کرام سے ملاقات کے وقت سب انبیاء سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کا تعارف کرایا ہے، اگر واقعۂ امامت پہلے پیش آچکا ہوتا تو تعارف کی کیا ضرورت تھی؟ ــــ اور واقعات کی فطری ترتیب بھی یہی مناسب معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس سفر کا اصل مقصد بارگاہِ خداوندی میں حاضری تھی تا کہ آپؐ پر اور آپ کی امت پر جو احکام فرض کیے جانے ہیں وہ فرض کیے جائیں، پھر جب آپؐ اصل کام سے فارغ ہو گئے تو انبیاء کرام مشایعت کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبرئیل امین کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت وفضیلت کا عملی ثبوت دیا ــــ پھر آپؐ بیت المقدس سے رخصت ہوئے، اور بُراق پر سوار ہو کر غلس میں مکہ معظمہ پہنچ گئے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

## بَابٌ فِيْ ذِكْرِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى

### سدرۃ المنتہی کا تذکرہ

سدرۃ: کے معنی ہیں: بیری کا درخت، اور المنتھی کے معنی ہیں: باڈر، سرحد ــــ ساتویں آسمان سے آگے ایک مقام ہے اس کا نام سدرۃ المنتہی ہے، یعنی باڈر کی بیری، ترمذی کی حدیث (نمبر ۳۳۰۰) میں اس کی دو وجہ تسمیہ آئی ہیں: ایک: جو چیزیں زمین سے چڑھتی ہیں اور جو چیزیں آسمان سے اترتی ہیں: وہ اس سرحد پر رک جاتی ہیں اس لئے اس کا نام سدرۃ المنتہی ہے (قاله ابن مسعود) دوم: مخلوقات کا علم اس بیری کے درخت تک پہنچ کر رک جاتا ہے، یعنی مخلوقات ان چیزوں کو نہیں جانتیں جو اس سے اوپر ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ المنتہی ہے۔

سدرۃ المنتہی کہاں ہے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان میں ہے (حدیث نمبر ۲۷۹) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذری (حدیث نمبر ۲۵۸) یہ ہے کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے، اور اس سرحد کا نام "منتہی" بھی اس کا قرینہ ہے کہ وہ ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

سدرۃ کے پاس نبی ﷺ کو چند چیزیں دی گئیں: ۱- وہاں آپؐ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ ۲- وہاں آپ کو سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں (﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے آخر تک) عطا فرمائی گئیں۔ ۳- وہاں آپ کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اگر آپ کی امت شرک سے بچی رہی تو اس کے تمام کبائر دیر سویر معاف کر دیئے جائیں گے۔ ۴- اور وہاں ہر نیکی کا ثواب دس گنا کا ضابطہ بھی عطا ہوا۔

[٧٦- بَابٌ فِيْ ذِكْرِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى]

[٢٧٩-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ. ح:

وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ - وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ - قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم انْتُهِيَ بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَهِيَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، إِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ، فَيُقْبَضُ مِنْهَا. وَإِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا، فَيُقْبَضُ مِنْهَا. قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى﴾ قَالَ: فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ.
قَالَ: فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثًا: أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ.

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کو رات میں لے جایا گیا تو آپ کو لے کر سدرۃ المنتہیٰ پر چڑھا گیا، اور سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے (پھر ابن مسعودؓ نے وجہ تسمیہ بیان کی کہ) وہاں پہنچ کر رک جاتی ہیں وہ چیزیں جو اس کی طرف زمین سے چڑھتی ہیں (یعنی بندوں کے اعمال اور ارواح وغیرہ) پس وہ لے لی جاتی ہیں، یعنی اوپر والے ملائکہ ان کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہیں، اور وہاں پہنچ کر رک جاتی ہیں وہ چیزیں جو اوپر سے اترتی ہیں، پس وہ لے لی جاتی ہیں، یعنی جو وحی اور احکام وغیرہ نازل ہوتے ہیں ان کو نیچے والے ملائکہ لے کر جہاں پہنچانا ہوتا ہے وہاں پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جب اس سدرۃ کو لپٹ رہی تھیں وہ چیزیں جو لپٹ رہی تھیں" ابن مسعودؓ یا کسی اور راوی نے اس اجمال کی شرح کرتے ہوئے کہا: "سونے کے پتنگے" یعنی سدرۃ پر سونے کے پتنگے (پروانے) چھا رہے تھے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں: پس رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں: (۱) پانچ نمازیں دی گئیں (۲) سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں دی گئیں (۳) اور اس امتی کے کبیرہ گناہ بخشنے کا وعدہ کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

قولہ: أُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سورةِ البقرة: اس پر ایک اعتراض ہے، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ جب آیت: ﴿إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ پر یہ آیت شاق گذری، اور انھوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ دلوں میں جو وسوسے گذرتے ہیں ان کا بھی محاسبہ ہوگا، جبکہ وسوسوں پر کسی کو قدرت نہیں؟ اس موقعہ پر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل ہوئیں، یعنی یہ آیتیں مدنی ہیں اور یہاں یہ ہے کہ معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور معراج مکی دور میں ہوئی ہے، پس یہ صریح تعارض ہے۔

جواب: علماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں: ایک: یہ آیتیں اللہ عزوجل نے معراج کی رات میں براہِ راست عنایت فرمائیں، پھر مدنی دور میں بھی بواسطہ جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں اتریں اور مصاحف میں لکھی گئیں، یہ توجیہ شیخ عبد

الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے مشکوۃ کی شرح لمعات میں کی ہے۔ دوم: علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معراج کی رات میں ان آیتوں کا وعدہ کیا گیا، یعنی احکام میں تخفیف وسہولت کا، عفوودرگذر کا، اور کفار پر نصرت ومدد کا وعدہ کیا گیا، پھر مدنی دور میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، اس لئے دیئے جانے کی نسبت علی الاطلاق معراج کی طرف کردی گئی۔ واللہ اعلم

**قولہ: الْمُقْحِمَات:** اس سے مراد کبیرہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب ہلاکت وتباہی اور دخولِ نار کا سبب ہے، اور ان کی بخشش کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو دائمی طور پر جہنم میں نہیں جائے گا، اس کی ضرور کسی دن بخشش ہوگی، یہ مطلب نہیں کہ مؤمن جہنم میں جائے گا ہی نہیں خواہ کتنا ہی بڑا مجرم اور پاپی ہی کیوں نہ ہو، یہ مطلب صریح نصوص اور اجماع کے خلاف ہے۔

**فائدہ:** سدرۃ المنتہیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق چھٹے آسمان میں ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے، اور قاضی عیاضؒ نے حضرت انسؓ کی روایت کو ترجیح دی ہے، اور بعض علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور شاخیں ساتویں آسمان میں بلکہ اس سے بھی اوپر تک ہیں، ظاہر ہے وہ ایک نہایت وسیع وعریض درخت ہے، اس کے بیر ہجر مقام کے مٹکوں جتنے اور پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں، اگر اس کی جڑیں چھٹے آسمان میں بھی ہوں تو اس میں کوئی حیرت والی بات نہیں، بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ اس کی جڑیں زمین میں بھی ہیں اور نیل وفرات وہیں سے جاری ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم

## بَابُ مَعْنَى قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَ: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ وَهَلْ رَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَبَّهُ لَيْلَةَ الإِسْرَاءِ؟

## آیتِ پاک ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ کا مطلب اور کیا نبی ﷺ نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟

شبِ معراج میں نبی ﷺ رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے یا نہیں؟ یہ مسئلہ صحابہ کے زمانہ سے اختلافی چلا آرہا ہے، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما رویت کا انکار کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت کے قائل تھے۔ پھر تابعین میں سے حضرت حسن بصری اور حضرت عروہ رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے تھی —— اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ ذوجہتین ہے، چونکہ معراج جسمانی تھی اس لئے دیکھنے والی نظر اس عالم کی تھی، اور رویت ممکن نہیں تھی، اور جگہ چونکہ فوق السماوات تھی اس لئے یہ معاملہ دوسرے عالم کا تھا اور رویت ممکن تھی، اور اس اختلاف کا اثر سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کے سمجھنے میں بھی ظاہر ہوا ہے، لہٰذا پہلے وہ آیات پڑھ لیں:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ ﴾

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے تمہارے ساتھی یعنی نبی ﷺ نہ راہ سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر پڑے (قسم اس مدعی کی دلیل ہے یعنی جس طرح ستارہ غروب ہو کر بھٹک نہیں جاتا اسی طرح آپؐ بھی نہ گمراہ ہوئے نہ غلط راستہ پر پڑے ہیں، ضلال: یہ ہے کہ صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستہ پر چل دے اور غوایت: یہ ہے کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے) اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے نہیں ہے ان کی بات مگر ایسی وحی جو ان کی طرف کی گئی ہے، ان کو سکھلاتا ہے بڑا طاقتور مضبوط باڈی والا فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام، پس وہ صاف نمودار ہوا درانحالیکہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ فرشتہ نزدیک آیا، پھر اور بھی نزدیک آیا، پس رہ گیا وہ کمان کی تانت کے بقدر یا اس سے بھی کم، پس اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کرنی تھی، دل میں دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، پس کیا تم ان سے اس دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑتے ہو؟ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس فرشتہ کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہی کے پاس، جس کے قریب جنت الماوی (ہمیشہ رہنے کا باغ) ہے، جب سدرۃ کو لپٹ رہی تھیں وہ چیزیں جو لپٹ رہی تھیں، نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی، البتہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں (آیات کی تفسیر کے لئے دوسرا فائدہ دیکھیں)

ان آیات پاک میں دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کا ذکر ہے، پہلی مرتبہ: غارِ حراء سے واپسی میں محلہ اجیاد میں آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا ہے، اور دوسری مرتبہ: معراج میں سدرہ کے پاس دیکھا ہے ــــــ اسی طرح نزدیک آنا اور کمان کی تانت کے بقدر یا اس سے بھی کم فاصلہ پر رہ جانا: یہ بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ذکر ہے، ابھی حدیث آرہی ہے کہ ابو اسحاق سلیمان شیبانی نے زر بن حُبیش سے ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ کی تفسیر پوچھی تھی تو زر نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا نزدیک آنا اور جمال خداوندی کو دیکھنا مراد نہیں، بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، آنحضور ﷺ نے سدرہ کے پاس ان کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے، ان کے چھ سو بازو تھے، پس ان آیات کا رؤیت باری سے کچھ تعلق نہیں، مگر کچھ حضرات نے ان آیات کو رؤیت باری سے متعلق کیا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں طرح کی روایات آئی ہیں، مطلق رؤیت کی بھی اور مقید بھی، یعنی نبی

ﷺ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور اس میں نہ کوئی اشکال ہے اور نہ اختلاف ہے، پس مطلق روایات کو بھی مقید پر محمول کرنا چاہئے ـــــ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایات مختلف مروی ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

**چند فوائد:**

**پہلا فائدہ:** سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ ہے: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾: نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتیں، اور وہ سب نگاہوں کو پاتے ہیں، اور وہ نہایت باریک بیں باخبر ہیں۔

**تفسیر:** أَدْرَكَ الشيئَ: کے معنی ہیں: پانا، حاصل کرنا، جیسے أَدْرَكَ الصلوٰۃ: نماز پائی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ادراک کی تفسیر ''احاطہ'' سے کی ہے، یعنی مخلوقات اس طرح اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں کہ وہ اس کی ذات کا احاطہ کرلیں، اور ان کی پوری حقیقت سمجھ جائیں۔

اس آیت کے ذیل میں تین مسئلے ہیں:

**پہلا مسئلہ:** اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ ہے کہ اس عالم دنیا میں اللہ عزوجل کی ذات اقدس کا مشاہدہ اور زیارت ممکن نہیں، اور یہ محال عادی ہے، محال عقلی نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی تھی کہ اے رب! مجھے اپنی زیارت کرادیجئے تو جواب ملا تھا: ﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾: آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳) ظاہر ہے جب موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر نہیں دیکھ سکتا تو کسی جن وبشر کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ پاک کو اس دنیا میں دیکھ سکے۔

**دوسرا مسئلہ:** آخرت میں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی، اور یہ مسئلہ بھی اہل حق کے نزدیک اجماعی ہے، کیونکہ قرآنِ کریم اور احادیث قویہ متواترہ سے یہ بات ثابت ہے۔ سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾: ''قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ (ہشاش بشاش) ہونگے اور وہ اپنے رب کو دیکھنے والے ہونگے'' اور احادیث میں بھی یہ مضمون بہ صراحت تام آیا ہے، البتہ گمراہ فرقے (خوارج ومعتزلہ) آخرت میں بھی رؤیت کا انکار کرتے ہیں، اور وہ اس آیت سے (سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۳ سے) استدلال کرتے ہیں کہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتیں، پھر دیکھنا کیسے ممکن ہے؟ اور ان کے نزدیک آیت عام ہے، اس دنیا کے ساتھ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں، اور اہل حق کے نزدیک سورۃ القیامہ کی آیت کی وجہ سے یہ آیت اس دنیا کی رؤیت کے ساتھ خاص ہے۔

**تیسرا مسئلہ:** شب معراج میں نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں؟ ابھی بتایا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کے زمانہ سے اختلافی چلا آرہا ہے، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما رؤیت کا انکار کرتے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رؤیت کے قائل تھے ـــــ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ ذوجہتین ہے، چونکہ معراج جسمانی تھی اس لئے دیکھنے والی نظر اس عالم کی تھی اور مکان (جگہ) چونکہ فوق السماوات تھا، اس لئے یہ معاملہ دوسرے عالم کا تھا، پس پہلی جہت سے یہ مسئلہ اس آیت کے ذیل میں آتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکارِ رؤیت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے،

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایتیں مختلف ہیں، ایک مرفوع روایت میں ہے: نُوْرٌ أَنّٰی أَرَاهُ: اللہ تعالیٰ نور ہیں، میں ان کو کیسے دیکھتا۔ اور دوسری مرفوع روایت میں ہے: رَأَیْتُ نُوْرًا: میں نے اللہ تعالیٰ کا نور دیکھا، اور یہ دونوں روایتیں باب میں ہیں، اور باب ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے: رآہ بقلبہ: یعنی وہ رؤیت قلبی کے قائل تھے، رؤیت بصری کے مدعی نہیں تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی رؤیت قلبی کے قائل تھے، اور حضرت ابن عباسؓ نے دیگر جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ بھی محل نظر ہیں، ان آیات کی صحیح تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے، کیونکہ انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے دریافت کی ہے، اس لئے ان کی تفسیر مرفوع ہے، اور مسئلہ کا عمل سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے توقف بہتر ہے۔

دوسرا فائدہ: سورۂ نجم کی مذکورہ بالا آیات کی ائمہ تفسیر سے دو تفسیریں منقول ہیں، ایک کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب آیات اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ تعلیم اور رؤیت باری تعالیٰ اور قرب حق جل مجدہ کے ذکر پر محمول ہیں، اور ﴿شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى﴾ اور ﴿دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ وغیرہ سب حق تعالیٰ کی صفات وافعال ہیں، اور جو رؤیت ومشاہدہ کا ذکر ہے اس سے بھی حق تعالیٰ کی رؤیت وزیارت مراد ہے، صحابہ کرام میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے، اور تفسیر مظہری میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان آیات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان ہے، اور ﴿شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ وغیرہ جبرئیل امین کی صفات ہیں، بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے، خاص طور پر حضرت ابن مسعود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابو ہریرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور عام طور پر مفسرین نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "ان آیات میں جس رؤیت اور قرب کا ذکر ہے وہ رؤیت وقرب جبرئیل امین کی ہے، جبکہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا، پھر دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے قریب دیکھا، اور پہلی رؤیت نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں ہوئی تھی"

علامہ قرطبیؒ اور امام رازیؒ وغیرہ نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور علامہ نووی نے شرح مسلم میں اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے (ماخوذ از معارف القرآن ۸: ۱۹۵-۱۹۷ ملخصا)

اور صاحب افادات حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ہدایت القرآن (۸: ۸۳) میں یہی تفسیر فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"سورۃ النجم کی مذکورہ بالا آیات میں وحی متلو (قرآن مجید کی وحی) کی درمیانی کڑیوں کی توثیق ہے، قرآن کریم رب العالمین کا پیام محبت ہے، اپنے بندوں کے نام، مگر وہ واسطہ در واسطہ بھیجا گیا ہے، جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو

پہنچایا، پھر انھوں نے لوگوں کو سنایا، مگر دونوں واسطوں کا اُس کلام میں ابلاغ کے علاوہ کوئی دخل نہیں، ان آیات پاک میں ان دونوں واسطوں کی توثیق کا بیان ہے کہ یہ دونوں واسطے صدفی صد قابل اعتماد ہیں، اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو خوب پہنچانا ہے۔ نبی ﷺ نے دو مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا ہے، اس لئے وہ نبی ﷺ کے لئے انجانے نہیں۔

اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ستاروں کے احوال میں غور کرو، وہ طلوع سے غروب تک ٹھیک اپنے مدار (راستہ) پر چلتے ہیں، سرِ مُو ادھر ادھر نہیں ہوتے، اسی طرح نبی ﷺ سیدھے راستہ سے ایک انچ بھی نہیں ہٹے، نہ سیدھے راستہ سے دور جا پڑے ہیں، وہ تمہارے ساتھی ہیں، انھوں نے چالیس سال تمہارے درمیان گذارے ہیں، ان کی ایک ایک بات سے تم واقف ہو، ان کا قدم کبھی سیدھے راستہ سے نہیں ڈگمگایا، تم ان کو الصادق الأمین (سچے امانت دار) کہتے تھے، اب وہ کلام الٰہی پیش کر رہے ہیں یہ ان کا اپنا کلام نہیں، وہ ایسی خیانت نہیں کر سکتے وہ اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول دیں گے؟ وہ جو کلام پیش کر رہے ہیں وہ بالیقین اللہ کا کلام ہے، جو ان کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے، اور وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) ایک طاقت ور مضبوط باڈی کا فرشتہ ہے (ان کے چھ سو بازو (ہاتھ) ہیں، اور انھوں نے اپنی ایڑی ماری تھی تو زمین کے سوتے ٹوٹ کر زم زم کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا) پس احتمال ہی نہیں کہ راستہ میں شیطان ان پر اثر انداز ہو جائے۔

اور نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو اس کی اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ: وہ فرشتہ ان کے سامنے اصلی صورت میں نمودار ہوا، اس وقت وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ اتر آیا اور کمان کی تانت کے بقدر رہ گیا، بلکہ اس سے بھی نزدیک آ گیا، اور وہ جو وحی لایا تھا وہ پہنچائی، اس وقت نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو دیکھا اور پہچانا اور پہچاننے میں دل نے کوئی غلطی نہیں کی ـــــــ پس اب تمہارا یہ کہنا کہ یہ کلام اس نے خود بنا لیا ہے: کیا جھگڑے کی بات نہیں؟

دوسری مرتبہ: نبی ﷺ نے اس فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھا ہے جب آپؐ معراج میں تشریف لے گئے، جب آپؐ باڈر کی بیری پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں آپؐ کو نظر آئے، شروع سے وہ انسانی شکل میں ساتھ تھے۔

اور باڈر کی بیری سے جنت کا ایریا شروع ہوتا ہے، وہ درخت حد فاصل ہے، اوپر والے یہاں تک اترتے ہیں اور نیچے والے یہاں تک چڑھتے ہیں، جب نبی ﷺ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ سونے کے پتنگے (پروانے) اس کو لپٹ رہے ہیں، اس کی وجہ سے وہ درخت انتہائی خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ فرمایا: "میں اس کی خوبصورتی بیان ہی نہیں کر سکتا" وہاں نبی ﷺ کو جو دکھلانا منظور تھا وہی آپؐ نے دیکھا: نظر نہ کج ہوئی، نہ حد سے بڑھی، وہاں آپؐ نے قدرتِ الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

خلاصہ: یہ کہ دونوں واسطے ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں، ایسے بااعتماد وسائط کے ذریعہ جو کلام نازل کیا گیا ہے

اس کو مان لو، حجت بازی مت کرو"

تیسرا فائدہ: ابھی بتایا ہے کہ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے، پھر آیت ۱۰ ہے: ﴿فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾ پس وحی کی (اللہ تعالیٰ نے) اپنے بندے کی طرف جو (اس موقعہ پر) وحی کرنی تھی" اس آیت سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ اس میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، پس اس سے پہلے کی آیات میں بھی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، حالانکہ یہ التفات ہے، اور التفات سے کلام میں فصاحت پیدا ہوتی ہے (التفات کی بعض اقسام اور ان کے فوائد کا بیان مختصر المعانی میں "بحث اسناد خبری کے احوال" کے آخر میں ہے) اور عبدہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، اس لئے مرجع کے ذکر کے بغیر ضمیر لوٹائی ہے۔

دوسری توجیہ: اور علامہ کشمیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نہ یہاں نظم کلام میں کوئی اختلاف ہے نہ انتشار ضمائر، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ نجم کی شروع آیت میں ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ وحی بھیجنے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، مگر اس وحی کو پہنچانے میں ایک واسطہ جبرئیل علیہ السلام کا تھا، چند آیات میں اس واسطہ کی پوری طرح توثیق کرنے کے بعد پھر ﴿اَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى﴾ فرمایا، تو یہ ابتداء کلام کا تکملہ ہے، اور اس میں انتشار ضمائر اس لئے نہیں کہ أوحی اور عبدہ کی ضمیر میں اس کے سوا کوئی احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے سوا کی طرف راجع ہو، اس لئے یہ مرجع پہلے سے متعین ہے، اور ﴿مَآ اَوْحٰى﴾ یعنی "جو کچھ وحی فرمانا تھا" اس کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (معارف القرآن ۸: ۱۹۸)

## [۷۷-بَابُ مَعْنَى قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَ: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ وَهَلْ رَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَبَّهُ لَيْلَةَ الإِسْرَاءِ؟]

[۲۸۰-] وَحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، وَهُوَ: ابْنُ الْعَوَّامِ، قَالَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى جِبْرِيْلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ.

[۲۸۱-] حدثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَآى﴾ قَالَ: رَأَى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ.

[۲۸۲-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مَعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ، سَمِعَ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ قَالَ: رَأَى جِبْرِيْلَ فِي صُوْرَتِهِ، لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ.

ترجمہ: ابواسحاق سلیمان شیبانی نے زر بن حُبیش سے سورۂ نجم کی آیات ۹ و ۱۰ و ۱۸ کی تفسیر پوچھی، انھوں نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام کا ذکر ہے، نبی ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو بازو تھے (یہی ان کی اصلی شکل ہے)

**قولہ: فکان قاب قوسین:** عرب مسافت کا اندازہ کرنے کے لئے مختلف الفاظ بولتے ہیں: مثلاً: کمان برابر، ایک نیزے کے برابر، ایک کوڑے کے برابر، ہاتھ برابر، یا منہ برابر، بالشت بھر، انگلی برابر وغیرہ (لغات القرآن ۵:۶۳) پس قاب قوسین ایک اندازہ ہے، تحدید مراد نہیں، قرب بیان کرنا ہے، یعنی قریب آ کر وحی سنائی، اور یہ قریب آنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے قریب ہونا مراد نہیں ـــــ اور اس میں پہلی رؤیت کا بیان ہے جو ابتداءِ نبوت میں ہوئی ہے، پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے پاس سب سے پہلے وحی لے کر جبلِ نور پر غارِ حراء میں آئے، اس وقت وہ انسانی شکل میں تھے، اور سورۂ اقراء کی پانچ آیتیں نازل کی تھیں، پھر فترت کا زمانہ ہے ـــ جو تین سال، یا ڈھائی سال یا چھ ماہ ہے ـــ اس میں وحی نہیں آئی، زمانۂ فترت گذرنے کے بعد ایک مرتبہ نبی ﷺ غارِ حراء سے گھر واپس تشریف لا رہے تھے، اور آپؐ اجیاد نامی محلّہ سے گذر رہے تھے کہ آپؐ نے ایک آواز سنی، چاروں طرف دیکھا، کچھ نظر نہ آیا، جب اوپر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے، ان کے چھ سو بازو تھے، آپؐ ان کو دیکھ کر گھبرا گئے اور جلدی قدم بڑھا دیئے، اور گھر پہنچ کر کپڑے میں لپٹ گئے، اتنے میں وہ فرشتہ جو آسمان پر نظر آیا تھا لٹک کر قریب آ گیا ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ اور کمان کی تانت کے بقدر رہ گیا یا اس سے بھی قریب آ گیا، اور دوسری وحی (سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات) نازل کیں۔

فائدہ: القاب: کمان کی تانت کے وسط سے کنارہ تک کا فاصلہ، پس ایک تانت میں دو قاب ہوتے ہیں، اس لئے قاب قوسین کے معنی ہیں: کمان کی ایک تانت کے بقدر، یعنی بہت قریب۔

اور آیت میں لفظی قلب ہے، اصل قَابَیْ (قَابَیْنِ) قوسٍ تھا، مضاف کے یاء نون کو مضاف الیہ کی طرف منتقل کر دیا، پس قاب قوسین ہوا، مگر معنی اصل کے باقی ہیں (دیکھئے: تحفۃ القاری ۹:۵۲۱) پس 'دو کمانوں' ترجمہ صحیح نہیں۔

**قولہ: ما کذب الفؤاد ما رأی:** دل نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، فؤاد کے معنی ہیں: قلب، اور مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا قلب نے اس کے ادراک میں غلطی نہیں کی، اُسی غلطی اور خطا کو کذب سے تعبیر کیا ہے ـــــ **ما رأی:** کیا دیکھا؟ قرآن نے تعیین نہیں کی، ابن عباسؓ وغیرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہے اور ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا مراد ہے، اس تفسیر کے مطابق **رأی:** حقیقی معنی میں یعنی آنکھ سے دیکھنے کے لئے مستعمل ہوا ہے، اور دیکھنے کے بعد ادراک وفہم جو قلب کا کام ہے وہ قلب کی طرف منسوب ہوا ہے۔

**قولہ: لقد رأی من آیات ربہ الکبری:** بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے (معراج میں) اپنے پروردگار کے

بڑے بڑے عجائبات دیکھے ــــ کیا عجائبات دیکھے؟ اس کا تذکرہ تو روایت میں نہیں آیا، البتہ ایک عجیب بات جو عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ہری پالکی دیکھی جس نے آسمان کے کناروں کو بھر رکھا تھا، یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وجود تھا، وہ ہری پالکی میں بیٹھے تھے، اور ان کے جسم سے آسمان کا کنارہ بھرا ہوا تھا (بخاری حدیث ۳۲۳۲) اس کے علاوہ اور بھی عجائبات دیکھے، وہ کیا عجائبات تھے؟

اکنوں کرا دماغ کہ پُرسد زباغباں ❁ بلبل چہ گفت؟ گل چہ شنید؟ وصبا چہ کرد؟
(اب کس کی ہمت ہے کہ باغباں سے پوچھے ❁ بلبل نے کیا کہا؟ پھول نے کیا سنا؟ اور صبا نے کیا دیکھا؟

[۲۸۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ قَالَ: رَأَى جِبْرِيْلَ.

[۲۸۴-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: رَآهُ بِقَلْبِهِ.

[۲۸۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ الْأَشَجُّ، جَمِيْعًا عَنْ وَكِيْعٍ، قَالَ الْأَشَجُّ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحُصَيْنِ أَبِيْ جَهْمَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ قَالَ: رَآهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ.

[۲۸۶-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ جَهْمَةَ بِهٰذَا الْأِسْنَادِ.

شرح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے بھی ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ کی تفسیر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنا مروی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہے، اور اس میں نہ کوئی اشکال ہے نہ اختلاف، اوپر بتایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے دونوں طرح کی روایات آئی ہیں، مطلق رویت کی بھی اور مقید بھی، اگر ابن عباسؓ کی مطلق رویت والی روایت کو مقید پر محمول کرلیں تو اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے اور اقوالِ صحابہ کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ جو رویت کے منکر ہیں ان کے قول میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے کی نفی ہوگی اور ابن عباسؓ کے قول میں دل سے دیکھنا مراد ہے اور اس میں کچھ اشکال نہیں۔

[۲۸۷-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، قَالَ: كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا عَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ. قُلْتُ: مَا هُنَّ؟ قَالَتْ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ

أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ، قَالَ: وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! أَنْظِرِيْنِيْ وَلَا تُعْجِلِيْنِيْ. أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى﴾ فَقَالَتْ: أَنَا أَوَّلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ: "إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ، لَمْ أَرَهُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِيْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ، سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ" فَقَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ: ﴿يٰأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ قَالَتْ: وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ، وَاللّٰهُ يَقُوْلُ: ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾

ترجمہ: حضرت مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹیک لگا کر بیٹھا تھا، پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اے ابوعائشہ! (مسروق کی کنیت) تین باتیں ہیں: جو ان میں سے کوئی بھی بولتا ہے: وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام لگاتا ہے: مسروقؒ نے پوچھا وہ تین باتیں کیا ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "جو شخص کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھتا ہے، مسروق کہتے ہیں: میں ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا، پس میں سیدھا بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا: ام المؤمنین! مجھے آپ مہلت دیں اور مجھے آپ جلدی نہ کرائیں (یعنی آگے دوسری بات ابھی نہ فرمائیں، مجھے یہ مسئلہ سمجھنے دیں، مجھے اس مسئلہ کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ہے) کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتے: "اور انھوں نے ان کو صاف آسمان کے کنارے پر دیکھا ہے" (التکویر ۲۳) "اور انھوں نے ان کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا ہے" (النجم ۱۳) (یہ دونوں حضرت ابن عباسؓ کے استدلالات تھے جو مسروق نے پیش کئے ہیں، انھوں نے دونوں آیتوں میں رآہ کی ضمیر مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے، یعنی نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں پہلی وہ شخص ہوں جس نے ان آیتوں کے بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا ہے: آپؐ نے فرمایا: "وہ جبرئیل علیہ السلام ہی تھے، میں نے ان کو ان کی اس صورت پر نہیں دیکھا جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں علاوہ ان دو مرتبوں کے، میں نے ان کو آسمان سے اترتا ہوا دیکھا، درانحالیکہ ان کی خلقت کی بڑائی آسمان وزمین کے درمیان کو بھرنے والی تھی" (یہ حدیث مرفوع ہے پس رآہ کی ضمیر کا مرجع متعین ہوگیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا استدلال محل نظر ہوگیا)

پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا نہیں سنی تو نے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ کو نگاہیں نہیں پاسکتیں، اور

وہ سب نگاہوں کو پاتے ہیں، اور وہ نہایت باریک بیں، بڑے باخبر ہیں'' اور کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رودررو) کلام فرمائیں، ہاں وحی کے ذریعہ یا پردے کی اوٹ سے یا قاصد بھیج کر پس وہ وحی کرتا ہے اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہتے ہیں، یعنی جو بات دے کر اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو بھیجا ہے وہ اتنی ہی بات رسول کو پہنچا دیتا ہے، بیشک وہ عالی شان اور حکمت والے ہیں''

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اور جو کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید میں سے کچھ چھپایا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام لگایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپؑ پر نازل کیا گیا ہے: آپؑ وہ سب کچھ پہنچا دیجئے، اگر آپؑ نے ایسا نہیں کیا تو آپؑ نے منصب رسالت کو ٹھیک طرح سے ادا نہیں کیا'' (یہ شیعوں کے پروپیگنڈے کا رد ہے کہ قرآن مجید کے دس پارے آپؑ نے امت کو نہیں پہنچائے، خاص اپنے خاندان کو دیئے ہیں، جو امام غائب لے کر غائب ہو گئے ہیں)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اور جو شخص کہتا ہے کہ آپؑ جانتے تھے جو کچھ آئندہ کل ہونے والا ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا الزام لگایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں: ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا'' (یہ بریلویوں کے عقیدہ کا رد ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو جمیع ماکان ومایکون کا علم دیدیا ہے، سبحانک ھذا بھتان عظیم)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سورۃ الاعراف کی آیت (۱۰۳) سے استدلال ابھی گذرا کہ چونکہ دیکھنے والی نظر اس عالم کی تھی اس لئے رؤیت ممکن نہیں تھی، اور سورۃ الشوری کی آیت ۵۱ سے استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بشر سے رودررو کلام نہیں فرمایا ہے اور نبی ﷺ بھی بشر تھے، اس عالم میں بھی اور معراج میں بھی، پس رؤیت اور رودررو کلام کیسے ممکن ہو سکتا ہے!

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ادراک کی تفسیر احاطہ سے کی ہے، پس ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات اس طرح اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں کہ وہ اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور ان کی پوری حقیقت سمجھ جائیں ـــــ ترمذی شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: حضرت محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔ حضرت عکرمہؒ نے سورۂ اعراف کی مذکورہ آیت سے معارضہ کیا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ان کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتے ہیں؟'' ابن عباسؓ نے فرمایا: بھلے مانس! (یہ ویحک کا ترجمہ ہے) وہ بات جب ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کے ساتھ تجلی فرمائیں جو کہ وہ ان کا نور ہے، یعنی تجلی کبری کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، مگر جب وہ تنزل فرمائیں تو رؤیت ممکن ہے، اور بالیقین محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے (ترمذی حدیث ۳۳۰۲) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام حقیقت کا ادراک تو ممکن نہیں، مگر فی نفسہ رؤیت ممکن ہے ـــــ یہ روایت مطلق ہے اور باب میں

حضرت ابن عباسؓ ہی سے مقید روایت مروی ہے (حدیث نمبر ۲۸۴) یعنی نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، پس یہ مطلق روایت بھی اسی مقید روایت پر محمول کریں گے، یعنی یہاں بھی دل کی آنکھ سے دیکھنا مراد لیں گے، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ اقوالِ صحابہ کے درمیان تطبیق ہو جائے۔

[۲۸۸-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ، وَزَادَ: قَالَتْ: وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم كَاتِمًا شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ لَكَتَمَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ، وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾

وضاحت وشرح: حضرت عائشہؓ کی جو روایت ابھی گذری ہے جس کے مسروقؒ راوی ہیں اس کو داؤد سے عبدالوہاب نے بھی روایت کیا ہے، اور اسی سند سے روایت کیا ہے جس سند سے ابن علیہ نے روایت کیا ہے، البتہ ان کی روایت میں ایک بات زائد ہے، جو ابن علیہ کی روایت میں نہیں، شیعوں کا پروپیگنڈہ تھا کہ نبی ﷺ نے پوری وحی لوگوں کو نہیں پہنچائی، بہت سی آیات اور احکام صرف اہل بیت کو بتلائے، امت کو ان سے آگاہ نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا کہ اگر شیعوں کی یہ بات درست ہوتی کہ نبی ﷺ نے وحی میں سے کچھ چھپایا ہے تو آپ سورۃ الاحزاب (کی آیت ۳۷) کو چھپاتے: ''اور یاد کرو جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ـــــ اسلام کے ذریعہ یعنی اس کو دولت اسلام سے سرفراز فرمایا ـــــ اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ـــــ آزاد کرنے کے ذریعہ یعنی نبی ﷺ نے اس کو آزاد کیا ـــــ روک رکھ تو اپنے پاس اپنی بیوی کو اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والے تھے، اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ ان سے ڈریں'' ـــــ اگر نبی ﷺ وحی کا کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے تاکہ لوگوں کو آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہ ملتا۔

تفسیر: آنحضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کو متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنایا تھا، اور اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحشؓ سے ان کا نکاح کیا تھا، چونکہ حضرت زیدؓ پر غلامی کا داغ تھا اس لئے وہ اس نکاح کے لئے راضی نہ تھیں، مگر جب آیت: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾: (الاحزاب آیت ۳۶) نازل ہوئی تو وہ راضی ہوگئیں اور یہ نکاح ہوگیا، مگر طبیعتوں میں عدم موافقت کی وجہ سے نکاح راس نہ آیا، ہر وقت خرخشہ رہنے لگا، حضرت زید رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ سے حضرت زینبؓ کی شکایت کرتے اور آپ سمجھاتے کہ زینبؓ نے میری وجہ سے نکاح منظور کیا ہے، اسے نبھاؤ، اگر تم اس کو طلاق دو گے تو ایک اور دھبہ اس پر لگے گا، لوگ اس کو طعنہ دیں گے کہ تجھے غلام نے بھی نہیں

رکھا ﴿ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ کا یہ مطلب ہے۔

پھر ایک وقت آیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تنگ آ کر طلاق دیدی، اور حضرت زینبؓ عدت میں بیٹھ گئیں، ادھر نبی ﷺ سوچ رہے تھے کہ زینبؓ پر سے یہ داغ کیسے دھویا جائے؟ اور ان کی دلجوئی کی کیا صورت ہو؟ بس یہی ایک صورت سمجھ میں آتی تھی کہ عدت کے بعد آپؐ خود ان سے نکاح کرلیں، اس سے نہ صرف یہ کہ داغ دھل جائے گا، بلکہ فخر سے ان کا سر بلند ہو جائے گا، اور اسلام میں متبنّیٰ (۱) کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے، مگر جاہلیت کے تصورات میں متبنّیٰ: حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اس کی بیوی کو بہو کہتے تھے، اور اس سے نکاح حرام سمجھتے تھے، اس لئے آپؐ کو اندیشہ تھا کہ اگر آپؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تو ایک طوفان کھڑا ہو جائے گا —— پھر جب زینبؓ کی عدت پوری ہوئی تو سورۃ الاحزاب کی مذکورہ آیت (آیت ۳۷) نازل ہوئی اور آپؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا ﴿ وَتُخۡفِيۡ فِيۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وَتَخۡشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰهُ ﴾ کا یہی مطلب ہے، یعنی آپؐ زینبؓ کی عدت کے زمانہ میں دل میں ایک بات سوچ رہے تھے جس کو بعد عدت اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والے تھے، اور آپ لوگوں کے پروپیگنڈے سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ پاک اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ ان سے ڈریں، یعنی نبی کی پہلی ترجیح اللہ تعالیٰ کے احکام کو روبعمل لانے کی ہونی چاہئے، لوگ خواہ کچھ بھی کہیں، نبی کو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے —— آیتِ کریمہ کی صحیح تفسیر یہی ہے اور جو عشق زینب کی داستاں گھڑی گئی ہے وہ سَراب (دھوکہ) کے سواء کچھ نہیں، اور آیت کریمہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں، مزید وضاحت تحفۃ الالمعی میں دیکھیں (۷: ۳۹۸-۴۰۱)

[۲۸۹-] وَحَدَّثَنَا ابۡنُ نُمَيۡرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ حَدَّثَنَا إِسۡمَاعِيلُ، عَنِ الشَّعۡبِيِّ، عَنۡ مَسۡرُوۡقٍ، سَأَلۡتُ عَائِشَةَ: هَلۡ رَأَى مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم رَبَّهُ؟ فَقَالَتۡ: سُبۡحَانَ اللّٰهِ! لَقَدۡ قَفَّ شَعۡرِيۡ لِمَا قُلۡتَ. وَسَاقَ الۡحَدِيۡثَ بِقِصَّتِهِ. وَحَدِيۡثُ دَاوُدَ أَتَمُّ وَأَطۡوَلُ.

وضاحت: یہ عامر شعبیؒ کی روایت ہے انھوں نے بھی مسروقؒ سے پورا واقعہ نقل کیا ہے، مگر داؤد کی مسروق سے روایت زیادہ مکمل اور مفصل ہے —— لقد قفّ شعری لما قلتَ: البتہ واقعہ یہ ہے کہ تیری بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

[۲۹۰-] وَحَدَّثَنَا ابۡنُ نُمَيۡرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوۡ أُسَامَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ، عَنِ ابۡنِ أَشۡوَعَ، عَنۡ عَامِرٍ، عَنۡ مَسۡرُوۡقٍ، قَالَ: قُلۡتُ لِعَائِشَةَ: فَأَيۡنَ قَوۡلُهُ: ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ أَوۡ أَدۡنٰى، فَأَوۡحٰى إِلٰى عَبۡدِهِ مَا أَوۡحٰى ﴾ قَالَتۡ: إِنَّمَا ذَاكَ جِبۡرِيۡلُ صلى الله عليه وسلم. كَانَ يَأۡتِيۡهِ فِيۡ صُوۡرَةِ الرِّجَالِ، وَإِنَّهُ أَتَاهُ فِيۡ هٰذِهِ الۡمَرَّةِ فِيۡ صُوۡرَتِهِ الَّتِيۡ هِيَ صُوۡرَتُهُ، فَسَدَّ أُفُقَ السَّمَاءِ.

(۱) تحفۃ الالمعی (۷: ۳۹۹) میں ہے: اسلام میں متبنّیٰ سے نکاح جائز ہے، اس عبارت میں "کی مطلقہ" رہ گیا ہے اصلاح کرلیں۔

ترجمہ: مسروق کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ معراج میں رؤیت باری کا انکار کرتی ہیں، جبکہ یہ بات قرآن میں ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾: صدیقہ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، یعنی دنا کی ضمیر کا مرجع حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے، انسانی صورت میں اور بیشک وہ آئے آپؑ کے پاس اس مرتبہ اس صورت میں جو کہ وہ ان کی صورت ہے، پس بھر دیا اس نے آسمان کے کنارے کو ـــــ اور جن لوگوں نے اس آیت سے رؤیت باری پر استدلال کیا ہے انھوں نے ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔

[۲۹۱-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: "نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ"

[۲۹۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ. ح: وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ ابْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ ذَرٍّ: لَوْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَسَأَلْتُهُ. فَقَالَ: عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قَالَ: كُنْتُ أَسْأَلُهُ: هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ أَبُوْ ذَرٍّ: قَدْ سَأَلْتُ فَقَالَ: "رَأَيْتُ نُوْرًا"

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاہ: ھو مبتدا محذوف ہے أی ھو نورٌ۔ اللہ تعالیٰ تو نور ہیں، میں ان کو کیسے دیکھتا! یعنی دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

دوسری حدیث: عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو آپؐ سے ضرور پوچھتا! حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: کس چیز کے بارے میں پوچھتا؟ عبداللہ نے کہا: میں آپؐ سے پوچھتا کہ کیا آپؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے کہا: میں نے آپؐ سے یہ بات پوچھی ہے، پس آپؐ نے فرمایا: میں نے ایک نور دیکھا ہے یعنی اللہ کی ذات نہیں دیکھی۔

تشریح: دونوں حدیثوں کا مقصد ایک ہے کہ اللہ کا نور میری رؤیت میں حجاب بن گیا، جیسے ہم دوپہر میں سورج کو دیکھتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے، روشنی کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور آدمی دیکھ نہیں سکتا۔

فائدہ: یہ حدیث فیصلہ کن نہیں، اور دیگر دلائل کا بھی یہی حال ہے، اس لئے صحابہ وتابعین اور فقہاء ومحدثین کے درمیان یہ مسئلہ ہمیشہ سے اختلافی رہا ہے، اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے کسی ایک رخ پر عمل کرنا ناگزیر ہو، اس لئے

توقف وسکوت ہی اسلم واحوط ہے۔واللہ اعلم

[۲۹۳-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ. فَقَالَ:" إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لاَيَنَامُ وَلاَ يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّوْرُ- وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ بَكْرٍ: النَّارُ- لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ"

وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ بَكْرٍ: عَنِ الْأَعْمَشِ، وَلَمْ يَقُلْ: حَدَّثَنَا.

[۲۹۴-] وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ. ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ أَبِيْ مُعَاوِيَةَ. وَلَمْ يَذْكُرْ: "مِنْ خَلْقِهِ" وَقَالَ: حِجَابُهُ النُّوْرُ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان پانچ باتیں لے کر کھڑے ہوئے، یعنی آپؐ نے خطاب فرمایا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نہ سوتے ہیں اور نہ سونا ان کے شایانِ شان ہے (اس لئے کہ نیند اور اونگھ تھکاوٹ کا اثر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تھکن سے منزہ ہیں، سورۂ ق (آیت ۳۸) میں ہے: "ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں بنایا ﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾: اور ہمیں تھکن چھو کر بھی نہیں گئی، اور آیت الکرسی میں بھی یہ بات ہے۔

اور وہ ترازو جھکاتے اور اٹھاتے ہیں یعنی بندوں کی روزی کم زیادہ کرتے ہیں، قِسط کے ایک معنی عدل کے ہیں، ترازو کے ذریعہ انصاف ہوتا ہے اس لئے اس کو قسط کہتے ہیں۔

اس کی بارگاہ میں رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے پیش کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نمازوں میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں، اور وہ بارگاہِ خداوندی میں بندوں کے اعمال رات اور دن شروع ہونے سے پہلے ہی پیش کرتے ہیں۔

اس کا حجاب نور ہے، اور ابوبکر کی روایت میں ہے: نار (آگ) ہے، اگر وہ حجاب اٹھادیں تو اس کی شعاعیں حد نظر تک مخلوق کو جلادے ـــــ اور پروردگار عالم کی نظر کی کوئی حد نہیں، اور اس کے لئے کوئی آڑ نہیں، یعنی اگر اللہ تعالیٰ حجاب اٹھادیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ بھسم ہوجائے گا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت دو اساتذہ سے لی ہے، ابوبکر سے اور ابوکریب سے، ابوکریب نے بواسطہ ابومعاویہ

اعمش سے بالتحدیث روایت کیا ہے اور ابوبکر نے عن سے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث: اس حدیث کو جریر نے بھی اعمش سے اسی سند سے روایت کیا ہے اور ان کی حدیث میں من خلقه نہیں ہے اور انھوں نے ابوکریب کی متابعت کی ہے یعنی ان کی حدیث میں بھی حجابه النور ہے، اور ان کی روایت میں چار باتوں کا ذکر ہے اور یہی صحیح ہے، پانچ باتیں بنانے میں تکلف ہے۔

لغات: سُبُحَات (بضمتین) سُبحَة کی جمع، دعا، تسبیح نفل نماز۔ اور یہاں مراد اللہ کا نور اور جلال ہیں، سُبحَة الله: اللہ کا جلال، سُبُحَاتُ وجهِ الله: اللہ تعالیٰ کے انوار یا وہ دلائل عظمت جن سے باری تعالیٰ کی تقدیس کی جائے (مصباح اللغات)...... حجاب: حُجب کی جمع: پردہ، ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔

تشریح: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد یہ حدیث لاکر امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث ابوذر کی شرح کی کہ نبی ﷺ نے جو نور دیکھا وہی نور مانع رویت بنا، اللہ تعالیٰ کا نور یعنی خود تجلی مانع رویت بنی، کوئی اور حجاب نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز اللہ کو چھپا نہیں سکتی، جیسے ہم دوپہر میں سورج کو دیکھتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے، حجاب مانع بنتا ہے، اور حجاب سورج کی روشنی ہوتی ہے، روشنی کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور آدمی دیکھ نہیں سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، پس ان کو دیکھنا ممکن نہیں، ابن خزیمہ نے ابوذرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے: رآه بقلبه ولم یره بعینه۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا، اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

[۲۹۵-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِأَرْبَعٍ: "إِنَّ اللّٰهَ لاَيَنَامُ، وَلاَيَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَرْفَعُ الْقِسْطَ وَيَخْفِضُهُ، وَيُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ النَّهَارِ بِاللَّيْلِ. وَعَمَلُ اللَّيْلِ بِالنَّهَارِ"

وضاحت: ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہ حدیث شعبہؒ نے دو واسطوں سے روایت کی ہے، اور اوپر والی حدیث انہی دو واسطوں سے اعمش نے روایت کی تھی، اور ابوعبیدہ حضرت ابن مسعودؓ کے والا تبار صاحبزادے ہیں، مگر ان کا اپنے والد سے سماع نہیں، ان کے بچپن ہی میں حضرت ابن مسعودؓ کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے روایت حسب قواعد مرسل (منقطع) ہے، مگر ابوعبیدہ کی مرسل روایتیں مقبول ہیں۔

## بَابُ إِثْبَاتِ رُؤْيَةِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الآخِرَةِ رَبَّهُمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى

### اس بات کے دلائل کہ مؤمنین آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کریں گے

اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آخرت میں مؤمنین کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی زیارت ہوگی، اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ

کی زیارت ممکن نہیں، اس لئے کہ دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اللہ کی تجلی کو برداشت کر سکے، البتہ آخرت میں رویت ہوگی، آخرت میں آنکھ کا پاور بڑھادیا جائے گا، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾: یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کردی جائے گی، ان کی نگاہ لوہا ہو جائے گی۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کردی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہیں رہے گا، اور مؤمنین اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہوگی، جس سے اہل جنت شادکام ہونگے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کو اس کی بشارت سنائی گئی ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾: بہت سے چہرے اس دن بارونق ہونگے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے (القیامہ آیات ۲۲ و ۲۳) اور کفار کے بارے میں ہے: ﴿ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾: وہ لوگ اس دن (قیامت کے دن) اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے (سورۃ التطفیف آیت ۱۵) اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے بے حجاب ہونگے۔

البتہ خوارج، معتزلہ اور بعض مرجہ آخرت میں دیدار الٰہی کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں: مرئی کے لئے جسم ہونا، سفید یا زرد وغیرہ رنگ دار ہونا اور آنکھوں کی سیدھ میں ہونا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہیں، نہ ان کا کوئی رنگ ہے، نہ وہ کسی جہت میں ہیں، پھر ان کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟ مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرئی ہونا یعنی دکھنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور صفات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، نیز صفات کے بارے میں ''کیسے'' کا سوال مہمل ہے، پس بغیر کیف کے جنتیوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

علاوہ ازیں: اللہ تعالیٰ جنت میں جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں عطا نہیں ہوئیں، ان کو ایسی آنکھیں عطا ہونگی جن کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہیں ہوگی، جتنی اس دنیا میں ہے، پس رویت کے لئے اس دنیا میں جو شرائط ہیں وہ وہاں نہیں ہونگی، وہاں بغیر مقابلہ اور جہت کے اللہ جل شانہ کے جمال کا نظارہ ممکن ہو سکے گا۔

اور رویت باری کا تذکرہ جب صراحتاً قرآن مجید میں آگیا تو اب احادیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی، پھر بھی اس مسئلہ میں اتنی حدیثیں مروی ہیں جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام دارقطنی نے ان سب روایات کو جمع کیا ہے جن میں آخرت میں رویت باری کا تذکرہ ہے، پس وہ بیس سے زائد ہوگئیں، اور ابن القیمؒ نے حادی الافراح میں تیس سے زیادہ روایتیں جمع کی ہیں، ان میں سے اکثر کی سندیں عمدہ ہیں۔ اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں: میرے پاس اس سلسلہ کی سترہ حدیثیں ہیں جو سب صحیح ہیں (فتح الباری ۱۳: ۵۴۲) اور علامہ قاسم بن قطلوبغا نے مسامرہ کی شرح میں اٹھائیس صحابہ کے نام اور ان کی روایتیں مع حوالہ نقل کی ہیں، اور شرح عقائد میں ہے: **هو مشهور رواه أحد وعشرون من أكابر الصحابة**، غرض: آخرت میں رویت باری سے متعلق روایات معناً متواتر ہیں، اور ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔

## [ ۷۸- بَابُ إِثْبَاتِ رُؤْيَةِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْآخِرَةِ رَبَّهُمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى]

[۲۹۶-] حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، وَأَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ الصَّمَدِ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الصَّمَدِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلٰى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ"

ترجمہ: ابوبکر کے والد یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جن کا نام عبداللہ بن قیس ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو جنتیں: ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں: ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے، اور نہیں ہے جنت عدن (ہمیشہ رہنے کی جنت) میں لوگوں کے درمیان اور اس بات کے درمیان کہ وہ اپنے پروردگار کی زیارت کریں، سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے چہرے پر کبریائی (عظمت) کی چادر کے!"

تشریح:

۱-اس حدیث میں ایک لمبی بحث ہوئی ہے کہ "ردائے کبریا" کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر پڑی ہوئی ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، مشہور حدیث ہے: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری لنگی ہے، اور صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات، پس یہ سوال ختم ہوگیا کہ ماسوی اللہ نے اللہ کے چہرے کا احاطہ کیسے کیا؟

اور حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تو رویت باری کے لئے مانع انسان کا ضعف بصر بھی ہے، جنت میں یہ مانع باقی نہیں رہے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہر وقت زیارت ممکن نہ ہوگی، جب اللہ تعالیٰ عظمت کی چادر ہٹائیں گے تب جنتیوں کو زیارت نصیب ہوگی۔

۲-دو جنت چاندی کی اور دو جنت سونے کی: یعنی جنت کے دو درجے مکمل چاندی کے اور دو درجے مکمل سونے کے ہونگے، ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جنت کی تعمیر اس طرح ہوئی ہے کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے، پس مذکورہ حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے ظروف وغیرہ مکمل سونے یا چاندی کے ہونگے، خود جنت مکمل سونے یا چاندی کی نہ ہوگی، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ باقی جنت مشترک ہوگی اور دو درجے دیواروں اور ظروفوں سمیت مکمل سونے یا چاندی کے ہونگے۔ واللہ اعلم

[٢٩٧-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى، عَنْ صُهَيْبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ"

[٢٩٨-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ. وَزَادَ: ثُمَّ تَلاَ هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾

ترجمہ: سورۂ یونس کی آیت ۲۶ ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾: جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے خوبی یعنی جنت ہے، اور مزید برآں یعنی دیدار الٰہی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نبی ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھیں گے: ''کیا تم لوگ مزید کچھ چاہتے ہو؟'' جنتی عرض کریں گے، کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں کئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں بخشی؟ ـــــ یعنی اب اور کیا چیز باقی رہ گئی ہے جو ہمیں عنایت ہوگی؟ ـــــ نبی ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ حجاب اٹھادیں گے (اور جنتی جمالِ حق کا نظارہ کریں گے) پس نہیں عطا کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی چیز جو ان کے نزدیک زیادہ محبوب ہو جمالِ الٰہی کے دیدار سے'' یعنی جنتیوں کو جب دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا تو ان کے نزدیک سب سے پیاری چیز یہی دیدار کی نعمت ہوگی۔

سند: اس حدیث کو یزید بن ہارون نے بھی حماد بن سلمہ سے اسی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نبی ﷺ نے مذکورہ ارشاد فرما کر سورۂ یونس کی آیت ۲۶ تلاوت فرمائی۔

ملحوظہ: اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے مرفوع متصل کیا ہے، اور ثابت بنانی سے یہ حدیث سلیمان بن مغیرہ اور دیگر تلامذہ بھی روایت کرتے ہیں، مگر وہ اس کو ابن ابی لیلیٰ کبیر کا قول قرار دیتے ہیں، حدیث کو مرفوع نہیں کرتے، یعنی حضرت صہیب اور نبی ﷺ کا تذکرہ نہیں کرتے، مگر حماد بن سلمہ ثقہ راوی ہیں، اور حدیث کو مرفوع کرنا ایک زیادتی ہے، اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق معتبر ہے، مقدمہ مسلم کے شروع میں تفصیل سے یہ بات ہے۔

تشریح: پردہ اٹھنے کا مطلب وہ ہے جو اوپر حدیث میں گذرا ہے کہ کبریائی کی چادر ہٹے گی، اللہ تعالیٰ اپنی عظمت ورفعت سے نیچے اتریں گے تاکہ بندے ان کی زیارت کرسکیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی شان اگرچہ اطلاقی ہے مگر بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کی کمزوری کی وجہ سے خاص تقییدی معاملہ فرماتے ہیں ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تو

اطلاقی شان رکھتے ہیں مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں ـــــ اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوری کی بنا پر ـــــ محدود وسائط اختیار فرماتے ہیں، مثلاً جب کسی مخلوق سے کلام فرماتے ہیں ـــــ جیسے کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ـــــ تو کلام کا ایک محدود طریقہ اختیار فرمایا، تاکہ انسان اللہ کا کلام سن سکے، اور سمجھ سکے۔ اسی طرح جب وہ اپنے کسی بندے کو عجائبات ِقدرت دکھانا چاہتے ہیں تو اسے لے جاتے ہیں اور جہاں جو چیز دکھانی ہوتی ہے اسی جگہ دکھاتے ہیں، یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ بذاتِ خود کسی مکان میں محدود نہیں، مگر بندہ ان کی ملاقات کے لئے بہرحال کسی جگہ کا محتاج ہے، جہاں اس کے لئے تجلیات کو مرکوز کیا جاتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی اطلاقی شان کے ساتھ بندہ کے لئے ملاقات ممکن نہیں (ہدایت القرآن ۵:۳۲)

## بَابُ مَعْرِفَةِ طَرِيْقِ الرُّؤْيَةِ

## رؤیت باری کس طرح ہوگی؟

دنیا میں جب لوگ کسی حَسین چیز کو دیکھنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور سب اس کے دیکھنے کے انتہائی درجہ مشتاق ہوتے ہیں تو ایسے موقعے پر بڑی کشمکش اور بڑی بھیڑ ہوتی ہے، اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا مشکل ہوتا ہے، مگر رؤیت باری کا معاملہ اس سے مختلف ہے، جس طرح چاند اور سورج کو مشرق و مغرب کے سبھی لوگ بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، پورے اطمینان سے بیک وقت اس کو دیکھتے ہیں، اسی طرح جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا، بیک وقت بے شمار خوش نصیب بندے اللہ پاک کی زیارت کریں گے، وہاں نہ کوئی دھکا مکی ہوگی نہ کوئی زحمت و کشمکش پیش آئے گی، سب لوگ سکون واطمینان کے ساتھ جمالِ حق کا نظارہ کریں گے، اور جس طرح شمس و قمر کو دیکھنے والوں کو رؤیت میں ذرا شک نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے بھی بیشک اللہ پاک ہی کی زیارت کریں گے، ان کو اس معاملہ میں ادنیٰ شک نہیں ہوگا۔

### [۷۹-بَابُ مَعْرِفَةِ طَرِيْقِ الرُّؤْيَةِ]

[۲۹۹-] حَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ نَاسًا قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: " هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟" قَالُوْا: لَا. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ؟" قَالُوْا: لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:" فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ. يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ. فَيَقُوْلُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيْتَ الطَّوَاغِيْتَ، وَتَبْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوْهَا، فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ صُوْرَةٍ غَيْرِ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ يَعْرِفُوْنَ، فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ. فَيَقُوْلُوْنَ: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ! هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ صُوْرَتِهِ الَّتِيْ يَعْرِفُوْنَ، فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ رَبُّنَا! فَيَتَّبِعُوْنَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ”کیا تم ایک دوسرے کو ضرر پہنچاتے ہو چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں؟“ صحابہ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! آپؐ نے پوچھا: ”کیا تم ایک دوسرے کو ضرر پہنچاتے ہو سورج کے دیکھنے میں جب کہ اس کے ورے بادل نہ ہوں؟“ صحابہ نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ”پس بیشک تم اللہ پاک کا دیدار کروگے اسی طرح، یعنی اللہ عزوجل کو دیکھنے میں دھکا مکی نہیں کروگے“ —— اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک سرزمین میں جمع کریں گے، پھر فرمائیں گے: ”جو جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے جائے“ پس جو سورج کو پوجتا تھا وہ سورج کے پیچھے جائے گا، اور جو چاند کو پوجتا تھا وہ چاند کے پیچھے جائے گا، اور جو سرکش طاقتوں کو پوجتا تھا وہ سرکش طاقتوں کے پیچھے جائے گا، اور یہ امت باقی رہ جائے گی، اس میں اس کے منافق بھی ہونگے، پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں آئیں گے جو ان کی اس صورت کے علاوہ ہوگی جس کو مؤمنین پہچانتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں تمہارا پروردگار ہوں، پس مؤمنین کہیں گے: ہم تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، یہ ہماری جگہ ہے، یہاں تک کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے، یعنی ہم اپنی جگہ ٹھہریں گے، جب ہمارے پروردگار آئیں گے تو ہم ان کو پہچان لیں گے (آپ ہمارے رب نہیں ہیں) پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس صورت میں آئیں گے جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: آپ ہی ہمارے رب ہیں، اور یہ امت اللہ تعالیٰ کے ساتھ جائے گی۔

لغات: تُضَارُّوْنَ: الضَّرَر سے ہے جس کے معنی تنگی اور پریشانی کے ہیں، تَضَارّ: ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا، هل تُضَارُّوْنَ؟ کیا تم ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہو، یعنی چودھویں کا چاند دیکھنے میں کچھ دھکا مکی ہوتی ہے؟ —— اور ایک روایت میں تَضَامُّوْنَ (میم مشدد) ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں، یعنی سب سکون واطمینان کے ساتھ جمالِ حق کا نظارہ کریں گے، کوئی زحمت وکشمکش پیش نہیں آئے گی، اور تَضَامُوْنَ (بتخفیفِ میم) کی صورت میں معنی ہونگے: جس طرح چودھویں کا چاند دیکھنے والوں کو رؤیت میں ذرا شک نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والوں کو بھی اللہ کی رؤیت

میں کچھ شک نہ ہوگا ــــ طوَاغیت: طاغوت کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: (۱) بدی وشرارت کا سرغنہ (۲) سرکش جس کے رگ وپے میں ایذاء رسانی رچی بسی ہو (۳) شیاطین (۴) بت۔

تشریح:

۱- اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین وآخرین کو ایک سرزمین میں جمع کریں گے، پھر رب العالمین تجلی فرمائیں گے، اور فرمائیں گے: جو دنیا میں جس کی پیروی کرتا تھا وہ اس کے ساتھ ہولے، چنانچہ سورج کے پجاری سورج کے ساتھ، چاند کے پجاری چاند کے ساتھ، صلیب کے پجاری صلیب کے ساتھ، مورتیوں کے پجاری مورتیوں کے ساتھ اور شیاطین کے پجاری شیاطین کے ساتھ ہولیں گے، اور یہ امت (یعنی تمام موحدین خواہ ان کا تعلق کسی بھی امت سے ہو اور خواہ وہ نیک ہوں یا بد) باقی رہ جائیں گے، ان میں منافقین بھی ہونگے پس اللہ عز وجل پہلی بار غیر معروف صورت میں ان کے سامنے ظاہر ہونگے اور موحدین ساتھ جانے سے انکار کردیں گے، پھر اللہ تعالیٰ معروف صورت میں ظاہر ہونگے تو مؤمنین اپنے رب کو پہچان لیں گے اور ان کی پیروی کریں گے ــــ اور پہلی مرتبہ اللہ پاک انجانی شکل میں مؤمنین کے سامنے اس لئے ظاہر ہونگے کہ ان کا امتحان ہو کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ انجانی شکل ہونے کی وجہ سے مؤمنین پناہ مانگیں گے، مؤمنین اندھادھند کسی کے پیچھے چلنے والے نہیں، وہ حق کو ٹھوک بجا کر اور پہچان کر اختیار کرتے ہیں۔

۲- آنحضور ﷺ نے شمس وقمر دونوں کی مثال دے کر رؤیت باری کی صورت وکیفیت سمجھائی، اور دو مثال کی حکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ چاند کی روشنی اگرچہ راحت بخش اور آرام دہ ہوتی ہے مگر اس کا ادراک صرف بینا آدمی ہی کرتا ہے، نابینا بذاتِ خود اس کا ادراک نہیں کرسکتا، اور سورج کی روشنی کا ادراک اس کی تمازت وغیرہ سے نابینا بھی بذاتِ خود کرلیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جب تجلی فرمائیں گے تو اس نعمتِ عظمی سے ہر شخص سرشار ہوگا، اور بالذات اس سے مستفید ہوگا، اور اہل توحید میں سے کوئی تجلیٔ ربّ سے محروم نہیں رہے گا۔

اور علامہ عثمانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ تجلیٔ باری کو باعتبار رؤیت شمس وقمر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور دونوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ عز وجل کی تجلی بروز محشر مختلف نوع کی ہوگی، جس طرح سورج اور چاند کی روشنی مختلف النوع ہوتی ہے، چاند کی روشنی درحقیقت سورج کی روشنی ہے جو رات میں چاند کے توسط سے زمین پر پڑتی ہے، اس وقت اس کا رنگ، روپ اور آثار وخصوصیات الگ ہوتے ہیں۔ اور عام طور پر لوگ اس کو چاند ہی کی روشنی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اور خواص یہ بات جانتے ہیں، پھر جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اب اس کی روشنی کا رنگ وروپ اور آثار وخصوصیات بدل جاتے ہیں، اور عام وخاص ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ یہ آفتاب کی اپنی ہی روشنی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ مؤمنین کے سامنے اس طرح تجلی فرمائیں گے کہ عام لوگ پہچان ہی نہیں سکیں گے، جبکہ بالیقین

وہ تجلی اللہ تعالیٰ ہی کی تجلی ہوگی، مگر خواص پہچان لیں گے، اور خاموش رہیں گے (کیونکہ یہی اللہ کا منشا ہوگا) پھر دوسری بار اس طرح تجلی فرمائیں گے کہ کسی کو انکار کی مجال نہ رہے گی، اور سب سربسجود ہو جائیں گے (مگر منافقین سجدہ نہ کرسکیں گے، ان کی کمر لکڑی کے تختہ کی طرح سخت ہو جائے گی، اور ان کا نفاق کھل جائے گا) (فتح الملہم)

۳- دنیا میں جو جس کو پوجتا تھا محشر میں وہی چیز پیکر محسوس ہو کر ان کے سامنے آجائے گی اور وہ اس کے ساتھ جہنم میں پھینکا جائے گا، اور یہ بات قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾: (الانبیاء آیت ۹۸) یعنی تم اور تمہارے معبود بجز اللہ کے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہونگے ـــــ تاکہ پجاریوں کی حسرت بڑھے، اور وہ جان لیں کہ یہ ہمارے جھوٹے سہارے تھے، اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو یہاں کیوں ہوتے؟ وہ آج خود کو نہ بچا سکے وہ ہماری کیا مدد کرسکتے ہیں؟! ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگوار ہوئی، وہ کہنے لگے کہ اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے، اور وہ لوگ ابن زبعری (اہل کتاب کا ایک عالم) کے پاس گئے اور اس نے آیت کریمہ کا جواب بتایا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی اور یہود عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں (اور خود کفار قریش حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی عبادت کیا کرتے تھے اور کعبہ شریف میں ان کی مورتیاں رکھ چھوڑی تھیں، بعض مشرکین ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا کر ان کی پرستش کرتے تھے) ان کے بارے میں پوچھو: کیا یہ سب جہنم میں جائیں گے؟ کفار مکہ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت (۱۰۱) نازل فرمائی: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾: یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی اور اچھا نتیجہ مقدر ہو چکا ہے وہ اس جہنم سے بہت دور رہیں گے۔ اور علامہ عثمانی قدس سرہٗ تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ ﴾ سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں، کیونکہ خطاب انہی کے پرستاروں سے ہے، لیکن اگر ما کو عام رکھا جائے تو بشرط عدم المانع کی قید معتبر ہوگی، یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے، مثلاً شیاطین واصنام، باقی حضرت مسیح وعزیر اور ملائکہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرا لیا ہے ان حضرات کی مقبولیت ووجاہت مانع ہے کہ (معاذ اللہ) اس عموم میں شامل رکھے جائیں، اسی لئے آگے تصریحاً فرما دیا: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى أُولٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾: (فوائد عثمانی) ـــــ غرض ابن زبعری نے جو اشکال آیت کے نزول کے بعد کیا تھا اس حدیث میں بھی وہی اشکال وارد ہوتا ہے، اور فوائد عثمانی سے اس کا مدلل ومفصل جواب آگیا۔

فائدہ: سورج چاند اور اصنام وانصاب سے غیر جاندار چیزیں مراد ہیں اور طواغیت سے وہ معبودان باطلہ مراد ہیں جو اپنی پرستش سے خوش ہوتے ہیں، انکو پیکر محسوس بنا کر ان کی پوجا کرنے والوں کو ان کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا، تاکہ پجاریوں کی خوب ذلت ورسوائی ہو، ان کا پچھتاوا اور ندامت بڑھے، اور ان کے فعل کی شناعت جگ ظاہر ہو، اور حضرت

خلیل اللہ اور حضرت مسیح موعود علیہما السلام وغیرہ کبھی اپنی پرستش پر راضی نہیں تھے، پس وہ مستثنیٰ ہیں، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو ابھی آرہی ہے یہ ہے کہ جب تمام اہل محشر اپنے معبودوں کے ساتھ چلے جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بن جائیں گے اور صرف موحدین باقی رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو باری باری بلائیں گے اور ان سے پوچھیں گے: تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کیا کرتے تھے اور نصاریٰ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے عیسیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تم جھوٹ بول رہے ہو، اللہ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ بیٹا، پھر وہ پانی طلب کریں گے تو ان کے سامنے جہنم لائی جائے گی، جو سراب (چمکتی ریت کی طرح) ہوگی، وہ اس کو پانی سمجھ کر پینے جائیں گے، اور جہنم میں جا پڑیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کسی کے پیچھے نہیں جائیں گے بلکہ ان پر معاملہ مشتبہ کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ دنیا میں ضلالت و گمراہی میں سرگرداں تھے اور اپنے کو ہدایت پر سمجھتے تھے، پس جہنم میں بھی اسی طرح بھیجے جائیں گے —— اور کفارِ مکہ جنھوں نے حضرت خلیل اللہ اور ملائکہ کو پوجا ہے درحقیقت انھوں نے مورتی پوجی ہے، پس ان کا حشر مورتیوں کے پجاریوں کے ساتھ ہوگا۔ واللہ اعلم

**قولہ: وتبقی ھذہ الأمۃ:** اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: **حَتّٰی إذا لم یَبْقَ إلا مَنْ کان یعبد اللہ من بِرٍّ وفاجرٍ وَغُبَّرِ أھل الکتاب:** یعنی صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے، نیک ہوں یا بد، اور اہل کتاب کے باقی ماندہ جو صحیح دین پر تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ **ھذہ الأمۃ** سے تمام اہل ایمان مراد ہیں صرف امت محمدیہ مراد نہیں۔

**قولہ: فیھا منافقون:** دنیا میں بھی منافقین مسلمانوں کی آڑ میں رہ کر خوب پھلتے پھولتے رہے، اور آخرت میں بھی وہ یہی چاہیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ اصل صورت میں ظاہر ہونگے اور پنڈلی کھولیں گے اور یہ علامت دیکھ کر اہل توحید اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور سب سربسجود ہو جائیں گے تو منافقین باوجود شدید خواہش کے سجدہ نہ کر سکیں گے، اور وہ گدی کے بل گر پڑیں گے، پس ان کا نفاق برملا ہو جائے گا، حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں جو ابھی آرہی ہے اس کی صراحت ہے —— اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقین بھی تجلی رب سے بہرہ ور ہونگے، ممکن ہے ان کی آنکھوں کے سامنے کوئی پردہ کر دیا جائے اور وہ محض اہل ایمان کی تقلید میں سجدہ کرنے کی کوشش کریں، مگر قادر نہ ہونگے۔ واللہ اعلم

**قولہ: یأتیھم اللہ فی صورۃ غیر صورتہ التی یعرفون:** صورت سے صفت اور غیر صورتہ سے صفت اعتقادی مراد ہے اور اتیان کے مجازی معنی ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی صفت (تجلی) عیاں کریں گے، مگر پہلی مرتبہ اہل توحید کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ کی جو صورت وصفت ہے اس سے ادنیٰ ظاہر کریں گے، اور اس سے مؤمنین کا امتحان مقصود ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی اصل تجلی ظاہر فرمائیں گے تو مؤمنین اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے، اگرچہ انھوں نے اس سے قبل اللہ تعالیٰ

کا دیدار نہیں کیا ہوگا مگر اس صفت کو جو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائیں گے کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ممکن نہ ہوگا، اس سے وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ پروردگار کا جلوہ ہے۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مؤمنین مسلسل انکار کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی علامت ہے جس سے تم اپنے رب کو پہچانو، وہ کہیں گے: جی ہاں، کشفِ ساق علامت ہے اس سے ہم پہچانیں گے، پس اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولیں گے اور سب مؤمنین اللہ تعالیٰ کو پہچان کر سربسجود ہو جائیں گے۔

**قوله: فیقولون: نعوذ باللہ منک:** اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ میں سب پہچاننے سے انکار کردیں گے، مگر بعض علماء مثلاً محی الدین ابن عربی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خواص پہلی تجلی ہی میں اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ خواص پہچان لیں گے مگر بتانا ممنوع ہوگا اس لئے وہ خاموش رہیں گے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی اس رائے کو عبقات میں مدلل کیا ہے۔

**قوله: فَيَتَّبِعُوْنَهُ:** جب مؤمنین اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے تو ان کی پیروی کریں گے یعنی ان کے حکم کی تعمیل کریں گے، اور بہشت میں جائیں گے۔

وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظُهْرَانَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُوْنُ أَنَا وَأُمَّتِيْ أَوَّلَ مَنْ يُجِيْزُ. وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ. وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اللّٰهُمَّ سَلِّمْ، سَلِّمْ. وَفِيْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ؟" قَالُوْا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: " فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا قَدْرُ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمُ الْمُؤْمِنُ الْمُوْبَقُ بِعَمَلِهِ. وَمِنْهُمُ الْمُجَازَىٰ، حَتّٰى يُنَجّٰى.

حَتّٰى إِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، مِمَّنْ أَرَادَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ أَنْ يَرْحَمَهُ، مِمَّنْ يَقُوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَيَعْرِفُوْنَهُمْ فِي النَّارِ، يَعْرِفُوْنَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُوْدِ، تَأْكُلُ النَّارُ مِنِ ابْنِ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُوْدِ، حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُوْدِ، فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ وَقَدِ امْتَحَشُوْا، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُوْنَ مِنْهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ.

**باقی کا ترجمہ:** اور پل صراط دوزخ کی پیٹھ پر رکھا جائے گا، پس میں اور میری امت پل پر سے اولین گذرنے والوں میں ہونگے، اور اس دن پیغمبروں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا، اور اس دن پیغمبروں کی بات یہ ہوگی: اے اللہ! حفاظت فرما! حفاظت فرما! اور دوزخ میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہونگے، کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، آپؐ نے فرمایا: "وہ آنکڑے اسی سعدان کے کانٹوں کی شکل کے ہونگے، مگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ

کوئی ان کی بڑائی کی مقدار نہیں جانتا، یعنی وہ آنکڑے کتنے بڑے ہونگے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جھپٹ لیں گے، پس ان میں سے بعض مؤمن اپنے برے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے، اور بعض سزا دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ نجات پا جائیں گے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلے کر چکیں گے، اور اپنی رحمت سے دوزخیوں کو نکالنا چاہیں گے تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ وہ ان لوگوں کو جہنم سے نکال لیں، جنھوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، ان بندوں کو جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرنا چاہیں گے، جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے، پس فرشتے ان کو دوزخ میں پہچان لیں گے، وہ ان کو سجدوں کے نشان سے پہچانیں گے، آدمی کے سارے بدن کو آگ کھا چکی ہوگی سوائے سجدہ کے نشان کے، اللہ تعالیٰ نے آتشِ دوزخ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدہ کی جگہ کو کھائے، پس یہ لوگ کوئلے کی طرح جلے ہوئے دوزخ سے نکلیں گے، پس ان پر آبِ حیات ڈالا جائے گا، پس وہ اس طرح اُگ آئیں گے جس طرح دانہ نالے کے کوڑے میں اُگ آتا ہے۔

لغات: ظھران: ظَهرٌ کی جمع ہے، کمر، پیٹھ (مونڈھے سے سرین تک) ظُهرَانَیْ کے آخر سے نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گرا ہے، یعنی جہنم کے اِس سرے سے اُس سرے تک پل رکھا جائے گا...... أجاز الموضعَ إجازةً: کے معنی ہیں: آگے بڑھ جانا، گذر جانا۔ اور باب نصر سے جاز الموضع کے بھی یہی معنی ہیں...... کلالیب: کُلَّاب کی جمع ہے، درخت کا کانٹا، دانت اکھاڑنے کا زنبور...... السعدان: ایک خاردار پودہ ہے جو اونٹوں کے لئے بہترین چارہ ہے، اور اسی سے مثل ہے: مَرعَی وَلاَ کَالسَّعْدَانِ: چراگاہ مگر سعدان جیسی نہیں، یہ مَثَل اس شخص کے لئے ہے جو کم پر قناعت کرتا ہے ...... خَطَفَ (ض،س) الشیئَ خَطْفًا: اچک لینا، کھینچ لینا...... وَبِقَ (س) وَبَقًا: ہلاک ہونا...... اِمتَحَشَ: گرمی یا آگ کی وجہ سے جھلس جانا...... الحِبَّة: دانہ، بیج...... حَمِیل: سیلاب کا کنارے پر ڈالا ہوا کوڑا۔

تشریح:

۱- عالم دو ہیں: دنیا اور آخرت، الدُنیا: الأدنی کا مؤنث ہے، جس کے معنی ہیں: الأقرب۔ اور یہ الدار کی صفت ہے، جس کو موصوف کے قائم مقام کیا گیا ہے، الدار الدنیا کے معنی ہیں: قریبی دنیا، یعنی وہ عالم جو ہم سے قریب ہے، کتنا قریب ہے؟ جتنا مچھلی سے تالاب قریب ہے، پانی مچھلی کے چاروں طرف ہے، اسی طرح ہم اس دنیا میں سموئے ہوئے ہیں، دنیا ہمارے چاروں طرف ہے۔

اور دوسری دنیا کے لئے لفظ الآخرة ہے، یہ الآخر کا مؤنث ہے، اور یہ بھی الدار کی صفت ہے، اور موصوف کے قائم مقام ہے، اور الآخر: کے معنی ہیں: پرے کی دنیا، یعنی اُس طرف کی دنیا جو ہم سے دور ہے۔

اور یہ دونوں عالم حادث ہیں، یعنی پہلے ناپید تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو موجود کیا، پہلے عالم آخرت کو پیدا کیا، پھر ہماری یہ دنیا پیدا کی، اور دو دنیاؤں کے بیچ میں آڑ ضروری ہے، مرنے کے بعد جو قبر کی زندگی ہے جو اِس جہاں

اور اُس جہاں کے درمیان حد فاصل ہے، اور اس کا نام عالم برزخ اور عالم قبر ہے، عالم برزخ اس دنیا کا حصہ ہے، کیونکہ قبر سے قیامت کے دن نکل کر ہمیں اسی دنیا میں آنا ہے، عربی میں اس کو معاد (واپس لوٹنا) کہتے ہیں، قیامت اسی دنیا میں قائم ہوگی، اور وہ اس دنیا کا آخری دن ہوگا اور وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، سورۃ المعارج آیت ۴ میں ہے: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾: پھر اسی دنیا میں حساب وکتاب ہوگا، پھر تمام لوگ اس دنیا سے آخرت میں منتقل ہونگے، اور ایک دنیا سے دوسری دنیا میں جانے کے لئے (برج) رکھا جائے گا، وہ جہنم کی پیٹھ پر بچھایا جائے گا، جس سے گذر کر سب کو آخرت میں جانا ہوگا۔ نیک بندے اس سے تیز ہوا کی طرح یا بجلی کے کوندنے کی طرح یا تیز رفتار اونٹ یا گھوڑ سوار کی طرح سے گذر جائیں گے، اور بدکاروں کو آنکڑے جہنم میں کھینچ لیں گے، وہ عذاب سے دوچار ہونگے۔

۲- اور امیگریشن (انتقالِ وطن کی کاروائی) اس دنیا کے آخری دن میں اس لئے ہوگی کہ حساب کتاب صرف مکلّف مخلوقات کا ہی نہیں ہونا، غیر مکلّف مخلوقات کا بھی حساب ہوگا، حدیث میں ہے کہ بے سینگ بکری کے لئے سینگ دار بکری سے بدلہ لیا جائے گا، پھر غیر مکلّف مخلوقات کو مٹی بنا دیا جائے گا، اس لئے اسی زمین پر سب کا حساب کتاب ہوگا۔

ایک ملک سے دوسرے ملک جاتے ہیں تو امیگریشن کی کاروائی عام طور پر دوسرے ملک کے باڈر پر ہوتی ہے، مگر کبھی جس ملک سے چلتے ہیں وہاں کاروائی ہو جاتی ہے، جیسے کناڈا سے امریکہ جانے والوں کا امیگریشن ٹورنٹو (کناڈا کی راجدھانی) میں ہو جاتا ہے، اسی طرح آخرت میں داخل ہونے والوں کا امیگریشن اسی دنیا میں ہوگا، اور اس کی وجہ وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

۳- جہنم میں صرف کفار ہی نہیں جائیں گے نافرمان مسلمان بھی جائیں گے، پھر ان کو رحمت الٰہی پہنچے گی، پس اللہ عزوجل کے حکم سے فرشتے ان کو جہنم سے نکال لیں گے، اور اعضائے سجود سے ان کو پہچانیں گے، جہنم کی آگ میں جل کر ان کا سارا بدن کوئلہ ہو چکا ہوگا مگر اعضائے سجود محفوظ ہونگے، اللہ تعالیٰ نے جہنم پر اعضائے سجود کو حرام کر دیا ہے، یہ سجدہ کی آخری درجہ کی فضیلت ہے، پھر ان لوگوں پر آب حیات ڈالا جائے گا، وہ خوبصورت ہو جائیں گے، اور جس طرح سیلاب کے ساتھ بہہ کر آئے ہوئے کوڑے میں بیج اگتا ہے، اور خوبصورت پیلے پیلے پتے نکل آتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں پر جہنم کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا، پھر وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

۴- اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے گناہ گار مؤمنوں کو جہنم سے آزاد کریں گے، اور انبیاء، صلحاء، شہداء، علماء اور حفاظ وقراء کی سفارشوں کی بدولت بھی آزاد کریں گے، اور نسائی شریف میں عمرو بن عمرو کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کفار مؤمنوں کو طعنہ دیں گے جو اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں گئے ہونگے، وہ کہیں گے: اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا تمہارے کچھ کام نہ آیا، تمہیں بھی جہنم کا ایندھن بننا پڑا، اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد

فرمائیں گے:فبعزتي لأعتقنهم من النار: میری عزت کی قسم اضرور میں ان کو جہنم سے آزاد کروں گا،اور ملائکہ کو بھیج کر ان سب کو دوزخ سے آزاد کریں گے،اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جب سب سفارش کرنے والے سفارش کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ جہنم میں سے لپ بھر کر جنت میں ڈالیں گے،غرض کوئی بھی توحید کا قائل جہنم میں باقی نہیں رہے گا۔

قوله: إذا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ: یعنی اللہ کے علم میں رحم کرنے کا مقررہ وقت آ گیا،اس کو فرغ سے تعبیر کیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز مشغول نہیں کر سکتی۔

قوله: يَعْرِفُوْنَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُوْدِ:ابن المنير فرماتے ہیں:شناخت کی اس صفت کی تائید آیت پاک ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ سے ہوتی ہے، چونکہ آگ کا سجدہ کی جگہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا اس لئے وہ صفتِ شناخت برقرار رہے گی (شرح نووی)

ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ. وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ، وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ. فَيَقُوْلُ: أَىْ رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِىْ عَنِ النَّارِ، فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِىْ رِيْحُهَا وَأَحْرَقَنِىْ ذَكَاؤُهَا. فَيَدْعُوْا اللّٰهَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَدْعُوَهُ، ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ بِکَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ! فَيَقُوْلُ: لاَ أَسْأَلُکَ غَيْرَهُ. وَيُعْطِى رَبَّهُ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ مَاشَاءَ اللّٰهُ، فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ، فَإِذَا أَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَآهَا سَکَتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَسْكُتَ. ثُمَّ يَقُوْلُ: أَىْ رَبِّ! قَدِّمْنِىْ إِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ. فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ: أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ عُهُوْدَکَ وَمَوَاثِيْقَکَ لاَ تَسْأَلُنِىْ غَيْرَ الَّذِىْ أَعْطَيْتُکَ. وَيْلَکَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَکَ! فَيَقُوْلُ: أَىْ رَبِّ! وَيَدْعُوْ اللّٰهَ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهُ: فَهَلْ عَسَيْتَ إِنْ أَعْطَيْتُکَ ذٰلِکَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ! فَيَقُوْلُ: لاَوَعِزَّتِکَ! فَيُعْطِى رَبَّهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ، فَيُقَدِّمُهُ إِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا قَامَ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، فَرَأَى مَا فِيْهَا مِنَ الْخَيْرِ وَالسُّرُوْرِ، فَيَسْكُتُ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَسْكُتَ. ثُمَّ يَقُوْلُ: أَىْ رَبِّ! أَدْخِلْنِى الْجَنَّةَ. فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى لَهُ: أَلَيْسَ قَدْ أَعْطَيْتَ عُهُوْدَکَ وَمَوَاثِيْقَکَ أَنْ لاَ تَسْأَلَ غَيْرَ مَا أُعْطِيْتَ، وَيْلَکَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَکَ! فَيَقُوْلُ: أَىْ رِبِّ! لاَ أَكُوْنُ أَشْقٰى خَلْقِکَ. فَلاَ يَزَالُ يَدْعُو اللّٰهَ حَتّٰى يَضْحَکَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى مِنْهُ. فَإِذَا ضَحِکَ اللّٰهُ مِنْهُ، قَالَ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللّٰهُ لَهُ: تَمَنَّهْ. فَيَسْأَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنّٰى. حَتّٰى إِنَّ اللّٰهَ لَيُذَكِّرُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا، حَتّٰى إِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الأَمَانِىُّ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ذٰلِکَ لَکَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ"

قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ: وَأَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىُّ مَعَ أَبِىْ هُرَيْرَةَ لاَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيْثِهِ شَيْئًا، حَتّٰى إِذَا حَدَّثَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِذٰلِکَ الرَّجُلِ: وَمِثْلُهُ مَعَهُ. قَالَ أَبُوْسَعِيْدٍ: وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: مَا حَفِظْتُ إِلاَّ قَوْلَهُ: ذٰلِکَ لَکَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ. قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: أَشْهَدُ أَنِّىْ

حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَوْلَهُ:" ذٰلِکَ لَکَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ"
قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَذٰلِکَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلاً الْجَنَّةَ.

باقی کا ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہوجائیں گے، اور ایک شخص (جنت وجہنم کے بیچ میں) باقی رہے گا، درانحالیکہ وہ اپنے چہرے کے ذریعہ دوزخ کی طرف متوجہ رہے گا، یعنی اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا، اور وہ جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے آخری جہنمی ہوگا، وہ عرض کرے گا:

اے پروردگار! میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے، اس کی بدبو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اس کی لپٹوں نے مجھے جلا دیا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ وہ ان کو پکارے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: اگر کروں میں تیرے ساتھ یہ معاملہ تو ہوسکتا ہے کہ تو کوئی اور سوال کرے؟ وہ عرض کرے گا: میں آپ سے کچھ اور نہیں مانگوں گا، پس وہ اللہ عزوجل کو دے گا وہ عہد وپیان جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پس اللہ تعالیٰ اس کا منہ جہنم سے پھیر دیں گے، پھر جب وہ جنت کی طرف متوجہ ہوگا اور اس کو دیکھے گا تو چپ رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ وہ چپ رہے، پھر عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازے کی طرف بڑھا دیں، پس اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کیا تو نے عہد وپیان نہیں کیا تھا کہ تو اس کے علاوہ نہیں مانگے گا جو میں تجھے دوں گا؟ اے ابن آدم! تجھ پر افسوس، تو کتنا بڑا بد عہد ہے، وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! اور اللہ کو پکارے گا یہاں تک کہ اس سے کہا جائے گا: اگر کروں میں تیرے ساتھ یہ معاملہ تو ہوسکتا ہے کہ تو کوئی اور سوال کرے؟ وہ عرض کرے گا: کوئی اور سوال نہیں کروں گا آپ کی عزت کی قسم! پس وہ اللہ عزوجل کو دے گا وہ عہد وپیان جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پس اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازہ کی طرف بڑھا دیں گے، پس جب وہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہوکر جنت کو دیکھے گا اور جنت میں جو خیر وسرور ہے اس کو دیکھے گا تو جتنا اللہ چاہیں گے خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے پروردگار! مجھے جنت میں داخل فرما دیں (مجھے جنت میں اور کچھ نہیں چاہئے) پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تو نے یہ عہد وپیان نہیں کیا تھا کہ تو کچھ اور نہیں مانگے گا؟ اے بھلے مانس! تو کتنا بڑا بد عہد ہے! وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! آپ مجھے اپنی مخلوق میں سب سے بڑا بدنصیب نہ بنائیں، پس وہ برابر اللہ تعالیٰ کو پکارتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہنسی آجائے گی، پس جب اللہ تعالیٰ اس کی بات سے ہنسیں گے تو اس سے فرمائیں گے: جا جنت میں چلا جا۔ جب وہ جنت میں چلا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: تمنا کر، پس وہ اللہ سے مانگے گا اور تمنا کرے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو یاد دلائیں گے، یہ تمنا کر اور یہ تمنا کر، یہاں تک کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہوجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے لئے یہ اور اس کے ساتھ اس کے مانند ہے۔

راوی حدیث عطاء بن یزید کہتے ہیں: جب ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی اس وقت ابو سعید خدریؓ ان کے پاس تھے،

انھوں نے کسی جگہ ابو ہریرہؓ سے اختلاف نہیں کیا، یہاں تک کہ جب ابو ہریرہؓ نے یہ بیان کیا کہ: ''اللہ اس شخص سے فرمائیں گے: تیرے لئے یہ ہے اور اس کے مانند اس کے ساتھ ہے'' یعنی دوگنا ہے تو ابو سعید خدریؓ نے کہا: اے ابو ہریرہ! ''یہ تیرے لئے ہے اور اس کا دس گنا ہے'' یعنی ابو سعیدؓ نے یہ لقمہ دیا کہ حدیث میں دوگنے کی بات نہیں بلکہ دس گنا کی بات ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے محفوظ نہیں کیا مگر آپ کا ارشاد: ''تیرے لئے یہ ہے اور اس کے مانند اس کے ساتھ ہے'' یعنی مجھے تو دوگنا ہی یاد ہے، ابو سعیدؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے محفوظ کیا ہے آپ کا یہ ارشاد: ''تیرے لئے یہ ہے اور اس کا دس گنا ہے'' —— اور ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: یہ شخص جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے آخری جنتی ہوگا۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دوگنے کی بات ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں دس گنے کی، اور دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، پہلے مثله معه فرمایا ہوگا، پھر وحی آئی اور عشرة أمثالها فرمایا، کیونکہ یہ مضمون آپؐ نے بار بار بیان کیا ہے، یا یہ کہا جائے کہ ذکر عدد نفی ماعداء کو مستلزم نہیں، کیونکہ چھوٹا عدد بڑے عدد کے ضمن میں آجاتا ہے۔

قوله: وذلک الرجل آخر أهل الجنة: آخری شخص جو جہنم سے نکل کر جنت میں جائے گا اس کا وصف مذکورہ حدیث میں کچھ بیان ہوا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کچھ اور (حدیث نمبر ۳۰۸، ۳۱۰) اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کچھ اور وصف مذکور ہے (حدیث نمبر ۳۱۴) اور علماء نے سب راتیوں میں تطبیق کے لئے فرمایا ہے کہ آخر میں جنت میں جانے والے لوگ متعدد ہونگے اور کسی کا کوئی وصف ہوگا اور کسی کا کوئی۔ واللہ اعلم

لغات: قَشَبَ (ض) فلانا ریحُ کذا: کسی چیز کی بدبو کا کسی کو تکلیف دینا...... الذَّکاء: آگ کی لپٹ، شعلہ، جلتا ہوا انگارہ...... عسی افعالِ مقاربہ میں سے ہے اور هل: استفہامیہ ہے، اور حدیث میں دونوں ہم معنی ہیں، یعنی کیا امید ہے کہ تو اور کوئی چیز نہیں مانگے گا؟...... عهد و میثاق: ہم معنی ہیں: عہد و پیمان...... عهود: عهد کی اور مواثیق: میثاق کی جمع ہے...... ضحک: ہنسنا، یہ اللہ کی صفت ہے، اور از قبیل متشابہات ہے، اس کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہ ادا پسند آئے گی۔

[۳۰۰-] حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا، أَنَّ النَّاسَ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: يَا رَسُوْلَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ.

وضاحت: یہ حدیث امام زہریؒ نے دوشیوخ سے یعنی ابن المسیب اور عطاء لیثی کے توسط سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے شعیب نے روایت کی ہے، اور اوپر والی حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے امام زہریؒ ہی نے روایت کی ہے، مگر صرف عطاء لیثی کے واسطہ سے روایت کی ہے، حضرت سعید بن المسیب کا اس میں تذکرہ نہیں، اور اس کو امام زہریؒ سے ابراہیم بن سعد نے روایت کیا ہے، اور شعیب اور ابراہیم دونوں کی روایتیں ہم معنی ہیں، تھوڑے بہت الفاظ مختلف ہیں، مگر مضمون دونوں کی روایتوں کا ایک ہے۔

[۳۰۱-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ مِنْهَا: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ أَدْنٰى مَقْعَدِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ يَقُوْلَ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنّٰى وَيَتَمَنّٰى، فَيَقُوْلُ لَهُ: هَلْ تَمَنَّيْتَ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ فَيَقُوْلُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ"

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیفہ ہمام بن منبہ میں ہے، اور هذا ما حدثنا أبو هريرة سرنامہ ہے، پہلے بتایا ہے کہ حضرت امام مسلمؒ جب بھی صحیفہ ہمام بن منبہ میں سے حدیث لاتے ہیں تو پہلے یہ عبارت لکھ کر اس طرف اشارہ کرتے ہیں —— حدیثوں کے کچھ اور بھی سرنامے ہیں جن کا تذکرہ پہلے بالتفصیل آچکا ہے[1]۔

[۳۰۲-] وَحَدَّثَنِيْ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ نَاسًا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "نَعَمْ" قَالَ: هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيْرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيْهَا سَحَابٌ؟" قَالُوْا: لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "مَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا. إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ: لِيَتَّبِعْ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ. فَلَا يَبْقٰى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ، إِلَّا يَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ. حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَغُبَّرِ أَهْلِ الْكِتَابِ. فَيُدْعَى الْيَهُوْدُ فَيُقَالُ لَهُمْ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ اللّٰهِ. فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ، مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ، فَمَاذَا تَبْغُوْنَ؟ قَالُوْا: عَطِشْنَا يَا رَبَّنَا! فَاسْقِنَا، فَيُشَارُ إِلَيْهِمْ: أَلَا تَرِدُوْنَ؟ فَيُحْشَرُوْنَ إِلَى النَّارِ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. فَيَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ، ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارٰى. فَيُقَالُ لَهُمْ:

(۱) دیکھئے: ص:۳۰۸، باب ۵۹۔

مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا: كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللّٰهِ. فَيُقَالُ لَهُمْ: كَذَبْتُمْ، مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ، فَيُقَالُ لَهُمْ: مَاذَا تَبْغُونَ؟ فَيَقُولُونَ: عَطِشْنَا يَا رَبَّنَا! فَاسْقِنَا. قَالَ: فَيُشَارُ إِلَيْهِمْ أَلَا تَرِدُونَ؟ فَيُحْشَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ.

وضاحت: یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، ترجمہ اور شرح اوپر آچکے، اس لئے چند ٹکڑوں میں صرف نئے اور ضروری الفاظ کی شرح ووضاحت کی جاتی ہے۔

قوله: بالظهيرة صَحْوًا: صاف دوپہر میں، الظهيرة: دوپہر، جمع ظهائر...... الصَّحْو: صاف، شفاف، بولا جاتا ہے: سَمَاءٌ صَحْوٌ ويَوْمٌ صَحْوٌ: یعنی آسمان اور دن بے ابروباد ہیں، اور یہ وصف بالمصدر ہے...... وَغُبَّر أهل الكتاب: اور کچھ اہل کتاب یعنی دیگر امم کے موحدین جو صحیح دین پر تھے...... الغُبَّر: چیز کا بقیہ جمع غُبَّرات۔

قوله: فَيُدْعَى اليهود: یہود کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کیا کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو، اللہ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد، پھر ان سے پوچھا جائے گا: تمہاری کیا خواہش ہے؟ وہ پیاسے ہونے کی بات کہیں گے اور پانی پلانے کی درخواست کریں گے، چنانچہ ان کے سامنے جہنم کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ وہاں جا کر پی لو، اور وہ سراب (چمکتی ریت کی طرح) ہوگی، جب وہ وہاں جائیں گے تو انہیں ہنکا دیا جائے گا، اور وہ جہنم میں جا پڑیں گے، یہی معاملہ نصاری کے ساتھ بھی ہوگا، کیونکہ یہ لوگ دنیا میں ضلالت وگمراہی میں سرگرداں تھے اور اپنے کو ہدایت پر سمجھتے تھے اس لئے آخرت میں ان کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے گا۔

حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ، أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِي أَدْنٰى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا. قَالَ: فَمَا تَنْتَظِرُونَ؟ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ. قَالُوا: يَا رَبَّنَا! فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا أَفْقَرَ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ. لَا نُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا- مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا - حَتّٰى إِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَكَادُ أَنْ يَنْقَلِبَ. فَيَقُولُ: هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ فَتَعْرِفُونَهُ بِهَا؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ. فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ، فَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ إِلَّا أَذِنَ اللّٰهُ لَهُ بِالسُّجُودِ، وَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اتِّقَاءً وَرِيَاءً إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهُ طَبَقَةً وَاحِدَةً، كُلَّمَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ خَرَّ عَلٰى قَفَاهُ. ثُمَّ يَرْفَعُونَ رُؤُوسَهُمْ، وَقَدْ تَحَوَّلَ فِي صُورَتِهِ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ. فَقَالَ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا.

قوله: فَارَقْنَا الناسَ في الدنيا أَفْقَرَ: جب سب اہل محشر اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ چلے جائیں گے اور جہنم کا

ایندھن بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے پاس ادنی صورت میں آئیں گے، اور فرمائیں گے: تم کیوں نہیں گئے، تم بھی جاؤ؟ مسلمان کہیں گے: اچھا ہوا وہ چلے گئے، ہم دنیا میں اللہ عزوجل کی اطاعت وفرمانبرداری کی وجہ سے ان سے الگ تھلگ تھے، جبکہ وہاں ہم اپنی ضرورتوں کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے کے زیادہ محتاج تھے مگر پھر بھی ہم ان کے ساتھ نہیں رہے، اب ان کے ساتھ کیسے جاسکتے ہیں؟ ہم نے تو یہ اعلان سنا ہے کہ جو جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے ساتھ جائے، اور ہم نے اللہ کی عبادت کی ہے، ہم اللہ پاک کے ساتھ جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں، مسلمان کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، اور یہ سوال وجواب دو تین بار ہونگے، اس بار بار کے سوال وجواب سے قریب ہوگا کہ کچھ لوگ بہک جائیں (شاید یہ عصاۃ مؤمنین ہونگے) اور وہ اس کے رب ہونے کا اقرار کرلیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائیں گے اور ان کو حق پر جمادیں گے، پھر اللہ تعالیٰ مؤمنین سے پوچھیں گے: کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی نشانی ہے جس سے تم اپنے رب کو پہچانو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں! کشفِ ساق کی نشانی ہے، اس سے ہم اللہ تعالیٰ کو پہچانیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ پنڈلی کھولیں گے اور نشانی ظاہر فرمائیں گے اور جانی پہچانی صورت میں تجلی فرمائیں گے، اب مؤمنین اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور سب سربسجود ہوجائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے دنیا میں رضاءِ الٰہی کی خاطر نہیں بلکہ یا تو کسی کے خوف سے یا دکھاوے کے لئے سجدہ کیا ہوگا، یعنی منافقین سجدہ نہیں کرسکیں گے، ان کی پیٹھیں تختہ کی طرح سخت ہوجائیں گی اور وہ چت گر پڑیں گے، اس وقت ان کا منافق ہونا برملا ظاہر ہوجائے گا، پھر جب مسلمان سجدہ سے سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو پہلی صورت میں پائیں گے، پس وہ اقرار کریں گے آپ ہی ہمارے رب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں گے اور جنت میں جائیں گے۔

**قولہ: فیکشف عن ساق**: یہ بات قرآنِ کریم میں بھی آئی ہے، ارشادِ پاک ہے: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ (القلم آیت ۴۲) جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ بلائے جائیں گے سجدہ کرنے کی طرف، پس وہ طاقت نہیں رکھیں گے، علامہ عثمانی قدس سرہ تفسیر میں فرماتے ہیں: ''ساق پنڈلی کو کہتے ہیں، اور یہ کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے صفات وحقائق الٰہیہ میں سے، جس کو کسی خاص مناسبت سے ''ساق'' فرمایا ہے، جیسے قرآن میں ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) کا لفظ آیا ہے، یہ مفہومات متشابہات میں سے کہلاتے ہیں ان پر اسی طرح بلاکیف ایمان رکھنا چاہئے، جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات، سمع وبصر وغیرہ صفات پر ایمان رکھتے ہیں —— یہ سب کچھ محشر میں اس لئے کیا جائے گا کہ مؤمن وکافر اور مخلص ومنافق صاف طور پر کھل جائیں اور ہر ایک کی اندرونی حالت حسّی طور پر مشاہدہ ہوجائے (فوائد عثمانی)

**فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازقبیل متشابہات ہیں اور صفات متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع

التفویض ہے، یعنی باری تعالیٰ کے لئے صفات کو اتباعا للنصوص ثابت مانا جائے لیکن اس کے معنی مرادی اور اس کی کیفیت کے بارے میں توقف وسکوت کیا جائے، ان میں غور وخوض نہ کیا جائے، اور خلف کا مذہب تنزیہ مع التاویل ہے، وہ کہتے ہیں کہ الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد نہیں، کیونکہ وہ تشبیہ (مخلوق کے مانند) کو مستلزم ہے، اور درجہ احتمال میں اس کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں، جیسے یہاں کشفِ ساق کی تفسیر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں نورٌ عظیمٌ آئی ہے (رواہ أبو یعلی، وفیه رجل مجھول، ابن کثیر ۴:۴۰۹) یہ محض ایک تاویل ہے "ساق" کے حقیقی معنی نہیں، اور خلف نے تنزیہ مع التاویل کی راہ اس لئے اختیار کی ہے کہ بیمار ذہن کو مطمئن کیا جاسکے، اور فلسفیانہ اذہان کو قابو میں لایا جاسکے، ورنہ وہ اللہ کی صفات کے بارے میں گمراہی میں مبتلا ہوجائیں گے۔

ملحوظہ: صفات متشابہات کے سلسلہ میں سیر حاصل بحث تحفۃ الالمعی (۲:۵۸۳-۵۸۸) میں ہے، وہاں متشابہات ومحکمات کے معانی، ان کے درمیان فرق، سلف وخلف کے درمیان امتیاز، آج کے سلفی اور خلفی کی بے راہ روی اور راہِ اعتدال غرض ہر ہر گوشہ پر مفصل ومدلل کلام کیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ، وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ، وَيَقُوْلُوْنَ: اللّٰهُمَّ! سَلِّمْ سَلِّمْ. قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ:" دَحْضٌ مَزِلَّةٌ، فِيْهِ خَطَاطِيْفُ وَكَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ، تَكُوْنُ بِنَجْدٍ فِيْهَا شُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا: السَّعْدَانُ، فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَأَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ. فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ، وَمَخْدُوْشٌ مُرْسَلٌ، وَمَكْدُوْسٌ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ، حَتّٰى إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ بِأَشَدَّ مُنَاشَدَةً لِلّٰهِ، فِي اسْتِيْفَاءِ الْحَقِّ، مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ. يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ. فَيُقَالُ لَهُمْ: أَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ. فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ. فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا قَدْ أَخَذَتِ النَّارُ إِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَإِلٰى رُكْبَتَيْهِ. ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! مَا بَقِيَ فِيْهَا أَحَدٌ مِمَّنْ أَمَرْتَنَا بِهِ، فَيَقُوْلُ: ارْجِعُوْا، فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِيْنَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا، ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا أَحَدًا مِمَّنْ أَمَرْتَنَا. ثُمَّ يَقُوْلُ: ارْجِعُوْا، فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِيْنَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا: ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا مِمَّنْ أَمَرْتَنَا أَحَدًا. ثُمَّ يَقُوْلُ: ارْجِعُوْا. فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوْهُ. فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقًا كَثِيْرًا. ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ. رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا" وَكَانَ أَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ يَقُوْلُ: إِنْ لَمْ تُصَدِّقُوْنِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاقْرَؤُوْا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾

ترجمہ: پھر دوزخ پر پل رکھا جائے گا اور سفارش کی اجازت ملے گی، اور لوگ کہیں گے: اے اللہ! بچائیے! بچائیے! پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! پل کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ قدم پھسلنے کی جگہ ہے، اس میں اچکنے والی چیزیں اور آنکڑے اور خاردار گھاس ہے، جو نجد میں ہوتی ہے، جس میں کانٹے ہوتے ہیں، جس کو سعدان کہا جاتا ہے، پس مسلمان گذریں گے آنکھ جھپکنے کی طرح، اور بجلی کوندنے کی طرح۔ اور ہوا کی طرح، اور پرندہ کی طرح اور تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ کی طرح، پس کچھ لوگ صحیح سالم نجات پاجائیں گے، کچھ لوگ مجروح ہو کر چھوڑ دیئے جائیں گے اور کچھ لوگ جہنم میں گر جائیں گے، یہاں تک کہ (ایک وقت آئے گا کہ سب) مؤمنین جہنم سے آزاد ہوجائیں گے، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی بھی اپنا حق پورا پورا وصول کرنے میں اپنے فریق سے اتنی قسم نہیں لیتا جتنی قسمیں مؤمنین قیامت کے دن کھائیں گے اپنے ان بھائیوں کے لئے جو جہنم میں ہونگے، وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے، پس ان سے کہا جائے گا: جن کو تم پہچانتے ہو ان کو نکال لاؤ، ان کی صورتیں جہنم پر حرام کردی گئی ہونگی، پس وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے، جہنم کی آگ ان کی نصف پنڈلی اور گھٹنوں تک پہنچی ہوگی، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا جن کو نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: واپس جاؤ اور جس کے دل میں دینار کے برابر خیر (ایمان) پاؤ اس کو جہنم سے نکال لو، پس وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! نہیں چھوڑا ہم نے جہنم میں کسی ایسے شخص کو جس کو نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: واپس جاؤ، اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی خیر پاؤ اس کو جہنم سے نکال لو، پس وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے جہنم میں کسی بھی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس کو نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے: واپس جاؤ، اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان پاؤ اس کو نکال لو، پس وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے جہنم میں کسی ایمان والے کو نہیں چھوڑا۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر تم اس حدیث میں میری تصدیق نہیں کرتے تو (سورۂ نساء کی آیت ۴۰) پڑھو اگر چاہو: ''بیشک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کریں گے اور نیکی کو دوگنا کردیں گے اور (مزید برآں) اپنے پاس سے بڑا اجر عطا فرمائیں گے''

لغات: الدَّحض: (بفتح الحاء وسکونها) پھسلن کی جگہ، جمع دِحَاض...... المَدْحَضَة: پھسلانے والی جگہ، جمع مَدَاحِض...... مَزِلَّة کے بھی یہی معنی ہیں، پھسلن کی جگہ...... الخُطَّاف: ہر ٹیڑھا لوہا جس سے کسی چیز کو اچک لیا جائے، جمع خَطَاطِیف...... کلالیب: کُلاَّب اور کَلُّوب کی جمع، آگ نکالنے کے لئے مڑے ہوئے سر کی سلاخ، آنکس...... حَسَکٌ: کانٹے دار پودا، واحد حَسَکَة...... سَعْدَان: خاردار پودہ جو اونٹوں کے لئے بہترین چارہ ہے ...... الطَّرْف: پل جھپکنا...... أَجَاوِید: أَجْوَاد کی جمع، جَوَاد کی جمع الجمع، عمدہ نسل کا گھوڑا...... الرِّکاب: اونٹ......

مَخدوش: ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا، خَدَشَه(ض) خَدْشًا: خراش لگانا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا......مَکْدوس: دھکادے کر جہنم رسید کیا جائے گا، کَدَسَه(ض) کَدْسًا وَ کُدَاسًا: دفع کرنا، ہٹانا......مُنَاشَدَة: مطالبہ۔

قوله: ما منكم من أحد بأشَدَّ مناشدة: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: معناه ما منكم من أحد يناشد الله تعالىٰ في الدنيا في استيفاء حقه واستقصائه، وتحصيله من جهة خصمه والمعتدي عليه بأشد منكم مناشدة لله تعالىٰ في الشفاعة لأخوانكم يوم القيامة: یعنی آدمی دنیا میں اپنا حق پانے کے لئے جس طرح بار بار تقاضہ کرتا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ مؤمنین تقاضہ کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے بار بار دعاء ودرخواست کریں گے کہ جو مؤمنین اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں گئے ہیں ان کی بخشش فرمادیں۔

تشریح: پل صراط سے گذرنے والے تین قسم کے لوگ ہونگے، ایک: جو صحیح سالم گذر جائیں گے، اور وہ اپنے اپنے عملوں کے اعتبار سے گذریں گے، کوئی پلک جھپکنے کی طرح، کوئی بجلی کوندنے کی طرح، کوئی تیز آندھی کی طرح اور کوئی تیز رفتار سواری کی طرح، اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہونگے جو گرتے پڑتے گذر تو جائیں گے مگر آنکڑوں میں پھنس کر بری طرح زخمی ہوجائیں گے، اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہوگی جو گذر ہی نہیں سکیں گے، بلکہ کٹ کٹا کر جہنم میں جا پڑیں گے، پھر ان میں سے جو مؤمن ہونگے ایک عرصہ کے بعد ان کو جہنم سے نکال لیا جائے گا، اور ان کا جہنم سے نکلنا تدریجاً ہوگا۔

"فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ، وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ. فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ، قَدْ عَادُوْا حُمَمًا، فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهرٍ فِيْ أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ: نَهْرُ الْحَيَاةِ، فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ. أَلاَ تَرَوْنَهَا تَكُوْنُ إِلَى الْحَجَرِ أَوْ إِلَى الشَّجَرِ. مَا يَكُوْنُ إِلَى الشَّمْسِ أُصَيْفِرُ وَأُخَيْضِرُ. وَمَا يَكُوْنُ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ يَكُوْنُ أَبْيَضَ؟" فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَأَنَّكَ كُنْتَ تَرْعَى بِالْبَادِيَةِ. قَالَ:" فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ. يَعْرِفُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ. هٰؤُلاَءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ أَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلاَ خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ. ثُمَّ يَقُوْلُ: ادْخُلُوْا الْجَنَّةَ فَمَا رَأَيْتُمُوْهُ فَهُوَ لَكُمْ، فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا! أَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ. فَيَقُوْلُ: لَكُمْ عِنْدِيْ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا. فَيَقُوْلُوْنَ: يَا رَبَّنَا! أَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ: رِضَايَ. فَلاَ أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا"

ترجمہ: پھر اللہ عزوجل فرمائیں گے: ملائکہ سفارش کر چکے، انبیاء سفارش کر چکے، مؤمنین سفارش کر چکے، اور ارحم الراحمین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا، پس اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک مٹھی بھریں گے اور ایسے لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے

جنھوں نے کبھی کوئی نیکی کا کام کیا ہی نہ ہوگا، وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہونگے، پس اللہ تعالیٰ انہیں جنت کے دروازوں پر ایک نہر میں ڈالیں گے، جس کو نہر حیات کہا جاتا ہے، پس وہ اس میں سے نکلیں گے جس طرح دانہ نالے کے کوڑے میں نکل آتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کبھی وہ دانہ کسی پتھر یا درخت کے قریب ہوتا ہے، جو سورج کے رخ پر ہوتا ہے وہ (کبھی) زرد اور (کبھی) سبز ہوتا ہے اور جو سایہ میں ہوتا ہے وہ سفید ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! گویا کہ آپ نے جنگل میں جانور چرائے ہیں (آپؐ جنگل کے احوال سے اچھی طرح واقف ہیں) آپؐ نے فرمایا: پس وہ لوگ (اس نہر سے) نکلیں گے آبدار موتیوں کی طرح، ان کی گردنوں میں پٹے ہونگے، جنتی ان کو پہچان لیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد فرما کر جنت میں پہنچایا ہے، بغیر کسی عمل کے جس کو انھوں نے کیا ہو، اور بغیر کسی نیکی کے جس کو انھوں نے آگے کیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جنت میں جاؤ، پس جس چیز کو تم دیکھو وہ تمہاری ہے، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں اتنا عطا فرمایا ہے کہ جہاں بھر میں سے کسی کو اتنا نہیں دیا، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تمہارے لئے میرے پاس اس سے بڑھ کر بھی ہے، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! کونسی چیز اس سے افضل ہے؟ ارشاد ہوگا: میری رضا، آج کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہ ہوؤں گا۔

قَالَ مُسْلِمٌ: قَرَأْتُ عَلٰى عِيْسَى بْنِ حَمَّادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الشَّفَاعَةِ، وَقُلْتُ لَهُ: أُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْکَ، أَنَّکَ سَمِعْتَ مِنَ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ لِعِيْسَى بْنِ حَمَّادٍ: أَخْبَرَكُمُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَرٰى رَبَّنَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ إِذَا كَانَ يَوْمٌ صَحْوٌ؟" قُلْنَا: لاَ. وَسُقْتُ الْحَدِيْثَ حَتّٰى انْقَضٰى آخِرُهُ وَهُوَ نَحْوُ حَدِيْثِ حَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ. وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهِ: بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلاَ قَدَمٍ قَدَّمُوْهُ "فَيُقَالُ لَهُمْ: لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ"

قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: بَلَغَنِيْ أَنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ.

وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ اللَّيْثِ: " فَيَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ" وَمَا بَعْدَهُ. فَأَقَرَّ بِهِ عِيْسَى بْنُ حَمَّادٍ.

[۳۰۳-] وَحَدَّثَنَاهُ أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ بِإِسْنَادِهِمَا نَحْوَ حَدِيْثِ حَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ إِلٰى آخِرِهِ. وَقَدْ زَادَ وَنَقَصَ شَيْئًا.

ترجمہ: امام مسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عیسیٰ بن حماد زغبہ مصری کے سامنے یہ حدیث شفاعت پڑھ کر ان سے

عرض کیا: میں یہ حدیث آپ سے بیان کروں جو آپ نے لیث بن سعد مصری سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں (بیان کرو) میں نے عیسیٰ بن حماد سے کہا: آپ سے حدیث بیان کی لیث بن سعد نے، وہ روایت کرتے ہیں خالد بن یزید سے، وہ روایت کرتے ہیں سعید بن ابی ہلال سے، وہ روایت کرتے ہیں زید بن اسلم سے (یہاں سے اوپر سوید بن سعید اور عیسیٰ بن حماد کی سند ایک ہے) وہ روایت کرتے ہیں عطاء بن یسار سے وہ روایت کرتے ہیں ابو سعید خدریؓ سے، انھوں نے کہا: ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہمارے رب کو دیکھیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سورج کو دیکھنے میں جبکہ وہ بے ابر و باد دن میں ہو ایک دوسرے کو کچھ نقصان پہنچاتے ہو؟'' ہم نے کہا: نہیں، پھر میں نے حفص بن میسرہ کی حدیث کے مانند آخر تک حدیث بیان کی اور بغیر عمل عملوہ ولاقدم قدموہ کے بعد یہ اضافہ کیا: ''تمہارے لئے وہ چیز ہے جو تم نے دیکھی اور اس کے مانند اس کے ساتھ ہے'' ــــ یعنی امام مسلم رحمہ اللہ نے سُوید بن سعید سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے، اور عیسیٰ بن حماد سے بھی، البتہ سُوید بن سعید اور زید بن اسلم کے درمیان صرف ایک واسطہ حفص بن میسرہ کا ہے، اور عیسیٰ بن حماد اور زید بن اسلم کے درمیان تین واسطے ہیں: لیث بن سعد، خالد بن زید اور سعید بن ابی ہلال کا، وہ سب ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں اور حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے خود عیسیٰ بن حماد سے اجازت لے کر ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی ہے، اور اس کا نام عرض علی المحدث اور قراءت علی المحدث ہے، تفصیل شروع کتاب الایمان (باب ۳) میں گذر چکی ہے۔

**قوله: وزاد بعد قوله: بغير عَمَلٍ عَمِلُوه ولا قَدَم قَدَّمُوه:** یعنی زید بن اسلم کے شاگرد حفص بن میسرہ کی روایت میں أدخلهم الله الجنة بغير عَمَل عملوه ولا خير قَدّموه ہے۔ اور زید کے دوسرے شاگرد سعید بن ابی ہلال کی روایت میں ولا خير قَدَّموه کی جگہ ولا قَدَمٍ قَدَّموه ہے، اور قدم: خیر کے معنی میں ہے۔

**قوله: وليس في حديث الليث إلخ:** عیسیٰ بن حماد کی حدیث میں جو لیث کے طریق سے ہے اس میں فيقولون ربنا أعطيتنا سے آخر حدیث تک نہیں ہے..... **قوله: فَأَقَرَّ به:** جب امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث عیسیٰ بن حماد کے سامنے پڑھی تو انھوں نے اقرار کیا، یعنی سند و متن دونوں کی توثیق کی۔

**حدیث ۴۰۳:** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث زید بن اسلم سے ہشام بن سعد نے بھی روایت کی ہے، اور اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے حفص بن میسرہ اور سعید بن ابی ہلال نے روایت کی ہے، یعنی زید بن اسلم سے تین تلامذہ نے یہ حدیث روایت کی ہے: حفص بن میسرہ نے، سعید بن ابی ہلال نے اور ہشام بن سعد نے، حفص اور سعید کی حدیثیں اوپر گذریں جو زید بن اسلم، عن عطاء بن یسار، عن ابی سعید الخدریؓ کے طریق سے ہیں، اور ہشام کی حدیث باعتبار سند حفص اور سعید کی حدیثوں کے مانند ہے، اور باعتبار متن حفص کی روایت کے مانند ہے، بس معمولی حذف و اضافہ ہے۔

## بَابُ إِثْبَاتِ الشَّفَاعَةِ وَإِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِيْنَ مِنَ النَّارِ

## شفاعت کا ثبوت اور موحدین کا جہنم سے نکالا جانا

**شَفَعَ لفلان إلى فلان:** کسی سے کسی کی سفارش کرنا، اور **شَفَّعَ (از باب تفعیل) فلانا فی کذا:** کسی معاملہ میں سفارش قبول کرنا، **مُشَفِّعُ (بکسر الفاء اسم فاعل):** سفارش قبول کرنے والا، **مُشَفَّعُ (بفتح الفاء اسم مفعول):** وہ جس کی سفارش قبول کی جائے۔

قیامت میں جو شفاعتیں ہونگی ان کے بارے میں بکثرت روایات مروی ہیں، وہ سب مل کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں، مگر کچھ لوگ شفاعت کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ جو چاہیں کریں، کسی کو کیا اختیار ہے؟ مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، شفاعت کا مقصد سفارش کرنے والوں کا اعزاز ہے، دنیا میں بھی جب کوئی سفارش کرتا ہے تو حاکم مجبور نہیں ہو جاتا، مگر جب حاکم سفارش قبول کرتا ہے تو سفارش کرنے والے کی عزت بڑھتی ہے، اور جس کے لئے سفارش کی ہے وہ زندگی بھر گن گاتا ہے کہ فلاں کی سفارش سے میرا کام ہو گیا، یہی حکمت اخروی شفاعتوں کی بھی ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کئی طرح سے ہوگی، پہلی شفاعت کبری ہے، پھر دوسری شفاعتیں، تفصیل درج ذیل ہے:

۱- سب سے پہلے جب تمام اہل محشر سراسیمہ ہونگے، حساب کتاب شروع نہیں ہو رہا ہوگا، اور کسی کو لب کشائی کی مجال نہیں ہوگی اس وقت تمام امتیں مل کر حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی انبیاء سے درخواست کریں گی کہ وہ ان کے لئے سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع ہو جائے، اور مؤمنین کی بے چینی ختم ہو، مگر ہر ایک نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، کوئی شفاعت کی ہمت نہیں کرے گا، تب آخر میں تمام اہل محشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں گے، آپ ہمت کریں گے اور اللہ عز وجل کے لطف و کرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے، اور پوری نیازمندی اور حسن ادب کے ساتھ اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، جو بارگاہِ جلالت میں قبول ہوگی، پھر حساب اور فیصلے شروع ہونگے، یہ شفاعت چونکہ تمام اہل محشر کے لئے ہوگی، اس لئے اس کو "شفاعتِ کبری" کہتے ہیں۔

۲- پھر آپ اپنی امت کے مختلف درجات کے گنہ گاروں کے لئے سفارش کریں گے، آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور بے شمار گنہ گار امتی جہنم سے چھٹکارا پائیں گے۔

۳- اسی طرح آپ اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں ترقی درجات کی بھی استدعاء کریں گے، یہ دعاء بھی قبول ہوگی اور ان جنتیوں کے درجات دوبالا ہو جائیں گے۔

۴- اسی طرح کچھ نیک امتیوں کے لئے آپ سفارش کریں گے اور ان کو بے حساب جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جائے گا تو امت کے صالحین بھی اپنے متعلقین کے لئے سفارش کریں گے، یہاں تک کہ وہ معصوم بچے جو کم عمری میں فوت ہوئے ہیں: وہ بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے۔

اسی طرح بعض اعمالِ صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے، جیسے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش کریں گی، اور یہ سفارشیں بھی قبول ہونگی۔

اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی امتوں کے لئے مختلف سفارشیں کریں گے۔

نیز معزز فرشتے بھی بعض انسانوں کے لئے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول کی جائیں گی۔

اور آخر میں رب ذوالجلال اپنی مہربانی سے باقی ماندہ مؤمنین کو جہنم سے نکالیں گے، یہ بھی ایک طرح کی سفارش ہے جو اللہ تعالیٰ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہی قبول فرمائیں گے۔

مگر یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو دوزخ سے نہیں نکال سکے گا، نہ سفارش کے لئے زبان کھول سکے گا، آیت الکرسی میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾: کون ہے وہ جو اس بارگاہ میں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے کوئی سفارش کرے؟ اور سورۃ الانبیاء میں ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ اور فرشتے سفارش نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو۔

غرض شفاعت دراصل سفارش کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے، اور ان کے اکرام و اعزاز کے لئے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں میں اور ان کے فیصلوں میں دخل دینے کی کسی میں مجال نہیں (ماخوذ از معارف الحدیث ۱:۲۴۲ مع اضافہ)

فائدہ: معتزلہ اور خوارج کے نزدیک چونکہ مرتکبِ کبیرہ ایمان سے خارج اور دائمی جہنمی ہے اس لئے وہ گنہ گار مؤمنین کے لئے سفارش کا انکار کرتے ہیں، اور احادیث شفاعت کو شفاعتِ کبری پر اور ترقی درجات پر محمول کرتے ہیں، یعنی وہ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کی سفارش کے بعد حساب و کتاب کا سلسلہ جاری ہوگا، اور آپ کی سفارش صالحین مؤمنین کے رفع درجات کے لئے ہوگی، گنہ گار مؤمنین کو جہنم سے نکالنے کے لئے نہ آنحضور ﷺ سفارش کریں گے اور نہ دیگر انبیاء و صلحاء، نہ صدیقین و شہداء وغیرہ، بلکہ گنہ گار مؤمنین ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

مگر ان کی یہ بات بداہۃً غلط ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي**: میری سفارش میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہونگے (یہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (ترمذی حدیث ۲۴۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تردید کی ہے، محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے محمد! جو شخص کبیرہ گناہ کرنے والوں میں سے نہیں ہے اس

کے لئے شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی شفاعت کے محتاج تو گنہ گار بندے ہیں (ترمذی حدیث ۲۴۳۰)
ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شفاعت پانچ قسم کی ہیں: پہلی شفاعت اہلِ محشر کے لئے حساب وکتاب کی بابت ہوگی، یہ شفاعت آنحضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بعد ہی حساب وکتاب کا سلسلہ شروع ہوگا، دوسری شفاعت: کچھ لوگوں کو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل کرانے کے لئے ہوگی، یہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے، تیسری شفاعت: ان لوگوں کے لئے ہوگی جو جہنم کے مستحق ہو چکے ہونگے، ان کے لئے آنحضور ﷺ، صلحاء، شہداء، صالحین اور ملائکہ مقربین وغیرہ سفارش کریں گے اور وہ جہنم میں جانے سے بچ جائیں گے، چوتھی شفاعت: ان گنہ گار مومنین کے لئے ہوگی جو جہنم میں جا چکے ہیں، ان کی بھی نبی ﷺ، ملائکہ اور صلحاء امت سفارش کریں گے، پھر وہ جہنم سے نکالے جائیں گے، اور پانچویں شفاعت: متقیوں کی ترقی درجات کے لئے ہوگی، اس شفاعت کے معتزلہ بھی قائل ہیں[1]۔

## [۸۰-بَابُ إِثْبَاتِ الشَّفَاعَةِ وَإِخْرَاجِ الْمُوَحِّدِيْنَ مِنَ النَّارِ]

[۳۰۴-] وَحَدَّثَنِي هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْأَيْلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يُدْخِلُ اللّٰهُ أَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ بِرَحْمَتِهِ، وَيُدْخِلُ أَهْلِ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُوْلُ: انْظُرُوْا مَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجُوْهُ. فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا حُمَمًا قَدِ امْتَحَشُوْا. فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ أَوِ: الْحَيَا. فَيَنْبُتُوْنَ فِيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ إِلَى جَانِبِ السَّيْلِ. أَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جنتیوں میں سے جس کو چاہیں گے اپنی رحمت سے جنت میں داخل کریں گے، اور جہنمیوں میں سے جس کو چاہیں گے جہنم میں داخل کریں گے، پھر (سفارش کرنے والوں سے) فرمائیں گے: "تم ہر اس شخص کو جس کے دل میں رائے کے دانہ کے برابر ایمان پاؤ، جہنم سے نکال لاؤ" پس وہ جہنم سے نکالے جائیں گے

---

(۱) قاضی عیاض نے ایک چھٹی شفاعت کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ابو طالب کی تخفیف عذاب کے لئے ہوگی، اور حافظ رحمہ اللہ نے ایک اور شفاعت کا اضافہ کیا ہے جو ان لوگوں کے لئے ہوگی جن کی نیکی اور بدی برابر ہونگی، وہ بھی شفاعت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سابقین بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے اور درمیانی قسم کے لوگ اللہ کی رحمت سے جائیں گے اور جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور جو اعراف والے ہیں وہ آنحضور ﷺ کی سفارش سے داخل ہونگے، اعراف والوں کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکی اور بدی برابر ہونگی (فتح الملہم ۱:۳۴۲) غرض شارحین حدیث نے نبی ﷺ کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں، شائقین فتح الباری میں ملاحظہ کریں۔

درانحالیکہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہونگے ، پھران کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا، پس وہ اس میں سے نکلیں گے جیسے دانہ نالے کی جانب میں اگتا ہے، کیاتم نے وہ دانہ نہیں دیکھا کہ کس طرح وہ پیلا لپٹا ہوا نکلتا ہے"

تشریح:

ا- جب بارش ہوتی ہے تو کوڑا نالے میں بہہ چلتا ہے، پھر پانی اس کو دونوں جانبوں میں نکال دیتا ہے، پس ایک دو دن میں بیج اس کوڑے میں اگ آتے ہیں، اس وقت ان کے پتے پیلے لپٹے ہوئے بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، کوڑے کا ان میں کوئی اثر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ لوگ بھی جو جہنم میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہونگے آبِ حیات سے نکل آئیں گے، ان کے بدن نہایت خوبصورت ہونگے ، ان پر جہنم کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پس یہ تروتازگی اور حسن و جمال میں تشبیہ دی ہے، رہی یہ بات کہ وہ لوگ کتنی دیر میں اس نہر سے نکلیں گے؟ اس کی طرف حدیث میں کوئی اشارہ نہیں۔

۲- اس حدیث میں معتزلہ وغیرہ کی تردید ہے، اس میں صاف صراحت ہے کہ گناہ گار مؤمنین کی بھی نبی ﷺ اور صلحاء امت سفارش کریں گے اور ان کی سفارشوں کی بدولت وہ جہنم سے نکالے جائیں گے، اور اس مضمون کی بہت احادیث ہیں جو سب مل کر حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں۔

سوال: اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنے فضل سے جنت میں داخل کریں گے۔ اور بخاری شریف میں بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا، جو بھی جنت میں جائے گا فضل خداوندی کی وجہ سے جائے گا (بخاری حدیث ۶۴۶۷) جب کہ نصوصِ قرآنیہ سے پتا چلتا ہے کہ جنت ایمان واعمال کا صلہ ہے، یعنی نیک اعمال کی بدولت مؤمنین جنت میں جائیں گے، سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں ہے: جنتی جنت میں بیٹھے باتیں کریں گے، وہ اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے کہیں گے: اگر خداوند کریم ہماری راہنمائی نہ کرتے تو ہم کبھی جنت میں نہیں پہنچ سکتے تھے، اللہ نے ہماری طرف انبیاء بھیجے، انھوں نے ہماری راہنمائی کی اور ہم جنت نشیں ہوئے۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے ہونگے کہ آواز آئے گی: ﴿ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾: دنیا میں جو تم عمل کر کے آئے ہو اس کی وجہ سے یہ جنت تمہیں ملی ہے، پس اس تعارض کا حل کیا ہے؟

جواب: حصولِ جنت کے دو سبب ہیں: ایک قریب دوسرا بعید، سببِ قریب ایمان واعمال ہیں اور سببِ بعید فضلِ خداوندی ہے، مذکورہ حدیث میں اور بخاری شریف کی حدیث میں سببِ بعید کا بیان ہے اور اکثر نصوص میں سببِ قریب کا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری کائنات صفات باری کا پَرتَو (اثر، عکس) ہے اور اس دنیا میں جو اسباب ہیں وہ مسببات کے لئے اسبابِ قریبہ ہیں، اور سببِ بعید اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے ہم کھانے سے شکم سیر ہوتے ہیں، اور پانی سے سیراب، مگر یہ کھانا اور پینا شکم سیری اور سیرابی کے لئے اسبابِ قریبہ ہیں اور اللہ کی صفت ارادہ ومشیت سببِ بعید ہے، اللہ چاہیں گے تو ہم سیراب ہونگے اور شکم سیر ہونگے ، ورنہ کھاتے کھاتے اور پیتے پیتے پیٹ پھٹ جائے گا اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

غرض دنیادارالاسباب ہے، یہاں اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں، مگر ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھنا ضروری ہے کہ اصل اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اور نصوص میں زیادہ تر اسباب قریبہ کا بیان آیا ہے، مگر آخری سبب اللہ کا فیصلہ ہے، یعنی ایمان واعمال مغفرت کے لئے اسباب قریبہ ہیں اور سبب حقیقی اللہ کی رحمت ومغفرت ہے، صحیحین کی مذکورہ حدیثوں میں اسی کا تذکرہ ہے، اس کی مزید تفصیل تحفۃ القاری (۱:۲۲۸) میں ہے۔

[۳۰۵-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ. ح: وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ ابْنُ الشَّاعِرِ، قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ كَلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بِهٰذَا الإِسْنَادِ. وَقَالاَ: " فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرٍ يُقَالُ لَهُ: الْحَيَاةُ" وَلَمْ يَشُكَّا. وَفِيْ حَدِيْثِ خَالِدٍ:" كَمَا تَنْبُتُ الْغُثَاءَ ةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ" وَفِيْ حَدِيْثِ وُهَيْبٍ:" كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِئَةٍ" أَوْ "حَمِيْلَةِ السَّيْلِ"

وضاحت: یہ حدیث عمرو بن یحیٰی سے وہیب اور خالد نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے امام مالکؒ نے روایت کی ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں الحیاۃ اور الحیا میں شک ہے، اور وہیب اور خالد کی روایت میں بغیر شک کے الحیاۃ ہے۔ پھر وہیب اور خالد کی روایتوں کے الفاظ تھوڑے مختلف ہیں، خالد کی روایت کے الفاظ ہیں: کما تَنْبُتُ الْغُثَاءَ ةُ في جَانِبِ السَّيْلِ: جیسے کوڑا کرکٹ پانی کے بہاؤ میں اگتا ہے۔ الغُثاء اور الغُثّاء کے معنی ہیں: جھاگ، کوڑا کرکٹ جو سیلاب کے جھاگ سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہیب کی روایت کے الفاظ ہیں: کما تَنْبُتُ الحِبَّةُ فی حَمِئَةٍ أو: حَمِيْلَةِ السَّيْلِ: جیسے دانہ نہر کے کنارے کالی مٹی میں یا سیلاب کے کوڑے کرکٹ میں اگتا ہے ...... الحِبَّة: دانہ، بیج ...... حَمِئَة: وہ کالی مٹی جو نہر کے اطراف میں ہوتی ہے ...... حمیل: بمعنی محمول، سیلاب کا کنارے پڑا لاہوا کوڑا۔

[۳۰۶-] وَحَدَّثَنِيْ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرٌ- يَعْنِيْ: ابْنَ الْمُفَضَّلِ- عَنْ أَبِيْ مَسْلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِيْنَ هُمْ أَهْلُهَا، فَإِنَّهُمْ لاَ يَمُوْتُوْنَ فِيْهَا وَلاَ يَحْيَوْنَ، وَلٰكِنْ نَاسٌ أَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوْبِهِمْ- أَوْ قَالَ: بِخَطَايَاهُمْ- فَأَمَاتَهُمْ إِمَاتَةً، حَتّٰى إِذَا كَانُوْا فَحْمًا، أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ، فَجِيْءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ، فَبُثُّوْا عَلٰى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ قِيْلَ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ أَفِيْضُوْا عَلَيْهِمْ، فَيَنْبُتُوْنَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُوْنُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: كَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ كَانَ بِالْبَادِيَةِ.

[۳۰۷-] وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ مَسْلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا نَضْرَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ إِلٰى قَوْلِهِ: فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ. وَلَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ”رہے وہ دوزخی جو اس کے اہل ہیں یعنی جن کو دائمی جہنم میں رہنا ہے وہ جہنم میں نہ تو مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے، لیکن کچھ لوگوں کو اپنے گناہوں کی وجہ سے ـــــ یا فرمایا: اپنی غلطیوں کی وجہ سے ـــــ جہنم کا عذاب پہنچے گا، پس اللہ تعالیٰ ان کو (ایک قسم کی) موت دیں گے، یہاں تک کہ جب وہ جل بھن کر کوئلے ہو جائیں گے تو (سفارش کرنے والوں کو) سفارش کی اجازت دی جائے گی، پس لوگوں کو گروہ در گروہ لایا جائے گا، اور جنت کی نہروں پر پھیلایا جائے گا، پھر کہا جائے گا: او جنتیو! ان کے اوپر پانی ڈالو، پس وہ نکلیں گے سیلاب کے کنارے پر ڈالے ہوئے کوڑے میں دانہ کے اگنے کی طرح“ پس لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: گویا رسول اللہ ﷺ بادیہ نشینوں میں سے ہیں (کہ آپ جنگل کے احوال سے اچھی طرح واقف ہیں)

سند: یہ حدیث ابومسلمہ سے بشر بن المفضل کے علاوہ شعبہ نے بھی روایت کی ہے، البتہ بشر کی بصیغہ عن روایت ہے اور شعبہ کی روایت میں سماعت کی صراحت ہے، مگر شعبہ کی روایت میں آخری جملہ فقال رجل من القوم إلخ نہیں ہے۔

لغت: ضَبَائر (بفتح الضاد المعجمة) الضّبارة (بفتح الضاد و کسرھا) کی جمع ہے، اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور معنی ہیں: جماعات فِی تفرقة: مختلف جماعتیں، گروہ اور ضبارات ضبارات بھی مروی ہے

......قوله: فأماتهم الله: اور بعض نسخوں میں أماتتهم (بتاء ین) ہے أی أماتتهم النار۔

تشریح: کفار و مشرکین جن کے لئے جہنم کی دائمی سزا ہے ان کو جہنم میں موت نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے مگر ان کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، وہ ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ کا مصداق ہونگے، اور جو مسلمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے ان پر موت طاری کر دی جائے گی۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بظاہر حدیث کے معنی یہ ہیں کہ گنہ گار مؤمنین کو اللہ تعالیٰ موت دیدیں گے ایک طرح کی موت ان کو جہنم میں بھیجنے کے بعد، اتنی مدت جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، اور یہ موت دینا حقیقی موت ہوگا، اس کی وجہ سے احساس ختم ہو جائے گا، اور وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا پائیں گے، پھر ان کو موت دیں گے، پھر وہ دوزخ میں محبوس رہیں گے، مدت کے احساس کے بغیر جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہے، پھر وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے مردہ ہونے کی حالت میں، درانحالیکہ وہ کوئلہ ہو گئے ہونگے، پس وہ سامان لادے جائیں گے جیسا آدمی سامان لادا جاتا ہے، اور وہ جنت کی نہروں میں ڈالے جائیں گے پھر ان پر آب حیات ریڑھا جائے گا تو وہ زندہ ہونگے اور اگیں گے دانہ کے اگنے کی طرح سیلاب کے کوڑے میں (یہ تشبیہ) دانہ کے جلد اگنے میں اور کمزور نکلنے میں ہے، پس نکلیں گے وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے پیلے لپٹے ہوئے پتوں کی طرح، پھر اس کے بعد ان کی قوت بڑھ جائے گی اور وہ اپنے گھروں میں پہنچ جائیں گے، اور ان کے احوال مکمل ہو جائیں گے، حدیث کے لفظ سے ظاہر اور اس کے معنی یہی ہیں (شرح نووی)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جہنم میں جاتے ہی ان پر موت طاری ہو جائے گی، انہیں وہاں کے عذاب کا

احساس نہیں ہوگا اوران کا جہنم میں ٹھہرنا جیل کی سزا کی طرح ہوگا۔

اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے حقیقی موت مرادنہیں بلکہ اماتت: کنایہ ہے، تکلیف کے عدم احساس سے، جیسے آپریشن سے پہلے "کلورافارم" سنگھا کر بیہوش کرتے ہیں یامخصوص جگہ کوسُن کر دیتے ہیں، اس لئے چیر پھاڑ کی تکلیف نہیں ہوتی، یہی حال ان مؤمنین کا ہوگا جو جہنم میں گئے ہیں، یعنی خاص قسم کی موت ان پر طاری ہوگی، جس کی وجہ سے وہ آتش دوزخ کی تکلیف محسوس نہیں کریں گے یاان کوکم تکلیف ہوگی۔ واللہ اعلم (فتح الملہم)

[۳۰۸-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، كِلَاهُمَا عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا. فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ اللّٰهُ لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا- أَوْ إِنَّ لَكَ عَشَرَةَ أَمْثَالِ الدُّنْيَا- قَالَ: فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ بِي- أَوْ: أَتَضْحَكُ بِي- وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟" قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

قَالَ: فَكَانَ يُقَالُ: ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: "میں دوزخ میں سے سب سے آخر میں نکلنے والے کو اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے کو جانتا ہوں، ایک شخص دوزخ سے سرین کے بل سرکتا ہوا نکلے گا، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جا اور جنت میں اپنا ٹھکانہ پکڑ، وہ جنت میں جائے گا پس اس کے خیال میں ایسا آئے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے (کوئی جگہ خالی نہیں) وہ لوٹ آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: جا جنت میں داخل ہو، وہ جنت میں آئے گا، پس اس کے خیال میں ایسا آئے گا کہ وہ بھری ہوئی ہے، وہ لوٹ آئے گا اور عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا (میرے لئے کوئی جگہ نہیں) پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جا اور جنت میں داخل ہو، تیرے لئے دنیا کے مانند اور اس کا دس گنا ہے، یعنی گیارہ دنیا کے بقدر، یا فرمایا: تیرے لئے دنیا کے مانند دس گنا ہے یعنی دس دنیا کے بقدر، پس وہ کہے گا: کیا آپ میرا ٹھٹھا کرتے ہیں، یا کہے گا: کیا آپ میری ہنسی اڑاتے ہیں، حالانکہ آپ بادشاہ ہیں؟ راوی کہتے ہیں: بخدا! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ہنسے، یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل گئیں، راوی کہتے ہیں: اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنتیوں میں سب سے کم مرتبہ والا ہے۔

لغت:الحَبُوُ: حَبَا(ن) الولدُ حَبُوًا:چوتڑوں کے بل گھسٹنا، الحَبْوَةُ وَالحُبْوَةُ: وہ کپڑا جس سے پیٹھ اور پنڈلیوں کو ملا کر باندھ دیا جائے، جمع:حُبًى وَحِبًى......اور آئندہ روایت میں زَحْفٌ ہے،اس کے معنی بھی سرین کے بل چلنے کے ہیں، زَحَفَ(ف) زَحْفًا وَزُحُوْفًا: آہستہ آہستہ زانو یا سرین پر گھسٹنا......نواجذ: ناجذة کی جمع ہے، ڈاڑھ، ضَحِکَ حتی بَدَتْ نواجذُہ:کھل کھلا کر ہنسنا۔

قولہ: أَتَسْخَرُ بِي أَوْ تَضْحَکُ: یہ شک راوی ہے،اور دونوں ہم معنی ہیں،اس لئے کہ ٹھٹھا کرتے ہوئے عام طور پر آدمی ہنستا ہے،اور رہی اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھٹھا کرنے کی نسبت تو علماء نے اس کی متعدد توجیہیں کی ہیں۔

۱-علامہ ابوبکر صیرفی کہتے ہیں:اس میں ہمزہ استفہام نفی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ٹھٹھا کرنے کی نفی مقصود ہے،پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو دنیا اور اس کا دس گنا عطا کیا گیا ہے وہ واقعی ہے، مذاق نہیں،اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ٹھٹھا نہیں کیا ہے،وہ جہانوں کے پالنہار ہیں،ٹھٹھا اور مذاق ان کے شایانِ شان نہیں۔

۲-علامہ مازری نے اس کو مشاکلت ومجانست پر محمول کیا ہے،جیسے:﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھوکہ کی نسبت مشاکلۃً ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو دھوکہ دینا محال ہے،اس بندہ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑا جو ایک طرح کا مذاق ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں جانے کی اجازت دی اور اس نے جنت بھری ہوئی پائی تو یہ خیال کیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے میری بار بار وعدہ خلافی کا اس طرح جواب تو نہیں دیا،اس لئے اس کو سخریہ سے تعبیر کر دیا،اس صورت میں أَتَسْخَرُ لِي کے معنی تعاقبنی کے ہوئے۔

۳-قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:بعض مرتبہ انتہائی خوشی اور مسرت کے موقعہ پر دل ودماغ پر قابو نہیں رہتا اور بے ساختہ زبان سے کچھ کا کچھ نکل جاتا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہے، جیسے حدیث توبہ میں ہے کہ ایک شخص خورد و نوش کی چیزیں سواری پر رکھ کر چلا،اور ایسے جنگل میں پہنچ گیا جہاں زندگی کے آثار نہیں تھے،وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کی غرض سے لیٹا اور سو گیا،جب بیدار ہوا تو اس نے اپنی سواری کو گم پایا،وہ گھبرایا اور سواری کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی،مگر سواری نہیں ملی،تھک ہار کر اپنی جگہ پر لوٹا اور موت کے انتظار میں بیٹھا بیٹھا سو گیا،جب آنکھ کھلی تو اچانک سواری کو مع ساز وسامان کے اپنے پاس پایا،تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور انتہائی مسرت میں اس کی زبان سے نکل گیا:أنت عبدي وأنا ربک،اسی طرح یہ شخص بھی انتہائی خوشی میں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا اور بے سوچے سمجھے یہ لفظ اس کی زبان سے نکل گیا،اس کی اس حماقت پر اللہ تعالیٰ کو ہنسی آئی، یعنی اس کی یہ حماقت اللہ کو پسند آئی، قربان جایئے اللہ کی مہربانی پر!

[۳۰۹-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ- وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ كُرَيْبٍ- قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَبِيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنِّيْ

لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنَ النَّارِ: رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا. فَيُقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ. قَالَ: فَيَذْهَبُ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوْا الْمَنَازِلَ فَيُقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ؟ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ. فَيُقَالُ لَهُ: تَمَنَّ، فَيَتَمَنَّى. فَيُقَالُ لَهُ: لَكَ الَّذِيْ تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةُ أَضْعَافِ الدُّنْيَا. قَالَ: فَيَقُوْلُ: أَتَسْخَرُ بِيْ وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟" قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

وضاحت: یہ بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور اس میں بھی سب سے آخر میں جنت میں جانے والے شخص کا تذکرہ ہے، اور اس کو اعمشؒ نے ابراہیم اور عَبِیدہ کے واسطوں سے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے، گذشتہ حدیث منصور نے اسی سند سے روایت کی تھی۔

[۳۱۰-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" آخِرُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ، فَهُوَ يَمْشِيْ مَرَّةً وَيَكْبُوْ مَرَّةً، وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً، فَإِذَا مَا جَاوَزَهَا الْتَفَتَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: تَبَارَكَ الَّذِيْ نَجَّانِيْ مِنْكَ، لَقَدْ أَعْطَانِيَ اللّٰهُ شَيْئًا مَا أَعْطَاهُ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ، فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ. فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! أَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَأَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ! لَعَلِّيْ إِنْ أَعْطَيْتُكَهَا سَأَلْتَنِيْ غَيْرَهَا، فَيَقُوْلُ: لَا، يَا رَبِّ! وَيُعَاهِدُهُ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهَا، وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ، لِأَنَّهُ يَرَى مَالَا صَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ. فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا، فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا، ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِيَ أَحْسَنُ مِنَ الْأُوْلٰى. فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! أَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ لِأَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا وَأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا، لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا. فَيَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ! أَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ أَنْ لَا تَسْأَلَنِيْ غَيْرَهَا؟ فَيَقُوْلُ: لَعَلِّيْ إِنْ أَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْأَلُنِيْ غَيْرَهَا. فَيُعَاهِدُهُ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهَا، وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ، لِأَنَّهُ يَرَى مَالَا صَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا، فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِيَ أَحْسَنُ مِنَ الْأُوْلَيَيْنِ، فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! أَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ لِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَأَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا، لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا، وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِأَنَّهُ يَرَى مَالَا صَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ، فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا، فَإِذَا أَدْنَاهُ مِنْهَا، فَيَسْمَعُ أَصْوَاتَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! أَدْخِلْنِيْهَا. فَيَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَا يَصْرِيْنِيْ مِنْكَ؟ أَيُرْضِيْكَ أَنْ أُعْطِيَكَ الدُّنْيَا وَمِثْلَهَا مَعَهَا؟ قَالَ: يَا رَبِّ أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ"

فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ: أَلَا تَسْأَلُوْنِيْ مِمَّ أَضْحَكُ؟ فَقَالُوْا: مِمَّ تَضْحَكُ؟ قَالَ: هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوْا: مِمَّ تَضْحَكُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:" مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ: أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ فَيَقُوْلُ: إِنِّيْ لَا أَسْتَهْزِئُ مِنْكَ، وَلٰكِنِّيْ عَلٰى مَا أَشَاءُ قَادِرٌ"

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا وہ کبھی چلے گا، کبھی اوندھے منہ گرے گا اور کبھی جہنم کی آگ اس کو جلائے گی (یونہی گرتا پڑتا وہ جہنم سے نکل آئے گا) پھر جب وہ جہنم سے نکل کر آگے بڑھ جائے گا تو جہنم کی طرف متوجہ ہوگا، اور کہے گا: بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات عطا فرمائی، بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا عطا فرمایا کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو اتنا عطا نہیں فرمایا، پس اس کے سامنے ایک درخت ظاہر کیا جائے گا، پس وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے اس درخت کے قریب کردے تاکہ میں اس کے سایہ کے نیچے بیٹھوں اور اس کا پانی پیوں۔ اللہ عزوجل فرمائیں گے: اے ابن آدم! شاید اگر میں تیری یہ مانگ پوری کروں تو تو مجھ سے کچھ اور مانگے گا، وہ عرض کرے گا؟ نہیں، اے پروردگار! اور وہ اللہ تعالیٰ سے عہد باندھے گا کہ وہ اور کچھ نہیں مانگے گا، اور اللہ عزوجل اس کا عذر قبول فرمالیں گے، اس لئے کہ وہ ایسی نعمت کا مشاہدہ کرے گا جس پر وہ صبر نہیں کرسکے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت سے قریب کردیں گے، پس وہ اس کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کا پانی پئے گا، پھر اس کے لئے ایک اور درخت ظاہر کیا جائے گا جو پہلے درخت سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگا، پس وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے اس سے قریب کردے تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کے سایہ میں بیٹھوں، میں آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا، پس اللہ تعالیٰ کہیں گے: اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تو کچھ اور نہیں مانگے گا، اللہ تعالیٰ کہیں گے: شاید اگر میں تجھے اس کے قریب کردوں تو تو کچھ اور مانگے؟ پس وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرے گا کہ وہ کچھ اور نہیں مانگے گا، اور پروردگار اس کا عذر قبول فرمالیں گے، اس لئے کہ وہ ایسی نعمت کا مشاہدہ کرے گا جس پر وہ صبر نہیں کرسکے گا، پس اس کو اس درخت سے قریب کردیا جائے گا، پس وہ اس کے سایہ میں بیٹھے گا اور اس کا پانی پئے گا، پھر اس کے لئے جنت کے دروازہ پر ایک درخت ظاہر کیا جائے گا جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ خوبصورت ہوگا، پس وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے اس سے قریب کردے تاکہ میں اس کے سایہ میں بیٹھوں اور اس کا پانی پیوں، میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگوں گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تو مجھ سے اور کچھ نہیں مانگے گا؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں، اے میرے رب! یہ عطا فرمادے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگوں گا، اور پروردگار اس کا عذر قبول فرمالیں گے، اس لئے کہ وہ ایسی نعمت کا مشاہدہ کرے گا جس پر صبر نہیں کرسکے گا، پس اللہ تعالیٰ اس کو اس درخت سے قریب کردیں گے، پس جب وہ اس سے قریب ہوگا تو وہ جنتیوں کی آوازیں سنے گا، پس عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! مجھے جنت میں داخل کردے، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا چیز روکے گی مجھے تجھ سے؟ یعنی تیرا سوال کس چیز پر ختم ہوگا؟ کیا تو اس سے راضی ہوجائے گا کہ میں تجھے دنیا اور اس کے ساتھ اس کے بقدر دیدوں؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے ربّ! آپ مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں، حالانکہ آپ جہانوں کے پالنہار ہیں۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنسے اور انھوں نے (تلامذہ سے) فرمایا: تم مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں کیوں ہنسا؟

تلامذہ نے پوچھا: آپ کیوں ہنسے؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: اسی طرح نبی ﷺ بھی ہنسے تھے، پس صحابہ نے پوچھا: آپ کیوں ہنسے اے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا: پروردگار عالم کے ہنسنے کی وجہ سے جب اس نے کہا: کیا آپ مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں، حالانکہ آپ تمام جہانوں کے رب ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میں تجھ سے ٹھٹھا نہیں کررہا لیکن میں ہر اس چیز پر قادر ہوں جو چاہتا ہوں۔

لغات: قوله: يَكْبُو مرة: كَبَا يَكْبُو كَبْوًا وَكُبُوًّا لوجهه: منہ کے بل گرنا...... قوله: تَسْفَعُه النار: سَفَعَه (ف) سَفْعًا...... السُّمُومُ وَجْهَه: لُو کا چہرہ کو جھلس کر رنگ بدل دینا...... السَّوَافِع: لُو کی لپٹیں، مفرد سافعة...... قوله: ماجاوزها: ما زائدہ ہے...... قوله: ما أعطاه أحدا من الأولين والآخرين: ممکن ہے اس کو صالحین کا جنت میں فروکش ہونا معلوم نہ ہو اور نہ اس نے کسی کو جہنم سے نکلتے دیکھا ہو، اس لئے خود کو سب سے بڑا خوش نصیب سمجھ کر یہ بات کہے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب کوئی نہایت پریشان سختیوں اور تکالیف سے چھٹکارا پاتا ہے تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا اور وہ خود کو سب سے بڑا خوش نصیب سمجھنے لگتا ہے...... قوله: فترفع له شجرة: اس درخت کے ساتھ پانی کا چشمہ بھی ہوگا...... قوله: أَدْنِنِيْ من هذه الشجرة: أَدْنٰى إِدْنَاءً: کسی کے قریب کرنا، دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا وَدَنَاوَةً: للشيئ ومنه واليه: کسی چیز کے قریب ہونا، صفت دان، جمع دُنَاة ...... قوله: فلأَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا: فا سببیہ اور لام زائدہ ہے یا برعکس ہے یعنی لام سببیہ اور فا زائدہ ہے، اِسْتَظَلَّ بِالظِّلِّ: سایہ کے نیچے بیٹھنا، من الشيئ: سایہ لینا...... قوله: يرى مالا صبر له عليه: عليه کی ضمیر کا مرجع ما ہے اور بعض نسخہ میں علیها ہے، پس ما بتاویل نعمت ہے، اور علی بمعنی عن ہے (نووی) ...... قوله: ما يَصْرِيْنِيْ: (بفتح الياء وسكون الصاد) صَرى سے ماخوذ ہے اور قطع کے معنی میں ہے، یعنی کس چیز سے راضی ہوگا اور تیرا سوال ختم ہوگا...... قوله: من ضحک رب العالمين: اللہ تعالیٰ کا ہنسنا از قبیل متشابہات ہے اس کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھی جاسکتی، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی یہ ادا پسند آئے گی...... قوله: أَتَسْتَهْزِئُ مِنِّي: جب اللہ تعالیٰ دنیا کے بقدر اور اس کا دس گنا عطا فرمائیں گے تو بندہ اس کو مستبعد سمجھے گا اور عرض کرے گا: آپ مجھ سے مذاق کررہے ہیں حالانکہ آپ رب العالمین ہیں؟ اس جملہ کی ابھی متعدد توجیہیں گذری ہیں، ایک توجیہ یہ ہے کہ استفہام انکاری ہے، یعنی مجھ کو یقین ہے کہ آپ مجھ سے مذاق نہیں کررہے ہیں اس لئے کہ آپ جہانوں کے پالنہار ہیں، مگر میں بھلا اس انعام واکرام کے لائق کہاں؟ اللہ تعالیٰ جواب دیں گے: لَا أَسْتَهْزِئُ منک ولكني على ما أشاء قادر: تو اہل نہیں ہے، مگر میں تجھ کو اہل بنانے پر قادر ہوں۔

[۳۱۱-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِيْ بُكَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِيْ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ

اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً رَجُلٌ صَرَفَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ قِبَلَ الْجَنَّةِ. وَمَثَّلَ لَهُ شَجَرَةً ذَاتَ ظِلٍّ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ! قَدِّمْنِيْ إِلَى هٰذِهِ الشَّجَرَةِ أَكُوْنُ فِيْ ظِلِّهَا" وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ. وَلَمْ يَذْكُرْ: " فَيَقُوْلُ: يَا ابْنَ آدَمَ! مَا يَصْرِيْنِيْ مِنْكَ" إِلَى آخِرِ الْحَدِيْثِ، وَزَادَ فِيْهِ: "وَيُذَكِّرُهُ اللّٰهُ سَلْ كَذَا وَكَذَا" فَإِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ: " هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ" قَالَ: "ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ. فَتَقُوْلَانِ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَاكَ لَنَا وَأَحْيَانَا لَكَ. قَالَ: فَيَقُوْلُ: مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُعْطِيْتُ"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنتیوں میں سے ادنی درجہ کا جنتی وہ شخص ہوگا جس کا چہرہ اللہ جہنم سے پھیر کر جنت کی طرف کرے گا، اور اس کے لئے ایک سایہ دار درخت ظاہر کرے گا، وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے اس درخت تک پہنچادے تاکہ میں اس کے سایہ میں رہوں۔ پھر حدیث ابن مسعودؓ کی حدیث کی طرح بیان کی، اور یہ ذکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! تیرا سوال کس چیز پر ختم ہوگا، آخر حدیث تک (مضمون اس حدیث میں نہیں ہے) اور اس حدیث میں یہ اضافہ ہے: اور اللہ اسے (بار بار) یاد دہانی کرائیں گے کہ فلاں اور فلاں چیز مانگ پس جب اس کی آرزوئیں پوری ہوجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "وہ سب تیرے لئے ہے اور اس کا دس گنا ہے" فرمایا: پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا، اور اس کے پاس اس کی دو بیویاں آئیں گی جو حورعین میں سے (گوری، بڑی آنکھوں والی) ہونگی، وہ کہیں گی: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے آپ کو ہمارے لئے اور ہمیں آپ کے لئے زندہ رکھا، راوی کہتے ہیں: پس وہ کہے گا: جتنا مجھے دیا گیا کسی اور کو اتنا نہیں دیا گیا۔

قوله: أحياك لنا وأحيانا لك: لفظ أحیا میں خلود اور ہمیشگی کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں ہمیشہ اکٹھا رکھیں گے اور یہ سرور کی زندگی دائمی ہوگی، کبھی موت نہیں آئے گی، ارشاد پاک ہے: ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (فتح الملہم)

قوله: ما أعطي أحد مثل ما أعطيت: شاید دوسرے جنتیوں کو جو عطا ہوا ہے اس کو اس کی خبر نہ ہوگی، اس لئے وہ یہ بات کہے گا (نووی)

[۳۱۲-] حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مُطَرِّفٍ وَابْنِ أَبْجَرَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، رِوَايَةً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ طَرِيْفٍ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ سَعِيْدٍ. سَمِعَا الشَّعْبِيَّ يُخْبِرُ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُهُ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَرْفَعُهُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ

الْحَكَمِ، وَاللَّفْظُ لَهُ- قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ وَابْنُ أَبْجَرَ، سَمِعَا الشَّعْبِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ. قَالَ سُفْيَانُ: رَفَعَهُ أَحَدُهُمَا- أُرَاهُ ابْنَ أَبْجَرَ- قَالَ: "سَأَلَ مُوسَى رَبَّهُ: مَا أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً؟ قَالَ: هُوَ رَجُلٌ يَجِيءُ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ فَيُقَالُ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ. فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! كَيْفَ؟ وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ؟ فَيُقَالُ لَهُ: أَتَرْضَى أَنْ يَكُونَ لَكَ مِثْلُ مُلْكِ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ: رَضِيتُ رَبِّ! فَيَقُولُ: لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ. فَقَالَ فِي الْخَامِسَةِ: رَضِيتُ رَبِّ! فَيَقُولُ: هَذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ. وَلَكَ مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ. فَيَقُولُ: رَضِيتُ رَبِّ قَالَ: رَبِّ فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةً؟ قَالَ: أُولَئِكَ الَّذِينَ أَرَدْتُ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِي، وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا، فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ" قَالَ: وَمِصْدَاقُهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾

ترجمہ: شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے: انھوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جز وجل سے پوچھا: ادنیٰ درجہ کے جنتی کی پہچان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ وہ شخص ہے جو جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد آئے گا، پس اس سے کہا جائے گا: جنت میں چلا جا، وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! کس طرح جاؤں؟ لوگ اپنے ٹھکانے بنا چکے اور اپنی جگہیں لے چکے ہیں؟ (اب میرے لئے جگہ کہاں رہی؟) پس اس سے کہا جائے گا: کیا تو اس پر راضی ہے کہ تیرے لئے دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے ملک کے بقدر ہو، وہ عرض کرے گا: میں راضی ہوں اے میرے رب! پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے لئے یہ ہے اور اس کے مانند، اور اس کے مانند، اور اس کے مانند، پس وہ پانچویں مرتبہ میں کہے گا: اے میرے رب! میں راضی ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے لئے یہ ہے اور اس کا دس گنا، اور تیرے لئے ہے ہر وہ چیز جس کی تیرا نفس خواہش کرے گا اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی، وہ کہے گا: اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اعلیٰ درجہ کا جنتی کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو میں نے منتخب کیا، لگائی (بوئی) میں نے ان کی شرافت وعزت اپنے ہاتھوں سے، اور اس پر مہر لگادی (ان کے واسطے وہ ہے) جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گذرا، اور اس کی تصدیق سورۃ السجدہ کی آیت (۱۷) سے ہوتی ہے: "کوئی شخص نہیں جانتا کہ کیا چھپایا گیا ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے، یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے" یعنی راتوں میں اٹھ کر اور لوگوں سے چھپ کر انھوں نے جو عبادتیں کیں تھیں اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں، جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

قوله: رواية إن شاء الله تعالى: علامہ عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ روایةً، یَرْفَعُه، یَنْمِیه اوریَبْلُغ وغیرہ الفاظ مترادف ہیں اورسب احادیث کومرفوع کرنے کے لئے موضوع ہیں، یعنی محدثین ان الفاظ کے ذریعہ نبی ﷺ کی طرف حدیث کی نسبت کرتے ہیں، اوراس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ـــــ اور لفظ إن شاء الله سے اگرچہ شک پیدا ہوتا ہے مگراس سے روایت پرکوئی فرق نہیں پڑے گا، اس لئے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی متعدد سندیں تحریر فرمائی ہیں اورایک کے علاوہ باقی سب میں جزم کے الفاظ موجود ہیں، علاوہ ازیں حضرت رحمہ اللہ یہ حدیث اصول میں نہیں لائے ہیں یعنی اس کوباب کی بنیادی روایت نہیں بنایا ہے، بلکہ متابعت اوراستشہاد کے طور پرذکرفرمایا ہے اورمتابعت واستشہاد میں ضعیف ومشکوک روایت لائی جاسکتی ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، ہاں اصول میں ایسی مشکوک روایت پیش کرنا درست نہیں (فتح الملہم)

قوله: رَفَعَه أَحَدُهما: ضمیر تثنیہ ابن عیینہ کے شیوخ مطّرف اورابن ابجر کی طرف راجع ہے، یعنی ابن ابجر نے (جن کا نام عبدالملک بن سعید بن حیان بن ابجر ہے) حدیث کومرفوع کیا ہے اورمطرف نے حضرت مغیرہؓ پرموقوف، اور قاعدہ ہے کہ جب ثقات کے درمیان حدیث کے مرفوع اورموقوف ہونے میں اختلاف ہوتوحدیث کومرفوع قراردیتے ہیں۔

قوله: وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ: قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: معناه: هو ما أخذوه من كرامة مولاهم وحصلوه: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پرجوانعام واکرام ہوا ہے جس کوانھوں نے لیا ہے اورجس پرقابض ہوئے ہیں، یا یہ قصدوا منازلهم ہی کے معنی میں ہے پس جملہ مترادفہ ہے۔

قوله: هذا لک وعشرة أمثاله: دنیا میں بادشاہوں کی حکومتیں کم وبیش ہوتی ہیں، پوری زمین پرکسی کی حکومت نہیں ہوتی، ہاں چار پانچ بادشاہوں کی مل کرپوری زمین پرحکومت ہوتی ہے، اس بندہ کوپانچ بادشاہوں کی حکومتوں کے بقدردیاجائے گا، اوریہ پوری دنیا کے برابر ہے، پھرکہا جائے گا: تیرے لئے مزیداس کا دس گنا ہے۔ غرض یہ روایت گذشتہ روایتوں کے موافق ہے (نووی)

قوله: أُولئک الذين أَرَدتُّ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بيدی: أَرَدتُّ: أی إِختَرتُ وَاصْطَفَيْتُ: میں نے منتخب کرلیا ہے، چھانٹ لیا ہے...... أَرَدتُّ کا تعلق غَرَسْتُ سے نہیں، یہ مستقل فعل ہے، یاغَرَسْتُ مصدر کے معنی میں ہے، جیسے تَسْمَعُ بالمُعَيْدِیِّ خيرٌ مِنْ أَنْ تَرَاه اس میں فعل تسمع مصدر کے معنی میں ہے، پس تقدیری عبارت ہوگی: أردتُّ غَرْسَ كرامتهم، چنانچہ جمع الفوائد میں یہی الفاظ ہیں، یاپھر اردتُّ کے بعد واؤ عاطفہ محذوف ہوگا، اس صورت میں أردت کا مفعول بہ پوشیدہ ہوگا اورتقدیرعبارت ہوگی: أردتُّهم وغَرَسْتُ كرامتَهم بيدی، میں نے ان کومنتخب کیا اوران کی شرافت وکرامت کواپنے ہاتھوں سے جمایا، انعام واکرام کوپودہ سے تشبیہ دے کرفرمایا کہ اس انعام واکرام کے پودے کومیں نے خودلگایا ہے، پس ان کے انعام واکرام اورمقام میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، جس طرح درخت کی جڑ زمین

میں جم جاتی ہے ان کے لئے انعام واکرام اوران کا مقام ثابت ہو چکا ہے، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔

**قوله: ولم يخطر على قلب بشر:** اس میں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت ہے: **ولم يَخْطُر على قلبِ بَشَرٍ ما أكْرَمتُهم به و أعْدَدْتُه لَهُم:** یعنی ان کے انعام واکرام کے لئے جو چیزیں میں نے تیار رکھی ہیں وہاں تک کسی بشر کے خیالات تک کی رسائی ممکن نہیں۔

**[۳۱۳-] حَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبْجَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ: إِنَّ مُوْسٰى سَأَلَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَنْ أَخَسِّ أَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْهَا حَظًّا. وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِهِ.**

**وضاحت:** یہ حدیث ابن ابجر سے عبیداللہ اشجعی نے روایت کی ہے، گذشتہ حدیث ابن عیینہ کی تھی، انھوں نے مطرف اورابن ابجر دونوں سے روایت کی تھی، اور عبیداللہ اشجعی نے تنہا ابن ابجر سے روایت کی ہے، اور موقوف روایت کی ہے، اورابن عیینہ کی طرح روایت کی ہے۔

**قوله: عن أخَسِّ أهل الجنة** (خاءمعجمہ اورشین مشددہ) ادنی ترین جنتی، یعنی دوسرے جنتیوں کی بہ نسبت۔

**[۳۱۴-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ بنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنِّيْ لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلاً الْجَنَّةَ وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا. رَجُلٌ يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَيُقَالُ: اعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهِ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا. فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهِ. فَيُقَالُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا. وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا. فَيَقُوْلُ: نَعَمْ، لاَ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يُنْكِرَ. وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهِ أَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ. فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً. فَيَقُوْلُ: رَبِّ! قَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ لاَ أَرَاهَا هَاهُنَا" فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.**

**ترجمہ:** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا اورسب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا: ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا، پس (فرشتوں سے) کہا جائے گا: اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو، اوراس کے بڑے گناہ چھپادو، پس اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے اوراس سے پوچھا جائے گا: تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ اور یہ یہ کام کئے ہیں؟ اور فلاں دن یہ یہ اور یہ یہ کام کئے ہیں؟ وہ کہے گا: ہاں (یعنی اقرار کرے گا، کیونکہ) انکار کی گنجائش نہیں ہوگی،

درانحالیکہ وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ بڑے گناہ پیش کیے جائیں گے تو کیا ہوگا؟ پس اس سے کہا جائے گا: تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، پس وہ کہے گا: اے میرے رب! تحقیق میں نے کچھ اور بھی گناہ کیے ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھتا، یعنی میں نے تو بڑے بڑے کالے کرتوت کر رکھے ہیں، وہ گناہ مجھے یہاں نظر نہیں آرہے، وہ گناہ پہلے حاضر کیے جائیں پھر ان کو نیکیوں سے بدلا جائے (راوی کہتے ہیں) پس بخدا! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کی ڈاڑھیں کھل گئیں۔

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں جو ابھی گذری ہے سب سے آخر میں جو شخص جہنم سے نکل کر جنت میں جائے گا اس کی الگ حالت بیان ہوئی ہے اور اس حدیث میں اس کی دوسری حالت بیان ہوئی ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ سب سے آخر میں جنت میں جانے والے لوگ متعدد ہونگے اور ان کی حالتیں مختلف ہونگی۔ واللہ اعلم

لغات: ارفعوا عنه: فعل امر، صیغہ جمع مذکر حاضر ہے، اور ترمذی شریف میں أَخْبِئُوا ہے، اس کے معنی چھپانے کے ہیں، اور رفع (ف) الشیئَ کے معنی ہیں: اٹھانا، اور رفع الشیئَ فی خزانته کے معنی ہیں: چھپانا...... مُشْفِق: اسم فاعل، ڈرنے والا، شَفِقَ (س) من الأمر شفقًا: خوف کرنا۔

[۳۱۵-] وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الْإِسْنَادِ.

وضاحت: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ابو معاویہ اور وکیع نے بھی اعمش سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے عبداللہ بن نُمیر نے روایت کی ہے، پھر عبداللہ بن نمیر کے صاحبزادے محمد نے اپنے ابا سے بھی روایت کی ہے اور وہ حدیث اوپر گذری۔ اور ابو معاویہ اور وکیع سے بھی، اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے صرف وکیع سے اور ابو کریب نے صرف ابو معاویہ سے روایت کی ہے۔

[۳۱۶-] حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، كِلَاهُمَا عَنْ رَوْحٍ. قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ الْقَيْسِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُسْأَلُ عَنِ الْوُرُوْدِ، فَقَالَ: نَجِيْءُ نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كَذَا وَكَذَا، انْظُرْ، أَيْ: ذٰلِكَ فَوْقَ النَّاسِ. قَالَ: فَتُدْعَى الْأُمَمُ بِأَوْثَانِهَا وَمَا كَانَتْ تَعْبُدُ، الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ، ثُمَّ يَأْتِيْنَا رَبُّنَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ: مَنْ تَنْظُرُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَنْظُرُ رَبَّنَا. فَيَقُوْلُ: أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ: حَتّٰى نَنْظُرَ إِلَيْكَ. فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ يَضْحَكُ. قَالَ: فَيَنْطَلِقُ بِهِمْ وَيَتَّبِعُوْنَهُ: وَيُعْطٰى كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ، مُنَافِقٍ أَوْ مُؤْمِنٍ، نُوْرًا ثُمَّ يَتَّبِعُوْنَهُ، وَعَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ، تَأْخُذُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُطْفَأُ نُوْرُ الْمُنَافِقِيْنَ، ثُمَّ يَنْجُو الْمُؤْمِنُوْنَ،

فَتَنجُوا أَوَّلُ زُمرَةٍ وُجُوهُهُم كَالقَمَرِ لَيلَةَ البَدرِ، سَبعُونَ أَلفًا لَا يُحَاسَبُونَ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُم كَأَضوَإِ نَجمٍ فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ كَذٰلِكَ، ثُمَّ تَحِلُّ الشَّفَاعَةُ، وَيَشفَعُونَ حَتّٰى يَخرُجَ مِنَ النَّارِ مَن قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَكَانَ فِي قَلبِهِ مِنَ الخَيرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً، فَيُجعَلُونَ بِفِنَاءِ الجَنَّةِ، وَيَجعَلُ أَهلُ الجَنَّةِ يَرُشُّونَ عَلَيهِمُ المَاءَ حَتّٰى يَنبُتُوا نَبَاتَ الشَّيءِ فِي السَّيلِ، وَيَذهَبُ حُرَاقُهُ، ثُمَّ يَسأَلُ حَتّٰى تُجعَلَ لَهُ الدُّنيَا وَعَشَرَةُ أَمثَالِهَا مَعَهَا.

ترجمہ: ابوالزبیر کہتے ہیں: انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے قیامت کے دن لوگوں کے وارد ہونے کے بارے میں پوچھا گیا، پس انھوں نے کہا: ہم (امت محمدیہ) قیامت کے دن اس اس طرح آئیں گے ـــــ دیکھ، یعنی اس طرح لوگوں سے اوپر (ممتاز ہوکر آئیں گے) ـــــ راوی کہتے ہیں: پس امتیں ان کے معبودوں کے ساتھ بلائی جائیں گی، سب سے پہلے جس نے باطل معبودوں کی عبادت کی ہے وہ امت آئے گی، پھر وہ جنھوں نے ان کے بعد عبادت کی ہے، اس کے بعد ہمارا رب جلوہ افروز ہوگا، اور فرمائے گا: تم کس کا انتظار کررہے ہو، وہ (موحدین) کہیں گے: ہم ہمارے رب کا انتظار کررہے ہیں، اللہ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: یہاں تک کہ ہم آپ کو دیکھ لیں، پس اللہ ان پر تجلی فرمائیں گے درانحالیکہ ہنس رہے ہونگے۔ راوی کہتے ہیں: پس اللہ ان کو لے چلیں گے اور سب ان کے پیچھے جائیں گے، اور ان میں سے ہر انسان کو خواہ منافق ہو یا مسلمان ایک نور عطا کیا جائے گا، پھر لوگ اس کے پیچھے چلیں گے، اور جہنم کے پل پر آنکڑے اور کانٹے ہونگے، وہ ان کو پکڑیں گے جن کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، پھر منافقوں کا نور بجھادیا جائے گا، اور مؤمنین نجات پاجائیں گے۔

پس وہ لوگ جو اول وہلہ میں نجات پائیں گے ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہونگے، یہ ستر ہزار ہونگے، ان سے حساب نہیں لیا جائے گا، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہونگے (یعنی دوسرے نمبر پر نجات پائیں گے، ان کے چہرے) آسمان میں روشن ترین ستارے کی طرح ہونگے، پھر اسی طرح (ان کے بعد والے گروہ کے چہرے کچھ کم روشن ہونگے)

پھر سفارش کی اجازت ہوگی اور وہ سفارش کریں گے، یہاں تک کہ جہنم سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس نے لا إله إلا الله کہا ہے اور جس کے دل میں جَو کے برابر بھی نیکی ہے، پھر انھیں جنت کے آنگن میں ڈالا جائے گا، اور جنتی ان پر پانی (آب حیات) ڈالیں گے یہاں تک کہ وہ نکلیں گے پانی کے بہاؤ میں اگنے والی چیز کی طرح (بالکل تروتازہ اور شاداب ہوکر نکلیں گے) اور ان کی جلن کافور ہوجائے گی، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے یہاں تک کہ ان کو دنیا اور اس کے ساتھ اس کا دس گنا دیا جائے گا۔

قوله: يُسأل عن الورود: آیت پاک ﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ کی طرف اشارہ ہے: "اور تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ جہنم پر پہنچنے والا ہے، یہ بات آپ کے پروردگار پر لازم ومقرر ہے" (سورۂ مریم

آیت ۷۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے کردی ہے کہ ہر انسان کو جہنم پر ضرور پہنچنا ہے، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ دوزخ کے اوپر سے ہے۔ پل صراط جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا، جس سے سب کو گذرنا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو وہاں سے صحیح سلامت گذار دیں گے اور کفار کو ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنادیں گے (ہدایت القرآن ۵:۲۸۲)

**قوله: عن كذا وكذا أنظر، أي: ذلك فوق الناس إلخ:** مسلم شریف کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے، اور متقدمین ومتاخرین سب کا اتفاق ہے کہ یہ تصحیف ہے اور الفاظ میں غت ربود ہوا ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں: صحیح حدیث اس طرح ہے: **نجيئ يوم القيامة على كُوْمٍ هكذا، الكُوم** کے معنی ہیں: بلند جگہ، ٹیلہ، اس کی جمع کِیمان ہے، چنانچہ بعض محدثین نے اسی طرح روایت کیا ہے، اور ابن ابی خیثمہ کی کتاب میں کعب بن مالک کے طریق سے حدیث کے یہ الفاظ مروی ہیں: **يُحشر الناسُ يومَ القيامة على تَلٍّ وأُمَّتي على تَلٍّ. التَّلُّ من الأرض** کے معنی ہیں: چھوٹا ٹیلہ، اس کی جمع تِلال وتُلول ہیں اور مفرد تَلَّةٌ ہے۔ اور ابن عمرؓ کی حدیث جس کو طبری نے ذکر کیا ہے اس طرح ہے: **فيرقى هو يعني محمداً صلى الله عليه وسلم وأمته على كوم فوق الناس**، اور کعب بن مالک سے اس طرح بھی مروی ہے: **يُحشر الناس يوم القيامة، فأكون أنا وأمتي على تلٍّ**، قاضی عیاض کہتے ہیں: ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ میں خبط ہوا ہے، یہ الفاظ یا تو راوی پر واضح نہیں ہوسکے یا حروف مٹ گئے، اس لئے **كذا وكذا** سے تعبیر کردیا، پھر اس کی تفسیر اپنے الفاظ میں **أي: فوق الناس** سے کی اور اس پر تنبیہ کے لئے **أنظر** لکھا، مگر ناقلین نے سب کو جمع کردیا اور اس طرح ملا کر لکھ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ متن حدیث کے الفاظ ہیں، **قال القاضي: فهذا كله يبين ما تغير من الحديث وأنه كان أظلم هذا الحرف على الراوي أو أمحي، فعبر عنه بكذا وكذا وفسره بقوله أي فوق الناس، وكتب عليه أنظر تنبيها، فجمع النقلة الكل ونسقوه على أنه من متن الحديث كما تراه، هذا كلام القاضي وقد تابعه عليه جماعة من المتأخرين**، واللہ اعلم (شرح نووی)

—— مگر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے تصحیف کا انکار کیا ہے اور عبارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ آنحضور ﷺ اور آپؐ کی امت اونچی جگہ پر ہونگے اور دوسرے لوگ اس سے نیچے ہونگے، اسی کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم قیامت کے دن اس طرح آئیں گے اور ہاتھ اوپر نیچے رکھ کر اشارہ کرکے دکھایا اور کہا **أنظر كذا وكذا**، پھر **ذلك فوق الناس** سے اس اشارہ کی تفسیر کی۔ واللہ اعلم

**فائدہ:** یہ حدیث شرط مسلم پر پوری نہیں اترتی اس لئے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مرفوع احادیث کا التزام کیا ہے اور یہ پوری روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، مگر چونکہ یہ حدیث دیگر طریق سے مرفوع بھی مروی ہے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کو جگہ دی ہے، چنانچہ ابن ابی خیثمہ نے ابن جریج سے **يضحك** کے بعد مرفوع ہونے کی صراحت کی ہے، اس میں **فيتجلى لهم يضحك** کے بعد اس طرح ہے: **قال: سَمِعْتُ رسولَ الله**

صلى الله عليه وسلم فينطلق بهم إلخ اور خود امام مسلم نے آگے ابن ابی شیبہ وغیرہ سے مروی حدیث شفاعت میں جس میں عُصاۃ مؤمنین کو جہنم سے نکالنے کا تذکرہ ہے، اس پر تنبیہ کی ہے اور اس کی سند اور نبی ﷺ سے سماعت کا تذکرہ کیا ہے (نووی)

[۳۱۷-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا يَقُوْلُ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِأُذُنِهِ يَقُوْلُ: " إِنَّ اللّٰهَ يُخْرِجُ نَاسًا مِنَ النَّارِ فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عمرو بن دینار نے روایت کی ہے اور اس میں نبی ﷺ سے سماعت کی صراحت ہے۔

تعارف: عمرو بن دینار: ابو یحییٰ عمرو بن دینار جلیل القدر محدث ہیں، حضرت سالم بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور معتمر وغیرہ ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی ہے (الاكمال في أسماء الرجال)

[۳۱۸-] حدثنا أَبُوْ الرَّبِيعِ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ: أَسَمِعْتَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ اللّٰهَ يُخْرِجُ قَوْمًا مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ؟" قَالَ: نَعَمْ.

وضاحت: حماد بن زید نے عمرو بن دینار سے پوچھا: کیا آپ نے حضرت جابرؓ سے یہ حدیث إن الله يخرج قوما بیان کرتے ہوئے سنی ہے؟ انھوں نے اقرار کیا، یعنی حماد بن زید نے عمرو بن دینار کے سامنے حدیث پڑھی، اور انھوں نے اقرار کیا، اس کا نام قراءت علی المحدث اور عرض علی المحدث ہے، پہلے اس طریقہ کے جواز میں اختلاف تھا اب یہی طریقہ چل رہا ہے۔ تفصیل گذر چکی ہے اور اس وقت شاگرد سند کے شروع میں کبھی ہمزہ استفہام بڑھاتا تھا اور استاذ آخر میں نعم کہتا تھا، اب اس کا رواج نہیں رہا، تَصَدِّیْ لِلْإِقْرَاء (استاذ کا پڑھانے کے لئے بیٹھنا) ہی اقرار ہے۔

[۳۱۹-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ سُلَيْمٍ الْعَنْبَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ، قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ قَوْمًا يُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ يَحْتَرِقُوْنَ فِيهَا، إِلَّا دَارَاتِ وُجُوْهِهِمْ، حَتّٰى يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یزید الفقیر نے روایت کی ہے، ان کی پیٹھ کے مہروں میں کوئی بیماری تھی، اس کی تکلیف سے وہ جھک گئے تھے، اس لئے فقیر لقب پڑا تھا، یہ غنی کی ضد نہیں ـــــ إلا دارات وجوهم:

یہ دارۃ کی جمع ہے، چہرہ کا چوطرفہ دائرہ، گولائی، اور مطلب یہ ہے کہ جہنم کی آگ سارے بدن کو جلادے گی مگر چہرہ کو محل سجدہ ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

[۳۲۰-] وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ- يَعْنِيْ: مُحَمَّدَ بْنَ أَبِيْ أَيُّوْبَ- قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ، قَالَ: كُنْتُ قَدْ شَغَفَنِيْ رَأْيٌ مِنْ رَأْيِ الْخَوَارِجِ. فَخَرَجْنَا فِيْ عِصَابَةٍ ذَوِيْ عَدَدٍ نُرِيْدُ أَنْ نَحُجَّ، ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ. قَالَ: فَمَرَرْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ فَإِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَالِسٌ إِلٰى سَارِيَةٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. قَالَ: فَإِذَا هُوَ قَدْ ذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. قَالَ: فَقُلْتُ لَهٗ: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! مَا هٰذَا الَّذِيْ تُحَدِّثُوْنَ؟ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ: ﴿إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ﴾ وَ: ﴿كُلَّمَا أَرَادُوْا أَنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا أُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ فَمَا هٰذَا الَّذِيْ تَقُوْلُوْنَ؟ قَالَ: فَقَالَ: أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم- يَعْنِيْ: الَّذِيْ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ فِيْهِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَإِنَّهٗ مَقَامُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم الْمَحْمُوْدُ الَّذِيْ يُخْرِجُ اللّٰهُ بِهٖ مَنْ يُخْرِجُ، قَالَ: ثُمَّ نَعَتَ وَضْعَ الصِّرَاطِ وَمَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِ، قَالَ: وَأَخَافُ أَنْ لَا أَكُوْنَ أَحْفَظُ ذَاكَ، قَالَ: غَيْرَ أَنَّهٗ قَدْ زَعَمَ أَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ أَنْ يَكُوْنُوْا فِيْهَا، قَالَ: يَعْنِيْ فَيَخْرُجُوْنَ كَأَنَّهُمْ عِيْدَانُ السَّمَاسِمِ، قَالَ: فَيَدْخُلُوْنَ نَهْرًا مِنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ،، فَيَخْرُجُوْنَ كَأَنَّهُمُ الْقَرَاطِيْسُ، فَرَجَعْنَا قُلْنَا: وَيْحَكُمْ! أَتُرَوْنَ الشَّيْخَ يَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَرَجَعْنَا. فَلَا وَاللّٰهِ! مَا خَرَجَ مِنَّا غَيْرُ رَجُلٍ وَاحِدٍ، أَوْ كَمَا قَالَ أَبُوْ نُعَيْمٍ.

ترجمہ: محمد بن ابی ایوب کہتے ہیں: مجھ سے یزید الفقیر نے بیان کیا کہ میرے دل میں خوارج کی رایوں میں سے ایک رائے (کہ مرتکبِ کبیرہ دائمی طور پر جہنم میں رہے گا) جاگزیں ہوگئی تھی، پس ہم ایک بڑی جماعت کے ساتھ نکلے، ہمارا ارادہ تھا کہ ہم حج کریں گے، پھر ہم لوگوں کے پاس جائیں گے یعنی حج کے بعد خوارج کے مذہب کی اشاعت کریں گے، یزید کہتے ہیں: ہم مدینہ منورہ سے گذرے تو اچانک حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک ستون کے پاس بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرر ہے تھے، یزید کہتے ہیں: پس اچانک انھوں نے جہنمیوں کا تذکرہ کیا (یعنی یہ بیان کیا کہ ایک وقت کے بعد گنہ گار مؤمنین جہنم سے نکال لئے جائیں گے) یزید کہتے ہیں: میں نے ان سے عرض کیا: اے صحابیِ رسول! آپ کیا حدیث بیان کرر ہے ہیں (غور کرلیں، آپ کا بیان نصوصِ قرآنیہ کے خلاف ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”بیشک آپ نے جسے دوزخ میں پہنچایا تو تحقیق آپ نے اسے رسواء کیا“ (آل عمران آیت ۱۹۲) اور ”دوزخی جب جب جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں لوٹائے جائیں گے“ (السجدہ آیت ۲۰) (ان آیتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ جہنم میں سے کوئی نہیں

نکلے گا) پس آپ کیا فرما رہے ہیں؟ (غور کرلیں) یزید کہتے ہیں: حضرت جابرؓ نے پوچھا: کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں (پڑھا ہے) حضرت جابرؓ نے کہا: کیا تو نے محمد ﷺ کا وہ مقام پہچانا ہے جس پر اللہ تعالیٰ قیامت میں آپؐ کو مبعوث فرمائیں گے؟ میں نے کہا: ہاں، حضرت جابرؓ نے کہا: محمد ﷺ کا مقام وہی مقام محمود ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ جس کو نکالنا چاہیں گے دوزخ سے نکالیں گے۔ یزید کہتے ہیں: پھر حضرت جابرؓ نے پل صراط رکھے جانے اور اس پر سے لوگوں کے گذرنے کا حال بیان کیا، یزید کہتے ہیں: اور مجھے ڈر ہے کہ نہیں یاد رکھ سکا تھا میں وہ بات، یعنی ہوسکتا ہے مجھے پوری بات یاد نہ رہی ہو (یہ راوی کی احتیاط ہے) یزید کہتے ہیں: علاوہ ازیں حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ جہنم میں ڈالے جانے کے بعد اس میں سے نکلیں گے، گویا کہ وہ آبنوس کی لکڑیاں ہیں، پس وہ جنت کی نہروں میں سے کسی نہر میں ڈالے جائیں گے، وہ اس میں نہائیں گے اور اس میں سے نکلیں گے گویا کہ وہ سفید کاغذ ہیں (صاف وشفاف اور تروتازہ نکلیں گے، آتشِ دوزخ کا ان پر مطلق اثر نہ ہوگا) یزید کہتے ہیں: (یہ حدیث سن کر) ہم لوٹ گئے، اور ہم نے (باہم ایک دوسرے سے) کہا: بھلے مانسو! کیا یہ شیخ نبی ﷺ پر جھوٹ بول رہا ہے؟ (استفہام انکاری ہے یعنی اس نے جھوٹ روایت نہیں کی، سچ بول رہا ہے) پس ہم لوگ لوٹ گئے یعنی اپنے سابقہ مذہب سے تائب ہوگئے، پس بخدا! ہم میں سے کسی نے سوائے ایک شخص کے تائب ہونے سے انحراف نہیں کیا، یا جیسا ابونعیم نے کہا: —— یہ امام مسلمؒ کے شیخ الشیخ فضل بن دُکین کی کنیت ہے، اور یہ جملہ از قبیل ادب ہے، جب راوی کوئی بات بالمعنی روایت کرتا ہے تو روایت کے آخر میں احتیاطاً او کما قال بڑھاتا ہے۔

لغات: شَغَفَنِیْ: شَغَفَهُ (ف) شَغْفًا: دل کے پردہ کو زخمی کرنا...... فُؤادَہ: دل پر غالب ہونا، اور باب سمع سے شَغَفًا کے معنی ہیں: فریفتہ ہونا...... عِصَابَةٌ ذوی عَدَدٍ: أی جماعة کثیرة ...... ساریة: ستون جمع سواری...... نَعَتَه (ف) نَعْتًا: تعریف کرنا، بیان کرنا (اکثر اس کا استعمال صفاتِ حسنہ کے لئے ہوتا ہے) نَعَتَ الکلمةَ: کلمہ کے لئے صفت لانا...... عیدان: العُود کی جمع لکڑی، کٹی ہوئی ٹہنی، ایک قسم کی خوشبو جس کو بطور بخور استعمال کیا جاتا ہے...... السَّمَاسِم: سِمسِم کی جمع ہے، ایک معروف درخت جس کے دانے باریک اور کالے ہوتے ہیں، سمسم کی لکڑیاں دھوپ میں رکھنے سے کالی پڑجاتی ہیں اور اس میں سے باریک اور سیاہ دانے نکلتے ہیں جو جلے ہوئے دانہ کی طرح ہوتے ہیں، جہنمیوں کو اس دانہ سے تشبیہ دی کہ ان کی صورتیں جل کر سیاہ ہوجائیں گی...... القراطیس: قرطاس کی جمع ہے: کاغذ۔

تشریح:

۱- معتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ جو توبہ کئے بغیر مرگیا ہو دائمی طور پر جہنم میں رہے گا، اور اس کے حق میں کسی کی سفارش سودمند نہیں ہوگی، اور احادیث شفاعت کو انھوں نے ترقی درجات اور شفاعت کبریٰ وغیرہ پر محمول کیا ہے یا پھر ان کا انکار کیا ہے، اور ان کا بنیادی استدلال ان آیات سے ہے جن میں سفارش کے سودمند ہونے کی نفی کی گئی

ہے۔مثلاً:ارشادِ پاک ہے:﴿ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِينَ ﴾:سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کچھ کام نہیں آئے گی (المدثر آیت ۴۸)اوراس کا جواب یہ ہے کہ یہ اوراس قسم کی آیات کفار سے متعلق ہیں، وہ مؤمنین کے بارے میں نہیں ہیں، یعنی کفار ومشرکین کے حق میں کسی کی سفارش سودمند نہیں ہوگی،اوران کو ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہنا ہوگا۔علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن مجید میں عام طور پر کفاراور صالح مسلمانوں کا تذکرہ ہے، فاسق مسلمانوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت کم آیا ہے،اس لئے عام طور پر اہل نار کے لئے خلود کا ذکر آتا ہے،اور فاسق مسلمانوں کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے، پس مذکورہ دوآیات جن سے یزید الفقیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معارضہ کیا ہے اور وہ آیات جن میں شفاعت کے سودمند ہونے کی نفی ہے، ان آیات واحادیث کا محمل کفار ومشرکین ہیں، یعنی کفار ومشرکین کے حق میں شفاعت مطلق کارگر نہیں ہوگی، ان کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں رہ کر ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا ہوگا، اور وہ جب بھی نکلنے کا ارادہ کریں گے دوبارہ وہیں دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے،اور گنہ گار مسلمانوں کے حق میں سفارشیں سودمند ہونگی، اور یہ بات حدیثوں میں آئی ہے، اور وہ سب حدیثیں مل کر حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں، نیز سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (۷۹) سے بھی اس کا ثبوت ہے۔ارشادِ پاک ہے:﴿ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾:علامہ طبریؒ فرماتے ہیں: اکثر مفسرین نے مقامِ محمود سے شفاعتِ کبریٰ کو مراد لیا ہے، جس کے باعث حساب وکتاب کا سلسلہ شروع ہوگا، اور اہلِ محشر کو (مؤحدین کو) حشر کی سختیوں سے راحت ملے گی۔غرض: مقامِ محمود سے شفاعت مراد ہے اوراس کی دوقسمیں ہیں: شفاعتِ عامہ: جواہل محشر کا حساب وکتاب شروع کرانے کے سلسلہ میں ہوگی اور شفاعتِ خاصہ: جو بلاحساب وکتاب جنت میں داخل کرانے کے لئے، جنتیوں کے درجات بلند کرانے کے لئے اور جہنمیوں کو جہنم سے نکالنے کے لئے ہوگی،علماء نے نبی ﷺ کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں، جن کو حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں جمع کیا ہے اور ان میں سے بعض ہم نے اسی باب کے شروع میں لکھی ہیں، وہ سب قسمیں مقامِ محمود میں داخل ہیں،غرض قرآنِ کریم سے بھی جہنمیوں کے جہنم سے نکالے جانے کا ثبوت ہے۔

۲-مقامِ محمود کا لفظی ترجمہ ہے:"تعریف کیا ہوا مرتبہ" مقامِ محمود کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور وہ تمام اقوال حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں جمع کئے ہیں، پھر فرمایا ہے: ان تمام اقوال کا قدر مشترک شفاعتِ عامہ ہے، آپ ﷺ کو حمد کا جھنڈا عنایت ہونا، آپؐ کا رب العالمین کا تعریف کرنا، ان کے روبرو کلام کرنا، کرسی پر بیٹھنا، اور جبرئیل علیہ السلام سے بھی قریب تر ہوجانا وغیرہ باتیں مقامِ محمود کی صفات میں سے ہیں، اوراس مقام کی بدولت آپؐ اللہ عزوجل کے حضور میں حساب وکتاب شروع کرنے کی اور گنہ گار مؤمنین کو جہنم سے نکالنے کی درخواست کریں گے (فتح الملہم) اور فوائد عثمانی میں ہے: مقام محمود: شفاعت عُظمیٰ کا مقام ہے، جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کرکے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے، اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ

کی تعریف کرے گا، گویا شانِ محمودیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔ انتہی کلامہ۔

[۳۲۱-] حدثنا هَدَّابُ بْنُ خَالِدِ الْأَزْدِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ وَثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ أَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ، فَيَلْتَفِتُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ! إِذْ أَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَلَا تُعِدْنِيْ فِيْهَا، فَيُنْجِيْهِ اللّٰهُ مِنْهَا"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ سے چار بندے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے، ان میں سے ایک جہنم کی طرف متوجہ ہوگا اور عرض کرے گا: اے میرے رب! جب آپ نے مجھے جہنم سے نکال لیا تو دوبارہ مجھے وہاں نہ بھیج، پس اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

تشریح: شاید ان چاروں کو ان کے بہت زیادہ چیخ وپکار کرنے کی وجہ سے جہنم سے نکال کر بارگاہِ ایزدی میں پیش کیا جائے گا، جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو لوگ جہنم میں گئے ہیں ان میں سے دو شخص بہت زیادہ روئیں گے اور چلائیں گے، پس اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ دونوں کو جہنم سے نکالو، وہ دونوں نکالے جائیں گے، ان سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: تم دونوں اس قدر کیوں رو چلا رہے ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہم نے یہ حرکت اس لئے کی ہے کہ آپ ہم پر رحم فرمائیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "میرا رحم تم پر یہ ہے کہ تم دونوں جاؤ اور خود کو وہیں ڈالو، جہاں تم دوزخ میں تھے" پس دونوں چلیں گے اور ان میں سے ایک خود کو جہنم میں ڈالے گا، پس اللہ تعالیٰ جہنم کو اس کے لئے بردوسلام بنا دیں گے، اور دوسرا کھڑا رہے گا، وہ خود کو جہنم میں نہیں ڈالے گا، پس اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو خود کو جہنم میں ڈالے، جس طرح تیرے ساتھی نے ڈالا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے امید تھی کہ آپ مجھے جہنم سے نکالنے کے بعد پھر اس میں نہیں لوٹائیں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تیرے لئے تیری امید ہے، یعنی تیری امید پوری کی جاتی ہے، پس دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے جنت میں داخل کئے جائیں گے (ترمذی حدیث نمبر ۲۵۹۷)

[۳۲۲-] حدثنا أَبُوْ كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ- وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ كَامِلٍ- قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّوْنَ لِذٰلِكَ، وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ: فَيُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ- فَيَقُوْلُوْنَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، قَالَ: فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو الْخَلْقِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، فَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ،

فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا، أَوَّلَ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ. قَالَ: فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا. فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، فَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوْا إِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ اتَّخَذَهُ اللّٰهُ خَلِيْلاً، فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ. وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ أَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُوْسَى الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ. قَالَ: فَيَأْتُوْنَ مُوْسَى فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّذِيْ أَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا. وَلٰكِنِ ائْتُوْا عِيْسَى رُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهُ. فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى رُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهُ. فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ. وَلٰكِنْ ائْتُوْا مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم عَبْدًا قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" فَيَأْتُوْنِيْ. فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا. فَيَدَعُنِيْ مَاشَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ! قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ، فَأَحْمَدُ رَبِّيْ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ رَبِّيْ، ثُمَّ أَشْفَعُ. فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ. ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَقَعُ سَاجِدًا. فَيَدَعُنِيْ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَدَعَنِيْ. ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ! قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ، فَأَحْمَدُ رَبِّيْ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ. ثُمَّ أَشْفَعُ. فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ- قَالَ: فَلاَ أَدْرِيْ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ، قَالَ: فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ! مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، أَيْ: وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ" قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِيْ رِوَايَتِهِ. قَالَ قَتَادَةُ: أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (تمام) لوگوں کو جمع کریں گے، پھر وہ حشر ونشر کی پریشانی دور کرنے کے لئے کوشش کریں گے۔ اور ابن عُبید کہتے ہیں: وہ اس بات کا الہام کئے جائیں گے، پس وہ کہیں گے: کاش ہم سفارش کرائیں اپنے پروردگار کے پاس، تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے، راوی کہتے ہیں: پس وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، اوران سے کہیں گے: آپ تمام لوگوں کے ابا آدم ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا (اضافت تشریف کے لئے ہے) اور آپ میں اپنی روح پھونکی (یہ اضافت بھی تشریف کے لئے ہے) اور فرشتوں کو حکم دیا، پس انھوں نے آپ کو سجدہ کیا (جس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام ومرتبہ واضح ہوا) آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے پاس سفارش کریں، تاکہ وہ ہمیں آرام پہنچائیں ہماری اس جگہ سے، یعنی میدانِ محشر سے آگے بڑھائیں اور جنت میں پہنچائیں —— پس حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے: نہیں ہوں میں وہاں، یعنی میں اس مقصد سے بارگاہِ خداوندی میں حاضر نہیں ہوسکتا، اور وہ اپنے گناہ کو یاد کریں گے جو ان سے سرزد ہوا تھا، پس وہ اس گناہ کی وجہ سے اپنے رب سے شرمائیں گے (یعنی سفارش کرنے میں جھجکیں گے، اور کہیں گے) بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے (زمین والوں کی طرف) بھیجا ہے۔

چنانچہ وہ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: نہیں ہوں میں وہاں، اور وہ اپنی وہ خطا یاد کریں گے جوان سے سرزد ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے وہ بارگاہِ خداوندی میں سفارش کرنے سے شرمائیں گے (اور کہیں گے:) بلکہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، ان کو اللہ تعالیٰ نے جگری دوست بنایا تھا۔

چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس وہ کہیں گے: نہیں ہوں میں وہاں، اور وہ اپنے اس گناہ کو یاد کریں گے جوان سے سرزد ہوا تھا، اس وجہ سے وہ بارگاہِ خداوندی میں سفارش کرنے سے شرمائیں گے (اور کہیں گے) بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، ان کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ کلام بخشا تھا اور توریت عطا فرمائی تھی۔

چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: نہیں ہوں میں وہاں، اور وہ اپنے اس گناہ کو یاد کریں گے جوان سے سرزد ہوا تھا، اس وجہ سے وہ بارگاہِ خداوندی میں سفارش کرنے سے شرمائیں گے (اور کہیں گے) بلکہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ ہیں [1] (دونوں اضافتیں تشریف کے لئے ہیں)

چنانچہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے جو اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ ہیں، پس وہ کہیں گے: نہیں ہوں میں وہاں، بلکہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس وہ میرے پاس آئیں گے پس میں اپنے پروردگار سے اجازت طلب کروں گا، پس مجھے اجازت دی جائے گی، (یہاں تک شفاعتِ کبریٰ کا بیان ہے)

(اگلا جملہ مستأنفہ ہے اور اس میں شفاعت صغریٰ کا بیان ہے) پس جب میں پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا، پس مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھیں گے جتنا اللہ عزوجل چاہیں گے، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے آپ دیئے جائیں گے، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا ایسی تعریف جو اللہ تعالیٰ مجھے (اس وقت) سکھلائیں گے۔

پھر میں سفارش کروں گا، پس میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی (مثلاً کہا جائے گا کہ آپ بے نمازیوں کے لئے سفارش کریں) پس میں ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا، پھر میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹوں گا، اور سجدہ میں گر پڑوں گا، پس اللہ تعالیٰ جتنا مجھے سجدہ میں رکھنا چاہیں گے سجدہ میں رکھیں گے، پھر کہا جائے گا: اے محمد! سر اٹھایئے، کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے آپ دیئے جائیں گے، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی تعریف کروں گا ایسی تعریف جو میرا رب مجھے (اس وقت) سکھلائے گا، پھر میں سفارش کروں گا، پس میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی (مثلاً: آپ زنا کاروں کے لئے سفارش کریں) پس میں ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

---

(۱) روح اللہ و کلمتہ کے مطلب کے لئے دیکھیں: ص ۱۰۴ حدیث نمبر ۴۶ کی شرح ۱۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ آپ نے تیسری مرتبہ میں یا چوتھی مرتبہ میں ارشاد فرمایا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! انہیں باقی رہا دوزخ میں مگر وہ شخص جس کو قرآن مجید نے روک لیا ہے، یعنی جس پر ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں رہنا واجب ہوگیا ہے ـــــ حَبَسَه القرآن کی تفسیر وجب عليه الخلود: قتادہ نے کی ہے۔ امام مسلمؒ کے دوسرے استاذ محمد بن عبید نے اپنی روایت میں اس کی صراحت کی ہے۔

لغات: فَيَهْتَمُّوْنَ: اِهْتَمَّ الرجلُ اهتماماً (از افتعال) غمگین ہونا...... اهْتَمَّ له بأمر: اہتمام کرنا، کوشش کرنا ...... فَيُلْهَمُوْنَ: أَلْهَمَ اللّٰهُ فلانا خيرًا: وحی کرنا، سکھلانا، توفیق دینا، دل میں ڈالنا...... اسْتَشْفَعَ زيدا إلى عمروٍ: سفارش کرنے کی درخواست کرنا...... بفلان على فلان: مدد طلب کرنا...... يُرِيْحُنا: أَرَاحَ إِرَاحَةً: آرام پہنچانا...... هُنَا: اسم اشارہ قریب کے لئے ہے، اور ھ بڑھا کر ھھنا بھی کہتے ہیں، اور آخر میں مخاطب کے اعتبار سے کاف خطاب بھی بڑھاتے ہیں...... ایک نسخہ میں يَسْتَحِيْ ہے، ایک یاء محذوف ہے، اصل يَسْتَحْيِيْ ہے، اسْتَحْيَا: کسی سے شرمانا، جھجکنا۔

تشریحات:

۱- شفاعتِ کبریٰ کی یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی لغزشات کا تذکرہ نہیں ہے، آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث (نمبر ۳۲۷) آرہی ہے، اس میں ان لغزشات کا تذکرہ ہے، شرح وہاں آئے گی۔

۲- شفاعت کی سبھی حدیثوں میں شفاعتِ کبریٰ کا مضمون چھوڑ دیا گیا ہے، یہ مضمون صور کی طویل حدیث میں ہے جو ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، اور علامہ ابن کثیرؒ نے نہایۃ البدایہ (۱:۲۴۸) میں اس کو نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی سفارش قبول فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبان میں زمین پر اتریں گے اور فرشتے بھی اتریں گے۔ اور عرشِ الٰہی کو آٹھ فرشتے اٹھا کر زمین پر رکھیں گے پھر اس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا، اور شفاعتِ کبریٰ کی دونوں حدیثوں میں آخر میں دوسری چھوٹی شفاعتوں کا ذکر ہے، اور راویوں نے خاص طور پر اس شفاعت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ خوارج وغیرہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جہنم میں جانے کے بعد کوئی نہیں نکلے گا، اس لئے ان کی تردید میں رواۃ خاص طور پر نبی ﷺ کی امت کے لئے شفاعت کا ذکر کرتے ہیں۔

۳- لوگ قیامت کے دن میدانِ حشر میں جمع کر کے چھوڑ دیئے جائیں گے، حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں اتریں گے، جب شفاعت کبریٰ ہوگی اس کے بعد ملائکہ اور رب ذوالجلال زمین پر آئیں گے، اور قیامت کے معاملات شروع ہونگے۔

۴- اہلِ محشر جب کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی بات ڈالیں گے کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں جائیں، پھر ان کی راہ نمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں جائیں، پھر اسی

طرح ابراہیم، اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی خدمت میں پہنچیں اور آخر میں سید الاولین والآخرین حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں آئیں، یہ سب منجانب اللہ ہوگا، اور ایسا اس لئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہوجائے کہ اس شفاعت کا منصب اور مقام اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کے لئے مخصوص ہے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعت مقام کے اظہار کے لئے ہوگا۔

۵- اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے لئے ایک دعا ہے جس طرح تم چاہوگے اسی طرح قبول کروں گا، تمام انبیاء کرام اپنی اس دعا کو کام میں لے آئے، مگر نبی ﷺ نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کرنے کے لئے محفوظ رکھا ہے، اس لئے آپ تیار ہوجائیں گے اور سفارش فرمائیں گے۔

۶- حساب وکتاب شروع کرانے کے لئے سفارش کرانے کی غرض سے جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے، پھر سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے وہ تمام امتوں کے صالحین ہونگے، اور شفاعت کبری میں تمام امتیں شامل ہونگی، گوکہ مقصود بالذات آپ کی امت رہے گی، بقیہ لوگ ضمناً اور تبعاً اس میں شامل ہونگے۔

۷- جو گنہ گار سفارشوں کی بدولت جہنم سے نکالے جائیں گے وہ تمام امتوں کے موحدین ہونگے، ابھی قریب ہی حدیث گذری ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والوں سے فرمائیں گے کہ جو بھی لا إله إلا الله کہتا تھا، جس کے دل میں جَو کے برابر خیر (ایمان) ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔ اس حدیث میں ہر امت کے موحدین مراد ہیں، اور لا إله إلا الله عنوانِ تعبیری ہے اور مراد پورا کلمہ ہے۔ پہلے بتایا ہے کہ لا إله إلا الله میں محمد رسول اللہ بھی شامل ہے، مگر چونکہ یہ دوسرا اجزء بدلتا رہا ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا، غرض ہر امت کے موحدین جو جہنم میں گئے ہیں وہ سب انبیاء ورسل، ملائکہ اور صلحاءِ امت کی سفارشوں کی بدولت جہنم سے نکال لئے جائیں گے، اور آخر میں خود رب ذوالجلال چند لپ بھر کر جہنم میں سے جنت میں ڈالیں گے، یہ ہر امت کے وہ موحدین ہونگے جن کے پاس سوائے تصدیق قلبی کے اعمالِ ظاہری وباطنی اور نورِ ایمانی کا کوئی حصہ ان کے ایمان کے ساتھ نہیں ہوگا، ان کو انبیاء اور فرشتے جہنم سے نہیں نکالیں گے بلکہ خود ارحم الراحمین براہِ راست ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں ڈالیں گے۔ اور وہ لوگ عتقاء اللہ من النار سے موسوم ہونگے۔

۸- مذکورہ حدیثِ شفاعت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بیان چل رہا تھا بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کا اور تذکرہ آگیا جہنم سے نکالنے کا، اس لئے بعض حضرات نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے، اس لئے کہ جہنم سے نکالنے کا نمبر تو میدانِ حشر سے نکل کر جب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے اور آنکڑے جہنمیوں کو کھینچ لیں گے اور وہ جہنم میں جا پڑیں گے، اس کے بعد جہنم سے نکالنے کا نمبر آئے گا؟

اور علماء نے اس مشکل کو کئی طرح سے حل کیا ہے، اور سب سے اچھی توجیہ وہ ہے جو قاضی عیاض نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس روایت میں اختصار ہے اور شفاعتِ کبری اور شفاعتِ صغری دونوں کو یکجا کیا گیا ہے۔ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى

رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ: تک شفاعتِ کبریٰ کا بیان ہے اور بعد والا جملہ مستأنفہ ہے، ماقبل سے اس کا تعلق نہیں، اور اس میں شفاعتِ صغریٰ کا بیان ہے۔

جاننا چاہئے کہ رُوات کبھی حدیثوں میں اختصار کرتے ہیں، اور ان کی نظر میں جو اہم بات ہوتی ہے اس کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اور غیر اہم کو مختصر یا ترک کر دیتے ہیں، یعنی جس موقع پر جس ٹکڑے کو اہم سمجھتے ہیں اس کو ذکر کرتے ہیں اور دوسرے ٹکڑے کو چھوڑ دیتے ہیں، اس کو کسی اور موقع پر ذکر کرتے ہیں، چونکہ سلف کے پیش نظر خوارج ومعتزلہ کی تردید تھی، جو شفاعتِ کبریٰ کے منکر نہیں تھے بلکہ جہنم میں جانے کے بعد کسی کی سفارش سے نکلنے کے منکر تھے، اس لئے اس ٹکڑے کو ذکر کیا اور دوسرے کو نظر انداز کر دیا، ورنہ حدیث صور میں تفصیل سے ترتیب وار پورا واقعہ مذکور ہے، جیسا کہ اوپر باحوالہ آچکا۔

[۳۲۳-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَهْتَمُّوْنَ بِذٰلِكَ- أَوْ يُلْهَمُوْنَ ذٰلِكَ" بِمِثْلِ حَدِيْثِ أَبِي عَوَانَةَ. وَقَالَ فِي الْحَدِيْثِ: "ثُمَّ آتِيْهِ الرَّابِعَةَ- أَوْ أَعُوْدُ الرَّابِعَةَ- فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! مَابَقِيَ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ"

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیثِ شفاعت قتادہ رحمہ اللہ سے سعید بن ابی عروبہ نے بھی روایت کی ہے اور ابو عوانہ کے مانند روایت کی ہے، بس اتنا فرق ہے کہ ابو عوانہ کی روایت میں شک تھا کہ نبی ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا: جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا سوائے اس کے جس کو قرآن مجید نے روک لیا ہے، اور اس حدیث میں شک نہیں ہے بلکہ جزم کے ساتھ ہے کہ آپؐ نے یہ بات چوتھی مرتبہ میں فرمائی تھی۔

[۳۲۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَجْمَعُ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ" بِمِثْلِ حَدِيْثِهِمَا. وَذَكَرَ فِي الرَّابِعَةِ: "فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ. أَيْ: وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ"

وضاحت: یہ حدیث قتادہؒ سے حضرت معاذؓ نے روایت کی ہے اور ابو عوانہ اور سعید بن ابی عروبہ کی حدیثوں کے مثل روایت کی ہے، اور اس میں بھی جزم کے ساتھ ہے کہ نبی ﷺ نے مذکورہ ارشاد چوتھی مرتبہ میں فرمایا تھا۔

[۳۲۵-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيْرُ، قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ وَهِشَامٌ صَاحِبُ الدَّسْتَوَائِيِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله

عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنِيْ أَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالاَ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ- وَهُوَ: ابْنُ هِشَامٍ- قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَنَس بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً، ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً" ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً

زَادَ ابْنُ مِنْهَالٍ فِيْ رِوَايَتِهِ: قَالَ يَزِيْدُ: فَلَقِيْتُ شُعْبَةَ فَحَدَّثْتُهُ بِالْحَدِيْثِ. فَقَالَ شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا بِهِ قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْحَدِيْثِ، إِلاَّ أَنَّ شُعْبَةَ جَعَلَ مَكَانَ الذَّرَّةِ، ذُرَةً. قَالَ يَزِيْدُ: صَحَّفَ فِيْهَا أَبُوْ بِسْطَامَ.

وضاحت: یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے محمد بن منہال، ابوغسان اور محمد بن المثنی سے لی ہے، اور محمد بن منہال نے بواسطہ یزید: سعید بن ابی عروبہ اور ہشام دستوائی سے اور انھوں نے حضرت قتادہ سے روایت کی ہے، اور ابوغسان اور محمد بن المثنی نے بواسطہ معاذ ان کے ابا ہشام سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کی ہے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے۔

قوله: يُخْرَجُ من النار من قال: ابھی بتایا ہے کہ لا إله إلا الله عنوانِ تعبیری ہے، اور مراد پورا کلمہ ہے، اور تمام امت کے موحدین کو یہ حدیث شامل ہے۔

قوله: وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة: دل میں جَو کے دانہ کے برابر، یا گیہوں کے دانہ کے برابر یا چنے کے دانہ کے برابر خیر ہو، خیر سے یہی لا إله إلا الله کہنا مراد ہے، یعنی خواہ کسی درجہ کا ایمان ہو، کمزور سے کمزور ایمان ہو اسے بھی جہنم سے نکال لو —— اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جَو کے دانہ کا وزن گیہوں کے دانہ کے وزن سے زیادہ ہے۔ بعض ممالک میں ایسا ہی ہوتا ہے، مگر عام طور پر دونوں دانے ہم وزن ہوتے ہیں یا گیہوں کا دانہ وزنی ہوتا ہے ...... ذَرَّة: چھوٹے سے چھوٹا ریزہ، مادہ کا نہایت چھوٹا ٹکڑا، فرش سے جو گرد اٹھتی ہے اور جو روزن کی دھوپ میں نظر آتی ہے وہ ذرّہ ہے...... اور شعبہ رحمہ اللہ نے ذَرَّة کی جگہ ذُرَة پڑھا ہے، اس کے معنی ہیں: چینا، یہ ایک قسم کا غلہ ہے جو سرسوں کے دانہ کے مشابہ اور اس سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کا رنگ بھی پیلا ہوتا ہے اور اس پر چھلکا ہوتا ہے، چھلکا اتار کر اس کی کھچڑی پکاتے ہیں، اور روٹی بھی پکا سکتے ہیں...... محدثین کرام نے اس کو امام شعبہؒ (ابوبسطام) کی تصحیف قرار دیا ہے، پس حدیث میں صحیح لفظ ذَرَّة ہے، قرآن میں بھی یہی لفظ آیا ہے (سورۃ الزلزال)

[۳۲۶-] حَدَّثَنَا أَبُوْ الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلاَلٍ الْعَنَزِيُّ. ح: وَحَدَّثَنَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ- وَاللَّفْظُ لَهُ- قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ

بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ، قَالَ: انْطَلَقْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَتَشَفَّعْنَا بِثَابِتٍ: فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي الضُّحَى، فَاسْتَأْذَنَ لَنَا ثَابِتٌ، فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، وَأَجْلَسَ ثَابِتًا مَعَهُ عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! إِنَّ إِخْوَانَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ يَسْأَلُونَكَ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ حَدِيثَ الشَّفَاعَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ. فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ لَهُ: اشْفَعْ لِذُرِّيَّتِكَ. فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ، فَإِنَّهُ خَلِيلُ اللَّهِ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى، فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ. فَيُؤْتَى مُوسَى، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ، فَيُؤْتَى عِيسَى، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، فَأُوتَى فَأَقُولُ: أَنَا لَهَا، فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي. فَيُؤْذَنُ لِي، فَأَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لاَ أَقْدِرُ عَلَيْهِ الآنَ، يُلْهِمُنِيهِ اللَّهُ. ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا. فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: انْطَلِقْ. فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي. فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ لِي: انْطَلِقْ، فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُودُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ. ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا. فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ لِي: انْطَلِقْ. فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ"

هٰذَا حَدِيثُ أَنَسٍ الَّذِي أَنْبَأَنَا بِهِ. فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ، فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرِ الْجَبَّانِ، قُلْنَا: لَوْ مِلْنَا إِلَى الْحَسَنِ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، وَهُوَ مُسْتَخْفٍ فِي دَارِ أَبِي خَلِيفَةَ. قَالَ: فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ. فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَقُلْنَا: يَا أَبَا سَعِيدٍ! جِئْنَا مِنْ عِنْدِ أَخِيكَ أَبِي حَمْزَةَ. فَلَمْ نَسْمَعْ مِثْلَ حَدِيثٍ حَدَّثَنَاهُ فِي الشَّفَاعَةِ. قَالَ: هِيهِ! قَالَ: فَحَدَّثْنَاهُ الْحَدِيثَ، فَقَالَ: هِيهِ! قُلْنَا: مَا زَادَنَا. قَالَ: قَدْ حَدَّثَنَا بِهِ مُنْذُ عِشْرِينَ سَنَةً، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيعٌ، وَلَقَدْ تَرَكَ شَيْئًا مَا أَدْرِي: أَنَسِيَ الشَّيْخُ أَوْ كَرِهَ أَنْ يُحَدِّثَكُمْ فَتَتَّكِلُوا. قُلْنَا لَهُ: حَدِّثْنَا، فَضَحِكَ وَقَالَ: ﴿خُلِقَ الإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ مَا ذَكَرْتُ لَكُمْ هٰذَا إِلاَّ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمُوهُ: "ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي فِي الرَّابِعَةِ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللَّهُ. قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ لَكَ- أَوْ قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ- وَلَكِنْ، وَعِزَّتِي!

وَكِبْرِيَائِيْ! وَعَظَمَتِيْ! وَجِبْرِيَائِيْ! لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ“
قَالَ: فَأَشْهَدُ عَلَى الْحَسَنِ أَنَّهُ حَدَّثَنَا بِهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، أُرَاهُ قَالَ: قَبْلَ عِشْرِيْنَ سَنَةً، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيْعٌ.

ترجمہ: معبد بن ہلال عَنَزی کہتے ہیں: ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور حضرت ثابت بنانی سے ملاقات کی سفارش کروائی، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، ہمارے لئے ثابت نے اجازت طلب کی، پھر ہم گھر میں داخل ہوئے، اور حضرت انسؓ نے ثابت کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، حضرت ثابت نے عرض کیا: اے ابوحمزہ! (حضرت انسؓ کی کنیت) آپ کے بصری بھائیوں کی درخواست ہے کہ آپ انہیں حدیثِ شفاعت سنائیں۔ حضرت انسؓ نے کہا: ہم سے محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو لوگ گھبراہٹ میں ایک دوسرے کے پاس جائیں گے، آگے کا ترجمہ اوپر (حدیث نمبر ۳۲۲ میں) آچکا ہے۔

لغت ووضاحت: ماج يَمُوْج مَوْجًا البَحْرُ: سمندر کا موج مارنا...... ماج القومُ: مضطرب ہونا، بے ترتیب ہونا ...... ماج عن الحق: حق سے تجاوز کرنا...... فأحمَدُه بمحامد: میں اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا کروں گا جو میں اب نہیں کرسکتا، حق تعالیٰ اسی وقت میرے قلب میں ڈالے گا...... المَحَامد: حَمِد کی جمع (خلافِ قیاس) جیسے محاسن: حسن کی جمع ہے، یا مَحْمَدَة کی جمع ہے، اور علیہ کی ضمیر حمد کی طرف راجع ہے...... أخِرُّ: أي أسقط ...... أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة: قلت میں مبالغہ کے لئے تین مرتبہ مکرر لائے ہیں۔

**قوله: فأقول: رَبِّ! أمتي أمتي:** یہاں یہ اشکال ہے کہ آنحضور ﷺ کے پاس تمام امتوں کے صالحین شفاعت کی درخواست لے کر پہنچیں گے، پھر آپؐ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوکر سفارش کریں گے، پس آپ کو تمام امتوں کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ صرف اپنی امت کی؟

جواب: علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں: ایک جواب یہ دیا ہے کہ شفاعتِ کبری میں تمام امتیں شامل ہونگی، مگر اصل اور مقصود بالذات امت محمدیہ ہوگی اور باقی سب امتیں ضمناً اور تبعاً شفاعت میں شامل ہونگی، اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ تمام انبیاء کی نبوت ورسالت درحقیقت آنحضور ﷺ کی نبوت ورسالت کا فیض ہے، جیسے چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے، اسی طرح تمام انبیاء کی نبوت آنحضور ﷺ کی نبوت سے مستفاد ہے، پس تمام امتیں گویا آنحضور ﷺ ہی کی امت ہیں۔

**قوله: هذا حديث انس الذى أنبأنا به إلخ.**

ترجمہ: معبد بن ہلال کہتے ہیں: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو انھوں نے ہم سے بیان کی، پس ہم

(حدیث سن کر) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے، جب ہم قبرستان کے قریب بلند حصہ میں تھے تو ہم نے (باہم ایک دوسرے سے) کہا: ہمیں حضرت حسن رحمہ اللہ کے پاس جا کر انہیں سلام کرنا چاہئے، یعنی ان سے ملاقات کرنی چاہئے، وہ اس وقت دار ابی خلیفہ میں (حجاج کے ڈر سے) روپوش تھے، ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سلام کیا۔

ہم نے عرض کیا: اے ابوسعید! (حضرت حسن کی کنیت) ہم آپ کے بھائی ابوحمزہ کے پاس سے (حدیثِ شفاعت سن کر) آ رہے ہیں، ہم نے اس جیسی کوئی حدیث نہیں سنی جو ہم سے کسی نے شفاعت کی بابت بیان کی ہو، حضرت حسنؒ نے فرمایا: بیان کرو، معبد کہتے ہیں: ہم نے حضرت حسنؒ سے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: اور بیان کرو، ہم نے عرض کیا: نہیں زیادہ کیا ہمارے ساتھ، یعنی ہم سے اتنی ہی حدیث بیان کی ہے، حضرت حسنؒ نے فرمایا: ہم سے یہ حدیث انھوں نے بیس سال پہلے بیان کی تھی اور وہ اس وقت قوی الجسم تھے (آج جتنے بوڑھے نہیں تھے) اور تحقیق انھوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے، میں نہیں جانتا شیخ بھول گئے یا انھوں نے تم سے بیان کرنا ناپسند کیا کہ کہیں تم بھروسہ نہ کر بیٹھو، ہم نے عرض کیا: آپ ہم سے (وہ باقی حصہ) بیان فرمایئے، حضرت حسنؒ ہنسے اور فرمایا: "انسان جلد باز بنایا گیا ہے" میں نے تم سے یہ بات اسی لئے کہی ہے کہ میں تم سے وہ (چھوڑا ہوا) حصہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

(بقیہ حدیث) پھر میں چوتھی مرتبہ اپنے رب کے پاس لوٹ کر آؤں گا، اور اسی طرح خوب حمد وثنا کروں گا، پھر میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پس مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہئے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے دیا جائے گا، سفارش کیجئے سفارش قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے اجازت دیجئے اس شخص کے بارے میں جس نے لا إله إلا الله کہا ہے (کہ میں اس کو جہنم سے نکال لوں) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بلکہ میری عزت کی قسم! میری بڑائی کی قسم! میری عظمت کی قسم! میرے جاہ وجلال کی قسم! ضرور میں اس کو دوزخ سے نکالوں گا جس نے لا إله إلا الله کہا ہو۔

حضرت معبد کہتے ہیں: میں شہادت دیتا ہوں حضرت حسنؒ پر کہ انھوں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی (یہ کہہ کر کہ) انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے — میرا خیال ہے کہ انھوں نے فرمایا — بیس سال پہلے اور وہ اس وقت صحیح الاعضاء تھے۔

**قوله: بظهر الجبان:** (جیم مفتوح اور باء مشدد) اہل لغت کہتے ہیں: جَبّان اور جَبّانہ دونوں صحراء ہیں اور مقبروں کو بھی جبّان اور جبّانہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ صحراء میں ہوتے ہیں، پس یہ تسمیة الشيء باسم المكان کے قبیل سے ہے، ظهر الجَبّان سے بلند اور ظاہری حصہ مراد ہے..... **قوله: هِيهِ:** أي إئت الحديث: مزید بیان کرنے کی درخواست کرنے کے لئے مستعمل ہے..... **قوله: وهو يومئذ جميع:** أي مجتمع القوّة والحفظ: یعنی قُوی مضبوط تھے اور حفظ و یادداشت عمدہ تھی، کبر سنی کی اس حد تک نہیں پہنچے تھے جہاں یادداشت میں خلل آجاتا ہے۔

[۴۲۷-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِیْ شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ - وَاتَّفَقَا فِیْ سِيَاقِ الْحَدِيْثِ، إِلَّا مَا يَزِيْدُ أَحَدُهُمَا مِنَ الْحَرْفِ بَعْدَ الْحَرْفِ - قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ حَيَّانَ، عَنْ أَبِیْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا بِلَحْمٍ، فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ - وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ - فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً فَقَالَ: "أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَهَلْ تَدْرُوْنَ بِمَ ذَاکَ؟ يَجْمَعُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ فِیْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ، فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِیْ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ، وَتَدْنُوْ الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَالَا يُطِيْقُوْنَ، وَمَا لَا يَحْتَمِلُوْنَ، فَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيْهِ؟ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: ائْتُوْا آدَمَ، فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُوْ الْبَشَرِ، خَلَقَکَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيْکَ مِنْ رُوْحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَکَ، اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّکَ، أَلَا تَرَى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرَى إِلٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ آدَمُ: إِنَّ رَبِّیْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ نَهَانِیْ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِیْ نَفْسِیْ، اذْهَبُوْا إِلٰى غَيْرِیْ، اذْهَبُوْا إِلٰى نُوْحٍ.

ملحوظہ: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شفاعت ہے۔ اور حضرت انسؓ کی حدیث سے زیادہ مفصل اورطویل ہے، قارئین کی سہولت کے لئے چند ٹکڑوں میں ترجمہ اور شرح کی جاتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ کی خدمت میں ایک دن گوشت لایا گیا، اور آپؐ کے سامنے دست پیش کیا گیا، اور آپؐ کو دست کا گوشت پسند تھا، چنانچہ آپ نے گوشت دانتوں سے نوچ نوچ کر کھانا شروع کیا، پھر (کھانے سے فارغ ہوکر) فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہونگا: کیا جانتے ہو یہ بات کیوں ہوگی؟ اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک زمین میں اکٹھا کریں گے، پس سب لوگوں کو پکارنے والا سنائے گا، اور سب لوگوں کو نگاہ چیرے گی اور سورج لوگوں سے قریب ہوجائے گا، پس لوگ غم اور بے چینی کی اس حالت کو پہنچیں گے جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے، اور اس کو وہ برداشت نہیں کرسکیں گے، پس بعض لوگ بعض سے کہیں گے: کیا تم دیکھتے نہیں وہ پریشانی جس سے تم دوچار ہو؟ کیا تم دیکھتے نہیں وہ پریشانی جو تمہیں پہنچ رہی ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں یعنی تلاش کرتے نہیں اس کو جو تمہارے لئے تمہارے پروردگار سے سفارش کرے؟ پس بعض لوگ بعض سے کہیں گے: حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلو، پس لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ مبارک سے پیدا کیا ہے (اضافت تشریف کے لئے ہے) اور آپ میں اپنی روح پھونکی ہے (یہ اضافت بھی تشریف کے لئے ہے) اور فرشتوں کو حکم دیا تھا، پس انھوں نے آپ کو سجدہ کیا تھا (جس سے اللہ

تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے) آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سفارش کریں، کیانہیں دیکھتے آپ وہ حالات جس میں ہم ہیں؟ کیانہیں دیکھتے آپ اس پریشانی کو جو ہمیں پہنچی ہے؟ پس آدم علیہ السلام کہیں گے: بیشک میرے پروردگار آج ناراض ہیں ایسے ناراض کہ اس سے پہلے کبھی ایسے ناراض نہیں ہوئے اور نہ آج کے بعد کبھی ایسے ناراض ہونگے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے درخت کھانے سے منع کیا تھا، پس میں نے ان کی نافرمانی کی تھی، اس لئے مجھے تو اپنی ہی فکر لاحق ہے، آپ لوگ کسی اور کے پاس جائیں، نوح علیہ السلام کے پاس جائیں۔

لغات ووضاحت: الذِّرَاع من الغنم: بکری کا دست...... نَهَسَ (ف،س) نَهْسًا اللَّحْمَ: گوشت کو اگلے دانتوں سے نوچنا...... الصَّعيد: وسیع وہموار زمین، مٹی، قبر، راستہ، زمین کا بلند حصہ، اسی سے ہے: صارت الحديقةُ صعيدًا: باغ ہموار زمین ہوگیا، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہیں رہا، جمع صُعُدٌ وَصُعَدات وَصُعدان ...... يُسْمِعُهم الداعي: سب لوگوں کو پکارنے والا سنائے گا، یعنی سارے لوگ ایک جگہ اس طرح اکٹھا ہونگے کہ اگر کوئی پکارنے والا پکارے تو سب اس کی آواز سن لیں...... يَنفُذُهم البَصَر: ان کو نظر چیرے گی یعنی دیکھنے والا آخر تک دیکھ سکے گا...... نَفَذَ(ن) نَفَذًا وَنُفُوذًا: چھید کر پار ہونا، نَفَذَ السَّهْمُ الرَّمِيَّةَ: تیر شکار کو چھید کر پار ہوگیا...... وَتَدْنُوْا الشَّمْس: دَنَا يَدْنُوْ دُنُوًّا وَدَنَاوَةً: کسی چیز کے قریب ہونا، قیامت کے دن سورج بندوں سے قریب کردیا جائے گا، اور وہ ایک دومیل کے بقدر فاصلہ پر رہ جائے گا (ترمذی حدیث ۲۴۱۵)...... نَفْسي: أي نفسي هي الَّتي تَسْتَحِقُّ أَنْ يَشْفَعَ لها: میرا نفس ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی سفارش کی جائے، یعنی مجھے اپنی ہی فکر ہے، میں دوسروں کے لئے کیا سفارش کروں گا!

تشریح:

۱- نبی ﷺ کو دست کا گوشت پسند تھا: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید کی ہے، وہ فرماتی ہیں: آپؐ کو دست کا گوشت اس لئے پسند تھا کہ آپ کو گوشت کبھی کبھی میسر آتا تھا، اور دست کا گوشت جلدی پک جاتا ہے، اس لئے آپؐ اس کو پسند فرماتے تھے ورنہ فی نفسہ آپؐ کو یہ گوشت پسند نہیں تھا، اور آنحضور ﷺ کو بکری کے کس حصہ کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا؟ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، اور تفصیل تحفة الألمعی (۱۷۹:۵) میں ہے۔

۲- پہلے بتایا ہے کہ لوگ قیامت کے دن میدانِ حشر میں جمع کرکے چھوڑ دیئے جائیں گے، وہ پریشانی کے عالم میں اولوالعزم انبیاء کے پاس سفارش کرانے کی غرض سے جائیں گے، اور سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے، آپؐ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر سفارش فرمائیں گے، یہ شفاعتِ کبریٰ ہے، اور اسی شفاعتِ کبریٰ کے بعد اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبان میں نزول فرمائیں گے اور فرشتے بھی اتریں گے، پھر حساب وکتاب شروع ہوگا، مگر شفاعت کی حدیثوں میں یہ مضمون چھوڑ دیا گیا ہے، یہ مضمون صور کی طویل حدیث میں آیا ہے۔

۳-سب سے پہلے اہل محشر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونگے، اوران کے فضائل بیان کر کے ان سے سفارش کرنے کی درخواست کریں گے، یہاں سے یہ سبق حاصل ہوا کہ اہم کاموں میں بڑوں کو مقدم رکھنا چاہئے اور درخواست پیش کرنے سے قبل کچھ تعریفی کلمات اور واجبی فضائل بیان کرنے چاہئیں، اور اپنی عاجزی اور مجبوری کا اظہار بھی کرنا چاہئے، اس سے درخواست کی قبولیت کی امید بندھتی ہے، مگر تعریف میں مبالغہ کرنا اور جھوٹے فضائل بیان کرنا جائز نہیں۔

۴-حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش کو یاد کریں گے جو ان سے جنت میں شجر ممنوعہ کے کھانے کی صورت میں سرزد ہوئی تھی، اور شفاعت کرنے سے معذرت کرلیں گے، اور حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے، اس میں سبق یہ ہے کہ اگر مخدوم اور حاکم کے بس میں درخواست پوری کرنا نہ ہو تو اس کو خادم اور محکوم کو ضروری، مناسب اور پُر خیر مشورہ دینا چاہئے، یونہی اس کو واپس نہیں کر دینا چاہئے۔

۵-حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، کفر وشرک کے قبیل سے تو کوئی گناہ ان سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا، نہ نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد، اسی طرح فحش و منکرات یعنی وہ گناہ جو بے حیائی کے کام سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ان سے سرزد نہیں ہو سکتے، البتہ صغائر کے سلسلہ میں اختلاف ہے اور علماء کی مثبت و منفی دونوں طرف رائیں ہیں۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'شفا' میں اس پر مفصل و مدلل کلام کیا ہے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام نے جو اپنی خطاؤں کو یاد کر کے شفاعت سے معذرت کی ہے وہ درحقیقت معصیت نہیں ہے، صرف صورتِ معصیت ہے، اس لئے کہ اللہ عزوجل کے حکم کی جان بوجھ کر نافرمانی کرنا معصیت ہے اور اگر سہواً یا اجتہاداً غلطی ہو جائے تو صورۃً معصیت ہے حقیقتاً معصیت نہیں، بلکہ وہ زلت ولغزش ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو شجر ممنوع کھایا تھا وہ بھول کر کھایا تھا، پس اس کو زلت ولغزش تو کہہ سکتے ہیں مگر وہ معصیت نہیں۔ اور قرآن مجید میں جو ہے: ﴿ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ ﴾: تو صورت معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عَصَى کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر ہم حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی نہیں کہہ سکتے، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ: حقیقی کذب نہیں، بلکہ تعریض و توریہ کے قبیل سے ہیں، یہی حال دیگر انبیاء کی زلت ولغزشات کا ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کو آنحضور ﷺ کی سیادت سارے عالم پر ظاہر کرنی ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معذرت کرلیں گے کہ ہم سے فروگذاشت ہو چکی ہے، کہیں پھر کوئی فروگذاشت نہ ہو جائے، اس لئے سب ایک دوسرے کے پاس بھیجیں گے اور اپنے کو اس منصب کے لائق نہیں سمجھیں گے اور آخر میں حضرت محمد ﷺ شفاعت فرمائیں گے، یوں عظمت محمدی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوگی۔

فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُوْنَ: يَا نُوْحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرْضِ. وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُوْرًا، اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ. أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِيْ دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلٰى قَوْمِيْ. نَفْسِيْ نَفْسِيْ. اذْهَبُوْا إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ.

ترجمہ: پس لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام عبد شکور رکھا ہے ـــــ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳ ہے: ﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾: یعنی نوح علیہ السلام بڑے شکر گذار بندے تھے ـــ آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سفارش کریں، کیا نہیں دیکھتے آپ اس حالت کو جس میں ہم ہیں؟ کیا نہیں دیکھتے آپ اس پریشانی کو جو ہمیں پہنچی ہے؟ پس ان سے نوح علیہ السلام کہیں گے: بیشک میرے پروردگار! آج ایسے غضب ناک ہیں کہ اس سے پہلے ایسے غضب ناک کبھی نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ایسے غضب ناک ہونگے اور میرے لئے ایک مقبول دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے کرلی، میں تو اپنے ہی معاملہ میں پریشان ہوں، آپ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی فروگذاشت یہ بیان فرمائی ہے کہ ہر نبی کے لئے ایک مقبول دعا ہوتی ہے جو لامحالہ قبول ہوتی ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے کرڈالی، اور قوم غرقاب ہوگئی، یعنی یہ عذر کیا کہ میں اپنی مقبول دعا استعمال کرچکا ہوں اب شفاعت کے لئے کیا امید لے کر جاؤں! اور بعض شارحین نے اس کا مصداق آپ کی اس دعا کو قرار دیا ہے جو آپ نے اپنے غرق ہوجانے والے بیٹے کے لئے کی تھی۔

فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُوْنَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيْلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ إِبْرَاهِيْمُ: إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَذَكَرَ كَذَبَاتِهِ، نَفْسِيْ نَفْسِيْ، اذْهَبُوْا إِلٰى غَيْرِيْ، اذْهَبُوْا إِلٰى مُوْسٰى.

ترجمہ: پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ اللہ کے نبی ہیں، اور تمام اہل زمین میں سے آپ ہی اللہ کے خاص دوست ہیں، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھتے وہ حال جس میں ہم ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے وہ پریشانی جو ہمیں پہنچی ہے؟ پس ان سے ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: بیشک میرے پروردگار آج سخت غضب ناک ہیں، قبل ازیں ایسے غضب ناک نہیں ہوئے اور بعد ازاں ایسے غضب ناک کبھی نہیں ہونگے، اور اپنی تین خلاف واقعہ باتیں ذکر کیں (جن کا ذکر آئندہ حدیث میں ہے) اس لئے مجھے تو اپنی ہی فکر لاحق ہے،

میں اپنے ہی معاملہ میں پریشان ہوں، آپ لوگ کسی اور کے پاس جائیں، آپ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں۔

تشریح: لغت میں کذب دو معنی میں مستعمل ہے: ایک: جھوٹ بولنا، یعنی خلاف واقعہ خبر دینا، دوم: غلطی ہوجانا، خواہ یہ غلطی زبان کرے، گمان کرے، آنکھ کرے، کان کرے، یا دل کرے، چنانچہ سورۃ النجم میں ہے: ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ﴾: دل نے دیکھی ہوئی بات میں کوئی غلطی نہیں کی، اور توریہ (تعریض) کو علماء نے کذب سے خارج کیا ہے، توریہ میں متکلم کی مراد کے اعتبار سے کلام سچا ہوتا ہے اور مخاطب کے فہم کے اعتبار سے کلام جھوٹا ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے: إِنَّ فِي الْمَعَارِيضِ لَمَنْدُوحَةً عن الكذب: یعنی توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے، معلوم ہوا کہ توریہ جھوٹ نہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی توریہ کیا تھا، جھوٹ نہیں بولا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات:

۱- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی دُرگت بنائی اور کفار نے ان سے پوچھا: ﴿ ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴾: کیا تم نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے اے ابراہیم؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ﴾ بلکہ کیا ہے اس کو (کسی کرنے والے نے) ﴿ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴾ ان کا بڑا یہ ہے، پس ان ٹوٹے ہوؤں سے پوچھو اگر وہ بولتے ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ کام کسی کرنے والے نے کیا ہے، اور جس نے کیا ہے اس کا ذکر چھوڑو، بڑا بت یہ ہے جس کے گلے میں کلہاڑی لٹک رہی ہے، پس بظاہر اس نے یہ حرکت کی ہے، مگر قوم نے کبیرھم کو فَعَلَ کا فاعل بنایا، اور یہ سمجھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے یہ حرکت کی ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مراد نہیں تھی، پس یہ توریہ ہوا جھوٹ نہیں ہوا۔

۲- اسی طرح جب قوم میلے میں چلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی چلنے کے لئے کہا تو حضرت نے ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا: ﴿ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴾: میری طبیعت ناساز (ناموافق) ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف خواہ مخواہ دیکھا تھا، اور طبیعت کا ناساز ہونا واقعی تھا، کس کی طبیعت کفار کے میلے میں جانے کے لئے تیار ہوتی ہے! طبیعت کے ناساز ہونے کا یہی مطلب تھا، مگر قوم ستارہ پرست تھی، وہ سمجھی کہ ابراہیم نے ستاروں کے احوال سے جانا ہے کہ وہ بیمار پڑنے والے ہیں، یہ ان کی بھول تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ نہیں بولے تھے۔

۳- اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ نے طلب کیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: میری بہن ہے، کیونکہ بادشاہ شوہر کو قتل کر دیتا تھا، اور دوسرے رشتہ دار سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ اور حضرت کی مراد دینی بہن تھی، نیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ کی چچازاد بہن بھی تھیں مگر بادشاہ نسبی بہن سمجھا، یہ اس کی غلطی تھی، حضرت نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

مگر بایں ہمہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ دوٹوک بات کہا کرتے تھے، توریہ نہیں کیا کرتے تھے، مگر تین موقعوں میں آپ نے توریہ سے کام لیا ہے، کیونکہ یہ نہایت خطرناک مواقع تھے اور دوٹوک بات کہنے میں جان کا خطرہ تھا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توریہ سے کام لیا، کیونکہ توریہ کے ذریعہ جھوٹ سے بچا جاسکتا ہے۔

ملحوظہ: کذب کی حقیقت وماہیت، اس کی مختلف تعریفیں، ان میں فرق، توریہ کے چند واقعات بحالت مجبوری کذب کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں مختلف آراء اور راجح قول تحفۃ الالمعی (۵:۲۸۲-۲۸۵) میں ملاحظہ کریں۔

فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُوْنَ: يَا مُوْسٰى. أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِتَكْلِيْمِهِ عَلَى النَّاسِ. اشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ. أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ مُوْسَى: إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَإِنِّيْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُوْمَرْ بِقَتْلِهَا. نَفْسِيْ نَفْسِيْ. اذْهَبُوْا إِلٰى عِيْسَى. فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى فَيَقُوْلُوْنَ: يَا عِيْسٰى! أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ، وَرُوْحٌ مِنْهُ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُوْلُ لَهُمْ عِيْسَى: إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ- وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا- نَفْسِيْ نَفْسِيْ، اذْهَبُوْا إِلٰى غَيْرِيْ، اذْهَبُوْا إِلٰى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیه وسلم.

ترجمہ: پس لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری اور اپنی ہم کلامی کے ذریعہ برتری بخشی ہے، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھتے اس حال کو جس میں ہم ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے اس پریشانی کو جو ہمیں پہنچی ہے؟ پس موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: بیشک میرے رب آج ایسے سخت غضب ناک ہیں کہ اس سے پہلے ایسے غضب ناک نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد ایسے غضب ناک ہونگے، اور میں نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا میں حکم نہیں دیا گیا تھا، اس لئے مجھ پر تو اپنی ہی فکر سوار ہے، آپ لوگ کسی اور کے پاس جائیں، آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں۔

پس لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ نے لوگوں کے سامنے پالنے میں بات کی ہے، اور آپ اللہ کا کلمہ (بول) ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا، اور آپ اللہ کی روح ہیں (اضافت تشریف کے لئے ہے) پس آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے سامنے سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھتے وہ حال جس میں ہم ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے وہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے؟ پس عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: بیشک میرے پروردگار آج ایسے سخت غضب ناک ہیں کہ قبل ازیں ایسے غضب ناک نہیں ہوئے اور بعد ازیں بھی

ایسے غضب ناک نہیں ہونگے ــــ اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کسی کوتاہی کا تذکرہ نہیں کیا ــــ پس مجھ پر تو اپنی ہی فکر سوار ہے، آپ لوگ کسی اور کے پاس جائیں، آپ لوگ محمد ﷺ کے پاس جائیں۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں غلطی سے ایک قبطی کا قتل ہوگیا تھا، اس لئے وہ سفارش کرنے کی ہمت نہیں کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہاں یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کوتاہی کا تذکرہ نہیں کیا، مگر ترمذی شریف (۱۴۳:۲) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: إِنِّیْ عُبِدْتُ مِنْ دُوْنِ اللهِ: یعنی لوگوں نے میری پوجا کی ہے، اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ یہ تعلیم تم نے دی تھی؟ تو میں کیا جواب دوں گا؟ اس لئے آج سفارش کرنے کی میری ہمت نہیں۔

فَیَأْتُوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ: یَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَخَاتِمُ الْأَنْبِیَاءِ، وَغَفَرَ اللهُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ، اشْفَعْ لَنَا إِلٰی رَبِّکَ، أَلاَ تَرٰی مَا نَحْنُ فِیْهِ، أَلاَ تَرٰی مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَأَنْطَلِقُ فَآتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ، ثُمَّ یَفْتَحُ اللهُ عَلَیَّ وَیُلْهِمُنِیْ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ لِأَحَدٍ قَبْلِیْ، ثُمَّ یُقَالُ: یَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَکَ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِیْ فَأَقُوْلُ: یَا رَبِّ! أُمَّتِیْ أُمَّتِیْ، فَیُقَالُ: یَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِکَ، مَنْ لاَ حِسَابَ عَلَیْهِ، مِنَ الْبَابِ الْأَیْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ. وَهُمْ شُرَکَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الْأَبْوَابِ، وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ! إِنَّ مَا بَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّةِ لَکَمَا بَیْنَ مَکَّةَ وَهَجَرٍ، أَوْ کَمَا بَیْنَ مَکَّةَ وَبُصْرٰی"

ترجمہ: پس لوگ میرے پاس آئیں گے، اور عرض کریں گے: اے محمد! (ﷺ) آپ اللہ کے رسول ہیں، اور آخری نبی ہیں، اور آپ کے لئے بخش دی گئی ہیں وہ کوتاہیاں جو (صلح حدیبیہ) سے پہلے ہو چکی تھیں اور وہ کوتاہیاں جو بعد میں ہونگی، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے پاس سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھتے وہ پریشانی جس میں ہم ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے وہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے؟

پس میں چلوں گا اور عرش کے نیچے پہنچوں گا[1]۔ پس میں اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں میں سے اور اپنی بہترین مدح میں سے اس چیز کو کھولیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، مانگئے آپ دیئے جائیں گے، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائے

(۱) اور ابو یعلی کی روایت میں ہے: فَأَنْطَلِقُ حتی آتِیَ الْفَحْصَ فَأَخِرُّ سَاجِدًا: پس میں چلوں گا یہاں تک کہ فحص (گھر) میں پہنچوں گا، پس سجدہ میں گر جاؤں گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! فحص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مَوْضِعٌ قُدَّامَ الْعَرْشِ: عرش کے سامنے ایک جگہ ہے (نہایہ ۱: ۲۲۸)

گی، پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پس میں کہوں گا: اے میرے پروردگار! میری امت! میری امت! پس کہا جائے گا: اے محمد! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن کا کوئی حساب نہیں ہونا جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازے سے داخل کریں، اور وہ لوگوں کے ساتھ شریک ہونگے اس کے علاوہ دروازوں میں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! جنت کے دروازوں کے پٹوں میں سے دو پٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مکہ اور ہجر مقام کے درمیان ہے، یا جتنا مکہ اور بُصری کے درمیان ہے۔

تشریح:

۱-یا رب! أُمَّتِي: أي ارْحَمْهُمْ وَاغْفِرْ لَهم: ان پر مہربانی فرما اور ان کی بخشش فرما۔

۲-جنت میں دائیں جانب کا ایک دروازہ اس امت کے لئے خاص ہوگا، اور باقی دوسرے دروازوں سے بھی یہ امت جنت میں داخل ہوگی۔

۳-هَجَر: جزیرۃ العرب میں ایک بستی کا نام ہے، جو بحرین کے قریب ہے، اور بُصری ملک شام میں دمشق کے قریب ہے، اور مراد طویل فاصلہ ہے، تحدید کرنا مقصود نہیں۔

لغت: المِصْرَاع من الباب: دروازہ کا ایک پٹ...... من الشِّعْر: شعر کا ایک مصرعہ، جمع: مَصَارِيع۔

[۳۲۸-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيْدٍ وَلَحْمٍ. فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ. وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ. فَنَهَسَ نَهْسَةً، فَقَالَ: "أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" ثُمَّ نَهَسَ أُخْرَى، فَقَالَ: "أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لاَ يَسْأَلُوْنَهُ قَالَ: "أَلاَ تَقُوْلُوْنَ كَيْفَهْ؟" قَالُوْا: كَيْفَهْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ" وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمَعْنَى حَدِيْثِ أَبِيْ حَيَّانَ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، وَزَادَ فِيْ قِصَّةِ إِبْرَاهِيْمَ، وَذَكَرَ قَوْلَهُ فِي الْكَوْكَبِ: ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ وَقَوْلَهُ لِآلِهَتِهِمْ: ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾[الأنبياء: ۶۳] وَقَوْلَهُ: ﴿إِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ قَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ إِلَى عِضَادَتَي الْبَابِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ، أَوْ: هَجَرٍ وَمَكَّةَ"

قَالَ: لاَ أَدْرِيْ أَيَّ ذٰلِكَ قَالَ.

وضاحت: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی حدیثِ شفاعت ہے جو ابھی گذری ہے، جو ابو حیان نے بواسطہ ابو زرعہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، عمارۃ بن القعقاع نے بھی اسی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے، اور ابو حیان کے ہم معنی روایت کی ہے اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ایک جگہ وہم ہے،

تفصیل آرہی ہے۔

لغات: قَصْعَة: پیالہ، جمع: قِصَعٌ و قِصَاع وَ قَصَعَات...... ثرید: روٹی کو توڑ کر شوربے میں بھگو کر بنایا ہوا کھانا، اسی طرح گوشت پکتے ہوئے اس میں روٹی کے ٹکڑے ڈال دیئے جائیں تو یہ بھی ثرید ہے، ثرید: لذیذ، نرم اور زود ہضم ہوتا ہے...... نَهَسَ (ف، س) نَهْسًا اللَّحْمَ: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھانا...... عِضَادَتَي الْلباب: چوکھٹ کے دونوں بازو، اسی سے بولتے ہیں: فلانٌ عِضَادَةُ فلانٍ: فلاں فلاں کا معاون ومددگار ہے۔

**قوله: وذكر قوله في الكوكب ﴿ هٰذَا رَبِّیْ ﴾:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات میں سے ایک حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، اور اس حدیث میں ستارہ والے واقعہ کا ذکر ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ستارہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ: "یہ میرا رب ہے" وہ تین کذبات میں سے ایک ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث جو محمد بن سیرین کے طریق سے مروی ہے اس میں بھی حضرت سارہ ہی کا واقعہ ہے، کوکب والا واقعہ نہیں ہے، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں کوکب کے تذکرہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار کذبات تھے، جبکہ محمد بن سیرینؒ کی روایت میں حصر کے ساتھ تین کذبات کا ذکر ہے، اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ کسی راوی کا وہم ہے، اس نے في سارة کی جگہ في الكواكب کر دیا، جبکہ تمام طرق میں حضرت سارہ کا واقعہ ہے۔ علاوہ ازیں ستارہ والا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانۂ طفولیت کا ہے اور بچہ احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا، اور اگر بلوغ کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے تو پھر انھوں نے قوم کی تنبیہ کی خاطر بفرض محال کلام کیا تھا، اس لئے اس حدیث میں کوکب کا تذکرہ راوی کا وہم ہے۔ واللہ اعلم (فتح الملہم)

[۳۲۹-] حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفِ بْنِ خَلِيْفَةَ الْبَجَلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، وَأَبُوْ مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ. فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ. فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ. فَيَقُوْلُ: وَهَلْ أَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيْئَةُ أَبِيْكُمْ آدَمَ! لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ. اذْهَبُوْا إِلَى ابْنِيْ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ. قَالَ: فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ: لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ. إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ. اعْمِدُوْا إِلٰى مُوْسٰى صلى الله عليه وسلم الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا. فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى صلى الله عليه وسلم فَيَقُوْلُ: لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ. إِذْهَبُوْا إِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهِ، فَيَقُوْلُ عِيْسٰى صلى الله عليه وسلم لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ. فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم: فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهُ، وَتُرْسَلُ الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ. فَتَقُوْمَانِ جَنَبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا. فَيَمُرُّ أَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ" قَالَ: قُلْتُ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ! أَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ؟ قَالَ: "أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ

فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ؟ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ، ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ، تَجْرِيْ بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ. وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ: رَبِّ! سَلِّمْ سَلِّمْ، حَتّٰى تَعْجِزَ أَعْمَالُ الْعِبَادِ، حَتّٰى يَجِيْءَ الرَّجُلُ فَلاَ يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ إِلاَّ زَحْفًا. قَالَ: وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلاَلِيْبُ مُعَلَّقَةٌ، مَأْمُوْرَةٌ بِأَخْذِ مَنْ أُمِرَتْ بِهِ، فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ، وَمَكْدُوْسٌ فِي النَّارِ" وَالَّذِيْ نَفْسُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ! إِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعُوْنَ خَرِيْفًا.

ترجمہ: حضرات ابو ہریرہ وحذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ (قیامت کے دن) لوگوں کو اکٹھا کریں گے، پھر مؤمنین کھڑے رہیں گے، یہاں تک کہ ان سے جنت قریب کردی جائے گی، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے: اے ہمارے ابا! ہمارے لئے جنت کھلوایئے، وہ فرمائیں گے: تمہیں جنت سے تمہارے باپ آدم کی غلطی ہی نے نکالا ہے، میں اس کا اہل نہیں ہوں، یعنی میں یہ کام انجام نہیں دے سکتا، تم میرے بیٹے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ، نبی ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں، میں دور دور کا دوست تھا، یعنی اگرچہ میں خلیل اللہ ہوں مگر میرا رتبہ کم ہے، موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی فرمائی ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں، تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ جو کلمۃ اللہ اور روح اللہ [1] ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں، پس وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے۔

آنحضور ﷺ کھڑے ہونگے اور آپؐ کو جنت کھولنے کی اجازت دی جائے گی، اور امانت داری اور ناطہ (رشتہ داری) بھیجے جائیں گے، پس وہ پل صراط کے دائیں اور بائیں کھڑے ہونگے، پس تم میں سے پہلا شخص (یا پہلا گروہ) بجلی کے مانند پل صراط پر سے گذر جائے گا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! بجلی کی طرح گذرنے کی کیا صورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے! کیسے آنکھ جھپکتے ختم ہوجاتی ہے؟ پھر ہوا کے گذرنے کی طرح، پھر اڑنے والے پرندے اور تیز دوڑنے والے آدمی کے گذرنے کی طرح، ان کے ساتھ ان کے اعمال چلیں گے یعنی گذرنے میں یہ تفاوت لوگوں کے اعمال کے مطابق ہوگا، اور تمہارے نبی (ﷺ) پل صراط پر کھڑے ہوئے دعا فرمارہے ہونگے: اے میرے رب! بچایئے! بچایئے!! یہاں تک کہ بندوں کے اعمال ختم ہوجائیں گے یعنی سب صالحین گذر جائیں گے، یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا اور وہ چلنے پر قادر نہیں ہوگا، مگر گھسٹ کر، اور پل صراط کی دونوں جانبوں میں آنکڑے لٹکے ہوئے ہونگے، وہ مکلف ہونگے اس شخص کو پکڑنے کے جس کے بارے میں ان کو حکم دیا جائے گا، پس کوئی زخمی ہوکر نجات حاصل کرے گا اور کوئی کٹ کٹا کر جہنم میں جا پڑے گا۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے! جہنم کی گہرائی ستر برس کی مسافت ہے۔

(۱) اللہ کا کلمہ اور اللہ کی روح ہونے کا مطلب دیکھئے: ص: ۴۰۰ احدیث نمبر ۴۶ کی شرح۔

تشریح: اہل محشر دومرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس درخواست لے کر حاضر ہونگے، اور دونوں ہی مرتبہ تمام انبیاء کرام معذرت کرلیں گے اور آخر میں آنحضور ﷺ سفارش فرمائیں گے، پہلی مرتبہ حشر کے الم وکرب اور ہول سے نجات اور حساب وکتاب شروع کرنے کی درخواست لے کر لوگ حضراتِ انبیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہونگے، اور دوسری مرتبہ جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے حضراتِ انبیاء کرام سے یکے بعد دیگرے درخواست کریں گے، مگر دونوں ہی مرتبہ ان حضرات میں سے کوئی آمادہ نہیں ہوگا، پھر آنحضور ﷺ دربارِ خداوندی میں پہنچ کر سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش پر حساب وکتاب کا سلسلہ بھی شروع ہوگا اور آپ ہی کی سفارش سے جنت کا دروازہ بھی کھلے گا اور جنتی جنت میں پہنچیں گے۔

**قوله: إنما کنتُ خلیلا من وراءَ وَرَاءَ:** جب لوگ درخواست لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو انھوں نے تواضعاً فرمایا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور لفظ وراء دومرتبہ استعمال فرمایا، یعنی میں دور دور کا دوست ہوں، یہ بات کسرِ نفسی کے طور پر فرمائیں گے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی براہِ راست حاصل ہوا ہے، لہٰذا ان کے پاس جاؤ۔

[۳۳۰-] حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیْمَ، قَالَ قُتَیْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ، عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ یَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ. وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِیَاءِ تَبَعًا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "میں لوگوں میں سب سے پہلے جنت کی سفارش کروں گا، اور انبیاء کے متبعین میں سب سے زیادہ میرے متبعین ہونگے۔

تشریح: تبعًا (بفتحتین) تابع کی جمع، یعنی جنت میں سب سے زیادہ آنحضور ﷺ کے متبعین ہونگے، جنت میں امتِ محمدیہ کی تعداد کل جنتیوں کی دوتہائی ہوگی اور متبعین کی کثرت سے متبوع کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

فائدہ: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بایں معنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی افضلیت دیگر ائمہ مجتہدین پر ثابت ہوتی ہے، کیونکہ فروعی احکام میں مسلمانوں کی اکثریت ان کے متبع ہے۔

[۳۳۱-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ سُفْیَانَ، عَنْ مُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ. وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ یَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ"

وضاحت: یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختار بن فُلفُل نے روایت کی ہے، اور ان سے جریر نے بھی روایت

کی ہے جو اوپر گذری اور یہ حدیث سفیان نے روایت کی ہے اور الفاظ ان کے ذرا مختلف ہیں۔

**قوله: أنا أول مَنْ يَقْرَعُ:** سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، یعنی دروازہ کھلواؤں گا...... قَرَعَ الباب (ف) قَرْعًا: دروازہ کھٹکھٹانا، اسی سے مثل ہے: مَن قَرَعَ بَابًا وَلَجَّ وَلَجَ: جو شخص دروازہ کھٹکھٹائے اور اصرار کرے وہ داخل ہوتا ہے۔

[۳۳۲-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ، قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم: "أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ. لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ. وَإِنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا يُصَدِّقُهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ"

[۳۳۳-] وَحَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: "آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُوْلُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَأَقُوْلُ: مُحَمَّدٌ. فَيَقُوْلُ: بِكَ أُمِرْتُ لاَ أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ"

**وضاحت:** حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث مختار بن فلفل سے زائدہ نے بھی روایت کی ہے، اور مختار کے علاوہ ثابت بنانی نے بھی حضرت انسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

**قوله: أنا أوّل شفيع في الجنة:** میں جنت میں دخول کی سب سے پہلے سفارش کروں گا، نبیوں میں سے کوئی تصدیق نہیں کیا گیا جتنی میں تصدیق کیا گیا ہوں، یعنی انبیاء کی جماعت میں سب سے زیادہ لوگوں نے میری پیروی کی ہے، پس آپ ﷺ کی ہی امت سب سے بڑی ہوگی، اور انبیاء کی جماعت میں ایسا نبی بھی ہے جس کی صرف ایک شخص نے تصدیق کی، یعنی اس کا صرف ایک ہی امتی ہے۔

**قوله: ما صُدّقت:** ما مصدر یہ ہے أی لم يصدق نبی تصديقا مثل تصديق أمتي: یعنی کسی نبی کی ایسی تصدیق نہیں کی گئی جیسی میری امت نے میری تصدیق کی ہے، یعنی انبیاء میں آنحضور ﷺ کی تصدیق کرنے والے سب سے زیادہ ہیں۔

حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى، قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوْهَا. فَأُرِيْدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

**ترجمہ:** نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے لئے ایک (مقبول) دعا ہے، ہر نبی نے وہ (مقبول) دعا دنیا میں مانگ لی

ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی مقبول دعا کو ریزرو رکھوں (چھپا کر رکھوں) آخرت میں میری امت کی سفارش کے لئے۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر نبی سے ایک دعا کے یقینی طور پر قبولیت کا حتمی وعدہ کیا گیا ہے، اور ہر نبی نے دنیا ہی میں وہ دعا مانگ لی ہے، مگر آنحضور ﷺ نے اپنی اس مخصوص ومقبول دعا کو محفوظ رکھا ہے اور قیامت کے دن اس مقبول دعا کے ذریعہ آپ اپنی امت کی سفارش فرمائیں گے، اور ہر وہ شخص جس کی موت اس حال میں ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، اس کو آپ ﷺ کی سفارش حاصل ہوگی، اس حدیث سے رسولِ اکرم ﷺ کی اپنی امت پر انتہائی شفقت ورحمت ظاہر ہوتی ہے۔

اور ایک مقبول دعا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انبیاء کی دیگر دعائیں مقبول نہیں ہوئیں، بلکہ ایک دعا کی مقبولیت حتمی ہے اور دیگر دعاؤں میں دونوں احتمال ہیں، چنانچہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی بہت سی دعائیں مقبول ہوئی ہیں اور بعض دعائیں رد بھی ہوئی ہیں۔ نبی ﷺ نے ایک سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب اللہ عزوجل سے تین دعائیں کیں، ان میں سے دو دعائیں قبول ہوئیں اور ایک دعا قبول نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دیگر دعائیں مقبول بھی ہوئی ہیں اور غیر مقبول بھی۔

[۳۳۵-] وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ. وَأَرَدْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

[۳۳۶-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ، مِثْلَ ذٰلِكَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

[۳۳۷-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لِكَعْبِ الْأَحْبَارِ: إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا فَأَنَا أُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَقَالَ كَعْبٌ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: نَعَمْ.

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ابن شہاب زہری نے ابو سلمہ اور عمرو بن ابی سفیان بن اسید کے واسطوں سے روایت کی ہے، پھر ان سے امام مالک، ابن شہاب کے بھتیجے اور یونس روایت کرتے ہیں۔ امام مالک

صرف ابوسلمہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں، اور ابن شہاب کے بھتیجے ابوسلمہ اور عمرو بن ابی سفیان دونوں طریق سے روایت کرتے ہیں، اور یونس صرف عمرو بن ابی سفیان کے طریق سے روایت کرتے ہیں۔

**قوله: وأردتُ إن شاء الله**: لفظ إن شاء الله تبرکا لایا گیا ہے...... **أختبي**: مضارع واحد متکلم، إختباء (از افتعال) کے معنی ہیں: إختفاء، یعنی چھپانا۔

**تعارف: کعب الاحبار**: احبار: حِبْرٌ کی جمع ہے، بڑا عالم، الحبر الأعظم: پوپ، یہودیوں کے نزدیک کاہنوں کا سردار، ان کے والد کا نام ماتع تھا، علماء اہل کتاب میں آپ کا شمار ہے، توریت کے بڑے عالم تھے اور حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں مسلمان ہوئے اور خلافتِ عثمانی میں ۳۲ ہجری میں حمص میں وفات پائی۔

**قوله: فهي نائلة إن شاء الله من مات**: مَن مات: محلاً منصوب ہے مفعول ہونے کی بناء پر، اور لا یشرک باللہ: محلاً منصوب ہے حال ہونے کی بناء پر، تقدیر عبارت ہے: شفاعتي نائلة من مات غير مشرك: ترتیب اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے پہلے اس دعا کو مؤخر کرنے کا ارادہ فرمایا، پھر اس بات کا پختہ ارادہ کیا، اور اس کی قبولیت کی امید باندھی، پھر اللہ عزوجل نے اس کی قبولیت کی اطلاع دی تو آپؐ نے جزم کے ساتھ قبولیت کا اعلان فرمایا (فتح الملہم)

[۳۳۸-] حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ- وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ كُرَيْبٍ- قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ، وَإِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَهِيَ نَائِلَةٌ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِيْ لاَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا"

[۳۳۹-] حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ عُمَارَةَ- وَهُوَ: ابْنُ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:"لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُوْ بِهَا. فَيُسْتَجَابُ لَهُ فَيُؤْتَاهَا، وَإِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

[۳۴۰-] حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدٍ- وَهُوَ: ابْنُ زِيَادٍ- قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَا بِهَا فِيْ أُمَّتِهِ فَاسْتُجِيْبَ لَهُ. وَإِنِّيْ أُرِيْدُ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، أَنْ أُؤَخِّرَ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

وضاحت: پہلی حدیث اعمش نے بواسطہ ابوصالح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور دوسری حدیث عمارۃ بن القعقاع نے بواسطہ ابوزرعہ اور تیسری حدیث شعبہ نے بواسطہ محمد بن زیاد حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ مضمون سب روایتوں کا ایک ہے۔

[۳۴۱-] حَدَّثَنِيْ أَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا- وَاللَّفْظُ لِأَبِيْ غَسَّانَ- قَالُوْا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ- يَعْنُوْنَ ابْنَ هِشَامٍ- قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ قَتَادَةَ: قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ، وَإِنِّيْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

[۳۴۲-] وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ أَبِيْ خَلَفٍ. قَالاَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ.

[۳۴۳-] وَحَدَّثَنَاه أَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ. ح: وَحَدَّثَنِيْهِ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدٍ الْجَوْهَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، جَمِيْعًا عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الإِسْنَادِ. غَيْرَ أَنَّ فِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ قَالَ: قَالَ: "أُعْطِيَ" وَفِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ أُسَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۳۴۴-] وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الأَعْلٰى، قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ.

[۳۴۵-] وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِيْ خَلَفٍ، قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فِيْ أُمَّتِهِ، وَخَبَأْتُ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

وضاحت: آنحضور ﷺ سے ایک مقبول دعاوالی روایت حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کی ہے، پھر حضرت انسؓ سے قتادہ اور معتمر کے والد روایت کرتے ہیں، اور معتمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ سے ہشام، شعبہ اور مسعر روایت کرتے ہیں اور حضرت جابرؓ سے ابوالزبیر نے روایت کیا ہے۔

قوله: حدثني أبو غسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ ومحمدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا: پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت امام مسلم رحمہ اللہ روایت حدیث میں غایت درجہ محتاط ہیں، اور حدثنا اور حدثنی کے فرق کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، اگر استاذ سے تنہا حدیث سنی ہے تو حدثنی کہتے ہیں اور مجمع میں سنی ہے تو حدثنا کہتے ہیں،

یہاں بھی اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تین اساتذہ سے سنی ہے: ابوغسان سے، محمد بن المثنی سے اور ابن بشار سے اور ابوغسان سے تنہا یہ حدیث سنی ہے، اور محمد بن المثنی اور ابن بشار سے مجمع میں سنی ہے، اس فرق کو واضح کرنے کے لئے حضرت رحمہ اللہ نے شروع میں حدثنی اور آخر میں حدثنا کہا، یعنی دونوں نے ہم سے حدیث بیان کی۔ غرض عبارت میں خواہ مخواہ کی طوالت نہیں، بلکہ اس میں لطیف اشارہ ہے، پس محمد بن المثنی وابن بشار

مبتداء ہے اور حدثانا: خبر اور اس کا عطف ابوغسان پر نہیں ہے (شرح نووی)

**قوله: أُعْطِيَ:** امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث نمبر ۳۴۳ دو اساتذہ: ابوکریب اور ابراہیم بن سعید سے لی ہے، ابوکریب: وکیع سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے **لکل نبی دعوة** کے بجائے **أُعطِيَ لكل نبي دعوة** کہا ہے، اور ابراہیم بن سعید: ابواسامہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے بصیغہ عن روایت ہے، جبکہ دیگر روات **أن نبيَّ الله قال** کہہ کر روایت کرتے ہیں۔

## بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِأُمَّتِهِ وَبُكَائِهِ شَفَقَةً عَلَيْهِمْ

## نبی ﷺ کا اپنی امت کے لئے دعا فرمانا اور بربنائے شفقت اشکبار ہونا

آنحضور ﷺ کو اپنی امت سے غایت درجہ لگاؤ تھا، اس لئے امت کی فکر آپ کو ہمیشہ ستاتی تھی، اگرچہ تمام انبیاء کرام کو اپنی امتوں سے محبت اور لگاؤ ہوتا ہے مگر آنحضور ﷺ کی بات ان سے ایک دم الگ تھی، آپؐ اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق و مہربان تھے اور ہمیشہ آپؐ اپنی امت کے بارے میں فکرمند رہتے تھے، ان کے لئے روتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی جہنم سے رستگاری اور رحمت و مغفرت کی دعا مانگتے تھے، باب کی حدیث میں اسی شفقت و مہربانی کا ایک نمونہ ہے۔

**[۸۱- بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِأُمَّتِهِ وَبُكَائِهِ شَفَقَةً عَلَيْهِمْ]**

[۳۴٦-] حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّدَفِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ بَكْرَ بْنَ سَوَادَةَ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَلاَ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ إِبْرَاهِيمَ: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ﴾ الآيَةَ، وَقَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: "اللّٰهُمَّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ" وَبَكَى. فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا جِبْرِيْلُ! اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ، وَرَبُّكَ أَعْلَمُ، فَسَلْهُ مَا يُبْكِيْكَ؟ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمَا قَالَ: وَهُوَ أَعْلَمُ- فَقَالَ اللّٰهُ: يَا جِبْرِيْلُ! اذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ: إِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلاَ نَسُوْؤُكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ تلاوت فرمایا: "اے پروردگار! ان بتوں نے بالیقین بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پس جو شخص میرے طریقہ پر چلا وہ یقیناً میرا ہے" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

متعلق آیت تلاوت فرمائی: ''اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یقیناً وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو یقیناً آپ زبردست حکمت والے ہیں'' پس نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی: اے اللہ! میری امت! میری امت!! اور آپ اشکبار ہو گئے (امتی! ای ارحمھم واغفر لھم) پس اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، جبکہ آپ کا رب خوب جانتا ہے، اور ان سے پوچھو: آپ کو کس چیز نے رُلایا؟ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور نبی ﷺ سے پوچھا: (کہ آپ کیوں روئے؟) ان کو رسول اللہ ﷺ نے پوری بات بتائی (کہ مجھے اپنی امت کی فکر ہے اس لئے میں رویا) —— اور اللہ اس کو بھی خوب جانتا ہے —— پس اللہ نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں ضرور راضی کریں گے اور آپ کو غمگین نہیں ہونے دیں گے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں دو آیتوں کا حوالہ ہے، پہلی آیت سورۂ ابراہیم کی (آیت ۳۶) ہے، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا کا تذکرہ ہے جو انھوں نے دنیا میں فرمائی تھی اور دوسری سورۂ مائدہ کی (آیت ۱۱۸) ہے، اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ ہے جو وہ میدانِ حشر میں کریں گے —— حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم سے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے شیر خوار لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ شریف میں خانۂ خدا کے قریب بسایا تھا جو اس وقت ایک اجاڑ میدان تھا، پھر جب شہر بس گیا تو آپ نے یہ دعا فرمائی: اے پروردگار! اس شہر کو (مکہ مکرمہ کو) امن والا بنادے، اور مجھے اور میرے لڑکوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھ، پروردگار! ان بتوں نے یقیناً بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پس جو شخص میرے طریقہ پر چلا وہ یقیناً میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو آپ یقیناً بے حد درگذر کرنے والے نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا دنیا میں فرمائی تھی اس لئے انھوں نے غفور رحیم صفت ذکر فرمائی، یعنی ابھی موقع ہے کہ آپ اپنی رحمت سے اس کو توبہ اور دین حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس کے پہلے گناہ معاف فرمادیں تو وہ پھر میرا ہو جائے گا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میدانِ حشر میں دعا فرمائیں گے: ''اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یقیناً وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت کردیں تو یقیناً آپ صاحب قدرت صاحب حکمت ہیں، یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کرسکتے، اس لئے اگر آپ انہیں سزادیں گے تو وہ سزا عین عدل ہوگی اور بالفرض معاف کردیں تو یہ معافی سراسر حکمت ہوگی، چونکہ آپ عزیز (زبردست غالب) ہیں اس لئے کوئی مجرم آپ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا، اور حکیم (حکمت والے) ہیں اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں۔ غرض جو فیصلہ آپ ان مجرموں کے بارے میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا، حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء کارگر نہیں ہوگی، اس لئے آپ نے ﴿عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ صفتیں ذکر فرمائیں اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا دنیا میں فرمائی تھی جہاں نافرمانی اور بت پرستی سے رجوع الی الحق کی توفیق کا وقت ہے، اس لئے آپ نے صفت غفور رحیم ذکر فرمائی۔

۲-آنحضور ﷺ نے بھی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور آپ اپنی امت کو یاد کر کے اشکبار ہو گئے، اللہ عزوجل کو اپنے حبیب کا یوں غمگین ہونا اور رونا گوارا نہ ہوا، فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر یہ مژدہ سنایا کہ آپ غمگین نہ ہوں، بروزِ قیامت ہم آپ کو آپ کی امت کے تعلق سے راضی کر دیں گے اور بالکل رنجیدہ خاطر نہیں ہونے دیں گے، اس سے آنحضور ﷺ کی امت پر شفقت و مہربانی، لطف و کرم اور کامل توجہ کا پورا پورا ظہور ہوتا ہے۔

۳-علامہ نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، مثلاً: یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، امتِ محمدیہ کے لئے عظیم خوشخبری ہے، اور وعدہ ربانی کے باعث بہت زیادہ امید بندھتی ہے، اور عند اللہ نبی پاک ﷺ کی شان رفعت اور اللہ عزوجل کا رسولِ اکرم ﷺ پر عظیم الطاف کا اظہار ہوتا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اسی غرض سے بھیجا تھا کہ آنحضور ﷺ کی شرف و بزرگی عیاں ہو، ورنہ کائنات کی کوئی بھی بات اللہ عزوجل سے مخفی نہیں، آپ عالم الغیب والشہادۃ ہیں، ان کے علاوہ اور بھی فوائد پر یہ حدیث مشتمل ہے۔

**قوله: إِنا سَنُرْضِيكَ فِي أُمتِكَ وَلاَ نَسُوْؤُكَ:** سَنُرْضِيكَ سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ بعض امتیوں کی بابت راضی کرنے کا وعدہ ہے اس لئے نَسُوْءُ تاکید لاکر ظاہر کیا کہ بعض نہیں بلکہ پوری امت کی طرف سے آپ کو راضی کریں گے، اور کسی طرح کا حزن و ملال آپ کو نہیں ہونے دیں گے۔ علماء فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ ایک امتی کو بھی جہنم میں گوارا نہیں کریں گے، اور جب تک تمام گنہ گار مؤمن جہنم سے نکل نہیں جائیں گے آپ راضی نہیں ہونگے۔

**یَا ربِّ صل وسلم دائما أبدا ۞ علی حبیبک خیر الخلق کلهم**

## بَابُ بَيَانِ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَلاَ تَنَالُهُ شَفَاعَةٌ وَلاَ تَنْفَعُهُ قَرَابَةُ الْمُقَرَّبِيْنَ

## جو کفر و شرک پر مرا وہ دوزخ میں جائے گا نہ اس کو کسی کی شفاعت حاصل ہوگی اور نہ مقربین (برگزیدہ بندوں) کی قرابت نفع بخش ہوگی

آخرت کی کامیابی و کامرانی کے لئے اولین شرط ایمان ہے، ایمان کے بغیر کسی شخص کی مغفرت نہیں ہوگی، اور نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش سودمند ہوگی، خواہ دین اسلام کے لئے اس کی کتنی ہی اہم خدمات ہوں، اور کسی اللہ کے برگزیدہ بندے کی قرابت کا شرف حاصل ہو، پھر بھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ

یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾: اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشیں گے نہیں، ہاں شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہیں گے معاف فرمادیں گے، ابوطالب کی دین اسلام کے لئے بڑی خدمات تھیں اور انھوں نے آنحضور ﷺ کی ہر طرح اعانت ومدد فرمائی تھی، اور سید الکونین ﷺ کے محبوب چچا ہونے کا ان کو شرف حاصل تھا، مگر دولتِ ایمان سے ان کا دامن خالی تھا اس لئے یہ خدمات اور قرابت ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور ان کو بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم کا ایندھن بننا پڑے گا۔

## [ ۸۲-بَابُ بَیَانِ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ فَهُوَ فِی النَّارِ، وَلَا تَنَالُهُ شَفَاعَةٌ وَلَا تَنْفَعُهُ قَرَابَةُ الْمُقَرَّبِینَ ]

[۳۴۷-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِیْ شَیْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَیْنَ أَبِیْ؟ قَالَ: "فِی النَّارِ" فَلَمَّا قَفّٰی دَعَاهُ فَقَالَ: "إِنَّ أَبِیْ وَأَبَاكَ فِی النَّارِ"

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا باپ کہاں ہے؟ (اس کا باپ مرچکا تھا اور کفر پر اس کی موت ہوئی تھی) آپ نے فرمایا: جہنم میں ہے! پھر جب اس نے پیٹھ پھیری یعنی واپس جانے لگا تو آنحضور ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: "میرا باپ بھی اور تیرا باپ بھی جہنم میں ہیں" —— کیونکہ دونوں کی موت کفر وشرک پر ہوئی ہے اور مشرک کی مغفرت ممکن نہیں۔

تشریح:

۱-علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کفر وشرک پر مرا وہ دوزخی ہے، اور کسی بھی مقرب اور برگزیدہ بندہ کی قرابت اس کے کچھ کام نہیں آئے گی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ فترت کے لوگ جو بت پرست تھے، اور اسی حال میں مرے ان کا حشر بھی دوزخیوں کے ساتھ ہوگا، اور یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جب ان کو دعوت نہیں پہنچی اور آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہوگیا تو پھر ان کو دوزخ کی سزا کیوں ملے گی؟ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی دعوت ان کو پہنچ چکی تھی، پس ان کے کفر وشرک پر مؤاخذہ عین عدل وحکمت ہے۔

۲-آنحضور ﷺ کے والدین محترمین ناجی ہیں یا ناری؟ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف رہی ہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدین محترمین ناجی نہیں، اس لئے کہ ان کا کفر وشرک پر انتقال ہوا ہے اور زمانہ فترت کے لوگوں کی بھی اگر کفر وشرک پر انتقال ہوا ہے مغفرت نہیں ہوگی، اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی

دعوت ان کو پہنچ چکی تھی، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے زواجر میں تحریر فرمایا ہے کہ والدین محترمین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خصوصی معاملہ فرمایا ہے۔ اللہ عزوجل نے بعد از مرگ ان کو زندہ کیا اور انھوں نے حضور پاک ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان قبول کیا، علامہ قرطبی اور حافظ ابن ناصر الدین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے [1] اور لکھا ہے کہ آنحضور ﷺ کے اعزاز واکرام میں قاعدہ کے برخلاف والدین محترمین کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقہ اکبر میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ کے والدین کی موت کفر پر ہوئی ہے، نیز مسلم شریف میں مذکور آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ میں نے اللہ عزوجل سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت طلب کی مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی، اور مذکورہ ارشاد کہ میرا اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی پیش کردہ روایت کے معارض نہیں، اس لئے کہ ممکن ہے والدین محترمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد میں پیش آیا ہو۔

(شامی ۳٦۹:٦ کتاب الجہاد باب المرتد)

جاننا چاہئے کہ زمانۂ فطرت کے لوگوں کے سلسلہ میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان اختلاف ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ اگر زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ ناجی کہلائیں گے، اس ضابطہ کی رو سے والدین محترمین ناجی ہیں، کیونکہ ان کا آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل انتقال ہو گیا تھا، اور ماتریدیہ کا نظریہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا انتقال جلدی ہو گیا اور ان کو بابِ توحید میں غور وفکر کا موقع نہیں ملا اور ایمان وکفر کا عقیدہ قائم کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ان کو عذاب نہیں ہوگا، البتہ اگر کفریہ عقیدہ رکھا یا غور وفکر کا موقع ملا اور ایمان وکفر کے اعتقاد کے بغیر مر گیا تو نجات نہیں ہوگی۔

الغرض: والدین محترمین کے ناجی اور ناری ہونے کا مسئلہ بڑا نازک ہے، اور یہ دین کا کوئی بنیادی مسئلہ بھی نہیں، جس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہو اس لئے احوط راستہ اس سلسلہ میں سکوت ہے۔ واللہ اعلم (یہ تقریر فتح الملہم سے ماخوذ ہے)

## اہلِ فترت اور پہاڑوں پر رہنے والوں کا حکم

### ماخوذ از: رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (۱۱۴:۱)

اہلِ فترت اور اہلِ جاہلیت: دو نبیوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں، جب ایک نبی کی دعوت ختم ہو جائے، یعنی ان کا لایا ہوا صحیح دین دنیا میں باقی نہ رہے اور اگلا نبی ابھی نہ آیا ہو تو اس درمیانی وقفہ کے لوگوں کو اصحابِ فترت اور اہلِ جاہلیت کہتے ہیں۔

اور سُکّان شواہق جبال: پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن تک نبی کی دعوت نہیں پہنچی، یعنی وہ کسی ایسے دور دراز خطے میں بستے ہیں کہ اللہ کے دین کے داعی وہاں تک نہیں پہنچ سکے، نہ کسی اور ذریعہ سے اللہ

(۱) بہت سے محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے (حاشیہ فتح الملہم)

کے دین کی بات ان کے کان میں پڑی۔

مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کا اخروی انجام کیا ہوگا؟ ناجی ہونگے یا ناری؟ یہ کانٹوں بھرا مسئلہ ہے، کیونکہ ان کے بارے میں دلائل متعارض ہیں:

۱-سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۵ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ معذب نہ ہونگے، ناجی ہونگے، حالانکہ اس آیت میں دنیوی عذاب (سزا) کا ذکر ہے، جو حق وباطل کی کشمکش کے آخر میں عملی فیصلہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے، آخرت کے عذاب سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

۲-اور ابن ماجہ میں صحیح سند سے حدیث (نمبر ۱۵۷۳) ہے کہ ایک دیہاتی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میرے ابا صلہ رحمی کرتے تھے، اور فلاں فلاں اعمالِ صالحہ کرتے تھے، اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہیں ـــــ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اس دیہاتی کو یہ بھی حکم دیا کہ: حَيْثُمَا مَرَرْتَ بقبر مشرك فَبَشِّرْهُ بالنار: تم جس کافر کی بھی قبر پر گذرو اس کو جہنم کی خوشخبری دو، اس سائل کا باپ اصحابِ فترت میں سے تھا اور وہ اصحابِ قبور بھی اہلِ فترت میں سے تھے، پس اس روایت سے ان کا معذب ہونا ثابت ہوتا ہے [1]۔

الغرض یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں:

(۱) شیخ محی الدین ابن عربی (۵٦۰-٦۳۸ھ) جو ساتویں صدی کے مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، فتوحاتِ مکیہ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف میدانِ محشر میں نبی مبعوث کئے جائیں گے، جو لوگ ان کی اتباع کریں گے وہ ناجی ہونگے اور جو ان کا انکار کریں گے وہ ناری ہونگے ـــــ مگر یہ بات بے دلیل ہے اور یوم قیامت دارِ عمل نہیں، بلکہ دارِ جزاء ہے۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی رحمہ اللہ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے تقریباً ایک صدی پہلے گذرے ہیں، مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کی جو سزا دینی ہے وہ میدانِ محشر میں دیدی جائے گی، پھر ان کو دیگر حیوانات کی طرح مٹی بنادیا جائے گا، اور مجدد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ رائے تمام انبیاء کی محفل میں پیش کی، تو سب نے میری رائے پسند کی اور اس کو صحیح قرار دیا ـــــ یہ کوئی مکاشفہ ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی کا بھی کشف حجت شرعیہ نہیں، وہ محض ظن پیدا کرتا ہے، حکم شرعی ثابت کرنے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

(۳) مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ وہ لوگ اعراف میں رہیں گے، جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ایک مقام ہے، مگر یہ

(۱) باب میں مذکور حدیث سے بھی اصحابِ فترت کا معذب ہونا ثابت ہے، اس لئے کہ سائل کا باپ بھی اصحابِ فترت میں سے تھا اور آنحضور ﷺ کے والد ماجد بھی، اور آپؐ نے دونوں کے دوزخ میں ہونے کی بات فرمائی ہے۔

رائے بھی درست نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، تمام اہل اعراف آخر میں جنت میں منتقل کردیئے جائیں گے۔

(۴) اصولیوں کی عام رائے یہ ہے کہ اعمال کا حسن وقبح من وجہٍ عقلی ہے، یعنی اعمال کی وضع ہی میں خوبیاں اور خرابیاں رکھی گئی ہیں، مگر یہ فطری حسن وقبح انسان سمجھ نہیں سکتا، اس لئے نزولِ شرع ضروری ہے، البتہ اللہ عزوجل کی معرفت کا حسن اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی برائی انسان نزولِ شرع کے بغیر بھی اپنی خداداد عقل سے سمجھ سکتا ہے، باقی اعمال کے حسن وقبح کا عقل ادراک نہیں کرسکتی، شریعت نازل ہوکر جب احکام دیتی ہے تبھی اعمال کا حسن وقبح معلوم ہوتا ہے۔

پس وہ اعمال جن کا حسن وقبح انسان عقل سے نہیں سمجھ سکتا ان پر نزولِ شرع سے پہلے مؤاخذہ نہیں ہوگا، اور توحید وشرک پر جزاوسزا مرتب ہوگی۔ علامہ محبّ اللہ بہاری رحمہ اللہ نے مسلّم الثبوت (ص:۱٦) میں امام اعظمؒ سے یہی روایت نقل کی ہے، انھوں نے لکھا ہے: رُوِیَ عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: لاَ عُذر لأحد فی الجهل بِخالقه لما یری من الدلائل: پھر علامہ نے اس روایت میں ایک قید بڑھائی ہے، اور مذکورہ مسئلہ اس روایت پر متفرع کیا ہے، لکھتے ہیں: أقول: لعل المرادَ بعد مُضِیِّ مدة التأمل، فإنه بمنزلة دعوة الرسل فی تنبیه القلب بذلک، وتلک المدة مختلفة، فإن العقول متفاوتة، وبما حَرَّرنا من المذاهب ینفرع علیه مسألة البالغ فی شاهق الجبل۔

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور احسان مندی کا حسن اور شرک اور احسان فراموشی کی برائی عقل سے اس لئے سمجھی جاسکتی ہے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے پچھلی زندگی میں سمجھا کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: کل مولود یولد علی الفطرة: ہر بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے، کیونکہ یہ عالم اجساد ہے اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جاچکی ہے، اور تمام روحیں عالم ارواح میں موجود ہیں، وہاں سے وہ روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴾: اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں، تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

یہ عہدِ الست اور عالم ذرّ کا واقعہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی، جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا، یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں، یہ مضمون مسند احمد

(ج۱،ص۲۷۲)اور مستدرک حاکم (ج۲ص۴۴) کی روایت میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں، بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا۔ بخاری شریف میں روایت ہے: الأرواح جُنُودٌ مُجنَّدَة: عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے کہ فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں، پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لاکر فرشتہ پھونکتا ہے۔

الغرض معرفتِ خداوندی اور ربوبیت کی گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان گو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے مگر اصل استعداد موجود ہے، اس لئے ایمان وتوحید اور اس کی ضد شرک وکفر بالکل عقلی مسئلہ ہے، ان کا حسن وقبح انسان اپنی عقل وفطرت سے سمجھ سکتا ہے، باقی اعمالِ حسنہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا حسن اور اعمالِ سیۂ زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ کا قبح انسان اپنی عقل سے نہیں سمجھ سکتا، نزولِ شرع کے بعد ہی سمجھ سکتا ہے، اس وجہ سے ایمان وکفر کی وجہ سے اہل فترت اور سکان شواہق جبال کو جزا وسزا ہوگی۔ باقی اعمال کی وجہ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرما کر فرمایا ہے کہ اگر آپ نے گذشتہ بحث اچھی طرح سمجھ لی ہے تو اہل جاہلیت کے بارے میں جو متعارض دلائل ہیں ان میں آپ تطبیق دے سکتے ہیں، تطبیق کس طرح ہوگی؟ یہ بات حضرت رحمہ اللہ نے تشنہ چھوڑ دی ہے، بظاہر تطبیق یہ ہے کہ جن اعمال کا حسن وقبح عقل وفطرت سے سمجھا جا سکتا ہے ان پر مؤاخذہ ہوگا، باقی اعمال جن کا حسن وقبح انسانی عقل ادراک نہیں کر سکتی، نزولِ شرع کے بعد ہی اس تک رسائی ہو سکتی ہے، ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ اعمال کا حسن وقبح من کل الوجوہ نہ عقلی ہے نہ شرعی، بلکہ من وجہٍ عقلی ہے اور من وجہٍ شرعی، پس ایمان وکفر میں عقلی پہلو کا اعتبار ہوگا اور باقی اعمال میں شرعی پہلو ملحوظ رکھا جائے گا۔

[۳۴۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوا، فَعَمَّ وَخَصَّ، فَقَالَ: "يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَابَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلاَلِهَا"

[۳۴۹-] وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ بِهٰذَا الإِسْنَادِ. وَحَدِيثُ جَرِيرٍ أَتَمُّ وَأَشْبَعُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾: نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو پکار کر جمع کیا، پس عام کیا اور خاص کیا، یعنی عام وخاص سب کو خطاب کیا، پس فرمایا: اے کعب بن لُؤَیّ کی اولاد! خود کو جہنم سے بچاؤ، اے مرۃ بن کعب کی اولاد! خود کو جہنم سے بچاؤ، اے عبد شمس کی اولاد! خود کو جہنم سے بچاؤ۔ اے عبد مناف کی اولاد! خود کو جہنم سے بچاؤ، اے بنو ہاشم! خود کو جہنم سے بچاؤ، اے بنو عبد المطلب! خود کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے فاطمہؓ! خود کو جہنم سے بچا، اس لئے کہ میں اللہ کے یہاں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں (نہ نفع کا نہ ضرر کا) سوائے اس کے کہ تمہارے لئے رشتہ داری ہے، عنقریب میں اس کو گیلا کروں گا تر چیزوں سے، یعنی صلہ رحمی کروں گا (عرب گیلا کرنے سے جوڑنا اور سوکھانے سے توڑنا مراد لیتے ہیں)

سند: ابو عوانہ نے بھی یہ حدیث عبد الملک بن عمیر سے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے جریر نے روایت کی ہے، اور جریر کی روایت مکمل اور پیٹ بھر کر ہے، یعنی انھوں نے بالتفصیل روایت کی ہے۔

## تشریح:

۱- اس حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ بروزِ قیامت قرابت داری مطلق کام نہیں آئے گی، اپنا ہی کیا ہوا کام آئے گا، پس ہر ایک کو آخرت کی تیاری کرنی ہے، نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ سے فرمایا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا، دنیا میں تو تمہیں مالی فائدہ پہنچا سکتا ہوں مگر آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، پس ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے۔

۲- غير أن لكم رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا: الرَّحِم: قرابت، رشتہ داری، جمع: أرحام...... بَلَّ (ن) بَلًّا وَبَلَّةً وبَلَالًا: پانی وغیرہ سے تر کرنا...... البِلَال: (اسم) ہر وہ چیز جس سے حلق کو تر کیا جائے، ایک: پلانا اور سیراب کرنا ہے۔ دوسرا: گلا تر کرنا ہے، پیاسے کو گھونٹ بھر پانی دیا جائے تو بھی بڑا احسان ہے، آدمی رشتہ داروں کی تمام ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتا ہاں کچھ تعاون کر سکتا ہے، یہی گلا تر کرنا ہے، یعنی دنیا میں تو تمہیں کچھ مالی فائدہ پہنچا سکتا ہوں مگر آخرت کی فکر ہر شخص کو خود کرنی ہے، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

۳- سورۃ الشعراء (آیت ۲۱۴) ہے: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾: یعنی آپؐ پہلے اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیں، دعوت وتبلیغ کا یہی اصول ہے، پہلے نزدیک کے لوگوں کو دین پہنچانا چاہئے، ان کا دوسروں سے زیادہ حق ہے، پھر درجہ بدرجہ تمام لوگوں پر دین کی محنت کی جائے، اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں بھی اسی ترتیب کا خیال رکھنا چاہئے۔

۴- مذکورہ واقعہ مکی دور کا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدنی دور میں جنگ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں، انھوں نے یہ واقعہ کسی صحابی سے سنا ہے، پس یہ حدیث مرسل صحابی ہے، اور مرسل صحابی حجت ہے، اس پر تقریباً اجماع ہے۔

[٣٥٠-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَيُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الصَّفَا فَقَالَ:" يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. سَلُوْنِيْ مِنْ مَالِيْ مَا شِئْتُمْ"

وضاحت: اس حدیث کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، وہ بھی اس واقعہ کے وقت موجود نہیں تھیں، بلکہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں، پس یہ حدیث بھی مرسل صحابی ہے —— يا فاطمةُ بنتَ مُحمدٍ: میں فاطمۃ پر رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں اسی طرح يا صفيَّةُ بنتَ عبد المطلب میں —— حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضور ﷺ کی پھوپھی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، اوران لوگوں کی تخصیص قریب تر ہونے کی وجہ سے کی ہے۔

[٣٥١-] وَحَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيىٰ، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾: "يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اشْتَرُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ. لاَ أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لاَ أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لاَ أُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! لاَ أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! سَلِيْنِيْ بِمَا شِئْتِ، لاَ أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا"

[٣٥٢-] وَحَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ، قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ ذَكْوَانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ هٰذَا.

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انذار والا واقعہ ابن المسیب اور ابوسلمہ نے بھی روایت کیا ہے اور اعرج نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے ابن المسیب وغیرہ کے ہم معنی روایت کیا ہے...... اشتروا أنفسكم: یہ جہنم سے رستگاری کی تعبیر ہے، یعنی عبادت وبندگی جہنم سے رستگاری کے لئے بمنزلہ فدیہ کے ہے، قرآن مجید میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾: یعنی اللہ عزوجل نے مؤمنین سے ان کی ذاتیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں، پس مؤمنین بائع ہیں اور اللہ تعالیٰ مشتری ہیں، مؤمنین کے نفوس اور ان کے اموال مبیع ہیں اور ثمن جنت ہے، یعنی جب بندہ اللہ عزوجل کی مرضیات بجالانے میں اور منہیات سے بچنے میں پوری پوری سعی صرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا ثمن عطا فرماتے ہیں، یعنی اس کو جہنم سے رستگاری عطا فرماتے ہیں

اور جنت مکیں بناتے ہیں۔

[۳۵۳-] حدثنا أَبُوْ كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ حَدَّثَنَا التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ، عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ، وَزُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو، قَالاَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ: انْطَلَقَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِلٰى رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ، فَعَلاَ أَعْلاَهَا حَجَرًا، ثُمَّ نَادٰى: يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافَاهُ إِنِّيْ نَذِيْرٌ، إِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ: يَا صَبَاحَاهُ"

[۳۵۴-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى، قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عُثْمَانَ، عَنْ زُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو وَقَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِهِ.

قوله: إلى رَضَمَةٍ من جبل: رضمة (بفتح الراء وفتح الضاد وسكونها) الرَّضم، الرِّضام کا واحد ہے، اس کے معنی ہیں: بڑے بڑے پتھر جو تہ بتہ رکھے ہوئے ہوں۔

قوله: يَرْبَأُ أَهْلَه: يَقْرَأُ کے وزن پر ہے اور حفاظت ونگرانی کے معنی میں ہے اور جو اس کام پر مأمور ہوتا ہے اس کو ربئة اور طليعة کہتے ہیں۔ ربئة کے معنی ہیں: جاسوس، اور طليعة کے معنی ہیں: محافظ جو قوم کو دشمن کے آنے کی خبر کرتا ہے اور ان کے حملہ سے بچاتا ہے، عموماً ایسا محافظ پہاڑ اور بلندی پر ہوتا ہے تاکہ دور سے ہی دشمن کو دیکھ لے اور اس کے پہنچنے سے پہلے ہی قوم کو آگاہ کردے۔

قوله: فَخَشِيَ أن يَسْبِقُوْهُ: وہ ڈرتا ہے کہ دشمن اس سے آگے نہ بڑھ جائے اس لئے وہ چلانے لگتا ہے یعنی چیخ چیخ کر لوگوں کو دشمن کے آنے کی اطلاع دیتا ہے، تاکہ دشمن کے پہنچنے سے پہلے ہی لوگ اپنا بچاؤ کرلیں۔

يا صباحاه ! ہائے صبح کے وقت آنے والی مصیبت! جب کوئی سنگین واقعہ پیش آتا ہے تو عرب یہ جملہ بولتے ہیں، تاکہ لوگ بچاؤ کا سامان کریں، اس واقعہ کا صبح میں ہونا ضروری نہیں۔

[۳۵۵-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلاَءِ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ. خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى صَعِدَ الصَّفَا، فَهَتَفَ: "يَاصَبَاحَاهُ!" فَقَالُوْا: مَنْ هٰذَا الَّذِيْ يَهْتِفُ؟ قَالُوْا: مُحَمَّدٌ. فَاجْتَمَعُوْا إِلَيْهِ، فَقَالَ: "يَا بَنِيْ فُلاَنٍ! يَابَنِيْ فُلاَنٍ! يَا بَنِيْ فُلاَنٍ! يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ!" فَاجْتَمَعُوْا إِلَيْهِ، قَالَ: " أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ

أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟" قَالُوا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا. قَالَ:" فَإِنِّيْ نَذِيْرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ"
قَالَ: فَقَالَ أَبُوْ لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ! أَمَا جَمَعْتَنَا إِلاَّ لِهٰذَا؟ ثُمَّ قَامَ. فَنَزَلَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ:" تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَقَدْ تَبَّ" كَذَا قَرَأَ الْأَعْمَشُ إِلٰى آخِرِ السُّوْرَةِ.

[۳۵۲-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ، قَالاَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ. قَالَ: صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ الصَّفَا فَقَالَ: "يَا صَبَاحَاهْ!" بِنَحْوِ حَدِيْثِ أَبِيْ أُسَامَةَ. وَلَمْ يَذْكُرْ نُزُوْلَ الآيَةِ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب آیت پاک:﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾: ورهطك منهم المخلصين: نازل ہوئی (آپ ڈرایئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور اپنی قوم کے چنیدہ لوگوں کو) تو نبی پاک ﷺ گھر سے نکلے اور صفا پہاڑی پر چڑھے، پس بلند آواز سے پکارا: یا صباحاہ! لوگوں نے کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: محمد (ﷺ) ہیں، پس لوگ آپؐ کے پاس جمع ہوگئے، پس آپؐ نے (نہ بہ نام) پکارا: اے بنی فلاں! اے بنی فلاں! اے عبد مناف کی اولاد! اے عبد المطلب کی اولاد! پس سب لوگ آپؐ کے پاس جمع ہوگئے، آپؐ نے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں (حملہ آور) گھوڑ سواروں کا دستہ ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ سب نے کہا: ہم نے آپؐ پر جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا یعنی کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں سخت عذاب سے پیشگی ڈراتا ہوں۔ راوی کہتا ہے: ابولہب نے کہا: تیری بربادی! کیا اس لئے ہمیں جمع کیا ہے؟ پھر ابولہب اٹھ گیا، پس یہ سورت نازل ہوئی: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَقَدْ تَبَّ﴾ اعمش نے اسی طرح پڑھا ہے، آخر سورت تک (نازل ہوا)

سند: یہ حدیث اعمش سے ابومعاویہ نے بھی اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے ابواسامہ نے روایت کی ہے اور ابواسامہ کی روایت کے ہم معنی روایت کی ہے، البتہ نزولِ آیت کا تذکرہ نہیں کیا۔

لغات: عشيرة: قبیلہ، عشيرة الرجل: برادران، باپ کی جانب سے قریبی لوگ، جمع: عشائر وعشيرات...... الرَّهْط (بسكون الهاء وفتحها) آدمی کی قوم، قبیلہ، تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو، اس لفظ کا مفرد نہیں، اور جمع: أَرْهُط وَأَرْهَاط ہیں اور جمع الجمع: أَرَاهِيْط وَأَرَاهِطُ ہیں...... هَتَفَتْ (ض) هَتْفًا وَهُتَافًا الحَمَامَةُ: کبوتری کا کوکو کرنا...... فلانٌ بفلان: چلا کر بلانا...... الهاتف: جس کی آواز سنائی دے اور دکھائی نہ دے...... الخَيل: گھوڑوں کا گروہ، جمع: خُيُوْل وأَخْيَال اور مجازاً خیل کا اطلاق سواروں پر بھی ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: أَتَى بِخَيْلِهِ وَرَجِلِه: وہ

اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آیا..... سَفحُ الجبل: دامن، کوہ، جمع: سُفُوح..... السُّورة: ٹکڑا، حصہ، ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے دونوں طرح مروی ہے اور مشہور بغیر ہمزہ کے ہے..... تبًّا لک: تبَّ(ن) تبًّا الشیئَ: کاٹنا..... فلانًا: ہلاک کرنا..... تبًّا وَتَبَبًا وَتَبَابًا وَتَبِيبًا: ہلاک کرنا کہا جاتا ہے تبًّا له: یعنی اللہ اس کے لئے خسران وہلاکت لازم کرے..... تبَّتْ یداہ: اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

تشریح:

۱-قوله: ورهطک منهم المخلصين: علامہ قرطبی فرماتے ہیں: شاید شروع میں یہ آیت کا جزء تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا اور یہ اضافہ بخاری شریف کی روایت میں نہیں ہے، اور یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے، أنذر عشيرتک الأقربين: عام ہے، اس میں مؤمن وغیر مؤمن سب کو عذابِ آخرت سے ڈرانے کا حکم ہے، اور المُخلصين: مؤمنین کی صفت ہے یعنی اس سے خاص طور پر مؤمنین مراد ہیں، پس یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے، جیسے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ میں الصلوات عام ہے، صلوٰۃ وسطیٰ کو بھی آیت شامل ہے، پس ﴿الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ کا عطف: عطف الخاص علی العام ہے۔

قوله: وقد تَبَّ: اعمش نے قد کے اضافہ کے ساتھ پڑھا ہے، مشہور قراءت میں قد نہیں ہے، ممکن ہے یہ بھی کوئی قراءت رہی ہو، جو بعد میں منسوخ کردی گئی ہو۔

قوله: فنزلت هذه السورة: سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کے حوالہ سے ہے کہ ابولہب بعض اوقات کہا کرتا تھا: يعدني محمد أشياء لا أراها يزعم أنها كائنة بعد الموت فماذا وضع في يدي بعد ذلک، ثم ينفخ في يديه ويقول: تبا لكما ما أرى فيكما شيئا مما يقول محمد، فأنزل الله تعالیٰ فيه: تبت يدا أبي لهب وتبَّ: یعنی محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتا ہے جو مرنے کے بعد ہمیں ملیں گی، ہم کو تو وہ چیزیں ہوتی نظر نہیں آتیں، پھر ہاتھوں کو پھونکتا اور کہتا: تم دونوں ہلاک ہوجاؤ کہ میں تمہارے اندر وہ چیز نہیں پاتا جو محمد کہتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے سورہ تبت يدا أبي لهب نازل فرمائی (فتح الملہم)

فائدہ: اس سورت سے بعض حضرات نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کافر کو اس کی کنیت سے پکارا جاسکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، اور بعض علماء منع کرتے ہیں، مگر یہ بات اس وقت ہے جب کہ اس کنیت میں تعظیم وتکریم کے معنی ہوں، ہاں اگر کافر کنیت ہی سے مشہور ہو جیسے ابولہب کنیت سے مشہور تھا تو اس کو کنیت سے پکارا جاسکتا ہے۔ یا ابولہب میں اس کے انجام بد کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہنم کا انگارہ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام عبدالعزی تھا جو برا نام تھا اس لئے بجائے نام کے کنیت ذکر کی گئی (فتح الملہم)

## بَابُ شَفَاعَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِأَبِي طَالِبٍ وَالتَّخْفِيفِ عَنْهُ بِسَبَبِهِ

## نبی ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی

آنحضور ﷺ کو اپنی امت سے خواہ امت اجابہ ہو یا امت دعوۃ بے پناہ محبت تھی اور ان کے لئے خیر خواہی کا پورا پورا جذبہ تھا، اس لئے آپؐ کی شدید خواہش تھی کہ تمام لوگ دولت ایمانی سے سرفراز ہو جائیں، تا کہ آخرت میں اللہ عزوجل کی رحمت سے ہمکنار ہوں اور راحت و آرام کی زندگی بسر کریں، جن خوش نصیب نفوس نے آپؐ کی دعوت قبول کی وہ تو آخرت کی کامیاب زندگی سے ہمکنار ہونگے، لیکن جنھوں نے روگردانی کی اور ایمانی دولت سے محروم رہے وہ آخرت کی لازوال نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے، یہ تو ممکن ہے کہ جن کفار ومشرکین کی اسلام کی نشر واشاعت میں خدمات ہیں آنحضور ﷺ کی برکت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے، جیسے ابوطالب کی اسلام کی اشاعت ونصرت میں خدمات ہیں، پس آنحضور ﷺ کی شفاعت کے باعث ان کے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی، ان کو جہنم کے دو کھڑاؤ پہنائے جائیں گے جن کی وجہ سے ان کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا اور وہ یہ خیال کریں گے کہ سب سے زیادہ عذاب انہی کو دیا جا رہا ہے، حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں ہونگے اور یہ ہلکا عذاب آنحضور ﷺ کی سفارش کے باعث ہوگا۔

[۸۳-بَابُ شَفَاعَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِأَبِي طَالِبٍ وَالتَّخْفِيفِ عَنْهُ بِسَبَبِهِ]

[۳۵۷-] وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ الْأُمَوِيُّ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ: "نَعَمْ، هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِيْ الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ نے ابوطالب کو کچھ نفع پہنچایا، وہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپؐ کے لئے غصہ ہوا کرتے تھے؟ یعنی آپؐ کے حامی ومددگار تھے اور دشمنوں سے آپؐ کا دفاع کرتے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں، اور اگر میں نہ ہوتا یعنی میں سفارش نہ کرتا تو وہ جہنم کے نیچے کے درجہ میں ہوتے۔

لغات: يَحُوطُكَ: حَاطَه(ن) حَوْطًا وَحِيطَةً وحِيَاطَةً: حفاظت کرنا، نگہبانی کرنا...... حَاطَ بِه: گھیر لینا،

احاطہ کرنا...... یَغْضَبُ لک: آپ کے لئے غصہ ہوتے تھے یعنی دشمنوں کی ناشائستہ حرکتوں کا قول وفعل سے دفاع کرتے تھے...... ضَحْضَاحٌ: تھوڑا پانی، جو ٹخنوں تک ہو، یہاں آگ سے استعارہ ہے...... الدرک الأسفل: یعنی جہنم کا سب سے نچلا حصہ، جہنم کے بھی طبقات ہیں اور اس کے ہر طبقہ کا نام درک ہے...... الدرک: (راء کے زبر اور سکون کے ساتھ) دونوں طرح مستعمل ہے اور زبر کے ساتھ دَرَک کی جمع أدراک ہے۔ جیسے جَمَل کی جمع اجمال اور سکون کے ساتھ دَرْک کی جمع ادرک ہے، جیسے فَلْس کی جمع افلس۔

تشریح:

۱- ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کا ایک ہی سال میں انتقال ہوا ہے، ہجرت سے تین سال قبل پہلے ابوطالب نے داغ مفارقت دی، پھر تین یا پانچ دن کے بعد آپ کی غمگسار اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، اس لئے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) کہا جاتا ہے، ابوطالب دشمنوں کے مقابلہ میں آنحضور ﷺ کے دست وبازو تھے، چنانچہ جب تک ابوطالب زندہ رہے کسی کی بھی آنحضور ﷺ کی طرف بری نظر سے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، مگر ابوطالب کے انتقال کے بعد قریش آپ کو طرح طرح سے ستانے لگے، جن ایذاء رسانیوں کی ابو طالب کی زندگی میں ہمت نہیں کرتے تھے وہ سب آپ کے ساتھ کرنے لگے، چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے، مگر وہاں سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا، تو آپ مکہ واپس تشریف لے آئے اور دین کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

۲- جنت کے بھی طبقات ہیں اور جہنم کے بھی، اور جنت کے طبقات: درجات کہلاتے ہیں اور جہنم کے طبقات: درکات، اور جنتیوں کے مراتب میں بھی تفاوت ہوگا اور یہ تفاوت ان کے اعمال کی بہ نسبت ہوگا، اسی طرح جہنمیوں کے عذاب میں بھی تفاوت ہوگا اور یہ تفاوت بھی ان کے اعمال کی بہ نسبت ہوگا، دخولِ نار کا بنیادی سبب کفر وشرک ہے اور کفر وشرک میں سختی ونرمی عذابِ جہنم کی شدت وضعف کا سبب ہے، جو کفر وشرک میں جتنا بڑھا ہوا ہوگا اس کا عذاب اتنا ہی سخت ہوگا اور وہ نیچے طبقہ میں ہوگا، اور جو کافر اچھے کام کرتا ہوگا وہ اسلام کے بارے میں نرم پہلو رکھتا ہوگا اس کا عذاب ہلکا ہوگا، مگر اس کو بھی ہمیشہ جہنم میں ہی رہنا پڑے گا، جہنمیوں کی معافی ومغفرت کی نہ کوئی سفارش کرے گا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دیں گے، ہاں مگر کافر کے تخفیف عذاب کی سفارش ممکن ہے، چنانچہ آنحضور ﷺ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی سفارش کریں گے، جو منظور ہوگی۔

[۳۵۸-] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ يَقُوْلُ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ، فَهَلْ نَفَعَهُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: "نَعَمْ. وَجَدْتُهُ فِيْ غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ فَأَخْرَجْتُهُ إِلٰى ضَحْضَاحٍ"

وضاحت: مذکورہ حدیث عبدالملک بن عُمیر نے بواسطہ عبداللہ بن الحارث حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے، اوران سے ابوعوانہ بھی روایت کرتے ہیں اور سفیان بھی۔ ابوعوانہ کی روایت اوپر گذری اور یہ سفیان کی روایت ہے...... کان یحوطک وینصرک: ابوطالب آپ کے نگہبان اور حامی ومددگار تھے...... قوله: وجدتُه فی غمرات من النار: میں نے ان کو سخت آگ میں پایا پس میں ان کو ٹخنوں تک آگ تک نکال لایا...... غمرات: کا مفرد غَمرَۃ ہے جس کے معنی سختی کے ہیں: غمرات الموت: موت کی سختیاں۔

[۳۵۹-] وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُالمَلِكِ ابْنُ عُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.
ح: وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِ حَدِيْثِ أَبِيْ عَوَانَةَ.

وضاحت: سفیان سے مذکورہ حدیث ابن ابی عمر نے بھی روایت کی ہے جواوپر گذری اور یحیٰ بن سعید اور وکیع نے بھی، اور ابوعوانہ کی حدیث کے ہم معنی روایت کی ہے۔

[۳۶۰-] وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُوْ طَالِبٍ. فَقَالَ: "لَعَلَّهُ تَنْفَعُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَيُجْعَلُ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِيْ مِنْهُ دِمَاغُهُ"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی مجلس میں آپؐ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ آیا، پس آپؐ نے فرمایا: "شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت نفع پہنچائے، پس وہ تھوڑی آگ میں کردیئے جائیں جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔

تشریح: کفار ومشرک کو جہنم سے نکالنے کے سلسلہ میں سفارش کرنا بیکار ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴾: یعنی کفار ومشرک کو کسی کی بھی سفارش سے فائدہ نہیں ہوگا، چنانچہ کوئی ان کی سفارش نہیں کرے گا، اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دیں گے، البتہ تخفیف عذاب کے سلسلہ میں سفارش کے لئے کوئی مانع نہیں، پس اس بابت سفارش ہوگی۔ نبی ﷺ ابوطالب کی تخفیفِ عذاب کے سلسلہ میں سفارش کریں گے جو قبول ہوگی، اوران کا عذاب ہلکا کردیا جائے گا، ان کو جہنم کے دوچپل پہنائے جائیں گے جس سے ان کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا اور وہ یہ سمجھیں گے کہ وہی سب سے سخت عذاب میں ہیں، حالانکہ ان کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔

[۳۶۱-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيىٰ بْنُ أَبِيْ بُكَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِيْ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ أَدْنىٰ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا، يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ، يَغْلِيْ دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ"

[۳۶۲-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ، قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُوْ طَالِبٍ، وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ"

[۳۶۳-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ- وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى- قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَرَجُلٌ تُوْضَعُ فِيْ أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ"

[۳۶۴-] وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ، يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ، كَمَا يَغْلِيْ الْمِرْجَلُ مَا يَرَى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا. وَإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا"

لغات: يَنْتَعِلُ: انْتَعَلَ انْتِعَالاً: جوتا پہننا...... نَعَلَ(ف) نَعْلاً القومَ: جوتے دینا، ......نَعَلَ وَنَعَّلَ وَأَنْعَلَ الدابَّةَ: نعل لگانا...... غَلىٰ يَغْلِيْ غَلْيًا وَغَلَيَانًا: جوش مارنا...... غَلَّى تَغْلِيَةً اور أَغْلَى إِغْلاءَ القِدْرَ کے معنی ہیں: ہانڈی کو جوش دینا...... أَخْمَص: بروزن أَحْمَر: قدم کے نچلے حصہ کی گہرائی جو چلتے ہوئے زمین سے نہ لگے...... الجَمْرة: انگارہ...... المِرْجَلُ: تانبے کی ہانڈی، دیگ، کنگھی جمع: مراجل...... قوله: وإنه لأهونهم عذابا: اس سے معلوم ہوا کہ جہنمیوں کے عذاب میں تفاوت ہوگا جس طرح جنتیوں کی نعمتوں میں تفاوت ہوگا۔

تشریح:

۱- علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابوطالب سر سے پیر تک نبی ﷺ کی نصرت وحمایت میں غرق تھے، صرف پیر اسلام کے بجائے عبدالمطلب کے دین پر تھے اس لئے عذاب پیروں پر مسلط کیا جائے گا۔

۲- کچھ لوگ ابوطالب کا ایمان ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہلے، حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا تو وہ کلمہ پڑھ رہے تھے، یہ روایت

ضعیف اور منقطع ہے، حضرت عباسؓ کی صحیحین کی روایت سے یہ ضعیف روایت معارض نہیں ہوسکتی۔

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ لَا يَنْفَعُهُ عَمَلٌ

## جو کفر پر مرا اس کے لئے کوئی عمل نفع بخش نہیں ہوگا

بعض کفار و مشرکین بھی بڑے خیر کے کام کرتے ہیں، غریبوں کے لئے لنگر چلاتے ہیں، مسافروں کے لئے سبیلیں لگاتے ہیں، مسافر خانے اور سرائے بنواتے ہیں، راستوں میں نل لگواتے ہیں، کنویں کھدواتے ہیں، ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، پریشان حال لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، اور بھی بے شمار دان پون کے کام کرتے ہیں، مگر آخرت میں ان کے یہ نیک کام ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے، اس لئے کہ آخرت میں نیکیوں سے منتفع ہونے کے لئے ایمان شرط ہے، ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی بھی نیک کام نفع بخش نہیں ہوگا، بلکہ غیر مسلموں کو ان کی نیکیاں دنیا ہی میں کھلا دی جاتی ہیں، مسلم شریف میں (حدیث نمبر ۲۸۰۸) ہے کہ غیر مسلم کو دنیا ہی میں اس کے اچھے کاموں کا بدلہ دے دیا جاتا ہے، اس لئے آخرت میں اس کے پلے کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی جس کا بدلہ دیا جائے، اور قرآن مجید میں غیر مسلموں کے نیک کاموں کو سراب (دھوکہ) سے تشبیہ دی گئی ہے، غیر مسلموں کو اپنے اچھے اعمال سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، مگر سورۃ النور (آیت ۳۹) میں ان اچھے اعمال کی جن سے امیدیں وابستہ ہیں یہ مثال دی گئی ہے: ''اور جن لوگوں نے نورِ ہدایت کا انکار کیا ان کے اچھے اعمال جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ریت جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس (سراب) کے پاس پہنچا تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا، یعنی وہاں پانی وانی کچھ نہیں تھا، اور اس (سراب) کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا پس اللہ تعالیٰ نے اس کا پورا پورا حساب چکایا، یعنی جب کافر امید باندھ کر آخرت میں پہنچا تو وہاں اس کا دان پون کچھ کام نہ آیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ چکایا''

فائدہ: پہلے یہ بات بتائی ہے کہ جنت درحقیقت ایمان کا صلہ ہے اور ایمان ایک مستمر حقیقت ہے، اس لئے اس کا بدلہ بھی دائمی ہے، اور مؤمن کی نیکیاں قیامت کے دن اس کے ایمان کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ ایمان کی ہم جنس ہیں، چنانچہ مؤمن جنت میں اپنے اعمالِ صالحہ کی جزا سے ابد تک متمتع ہوگا ــــــ اور مؤمن کی برائیاں ایمان کے تابع نہیں ہوسکتیں، اس لئے کہ وہ خلافِ جنس ہیں اس لئے اس کو اس کی برائیوں کی سزا دنیا میں دی جاتی ہے، پھر قبر میں، پھر میدانِ حشر میں، پھر جہنم میں، پھر سفارشوں کی وجہ سے یا فضل خداوندی کی وجہ سے کسی نہ کسی دن مؤمن کی نجات ہوجائے گی۔ اور وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

اور جہنم درحقیقت شرک و کفر کی سزا ہے، اور یہ بھی دائمی حقیقت ہے، اس لئے اس کی سزا بھی دائمی ہے، اور کافر کی برائیاں قیامت کے دن اس کے کفر کے تابع کردی جائیں گی، کیونکہ وہ کفر کی ہم جنس ہیں، چنانچہ کافر جہنم میں اپنے برے

اعمال کی سزا تا ابد بھگتے گا ـــــ اور کافر کے نیک اعمال اس کے کفر کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہم جنس نہیں، اور ان کا علاحدہ بدلہ بھی نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ جزا و سزا میں منافات ہے، اس لئے دنیا میں اس کا بدلہ چکا دیا جاتا ہے، آخرت میں اس کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

## [۸۴-بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ لَا يَنْفَعُهُ عَمَلٌ]

[۳۶۵-] حَدَّثَنِي أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ دَاوُدَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ابْنُ جُدْعَانَ، كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ، فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ: "لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتے تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا تو کیا یہ کام اس کو (قیامت کے دن) نفع پہنچائیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو نفع نہیں پہنچے گا اس لئے کہ اس نے کسی دن یہ نہیں کہا: اے پروردگار! میرے گناہوں سے درگذر فرما قیامت کے دن، یعنی اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کا یقین نہیں تھا اس لئے اس کے اچھے کام اس کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔

**قولہ: ابن جدعان:** (بضم الجیم وسکون الدال) کا نام عبداللہ تھا، سردارانِ قریش میں شمار تھا، قبیلہ بنی تمیم بن مرّۃ سے تعلق تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قرابت داروں میں تھا، اور بڑا مہمان نواز تھا، کہتے ہیں کہ مہمانوں کی خاطر اتنا بڑا برتن بنوایا تھا کہ وہ اس پر سیڑھی سے چڑھتے تھے۔

**قولہ: کان فی الجاھلیة:** نبوت سے قبل زیادہ تر لوگ بے پڑھے اور ان پڑھ تھے، اس لئے اس زمانہ کو جاہلیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

**قولہ: لم یقل یوما:** اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا اجر ملے گا، اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور ہم اس کی تفصیل پہلے لکھ آئے ہیں۔

## بَابُ مُوَالَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمُقَاطَعَةِ غَيْرِهِمْ وَالْبَرَاءَةِ مِنْهُمْ

### مسلمانوں سے دوستی اور غیر مسلموں سے بائیکاٹ اور ان سے بے تعلقی

مسلمانوں کو دوستانہ تعلقات نیک صالح مسلمانوں کے ساتھ ہی رکھنے چاہئیں، غیر مسلموں سے اور گمراہ مسلمانوں کی دوستی سے بچنا چاہئے، کفار سے موالات کسی صورت میں جائز نہیں اور مسلمانوں میں جو گمراہ فرقے ہیں ان کے ساتھ موالات کا بھی یہی حکم ہے، جو فرقے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں وہ تو کفار کے حکم میں ہیں اور جو فرقے دائرۂ اسلام میں

ہیں: ان سے بھی دور کی صاحب سلامتی اچھی، ان سے بھی دینی ضرر کا اندیشہ ہے، البتہ جو کفار مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار نہیں ہیں ان کے ساتھ رواداری جائز ہے، یعنی جو مشرکین وکفار مسلمانوں کو ستاتے نہیں، نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑتے ہیں، نہ ظالموں کے مددگار بنتے ہیں اس قسم کے کافروں کے ساتھ نرمی، رواداری اور رکھ رکھاؤ کا برتاؤ جائز ہے، اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ سب کافروں کو ایک لاٹھی سے ہانکا جائے، ایسا کرنا حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا۔ ضروری ہے کہ معاند ومسالم میں فرق کیا جائے، ہاں ظالموں سے جو دوستانہ برتاؤ کرے وہ سخت گنہ گار ہے۔

## جاننا چاہئے کہ کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہوتے ہیں

۱- موالات: یعنی دوستی، یہ کسی حال میں جائز نہیں، کہتے ہیں: المرءُ علی دین خلیله: آدمی دوست کا مذہب وطریقہ قبول کر لیتا ہے، اور جنگی حالات میں تو دشمن سے دوستی خطرناک ہے۔

۲- مدارات: یعنی رکھ رکھاؤ، ظاہری خوش خُلقی، یہ تین حالتوں میں جائز ہے: ایک: دفع ضرر کے لئے۔ دوم: کافر کی دینی مصلحت کے لئے یعنی توقع ہدایت کے لئے۔ سوم: اکرام ضیف کے طور پر اور اپنی مصلحت ومنفعتِ مال وجان کے لئے درست نہیں۔

۳- مواسات: غم خواری، احسان ونفع رسانی اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے (ماخوذ از ہدایت القرآن: ۸: ۲۴۰)

## [۸۵- بَابُ مُوَالَاةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمُقَاطَعَةِ غَيْرِهِمْ وَالْبَرَاءَةِ مِنْهُمْ]

[۳۶۶-] حَدَّثَنِيْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ، يَقُوْلُ: "أَلَا إِنَّ آلَ أَبِيْ- يَعْنِيْ فُلَانًا- لَيْسُوْا لِيْ بِأَوْلِيَاءَ. إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ"

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے پکار کر فرمایا چپکے سے نہیں، فرمایا کہ فلاں خاندان والے میرے جگری دوست نہیں، میرے خاص دوست (کارساز) اللہ تعالیٰ اور نیک مسلمان ہیں۔

تشریح: آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے حقیقی قرابت دار اور کارساز نیک صالح مسلمان ہیں، گو کہ ان سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں، اور مشرکین وکفار سے چاہے میرا نسبی تعلق ہو مگر وہ میرے حقیقی قرابت دار اور دوست نہیں۔

اور اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ مذہب وملت کے دشمنوں سے علی الاعلان بیزاری اور قطع تعلقات کرنا چاہئے اور صالحین سے علی الاعلان محبت کا اظہار کرنا چاہئے۔

قوله: جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ: جِهَارًا: مفعول (رسولَ الله) سے بھی متعلق ہوسکتا ہے اس صورت میں معنی ہونگے: آنحضور

ﷺ کی بات جہر کی حالت میں سنی گئی اور فاعل (ث) سے بھی اس کا تعلق ہوسکتا ہے اور اس صورت میں معنی ہونگے: میں نے زور سے سنی......اور غیر سِرّ: جِهَارًا کی تاکید ہے، پہلی صورت انسب ہے یعنی آپؐ نے بآواز بلند ارشاد فرمایا۔

**قولہ: فلانا:** نام کی جگہ کنائی لفظ اس لئے رکھا ہے کہ وہ شخص جو مصداق تھا مسلمانوں کے درپئے آزار نہ ہوجائے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کسی راوی نے نام حذف کیا ہے، فساد کا اندیشہ ہوگا خود پر یا دیگر پر یا دونوں پر اس لئے نام ظاہر نہیں کیا، اور قاضی عیاض کہتے ہیں: فلانا: کا مصداق حکم بن ابی العاص ہے، مگر علامہ ابن دقیق العید نے تردید کی ہے، اور دمیاطی نے دعوی کیا ہے کہ فلانا کا مصداق آلِ ابی العاص بن ابی امیہ ہیں، حافظ رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، بلکہ انھوں نے اسی کو متعین قرار دیا ہے۔

**قولہ: لیسوا لی بأولیاء:** کل بول کر جزء مراد لیا ہے، یعنی ولایت وموالات کی نفی صرف غیر مسلموں سے کی ہے، مسلمانوں سے نہیں، چنانچہ آلِ ابی طالب میں حضرات جعفر وعلی رضی اللہ عنہما بھی ہیں، اور وہ دونوں نبی ﷺ کے قریبی لوگوں میں ہیں، کیونکہ وہ دونوں دین کے حامی ومددگار اور قدیم الاسلام ہیں۔

**قولہ: وصالح المؤمنین:** اکثر روایات میں اسی طرح مفرد ہے، مگر مراد جمع ہے اور برقانی کی روایت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ صالحوا المؤمنین ہے۔ سورۂ تحریم (آیت ۴) میں بھی مفرد کا صیغہ ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت پاک میں جمع کے صیغہ کے ساتھ: ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰـهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُوا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ تھا، مگر واؤ کو رسم الخط میں سے حذف کردیا گیا، جیسے تلفظ میں حذف ہے، اس کی نظیریں: ﴿ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴾ اور ﴿ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ﴾ اور ﴿ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ ﴾ ہیں۔ ان سب آیات میں رسم الخط میں واؤ حذف ہے۔

## بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى دُخُوْلِ طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ

### مسلمانوں کا ایک گروہ بلا حساب وعذاب جنت میں جائے گا

اللہ عزوجل کو یہ امت بڑی پیاری ہے، اس لئے کہ یہ حبیب ﷺ کی امت ہے اور محبوب کی ہر شئ محبوب ہوتی ہے، اس لئے اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس امت کی ایک بڑی جماعت کو بلا حساب وکتاب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے ایسے ستر ہزار لوگوں کو جنت میں داخل کریں گے جن کا نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ ان کو عذاب ہوگا۔ اور ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہونگے (پس کل چار ارب نوے کروڑ ہوئے) اور میرے پروردگار کے لپوں میں سے تین لپوں کا (بھی) میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے" (اور یہ تعداد مذکورہ تعداد کے علاوہ ہے، لپ یعنی دونوں ہاتھ بھر کر، اور اللہ پاک کی لپ میں کتنی تعداد آئے گی اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا) ـــــ یہ حدیث ترمذی

شریف (حدیث نمبر ۲۴۴۱) میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تحسین کی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح سند سے اس قسم کی حدیث مروی ہے جو مسند احمد اور بیہقی میں ہے۔ غرض: اللہ پاک امتِ محمدیہ کے بے شمار افراد کو بلا حساب وکتاب اور عذاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے، یہ وعدہ آنحضور ﷺ کا اعزاز واکرام ہے۔

## [٨٦- بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى دُخُوْلِ طَوَائِفِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلاَ عَذَابٍ]

[٣٦٧-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَلاَّمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْجُمَحِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا الرَّبِيْعُ- يَعْنِيْ: ابْنَ مُسْلِمٍ- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِيَ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ" فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. قَالَ:" اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ" ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. قَالَ:" سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ"

[٣٦٨-] وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ الرَّبِيْعِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(اللہ پاک) میری امت کے ستر ہزار افراد کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے" پس ایک شخص نے (عکاشۃ بن محصن اسدیؓ نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے ان لوگوں میں شامل فرمائیں، آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کو ان لوگوں میں شامل فرما! پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے (بھی) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے (بھی) ان لوگوں میں شامل فرمائیں، آپؐ نے فرمایا: عکاشہ تم سے اس دعا میں سبقت لے گئے یعنی آگے بڑھ گئے، انھوں نے یہ دعا پہلے کرالی۔

سند: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محمد بن زیاد نے روایت کی ہے اور ان سے ربیع بن مسلم نے اور شعبہؒ نے بھی اسی سند سے ربیع کے مانند یہ حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول ہوئی، مگر دوسرے صاحب کی قبول نہیں ہوئی، اس کی شارحین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں، مثلاً: علامہ سہیلیؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب حضرت عکاشہؓ نے دعا کی درخواست فرمائی تھی وہ قبولیت کی گھڑی تھی اس لئے آنحضور ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور وہ دعا قبول ہوئی، پھر جب دوسرے صاحب نے درخواست کی تو وہ گھڑی گذر گئی تھی، اس لئے آپؐ نے دعا نہیں فرمائی اور فرمایا: عکاشہ سبقت لے گئے اور تم پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی روایت میں سبقک بھا عکاشۃ کے بعد وَبَرَدَتِ الدَّعْوَۃ بھی ہے، أی انقضی

وقتها، یعنی قبولیت کی گھڑی گذر گئی (فتح الباری) اورابن الجوزیؒ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اول نے صدق دل سے دعا کی درخواست کی تھی، چنانچہ اس کی درخواست قبول ہوئی، اور ممکن ہے دوسرے نے دیکھا دیکھی درخواست کی ہو، اگر آنحضور ﷺ اس کی بھی درخواست قبول فرمالیتے تو ممکن ہے تیسرا اور چوتھا بھی کھڑا ہوتا اور یہ سلسلہ دراز ہوجاتا، اور ہر ایک اس دعا کا مستحق نہیں ہوسکتا، اس لئے آپؐ نے دوسری درخواست قبول نہیں فرمائی، ان کے علاوہ اور بھی توجیہات کی گئی ہیں، مگر پہلی توجیہ سب سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم (دیگر توجیہات فتح الملہم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

**قوله: یدخل الجنة من أمتي:** أمتي کی قید دیگر امم سے مذکورہ عدد کی نفی کرنے کے لئے ہے، دیگر امم کے بلاحساب وکتاب جنت میں جانے کی نفی کرنے کے لئے نہیں ہے، امم سابقہ کے وہ افراد جن میں عکاشہ جیسی صفات یا ان سے بڑھ کر صفات ہوں گی وہ بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے، جیسے انبیاء ورسل اور صدیقین وصالحین وغیرہ۔

**تعارف:** حضرت عکاشۃ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام اور بدری مہاجری صحابی ہیں، قبیلہ بنواسد میں خزیمہ سے آپ کا تعلق تھا اور بنوامیہ کے حلیف تھے، ابومحصن کنیت تھی، اور بڑے حسین وجمیل اور خوبصورت تھے، ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا: عکاشہ عرب کے بہترین گھوڑسواروں میں سے ہیں، غزوۂ بدر میں بڑی جانبازی اور جوانمردی کے ساتھ لڑے، لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی تو نبی ﷺ نے ایک لکڑی انہیں عنایت فرمائی، وہ اس سے لڑنے لگے، اچانک وہ لکڑی لمبی سفید تلوار بن گئی جو پوری حیات ان کے پاس محفوظ رہی، اور آپ برابر اس سے جہاد کرتے رہے، پھر ۱۲ ہجری میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مسیلمہ کذاب اور مرتدین کے خلاف جنگ میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا (ماخوذ از فتح الباری)

[۳۶۹-] حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى، قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِيْ زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا، تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ"

قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ، يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ. فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ" ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ"

**وضاحت ولغات:** یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے روایت کی ہے......

**قوله: تُضِيْءُ وجوهُم:** ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہونگے ......أَضَاءَ يُضِيْءُ إِضَاءَةً

الوجهُ: روشن ہونا...... أضاءَ الوجهَ: روشن کرنا...... الضَوْءُ وَالضُوءُ: روشنی، جمع أضواءٌ ...... يرفع نمرةً عليه: حضرت عکاشہؓ نے دھاری دار چادر پہن/اوڑھ رکھی تھی وہ اس کو اٹھائے ہوئے کھڑے ہوئے، نمرہ چادر میں رنگین لکیریں ہوتی ہیں...... سبقك بها أي بالدعوة۔

[۳۷۰-] وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو يُونُسَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ أَلْفًا، زُمْرَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُمْ عَلَى صُوْرَةِ الْقَمَرِ"

وضاحت: یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے ابو یونس نے روایت کی ہے...... الزُّمْرَة: گروہ، جماعت، فوج، جمع: زُمَرٌ...... على صورة القمر: یعنی ان کے چہروں کی چمک چاند کی طرح ہوگی ـــــ یہاں سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنتیوں کے مراتب میں فرق ہوگا ان کے حسن وجمال اور صورت وسیرت میں بھی فرق ہوگا۔

[۳۷۱-] حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَاهِلِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، يَعْنِيْ: ابْنَ سِيْرِيْنَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِمْرَانُ، قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ" قَالُوْا: وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "هُمُ الَّذِيْنَ لاَ يَكْتَوُوْنَ وَلاَ يَسْتَرْقُوْنَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ" فَقَامَ عُكَّاشَةُ فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. قَالَ: "أَنْتَ مِنْهُمْ" قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. قَالَ: "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ"

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے ستر ہزار افراد بلاحساب جنت میں جائیں گے" صحابہ نے عرض کیا: وہ کون لوگ ہونگے اے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ـــــ آگے کا ترجمہ اوپر آچکا۔

تشریح:

۱- وہ خوش نصیب حضرات جو بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے ان کے اوصاف مذکورہ حدیث میں یہ آئے ہیں کہ وہ نہ داغتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کراتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرانؓ ہی کی حدیث میں جو اس کے بعد آرہی ہے ولا يَتَطَيَّرُوْنَ بھی ہے، یعنی وہ پرندے اڑا کر بدشگونی بھی نہیں لیتے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو باب ہی میں آرہی ہے ولا يَرْقُوْنَ بھی ہے، یعنی وہ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔

۲- گذشتہ زمانہ میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، جو نہایت تکلیف دہ علاج تھا، لوہا تپا کر پھوڑے کو داغتے تھے، نبی

ﷺ نے علاج کے اس طریقہ سے منع فرمایا ہے، حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے ہمیں کَیّ[1] (لوہا گرم کر کے داغنے) سے منع فرمایا، پھر ہم مصیبت میں پھنس گئے (ان کو بواسیر تھی) پس ہم نے دغوایا مگر ہم کامیاب نہ ہوئے اور نہ ہم بامراد ہوئے، یعنی دغوانا بے فائدہ رہا (ترمذی حدیث ۲۰۴۹) مگر خود نبی پاک ﷺ نے متعدد بار اس طریقہ سے علاج کیا ہے۔ حضرت اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کو الشوکۃ نامی بیماری تھی، ان کے بدن پر سرخ پھنسیاں نکلتی تھیں جو بہت تکلیف دہ ہوتی تھیں، نبی ﷺ نے ان کا داغ کر علاج کیا تھا (ترمذی حدیث ۲۰۵۰)

اسی طرح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ احزاب میں بازو کی رگ کٹ گئی تھی، نبی ﷺ نے خون بند کرنے کے لئے ان کو دو مرتبہ داغا تھا۔

علماء فرماتے ہیں کہ داغنے کے ذریعہ علاج فی نفسہ جائز ہے، خود نبی ﷺ نے داغا ہے مگر آپؐ نے اس طریقۂ علاج کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ یہ نہایت تکلیف دہ علاج ہے، پس نہایت سخت مجبوری میں یہ علاج کیا جاسکتا ہے، توکل کے خلاف نہیں۔ اور اگر دوسرا متبادل علاج موجود ہے تو پھر یہ علاج نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ سخت تکلیف دہ علاج ہے، اور یہی حکم خطرناک آپریشن کا ہے، جب کوئی چارہ نہ ہو تو ایسا آپریشن کراسکتا ہے اور اگر کوئی متبادل طریقہ ہو تو ایسے خطرناک آپریشن سے بچنا چاہئے، کیونکہ علاج سنت ہے مگر کوئی خاص طریقۂ علاج سنت نہیں۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بیماری سے پہلے ہی پیش بندی کے طور پر داغ لینا توکل کے خلاف ہے، جیسے کمزور عقیدہ والے مسلمان ہر وقت تعویذ پہنے رہتے ہیں جب کہ وہ ہٹے کٹے ہوتے ہیں، یہ توکل کے خلاف ہے البتہ مرض لاحق ہوجانے کے بعد جب کوئی دوسرا متبادل علاج نہ ہو تو پھر توکل کے خلاف نہیں۔

۳- لوگ علاج کے لئے یا احتیاط کے طور پر جھاڑ پھونک اور دعا تعویذ بھی کرتے کراتے ہیں، اور اس کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں، قرآن و حدیث سے تیار کئے ہوئے تعویذ بھی باندھتے ہیں، اعداد کے تعویذ بھی پہنتے ہیں اور گنڈے، ٹونے اور ٹوٹکے بھی کرتے ہیں اور جھڑواتے بھی ہیں، اس سلسلہ میں بھی روایات مختلف ہیں، بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے ممانعت، جیسے: (۱) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَنِ اکْتَوَی اَوِ اسْتَرْقٰی فَهُوَ بَرِیٌٔ مِنَ التَّوَکُّلِ: جس نے دغوایا یا جھاڑ پھونک کروائی وہ توکل (اللہ پر اعتماد) سے بری (دست بردار) ہوگیا، یعنی یہ دونوں عمل توکل کے منافی ہیں (ترمذی حدیث ۲۰۵۵) ــــ (۲) ابوداؤد شریف (حدیث نمبر ۳۸۸۳) میں ہے: اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْکٌ: جھاڑ پھونک، گھونگے اور تسخیر شوہر کا عمل شرک ہے، یعنی یہ ہندوانہ چیزیں ہیں[2]

---

(۱) الکَیُّ اور الکَیَّۃ مصدر ہیں: کَوَاہ یَکْوِیْ: لوہا تپا کر داغنا، اسی سے کپڑوں کی پریس کو المِکْوَاۃ کہتے ہیں ۱۲

(۲) زمانۂ جاہلیت میں ایسے منتروں سے جھاڑتے تھے جن میں مورتیوں سے اور شیاطین سے استمداد ہوتی تھی، ان کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ منتر شرک ہیں ــــ تمیمہ: کوڑی، گھونگا جو ایک قسم کے دریائی کیڑے کا خول ہے جو ہڈی کے مانند یا ←

—— (۳)مسند احمد (۴:۱۵۴) میں روایت ہے: مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فلا أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ: جس نے کوڑی باندھی: اللہ اسے بامراد نہ کریں، اور جس نے گھونگا باندھا اللہ اس کو آرام نہ پہنچائے —— (۴) حضرت عبداللہ بن عکیم ابومعبد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَن تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إليه: جس نے کوئی چیز باندھی وہ اس کے حوالہ کردیا جائے گا (ترمذی حدیث ۲۰۷۴) ان دونوں حدیثوں سے تعویذ گنڈے اور ٹوٹکے کے طور پر کوئی چیز باندھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اور بعض روایات سے جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، جیسے: (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: أنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ: نبی ﷺ نے تین بیماریوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی: ڈنک کے زہر سے، نظر بد سے اور پہلو کی پھنسی سے (ترمذی حدیث ۲۰۵۶) اس حدیث میں دوسری بیماریوں میں جھاڑ پھونک کی نفی نہیں ہے، بلکہ یہ نفی کمال کے اعتبار سے ہے، یعنی ان بیماریوں میں جھاڑ پھونک زیادہ نفع بخش ہے —— (۲) حضرت عمرانؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لاَرُقْيَةَ إلا مِنْ عَيْنٍ أو حُمَةٍ (ترمذی حدیث ۲۰۵۸) یعنی نظر بد یا زہر ہی کو جھڑوانا چاہئے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً منتر ممنوع نہیں، جھاڑ کی بیماری کو جھڑوانا جائز ہے[1] —— (۳) حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ آسیب کو اور نظر بد کو مختلف

← سینگ کی قسم کا ہوتا ہے، جو بطور تعویذ استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ نظر نہ لگے، عام طور پر اسے بچوں کے گلے میں باندھتے ہیں، اسی طرح ہندو گھر کے دروازے پر پتے وغیرہ باندھتے ہیں اور گاؤں میں جو راستہ داخل ہوتا ہے اس پر بھی باندھتے ہیں، اسی طرح مرچوں کی کیاری میں کالی ہانڈی اوندھی کرتے ہیں یا پپیتے کے تنے میں کالے بال باندھتے ہیں، یہ سب تمیمہ ہیں اور ہندوانہ چیزیں ہیں —— اور تِوَلَة: ٹوٹکا، یعنی محبت کا تعویذ جو بیوی اپنے خاوند کے لئے کراتی ہے، یہ بھی چونکہ از قبیل جادو ہے اس لئے شرک ہے (تحفۃ الالمعی ۵:۴۱۱)

(۱) بیماریاں دو طرح کی ہیں: اس لئے علاج بھی دو ہیں: اکثر بیماریاں جسمانی ہوتی ہیں، اور وہ دواء سے ٹھیک ہوتی ہیں، دعا، تعویذ اور جھاڑ پھونک ان میں کم اثر کرتے ہیں، جیسے کسی کو چوٹ لگ گئی تو دواء فائدہ کرے گی، جھاڑ سے خاص فائدہ نہیں ہوگا، اور کچھ بیماریاں جھاڑ سے جلدی متاثر ہوتی ہیں، جیسے سانپ بچھو کا زہر، نظر بد اور پہلو کی پھنسیاں وغیرہ، یہ جھاڑ کی بیماریاں ہیں، ان میں جھاڑ سے فوری فائدہ ہوتا ہے، اور دوائیں دیر سے اثر کرتی ہیں، اور کچھ بیماریاں بین بین ہوتی ہیں، جیسے بخار دواء سے بھی اترتا ہے اور جھاڑ پھونک سے بھی تخفیف ہوتی ہے۔ پس ہر بیماری کو جھڑوانا توکل کے منافی ہے، جیسے ہر بیماری میں گرم لوہے سے داغنا توکل کے منافی ہے، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں جھاڑ پھونک کی اجازت ہے، توکل کے منافی نہیں، نبی ﷺ آخری بیماری میں خود کو معوذتین سے جھاڑتے تھے، پھر جب آپؐ میں سکت نہ رہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں قل پڑھ کر آپؐ کے ہاتھ پر دم کرتیں پھر ان کو آپؐ کے بدن پر پھیرتیں، اور جو بیماریاں جھاڑ کی ہیں ان میں جھڑوانا ←

دعاؤں سے جھاڑا کرتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں، پس آپؐ نے ان دونوں کو لے لیا، یعنی ان سے جھاڑنا شروع کیا اور دیگر جھاڑوں کو چھوڑ دیا (ترمذی حدیث ۲۰۵۹) ــــ (۴) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے بالغ لڑکوں کو یہ دعا: أعوذ بكلمات الله التامات یاد کراتے تھے اور یہ تاکید فرماتے تھے کہ جب کوئی گھبراہٹ والی بات پیش آئے تو یہ دعا پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرو، اور جو بچے یہ دعا یاد نہیں کر سکتے تھے، ان کے گلوں میں کسی کاغذ پر یہ دعا لکھ کر ڈالتے تھے[1]۔ اس سے قرآن وحدیث سے تیار کردہ تعویذ باندھنے کا جواز نکلتا ہے۔

غرض: جھاڑ پھونک کے سلسلہ میں مختلف روایات ہیں، بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے ممانعت۔ اور علماء کی آراء بھی اس بارے میں مختلف ہیں، کچھ حضرات ہر چیز کو ناجائز کہتے ہیں، نجدی حضرات کا یہی خیال ہے، وہ قرآنی تعویذ کو بھی ناجائز کہتے ہیں، صرف جھاڑنے کو جائز کہتے ہیں، اور دوسرے حضرات قرآنی تعویذ باندھنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا عمل ہے، وہ أعوذ بكلمات الله التامات إلى آخره لکھ کر بچوں کے گلوں میں ڈالتے تھے، اور راجح یہی ہے کہ قرآن وحدیث سے بنایا ہوا تعویذ بوقت ضرورت پہننا جائز ہے، اور بے ضرورت پہننا یا بچوں کو پہنانا توکل کے منافی ہے، اور ٹونے ٹوٹکے بالکل جائز نہیں[2]۔ اور قرآن وحدیث سے جھاڑنا

← مأمور بہ ہے پس وہ توکل کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟

رہی یہ بات کہ کونسی بیماری جھاڑ کی ہے؟ یہ جھاڑنے والے جانتے ہیں، اور ایک موٹی علامت یہ ہے کہ ہر ضدی بیماری جھاڑ سے بھاگتی ہے، اسی طرح جس بیماری میں جھاڑنے سے فوری فائدہ ہو وہ بھی جھاڑ کی بیماری ہے اور ایسی بیماریاں دو ہی نہیں ہیں بلکہ متعدد ہیں، اور جو بیماریاں بین بین ہیں ان میں بھی جھڑوانا مفید ہے، مگر خواہ مخواہ جھاڑ پھونک یا تعویذ گنڈے کرنا اور ان پر اعتماد کرنا توکل کے منافی ہے (تحفۃ الألمعی ۵: ۳۹۷)

---

(۱) یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ، وَأَنْ يَحْضُرُوْنِ. فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِيْ صَكٍّ، ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ (مشکوۃ حدیث ۲۴۷۷ باب الاستعاذة، كتاب الدعوات)

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: دَسِّمُوْا نُوْنَتَهُ، كيلا تُصِيْبَهُ العينُ: اس کی ٹھوڑی کا گڑھا کالا کر دو تاکہ اس کو نظر نہ لگے، بعض لوگ اس روایت سے ٹونے ٹوٹکے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور عورتیں بھی بچوں کو کاجل لگا کر کسی جگہ سیاہ دھبہ بنا دیتی ہیں، مگر یہ روایت اللہ جانے کس کتاب کی ہے، اس کی سند کا حال معلوم نہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ (۶: ۲۶۴) میں رُوِيَ کہہ کر بیان کی ہے، یعنی اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز احادیث صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ۱۲

سنت ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ مریضوں کو قرآن وحدیث سے جھاڑیں، دم کیا ہوا پانی پینے کے لئے دیں مگر باندھنے کے لئے تعویذ سخت ضرورت کے بغیر نہ دیں، اس سلسلہ میں لوگوں نے بہت بے احتیاطی شروع کردی ہے، بے ضرورت بچوں کے گلوں میں تعویذ ڈالتے ہیں، یہ توکل کے منافی ہے۔

۴- چوتھی صفت ان قدسی صفات حضرات کی جو بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے یہ ہے کہ وہ بدشگونی نہیں لیتے، بلکہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ شریعت مطہرہ نے بدفالی (بدشگونی) کی ممانعت کی ہے اور نیک فال کی اجازت دی ہے، کیونکہ بدفالی سے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں، آدمی اُدھیڑبُن میں لگ جاتا ہے کہ میرا کام ہوگا یا نہیں؟ اور کبھی بدشگونی سے اللہ تعالیٰ کے انکار کی نوبت آجاتی ہے، جب بار بار فال نکالتا ہے تو آدمی اللہ تعالیٰ سے بدظن ہوجاتا ہے، اور اس کی توجہ اللہ تعالیٰ سے بالکل ہی ہٹ جاتی ہے، اور نیک فال میں یہ سب خرابیاں نہیں، بلکہ آدمی پُر امید ہوجاتا ہے اور اللہ سے لو لگا لیتا ہے، اس لئے اس کی اجازت ہے، پھر اگر امید پوری بھی نہ ہوئی تو کچھ حرج نہیں، اللہ کا فیصلہ! غرض: بدشگونی بری چیز ہے اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ: بدشگونی ہندوانہ چیز ہے (ترمذی حدیث ۱۶۰۶) یعنی پرندہ کی آواز سے، اس کی پرواز سے، کسی جانور کے راستہ کاٹ جانے سے، چھینک سے، برتن گرنے سے اور دیگر چیزوں سے بدشگونی لینا ہندوانہ طریقہ ہے، اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۴:۴۴۵) میں ہے۔

۵- جو بندے بے حساب جنت میں جائیں گے ان کی ایک صفت یہ آئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرتے ہیں، صرف حدیث میں مذکور امور ہی میں نہیں، بلکہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل کرتے ہیں —— توکل: ایمان ویقین کی ایک شاخ ہے، اور اس کے معنی ہیں: کسی کو کام سونپنا، اور اس پر بھروسہ کرنا کہ وہ کام کردے گا، اور اللہ تعالیٰ پر توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر یقین اس درجہ پختہ ہوجائے کہ اس کی نگاہ میں جلب منفعت اور دفع مضرت کے قبیل کے اسباب بے حیثیت ہوکر رہ جائیں، البتہ جو جائز اسباب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے مقرر فرمائے ہیں ان کو اختیار کرنا ضروری ہے، ان کا ترک توکل کا تقاضہ نہیں، الکوکب الدری میں ہے: توکل کا سب سے اعلی مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے مگر ان پر تکیہ نہ کرے، پھر یہ بات ہے کہ اسباب اختیار نہ کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے، پھر اس کے بعد توکل کا کوئی درجہ نہیں، یعنی اسباب اختیار کرنا اور ان پر بھروسہ کرنا توکل نہیں بلکہ توکل کے منافی ہے۔

**چند فوائد:**

فائدہ (۱): یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے، اور اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، خفی اور اخفی، سببِ ظاہری وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سببِ خفی: سببِ ظنی کا نام ہے، اور سببِ اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب، اور دواء سے شفا

حاصل ہوتی ہے، یہ اسباب ظاہرہ ہیں، اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے، مگر یہ سببِ خفی ہے، اور علویات (ستاروں) کے سفلیات یعنی انسانی حوادث (صحت، مرض، عزت، ذلت وغیرہ) پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے، اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا، اور نجومیوں کی باتیں اٹکل پچو ہوتی ہیں، اس لئے شریعت نے سببِ اخفی کی تو قطعاً ممانعت کردی، پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ: ''جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی وہ نچھتروں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نچھتروں کا انکار کرتے ہیں''

اور اسباب خفیہ کی ممانعت تو نہیں کی مگر اس کے ترک کو اولیٰ قرار دیا، چنانچہ مذکورہ حدیث میں ان لوگوں کی جو بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے یہ صفات بیان کیں کہ وہ جنتر منتر نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں لیتے، گرم لوہے کا داغ نہیں لگواتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں، یعنی بے حساب جنت میں جانے والے بندے وہ ہیں جو اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اس کی مشیت اور اس کے حکم ہی کو مؤثر اور کارفرما سمجھتے ہیں، اور ان اسباب کو اختیار نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اور اسبابِ ظاہری کو اختیار کرنا مأمور بہ ہے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے، ایک بدّو نے پوچھا تھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم علاج کرائیں؟ آپؐ نے فرمایا: نعم، یا عباد اللہ! تَدَاوَوْا: ہاں اللہ کے بندو! علاج کراؤ، فإنّ اللہ لم یَضَعْ دَاءً إلاَّ وَضَعَ لَهُ شِفَاءً: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کے لئے شفا بھی پیدا کی ہے (ترمذی حدیث ۲۰۲۶) مگر سببِ ظاہری اختیار کرنے کی حالت میں بھی بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہئے، کیونکہ اسباب محض اسباب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں وہ خود کار نہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، وہ چاہیں گے تو اسباب کام کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے۔ ایک بدو نے پوچھا تھا: میں اونٹ کے پیر باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کروں یا یونہی چرنے کے لئے چھوڑ دوں اور اللہ پر اعتماد کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ: اونٹ کے پیر میں رسّی باندھ پھر اللہ پر بھروسہ کر، جنگِ احد نہایت سخت معرکہ تھا، چنانچہ نبی ﷺ نے دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں، حالانکہ آپؐ سید المتوکلین تھے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ سب ایک دروازہ سے شہر میں داخل مت ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ، مگر ساتھ ہی یہ بھی بتادیا تھا کہ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ ﴿مَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ مِنْ شَيْءٍ﴾: میری تدبیر اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلہ کو روک نہیں سکے گی، پھر سوال پیدا ہوا کہ تدبیر بتانے سے کیا فائدہ؟ قرآنِ کریم نے اس کا جواب دیا ہے: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ﴾ الآیة: یعنی جب وہ لوگ مصر پہنچ کر جس طرح ان کے ابا نے کہا تھا اسی طرح شہر میں داخل ہوئے اور وہ ان سے اللہ کے حکم میں سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتے تھے، یعنی ان کی بتلائی ہوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ صاحبزادگان میں سے ایک کے بجائے دو روک

لئے گئے تاہم ان کے ابا کا ارمان پورا ہوگیا، یہ ارمان کیا تھا؟ اسباب کو اختیار کرنے کی آرزو! کیونکہ انبیاء نے امتوں کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، وہی تعلیم حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی دی تھی، مگر تدبیر بتلانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا، پھر قرآن مجید نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾: اور یعقوب علیہ السلام بلاشبہ بڑے عالم تھے، اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا، یعنی یہ ارمان جو ان کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کا ایک حکم تھا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ توکل کا تقاضہ ان اسباب کو چھوڑنا نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے، ان اسباب کو تو اختیار کرنا ہے، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پر اعتماد ضروری ہے، بلکہ توکل کا تقاضہ ان اسباب کو چھوڑنا ہے، جن سے شریعت نے روکا ہے۔

فائدہ(۲): زمانہ جاہلیت میں لوگ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے تھے تو جھاڑنے والوں سے جھاڑ پھونک کرواتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ جنتر منتر دکھ درد اور بیماری کو ضرور دور کردے گا، اور وہ منتر سب جاہلی تھے، اسی طرح جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع ونقصان کے دونوں پہلو ہوتے تو وہ پرندہ اڑاتے، اگر برا شگون نکلتا تو وہ کام نہیں کرتے تھے، اسی طرح وہ زخموں اور پھوڑوں کے علاج گرم لوہے کا داغ لگوا کر کرتے تھے، اور اس کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے، یہ سب اسباب ناجائز ہیں، اس لئے شریعت نے ان کے ترک کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ ان اسباب کو اختیار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، البتہ جائز اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، ان کا ترک توکل کا تقاضہ نہیں۔

فائدہ(۳): شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں داغنے کی ممانعت کی علت یہ تحریر فرمائی ہے کہ آگ سے جلانا ان باتوں میں سے ہے جن سے فرشتے نفرت کرتے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے مجھے سلام کیا کرتے تھے، جب میں نے ابن زیاد کے کہنے سے داغ لگوایا تو جب تک داغ کا نشان باقی رہا فرشتے میرے پاس نہیں آئے (سنن دارمی ۲:۳۵، کتاب المناسک، باب فی القران)

فائدہ(۴): منتر کی حقیقت وماہیت یہ ہے کہ عالم مثال میں کلمات کے لئے تحقق (پایا جانا) اور اثر ہے، جیسے تعریفی کلمہ خوش کرتا ہے اور گالی ناراض کرتی ہے، منتروں کے کلمات کے یہی اثرات اثر انداز ہوتے ہیں، لہٰذا اگر منتر کے کلمات شرکیہ نہ ہوں تو ان میں کچھ حرج نہیں، خصوصاً قرآن وحدیث کی دعائیں اور ان کے مشابہ دیگر تضرعات: نہ صرف جائز ہیں بلکہ مسنون ہیں۔

فائدہ(۵): حدیثوں میں جو منتر، تعویذ اور ٹوٹکے کی ممانعت آئی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر حدیثیں لکھیں ان کا مصداق وہ چیزیں ہیں جن میں شرک ہو یا اسباب میں غلو ہو کہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائے اور اسباب پر تکیہ کر بیٹھے (یہ فوائد رحمۃ اللہ الواسعہ (۴:۴۴۰ اور ۵:۵۲۴) سے ماخوذ ہیں)

[۳۷۲-] حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، قَالَ حَدَّثَنَا حَاجِبُ ابْنُ عُمَرَ أَبُوْ خُشَيْنَةَ الثَّقَفِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْأَعْرَجِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ. أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ" قَالُوْا: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ"

وضاحت: یہ حکم بن الاعرج کی حدیث ہے، انھوں نے بھی محمد بن سیرین کی طرح حضرت عمرانؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے، اوران کی روایت میں وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ کا اضافہ ہے۔

[۳۷۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ، يَعْنِيْ ابْنَ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا، أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ- لَا يَدْرِيْ أَبُوْ حَازِمٍ أَيُّهُمَا قَالَ- مُتَمَاسِكُوْنَ، آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتّٰى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وُجُوْهُهُمْ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ"

وضاحت: یہ سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے، ابوحازم نے ان سے روایت کی ہے، ان کو سبعون ألفا اور سبع مأة ألف میں شک ہے کہ حضرت سہلؓ نے کونسا عدد ذکر کیا تھا، ان کو یادنہیں رہا...... قوله: مُتَمَاسِكُوْن: یعنی وہ ستر ہزار یا سات لاکھ افراد ایک ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے جنت میں داخل ہونگے، اوران کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہونگے۔

[۳۷۴-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ أَخْبَرَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ رَأَى الْكَوْكَبَ الَّذِيْ انْقَضَّ الْبَارِحَةَ؟ قُلْتُ: أَنَا، ثُمَّ قُلْتُ: أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَكُنْ فِيْ صَلَاةٍ، وَلٰكِنِّيْ لُدِغْتُ. قَالَ: فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ: اسْتَرْقَيْتُ. قَالَ: فَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: حَدِيْثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِيُّ. فَقَالَ: وَمَا حَدَّثَكُمُ الشَّعْبِيُّ؟ قُلْتُ: حَدَّثَنَا عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ حُصَيْبٍ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَارُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ. فَقَالَ: قَدْ أَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰى إِلٰى مَا سَمِعَ، وَلٰكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ. فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرُّهَيْطُ، وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيَّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِيْ سَوَادٌ عَظِيْمٌ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِيْ. فَقِيْلَ لِيْ: هٰذَا مُوْسٰى صلى الله عليه وسلم وَقَوْمُهُ، وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ. فَنَظَرْتُ، فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيْمٌ. فَقِيْلَ لِيْ: انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ الْآخَرِ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيْمٌ. فَقِيْلَ لِيْ: هٰذِهِ أُمَّتُكَ، وَمَعَهُمْ

سَبْعُوْنَ أَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلاَ عَذَابٍ"

ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ، فَخَاضَ النَّاسُ فِيْ أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلاَ عَذَابٍ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِي الإِسْلاَمِ وَلَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ. وَذَكَرُوْا أَشْيَاءَ. فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ: " مَا الَّذِيْ تَخُوْضُوْنَ فِيْهِ؟" فَأَخْبَرُوْهُ. فَقَالَ: " هُمُ الَّذِيْنَ لاَ يَرْقُوْنَ، وَلاَ يَسْتَرْقُوْنَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُوْنَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ" فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ. فَقَالَ: اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ. فَقَالَ: " أَنْتَ مِنْهُمْ" ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ، فَقَالَ: " سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ"

[۳۷۵-] حدثنا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ" ثُمَّ ذَكَرَ بَاقِيَ الْحَدِيْثِ نَحْوَ حَدِيْثِ هُشَيْمٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَوَّلَ حَدِيْثِهِ.

ترجمہ: حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا، انھوں نے پوچھا: تم میں سے کس نے وہ تارا دیکھا جو گذشتہ رات ٹوٹا تھا؟ حصین نے کہا: میں نے دیکھا تھا، پھر انھوں نے کہا: میں نماز نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ مجھے بچھو نے ڈسا تھا؟ (تارا تہجد کے وقت ٹوٹا تھا، حصین نے اس کو دیکھا تھا پھر ان کو خیال آیا کہ شاید حضرت سعیدؒ یہ سمجھیں گے کہ میں اس وقت تہجد کے لئے اٹھا ہوا تھا، اس لئے انھوں نے استدراک کیا کہ میں تہجد نہیں پڑھ رہا تھا، بلکہ مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا اس لئے میں سو نہیں سکا تھا) حضرت سعیدؒ نے پوچھا: پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا: میں نے جھڑوایا، حضرت سعیدؒ نے کہا: تجھے اس پر کس بات نے آمادہ کیا؟ یعنی کیوں جھڑوایا؟ میں نے عرض کیا: عامر شعبیؒ نے ہم سے ایک حدیث بیان کی ہے (اس وجہ سے میں نے جھڑوایا) حضرت سعیدؒ نے فرمایا: عامر شعبیؒ نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ میں نے کہا: انھوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جھڑوانا صرف نظر بد یا کسی زہر سے ہے (یہ حصر ادعائی ہے، یعنی وہ دو خطرناک بیماریاں ہیں اس لئے ان میں جھاڑ پھونک کروانی چاہئے) حضرت سعیدؒ نے کہا: تم نے اچھا کیا کہ جو حدیث تم نے سنی تھی اس پر عمل کیا، مگر ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی کہ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں (یہ کوئی منامی معراج ہے) پس میں نے ایک نبی کو دیکھا اس کے ساتھ چھوٹی سی جماعت تھی اور کسی نبی کے ساتھ ایک دو آدمی تھے اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، یہاں تک کہ میرے سامنے ایک بڑا مجمع لایا گیا، پس میں نے گمان کیا کہ یہ

میری امت ہے، پس مجھ سے کہا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم ہے، لیکن آپ اُفق کی طرف دیکھیں، پس میں نے (سر اٹھا کر) دیکھا، پس اچانک ایک بہت بڑا مجمع تھا، پس مجھ سے کہا گیا: یہ آپ کی امت ہے، اوران کے ساتھ ستر ہزار ایسے افراد ہیں جو بلا حساب اور عذاب جنت میں جائیں گے۔

پھر نبی ﷺ اٹھے اور گھر میں تشریف لے گئے، پس لوگ باتوں میں مشغول ہو گئے، یعنی انھوں نے ان لوگوں کے بارے میں مذاکرہ کیا جو بلا حساب وعذاب جنت میں جائیں گے، پس بعض نے کہا: شاید وہ وہ ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی (یعنی وہ ہم ہونگے) دوسروں نے کہا: شاید وہ وہ ہونگے جو اسلام پر جنے گئے اور انھوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، اور انھوں نے کچھ اور باتیں ذکر کیں، پس نبی ﷺ نکلے اور فرمایا: کس سلسلہ میں تم غور وخوض کرر ہے ہو؟ صحابہ نے آنحضور ﷺ سے پوری بات عرض کی تو آپ نے فرمایا: ''وہ وہ ہیں جو نہ منتر کرتے ہیں اور نہ منتر کرواتے ہیں اور نہ بدفالی لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں'' پس حضرت عکاشہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں کردے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''آپ ان میں سے ہیں'' پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی دعا کی درخواست کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: عکاشہ سبقت لے گئے، یعنی اب اجابت کی گھڑی ختم ہو گئی۔

سند: یہ حدیث حصین بن عبد الرحمٰن سے محمد بن فضیل نے بھی روایت کی ہے، البتہ انھوں نے شروع کا ٹکڑا یعنی تارا ٹوٹنے والا مضمون نہیں روایت کیا، بلکہ منامی معراج میں جو امتیں پیش کی گئی ہیں وہاں سے حدیث روایت کی ہے، اور باقی حدیث ہشیم کی حدیث کے ہم معنی روایت کی ہے۔

لغات: انْقَضَّ انْقِضَاضًا: ٹوٹنا، زائل ہونا ...... البَارِح والبارِحَة: گذشتہ رات...... لَدَغَه (ف) لَدْغًا وَتَلْدَاغًا: ڈسنا، اسی سے ہے: لَدَغَه بکلمة: اس نے طعن وتشنیع کی...... اللَّدیغ: ڈسا ہوا...... العَیْن: نظر بد، کہا جاتا ہے: به عَیْنٌ: یعنی اس کو نظر لگی ہے...... الحُمَة: زہر، ڈنک، جمع: حُمات وحُمَی...... حُمَةُ البَرْدِ: سردی کی شدت ...... الرُّهَیْط: الرَّهط کی تصغیر، قوم، قبیلہ، تین سے دس تک کی جماعت...... سواد عظیم: بہت بڑی جماعت، جمع: اسْوِدَة جمع الجمع: أَسَاوِدُ...... خَاضَ (ن) خَوْضًا وَخِیَاضًا فی الحدیث: مشغول ہونا۔

قوله: إنی لم أکن فی صلوة: غلط فہمی دور کرنے کے لئے یہ فرمایا، حضرت سعید بن جبیرؒ یہ خیال کر سکتے تھے کہ حصین بن عبد الرحمٰن تہجد پڑھنے کے لئے رات کے آخری پہر میں بیدار ہوئے ہونگے اور انھوں نے تارا ٹوٹتا ہوا دیکھا ہوگا، اس لئے حصین نے استدراک کیا کہ میں تہجد نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ مجھے بچھو نے ڈسا تھا اس لئے جاگ رہا تھا۔

قوله: اسْتَرْقَیْتُ: معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں جھڑوانا جائز ہے، اسی طرح مجبوری میں گرم لوہے سے دغوانا بھی جائز ہے، روایات سے یہ بات ثابت ہے، البتہ بدفالی لینا جائز نہیں، ہاں نیک فالی لے سکتے ہیں، مگر توکل کا اعلیٰ درجہ وہ

ہے جو اس حدیث میں آیا ہے، یعنی وہ لوگ تین کام نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ بے حساب جنت میں جائیں گے۔

**قولہ: لارُقیۃ إلا مِن عین أو حُمَۃ:** اس میں دوسری بیماریوں کو جھاڑنے کی نفی نہیں، بلکہ یہ نفی کمال کی ہے: ای لارقیۃ أولی ولا أنفع منھا فی العین والحمۃ: یعنی بدنظری اور زہر میں جھڑوانا زیادہ فائدہ مند ہے۔

جاننا چاہئے کہ نظر برحق ہے اور اس کی تاثیر ثابت ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب نظر لگانے والے کے دل میں کوئی چیز کُھب جاتی ہے تو اس کی آنکھ سے زہریلی شعائیں نکلتی ہیں جو نظر زدہ سے ٹکراتی ہیں، پس وہ بیمار پڑ جاتا ہے یا ہلاک ہو جاتا ہے، جیسے بعض سانپ جب انسان کی نظر سے نظر ملاتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے زہر نکلتا ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے، یا اس کی نظر اچک لیتا ہے اور حاملہ کا حمل گرا دیتا ہے، اسی طرح اگر مانع نہ ہو تو نظر لگانے والے کی نظر بھی متاثر کرتی ہے، اور مانع یہ ہے کہ جب کوئی چیز دل میں کھب جائے تو فوراً کہے: ماشاء اللہ، لاقوۃ إلا باللہ نظر کا اثر رک جائے گا۔ اور اگر نظر لگ ہی جائے تو جسمانی علاج کی طرح اس کا علاج بھی مسنون ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک لڑکی تھی، جس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے جھڑواؤ! اسے نظر لگی ہے'' (مشکوۃ حدیث ۴۵۲۸، رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۵۲۵)

**قولہ: لایرقون:** یہ اضافہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، دیگر روایت میں یہ اضافہ نہیں ہے، اس لئے ابن تیمیہؒ نے اس زیادتی کا انکار کیا ہے اور مزید برآں یہ کہا ہے کہ جھاڑ پھونک کرنے والا مریض پر احسان کرتا ہے، اور خود نبی ﷺ صحابہ کرام کو جھاڑا کرتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی آنحضور ﷺ کو جھاڑا ہے، پس اس کا ترک مطلوب کیسے ہو سکتا ہے؟

**جواب:** سعید بن جبیر (جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں) ثقہ اور بخاری و مسلم کے راوی ہیں، اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق معتبر ہے، چنانچہ امام مسلمؒ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور رہی یہ بات کہ جھاڑ پھونک کرنے والا تو احسان کرتا ہے پس یہ توکل کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ جھاڑنے والا اپنے رقیہ پر اعتماد کر لیتا ہے اور یہ بات توکل کے خلاف ہے، اس لئے سدًا للباب رقیہ کی بھی نفی کر دی اور اس کو بھی توکل کے خلاف قرار دیدیا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اور آنحضور ﷺ میں اس کا قطعاً احتمال نہیں تھا، وہ سید المتوکلین تھے۔

## بَابُ كَوْنِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ نِصْفُ أَهْلِ الْجَنَّةِ

### آدھے جنتی اس امت سے ہونگے

اللہ عزوجل نے اس امت کو گوناگوں خصوصیات اور انعام و اکرام سے نوازا ہے، ان اعزازات میں سے ایک اعزاز اس

امت کا یہ ہے کہ جنت میں سب سے زیادہ اس امت کے افراد ہونگے، یہ امت جنت میں دوتہائی ہوگی، ترمذی شریف میں (حدیث نمبر ۲۵۴۶) حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنتیوں کی ایک سوبیس صفیں ہونگی ان میں سے اسّی صفیں اس امت کی ہونگی، اور چالیس صفیں دوسری امتوں کی'' یعنی یہ امت جنت میں دوتہائی ہوگی، یہ اس امت پر اللہ عزوجل کا خاص فضل وانعام ہے۔

## [۸۷- بَابُ كَوْنِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ نِصْفُ أَهْلِ الْجَنَّةِ]

[۳۷۶-] حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: فَكَبَّرْنَا. ثُمَّ قَالَ:" أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: فَكَبَّرْنَا. ثُمَّ قَالَ:" إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ. مَا الْمُسْلِمُوْنَ فِي الْكُفَّارِ إِلَّا كَشَعْرَةٍ بَيْضَاءَ فِيْ ثَوْرٍ أَسْوَدَ، أَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِيْ ثَوْرٍ أَبْيَضَ"

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم خوش ہو کہ تم جنتیوں میں چوتھائی ہوؤ؟ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم خوش ہو کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوؤ؟ ابن مسعود کہتے ہیں: ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، آپؐ نے پھر فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہوؤگے، اور ابھی میں تمہیں اس کے بارے میں بتلاؤں گا: نہیں ہیں مسلمان کفار کی بہ نسبت مگر کالے بیل کی کھال میں سفید بال کی طرح یا سفید بیل کی کھال میں کالے بال کی طرح''

تشریح:

۱-اس حدیث میں نصف تعداد آئی ہے، یعنی یہ امت تنہا جنت میں آدھی ہوگی اور حضرت بریدہؓ کی حدیث میں جو اوپر بیان کی دوتہائی کا ذکر ہے، اور سنداً وہ حدیث ٹھیک ہے، اور تعارض کے وقت بڑا عدد لیا جاتا ہے، کیونکہ چھوٹا عدد اس میں خود بخود آجاتا ہے، پس امت محمدیہ کی تعداد جنت میں دوتہائی ہوگی۔

۲-اس امت کے بارے میں نبی ﷺ نے پہلے یہ خبردی کہ جنت میں ان کی تعداد چوتھائی ہوگی، پھر تہائی کی خبر دی، پھر آدھے کی خبردی، یہ ترقی تدریجاً وحی آنے کی وجہ سے ہوئی ہے، جس طرح وحی آتی گئی آپؐ امت کو مطلع فرماتے رہے، اور آخری وحی وہ ہے جو حضرت بریدہؓ کی حدیث میں مروی ہے کہ یہ امت جنتیوں میں دوتہائی ہوگی (یہ دیگر امتوں کی بہ نسبت اس امت کی تعداد کا بیان ہے)

۳-اور مشرکین یعنی جہنمیوں کی بہ نسبت جنتیوں کی تعداد بہت ہی معمولی ہوگی، کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال

کی جونسبت ہے وہی نسبت جنتیوں اور جہنمیوں میں ہوگی، اور یہ نسبت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کالے بیل کی کھال میں کل کتنے بال ہیں، مگر یہ بات کون بتا سکتا ہے؟ اس لئے نسبت بھی معلوم نہیں ہوسکتی، اور اس کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ حدیث کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی، کیونکہ جنت میں مسلمان ہی جائے گا، کفار ومشرکین کا وہاں گذر نہیں۔

[۳۷۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ- وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى- قَالاَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ قُبَّةٍ: نَحْوًا مِنْ أَرْبَعِيْنَ رَجُلاً. فَقَالَ: " أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالَ: قُلْنَا: نَعَمْ. فَقَالَ: " أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" فَقُلْنَا: نَعَمْ. فَقَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَذَاكَ أَنَّ الْجَنَّةَ لاَ يَدْخُلُهَا إِلاَّ نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ. وَمَا أَنْتُمْ فِيْ أَهْلِ الشِّرْكِ إِلاَّ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِيْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِيْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ"

وضاحت: ابن مسعودؓ سے مذکورہ حدیث ابواسحاق نے عمرو بن میمون کے واسطہ سے روایت کی ہے، اور ان سے ابو الاحوص اور شعبہ دونوں روایت کرتے ہیں، گذشتہ حدیث ابوالاحوص کی تھی اور یہ شعبہؒ کی ہے...... قوله: كنا مع رسول الله: ہم ایک قبہ میں تقریباً چالیس آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے...... وذاک أن الجنة: اور یہ بات ہے کہ جنت میں نہیں جائے گا مگر مسلمان آدمی، اور نہیں ہو تم مشرکین کی بہ نسبت مگر کالے بیل کی کھال میں سفید بال کی طرح۔

[۳۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ- وَهُوَ ابْنُ مِغْوَلٍ- عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَسْنَدَ ظَهْرَهُ إِلَى قُبَّةِ أَدَمٍ. فَقَالَ: " أَلاَ لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلاَّ نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ. اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! أَتُحِبُّوْنَ أَنَّكُمْ رُبُعُ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" فَقُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: " أَتُحِبُّوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟" قَالُوْا: نَعَمْ. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: " إِنِّيْ لَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. مَا أَنْتُمْ فِيْ سِوَاكُمْ مِنَ الْأُمَمِ إِلاَّ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَبْيَضِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ"

وضاحت: یہ حدیث مالک بن مغول نے ابواسحاق سے اسی سند سے روایت کی ہے، جس سند سے شعبہ اور ابو الاحوص نے روایت کی ہے...... قوله: فَأَسْنَدَ ظَهْرَه: آپ ﷺ نے چمڑے کے خیمہ سے پشت مبارک لگا کر خطبہ دیا

......الأدَم: چمڑے کا ظاہری یا اندرونی حصہ، کہا جاتا ہے: فلانٌ إدامُ قومہ: فلاں اپنی قوم کا سردار ہے...... اللهم! هل بلّغتُ: نبی ﷺ پر تبلیغ واجب تھی، آپؐ نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کیا پھر دعا فرمائی: اللّٰھم! اشھد، اے اللہ! آپ گواہ رہیں!

[۴۷۹-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْعَبْسِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا آدَمُ! فَيَقُوْلُ: لَبَّيْكَ! وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ! قَالَ: يَقُوْلُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ. قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ. قَالَ: فَذَاكَ حِيْنَ يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ﴾ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَاهُمْ بِسُكَارَى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ قَالَ: فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ: فَقَالَ:" أَبْشِرُوْا فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ أَلْفًا. وَمِنْكُمْ رَجُلٌ" قَالَ: ثُمَّ قَالَ:" وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنِّيْ لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ" فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا. ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنِّيْ لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ" فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا. ثُمَّ قَالَ:"وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! إِنِّيْ لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِيْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِيْ ذِرَاعِ الْحِمَارِ"

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل (حضرت آدم علیہ السلام کو) پکاریں گے: اے آدم! وہ عرض کریں گے: میں آپ کی بارگاہ میں اور اطاعت میں حاضر ہوں اور تمام بھلائیاں آپ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: جہنم میں بھیجے جانے والے علاحدہ کرو، حضرت آدم علیہ السلام پوچھیں گے: جہنم میں بھیجے جانے والوں کی کیا تعداد ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "ہر ہزار میں سے ۹۹۹، یعنی ہزار میں سے ۹۹۹ دوزخ کے لئے اور ایک جنت کے لئے الگ کرو، نبی ﷺ نے فرمایا: اس وقت بچے بوڑھے ہوجائیں گے، اور ہر حمل والی عورت اپنے حمل کو ڈال دے گی، اور تمہیں لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہونگے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا (جس سے لوگوں کا یہ حال ہوجائے گا) راوی کہتے ہیں: لوگوں پر یہ بات بھاری گذری (اور انہیں مایوسی ہوئی کہ ہمارا نمبر تو آنے سے رہا) انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے وہ ایک (جو جنت میں جائے گا) کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: خوشخبری سنو، بیشک ہزار یاجوج وماجوج میں سے ہونگے اور ایک تم میں سے ہوگا۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کے چوتھائی ہووگے، پس ہم نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے!

مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوؤ گے، پس ہم نے اللہ کی حمد وثنا کی اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھے ہوؤ گے، بیشک تمہاری مثال دیگر امتوں کی بہ نسبت —— یعنی امتِ اجابہ کے صالحین کا حال اور دوسری امتوں کا حال یعنی امت دعوت کے لوگوں کا حال یعنی نسبت کالے بیل کی کھال میں سفید بال کی طرح ہے، یا گدھے کے دست میں نشان کی طرح ہے۔

لغات: لبیک وسعدیک: ان دونوں کلموں کی تحقیق باب ۱۰ (حدیث نمبر ۴۸) میں گذر چکی ہے…… بَعْث النار: یہ مبعوث (اسم مفعول) کے معنی میں ہے، وہ لوگ جو جہنم میں داخل ہونگے اس کا ترجمہ ہے: جہنم کی کھیپ…… البَعْث: وفد، بَعَثَهُ إلیه: بھیجنا…… سُکَارَی، سُکْرَان کی جمع: نشہ میں چور، مدہوش، مست، مؤنث سَکْریٰ…… الرَّقْمَة: چوپائے کی کہنی کے اندر پیدا ہونے والی ایک بیماری، ابھرا ہوا گوشت یا سیاہ داغ۔

تشریح:

۱- اللہ پاک نے سورۃ الحج کی ابتدائی آیات میں قیامت کے دن کی سنگینی اور ہولناکی کی منظر کشی کی ہے، ارشادِ پاک ہے: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! (اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، اس کے دین کو قبول کرو، اور اس کی ہدایات پر عمل کرو، حساب کا دن آنے والا ہے، اور قیامت برپا ہونے والی ہے) قیامت کا زلزلہ (بھونچال) یقیناً بھاری چیز ہے (اس دن زمین کی حالت اس کشتی جیسی ہوگی جو موجوں کے تھپیڑوں سے ڈگمگا رہی ہو، یا اس قندیل جیسی ہوگی جو ہوا کے جھونکوں سے جھول رہی ہو، اس دن زمین کی آبادی پر کیا گذرے گی؟) جس دن تم اس (زلزلہ) کو دیکھو گے: ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور ہر حمل والی عورت اپنے حمل کو ڈال دے گی، اور تمہیں لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہونگے، بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا، جس سے لوگوں کا یہ حال ہو جائے گا۔

یہ قیامت کی سنگینی کا ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو وہ ہے جو مذکورہ حدیث میں آیا ہے، قیامت کے دن جب آدم علیہ السلام کو حکم ملے گا کہ جہنم کی کھیپ علاحدہ کیجئے! آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ اس کھیپ کی تعداد کیا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم میں بھیجے جائیں اور ایک جنت کے لئے علاحدہ کیا جائے، سوچو! اس اعلان کے وقت اہل محشر کا کیا حال ہوگا، اس وقت کی ان کی پریشانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ یہ بھی قیامت کا ایک زلزلہ ہے۔

۲- قیامت کے دن یہ کام حضرت آدم علیہ السلام سے اس لئے لیا جائے گا کہ وہ سب انسانوں کے باپ ہیں، اور پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ سب نیک وبد روحیں آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں ہیں، اور آپ دائیں طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں، اس لئے وہ سب کو اچھی طرح جانتے ہیں، اور ایسا ہی شخص لوگوں کو چھانٹ سکتا ہے۔

۳- ترمذی شریف (حدیث نمبر۳۱۹۴) میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "خوش ہوجاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! بیشک تم دو مخلوقوں کے ساتھ ہوؤ گے، نہیں ہونگی وہ دونوں مخلوقیں کسی چیز کے ساتھ مگر وہ اس کو بہت زیادہ کردیں گی: (۱) یاجوج وماجوج اور وہ انسان جو مرگئے، یعنی گذشتہ امتوں کے کفار (۲) اور ابلیس کی اولاد یعنی کافر جنات" ـــــ ان دونوں کی بڑی تعداد ہے اس لئے یہ دونوں جس کے ساتھ ہونگے ان کی تعداد بے حساب ہوگی، پس ۹۹۹ ان میں سے ہونگے اور ایک مؤحدین میں سے ہوگا۔

۴- حضرات ابوسعید، عمران بن حصین، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی حدیثوں میں ۹۹۹ کا تناسب ہے یعنی ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم کے لئے علاحدہ کئے جائیں گے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مِنْ كل مِاۃٍ تسعۃٌ وتسعین ہے، یعنی ۱۰۰ میں سے ۹۹ کا تناسب ہے۔ علماء نے دونوں حدیثوں کے درمیان کئی طرح سے تطبیق دی ہے، مثلاً: (۱) کفار کی بہ نسبت ہزار میں سے ۹۹۹ کا تناسب ہوگا اور گنہ گار مسلمانوں کی بہ نسبت ۱۰۰ میں سے ۹۹ کا۔ (۲) ان حدیثوں میں عدد مقصود نہیں، بلکہ دونوں حدیثوں کا مدعیٰ یہ ہے کہ جہنمیوں کی بہ نسبت جنتیوں کی تعداد تھوڑی ہوگی۔ (۳) حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہ کی حدیثوں میں تناسب تمام امتوں کی بہ نسبت ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں صرف امتِ محمدیہ کی بہ نسبت تناسب ہے ـــــ علماء نے اور بھی توجیہات کی ہیں جو فتح الملہم میں ہیں۔

فائدہ: یاجوج وماجوج کون ہیں؟ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (۲: ۱۱۰) میں لکھا ہے کہ: "صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انہی کی شکل وصورت اور جسمانی اوصاف رکھتے ہیں" ـــــ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۶: ۳۸۶) میں تحریر فرمایا ہے کہ: "یاجوج وماجوج: یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں" ـــــ حضرت قتادہؒ سے بھی یہی بات مروی ہے ـــــ اور روح المعانی میں ہے: "یاجوج وماجوج: یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں اور یہی رائے وہب بن منبہ کی ہے اور متاخرین میں سے اکثر کی یہی رائے ہے" ـــــ بائبل کتاب پیدائش باب ۱۰ آیت ۲ میں بھی یافث کے ایک لڑکے کا نام ماجوج آیا ہے اور یاجوج کے بارے میں بائبل کا بیان مختلف ہے۔

غرض یاجوج وماجوج کوئی عجوبۂ روزگار مخلوق نہیں، نہ وہ برزخی مخلوق ہیں اور اس قسم کی جو روایات ہیں ان کا اسلامی روایات سے کچھ تعلق نہیں، وہ سب اسرائیلیات ہیں جو "غرق مئے ناب اولیٰ" کا مصداق ہیں، علامہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن رحمہ

اللہ نے قصص القرآن جلد سوم میں ان روایات کی تغلیط کی ہے، اور سمجھنے کے لئے واضح بات یہ ہے کہ جب یاجوج وماجوج بنی آدم اور ذریت نوح ہیں تو پھر وہ دوسری ذریت سے اتنے مختلف کیسے ہوسکتے ہیں، جو ان روایات میں دکھایا گیا ہے (مزید تفصیل ہدایت القرآن ۵:۲۳۲ میں پڑھیں)

[۳۸۰-] حدثنا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ. ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، كِلاَهُمَا عَنِ الأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ. غَيْرَ أَنَّهُمَا قَالاَ:" مَا أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ فِي النَّاسِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الأَسْوَدِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الأَبْيَضِ" وَلَمْ يَذْكُرَا:" أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ"

وضاحت: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اعمش سے وکیع اور ابومعاویہ نے اسی سند سے روایت کی ہے جس سند سے جریر نے روایت کی ہے۔ البتہ انھوں نے ما أنتم يومئذ في الناس إلا كالشعرة البيضاء تک ہی روایت کی ہے، آخری ٹکڑا أو كالرقمة في ذراع الحمار: ذکر نہیں کیا۔

الحمدللہ! مسلم شریف کی کتاب الایمان پوری ہوئی، اس میں ۳۸۰ حدیثیں ہیں، اگلی جلد كتاب الطهارة سے شروع ہوگی، اللہ تعالیٰ سے اس کی شرح میں توفیق مانگتا ہوں!